مطبوعات ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان

رسالۂ قشیریہ

تصنیف

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری

(۳۷۶ھ — ۴۶۵ھ)

ترجمہ، مقدمہ و تعلیقات

ڈاکٹر پیر محمد حسن

سابق صدر شعبہ ادب عربی۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور

سلسلہ مطبوعات	:	۱۸ (۲)
ناشر	:	ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد
طابع	:	مطبع ادارہ تحقیقاتِ اسلامی
اشاعتِ اوّل	:	ایک ہزار ۔ ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء
اشاعتِ دوم	:	ایک ہزار ۔ ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۴ء
قیمت	:	ایک سو بیس روپے (۱۲۰ روپے)

ادارہ تحقیقات اسلامی۔ فیصل مسجد۔ اسلام آباد
پوسٹ بکس نمبر: ۱۰۳۵
۱۹۸۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ (طبع اوّل)

رسالۂ قشیریہ مصنفہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری (المتولد ۳۷۶ھ و المتوفی ۴۶۵ھ) جس کا اُردو ترجمہ پہلی بار پیش کیا جا رہا ہے، تصوفِ اسلامی کی چند قدیم ترین کتابوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ امام قشیری مصنف رسالہ قشیریہ اور شیخ ہجویری (داتا گنج بخش لاہوری) مصنف کشف المحجوب کی وفات، مشہور روایت کی بنا پر ایک ہی سال یعنی ۴۶۵ھ میں ہوئی ہے۔ اور ان دونوں کتابوں کی تصنیف کا زمانہ بھی قریب قریب ایک ہی ہے۔ رسالہ قشیریہ ۴۳۷ھ و ۴۳۸ھ میں تصنیف کیا گیا تھا، اور اسی سال یا ایک دو سال کے بعد کشف المحجوب کی تصنیف ہوئی۔

رسالہ قشیریہ کے مصنف ایک مفسر، مورخ، ادیب اور شاعر ہونے کے علاوہ اپنے عہد کے مشہور صوفیا میں سے تھے، یہ شیخ ابو علی دقاق کے مرید تھے، اور انہوں نے اپنے شیخ کی وفات کے بعد شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے استفادہ کیا تھا۔ بحیثیت مصنف اور عالم کے بھی اُن کا بڑا مرتبہ ہے۔ الرسالۃ القشیریہ کے علاوہ بارہ مشہور کتابوں کے مصنف ہیں، خصوصاً ان کی تفسیر الکبیر کی مشاہیر علماء مثلاً ابن خلکان اور امام سیوطی وغیرہما نے بڑی تعریف کی ہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی طرف سے الرسالۃ القشیریۃ (جس کا عربی متن بارہا مصر سے شائع ہو چکا ہے) مکمل اُردو ترجمہ اولین بار شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ ترجمہ بڑی محنت و مشقت اور بڑی مہارت کے ساتھ ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب نے کیا ہے۔ نہ صرف ترجمہ کیا ہے بلکہ وسیع مقدمہ اور تفصیلی حواشی، حوالہ جات اور فہارس کا اضافہ کر کے کتاب کی افادیت کو بہت کچھ بڑھا دیا ہے۔

اہلِ علم پر واضح ہے کہ تصوف اور صوفیائے کرام کی تاریخ اور تصوف کی اصطلاحات کی تشریح و وضاحت میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

امام قشیری کے دوسرے تین نادر رسالے ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب کی مساعی سے اُردو ترجمہ کے ساتھ الرسائل القشیریہ کے عنوان سے چند سال قبل اسی ادارے سے شائع کیے جا چکے ہیں اور قارئین میں مقبول ہو چکے ہیں۔

ہم اُمید کرتے ہیں کہ اس عظیم الشان کتاب کی اشاعت کو علمی حلقوں میں پسند کیا جائے گا، اور ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی اس خدمت کو اہلِ علم حضرات بلند مقام عطا فرمائیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیقِ خیر بخشے۔

وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم

محمد صغیر حسن معصومی

۱۴ اپریل ۱۹۷۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ : (طبع دوم)

ابوالقاسم القشیری (م: ۴۶۵ھ) کی مشہور تالیف الرسالۃ القشیریہ کا شمار اسلامی تصوف کی اولین اور انتہائی مستند کتابوں میں ہوتا ہے۔

الرسالۃ القشیریہ کا عربی متن مصر سے کئی بار شائع ہو چکا تھا۔ عربی کے معروف فاضل ڈاکٹر پیر محمد حسن نے ادارہ کی درخواست پر اس کا اردو ترجمہ کیا جو پہلی بار ۱۹۷۰ء میں ادارہ کی طرف سے شائع کیا گیا۔

پہلے ایڈیشن کی طباعت میں وہ اہتمام نہ ہو سکا جس کی یہ کتاب مستحق تھی، ہمیں خوشی ہے کہ ادارہ اسلامی تصوف کی اس بنیادی کتاب کا اردو ترجمہ دوبارہ شائع کر رہا ہے موجودہ ایڈیشن نئی کتابت کے ساتھ لیتھو کی بجائے آفسٹ پر طبع کیا گیا ہے ابتداء میں عنوانات اور مصادر (کتابیات) کی فہرست، اور کتاب کے آخر میں ۵۲ صفحات پر مشتمل طویل اشاریہ (فہرستِ اَعلام) شامل کیا گیا ہے جس کے باعث کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ادارہ تحقیقات اسلامی کی یہ خدمت اہل علم و فضل میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

(ڈاکٹر ظفر محمد زمان)
ڈائرکٹر جنرل

اسلام آباد
۱۶، جمادی الآخر ۱۴۰۴ھ
۲۰، مارچ ۱۹۸۴ء

مصادر

۱۔ احیاء علوم الدین۔ ابوحامد محمد الغزالی (م ۵۰۵ھ) طبع مصر ۱۳۵۸ھ

۲۔ اخبار اصفہان۔ حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی (م ۴۳۰ھ) طبع لیڈن ۱۹۳۴ء

۳۔ اُردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ طبع پنجاب یونیورسٹی جلد چہارم لاہور۔

۴۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔ عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری المعروف بابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) طبع طہران۔

۵ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲) مطبع تیج کمار لکھنؤ۔

۶۔ الاعلام۔ الزرکلی (م) طبع بیروت ۱۹۰۰ء

۷۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگریزی) مقالہ قشیری

۸۔ انوار القدسیہ فی اداب العبودیہ۔ عبدالوہاب شعرانی۔ طبع مصر برحاشیہ لواقح الانوار۔

۹۔ اے لٹریری ہسٹری آف دی عربز از نکلسن (انگریزی) طبع کیمبرج ۱۹۵۶ء

۱۰۔ البدایہ والنہایہ۔ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی (م ۷۷۴ھ) طبع مصر

۱۱۔ تاریخ بغداد۔ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) طبع مصر ۱۹۴۹ء

۱۲۔ تاریخ اسلام وطبقات مشاہیر الاسلام۔ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م ۷۴۸ھ) طبع مصر ۱۳۴۹ء۔

۱۳۔ تاریخ جرجان۔ ابوالقاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم السہمی الجرجانی (م ۴۲۷ھ) طبع حیدرآباد ۱۳۶۹ھ۔

۱۴۔ تاریخ کبیر۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶ھ) طبع حیدرآباد دکن ۱۳۶۲ھ

۱۵۔ تاریخ یمینی۔ ابونصر محمد بن عبدالجبار العتبی (م ۴۲۸ھ) مطبع لاہور۔

۱۶۔ تحفۃ الابرار۔ مرزا آفتاب بیگ عرف محمد نواز مرزا دہلوی۔ مطبع رضوی دہلی ۱۳۲۳ھ۔

۱۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ شمس الدین ابوعبداللہ الذہبی (م ۷۴۸ھ) مطبع حیدرآباد دکن ۱۳۳۲ھ۔

۱۸۔ تذکرۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) فریدالدین عطار طبع دین محمدی پریس لاہور۔

۱۹۔ التصوف و المتصوفہ۔ عبداللہ الحسین۔ طبع قاہرہ

۲۰۔ تلبیس ابلیس۔ عبدالرحمٰن بن الجوزی (م ۵۹۷) طبع مصر ۱۹۲۸ء۔

۲۱۔ تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس علی ہامش القرآن الکریم۔ ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی (م = ۸۱۷ھ) طبع مصر ۱۳۵۶ھ۔

۲۲۔ تہذیب التہذیب۔ ابن حجر عسقلانی (م = ۸۵۲ھ) طبع حیدرآباد دکن۔

۲۳۔ الجامع لاحکام القرآن۔ ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی۔ طبع مصر۔

۲۴۔ الجرح والتعدیل۔ ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم (م = ۳۲۷ھ) طبع حیدرآباد دکن ۱۳۲۷ھ

۲۵۔ حلیۃ الاولیاء۔ ابو نعیم احمد بن عبداللہ بن احمد الاصبہانی (م = ۴۳۰ھ) طبع مصر۔

۲۶۔ حیات جاوداں۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ طبع راولپنڈی۔

۲۷۔ حیات القلوب۔ عماد الدین اموی علی ہامش قوت القلوب۔ طبع مصر۔

۲۸۔ خزینۃ الاصفیاء۔ مفتی غلام سرور۔ طبع المعارف گنج بخش لاہور۔

۲۹۔ خزینۂ معارف اردو ترجمہ "الابریز" ڈاکٹر پیر محمد حسن مطبع ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور ۱۹۶۰ء

۳۰۔ خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر۔ محمد المحبی الطبری۔ طبع مصر۔

۳۱۔ دول الاسلام۔ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان قائماز الترکی الذہبی (م = ۷۴۸ھ) طبع حیدرآباد دکن۔

۳۲۔ ذیل طبقات الحنابلہ۔ ابن رجب زین الدین ابو الفرج عبداللہ بن شہاب الدین البغدادی (م = ۷۹۵ھ) طبع مصر۔

۳۳۔ روح المعانی۔ السید محمود الالوسی البغدادی (م = ۱۲۷۰ھ) مطبع ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ۔

۳۴۔ سراج القلوب وعلاج الذنوب۔ ابو علی زین الدین علی ہامش قوت القلوب۔ السید محمود الالوسی البغدادی (م = ۱۲۷۰ھ) مطبع ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ۔

۳۵۔ SUFISM از A.J ARBERRY

۳۶۔ شذرات الذہب فی اخبار من ذہب۔ ابو الفلاح عبدالحی بن العماد الحنبلی (م = ۱۰۸۹) طبع مصر۔

۳۷۔ شرح التعرف لمذہب التصوف۔ ابو ابراہیم اسماعیل ابن محمد بن عبداللہ المستملی البخاری۔ (م = ۴۳۸ھ) طبع نول کشور۔

۳۸۔ شرح رسائل قشیریہ۔ صدر الدین ابو الفتح سید محمد گیسو دراز (م = ۸۲۵ھ) طبع حیدرآباد دکن ۱۳۶۱ھ

۳۹۔ شرح الرسالۃ القشیریہ۔ زکریا الانصاری علی ہامش نتائج الافکار القدسیہ طبع مصر ۱۲۹۰ھ۔

۴۰۔ شرح منازل السائرین۔ سدید الدین ابو محمد عبد المعطی بن ابو الثنا محمد بن عبد المعطی اللخمی الاسکندری تحقیق الاب س۔ دی لوجیبہ بورکی الدومنکی۔ طبع قاہرہ ۱۹۶۲ء۔

۴۱۔ شرح منازل السائرین۔ محمود بن شیخ شیوخ العارفین حسن بن محمد الشافعی الفرکاوی (م ۸۹۵ھ) تحقیق دی بورکی۔

۴۲۔ صفوۃ الصفوۃ عبد الرحمٰن بن الجوزی (م = ۵۹۷ھ) طبع دائرۃ المعارف دکن (ہند)۔

۴۳۔ طبقات الحنابلہ۔ لابن ابی یعلی الحنبلی (م = ۵۲۶ھ) طبع مصر

۴۴۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ۔ تاج الدین عبد الوہاب بن السبکی (م = ۷۴۹ھ) طبع مصر۔

۴۵۔ طبقات الصوفیہ۔ ابو عبد الرحمٰن السلمی (م = ۴۱۲ھ) طبع مصر۔

۴۶۔ طبقات المفسرین۔ جلال الدین السیوطی طبع لیڈن ۱۸۳۹ء۔

۴۷۔ عوارف المعارف۔ ابو حفص شہاب الدین عمر بن احمد عبد اللہ السہروردی (م = ۶۳۲ھ) علی ہامش احیاء علوم الدین۔

۴۸۔ فتح الباری۔ ابن حجر العسقلانی (م = ۸۵۲ھ) طبع مصر

۴۹۔ الفہرست۔ ابو الفرج محمد بن اسحٰق الوراق المعروف بابن یعقوب الندیم البغدادی (م = ۳۸۵ھ) طبع مصر ۱۳۴۸ھ۔

۵۰۔ فیض الباری شرح صحیح البخاری سید انور شاہ کشمیری۔ طبع مصر۔

۵۱۔ قوت القلوب۔ ابو طالب محمد ابو الحسن علی بن عباس المکی (م = ۳۸۶ھ) طبع مصر۔

۵۲۔ کتاب جامع کرامات اولیاء یوسف بن اسماعیل النبہانی (م = ۱۳۵۰ھ) طبع مصر

۵۳۔ کتاب اللمع ابو نصر السراج (م = ۳۷۸ھ) تحقیق نکلسن طبع یورپ۔

۵۴۔ کشف الظنون مصطفیٰ بن عبد اللہ الشہیر حاجی خلیفہ (۱۰۶۹ھ) مطبع البہیہ استنبول۔

۵۵۔ کشف المحجوب۔ سید علی ہجویری۔ طبع ژوکوفسکی۔

۵۶۔ اللباب فی تہذیب الانساب۔ عز الدین ابو الحسن علی بن محمد بن الاثیر الجزری (م = ۶۳۲ھ) طبع مصر ۱۳۵۷ھ۔

۵۷۔ لطائف الاشارات للقشیری۔ پیش لفظ از استاد حسن عباس زکی تحقیق و تقویم و تعلیق: دکتور ابراہیم بسیونی۔ طبع قاہرہ۔

۵۸- لواقع الانوار- عبدالوہاب الشعرانی (م= ۹۷۳ھ) طبع مصر-

۵۹- معجم البلدان- امام شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی الرومی (م= ۶۲۶ھ)
طبع بیروت- ۱۳۷۵ھ-

۶۰- معجم المولفین- عمر رضا کحالہ (م) طبع مطبعۃ الترقی بدمشق ۱۹۵۷ء-

۶۱- المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاثار- زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن
الحسین العراقی (م= ۸۰۶ھ) علی ہامش احیاء علوم الدین-

۶۲- الملل والنحل (اردو ترجمہ) محمد علی بن احمد بن حزم (م= ۴۵۶ھ) طبع حیدرآباد دکن-

۶۳- الملل والنحل- للشہرستانی (م= ۵۴۸ھ) طبع مصر-

۶۴- المنتظم- عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی (م= ۵۹۷ھ) طبع حیدرآباد دکن ۱۳۵۷ھ

۶۵- نتائج الافکار القدسیہ فی معانی شرح الرسالہ القشیریہ- سید مصطفیٰ بن محمد الصغیر العروسی
الشافعی الازہری (م= ۱۲۹۳ھ) طبع مصر ۱۲۹۰ھ-

۶۶- نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین- للسیوطی (م= ۹۱۱ھ) طبع حیدرآباد دکن
۱۳۹۱ھ-

۶۷- نفحات الانس- عبدالرحمٰن جامی (م= ۸۹۸ھ) طبع نولکشور ۱۹۱۵ء- اور مطبع اسلامی
لاہور-

۶۸- نقد العلم والعلماء او تلبیس ابلیس- عبدالرحمٰن بن الجوزی (م= ۵۹۷ھ) طبع مصر

۶۹- نہایۃ الارب فی معرفت انساب العرب- ابوالعباس احمد القلقشندی (م= ۸۲۱ھ)
طبع قاہرہ ۱۹۵۹ء-

۷۰- وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان- ابوالعباس احمد بن محمد بن ابراہیم المعروف بابن
خلکان (م= ۶۸۱ھ) طبع مصر-

فہرست مضامین

مقدمہ

غالباً جولائی سنہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے کہ مکرمی چوہدری عبدالعزیز صاحب کنٹرولر کسٹمز (ای ویلیوایشن) سرکاری دورہ پر راولپنڈی تشریف لائے۔ اُن سے ملاقات ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں میں ان سے بہت متاثر ہوا۔ جب تک راولپنڈی میں اُن کا قیام رہا۔ ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ایک روز برسبیل تذکرہ فرمانے لگے کہ کوئی ایسا کام کرنا چاہیئے جس سے مخلوق خدا کو ہدایت اور فائدہ ہو اور متقدین صوفیاء کے آثار کی نشر و اشاعت پر زور دیا اور باصرار فرمانے لگے کہ آج تک رسالہ قشیریہ کا ترجمہ اُردو زبان میں نہیں ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ کر ڈالئے کہ یہ امہات کتب میں سے ہے۔ اُن کے فرمانے کا مجھ پر بہت اثر ہوا اور دوسرے ہی دن ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ دیگر فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی کرتا رہا۔ اور تقریباً ایک سال میں ترجمہ مکمل ہوا تو احساس ہوا کہ حواشی بھی ساتھ ہونے چاہئیں۔ یہ ایک بہت ہی کٹھن کام تھا۔ کہیں کہیں رُواۃ کے نام غلط چھپے ہوتے تھے۔ اُن کا درست کرنا "جوئے شیر" لانے سے کم نہ تھا۔ چنانچہ رسالہ میں ایک نام عطیہ بن وشاح چھپا ہوا ہے۔ بہت کوشش کی مگر اس نام کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔ پھر ماقبل و مابعد کے راویوں کی چھان بین سے معلوم ہوا کہ صحیح نام عقبہ بن وساج ہے۔ جو بگڑ کر عطیہ بن وشاح بن گیا ہے۔ اسی طرح

صفحہ ۱۵۵ - ۱۵۶ پر حسب ذیل سند دی ہے :-

سمعت محمد بن الحسین یقول سمعت محمد بن احمد بن سعید یقول سمعت محمد بن احمد بن سہل یقول سمعت سعید بن عثمان الخ

مگر یہی سند صفحہ ۸۴ پر یوں ہے :-

وسمعتہ یقول سمعت سعید بن احمد بن محمد یقول سمعت محمد بن احمد بن سہیل الخ

پہلی سند میں محمد بن احمد بن سعید اور دوسری سعید بن احمد بن محمد پریشان کن ہے۔ اسماء رجال کی کمیابی کے باعث بہت سے رُواۃ کے حالات کا پتہ نہ چل سکا۔ جن اشخاص کے حالات کا پتہ نہیں چل سکا ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو اقوال و احوال صوفیہ کے راوی ہیں۔

حال ہی میں رسالہ قشیریہ کا ایک نیا ایڈیشن شائع ہوا ہے جس کی تحقیق و تصحیح ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے کی ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے تصحیح و تحشیہ کا حق ادا نہیں کیا۔ اسماء کی اغلاط اسی طرح موجود ہیں۔

مقدمہ لکھنے کا کام اور بھی اہم تھا۔ امام قشیری رحمۃ اللہ کے حالات سے مفصل بحث کرنے کے لئے جو کچھ مواد مجھے دستیاب ہُوا میں نے اس سے استفادہ کی پوری کوشش کی ہے۔

میں چودھری صاحب موصوف کا نہ صرف اس لئے شکر گذار ہوں کہ انہوں نے میری توجہ اس کام کی طرف منعطف کی بلکہ اس لئے بھی کہ انھوں نے قشیری رحمۃ اللہ کے رسالوں کے عکسی نسخے اور چند کتابیں مثلاً شرح رسالہ زکریا انصاری مع نتائج الافکار القدسیہ، کتاب اللمع اور شرح گیسو دراز بہم پہنچائیں۔

اس وقت لیفٹیننٹ کرنل عبدالعزیز رحلت فرما چکے ہیں۔ خدا ان کی مغفرت کرے اور ان پر رحمت کی بارشیں برسائے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں جس قدر مجھ پر کرم فرمائی کی۔ کسی پر نہیں کی۔ جس قدر کتابیں چاہتا تھا اُن سے لے آتا تھا۔ حق بات یہ ہے کہ حواشی کے لکھنے کا کام ان کے قیمتی کتب خانہ کی مدد سے ہو سکا ہے۔

محمد حسن

۱۵ر جولائی سنہ ۱۹۶۹ء

امام ابوالقاسم عبدالکریم قشیری

نام ونسب الامام الاستاذ زین الاسلام عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ بن محمد ابوالقاسم الاستوائی النیسابوری[1] ہے الشافعی المحدث الصوفی۔ قشیری نسبت دو وجہ سے آتی ہے۔ ایک قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ[2] کی طرف ہے۔ اور یہاں قشیری سے یہی نسبت مراد ہے۔ اسی خاندان سے ابوامیہ انس بن مالک القشیری الصحابی اور کئی جلیل القدر علماء ہوئے ہیں، مثلاً بہز بن حکیم بن معاویہ بن حیدہ القشیری اور امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری (م ۲۶۱ھ) وغیرہ

دوسری نسبت قشیر بن خزیمہ بن مالک بن سلامان بن افصی بن حارثہ کی طرف ہے، مگر یہاں یہ نسبت مراد نہیں۔

ابوالقاسم قشیری ان عربوں کی اولاد میں سے تھے جو خراسان کے نواح میں آکر آباد ہو گئے[4] تھے۔ والد کی طرف سے قشیری اور والدہ کی طرف سے سُلمی[5] تھے۔ ان کے ماموں ابوعقیل سُلمی کا شمار استوا[6] کے علاقے کے سرکردہ زمینداروں میں ہوتا تھا[7]۔ قشیری کے خاندان کے لوگ بھی اسی استوا میں آباد تھے۔ اور خود قشیری بھی یہیں کے رہنے والے[8] تھے

پیدائش ابوالقاسم قشیری ماہ ربیع الاول ۳۷۶ھ میں بمقام استوا پیدا ہوئے۔ ابھی بچے ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ پھر ابوالقاسم الالیمانی کے پاس گئے اور ان سے ادب اور عربی زبان پڑھی[10]۔

۱۔ تاریخ بغداد: ۱۱: ۸۳ (۲) اسد الغابہ: ۱: ۱۲۷، ۱۲۷ ذ اللباب: ۲: ۲۶۴ ذ نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب۔ زیر بنو قشیر۔ (۳) اللباب: ۲: ۲۶۴ (۴) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۴ (۵) البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۰۷، ۱۰۷؛ طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۴ (۶) استوا نیشاپور کے نواح میں بہت بڑا قصبہ تھا۔ جو کئی گاؤں پر مشتمل تھا۔ (۷) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۴ (۸) وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۵ (۹) تاریخ بغداد ۱۱: ۸۳؛ طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۴ (۱۰) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۴

جب ذرا ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ اُن کے گاؤں پر بہت بھاری لگان لگا ہوا ہے جس کی وجہ سے زمیندار طبقہ کے اکثر لوگ شاکی تھے۔ قشیری حساس طبع واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے اس تکلیف کو محسوس کیا اور خیال کیا کہ نیشاپور جاکر علم حساب سیکھوں اور پھر محکمۂ استیفا میں ملازمت اختیار کرکے اپنے گاؤں کو بھاری لگان سے نجات دلاؤں۔ چنانچہ قشیری اس ارادہ سے نیشاپور چلے آئے[۱]۔

نیشاپور خراسان کا پایۂ تخت تھا۔ اور قدیم زمانہ سے علماء کا مرکز[۲] اور علوم وفنون کا گہوارہ چلا آرہا تھا قشیری کے زمانہ میں بھی یہاں کے لوگوں کا علمی ذوق اور علوم وفنون کا چرچا برابر عروج پر تھا۔ جس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے اپنے استاد ابوبکر احمد بن محمد بن احمد بن غالب الخوارزمی البرقانی المتوفی ۴۲۵ھ سے مشورہ کیا کہ میں طلب علم کے لئے کہاں جاؤں۔ اُن کے پیشِ نظر صرف دو مقام تھے۔ ایک مصر جہاں ابومحمد عبدالرحمٰن بن النحاس (م ۴۱۶ھ) تھے اور دوسرے نیشاپور۔ برقانی نے کہا مصر جاکر تو تمہیں صرف ایک آدمی ملے گا اور اگر وہ بھی نہ مل سکا تو تمہاری تمام کوشش رائیگاں جائے گی۔ اور اگر تم نیشاپور چلے جاؤ تو وہاں تمہیں کئی عالم مل جائیں گے۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے نیشاپور کا سفر اختیار کیا[۳]۔

نیشاپور کے علماء کی کثرت کو دیکھتے ہوئے حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ) مصنف مستدرک نے نیشاپور کی تاریخ لکھی[۴] اور پھر ابوالحسن عبدالغافر فارسی (م ۵۲۹ھ) نے اس کتاب کا ذیل لکھا۔

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے۔ قشیری کا نیشاپور آنے کا مقصد علم دین حاصل کرنے کا نہ تھا۔ بلکہ حصول دنیا تھا۔ اور اس وقت تک اُن کی طبیعت کی افتاد بھی ایسی تھی کہ دنیاداروں سے میل جول رکھنا پسند کرتے تھے۔ چنانچہ ابن الجوزی لکھتے ہیں[۵]:

---

(۱) وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۵ (۲) یہاں کے علماء کی اس جگہ فہرست دینا ناممکن ہے۔ چند نام یہ ہیں:۔
بخاری کے استاد ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ نیشاپوری (م ۲۵۷ھ) جن کی امام احمد بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیاد (م ۳۲۴ھ) ؛ امام الائمہ محمد بن اسحٰق بن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) ؛ محمد بن احمد بن بالویہ (م ۳۴۳ھ) ابوعبداللہ بن محمد بن ابی عمرو محمد بن یحییٰ (۴۲۲ھ میں بغداد آئے) ؛ محمد بن محمد بن ابی الوقت (م ۴۲۹ھ) محمد بن ابی نصر محمد بن علی ابوعبید (م ۴۳۰ھ) ؛ محمد بن یوسف بن احمد القطان الاعرج (م ۴۴۲ھ) اور محمد بن یحییٰ بن الحسن ابوعمر متوفی ۴۳۰ھ (۳) تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۳۱۴۔

(۴) تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲۳۱ (۵) المنتظم: ۸: ۲۸۰۔

وَكَانَ يَهْوِيْ مُخَالَطَةَ اَهْلِ الدُّنْيَا

(یہ دنیاداروں سے میل جول رکھنے کے خواہاں تھے)

قشیری اس ارادے سے نیشاپور آئے۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک حدیث میں ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَعْجَبُ مِنْ قَوْمٍ یُقَادُوْنَ اِلَی الْجَنَّۃِ بِالسَّلَاسِلِ

(اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے۔ جنہیں زنجیروں میں جکڑ کر جنت کی طرف لے جایا جاتا ہے)

قشیری کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ آئے تھے۔ استیفا کے محکمہ میں ملازمت کی نیت سے مگر یہاں اُن کے لیۓ درویشی رکھی تھی۔ ان دنوں نیشاپور میں ابو علی الحسن بن علی النیشاپوری الدّقاق کا طوطی بول رہا تھا۔ یہ بڑے صاحب کشف و کرامت تھے قشیری کا اُن کی مجلس میں گذر ہوا۔ دقاق کا کلام سنتے ہی دل میں اتر گیا اور علم حساب وغیرہ پڑھنے اور سرکاری ملازمت اختیار کرنے کا خیال رفوچکر ہو گیا اور راہِ طریقت اختیار کر لی۔

ادھر ابو علی دقاق نے بھی اپنی فراست سے ان میں نجابت کی علامتیں بھانپ لیں۔ ان میں گوہرِ نایاب پایا اور اپنی "ہمت" سے اپنی طرف کھینچا۔ قشیری کو بھی راہ طریقت کا ایسا چسکا لگا کہ اسی در کے ہو رہے۔ چونکہ طریقت کی بنیاد علم شریعت پر ہے۔ اسی لئے ابو علی دقاق نے انہیں علوم شریعت حاصل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ قشیری ابو بکر محمد بن ابی بکر الطوسی المتوفی ۴۰۵ھ کے درس میں شامل ہو گئے اور ان سے علم فقہ پڑھا۔ علم فقہ میں قشیری نے اس قدر مہارت حاصل کر لی کہ اس علم میں انھوں نے شروح و حواشی لکھے۔ پھر ان کے مشورے سے امام ابو بکر بن فورک (م ۴۰۶ھ) کے پاس گئے۔ وہ اس زمانہ میں علم اصول کے امام مانے جاتے تھے۔ قشیری نے اُن سے علمِ اصول پڑھا اور اس میں مہارت حاصل کی یہاں تک کہ ان کے چوٹی کے تلامذہ میں شمار ہونے لگے۔ انہی سے اصول فقہ کا علم بھی پڑھا۔ ابن فورک کی وفات کے بعد قشیری استاد ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد الاسفرائینی (م ۴۱۸ھ) کے مدرسہ میں جانے لگے۔ اس زمانہ میں ابو اسحٰق کا مدرسہ ایک بے نظیر مدرسہ مانا جاتا تھا۔ اسی مدرسہ میں ابو بکر احمد بن الحسن البیہقی الحافظ المتوفی ۴۵۸ھ اور قاضی ابو الطیب الطبری المتوفی ۴۵۰ھ نے تعلیم پائی۔[1]

قشیری کئی دنوں تک اسفرائینی کا درس سُنتے رہے۔ ایک دن انھوں نے فرمایا:[2]

۱۔ شذرات الذہب ۳ : ۳۲۱ ؛ وفیات الاعیان ۲ : ۳۷۵ (۲) شذرات الذہب ۳ : ۲۱۰

یہ علم محض سماع سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اُسے لکھ کر محفوظ کرلینا چاہیئے۔
ان کا خیال تھا کہ اتنے دنوں کا درس انھیں یاد نہ ہوگا۔ مگر قیشری نے ان تمام دنوں کے اندر جو کچھ ابو اسحٰق سے سنا تھا۔ من وعن دہرایا۔ ابو اسحٰق یہ دیکھ کر متعجب ہوئے۔ انہیں قیشری کی قدر و منزلت معلوم ہوئی۔ اور ان کی عزت کرنے لگے اور فرمایا[۱]
مجھے معلوم نہ تھا کہ تم اس مقام تک پہنچ چکے ہو۔ تمہیں میرا درس سننے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے لئے میری تصانیف کا مطالعہ کرلینا کافی ہے۔

قیشری نے استاد ابو اسحٰق اسفرائنی اور استاد ابوبکر بن فورک دونوں کے طریقوں کو اکٹھا کر کے ایک نیا طریقہ بنالیا۔ یہ سب کچھ حاصل کرنے کے بعد انھوں نے قاضی ابوبکر محمد بن الطیب الباقانی المالکی دم ۴۰۳ھ کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔

سبکی نے قیشری کے استادوں میں ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر البغدادی دم ۴۲۹ھ) کا بھی نام لیا ہے۔ ان تمام علوم کے حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ابو علی دقاق کی مجلس میں بھی باقاعدہ حاضری دیا کرتے۔ اور راہِ سلوک کے مدارج طے کرتے تھے۔

سلسلۂ بیعت قیشری نے اپنے رسالہ میں اپنے شیخ ابو علی دقاق کی زبانی اپنا سلسلہ بیعت بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں[۲] کہ استاد ابو علی دقاق فرماتے تھے کہ انھوں نے راہِ طریقت نصر آبادی سے حاصل کی۔ نصری آبادنے شبلی سے، شبلی نے جنید سے، جنید نے سری سے، سری نے معروف کرخی سے اور معروف کرخی نے داؤد طائی سے اور داؤد طائی کی ملاقات تابعین سے تھی۔

شیخ کا ادب و احترام قیشری اپنے شیخ ابو علی دقاق کا بیان نقل کرتے ہیں کہ جب کبھی وہ اپنے شیخ نصر آبادی کے پاس جاتے تو پہلے غسل کرتے۔ پھر اُن کی مجلس میں جاتے مگر قیشری اپنے شیخ سے بھی ایک قدم آگے بڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں جب بھی میں اپنے شیخ کی مجلس میں جاتا تو اس روز روزہ رکھتا پھر غسل کرتا۔ تب ابو علی دقاق کی مجلس میں جاتا۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ مدرسہ کے دروازہ تک پہنچ گیا۔ مگر شرم وحیا کے مارے دروازے سے ہی لوٹ آتا اور

۱۔ شذرات الذہب: ۳: ۳۲۱؛ وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۵ اور طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۴ (۲) رسالہ قیشریہ: ۱۴۷

اگر کبھی جرأت کر کے اندر داخل ہو جاتا اور مدرسے کے وسط تک پہنچ چکا ہوتا کہ تمام بدن میں سنسنی ہوتی۔ ایسی حالت میں اگر مجھے سوئی بھی چبھو دی جاتی تو شاید میں اسے محسوس نہ کرتا۔"[1]

پھر جب مجلس میں بیٹھ جاتا تو مجھے خود کسی قسم کا سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ ابھی بیٹھتا ہی تھا کہ وہ از خود میرا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیتے۔ یہ معاملہ میرے ساتھ کئی بار ہوا چنانچہ میں دل میں سوچا کرتا تاکہ اگر بالفرض اس وقت مخلوق کی طرف اللہ تعالیٰ کوئی رسول بھیج دے تو کیا میں اس سے بڑھ کر تعظیم کر سکوں گا؟ میرے تصور میں یہ بات نہ آتی کہ ایسا ممکن بھی ہو سکتا ہے اور باوجود اس کے کہ اتنا طویل عرصہ ان کی خدمت میں جاتا رہا۔ اور اُن سے میرا تقرب بھی رہا۔ مگر کیا مجال کہ کبھی ان پر کسی قسم کا اعتراض کرنے کا خیال دل میں آیا ہو۔ تاآنکہ ابو علی دنیا سے رخصت ہو گئے"۔ ابو علی کی وفات کے بعد یہ ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ کی صحبت میں رہے۔ تاآنکہ استاد خراسان شمار ہونے لگے۔

شادی | ابو علی دقاق قشیری کے ان حالات کو دیکھ رہے تھے۔ لہٰذا انھوں نے باوجود اس کے کہ ان کے اپنے رشتہ داروں میں صالح نوجوانوں کی کمی نہ تھی۔ اپنی بیٹی فاطمہ کا عقد قشیری سے کر دیا۔ تذکرہ نویسوں نے اُن کی شادی کی تاریخ نہیں دی ہے۔ مگر ہم قیاس سے شادی کی تاریخ کی تعیین کرتے ہیں۔

قشیری کی تمام اولاد فاطمہ کے بطن سے تھی۔ ان کے سب سے بڑے لڑکے ابو سعد عبداللہ کی پیدائش ۴۱۴ھ میں ہوئی۔ فاطمہ کی وفات بعمر نوّے سال ۴۸۰ھ میں ہوئی۔ اس حساب سے وہ ۳۹۰ھ میں پیدا ہوئیں۔ اگر شادی کے وقت ان کی عمر کم از کم پندرہ سال مان لی جائے تو ان کی شادی ۴۰۵ھ اور ۴۱۲ھ کے درمیان ہوئی ہوگی۔

ابتلا کا زمانہ | سبکی نے قشیری کے ابتلا کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔[2]

---

(۱) رسالہ قشیریہ : ۱۱۶

(۲)۔ ملاحظہ ہو طبقات الشافعیۃ الکبریٰ : ۲ : ۲۶۹ تا ۲۷۲

چنانچہ فرماتے ہیں کہ سلطان طغرلبک[1] کا عہدِ حکومت تھا۔ یہ سلطان عقیدۃً حنفی اور سُنّی تھا۔ علماء سے محبت رکھتا اور نیک اور عادل تھا۔ طغرل کا وزیر ابونصر منصور بن محمد الکندری (م ۴۵۶ھ) معتزلی رافضی اور نہایت بدعقیدہ تھا۔ اسکا عقیدہ تھا کہ انسان خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ قدریہ فرقہ کی تمام بُرائیاں اس میں پائی جاتی تھیں۔ صحابہ کو بالعموم اور شیخین (ابوبکر وعمر) کو بالخصوص گالیاں دیا کرتا تھا۔ پھر کرامیہ اور مجسمہ کے بُرے عقائد بھی اس میں تھے۔ مثلاً اللہ کو مخلوق سے مشابہ ماننا۔ ساتھ ہی مذہبی تعصب رکھتا تھا۔

اس زمانے میں ابوسہل[2] بن الموفق رؤساءِ شہر میں شمار ہوتے تھے۔ یہ بڑے مالدار اور سخی تھے۔ ان کے صدقات وخیرات کے قصے عام تھے۔ بعض اوقات ایک ہی سائل کو ایک ہزار دینار دے دیتے۔ ان کے گھر میں حنفی اور شافعی علماء اور بڑے بڑے امام جمع ہوتے۔ مناظرے ہوتے۔ اور اُن کی دعوتیں ہوتیں۔ سلطان نے ان کی خوبیوں کی وجہ سے انہیں نگاہ میں رکھا تھا کہ ایک روز انہیں وزیر بنا دیا جائے۔ ابوسہل مذہب اشعری کے بہت بڑے طرف دار تھے۔ کندری کو ان سے کئی لحاظ سے عداوت تھی ایک تو اسے ڈر تھا کہ کہیں یہ اُسے برطرف کرا کے خود وزیر نہ بن جائے۔ دوسرے مذہبی اور تیسرے ابن الموفق سے ذاتی بغض۔ کندری نے سلطان طغرل کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ معتزلہ اور دیگر باطل عقیدہ رکھنے والوں کو علی الاعلان منبروں پر لعنت کی جائے۔ سلطان اس کے دھوکہ میں آگیا اور اُس نے ان پر لعنت کرنے کا حکم دے دیا۔ کندری نے اس بہانے سے ان میں اشعریوں کو بھی شامل کر لیا۔ اور اس طرح وہ ان کی تذلیل اور ایذا رسانی کرنے لگا۔ اس نے اشعریوں کو وعظ و تدریس سے روک دیا۔ اور جامع مسجد کی خطابت سے بھی معزول کر دیا۔ کندری کے ساتھ کچھ ایسے لوگ مل گئے۔ جو مذہب حنفی کی آڑ لئے ہوئے تھے۔ مگر درحقیقت معتزلی اور قدری تھے۔ مذہب شافعی کی

۱۔ اصل کتاب میں ہر جگہ طغرلنک دیا ہے۔ طغربیگ کا عہد حکومت ۴۲۹ھ تا ۴۵۵ھ رہا۔ (۲) ابوسہل محمد بن ہبۃ اللہ بن محمد البسطامی ثم النیشاپوری سال پیدائش ۴۲۳ھ ۴۴۰ھ میں ان کے والد کی وفات پر انہیں ان کا جانشین مقرر کیا گیا۔ اور والد کی طرح انہیں بھی جمال الدین کا لقب ملا۔ یہ سب قیشری کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۳: ۸۵ - ۸۹)

بالعموم اور مذہب اشعری کی بالخصوص برائیاں بیان کرنے لگے جس سے سلطان انہیں بنظر حقارت دیکھنے لگا۔

اس فتنہ کے شرارے تمام دنیائے اسلام میں پھیل گئے۔ خراسان، شام، حجاز اور عراق الغرض ہر جگہ انہیں اذیتیں دی جانے لگیں۔ اور سخت ابتلاو مصیبت کا زمانہ آگیا۔ ہر کس و ناکس نے مجبوں میں ممبروں پر اہل سنت کو برا کہنا اپنا وطیرہ بنا لیا۔ ابوالحسن اشعری کا وہی حال ہوا۔ جو بنی امیہ کے عہد میں حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا ہوا تھا۔ جب کہ ناصبی عقیدہ کے لوگ اعلیٰ منصبوں پر فائز تھے۔

ابو سہل نے جب ان حالات کا مشاہدہ کیا تو جماعت حق کی طرفداری کے لئے آمادہ ہو گئے اور اس شر کو روکنے کی غرض سے وہ لشکر گاہوں میں پھرے۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ کیونکہ دشمن خود حاکم تھا۔ اور بادشاہ کے پاس پہنچنے کا دوسرا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس اثنا میں سلطان کی طرف سے حکم صادر ہوا کہ رئیس فراتی، ابوالقاسم قیشری، امام الحرمین اور ابوسہل بن الموفق کو گرفتار کر کے شہر بدر کر دیا جائے۔ اور ان کو محفلوں میں آنے سے روک دیا جائے۔ اس وقت ابوسہل شہر میں موجود نہ تھے۔ جب بادشاہ کا حکم نامہ پڑھا گیا تو شہر کے اوباش اور عوام بھڑک اٹھے اور انہوں نے استاد ابوالقاسم قیشری اور فراتی کو پکڑ کر گھسیٹا اور ان کی تذلیل کی۔ اور انہیں کہن دژ(۱) میں قید کر دیا گیا۔ امام الحرمین کو پہلے سے ہی اس بات کی خبر ہو چکی تھی۔ اور وہ چپکے سے کرمان کے راستے سے حجاز کو نکل گئے۔ اور وہ وہیں پناہ میں رہے۔ جس کی وجہ سے وہ امام الحرمین کہلائے۔ قیشری اور فراتی ایک ماہ سے زائد عرصہ تک قید میں رہے۔ امام سہل بن الموفق نے فنون حرب کے ماہر لوگوں کو اپنے ساتھ لیا اور باخرز کی جانب سے آکر مطالبہ کیا کہ فراتی اور قشیری کو رہا کر دیا جائے۔ مگر ان کی بات کو ماننے کے لئے کوئی تیار نہ تھا۔ الٹا انہیں سلطان کے فرمان کے مطابق گرفتار کر لینے کی دھمکی دی گئی۔ مگر ابوسہل نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ارادہ کر لیا کہ وہ رات کے وقت شہر میں داخل ہو کر انہیں نکال لے جائے گا۔ شہر کا حاکم بھی جنگ کے لئے آمادہ تھا۔ شہر کے دروازہ کے پاس ابوسہل کا اپنا گاؤں

---

(۱) اصل کتاب میں "قہندر" دیا ہے۔

تھا۔ جہاں یہ رات کے وقت اچانک آیا اور اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں نے نعرہ لگایا۔ صبح ہوئی تو قاصدوں اور خیر اندیشوں نے مصالحت کرانے کی کوشش کی۔ اور حاکم شہر کو مشورہ دیا کہ وہ استاد قشیری اور فراتی کو رہا کر دے۔ مگر اس نے نہ مانا اور اپنی فوج لے کر ابوسہل کے محلہ کا قصد کیا۔ حاکم کی فوج میں ایک ایسا شخص تھا جو ایک ہزار آدمی کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اس نے کہا کہ میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ بازار میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ ابوسہل کی جماعت ڈٹ کر کھڑی رہی حتیٰ کہ امیر کی فوج کے تیر ختم ہو گئے اب ابن الموفق نے ایک بار حملہ بول دیا اور امیر کی فوج کو شکست دے دی جس میں حاکم شہر زخمی ہو گیا۔ انھوں نے اسے قید کر لینا چاہا مگر لوگوں کے بیچ میں پڑنے سے اسے چھوڑ دیا گیا۔ ابوسہل استاد ابو القاسم قشیری اور رئیس فراتی کو قید سے نکال کر اپنے گھر لے آیا۔ لوگوں نے ابوسہل سے کہا کہ چونکہ آپ کا اصلی مقصد حاصل ہو چکا ہے لہٰذا اس فتنے کو رفع دفع کر دینا چاہیئے۔ ابوسہل نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ بادشاہ کی بازپرس کا کیا جواب ہوگا۔ ادھر دشمن بھی خاموش نہ رہیں گے قرار پایا کہ شہر چھوڑ کر استوا کی طرف چلے چلیں اور وہاں سے سُلطان کے پاس چلیں۔ تمام ساتھی اطراف میں منتشر ہو گئے۔ ابوسہل رَیْ پہنچا جہاں لشکر کا پڑاؤ تھا۔ دوسری جانب سے اس کا دشمن کندری آ پہنچا۔ اس نے سُلطان کو سارے واقعات سے آگاہ کیا اور شوافع کے خلاف عموماً اور ابوسہل کے خلاف خصوصاً شکایت کی۔ اس پر ابوسہل کو گرفتار کرکے ایک قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ اس کی ساری دولت اور جائیداد ضبط کر لی گئی۔ پھر عرصہ بعد ابوسہل رہا ہو کر حج کو چلا گیا۔

اس فتنے کی ابتدا جیسا کہ خود قشیری نے شکایت اہل السنۃ میں بیان کیا ہے۔ ۴۴۵ھ میں ہوئی اور یہ فتنہ دس سال تک جاری رہا۔ ان حالات نے قشیری کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا لہٰذا وہ بغداد چلے آئے۔ سبکی نے قشیری کے بغداد آنے کی تاریخ نہیں دی اور نہ ہی یہ بتایا ہے کہ وہ کب تک یہاں رہے۔ ابوبکر خطیب[1] اور عبداللہ الحسین[2] نے ان کے بغداد آنے کی تاریخ ۴۴۸ھ بتائی ہے۔

---

(۱) طبقات الشافعیہ : ۳ : ۲۴۵ (۲) المقصوف والمتصوفہ : ۵۵

بغداد[1] پہنچ کر انھوں نے القائم بامراللہ (۴۲۲ھ تا ۴۶۷ھ) سے ملاقات کی۔ خلیفہ بڑے اعزاز و احترام سے پیش آیا اور خاص محل کے اندر اُن کے لئے مجلس قائم کی جس میں وہ خود بھی موجود تھا۔ اس پر قیشری کے کلام کا اسقدر اثر ہوا کہ اس نے ان کے اعزاز و اکرام کے احکام صادر فرمائے۔ پھر یہ نیشاپور واپس چلے آئے۔ سبکی نے ان کے سفر حج کی تفصیل بھی لکھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں[2]:۔

اہل خراسان خصوصًا نیشاپور اور اس کے گرد و نواح کے لوگ نیز مرد اور اس کے اطراف کے لوگ اس فتنہ کی وجہ سے سخت پریشانی میں مبتلا ہوئے۔ اور مختلف ممالک میں منتشر ہونے پر مجبور ہو گئے۔ کچھ لوگ عراق چلے گئے اور کچھ حجاز کی طرف نکل گئے۔ حج کو جانے والوں میں ابوبکر بیہقی، استاد ابوالقاسم قیشری امام الحرمین ابو المعالی جوینی اور بہت سے دوسرے لوگ تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سال صرف حنفی اور شافعی چار سو ایسے قاضی یہاں اکٹھے ہو گئے جو اس فتنہ کے باعث اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔

قشیری کی کرامت

حج سے فارغ ہو کر ان لوگوں کو سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ کہ کہاں جائیں کچھ لوگوں نے حرم میں پناہ لینے کا تہیہ کر لیا۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہوا۔ کہ استاد ابوالقاسم قیشری ممبر پر چڑھ کر کچھ فرمائیں۔ اس پر قیشری ممبر پر چڑھتے اور کچھ دیر تک آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھتے رہے۔ پھر دیر تک سر نیچے جھکائے رہے اس کے بعد اپنی داڑھی پکڑ کر فرمانے لگے۔

خراسان کے رہنے والو! اپنے اپنے ملکوں کو چلے جاؤ۔ تمہارے دشمن کندری کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ یہ حالات میرے مشاہدہ میں ہیں۔ پھر یہ اشعار پڑھے:

عَمِیدَ الْمُلْكِ سَاعَدَكَ اللَّيَالِیْ ... عَلٰی مَا شِئْتَ مِنْ دَرْكِ الْمَعَالِیْ
فَلَمْ يَكُ مِنْكَ شَيْءٌ غَيْرَ أَمْرٍ ... بِلَعْنِ الْمُسْلِمِیْنَ عَلَی التَّوَالِیْ
فَقَابَلَكَ الْبَلَاءُ بِمَا تُلَاقِیْ ... فَذُقْ مَا تَسْتَحِقُّ مِنَ الْوَبَالِ

---

(۱) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۲۵ - ۲۲۶ (۲) طبقات الشافعیہ: ۲: ۲۷۲

داے عمید الملک بلند مراتب حاصل کرنے میں زمانہ نے تمہاری مساعدت کی۔ مگر تمہاری طرف سے یہی ظاہر ہوا کہ تم برابر مسلمانوں کو لعنت کرنے کا حکم دیتے رہے۔ انجام کار تم پر مصیبت آ گئی۔ تم جس انجامِ بد کے مستحق ہوا سے چکھ لو)

لوگوں نے اس دن اور تاریخ کو ذہن میں رکھا۔ واپسی پر ظاہر ہوا کہ یہ وہی دن اور وہی گھڑی تھی۔ جس میں سلطان نے کندری کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور مختلف شہروں میں اس کے اعضا منتشر کرنے کا حکم دیا تھا۔ ابن الاثیر نے کندری کے قتل کئے جانے کی تاریخ ۴۵۰ھ دی ہے۔

قیشری نیشاپور واپس آئے مگر اُن کی قسمت میں چین نہ لکھا تھا۔ چنانچہ اہل وعیال سمیت یہ طوس چلے گئے اور طغرل بیگ کی وفات تک وہیں رہے۔ طغرل بیگ کی وفات پر اس کا بیٹا الپ[1] ارسلان تحت پر بیٹھا۔ اس نے نظام الملک طوسی (م ۴۸۵ھ) کو اپنا وزیر بنایا۔ نظام الملک نے حکم دیا کہ اشاعرہ پر لعنت کرنا فوراً بند کر دیا جائے۔ اس نے دین کی حمایت کی اور امن وامان قائم کیا۔ اس پر لوگ اپنے اپنے وطنوں کو واپس چلے آئے۔ اور قیشری بھی نیشاپور لوٹ آئے اور اپنی زندگی کے باقی دس سال امن سے گذارے۔

حج میں قشیری کے رفقا کا ذکر کرتے ہوئے ابن الجوزی[2] اور ابن کثیر نے ابو المعالی جوینی کا نام دیا ہے۔ مگر ابن العماد[3] حنبلی (م ۱۰۸۹ھ) اور ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) نے ابو محمد جوینی کا نام دیا ہے۔ ابن خلکان نے زیادہ وضاحت سے لکھا ہے

رفی رفقتہ فیھا الشیخ ابو محمد الجوینی والد امام الحرمین

ابو محمد جوینی کا انتقال ۴۳۸ھ میں ہوا۔ سبکی کے مذکورہ بالا بیان سے یہ واضح ہے۔ کہ قشیری نے جو حج ۴۴۸ھ میں کیا۔ اس میں اُن کے رفیق ابو المعالی جوینی ہی ہیں۔ ابن خلکان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قشیری نے ایک حج ۴۳۰ھ سے پہلے کیا ہے۔ اس لئے کہ اس سال میں ابو محمد جوینی کی وفات واقع ہوئی۔

اسکے علاوہ قیشری نے اپنے شیخ ابو علی دقاق (م ۴۱۲ھ) کی زندگی ہی میں نسا کا ایک سفر اختیار کیا تھا۔[4]

---

(۱) ابو شجاع عضد الدولہ الپ ارسلان ۴۵۵ھ تا ۴۶۵ھ (۲) المنتظم: ۸: ۲۸۰ اور البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۰۷
(۳) شذرات الذہب: ۳: ۲۷۲ اور وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۵ (۴) رسالہ قیشریہ: ۱۱۶

فن سپاہگری قشیری صرف گوشہ نشین زاہد و صوفی ہی نہ تھے۔ وہ زندگی کے تمام فنون و آلات سے آراستہ تھے۔ یہاں تک کہ شہسواری اور فن سپاہ گری میں ان کے کرتب معجز نما خیال کئے جاتے تھے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں[۱]

كان له في الفروسية واستعمال السلاح يد بيضاء

مجالس املاحدیث قشیری نے ۴۳۷ھ میں املاء حدیث کی ابتدا کی۔ درمیان میں اس میں وقفہ پڑ گیا۔ ۴۵۵ھ نیشاپور واپس آنے پر انھوں نے ان مجالس کو پھر سے شروع کیا۔ اور اپنی وفات تک جاری رکھا۔ ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے[۲]۔

مجالس وعظ قشیری وعظ میں اپنے زمانہ کے امام مانے جاتے تھے۔ اُن کے وعظ میں ایسی تاثیر ہوتی تھی۔ کہ سخت سے سخت دل آدمی بھی موم بن جاتا۔ چنانچہ ابوالحسن علی بن حسن الباخرزی (م ۴۶۷ھ) دمیۃ القصر میں لکھتے ہیں[۳]۔

فلو قرع الصخر بسوط تحذيره لذاب ولو ربط ابليس فى مجلس تذكيره لتاب

(اگر اُن کا وعظ پتھر سے بھی ٹکرا لے تو موم بن جائے اور اگر شیطان ان کی مجلس میں باندھ دیا جائے تو تائب ہو جائے)

ابن خلکان نے اُن کے وعظ کے متعلق لکھا ہے[۴]:

وَأما مجالس الوعظ والتذكير فهو اماما

(یہ مجالس وعظ و نصیحت کے امام تھے)

سبکی لکھتے ہیں[۵]:-

اب رہیں مجالس وعظ اور مریدوں کے سوالات کا جواب دینا اور عجیب و غریب حالات کا پیش

---

(۱) وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۶ز شذرات الذہب: ۳: ۳۲۱ز طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۵ (۲) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۵-۲۴۶ز وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۶ (۳) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۵ز شذرات الذہب: ۳: ۳۲۱ز وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۶-(۴) وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۶ز شذرات الذہب: ۳: ۳۲۱ (۵) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۵

آنا یہ سارے ایسے امور ہیں جو اُن کے ساتھ مختص تھے۔ ان کے معاصرین کا اتفاق ہے کہ یہ ان امور میں عدیم النظیر تھے۔ کلام اللہ سے استنباط کرنے اور مشائخ کے کلام سے اشارات بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

سبکی ابن سمعانی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں[1]:

ایک بار قشیری مرو کے قاضی کی مجلس میں گئے۔ جب اس نے استاد کو دیکھا تو وہ مجلس سے اُٹھ کھڑا ہوا اور جس تکیہ پر وہ سہارا کئے ہوئے تھا۔ اسے قشیری کو بیٹھنے کے لیے دیا پھر کہا: لوگو! ایک سال میں حج کے لیے گیا۔ اتفاق سے اس سال یہ امام کبیر بھی حج کے لئے گئے ہوئے تھے اس سال کو سنۃ القضاۃ کہا جاتا ہے کیونکہ تقریباً چار سو قاضی اور امام دور دراز کے علاقوں سے حج کو آئے تھے۔ وہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ حرم میں کون تقریر کرے۔ سب نے اس پر اتفاق کیا۔ کہ استاد ابو القاسم ہی تقریر فرمائیں۔ چنانچہ سب کی اتفاق رائے سے انھوں نے وہاں تقریر کی۔

قشیری نے اپنے شیخ ابو علی دقاق کی زندگی ہی میں وعظ ونصیحت کی مجالس قائم کرنا شروع کر دی تھیں۔ یہ مجالس مسجد المطرز میں منعقد ہوا کرتیں[2]۔ قیشری خود بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد مطرز میں وعظ کیا کرتا تھا۔ ایک بار شیخ ابو علی دقاق سے نسا جانے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ ابھی اس سفر کے لئے روانہ نہ ہوا تھا کہ ایک روز جب کہ آپ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ میری غیر حاضری میں میری جگہ وعظ فرما دیا کریں۔ میرے دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ آپ نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا:۔

تمہاری غیر حاضری میں تمہاری جگہ وعظ بیان کیا کروں گا

پھر جب ذرا اور آگے بڑھا تو خیال آیا کہ آپ بیمار رہتے ہیں۔ اس لئے ہفتہ میں دو دن مجلس وعظ قائم کرنے میں آپ کو تکلیف ہوگی۔ بہتر ہو اگر آپ ایک دن پر اکتفا کریں۔ اس پر آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

اگر ہفتہ میں دو دن نہ ہو سکے گا تو ایک ہی دن وعظ کیا کروں گا۔

---

(۱) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۶ (۲) رسالہ قیشریہ: ۱۱۶

وفات قشیری کی وفات ۱۶ ربیع الآخر بروز یک شنبہ قبل از طلوع آفتاب ۴۶۵ھ میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر بانوے سال تھی۔ انھیں اپنے شیخ ابوعلی دقاق کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ ناقلین بیان کرتے ہیں کہ جب یہ بیمار ہوئے تو باوجود سخت علالت کے تمام نمازیں کھڑے ہو کر پڑھتے رہے[1]۔

قشیری کا گھوڑا کسی نے قشیری کو ایک گھوڑا بطور ہدیہ دیا تھا۔ اسی پر سواری کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بیس سال تک اس گھوڑے کے سوا کسی اور گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے۔ آپ کی وفات پر اس گھوڑے نے چارہ کھانا چھوڑ دیا اور ایک ہفتہ کے بعد مر گیا[2]۔

اخلاق صوفیاء کے اخلاق کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ یہ لوگ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کے خلق عظیم کی گواہی خود قرآن نے دی ہے۔ قشیری بھی صوفی اور محدث تھے۔ اس لیئے یہ بھی اپنے اخلاق و اطوار میں نہایت ظریف و ملیح تھے۔ ابن العماد سخاوی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں[3]:

کان املح خلق اللہ واظرفھم شمائل

خوش نویسی انسانی کمالات میں خوش نویسی بھی صفتِ کمال شمار کی جاتی ہے۔ قشیری نے اس فن میں بھی وافر حصّہ حاصل کیا تھا۔ چنانچہ سبکی لکھتے ہیں[4]:

کان ملیح الخط جداً

قشیری کی شخصیت قشیری ایک جامع شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی ذات میں اس قدر علوم و فنون جمع ہو گئے تھے کہ اُن کا فردِ واحد میں جمع ہونا بظاہر محال معلوم ہوتا ہے یہ بیک وقت فقیہ بھی تھے، محدث بھی کاتب بھی تھے اور شاعر بھی تھے۔ اور حافظ بھی۔ اسی طرح متفنن نحوی اور لغوی بھی۔ الغرض علوم و فنون کا کوئی ایسا شعبہ نہ تھا جس میں

۱۔ طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۷ (۲) المنتظم: ۸: ۲۸۰ نہ البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۰۷

(۳) شذرات الذہب: ۳: ۳۲۰ (۴) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۴

قشیری نے مہارت حاصل نہیں کی تھی۔ بڑی بڑی شخصیتوں کو دیکھئے تو ان میں صرف ایک آدھ صفت پائی جاتی ہے۔ جس پر اُن کی شہرت کا دارومدار ہے۔ قشیری کا صوفی ہونا۔ ان کے باقی تمام اوصاف پر غالب آگیا۔ اس لئے دوسرے علوم میں ان کی شہرت نہ ہوسکی۔

بحیثیت ادیب ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ نیشاپور ایک مردم خیز خطہ تھا۔ جہاں جلیل القدر علماء صدیوں سے پیدا ہوتے چلے آئے تھے۔ بڑے شہروں میں جہاں علوم و فنون کا چرچا ہو۔ ہر فن کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ یہی حال نیشاپور کا تھا۔ یہاں نہ محدثین کی کمی تھی نہ فقہا کی۔ نہ فلسفیوں کی کمی تھی نہ فلکیوں کی۔ یہاں بڑے بڑے ادیب اور لغوی بھی پیدا ہوئے۔ قشیری کے دَور میں ابونصر اسمٰعیل بن حماد الترکی اللغوی مصنفِ صحاح ۳۹۳ھ میں نیشاپور میں مرا[۱]، ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم النیشاپوری مصنف تفسیر جس کی عربی دانی مسلم تھی ۴۲۷ھ میں نیشاپور میں مرا[۲]۔ ابومنصور عبدالملک بن محمد بن اسمٰعیل النیشاپوری مصنف تیمۃ الدہر فقہ اللغۃ اور سحر البلاغۃ بھی یہیں ۴۳۰ھ میں مرا[۳] اور ابوالحسن علی بن الحسن بن ابی الطیب الباخرزی جس کا شمار اپنے عہد کے چوٹی کے ادیبوں میں ہوتا ہے اور دمیۃ القصر کا مصنف ہے یہیں ۴۶۷ھ میں مرا[۴]۔ یہ تمام ادیب اور لغوی خاص نیشاپور میں تھے۔ نیز اسی دَور میں ابوالحسن بن سیدہ علی بن اسمٰعیل المُرسی المتوفی[۵] ۴۵۸ھ بھی ہوئے ہیں۔ جنھوں نے لغت میں المحکم اور المخصص لکھی۔

بیان کیا جاچکا ہے کہ شری نے سب سے پہلے علمِ ادب پڑھنا شروع کیا۔ انھوں نے رسالہ میں اپنی ادبی قابلیت اور ذوق کا جابجا ثبوت دیا ہے۔ جس سے ان کی اس علم میں بالغ نظری ظاہر ہے۔

رسالہ قشیریہ کوئی لغت کی کتاب نہیں مگر ایک لغوی اپنی لغت دانی کو چھپا نہیں سکتا۔ قشیری نے اس سلسلہ میں جہاں کہیں موقعہ ملا ہے اپنی لغت دانی کے نمونے پیش کئے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے محبت کے باب میں لفظ "حب" کی تشریح کرتے ہوئے نہایت عمدہ لغوی بحث کی ہے۔ اسی طرح

---

(۱) شذرات الذہب : ۳ : ۱۴۲ (۲) شذرات الذہب : ۳ : ۲۳۰ (۳) شذرات الذہب : ۳ : ۲۴۶ (۴) شذرات الذہب : ۳ : ۲۲۷-۲۲۸ (۵) شذرات الذہب : ۳ : ۳۰۵-۳۰۶

لفظ ولی اور "شکور" کی تشریح میں بھی انھوں نے ادبی رنگ پیدا کیا ہے

قشیری بحیثیت ایک شاعر کے

بیان کیا جاچکا کہ قشیری کی شخصیت ایک جامع شخصیت تھی۔ ان کے اوصاف میں شاعری بھی شمار کی گئی ہے۔ برجستہ شعر کہتے تھے۔ باخرزی نے دمیۃ القصر میں اُن کا ذکر کیا ہے اور قشیری کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ ان کے اشعار کے نمونے پیش کئے ہیں۔ چند اشعار آپ بھی سُنیں[1]۔

یَا مَنْ تَقَاصَرَ شُکْرِیْ عَنْ اَیَادِیْہِ ۔۔۔ وَکَلَّ کُلُّ لِسَانٍ عَنْ مَعَانِیْہِ

وَجُوْدُہٗ لَمْ یَزَلْ فَرْداً بِلَا شِبْہٍ ۔۔۔ عَلَا عَنِ الْوَقْتِ مَاضِیْہِ وَآتِیْہِ

لَا دَھْرَ یُخْلِقُہٗ لَا قَھْرَ یَلْحَقُہٗ ۔۔۔ لَا کَشْفَ یُظْھِرُہٗ لَا سِتْرَ یُخْفِیْہِ

لَا عَدَّ یَجْمَعُہٗ لَا ضِدَّ یَمْنَعُہٗ ۔۔۔ لَا حَدَّ یَقْطَعُہٗ لَا قُطْرَ یَحْوِیْہِ

لَا کَوْنَ یَحْصُرُہٗ لَا عَیْنَ تُبْصِرُہٗ ۔۔۔ وَلَیْسَ فِی الْوَھْمِ مَعْلُوْمٌ یُضَاھِیْہِ

جَلَالُہٗ اَزَلِیٌّ لَا زَوَالَ لَہٗ ۔۔۔ وَمُلْکُہٗ دَائِمٌ لَا شَیْئَ یُفْنِیْہِ

(اے خدا میں تمہارے احسانات کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا اور نہ کوئی زبان تمہاری بلندیوں کو بیان کرسکتی ہے۔ اس کا وجود ہمیشہ سے یکتا و بے مثل رہا ہے۔ اس کا ماضی اور مستقبل وقت کی بندشوں سے بالا ہے۔ نہ کوئی زمانہ اس کا جانشین ہو سکتا ہے۔ نہ کوئی اسے مغلوب کرسکتا ہے۔ نہ کوئی کشف اسے ظاہر کرسکتا ہے اور نہ کوئی پردہ اُسے چھپا سکتا ہے۔

کوئی گنتی اسے جمع نہیں کرسکتی۔ کوئی مخالف اسے روک نہیں سکتا۔ نہ کوئی حد اُسے ختم کرسکتی ہے اور نہ کوئی علاقہ اسے اپنے اندر چھپا سکتا ہے۔

کوئی وجود اُسے محصور نہیں کرسکتا۔ اور نہ کوئی آنکھ اُسے دیکھ سکتی ہے۔ وہم کے اندر کوئی معلوم چیز اُس کے مُشابہ نہیں۔

اس کا جلال ازلی اور لازوال ہے اور اس کا ملک دائم اور غیر فانی ہے)

نیز فرماتے ہیں[2]۔

---

(۱) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۳: ۲۴۷ (۲) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۸

جَنِّبَانِي الْمَجُونَ يَا صَاحِبَيَّا ... وَاتْلُوَا سُورَةَ الصَّلَاةِ عَلَيَّا
قَدْ أَجَبْنَا لِزَاجِرِ الْعَقْلِ طَوْعًا ... وَتَرَكْنَا حَدِيثَ سَلْمَى وَمَيَّا
وَمَنَحْنَا لِمُوجِبِ الشَّرْعِ نَشْرًا ... وَشَرَعْنَا لِمُوجِبِ اللَّهْوِ طَيَّا
وَوَجَدْنَا إِلَى الْقَنَاعَةِ بَابًا ... فَوَضَعْنَا عَلَى الْمَطَامِعِ كَيَّا
كُنْتُ فِي حَرِّ وَحْشَتِي لِاخْتِيَارِي ... نَتَعَوَّضْتُ بِالرِّضَى مِنْهُ فَيَّا
إِنَّ مَنْ يَهْتَدِي بِقَطْعِ هَوَاهُ ... هُوَ فِي الْعِزِّ حَازَ أَوْجَ الثُّرَيَّا
وَالَّذِينَ ارْتَوَوْا بِكَأْسِ مُنَاهُمْ ... فَعَلَى الصَّدِّ سَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيَّا

(دوستو!) مجھے ہنسی مذاق سے دُور رہنے دو۔ مجھے نماز کی سُورت پڑھ کر سناؤ۔ ہم نے برضاو رغبت عقل کی بات مان لی ہے اور سلمیٰ اور میہ کا قصہ چھوڑ دیا ہے۔ ہم پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ ہم شریعت کے احکام پھیلاتے ہیں اور موجب لہوامور کو لپیٹ دیتے ہیں۔ ہم نے قناعت کا دروازہ پالیا ہے۔ اور حرص و ہوا کو داغ دیا ہے۔

مَیں اپنی پسند کی وجہ سے اپنی وحشت کی گرمی میں جھلس رہا تھا، مگر رضا بالقضا کی وجہ سے مجھے اس کے عوض میں سایہ مل گیا ہے۔

جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خواہشات کو قطع کر دینے کی ہدایت کی ہو وہ عزت میں اوج ثریا تک جا پہنچتے ہیں۔

وہ لوگ جو اپنی آرزوؤں کے پیالوں سے سیراب ہیں۔ ان کو (اللہ سے) اعراض کرنے پر دوزخ سے ملنا ہوگا۔

نیز فرماتے ہیں[1]

لَوْ كُنْتَ سَاعَةَ بَيْنِنَا مَا بَيْنَنَا ... وَشَهِدْتَ حِينَ نُكَرِّرُ التَّوْدِيعَا
أَيْقَنْتَ أَنَّ مِنَ الدُّمُوعِ مُحَدِّثًا ... وَعَلِمْتَ أَنَّ مِنَ الْحَدِيثِ دُمُوعَا

نیز فرماتے ہیں[2]

---

(۱) طبقات الشافعیہ الکبریٰ : ۳ : ۲۴۵

نیز فرماتے ہیں[۱]

وَاِذَا سُقِيتُ مِنَ الْمَحَبَّةِ مَصَّةً ... اُلْقِيتُ مِن فَرْطِ الْخُمَارِ خُمَارِي

كَمْ تَلِفَتْ قَضْلًا ثُمَّ لَاحَ عِذَارُهُ ... فَخَلَعْتُ مِنْ ذَاكَ الْعِذَارِ عِذَارِي

نیز فرماتے ہیں[۲]

اَيُّهَا الْبَاحِثُ عَنْ دِينِ الْهَوَى ... طَالِبًا حُجَّةَ مَا يَعْتَقِدُهُ[۳]

اِنَّ مَا تَطْلُبُهُ[۴] مُجْتَهِدًا ... غَيْرُ دِينِ الشَّافِعِي لَاتَجِدُهُ

ان شعروں میں قشیری نے اپنے آپ کو شافعی مذہب کا طرفدار ظاہر کیا ہے اور یہ ان کے شافعی مذہب کے ساتھ تعصب کی دلیل ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود صوفی ہونے کے انھوں نے دیگر مذاہب کے مقابلہ میں شافعی مذہب کو فضیلت دی ہے۔ حالانکہ صاحب "فتح" ولی مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کا مقید[۵] نہیں ہوتا۔ نیز فرماتے ہیں[۶]:-

لَا تَدَعْ خِدْمَةَ الْاَكَابِرِ وَاعْلَمْ ... اَنَّ فِي عِشْرَةِ الصِّغَارِ صَغَارًا

وَابْغِ مَنْ فِي يَمِينِهِ لَكَ يُمْنٌ ... وَتَرَى فِي الْيَسَارِ مِنْهُ الْيَسَارَا

نیز فرماتے ہیں[۷]:-

سَقَى اللّٰهُ وَقْتًا كُنْتُ اَخْلُو بِوَجْهِكُمْ ... وَثَغْرُ الْهَوَى فِي رَوْضَةِ الْاُنْسِ ضَاحِكٌ

اَقَمْنَا زَمَانًا وَالْعُيُونُ قَرِيرَةٌ ... وَاَصْبَحْتُ يَوْمًا وَالْجُفُونُ سَوَافِكٌ

نیز فرماتے ہیں:

وَمَنْ كَانَ فِي طُولِ الْهَوَى ذَاقَ سَلْوَةً ... فَاِنِّي مِنْ لَيْلَى لَهَا غَيْرُ ذَائِقِ

وَاَكْثَرُ شَيْءٍ نِلْتُهُ مِنْ وِصَالِهَا ... اَمَانِيُّ لَمْ تَصْدُقْ كَخَطْفَةِ بَارِقِ

قشیری ایک مطبوع شاعر تھے۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں اوروں کے اشعار بھی اور اپنے اشعار بھی بکثرت پیش کئے ہیں۔ اُن کے بیشتر اشعار صوفیانہ رنگ میں کہے گئے ہیں۔

---

(۲) طبقات الشافعیہ الکبریٰ: ۳: ۲۴۸ (۳) اصل کتاب میں اسی طرح ہے۔ اسے تعتقدہ ہونا چاہیئے۔ (۴) اصل کتاب میں تطلبہ ہے (۵) ملاحظہ ہو خزینۂ معارف اُردو ترجمہ ابریز: ۴۸۸ مع حاشیہ جہاں امام عبدالوہاب شعرانی کے بیان سے اس کی وضاحت کی گئی ہے (۶) وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۶ ز شذرات الذہب: ۳: ۳۲۱ ز البدایہ والبدایہ: ۱۲: ۱۰۷ (۷) وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۷ ز شذرات الذہب: ۳: ۳۲۱ ز البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۰۷

قشیری اور نظام الملک

سلطان الپ ارسلان (۴۵۵ھ تا ۴۶۵ھ) اور سلطان ملکشاہ (۴۶۵ھ تا ۴۸۵ھ) کے وزیر خواجہ نظام الملک الحسن بن علی الطوسی (م ۴۸۵ھ) کی مجلس میں علماء، فقہاء، ائمہ مسلمین اور متدین لوگوں کا ہر وقت ہجوم رہتا۔ اور ان لوگوں کو نظام الملک کے دربار میں آنے کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ان کی کثرت آمد و رفت کی وجہ سے نظام الملک پورے طور پر امور سلطنت سرانجام نہ دے سکتا تھا۔ چنانچہ ایک بار ایک سیکرٹری نے نظام الملک سے شکایت کی کہ ان کے اس طرح آنے جانے سے امور سلطنت میں خلل پڑتا ہے۔ ان لوگوں کو اجازت لے کر آنا چاہیئے اور پھر اندر آ کر ایسی جگہ پر بیٹھنا چاہیئے جہاں آپ کے کاموں میں حرج واقع نہ ہو۔ اس پر نظام الملک نے سیکرٹری کو جواب دیا: یہ لوگ تو اسلام کے رکن ہیں اور دنیا اور آخرت کی زینت اگر میں ان میں سے ہر ایک کو اپنے سر پر بٹھلاؤں کوئی بڑی بات نہ ہوگی"[1]

چنانچہ جب ابو المعالی جوینی اور ابو القاسم قشیری ان کے پاس آتے تو نظام الملک اپنے مسند سے اٹھ کر ان کی تعظیم کرتا اور انہیں مسند پر بٹھلاتا اور خود اپنے مسند پر بیٹھتا[2]۔ مگر جب ابو علی فارمدی (م ۴۷۷ھ) آتے تو نظام اپنی جگہ سے اٹھ جاتا۔ اور انھیں اپنی جگہ پر بٹھلاتا اور خود ان کے سامنے بیٹھتا۔ اس سے جوینی ناراض ہو گئے۔ اور دربان سے ان کی شکایت کی۔ دربان نے یہ بات نظام الملک کو کہہ دی۔ اس نے جواب میں کہا: جوینی اور قشیری اور دیگر علماء جب میرے پاس آتے ہیں تو وہ میری تعریف کرتے ہیں اور میری خوبیوں کا ذکر کرتے ہیں جو درحقیقت مجھ میں پائی نہیں جاتیں۔ اس سے مجھ میں غرور پیدا ہوتا ہے مگر جب فارمدی آتے ہیں تو وہ مجھ سے میرے عیبوں کا ذکر کرتے ہیں اور میں بہت سی باتوں سے باز آ جاتا ہوں۔

۱۔ المنتظم: ۹: ۶۵ اور البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۴۰ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ نظام الملک اپنے مسند پر بیٹھتا اور جوینی اور قشیری الگ مسند پر بیٹھتے۔ مگر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ نظام الملک انھیں اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتا۔

(۱) المنتظم: ۹: ۶۵ اور البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۴۰ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ نظام الملک اپنے مسند پر بیٹھتا اور جوینی اور قیشری الگ مسند پر بیٹھتے۔ مگر ابن کثیر لکھتے کہ نظام الملک اپنے ساتھ اپنے مسند پر بٹھاتا۔

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ابو علی فارمدی قشیری کے شاگرد تھے

سید علی ہجویری اور قشیری

سید علی ہجویری (متوفی بعد از سنہ ۴۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے قشیری سے دریافت کیا کہ طریقۂ فقر میں آپ کی ابتدا کیسے ہوئی۔ فرمانے لگے کہ مجھے ایک بار گھر کی کھڑکی کے لئے ایک پتھر کی ضرورت پڑی۔ مَیں پتھر کی تلاش میں نکلا۔ جس پتھر کو اٹھانے لگتا وہ گوہر بن جاتا۔ میں اسے پھینک دیتا۔ ہجویری فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کے نزدیک گوہر اور پتھر دونوں برابر تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک پتھر گوہر سے بہتر تھا۔ اس لئے کہ انھیں پتھر کی ضرورت تھی۔ گوہر کی ضرورت نہ تھی[1]۔

ابو الحسن خرقانی اور قشیری

ابو الحسن علی بن احمد الخرقانی المتوفی سنہ ۴۲۵ھ اپنے عہد کے جلیل القدر مشائخ میں سے ہوئے ہیں۔ ہجویری فرماتے ہیں کہ قشیری نے مجھ سے ذکر کیا جب میں خرقان آیا تو ابو الحسن خرقانی کے رعب سے میری تمام فصاحت و بلاغت رفو چکر ہوگئی اور مجھ میں کچھ کہنے کی طاقت نہ رہی۔ یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید میں اپنی ولایت سے معزول کر دیا گیا ہوں[2]۔

و قیشری اپنے رسالہ ترتیب السلوک میں لکھتے ہیں کہ ایک بار عید کی رات میرے ساتھ ابو الفوارس (م سنہ ۴۲۱ھ) اور ابو الحسن تھے۔ اس وقت ابو الفوارس کی آنکھ لگ گئی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر گھی ہوتا تو آج ہم فلاں چیز پکا کر کھاتے۔ ابو الحسن نے سوتے ہوئے کہا: یہ کیا ہے؟ گھی کو پھینک دو۔ یہ الفاظ تین بار دہرائے۔ میں نے ابو الحسن[2] کو بیدار کیا اور پوچھا کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں انھوں نے جواب دیا: کوئی بات نہیں۔ میں خواب میں دیکھ رہا تھا کہ ہم سب ایک بلند چبوترے پر

۱۔ نفحات الانس: ۸ ۲۲ : ہجویری (کشف المحجوب : ۲۸۷) نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ احمد الطا برانی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ (۲) کشف المحجوب : ۲۰۵ اس عبارت میں مختلف نسخوں میں مختلف الفاظ ہیں۔ روسی نسخہ میں فصاحتم برسید ہے اور یہ غلط ہے اسے فصاحتم بر مید پڑھیں۔ (۳) اصل مخطوطہ میں اسی طرح ہے۔ میرے مکرم دوست چودہری عبد العزیز صاحب نے اس کی تصحیح فرمائی ہے کہ یہاں ابو الحسن کی بجائے ابو الفوارس ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ابو الفوارس سو رہے تھے نہ کہ ابو الحسن۔

کھڑے ہیں۔ اور حق سبحانہٗ اپنی تجلی سے نوازنے والے ہیں۔ لوگ ہیبت زدہ ہیں۔ تم بھی ہمارے ساتھ ہو اور تمہارے ہاتھ میں کنگھی ہے۔ میں نے کہا کہ کنگھی کو پھینک دو۔

قشیری کے بیٹے کی علالت

ایک بار استاد ابوالقاسم کا ایک بیٹا سخت بیمار ہوگیا۔ یہاں تک کہ اس کے بچنے کی کوئی اُمید نہ رہی۔ استاد اس سے انتہائی پریشان ہوئے۔ اس کے بعد انھوں نے حق سبحانہٗ کو خواب میں دیکھا اور بیٹے کی بیماری کا تذکرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن مجید کی تمام وہ آیات جن میں شفا کا ذکر ہے۔ جمع کرکے انھیں پڑھو اور اس پر پھونکو، پھر ایک برتن پر لکھو اور دھو کر اس کا پانی اسے پلاؤ۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور بیٹا تندرست ہوگیا۔

قرآن مجید کی آیاتِ شفا یہ چھ آیتیں ہیں:

(۱) وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ
(۲) شِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ
(۳) فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ
(۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ۔
(۵) وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ
(۶) قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ

یہ واقعہ لکھنے کے بعد سبکی (طبقات الشافعیہ : ۳: ۲۴۲) فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے مشائخ کو دیکھا ہے۔ کہ وہ ان آیات کو لکھ کر ان کا پانی مریض کو پلاتے تھے۔

تصانیف

ابوالقاسم قشیری کی سب سے پہلی تصنیف تفسیر کبیر ہے جسے انھوں نے ۴۱۰ھ سے پہلے مکمل کرلیا تھا۔ انھوں نے اس کا نام التیسیر فی علم التفسیر رکھا۔ ابن خلکان، سبکی اور سیوطی نے اُسے اجود التفاسیر واوضحہا کہا ہے۔[1]

استاذ حسن عباس زکی[2] اور دکتور ابراہیم بسیونی کا یہ کہنا کہ قیشری نے یہ کتاب ابوعلی دقاق سے تعلقات قائم ہونے سے پہلے لکھی تھی۔ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ ابوعلی دقاق سے قشیری کی وابستگی نیشاپور کے آنے کے تھوڑا ہی عرصہ بعد ہوگئی تھی۔ اور انہی کے حکم سے قیشری نے علوم شرعیہ کی تکمیل کی تھی۔ پھر اُن کے تعلقات اس قدر بڑھے کہ دقاق نے اپنی بیٹی فاطمہ کی شادی قشیری سے کردی۔ اور ان کے بطن سے پہلا بچہ ۴۱۳ھ میں پیدا ہوا۔ مزید برآں دقاق کی وفات ایک قول کے مطابق ۴۰۶ھ میں ہوئی۔

دکتور ابراہیم لکھتے[3]۔ ہم نے اکادمیہ العلوم السوفیتیہ سے اس کتاب کی پانچویں جلد کی فوٹو نقل لے لی ہے۔ اس تفسیر میں قشیری نے عام تفاسیر کے طرز پر لغت، اشتقاق، نحو، اسباب نزول، اور قصص سے بحث کی ہے۔

سبکی نے ان کی تیرہ کتابوں کے نام گنائے ہیں[4]:

(۱) التفسیر الکبیر (۲) الرسالہ (۳) التحبیر فی التذکیر (۴) آداب الصوفیہ۔
(۵) لطائف الاشارات (۶) کتاب الجواہر (۷) عیون الاجوبہ فی اصول الاسئلہ
(۸) کتاب المناجاۃ (۹) کتاب نکت اولی النہیٰ (۱۰) کتاب نحو القلوب الکبیر
(۱۱) کتاب نحو القلوب الصغیر (۱۲) کتاب احکام السماع (۱۳) کتاب الاربعین فی الحدیث۔

---

(۱) وفیات الاعیان: ۲: ۵، ۳ طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۶ ز طبقات المفسرین: ۲۱: ۲۲ (۲) لطائف الاشارات: ۱: ۱۱ اور ۳۸ (۳) لطائف الاشارات: ۱: ۳۸ (۴) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۶

سید عطا حسین شرح گیسو دراز کے مقدمہ میں لکھتے ہیں[1]:

لطائف الاشارات کا ایک مکمل قدیم نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے۔ یہ کتاب قرآن پاک کی چیدہ چیدہ آیتوں کی تفسیر ہے جو حقائق و معارف کے طریقہ پر لکھی گئی ہے اور نہایت بے نظیر اور دلکش تفسیر ہے۔ حضرت مخدوم کو بہت مرغوب تھی۔ اپنی تصانیف میں اس سے اقتباس بھی کیا ہے

راقم الحروف کہتا ہے۔ یہ کتاب آج کل شائع ہو رہی ہے اور چھ جلدوں میں مکمل ہوگی۔ اب تک اس کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ دکتور ابراہیم بسیونی نے اس کا مقدمہ اور حواشی لکھے ہیں۔ اور تحقیق کی ہے اور استاذ حسن عباس زکی وزیر اقتصادیات و تجارتِ خارجیہ مصر نے اس کا پیش لفظ لکھا ہے یہ کتاب دکتور ابراہیم بسیونی نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے پیش کی تھی۔ مگر مجھے نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ڈاکٹر بسیونی نے محنت سے کام نہیں کیا۔ کتاب میں متن کے ضبط کرنے میں بے شمار اغلاط موجود ہیں۔ وہ اشعار جو تفاسیر و دواوین میں با آسانی تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ ان کی بھی تصحیح نہیں کی گئی میں نمونہ کے طور پر صرف دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔

جلد اوّل ص۶۸ پر یہ شعر ہے:

یَلِی مِنْ وجھکَ شمس الضحیٰ   وظلامہ فی الناس ساری

واضح ہے کہ پہلا مصرع خارج از وزن ہے۔ یہ شعر رسالہ میں موجود ہے اور وہاں درست دیا ہے (ص۱۹۸)

لیلی بِوَجھِکَ مُشرِق   وظلامہ فی الناس ساری

جلد: ا صفحہ: ۲۰۰ پر یہ شعر ہے

الی الحَوْلِ[2] ثم اسم السلام علیکم   ومن یبک حولاً کاملاً فقد اعتذد

یہ شعر لبید بن ربیعہ کا ہے اور اس کے دیوان، کتب تفاسیر اور نحو کی کتابوں میں موجود ہے۔ درست یوں ہے:۔

۱۔ مقدمہ شرح گیسو دراز: ۱۸

الیٰ الحول ثم اسم السلام علیکما ومن یبک حولا کاملاً فقد اعتذر

افسوس بر افسوس یہ ہے کہ ممتحن نے بھی طالب علم کی رہنمائی نہیں کی۔ اور پوری طرح تحقیق کر لینے کے بغیر ہی یہ کتاب شائع ہو رہی ہے

جیسا کہ کتاب کے نام سے واضح ہے۔ اس کتاب میں لطیف صوفیانہ اشارات ہیں۔ کوئی لمبی چوڑی تفسیر نہیں۔ قیشری نے اس کتاب میں تصوف کے عمیق مسائل پر بحث نہیں کی۔ اور نہ ہی ایسی بحثوں میں الجھا ہے جن سے علماء ظاہر کو اختلاف ہو۔ اور شریعت کے حدود کی سختی سے پابندی گئی ہے۔ قشیری[۲] نے اس کتاب کو ۴۳۷ھ میں لکھنا شروع کیا۔

سب سے پہلی تفسیر جو تصوف کے رنگ میں لکھی گئی۔ وہ ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری (م ۲۸۳ھ) کی تفسیر ہے۔ مگر یہ نہایت ہی مختصر سی کتاب ہے۔ جس کا حجم دو سو صفحوں سے زائد نہیں ہے۔ اسے ۱۹۰۸ء میں مطبعہ سعادت نے شائع کیا۔ دوسری تفسیر ابو عبدالرحمٰن محمد بن الحسین السلمی (م ۴۱۲ھ) کی "حقائق التفسیر" ہے جن پر بیشتر لوگوں نے اعتراضات کئے ہیں[۳]۔

ہم بلاخوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید کی سب سے پہلی اور مکمل صوفیانہ تفسیر قشیری کی لطائف الاشارات ہی ہے۔ ان کے بعد الغزالی (۱۱۱۱ء ۵۰۵ھ) نے صرف سورۂ اخلاص کی تفسیر تصوف کے رنگ میں لکھی۔

سید عطا حسین نے قشیری کی ایک اور کتاب کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں[۴]۔

کتبخانہ آصفیہ میں حضرت شیخ کی ایک چھوٹی سی بہت پرانی لکھی ہوئی کتاب ہے جس میں انھوں نے وہ سب حدیثیں جمع کر دی ہیں۔ جو انھوں نے اپنے شیخ ابو علی دقاق سے بسند متصل سنی تھیں۔ اس کتاب کا ذکر تذکرہ نویسوں نے نہیں کیا ہے۔

براکلمن نے مذکورہ بالا کتب کے علاوہ قیشری کے دو اور رسالوں کا نام دیا ہے (۱۵) رسالہ

---

(۱) لبیدؓ نے یہ اشعار موت سے تھوڑا عرصہ پہلے کہے تھے۔ اور ان میں اپنی دو بیٹیوں کو مخاطب کیا تھا۔ قصیدہ کا مطلع یہ ہے

تمنی ابنتای ان یعیش ابوھما وھل انا الا من ربیعۃ او مضر

(۲) لطائف الاشارات: ۱: ۴ ۵ (۳) لطائف الاشارات: ۱: ۱۵-۱۶ (۴) مقدمہ شرح گیسو دراز: ۱۹

ترتیب السلوک فی طریقۃ اللہ تعالیٰ اور (۱۶) شکایت اہل السنۃ بحکایہ ما نالہم من المحنہ ہم ان دونوں رسالوں کو ترجمہ کے ساتھ الگ شائع کر چکے ہیں۔

ان کے علاوہ مکرمی چودھری عبدالعزیز صاحب نے قشیری کی تصانیف کے مزید نام لکھ بھیجے ہیں جو یہ ہیں (۱۷) کتاب سیرۃ المشائخ (۱۸) کتاب المعراج یہ کتاب شائع ہو چکی ہے اور ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر نے اسے قاہرہ سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں قیشری نے ان تمام احادیث کو جمع کر دیا ہے جو معراج کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور کہیں کہیں اپنی طرف سے مختصر سی بحث بھی کی ہے۔ اور بعض اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ (۱۹) استفادات المرادات (۲۰) بلغۃ المقاصد فی التصوف (۲۱) ناسخ الحدیث ومنسوخہ (۲۲) حیاۃ الارواح والدلیل الیٰ طریق الصلاح (۲۳) منشور الخطاب فی شہود الالباب (۲۴) الفصول فی الاصول وکتور ابراہیم بسیونی نے مزید نام بتائے ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۲۵) القصیدۃ الصوفیہ (۲۶) التوحید النبوی (۲۷) اللمع (۲۸) الفتوہ (۲۹) المقامات الثلاثہ اور (۳۰) فتوی۔

رسالہ قشیریہ

خوش قسمتی سے قشیری نے خود اس رسالہ میں بتا دیا ہے کہ انھوں نے اس رسالہ کو ۴۳۷ھ میں لکھنا شروع کیا۔ اور ۴۳۸ھ کے اوآئل میں اسے مکمل کیا۔

سببِ تالیف سید عطا حسین نے رسالہ قیشریہ کی تالیف کے اسباب بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اور سیاسیہ، باطنیہ اور مانویہ کو اس رسالہ کی تالیف کا سبب قرار دیا ہے۔ آربری نے اپنی کتاب (Sufism) (صفحہ ۷۴) میں ملامیتہ[2] کو اس کی تالیف کا سبب بتایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

---

(۱) مقدمہ بر لطائف الاشارات: ۲۴: (۲) سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں ملامیتہ پر الگ باب باندھا ہے مگر اس بات کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ اس زمانہ میں ملامیتہ کی حالت اس قدر گر گئی ہو کہ وہ احکام شریعت کے خلاف عمل کریں۔ بلکہ برعکس اسکے ان کی تعریف ہی کی ہے۔

"Which was composed with the express purpose of rescuing Sufism from the ill-fame to which it had been exposed by the extravagant antinomionism of the Malamatiya"

(جسے واضح طور پر اس غرض سے لکھا گیا کہ تصوف کو اس بدنامی سے نجات دلائی جائے۔ جس کا نشانہ یہ لوگ غالی اور لا اُبالی ملامتیہ کی وجہ سے بنے ہوئے تھے)

یہ درست ہے کہ نیشاپور میں ابو صالح حمدون بن احمد بن عمارہ القصار نیشاپوری متوفی ۲۷۱ھ کی وجہ سے ملامتیہ فرقہ پھیلا (رسالہ صفحہ: ۱۱) مگر ملامتیہ کو ہمہ تن اس رسالہ کی تالیف کا سبب قرار دینا میرے نزدیک درست نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ ملامتیہ نے غلط طریقے اختیار کرنا شروع کر دیئے تھے۔ اور ان میں سے بعض احکامِ شریعت کی پابندی نہ کرتے تھے۔

قشیری نے وضاحت کے ساتھ کسی فرقہ کا نام نہیں لیا۔ ابتداء رسالہ میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ بعض لوگ دین کا احترام نہیں کرتے۔ حلال و حرام میں تمیز نہیں کرتے۔ عبادات کو ادا کرنے اور صوم و صلوٰۃ کو بنظرِ حقارت دیکھتے ہیں۔ باایں ہمہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ حقائق وصال تک پہنچ چکے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب قشیری صوفیاء کے عقائد کا ذکر کرتے ہیں تو وہاں معتزلہ اور بالخصوص کرامیہ سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

صَانُوا عَقَائِدَهُمْ عَنِ الْبِدَعِ

اور مشبّہ اور معطلہ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

مِنْ تَوْحِیدٍ لَیْسَ فِیہِ تَمْثِیلٌ وَلَا تَعْطِیلٌ وَعَرَفُوا مَا هُوَ حَقُّ الْقِدَمِ

ان دنوں کرامیہ نے نیشاپور کے اندر زور پکڑ لیا تھا۔ اور ان کی طاقت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ یہ لوگ دست اندازی سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ابو عبدالرحمٰن سلمی بیان کرتے ہیں کہ میں ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ) کے پاس گیا وہ ان دنوں اپنے گھر میں محبوس تھے۔ اور گھر سے نکل کر مسجد تک بھی نہ آسکتے تھے۔ کیونکہ انھیں کرامیہ سے خطرہ تھا۔ اور اس سے پہلے کرامیہ نے ان کا منبر

توڑ ڈالا تھا[۱]۔

ابوبکر محمد بن اسحٰق بن محمشاد کرامیہ کے رئیسوں میں سے ایک رئیس تھا۔ اس نے اسی زمانہ میں اپنے ظاہری زہد و تقویٰ کی وجہ سے سلطان محمود پہ اثر ڈال رکھا تھا جس کی وجہ سے سلطان کرامیہ کی بڑی تعظیم کرتا تھا اور خود بھی اُن کا ہم خیال ہو گیا تھا۔

کرامیہ

کرامیہ فرقہ کی بنیاد ابوعبداللہ محمد بن کرام نے ڈالی۔ اس کا باپ ایک انگور کے باغ میں محافظ کا کام کرتا تھا۔ جس سے اسے کرام کہا گیا۔ یہ دراصل سجستان[۲] کا رہنے والا۔ شہر بدر ہوا تو غرجستان چلا آیا۔ شومین اور افشین کے لوگوں کو اس کی ظاہری عبادت سے دھوکا ہوا۔ اور وہ اس کے معتقد ہو گئے۔ محمد بن طاہر بن عبد اللہ (م ۲۹۸ھ) کے عہد میں یہ نیشاپور چلا آیا۔ یہاں بھی لوگ اس کے ظاہری زہد کو دیکھ کر اس کے معتقد ہو گئے اور ایک خاصی جماعت بن گئی۔ پھر یہ آٹھ سال تک نیشاپور میں قید میں رہا۔ پہلے طاہر بن عبداللہ بن طاہر (م ۲۴۸ھ) نے اُسے قید میں رکھا۔ پھر اس کے بیٹے محمد بن طاہر نے جیل سے نکل کر یہ ۲۵۱ھ میں بیت المقدس چلا گیا اور وہاں حدیث کی روایت کرنے لگا۔ ایک روز ایک شخص نے آ کر ایمان کے متعلق سوال کیا۔ مگر اس نے اُسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے تین بار سوال کو دہرایا مگر یہ پھر بھی خاموش رہا۔ بالآخر کہا۔ ایمان صرف زبانی قول کا نام ہے بالفاظِ دیگر خواہ کوئی دل سے اس کی تصدیق نہ بھی کرے اور صرف زبانی اقرار کرے۔ تب بھی وہ شخص مومن کہلائے گا۔ یہ سُن کر لوگوں نے حدیث کے تمام وہ اوراق جو اس سے کر لکھے تھے جلا دیئے اور رَملہ کے حاکم نے اسے شہر بدر کر کے زغر بھیج دیا جہاں یہ ۲۵۵ھ میں مرا۔

اس کے یہ عقائد تھے:

(۱) ایمان نہ کم ہوتا ہے نہ بڑھتا ہے[۳]۔

(۲) اگر کوئی محض زبان سے ایمان لے آئے خواہ وہ دل میں کفریہ عقائد کیوں نہ رکھتا ہو وہ مومن ہے

(۳) دیگر اجسام کی طرح اللہ بھی ایک جسم ہے

---

(۱) المنتظم: ۷: ۲۷۵ ز البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۳۵۵ (۲) لسان المیزان: ۵: ۳۵۳-۳۵۶ ز شہرستانی، الملل والنحل: ۱: ۱۵۹ (۳) شہرستانی: ۱: ۱۵۹

(۴) اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور وہ اپنی ذات کے اعتبار سے اوپر کی جہت میں ہے۔ وہ عرش کی اُوپر کی سطح کو چھو رہا ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔ نیچے اُترتا ہے اور اُوپر بھی چڑھتا ہے۔

کرامیہ کے تقریباً بارہ فرقے ہیں۔ مگر کرام کے زیادہ قریب صرف ہیصیہ فرقہ ہے۔ یہ لوگ محمد بن الہیثم کے ماننے والے ہیں۔ اور یہی محمد بن الہیثم قشیری کے عہد میں نیشاپور میں کرامیہ کا رئیس تھا۔

صفاتیہ معتزلہ اور کرامیہ وغیرہ کے مقابلہ میں سلف کی کثیر تعداد اس بات کی قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ازلی صفات ہیں۔ مثلاً علم، قدرت، حیات، ارادہ، سمع، بصر وغیرہ اور ان کے نزدیک صفاتِ ذاتیہ اور فعلیہ میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ مزید برآں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، پاؤں اور چہرہ وغیرہ ہے۔ اور اسے بلاکیف اور بلا تاویل مانتے ہیں۔

چونکہ سلف اللہ تعالیٰ کی صفات کے قائل ہیں۔ اس لئے انھیں صفاتیہ کہا گیا اور معتزلہ جو صفات کے منکر ہیں مُعَطِّلہ کہلائے بعض لوگوں نے ان صفات کو ثابت کرنے پر اسقدر زور دیا کہ انھوں نے ان کو مخلوق کی صفات کے ساتھ مشابہت دے دی۔ اور یہ تشبیہ میں مبتلا ہو گئے۔ اور مشبّہہ کہلائے۔

سلف میں جن لوگوں نے بغیر تشبیہ اور بغیر تاویل کے صفاتِ ازلیہ کو ثابت کیا ہے۔ ان میں مالک بن انس (م ۱۷۹ھ)، احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)، سُفیان ثوری (م ۱۶۱ھ)، داوٗد اصفہانی ظاہری (م ۲۷۰ھ) اور اُن کے متبعین ہیں۔ تا آنکہ عبداللہ بن سعید کلابی، ابوالعباس قلانسی اور حارث بن اسد محاسبی کا زمانہ آیا۔ اُن کا شمار بھی سلف میں ہوتا ہے۔ مگر انھوں نے عِلم کلام کو استعمال کیا۔ اور سلف کے عقائد کی تائید علم کلام کی بنا پر کی۔ بعض نے اس فن میں کتابیں لکھیں اور بعض نے درس دیئے تا آنکہ ابوالحسن اشعری اور ان کے استاد ابوعلیؒ جبّائی کے درمیان ایک مسئلہ میں مناظرہ ہوا۔ جس میں ابوالحسن اشعری نے سلف کی طرف داری کی۔

اب رہے باطنیہ تو یہ فرقہ اگرچہ قشیری کے زمانہ سے پہلے ہی سے چلا آرہا تھا۔ مگر انھوں نے زیادہ زور حسن بن صباح (م ۵۱۸ھ) کی مدد سے ۴۹۲ھ اور ۴۹۴ھ میں پکڑا۔ سب سے پہلا شکار جو انھیں ہاتھ آیا۔ وہ نظام الملک طوسی رحمۃُ اللہ ہی تھا جسے انھوں نے ۴۸۵ھ میں دھوکے سے

نقل کیا۔ مزید برآں تمام رسالہ میں کہیں بھی ایسی بات نہیں پائی جاتی جس سے باطنیہ کی طرف کوئی خفیف سا بھی اشارہ پایا جاتا ہو اور یہ کتاب جیسا کہ بیان ہو چکا ۴۳۸ھ میں مکمل ہو چکی تھی۔ ان اعتقادات کا ان اعتقادات سے جن کا ذکر قشیری نے بطور اعتقادات صوفیہ کیا ہے۔ مقابلہ کرنے پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ قشیری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ صوفیاء کا معتزلہ اور کرامیہ کے اعتقادات سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ لوگ اس قسم کی بد اعتقادیوں سے مبرا ہیں۔

دوسری طرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ زہد و تقویٰ کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں میں بداعتقادی پھیلانا چاہتے ہیں۔ حقیقی تصوف اور سچے صوفیاء سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان لوگوں سے بچنا چاہیئے۔ قشیری نے رسالہ کے اندر نہایت وضاحت سے صوفیہ کے اعتقادات کو پیش کیا ہے تاکہ ہر شخص جو ان کا مطالعہ کرے۔ کھوٹے اور کھرے میں امتیاز کر سکے۔ اور دجالوں کے دجل سے بچ سکے۔

تالیف کتب تصوّف

اگرچہ ایک مستقل فن کی حیثیت سے تصوف میں تصنیف و تالیف کا دور بعد میں شروع ہوا۔ مگر اس کی ابتدا بہت پہلے ہو چکی تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن المبارک المروزی (م ۱۸۱ھ) نے کتاب الزہد لکھی۔ جس میں انھوں نے ان احادیث کو جمع کیا جن میں زہد کی ترغیب دی گئی ہے[1]۔

اس کے بعد ابوعلی احمد بن عاصم انطاکی نے پھر الحارث بن الاسد المحاسبی (م ۲۴۳ھ) نے تصوف کے مختلف موضوعوں پر متعدد کتابیں لکھیں۔ مثلاً الرعایۃ لحقوق[2] اللہ اور کتاب التوہم وغیرہ۔ اسی طرح محمد بن علی الحکیم الترمذی نے بھی کئی کتابیں لکھیں۔ اس کے بعد محمد بن عبداللہ الجبار النفری[3] (م ۳۵۴ھ) نے کتاب المواقف اور کتاب المخاطبات لکھی۔ پھر ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الصوفی (م ۳۹۳ھ) نے بستان العارفین لکھی لیکن سب سے پہلی کتاب جس میں مستقل فن کی حیثیت سے تصوف کے متعدد مسائل پر بحث

---

(۱) صوفۂ زم نز آبری: ۴۰ (۲) حوالۂ مذکور: ۴۷، ۵۰ (۳) حوالہ مذکور: ۴۶ نفّر بکسر النون وفتح الفاء المشدّدۃ وبعدہا راء، بصرہ میں ایک جگہ کا نام ہے جس کی طرف یہ نسبت آتی ہے (اللباب) المواقف کی شرح عفیف الدین سلیمان بن علی تلمسانی المتوفی ۶۹۰ھ نے کی ہے (کشف الظنون)

کی گئی ہے۔ کتاب اللمع ہے۔ کتاب اللمع کے مصنف کا نام[1] ابونصر عبداللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ السراج ہے۔ یہ طوس کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے جعفر خلدی، ابوبکر محمد بن داؤد الدقی اور احمد بن محمد سالمی سے حدیث سنی اور اُن سے ابوسعید محمد بن علی النقاش اور عبدالرحمٰن بن محمد السراج وغیرہ نے روایت کی۔ سلمی کہتے ہیں کہ ابونصر زاہدوں کی اولاد میں سے تھے۔ اور اپنے علاقہ میں فتوت میں مرجع خلائق تھے۔ انھیں صوفیاء کا ترجمان کہا جاتا ہے۔ ان کے تصوف کی بنیاد شریعت پر تھی۔ فارسی تذکرہ نگار انھیں طاؤس الفقراء کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اُن کے شاگردوں میں سے صرف ابوالفضل بن الحسن السرخسی نے شہرت حاصل کی۔ اور وہ بعد میں ابوسعید بن ابوالخیر کے پیر بنے۔ ابونصر سراج نے ۳۷۸ھ میں وفات پائی۔

نکلسن[2] بحوالہ کشف المحجوب لکھتا ہے کہ ابونصر سراج بغداد میں تھے کہ رمضان کا مہینہ آگیا۔ اور انھیں مسجد شونیزیہ میں ایک الگ کمرہ دے دیا گیا تاکہ وہ درویشوں کی امامت کریں۔ عید تک وہ ان کی امامت کے فرائض انجام دیتے رہے اور تراویح کے اندر پانچ بار قرآن مجید ختم کیا۔ ہر رات ایک خادم آکر ایک روٹی دے جاتا۔ عید کے دن وہ وہاں سے چل دیئے۔ خادم نے تیس دن کی تیس روٹیاں جوں کی توں پڑی پائیں۔

ابونصر سراج نے کتاب کے مقدمہ میں خود بیان کیا ہے کہ انھوں نے اللہ سے استخارہ کرکے چند ابواب جمع کئے جن میں انھوں نے مذہب تصوف کی تشریح کی۔ اور ان علوم اور اصولوں سے بحث کی جن کے متعلق متقدمین صوفیاء نے کچھ نہ کچھ کہا ہے۔ نیز ان کے حالات، اشعار، مسائل، جوابات، مقالات اور احوال کا ذکر کیا ہے۔

نکلسن کا یہ کہنا[3] کہ ابونصر سراج نے یہ کتاب ایک دوست کی درخواست پر لکھی درست معلوم نہیں

۱۔ مقدمہ بر کتاب اللمع از نکلسن: II تا XIII (۲) مقدمہ بر کتاب اللمع از نکلسن: IV۔ کشف المحجوب میں اصل عبارت یوں ہے (روسی ایڈیشن: ۳۸۰۔ دی ماہ رمضان بغداد در آمد رسید۔ نکلسن کو اسی عبارت سے دھوکہ ہوا ہے اور اس نے اس کا ترجمہ کیا ہے Abu Nasr came to Baghdad in the month of Ramazan لیکن میرے نزدیک یہاں عبارت میں "را" کا لفظ رہ گیا ہے لہٰذا اصل عبارت یوں ہے۔ دی ماہ رمضان بغداد در آمد رسید۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ اگر ماہ رمضان کے اندر بغداد آئے ہوتے تو تیس تراویح نہ ہوتیں بلکہ کم ہوتیں۔ (۳) مقدمہ کتاب اللمع: VI

ہوتا۔ کیونکہ ابونصر نے کتاب کے مقدمہ میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ البتہ باب البیان عن علم التصوف و مذہب الصوفیہ کی ابتدا میں یوں لکھے ہیں :

سَأَلَنِیْ سائل عن البیان عن علم التصوّف و مذهب الصوفیة و زعم انّ الناس اختلفوا فی ذٰلك۔

(کسی شخص نے مجھ سے درخواست کی کہ میں علم تصوّف اور صوفیہ کے مذہب کی وضاحت کروں۔ اس کا خیال یہ تھا کہ لوگوں کا اس بارے میں اختلاف ہے)

ان الفاظ سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ سائل کا سوال صرف علم تصوّف اور مذہب اہل تصوف کے متعلق تھا۔

اس کتاب میں صوفیہ کے بیشتر مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً علم تصوف، مذہب تصوف، صوفی نام کیسے پڑا۔ احوال و مقامات صوفیہ، آداب صوفیہ وغیرہ۔

ابونصر سراج کے بعد ابوطالب محمد بن عطیہ الحارثی العجمی المکی المتوفی ۳۸۶ھ نے قوت القلوب لکھی۔ جس میں ابوطالب نے ثابت کیا کہ صوفیاء کے مسائل اور اعمال، شریعت کے مطابق ہیں۔ اس کتاب کا شمار "امہات" کتب تصوف میں ہوتا ہے۔

اسی زمانہ میں ابوبکر محمد بن اسحٰق البخاری الکلاباذی المتوفی ۳۹۰ھ نے التعرف لمذہب اہل التصوف لکھی۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں تصوف کے مختلف موضوعوں پر بحث کی گئی ہے اور اسے خوب مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہا گیا :۔

لَو لا التعرّفُ لما عُرِفَ التصوّفُ

(اگر کتاب "تعرف" نہ ہوتی تو تصوّف کو کوئی بھی نہ جانتا)

اسی مقبولیت کی وجہ سے اس پر کئی شرحیں لکھی گئیں۔ سب سے پہلے ابوابراہیم بن اسمٰعیل بن محمد بن عبداللہ المستملی البخاری المتوفی ۴۳۴ھ نے فارسی میں اس کی شرح لکھی۔ بخاری نے کئی مقامات پر نہایت عمدہ بحثیں کی ہیں۔

خواجہ عبداللہ انصاری (م ۴۸۱ھ) اور قونوی (م ۷۲۹ھ) نے بھی اس پر شرح لکھی[1] ہے۔

---

(۱) صوفزم از آربری : ۶۹

ابوالحسن علی بن عبداللہ بن الحسن بن جہضم الہمدانی المتوفی سنہ ۴۱۴ھ نے تصوف میں بہجۃ الاسرار لکھی۔ ابن جہضم حرم میں شیخ صوفیہ تھے۔ انھوں نے لمبی عمر پائی۔ اور حدیث کی روایت بھی کی ہے۔ قشیری نے اس کتاب سے صرف ایک روایت نقل کی ہے۔

ابن جہضم کے بعد ابومنصور معمر بن احمد بن زیاد الاصفہانی (سنہ ۳۵۰ھ تا سنہ ۴۱۸ھ) نے کتاب، نہج الخاص لکھی۔ یہ ایک مختصر سی کتاب ہے۔ جس میں انھوں نے صرف ان مسائل کو لیا ہے جو سالکین کے مقامات اور ریاضت سے متعلق ہیں۔ اس کتاب کو اے۔ بس، ڈی بور کی الدومنکی نے فرانسیسی مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

یہ سب کتابیں لکھی جا چکی تھیں(۱) مگر ان میں کوئی بھی ایسی نہ تھی جس میں تصوف کے تمام مسائل پر ہر پہلو سے بحث کی گئی ہو۔ اس ضرورت کو ابوالقاسم قشیری نے رسالہ قشیریہ لکھ کر پورا کیا۔ یہ ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں مختصر طور پر تصوف کے تمام مسائل اور موضوعوں پر بحث کی گئی ہے۔ قشیری نے ان مسائل کو نہایت وضاحت کے ساتھ اعلیٰ طریقہ پر پیش کیا ہے۔ اسی بنا پر یہ کتاب آج تک عوام میں بالعموم اور صوفیاء میں بالخصوص بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ مزید برآں جو ترتیب قشیری نے اس رسالہ کو دی ہے اس سے بھی مصنف کی بالغ نظری کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ابتداء میں صوفیاء کے عقائد بیان کئے ہیں۔ پھر مشہور صوفیاء کے مختصر حالات دیئے ہیں۔ اس کے بعد تصوف کی چند اصطلاحات کی تشریح کر دی گئی ہے۔ پھر تصوف کے مسائل کو لیا ہے۔ اور ہر مسئلہ کے متعلق قرآنی آیات اور احادیث نبوی پیش کر دی ہیں تاکہ پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے۔ کہ مسائل تصوف کی بنیاد انہی دو اصولوں یعنی کتاب و سنت پر ہے۔ قشیری کا شمار چونکہ حفاظ حدیث میں ہوتا ہے۔ اس لئے انھوں نے تمام احادیث اپنی سند سے پیش کی ہیں۔ اگرچہ کرامت نہ ولایت کی جزء ہے نہ ولایت کی دلیل مگر چونکہ اس سے صاحبِ کرامت انسان کے مقرب الی اللہ ہونے کا پتہ چلتا ہے اس لئے قشیری نے بزرگوں کی ایک سو سے

---

(۱) ابوعبدالرحمٰن السلمی (م سنہ ۴۱۲ھ) اور ابونعیم الاصفہانی (م سنہ ۴۳۰ھ) نے بھی صوفیہ کے متعلق کتابیں لکھیں۔ مگر چونکہ ان میں مسائل تصوف سے کسی قسم کی بحث نہیں کی گئی۔ صرف صوفیہ کے حالات و اقوال دیئے تھے، اس لئے میں نے ان کا یہاں ذکر نہیں کیا۔

زائد کرامات کا ذکر کیا ہے۔ ایک باب سماع کے بیان میں ہے جسے اگرچہ جائز قرار دے دیا ہے۔ مگر قشیری نے اپنا مسلک یہی بتایا ہے کہ اس سے اجتناب کرنا بہتر ہے آخر میں ولایت، مرید اور شیخ کے آداب پر کتاب کو ختم کیا ہے۔

رسالہ قشیریہ کی قدر و منزلت اور اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ صوفیاء کے شدید ترین مخالف ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے بھی اس کتاب کی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ اگر تصوف کا مطالعہ کرنا ہو تو رسالہ قشیریہ کا مطالعہ کیا جائے[1]۔

رسالہ کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگوں نے اس کتاب کے انوار و برکات کا مشاہدہ کیا۔ یہاں تک کہ مشہور ہے کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو گی وہاں کوئی آفت نازل نہ ہو گی[2]۔

قشیری کے رسالہ کا اسقدر چرچا ہوا کہ اُن کے معاصرین صوفیاء کو بھی تصوف پر کچھ لکھنے کا خیال آیا۔ چنانچہ ابو خلف طبری، ابو الحسن علی بن عثمان الجلّابی الغزنوی اور خواجہ عبد اللہ انصاری الہروی نے بھی تصوف پر کتابیں لکھیں۔

ابو خلف محمد بن[3] عبد الملک بن خلف الطبری السلمی شافعی اماموں میں سے تھے۔ انھوں نے قفّال اور ابو منصور بغدادی سے فقہ پڑھی یہ کہا کرتے تھے کہ روزہ دار سے جو گناہ بھی سرزد ہو اس کا کفارہ واجب الادا ہے۔ مثلاً کھانا، پینا یا جماع۔ یہ فقیہ اور صوفی تھے۔ انھوں نے رئیس ابو علی حسان بن سعید المنیعی کے لئے تصوف میں ایک کتاب لکھی جس کا نام سلوۃ العارفین وانس المشتاقین رکھا۔ یہ کتاب بہتّر ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں تصوف کے معنی سے بحث کی گئی ہے اور آخری باب میں طبقات الصوفیہ اور ان کے تراجم دیتے ہیں۔ انھوں نے یہ کتاب ۴۵۹ھ میں لکھی۔ سبکی کہتے ہیں کہ ابو خلف نے اس کتاب میں صوفیہ کے احوال کا ذکر کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں نہ صرف راہ طریقت سے بخوبی واقفیت حاصل تھی۔ بلکہ ان پر صوفیہ کے احوال کی کیفیت بھی طاری تھی۔ ابو خلف نے اس

---

(۱) ابن تیمیہ کے اس قول کی اطلاع مجھے مولوی محمد ادریس ندوی صاحب نے دی۔ وہ بھارت سے چند دنوں کے لیئے پاکستان آئے ہوئے تھے۔ مگر باوجود بار بار مطالبہ کے کتاب کا حوالہ نہ بتا سکے (۲) اس شذرات الذہب : ۳ : ۳۲۰ ز طبقات الشافیہ : ۳ : ۲۴۷ (۳) طبقات الشافیہ : ۳ : ۷۶

کتاب میں رسالہ قشیریہ کے ابواب و مضامین کا طرز اختیار کیا ہے۔ اور سبکی کے خیال میں اس کی عدم مقبولیت اور گمنامی کی وجہ بھی غالباً یہی بات تھی۔ ورنہ یہ کتاب بہت ہی عمدہ ہے رسالہ کی مقبولیت اور شہرت نے اس کتاب کو اتنا ماند کر دیا کہ سبکی کو اس کتاب کا اگر کوئی نسخہ ملا تو وہ وہی اصلی نسخہ تھا جسے نہایت عمدہ خط میں لکھ کر ابوخلف نے خود ملیغی کو پیش کیا تھا۔ ابوخلف کی وفات ۴۶۱ھ میں ہوئی۔

سید ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الغزنوی الہجویری متوفی بعد از ۴۸۱ھ نے فارسی زبان میں کشف المحجوب لکھی۔ فارسی زبان میں تصوف پر یہ پہلی کتاب ہے۔ زبان نہایت سادہ اور واضح ہے۔ اور اس عہد کی فارسی زبان کا بہترین نمونہ ہے۔ ہجویری نے اس کتاب میں قشیری کے رسالہ کا تتبع کیا ہے اور بعض ایسے امور سے بحث کی ہے جن کا رسالہ میں کوئی ذکر نہیں۔ پاک و ہند میں صدیوں سے اس کتاب کا چرچا چلا آرہا ہے۔

قشیری کے تیسرے معاصر جنھوں نے تصوف پر کتاب لکھی۔ شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبداللہ الانصاری الہروی ہیں۔ انصاری نے ۴۸۱ھ میں وفات پائی۔ تصوف پر جو مختصر کتاب انھوں نے لکھی اس کا نام "منازل السائرین" ہے۔ اس کتابچہ میں صوفیہ کے آداب، مقامات اور احوال کے سوا کسی اور موضوع کا ذکر نہیں۔

اس کتاب کی بعض عبارتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انصاری وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ چنانچہ باب الاتصال میں فرماتے ہیں[1]:

الدَّرَجَةُ الثَّالِثَةُ اِتِّصَالُ الوُجُودِ وَهٰذَا الْاِتِّصَالُ لَا یُدْرَكُ مِنْهُ نَعْتٌ وَلَا مِقْدَارٌ اِلَّا اسْمٌ مُعَارٌ وَلَمْحٌ اِلَیْهِ یُشَارُ۔

(تیسرا درجہ اتصال الوجود کا ہے۔ اس اتصال کے محض نام اور اشارہ کے سوا ہم اور کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ نہ اتصال کی صفت کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ مقدار کو)

پھر آگے چل کر باب الفناء میں فرماتے ہیں[2]:

---

(۱) شرح منازل السائرین لابی محمد عبدالمعطی : ۲۰۵ (۲) حوالہ مذکور : ۲۱۳

وَهُوَ علیٰ ثلاثِ دَرَجَاتٍ الدَّرَجَۃُ الاُولیٰ فَنَاءُ المَعْرِفَۃِ فِی المَعْرُوفِ وَهُوَ الْفَنَاءُ عِلْماً وَفَنَاءُ الْعِیَانِ فِی الْمُعَایِنِ وَهُوَ الْفَنَاءُ جَحداً وَفَنَاءُ الطَّالِبِ فِی الْوُجُودِ وَهُوَ الْفَنَاءُ حَقّاً۔

(فناء کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ علمی اعتبار سے فنا کا ہے۔ وہ اس طرح کہ معروف یعنی ذاتِ باری کی معرفت میں فنا ہو جائے۔ دوسرا درجہ فناء جحد کا ہے اور وہ اس طرح کہ جو کچھ طالب دیکھے وہ معاین، یعنی خدا، میں فنا ہو جائے۔ اور تیسرا (یعنی آخری) درجہ حقیقی فنا کا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ طالب وجود میں فنا ہو جائے۔

سبکی کہتے ہیں[1]: "باوجود اس کے کہ شیخ تقی الدین ابو العباس ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کا میلان عبد اللہ انصاری کی طرف تھا۔ پھر بھی وہ اس کتاب کو وحدۃ الوجود کی وجہ سے برا کہتے۔ اور انصاری کو بہت متہم کیا کرتے تھے۔

مگر ابن تیمیہ کے شاگرد (ابن قیم (م ۷۵۱ھ) نے منازل السائرین کی شرح لکھی اور انصاری کے بیانات کی تاویلیں کر کے وحدۃ الوجود کو وحدۃ الشہود بنا دیا۔

ابن قیم کی شرح کے علاوہ منازل السائرین کی دو اور شرحیں لکھی گئیں۔ ایک سدید الدین ابو محمد عبد المعطی بن ابی الثناء محمود بن عبد المعطی اللخمی الاسکندرانی کی ہے۔ یہ شرح ساتویں صدی ہجری کی ابتداء میں لکھی گئی۔ اور دوسری محمود بن حسن بن محمود الشافعی الفرکاوی کی۔ فرکاوی کی پیدائش ۷۲۵ھ میں اور وفات ۸۰۰ھ کے بعد ہوئی۔ یہ دونوں شرحیں نہایت مختصر ہیں اور انہیں مس۔ دلبیہ دی بورکی نے تحقیق کر کے شائع کیا ہے۔

تصوف کی یہ وہ مشہور کتابیں ہیں جو ابتداءِ عہد سے لے کر قشیری کے زمانہ تک لکھی گئیں۔ اگر ہم اُن کا موازنہ قشیری کے رسالہ سے کریں خواہ بلحاظ تنوع ابواب خواہ بلحاظ وسعت مضامین تو ہم ان میں سے کسی کو بھی رسالہ قشیریہ کا ہم پایہ نہیں پاتے۔ غرض رسالہ قشیریہ پہلی کتاب ہے جس میں اس قدر تفصیل کے ساتھ تصوف کے بیشتر اور اہم مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ خود قشیری کا اپنا

---

(۱) طبقات الشافعیہ ۳: ۱۱۷۔

مرتبہ کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتا ہے۔ کیونکہ ان تمام متقدمین میں کوئی بھی ایسا نہیں جس میں قشیری کی طرح تمام اوصاف پائے جاتے ہوں۔ جیساکہ بیان کیا جا چکا ہے قشیری محدث، مفسر، فقیہ، شاعر، کاتب، صوفی، متکلم وغیرہ سب کچھ تھے۔ اور اس قدر اوصاف ایک شخص کے اندر شاذ و نادر ہی جمع ہوتے ہیں۔

ان سب کے بعد امام محمد الغزالی (م ۵۰۵ھ) نے احیاء العلوم لکھی۔ یہ اگرچہ ایک ضخیم کتاب ہے اور غزالی کی شخصیت کی وجہ سے اسے خوب مقبولیت بھی حاصل ہوئی مگر اس میں زیادہ زور فقہی مسائل پر دیا گیا ہے۔ تصوف کے مسائل کا جو تنوع رسالہ قشیریہ میں پایا جاتا ہے وہ اس میں نہیں ہے۔

اسی زمانہ میں ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی المعروف بابن القیسرانی (م ۵۰۷ھ) نے تصوف پر ایک کتاب لکھی جس کا نام صفوۃ التصوف رکھا۔ لیکن یہ کتاب شہرت حاصل نہ کر سکی۔ اسی ابن القیسرانی نے صحیحین کے رجال پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام الجمع بین رجال الصحیحین ہے۔

رسالہ کے مآخذ رسالہ میں قشیری نے بہت سے واقعات اور اقوال براہِ راست ابو عبد الرحمٰن سُلمی کی سند سے بیان کئے ہیں۔ جن سے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے سُلمی کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ بالخصوص طبقات الصوفیہ سے چنانچہ قشیری نے کئی ایک مقام پر بعینہٖ سُلمی کی سند سے واقعات اور اقوال کی روایت کی ہے۔

دوسری کتاب جس سے قشیری نے استفادہ کیا وہ کتاب اللُّمَع ہے۔ قشیری نے ابو نصر سراج سے براہِ راست روایت نہیں کی۔ کہیں ابو حاتم سجستانی کے واسطہ سے اور کہیں اور لوگوں کے واسطہ سے کی ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ یہاں صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

رسالہ قشیریہ صفحہ ۴:۔

سمعت اباحاتم السجستانی یقولُ سمعت ابانصر الطوسی السراج یحکی عن یوسف بن الحسین قال: قام رجل بین یدی ذی النون المصری فقال: اخبرنی عن التوحید ماھو فقال ھُوان تعلم ان قدرۃ اللّٰہ تعالٰی فی الاشیاء بلا مزاج وصنعہ الاشیاء بلا علاج وعلۃ کل شیٔ صنعہ ولا علۃ لصنعہ ولیس فی السمٰوات العُلٰی ولا فی الارضین السفلٰی مُدبّر غیر اللّٰہ وکل ما تصور فی وھمك فاللّٰہ بخلاف ذٰلك۔

یہی عبارت بعینہ کتاب اللمع طبع یورپ (نکلسن ایڈیشن) صفحہ ۴۸ پر موجود ہے صرف معمولی فرق ہے ۔ مثلاً اجنبی کی بجگہ کتاب اللمع میں خبّرنی دیا ہے ۔ اور کل ماتصور کی بجائے مہماتصور رہے ۔

رسالہ قیشریہ صفحہ ۵۱ :

سمعت اباحاتم السجستانی یقول سمعت ابانصر السراج یقول سُئل سھل بن عبد اللّٰہ عن التوبۃ فقال : ان لا تنسی ذنبک وسُئل الجنید عن التوبۃ فقال : تنسی ذنبک قال ابونصر السراج اشار سھل الی احوال المریدین والمتعرضین تارۃ لھم وتارۃ علیھم الی قولہ ۔ ان تتوب من کل شئ سوی اللّٰہ عزّوجلّ ۔

یہی عبارت کتاب اللمع طبع یورپ صفحہ ۴۳ میں یوں ہے :

وسُئل سھل بن عبد اللّٰہ عن التوبۃ فقال : ان لا تنسی ذنبک وسُئل الجنید رحمہ اللّٰہ عن التوبۃ فقال : ھی نسیان ذنبک ۔ قال الشیخ رحمہ اللّٰہ : فالذی اجاب السوسی رحمہ اللّٰہ عن التوبۃ اجاب عن توبۃ المریدین والمتعرضین والطالبین والقاصدین وھم الذین تارۃ لھم وتارۃ علیھم والذی قال سھل بن عبد اللّٰہ ایضاً فکذلک واما ما اجاب الجنید رحمہ اللّٰہ عن التوبۃ تنسی ذنبہ اجاب عن توبۃ المتحققین لا یذکرون ذنوبھم لما غلب علی قلوبھم من عظمۃ اللّٰہ تعالیٰ ۔ الی قولہ ۔ ان تتوب من کل شئ سوی اللّٰہ تعالیٰ

اس سے یہ واضح ہے کہ قیشری نے کافی مواد کتاب اللمع سے اخذ کیا ہے ۔ اگرچہ کتاب کا نام کہیں مذکور نہیں ۔

قشیری نے ساری کتاب میں صرف ایک مقام پر کتاب بہجۃ الاسرار کا نام وضاحت کے ساتھ لیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ قشیری نے رسالہ کے لکھنے میں اس کتاب سے بھی مدد لی ہے ۔

کتاب میں بیان کردہ اصطلاحات کا ماخذ التعرف کو قرار دیا جاسکتا ہے ۔ اسی طرح کرامات کے باب کا کافی حصہ ابونعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ) کی حلیۃ الاولیاء سے ماخوذ ہے ۔

اس کے علاوہ جس قدر مضامین و بیانات ہیں وہ قیشری کے طبع زاد ہیں اور ان سے قیشری کی وسعت نظر اور مسلک کا پتہ چلتا ہے ۔

رسالہ کے تراجم و شروح

رسالہ قشیریہ کی شہرت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ متعدد لوگوں نے اس کی شرحیں لکھیں ۔چنانچہ سب سے پہلی شرح میں سدید الدین ابو محمد عبد المعطی بن ابی اثناء محمود بن عبد المعطی اللخمی الاسکندری کی ہے ۔عبد المعطی تقریباً ۵۷۵ھ میں پیدا ہوئے اور ساتویں صدی ہجری کے تقریباً وسط میں وفات پائی۔عبد المعطی نے عبد اللہ انصاری ہروی کی منازل اسائرین کی بھی شرح لکھی ہے ۔اور المحاسی کی الرعایہ لحقوق اللہ کی بھی۔ ان کی چوتھی کتاب ارشاد السالکین الی الجمع بین طریق المحققین من الفقھاء والمویدین ہے ۔عبد المعطی کی رسالہ کی شرح کو دکتور ابو العلاء العفیفی استاد جامعہ اسکندریہ نے شائع کیا ہے۔

رسالہ کی شہرت تمام دنیائے اسلام میں پھیل چکی تھی ۔ہندوستان میں بھی اس کا خاصہ چرچا تھا۔ چنانچہ سید محمد حسینی المعروف بخواجہ گیسو دراز نے ۸۰۲ھ میں فارسی میں اس کی شرح لکھی فرماتے ہیں[2] :

" اکنوں عزیز من یکے اندیشہ کن کہ مراد باخود ہمیں اندیشہ است ۔شیخ قدس اللہ روحہ خود تاریخ بیان کرد کہ از تاریخ ہجرت چہار صد و سی و ہفت گذشتہ میان آں قوم ایں فترت زاد کہ در ہر یک لفظ شیخ تامل کن کہ چہ حد بلا زادہ است مسکین محمد حسینی سلمہ اللہ تعالیٰ کہ امروز تاریخ ہجرت ہشت صد و ہفت شد نماند نشانے ازیں قوم ۔"

اُن کا نام سید محمد گیسو دراز بن سید یوسف حسینی چشتی دہلوی ہے ۔ہندوستان کے اولیاء عظام میں سے تھے ۔اور نصیر الدین محمد چراغ دہلوی کے خلیفہ تھے ۔مشائخ چشت میں اُن کا خاص مقام ہے ۔پہلے دہلی میں رہا کرتے تھے ۔مگر اپنے شیخ نصیر الدین محمد چراغ کی وفات کے بعد دکن چلے گئے ۔اور وہاں آپ کا سلسلہ رائج ہوگیا۔ ان کا گیسو دراز لقب اس لئے پڑا کہ ایک بار دو سرے مریدوں کے ساتھ مل کر یہ شیخ نصیر الدین کی پالکی لئے جا رہے تھے ۔اُن کے گیسو بہت لمبے تھے ۔اس لئے اٹھاتے وقت گیسو پالکی کے پایہ میں پھنس گئے ۔مگر انھوں نے انتہائی ادب ملحوظ رکھتے ہوئے گیسوؤں کو

---

(۱) مقدمہ عربی بر شرح منازل السائرین لعبد المعطی تحقیق س ۔ دی بورکی الدومنکی (۲) شرح گیسو دراز : ۱۹

چھڑانے کی کوشش نہ کی۔ اور ایک طویل مسافت اسی حالت میں طے کی۔ جب شیخ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے سید محمد کی بہت تعریف کی اور فرمایا:

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد — واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

سید محمد گیسو دراز ۷۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ایک سو پانچ سال کی عمر میں ۸۲۵ھ میں وفات پائی۔ اس وقت فیروز شاہ بن غیاث الدین بن محمد شاہ بن علاؤ الدین کا عہد حکومت تھا۔ دکن میں شہر کلبر میں مدفون ہوئے۔ ان کے مرید شیخ محمد نامی نے ان کے ملفوظات کو جمع کیا اور اس کا نام جوامع الکلم رکھا۔(۱) یہ شرح حیدر آباد دکن میں نامکمل چھپی ہے۔ اور صرف باب التوکل کے آخر تک ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ خواجہ صاحب نے خود رسالہ کی شرح یہاں تک لکھی تھی۔ یا یہ کہ شرح تو مکمل لکھی مگر باقی حصہ مفقود ہو گیا۔

خواجہ صاحب نے بعض مقامات پر رسالہ کی عبارت کو نہیں سمجھا ہے۔ میں نے اکثر جگہ نظر انداز کیا ہے۔ مگر بعض جگہ مفہوم کے غلط ہونے کی وجہ سے ترجمہ کے دوران اشارہ کرنا پڑا ہے۔

رسالہ قشیریہ کی تیسری شرح شیخ الاسلام قاضی القضاۃ زین الدین الحافظ زکریا محمد بن احمد الانصاری المتوفی ۹۲۵ھ نے لکھی۔ جس کا نام انھوں نے احکام الدلالۃ علی تحریر الرسالۃ رکھا۔

زکریا انصاری ۸۲۶ھ میں بمقام سُنیکہ پیدا ہوئے۔ اور یہیں نشو و نما پائی۔ پہلے انھوں نے قرآن مجید، عمدۃ الاحکام اور مختصر تبریزی کا کچھ حصہ حفظ کیا۔ پھر ۸۴۱ھ میں قاہرہ چلے آئے۔ اور جامع ازہر میں رہ کر مختصر کے باقی حصے کو حفظ کیا۔ اس کے بعد المنہاج الفرعی، الالفیۃ النحویہ، شاطبیہ رائیہ اور المنہاج الاصلی کا کچھ حصہ۔ الفیۃ الحدیث کا آدھا حصہ اور کاد کی بحث تک تسہیل کو حفظ کیا۔

قاہرہ میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد یہ اپنے وطن چلے آئے۔ ان علوم میں اُن کے اساتذہ کے نام یہ ہیں: قایاتی (م ۸۵۰ھ)، العَلَم البلیقنی (م ۸۶۸ھ)، الشرف السبکی (م ۸۴۰ھ)، الحافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) وغیرہ۔ ان سے کافیجی، ابن الہمام اور دوسرے بہت سے لوگوں نے تعلیم حاصل کی۔ پہلے استادوں سے افتاء و تدریس کی اجازت لی اور پھر تصنیف و تالیف کی طرف توجہ دی۔ اور بہجۃ اور الروضۃ کی شرح لکھی ساٹھ کے قریب اُن کی تصانیف ہیں۔ اگرچہ ہر فن میں یہ اپنی نظیر

---

(۱) خزینۃ الاصفیاء ۱ : ۳۸۱، ۳۸۲۔

آپ تھے۔ مگر تصوف ان کا خاص فن تھا۔ صوفیا کی طرف داری میں کتابیں لکھیں۔ بالخصوص ابن عربی اور ابن الفارض کی طرفداری میں اور ان دونوں کو قطعی ولی قرار دیا۔ السیوطی کے بعد یہ قاضی القضاۃ بھی مقرر کر دیئے گئے۔ اور اس عہدہ کو نہایت پارسائی اور عمدگی سے سرانجام دیا۔ آخر عمر میں نابینا ہوجانے کے باوجود انھوں نے درس واقتا نہیں چھوڑا۔ انھوں نے تقریباً ایک سو سال عمر پائی؟[1]

الانصاری نے رسالہ کی شرح کو ۸۹۳ھ میں مکمل کیا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں[2]۔

هذا آخر ایراده من شرح رسالة الامام العلامة بالله تعالیٰ القشیری بتاریخ رابع عشر جمادی الاولیٰ سنة ثلاث وتسعین وثمانمائة

الانصاری کی شرح پر استاد سید مصطفیٰ عروسی نے حاشیہ لکھا جس کا نام نتائج الافکار القدسیہ فی بیان معانی شرح الرسالة القشیریة رکھا۔ سید مصطفیٰ عروسی نے اس حاشیہ کو بروز جمعہ ۲۱ جمادی الآخر ۱۲۷۱ھ میں مکمل کیا۔ خود لکھتے ہیں[3]:

وکان الفراغ من جمع هذه الفوائد ونظم فرائد لعوائد یوم الجمعة المبارک الموافق لاحدی وعشرین مضت من جمادی الآخرة من شهور عام احدی وسبعین بعد المائتین والالف من هجرة من له العز والشرف صلی الله علیه وسلم لاربع ساعات من الیوم المذکور

حاجی خلیفہ نے رسالہ کی ایک چوتھی شرح کا بھی ذکر کیا ہے جسے ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے لکھا مگر یہ شرح مجھے نہیں مل سکی۔

ان کا نام علی بن محمد سلطان الہروی ہے۔ مگر قاری کے نام سے مشہور ہیں حنفی المذہب تھے۔ اپنے زمانہ میں یگانہ روزگار سمجھے جاتے تھے۔ ہراۃ میں پیدا ہوئے۔ مگر یہاں سے کوچ کر کے مکہ چلے گئے۔ اور وہیں آباد ہو گئے۔ استاد ابوالحسن البکری، سید زکریا الحسینی، شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی (م ۹۷۳ھ) شیخ احمد قاضی زکریا، شیخ عبداللہ السندی اور علامہ قطب الدین المکی

---

(۱) شذرات الذہب: ۸: ۱۳۴-۱۳۶ (۲) شرح رسالہ از زکریا الانصاری: ۴: ۲۲۸ (۳) حاشیہ مصطفیٰ عروسی ۴: ۲۲۹۔

وغیرہم سے تعلیم حاصل کی۔ اُن کے علمی تبحر اور تالیفات کا عام چرچا ہوا۔ شرح مشکوٰۃ، شرح شفا
شرح شمائل، شرح نخبہ اور نزہتہ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ الشیخ عبدالقادر ان کی تصانیف ہیں۔ انھوں
امام شافعی اور دیگر ائمہ پر اعتراضات کئے ہیں۔ اس لئے بعض لوگوں نے انھیں پسند نہیں کیا۔
کی وفات مکہ میں ماہ شوال ۱۰۱۴ھ میں ہوئی۔ اور المعلاۃ میں مدفون ہوئے۔

جہاں تک مجھے علم ہے رسالہ قشیریہ کا آج تک اُردو میں ترجمہ نہیں ہوا۔ اُردو ترجمہ پیش
کرنے کی یہ پہلی کوشش ہے۔ خدا اسے سعیٔ مشکور بنائے۔ آمین۔

رسالہ قشیریہ کے دو جزوی ترجمے[1] دو یورپین زبانوں میں شائع ہوئے ہیں ۱۹۱۴ء میں برلن
نے اس کتاب کا ملخص ترجمہ جرمنی زبان Richard Hartmann
بعنوان (Kuschairis Darstellungdes Sufitums (Berlin 1915 -
شائع کیا۔ دوسرے امریکن مستشرق ولسن ہیوم (Wilson HUME) نے ۱۹۲۵
میں اس رسالے کا جزوی ترجمہ انگریزی میں کیا۔ اس نے یہ ترجمہ دراصل پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری
لئے کیا تھا۔ اور اس وقت t ford Seminary Foundation
میں پڑا ہے۔ مارگرٹ سمتھ (Margaret Smith) نے رسالہ کی بعض عبارتوں
انگریزی میں ترجمہ کیا جو ufi Path of Love & Readings from the
mystics of Islam میں شائع ہوا۔

ایک ضروری بات یہ ہے کہ قشیری نے رسالہ میں ابوالحسن خرقانی (م ۴۲۵ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے
لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ من داخلِ القلب محمد رّسول اللّٰہ من القرط
یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس قول کے ظاہری الفاظ سے یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید ابوالح
نے شریعت کی تحقیر کی ہے۔ مگر درحقیقت بات اس طرح نہیں۔ کیونکہ حق سبحانہ کے مقابلہ میں او
کے متعلق خیالات نہایت حقیر ہوتے ہیں۔

---

[1] ان تراجم کی اطلاع مجھے چوہدری عبدالعزیز کنٹرولر کسٹمز نے دی۔ جس کے لئے میں
ان کا ممنون ہوں۔

یہ "عذر گناہ" والا معاملہ ہے۔ قشیری کے لئے بہتر تھا کہ اس قسم کا قول نہ دیتے۔ اس کے مقابلہ میں سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں سہل تستری کا یہ قول نقل کیا ہے:[1]

لا الٰہ حقیقت است   محمد رسول اللہ شریعت

آپ خود دونوں قولوں میں موازنہ کریں۔ جب سے ابوالحسن خرقانی کا مذکور بالا قول پڑھا تھا۔ دل میں خلش تھی جس کا اظہار ضروری سمجھا گیا۔

رسالہ شکایۃ اہل السنۃ

وجہ تالیف قشیری نے اس رسالہ کی وجہ تالیف خود اس رسالہ میں بیان کردی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ۴۴۵ھ میں نیشاپور میں ایک فتنہ بپا ہوا جس سے اہل دین کے سینے چاک ہوتے ہیں۔ قصہ یہ تھا کہ بعض لوگوں نے امام ابوالحسن الاشعری کو برملا لعنت کرنا شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں ایک ایسے شخص کا بھی ذکر کیا ہے جسے قشیری نے

مَن یُعد فی مذھبہ واحد عصرہ

لکھا ہے مگر صراحتہً اس شخص کا نام نہیں دیا کہ وہ وحید العصر کون شخص تھا۔ اس کے بعد اسی شخص کے متعلق لکھتے ہیں: فانّ کنّا علی قمع المعتزلۃ وقھر المبتدعۃ یدٌ واحدۃ

جس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ شخص حنبلی تھا۔

کندری کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے کہ اصل فساد کا بانی یہی شخص تھا۔ جو معتزلی، کرامی اور قدری وغیرہ سبھی کچھ تھا۔ اس فتنہ میں اس نے اور لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا لہٰذا اس کا تاریخی پس منظر بیان کرنا یہاں ضروری ہے۔

ابوالحسن اشعری ابوالحسن علی بن اسمٰعیل الاشعری (م ۳۲۴ھ) پہلے معتزلی[2] خیال کے تھے۔ ان کا استاد ابوعلی محمد بن عبدالوہاب الجبائی رازی (۲۳۵ھ تا ۳۰۳ھ) اپنے زمانہ میں معتزلہ کا سردار مانا جاتا تھا۔ ایک روز اشعری اور جبائی کے مابین مناظرہ ہوا جس میں اشعری نے اسے

(۱) کشف المحجوب: ۱۷۶ (۲) وفیات الاعیان: ۲: ۴۴۶ - ۴۴۷

لاجواب کر دیا۔ اس پر اشعری نے معتزلہ خیالات سے توبہ کی اور مسجد پر چڑھ کر عوام کے سامنے اس کا اعلان کیا اور باقی عمر معتزلہ کے رد میں گذار دی۔ اور اس مقصد کے لئے وہ علم کلام کو کام میں لائے۔ اشعری نے پچپن کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے آخری کتاب الابانۃ فی اصول الدیانۃ ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے عقیدہ کی وضاحت کی ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا وضاحت سے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "میں ان کے عقیدہ پر چلتا ہوں"۔ ان کی ایک اور کتاب کا نام اللمع فی الرّد علی اھل الزیغ والبدع ہے یہ کتاب معتزلہ کے رد میں لکھی گئی۔ اور مصر اور یورپ میں چھپ چکی ہے۔

اشعری کے بعد معتزلہ کے رد میں علم کلام ایک مخصوص فن بن گیا۔ اور معتزلہ کے رد کے لئے اس فن کا جاننا ضروری سمجھا جانے لگا۔ جس کی وجہ سے اشعریہ ایک الگ فرقہ بن گیا ہے۔ جسے بہت سے محققین کی تائید حاصل ہوئی۔ چنانچہ ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی البصری المتوفی ۴۰۳ھ نے علم کلام میں بہت سی تصانیف کیں۔ ابواسحٰق ابراہیم بن محمد الاسفرائنی الملقب بہ رکن الدین (م ۴۱۸ھ) نے اشعری مذہب کو اور بھی تقویت دی۔ اور اس سلسلہ میں تصانیف بھی کیں۔ جن میں سے الحلی فی اصول الدین اور الرد علی الملحدین ان کی دو مشہور کتابیں ہیں۔ اسی زمانہ میں استاد ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک المتوفی ۴۰۶ھ نے علم کلام کی رونق کو دوبالا کیا اور مختلف فنون میں کتابیں لکھیں۔ جن کی تعداد ایک سو کے قریب بتائی جاتی ہے۔ قشیری اسی سلسلہ میں منسلک تھے۔ کیونکہ یہ ابن فورک کے شاگرد تھے۔ یہ تمام بزرگ شافعی المذہب تھے۔ اور اشعری کہلاتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ طریق استدلال کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اسی بنا پر وہ الحارث بن الاسد المحاسبی کو جو اُن کے معاصر اور ہم شہری تھے اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے ان کی خدمت میں عرض کیا: حضرت آپ ایک بار المحاسبی کا کلام سن لیں پھر فیصلہ کریں۔ چنانچہ محاسبی کے لئے ایک مجلس قائم کی گئی۔ اور ایسا انتظام کیا گیا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پردے کے پیچھے سے کلام سنتے رہیں۔ جب آپ محاسبی کی تقریر سن کر واپس تشریف لائے۔ تو اس کے متعلق ان کی رائے دریافت کی گئی۔

---

(۱) شذرات الذہب: ۳: ۳۰۴-۳۰۵ (۲) طبقات الحنابلہ: ۱: ۱۵۔

فرمایا: جو کچھ محاسبی نے کہا ہے سب درست ہے۔ مجھے صرف ان کا طرز پسند نہیں۔ بالفاظ دیگر امام احمد رحمہ اللہ کا طریقہ طریقۂ "تسلیم" تھا طریقۂ استدلال نہ تھا۔

ان کی وفات کے بعد اُن کے متبعین نے تشدد اختیار کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب[1] کوئی شخص خلیفہ المتوکل (م ۲۴۷ھ) کے پاس آکر یہ شکایت کرتا کہ امام احمد کے متبعین اہل بدعت[2] کے پاس آکر جھگڑا اور فساد کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ فتنہ بپا ہو جاتا ہے۔ تو متوکل جواب میں کہتا کہ میرے پاس آکر اُن کی شکایت مت کرو۔ بلکہ اُن کے ہاتھ مضبوط کرو۔

محمد بن جریر الطبری اور حنابلہ

بڑھتے بڑھتے یہ تشدد ہر اس شخص کے خلاف استعمال کیا جانے لگا۔ جو ان کا ہم خیال نہ ہوتا۔ چنانچہ جب امام محمد بن جریر الطبری (م ۳۱۱ھ) بغداد تشریف لائے تو حنابلہ نے انھیں تنگ کرنا شروع کیا۔ ان دنوں حنبلیوں کی تمام تر توجہ مسئلہ استواء علی العرش پر تھی۔ ابن جریر خود صاحب مذہب تھے۔ کسی کے مقلد نہ تھے۔ حنابلہ کو ان کا غیر حنبلی ہونا نہ بھایا۔ پھر کیا تھا۔ جھگڑا کرنے کے لئے آموجود ہوئے۔ جب انھیں ان کی پسند کے مطابق جواب نہ ملا تو ابن جریر پر اپنی دواتوں کا پتھراؤ کیا۔ ابن جریر نے مجبور ہو کر مکان کا دروازہ بند کر لیا۔ اور بالآخر پولیس نے آکر ہجوم کو منتشر کیا۔ جب اس واقعہ کا علم امام الائمہ محمد بن اسحٰق بن خزیمہ (م ۳۱۱ھ کو ہوا تو انھوں نے فرمایا :-

ولقد ظلمته الحنابلة (حنبلیوں نے ان پر ظلم کیا ہے)

اس واقعہ کے بعد بھی ابن جریر بغداد میں رہے حنبلی کسی کو ابن جریر کے پاس جانے نہ دیتے تھے۔ نہ کسی کو ملنے دیتے اور نہ حدیث سننے دیتے۔ حسین بن علی التمیمی المعروف بہ حسینک (م ۳۷۵ھ) فرماتے ہیں[3]

جب میں بغداد سے واپس پر نیشاپور پہنچا تو امام الائمہ محمد بن خزیمہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ تُو نے کس کس سے حدیث سنی۔ میں نے ان لوگوں کے نام گنا دیئے جن سے میں نے حدیث سنی تھی۔ انھوں نے پھر سوال کیا: کیا تو نے محمد بن جریر سے حدیث سنی ہے۔ میں نے عرض کیا :

---

(۱) طبقات الحنابلہ ۱: ۱۵ (۲) یہاں اہل بدعت سے مراد معتزلہ ہیں (۳) تاریخ بغداد ۲: ۱۶۴

نہیں کیوں کہ حنابلہ کا اس قدر زور تھا کہ وہ کسی کو ان کے پاس جانے نہ دیتے تھے۔ یہ سن کر ابن خزیمہ نے کہا :۔

ان تمام لوگوں کے مقابلہ میں جن سے تو نے حدیث سنی اگر ابن جریر سے سن لیتا تو بہتر ہوتا۔

ساری چوتھی ہجری میں حنابلہ کا زور رہا۔ یہاں تک کہ سلطان محمود بن سبکتگین نے رَیْ میں ابوحاتم بن جاموس الحافظ کو مقرر کر رکھا تھا۔ کہ کوئی شخص رَیْ میں ان کی اجازت کے بغیر مجلس وعظ منعقد نہ کرنے پائے یہ ابوحاتم وہ تھے جو کہا کرتے :

کُلُّ مَنْ لَمْ یَکُنْ حنبلیا فلیس بمسلم

خواجہ عبد اللہ انصاری ہروی (۳۹۶ھ تا ۴۸۱ھ) قشیری کے معاصر تھے۔ اور وہ بھی حنبلی المذہب تھے۔ باوجود صوفی اور حافظ حدیث ہونے کے مذہبی تعصب ان میں حد سے زیادہ پایا جاتا تھا۔ وہ موقعہ بے موقعہ حنبلیت کا پرچار کرتے رہتے۔ ہرات میں برسر منبر انھوں نے یہ شعر پڑھا[1]۔

انا حنبلیّ مَا حَیِیْتُ وان اَمُت فوصیتی للناس ان یتحنبلوا

(جب تک میری جان میں جان ہے میں حنبلی ہوں اور مرتے وقت لوگوں کو حنبلی بننے کی وصیت کر جاؤں گا)

انصاری جہاں جاتے غیر حنبلیوں یعنی حنفیوں اور شافعیوں دونوں کے خلاف تقریریں کرتے۔ اسی بنا پر انھیں کئی بار ہرات سے جلاوطن بھی کیا گیا۔ مگر پھر بھی باز نہ آئے۔ خود فرماتے ہیں[2]۔

پانچ بار مجھے قتل کرنے کے لئے لایا گیا۔ مجھ سے یہ مطالبہ نہ کیا جاتا تھا کہ میں اپنا مذہب چھوڑ دوں بلکہ صرف اتنا کہا جاتا تاکہ میں مخالفین کے خلاف تقریریں کرنا بند کر دوں۔ مگر میں نہ مانتا تھا۔

ابن طاہر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھیوں کو ہرات میں بیان کرتے سنا کہ جب الپ ارسلان (۴۵۵ھ تا ۴۶۵ھ) اپنے وزیر خواجہ نظام الملک ابوعلی حسن بن علی بن اسحٰق الطوسی (م ۴۸۵ھ)

---

(۱) ذیل طبقات الحنابلہ : ۱ : ۵۳ و تذکرۃ الحفاظ : ۳ : ۳۵۶ (۲) ذیل طبقات الحنابلہ : ۱ : ۵۳-۵۴ و تذکرۃ الحفاظ ۳ : ۳۵۴ (۳) تذکرۃ الحفاظ : ۳ : ۳۵۷ و ذیل طبقات الحنابلہ : ۱ : ۵۴

کے ہمراہ ہرات آیا۔ تو حنفیہ اور شافعیہ کے ائمہ سلطان کے پاس انصاری کی شکایت کرنے کے لیئے حاضر ہوئے اور انھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ جن امور میں وہ ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ ان میں ہم سے مناظرہ کریں۔

عبداللہ انصاری نے اشاعرہ کے خلاف ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام "ذمّ الکلام واھلہ ہے"۔ انصاری کا شمار فارسی زبان کے رباعی گو شعراء میں ہوتا ہے۔ ایک رباعی میں فرماتے ہیں:

خدائی ما مرئی ست بر عرش مستولیست   کلام او ازلی ست و رسول او عربیست

ہر کو خلاف آں گفت اشعریست   حقا کہ مذہب ما مذہب حنبلیست

اس پر تسکین نہ ہوئی تو اشاعرہ کو شیطان تک کہہ ڈالا فرماتے ہیں[۲]:

کُن اذا مَاحَادَ عن حقِ الھُدیٰ   اُشعرِیُّ الرائی شیطان الْبَشر

شافعیُّ الشرع سُنّیُّ الحُلیٰ   حنبلیّ العقل صوفیُّ السیَر

(جب اشعری خیالات رکھنے والا شافعی المذہب، سنیوں کا لبادہ اوڑھنے والا شیطان راہِ راست سے بھٹک جائے تو حنبلی عقیدہ والا اور صوفیوں کی سی سیرت والا بن)

انصاری ابوالحسن اشعری کو برسرعام ملعون کہا کرتے تھے۔ ان کا خادم احمد بن امیرجہ قلانسی[۳] بیان کرتا ہے کہ میں انصاری کے ساتھ وزیر خواجہ نظام الملک طوسی کو سلام کرنے کے لئے گیا۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب انصاری کو ہرات سے جلا وطن کر کے بلخ بھیج دیا گیا تھا۔ اور اب وہ بلخ سے واپس ہرات پہنچ چکے تھے۔ اور انصاری مریدوں کے اصرار پر نظام الملک کو سلام کرنے چلے آتے تھے۔ نظام الملک نے اُن کی بڑی تعظیم کی وہاں شافعیہ اور حنفیہ کے ائمہ بھی موجود تھے۔ وزیر کی موجودگی میں انھوں نے انصاری سے سوال کرنا چاہا۔ اصل مقصد اُن کا یہ تھا کہ اگر انصاری وہی جواب دیں گے جو پہلے دیا کرتے ہیں تو وزیر کی نگاہ میں گر جائیں گے۔ اور اگر کچھ اور جواب دیں گے تو اپنے مریدوں کی نظروں میں گر جائیں گے چنانچہ شافعیہ میں سے ایک شخص نے جو علوی دبوسی

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۳۵۴ ذیل طبقات الحنابلہ: ۱: ۵۱ (۲) ذیل طبقات الحنابلہ: ۱: ۶۶

(۳) ذیل طبقات الحنابلہ: ۱: ۵۴-۵۵ تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۳۵۷-۳۵۸۔

کے نام سے مشہور تھا۔ آگے بڑھ کر سوال کیا کہ آپ ابوالحسن اشعری پر کیوں لعنت کرتے ہیں۔ انصاری خاموش رہے۔ اور کوئی جواب نہ دیا۔ چونکہ نظام الملک کو ان کا جواب معلوم تھا۔ اس لئے انھوں نے سر نیچا کر لیا۔ وزیر نے تھوڑی دیر کے بعد انصاری سے کہا آپ جواب کیوں نہیں دیتے۔ اس پر انصاری نے کہا: یَں اشعری کو تو جانتا نہیں ہوں میں تو اس شخص پر لعنت کرتا ہوں جس کا یہ عقیدہ نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے۔ قرآن مصحف کے اندر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی نبی ہیں یہ کہہ کر انصاری وہاں سے چلے گئے۔

انصاری[۱] دوبارہ نیشاپور آئے۔ پہلی بار ۴۱۷ھ میں مشائخ کی زیارت اور طلبِ حدیث کی غرض سے مگر اسی سال واپس چلے گئے۔ دوسری بار ۴۲۳ھ میں حج کو جاتے ہوئے ابوالفضل بن ابی سعد الزاہد الواعظ کی معیّت میں۔ اور یہاں وعظ کی مجالس قائم کیں اور اشاعرہ کے خلاف بہت کچھ کہا۔ یہیں اُن کی ملاقات ابوعبداللہ بن باکویہ شیرازی (م ۴۲۸ھ) سے ہوئی۔

راقم الحروف کے نزدیک قشیری نے اس رسالہ میں جس شخصیت کا نام نہیں دیا اور جس کی طرف "من يُعدّ‌ني مذهبه واحد عصره" اور "فان كنا على قبح المعتزلة وقعر المبتدعة يُدّ واحدة" کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے وہ یہی عبداللہ انصاری ہیں۔ یہ آتش بیان تھے۔ ان کے چلے جانے کے بعد نیشاپور میں لوگوں کے دلوں میں اشاعرہ کے خلاف ہیجان پیدا ہو گیا اور مشہور ہو گیا کہ اشاعرہ کے عقائد عقائدِ باطلہ ہیں۔ عمید الملک کندری نے اس سے فائدہ اٹھا کر اشاعرہ پر لعنت کرنے کا حکم صادر کیا۔

اشاعرہ کے خلاف یہ پروپیگنڈا اس قدر کامیاب ثابت ہوا کہ اس کے اثرات ہسپانیہ تک جا پہنچے۔ ابو محمد علی بن حزم الظاہری (۳۸۴ھ تا ۴۵۸ھ) کو اس کا بہانہ ہاتھ آگیا۔ ابو العباس احمد بن محمد بن موسیٰ ابن العریف (م ۵۳۶ھ) کے قول کے مطابق ابن حزم کی زبان اور حجاج کی تلوار دو سگی بہنیں ہیں[۲]

---

(۱) ذیل طبقات الحنابلہ : ۱ - ۶۱ - ۶۲

(۲) وفیات الاعیان : ۱ : ۱۵۱ از ۳ : ۱۵ / شذرات الذہب : ۴ : ۳۰۰

پھر کیا تھا۔ ابن حزم نے اپنی کتاب الملل والنحل میں اشاعرہ کو خوب دل کھول کر کوسا۔ اور انہیں جاہل، گمراہ، کافر، ملعون اور کیا کچھ کہہ ڈالا۔

قشیری ایک مرنجان مرنج الشان تھے اور کسی کو بُرا کہنا پسند نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے رافضیوں پر لعنت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر اب خود ایسے پھنسے کہ نکلنا مشکل ہو گیا۔ اور مجبور ہو کر اپنی اور اشاعرہ کی برأت کے متعلق یہ رسالہ لکھنا پڑا۔ جیسا کہ اس رسالہ میں قشیری نے خود ذکر کیا ہے۔ کہ اس فتنہ کی ابتدا ۴۴۵ھ میں ہوئی۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ اس رسالہ کا سنہ تالیف نہیں ہے۔ اس فتنہ وابتلاء کے زمانہ میں قشیری کبھی جیل میں اور کبھی سفر کی صعوبتیں جھیل رہا تھا۔ بے چینی اور پریشانی نے وقت تالیف و تصنیف کی نہیں سُوجھتی۔ تالیف کا کام امن کے زمانہ میں ہی ہو سکتا ہے۔ اگرچہ عبدالملک کندری کو ۴۵۶ھ قتل کر دیا گیا۔ مگر مکمل امن ۴۵۵ھ میں قائم ہوا۔ لہٰذا میرے نزدیک قشیری نے یہ رسالہ ۴۵۵ھ میں یا اس کے بعد لکھا۔

قشیری نے اس رسالہ میں کسی کو بُرا کہے بغیر عوام اور علماء کے دلوں سے اس غلط پروپیگنڈا کے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کی ہے اور اشاعرہ کا صحیح عقیدہ پیش کر کے غلط فہمی کو دُور کرنا چاہا ہے۔ اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اشاعرہ کا عقیدہ بعینہٖ وہی ہے جو دیگر اہل سنت کا ہے اس سے سرِ مُو انحراف نہیں۔

قشیری اور ابن الجوزی

ابوالفرج عبدالرحمٰن بن المعروف بہ ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام نقد العلم والعلماء یا تلبیس ابلیس رکھا ہے۔ اس کتاب میں ابن الجوزی نے ابن حزم

---

(۱) ملاحظہ ہو اُردو ترجمہ الملل والنحل: ۲: ۲۲۲ تا ۲۷۳۔ ابن حزم نے امام شافعی تک کو نہیں چھوڑا۔ شہاب الدین ابو الثناء محمود بن عبداللہ (م ۱۲۷۰ھ۔ ۱۸۵۴ء) آلوسی کبیر اور مصنف روح المعانی نے اسی بنا پر ابن حزم کو الضّال کہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ (روح المعانی: ۴: ۲۰۴ سورۃ النساء زیر آیت وابتلوا الیتامٰی حتی اذا بلغوا النکاح) وشاع عن الامام الشافعی انہ قد جعل الإنبات دلیلا علی البلوغ فی المشرکین خاصۃ وشنّع ابن حزم الضّال علیہ (۲) شذرات الذہب: ۳: ۳۰۲۔

ظاہری کا طریقہ اختیار کیا ہے اور متقدمین صوفیاء سے لے کر اپنے زمانہ تک کے تقریباً تمام بڑے صوفیاء کے خلاف کچھ نہ کچھ کہہ ڈالا ہے۔ ان میں قشیری کا بھی ذکر ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم ان اعتراضات کو لیں۔ جو ابن الجوزی نے قشیری پر کئے ہیں۔ یہ بتانا ضروری ہے۔ کہ بزرگوں نے اس کتاب کے متعلق کیا رائے قائم کی ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے (م ۱۰۵۲ھ) اشعۃ اللمعات کے مقدمہ[1] میں ابن الجوزی کے ذکر میں اپنی اور دیگر بزرگوں کی رائے کا ذکر کیا ہے جسے ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں :

وابن جوزی را کتابیست مشہور مسمیٰ تلبیس ابلیس بیان کردہ است در وی طریقہائی کہ راہ یافتہ است شیطان بطوائف مردم و واقع شدہ اند در بدعت و خلاف سنت خصوصاً بر طائفہ صوفیہ و مبالغہ کردہ در ردّ و انکار بر ایشاں و در آنچہ منقولست ازیں قوم از حکایات بغلبۂ حال، و طفح سکر و نسبت کردہ بزرگانِ ایں طائفہ علیہ را بجہل و جنون و حماقت با وجود آنکہ کتابہائی خود مطرز ساختہ است بکلمات غریب و حکایات عجیبِ ایشاں و بہ حقیقت ایں نیز تلبیس ابلیس است کہ بر وی ازیں راہ در آمدہ و مغرور ساخت وی اگرچہ سوگندی خورد کہ غرض من اظہار علم و تائید سنت است۔ تا اتباع آں کنند نہ تشنیع عباد اللہ الصالحین و لیکن افراط و تجاوزی از حد اعتدال در رد و تشنیع دلالت بر خلاف آں دارد و ظاہر می شود کہ وی از منکراں ایں طائفہ علیہ است و نزاع حقیقی دارد بایشاں و سیدی احمد رزوق (م ۸۹۹ھ) گفتہ کہ تحذیر کردہ اند ناصحاں ازیں کتاب وی کہ مورث سوءظن است بر کبار مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ و گفتہ کہ ولی را لغزشہا و زلتہای می باشد از جہت عدم عصمت و غلبۂ حال و سابقۂ تقدیر و لازم است ستر زلات ائمۃ و ہفوات کبار و اگر ناگہاں در مقام نصیحت و تذکیر تنبیہ بر آں مصلحت افتد باید کہ تعرض بر قول کند بی تعیین بر قائل زیرا کہ ستر زلل ائمہ واجب است و انصاف در حق لازم و بدانی کہ مصاحب و مشوب بہوائی نفس باشد معلول و ایں طریق اسلم است۔ اسلم تسلم۔ و تحقیق جواب داده

(۱) اشعۃ اللمعات : ۱ : ۲۲-۲۳

اند آنچه گفته است ابن جوزی افراط کرده است در شان این طائفه و انکار کرده است ۔
ایشان را بجواب شافی از جانب قوم بدانچه جمع می کند میان طریقین و اصلاح می دہد
بین الفریقین و تقریر و تحریر نموده است آنرا شیخ امام اجل عفیف الدین یافعی (م ۷۶۸ھ)
در تو الیف خود ۔ و سیدی احمد زروق را کتابیست دقیق متین مسمی بقواعد الطریقة فی الجمع بین
الشریعة والحقیقة که سلوک کرده است در وی طریق الصاف و بیان کرده است حق را بے تکلف و
اعتساف کاتب حروف را تعلیم کرد آں کتاب را اجازت بروایت آں سیدی الشیخ القطب
الامام عبدالوهاب متقی و ترجمه کردم من بعضی مسائل آں را در رسائل خود خصوصاً در رساله مرج
البحرین فی الجمع بین الطریق و باللہ التوفیق ۔

و بالجمله بود ابن الجوزی عالم فاضل ولکن مغرور شد بعلم و فضل و جوانی خود و بود متعسف
غلیظ فاحش ۔ عافاه اللہ ۔ بعید بود از طریقۂ قوم و محبت و اعتقاد و ایشاں و سخت تر از
همه تا آنکه در بغداد بوده ۔ در زمان کرامت نشان شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی (م ۵۶۱ھ)
و محروم بود از برکات محبت و حسن عقیدت با ایشاں و سلوک می کرد باں حضرت طریقۂ اجتناب
و انکار را ۔ اعاذنا اللہ من ذلک ۔

تا آنکه بود و تصنیف می کرد کتاب در ذکر زهاد عباد زبان خود از بغداد و غیر آں از بلاد و
توشیح و تزیین نمی کرد آں بجمیل ذکر حضرت شیخ و شمرده شد است این حال از وی جهل و
غرور بظاهر علم و فضل ۔

و شیخ عالم عارف کامل خواجه محمد پارسا قدس اللہ روحه، و افاض المستفیدین فیوضه و
فتوحه در فصول سته که از تصانیف ایشاں است در ذکر ابن الجوزی فرموده اند که هو الشیخ
الحافظ ابو الفرج عبدالرحمن بن علی البکری البغدادی المعروف بابن الجوزی ۔ بود امام حافظ
فصیح متبحر مصنف در اقسام علوم، دویست و پنجاه تصنیف کرده بود مر او را قبول تام نزد
خاص و عام بود ولادت او ببغداد در سنه ثمان ۵۰۸ھ خمس مایه و وفات یافت در رمضان
سنه سبع و تسعین و خمس مایه ۵۹۷ھ ۔

و بیرون آورده شد از زندان واسط و پنهاں ماند پنج سال بسبب انکار وی بر شیخ

عبدالقادر قطب الاولیاء و تاج المفاخر و بجہت انکار ابن الجوزی مذکور بر شیخ و بر غیر وی از شیوخ اہل المعارف و بود ایں انکار وی جملہ خذلان و تلبیس شیطان و غرور و عجیب از وی در انکار وی بر ایشاں و حال آنکہ بمجلس کلمات و ذکر مقالات و حالات ایشاں مسطر می گرواند کلام خود را ۔ و اگر سلامت می ماند ابن جوزی از طعن و انکاری بر مشائخ و علمائی باطن پائندہ و سلامت می ماند متلبس و متحلی بحلل محاسن و بود پسر وی محی الدین یوسف محتسب بغداد و متولی شد تدریس مدرسہ مستنصریہ را مر طائفہ از حنابلہ را' تا اینجا کلام خواجہ محمد پارسا است بلفظہ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ ۔

وکاتب حروف می گوید اصلح اللہ شانہ وصانہ عما شانہ' کہ دیدم من در حرم شریف مکہ زادہا اللہ تشریفاً و تعظیماً رسالہ را کہ بود در وی ذکر ابن جوزی و انکار او بر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ۔ مؤلف آں رسالہ می گوید :

بر داشتہ بردہ اند اور ابعضی مشائخ و علما در حضرت شیخ عبدالقادر و طلب کردند از شیخ عفو و صفح و تجاوز از وی ۔

پس رفتم بر سیدی الشیخ عبدالوہاب و ذکر کردم قصہ ایں کتاب را و نقل کردم حکایت عفو حضرت شیخ را از ابن جوزی پس گفت شیخ عبدالوہاب : الحمد للہ علی ذلک و فرمود وی مردی عالم محدث کبیر است والحمد للہ نجات یافت ازیں ورطہ و گفت : یا فلاح شیخ عبدالقادر بزرگ است و شان او عظیم است و انکار ایشاں زہر قاتل است ۔ خدائی تعالیٰ نگاہ دارد ازاں و فرمود حق سبحانہ' و تعالیٰ دادہ است او را از فضل و کرامت آنچہ ندادہ است غیر او را از مشائخ نسأل اللہ العافیہ ۔ والعاقبۃ بالخیر ۔

دیگر مصنفین نے بھی ابن جوزی کے تکبر، خود ستائی اور بلند بانگ دعاوی کا ذکر کیا ہے مثلاً ذہبی[1] (م ۷۴۸ھ) ابن رجب[2] (م ۷۹۵ھ)، ابن العماد[3] (م ۱۰۸۹ھ) اور سیوطی[4] (م ۹۱۱ھ) وغیرہ

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ۴ : ۱۳۶ - عجیب اتفاق ہے کہ ذہبی خود بھی صوفیاء کے مخالف تھے (باقی اگلے صفحہ پہ ملاحظہ ہو)

ایک طرف تو ابن الجوزی نے اس کتاب میں دل کھول کر صوفیاء کو کوسا ہے جن میں ابونعیم اصفہانی جیسے حافظ حدیث بھی شامل ہیں اور دوسری طرف اسی ابونعیم کی کتاب حلیۃ الاولیاء کا خلاصہ کیا ہے۔ جس کا نام صفوۃ الصفوہ رکھا۔ اور اس میں انہی بزرگوں کی کرامات بیان کی ہیں جن کو یہاں کوسا گیا ہے اور معروف کرخی کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی قبر تریاق مجرب ہے۔

تلبیس ابلیس میں جتنے لوگوں پر حملے کئے گئے ہیں سب غیر حنبلی ہیں۔ وحدۃ الوجود کے قائل خواجہ عبداللہ کا کہیں ذکر نہیں۔ جس سے ابن جوزی کی نیک نیتی کا پتہ چلتا ہے۔

اولیاء اللہ کو کوئی بھی معصوم نہیں مانتا ان سے غلطی کے سرزد ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ سہروردی (م ۶۳۲ھ فرماتے ہیں[1]:

فکل احد یوخذ من قولہ و یترک الا المعصوم صلی اللہ علیہ وسلم

مگر ان کی لغزشوں کو تلبیس ابلیس قرار دینا ان پر اور تمام امت پر ظلم کے مترادف ہے۔ اب ہم صرف ان اعتراضات کو لیتے ہیں۔ جو ابن الجوزی نے قشیری پر کئے ہیں :۔

تلبیس ابلیس: ۱۵۹-۱۶۰:

وصنف لھم عبد الکریم بن ھوازن القشیری کتاب الرسالہ فذکر فیھا عجائب من الکلام فی الفناء والبقاء والقبض والبسط والوقت والحال والوجد والوجود والجمع والتفرقۃ والصحو والسکر والذوق والشرب والمحو والتمکین والشریعۃ والحقیقہ الی غیر ذلک من التخلیط الذی لیس بشیئ۔ وتفسیرہ اعجب منہ۔

یہ تمام امور جن کی تضحیک ابن الجوزی نے کی ہے صوفیہ کی اصطلاحات ہیں جن کی تشریح قشیری نے کی ہے۔ تاکہ صوفیہ کی کتابوں کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے ان الفاظ کے معانی واضح ہو جائیں اور یہ بات امت کے اندر ایک مسلمہ امر ہے۔ کہ ہر ایک کو خاص اصطلاح گھڑ لینے کا حق ہے۔ چنانچہ مقولہ لَا مُشَاحَۃَ فِی الاصطلاح مشہور ہے۔ ابن جوزی کو تفصیل کے ساتھ بتانا

(بقیہ حاشیہ ص۵۲) ملاحظہ ہو طبقات الشافعیہ: ۴: ۳ (ترجمہ علی بن محمد ابوحیان التوحیدی) جہاں وہ لکھتے ہیں اعامل ملذھبی علی الوقیعۃ فی التوحیدی مع مایبطنہ لبعض الصوفیۃ ھذان لکلامان (۲) ذیل طبقات حنابلہ: ۱: ۴۱۴ (۳) شذرات الذھب: ۴: ۲۳۱ (۴) نشر العلمین المنیفین: ۱۷-۲۰ (حاشیہ صفحہ ہذا) (۱) شذرات الذھب ۳۱: ۳۲۰

چاہیئے تھا۔ کہ ان میں سے کونسی بات شریعت کے منافی ہے۔ اگر ابن جوزی کو یہ باتیں سمجھ میں نہ آ سکیں۔ تو یہ ان کا اپنا قصور ہے نہ قشیری کا عربی ضرب المثل ہے :

ذُقْهُ تَغْتَبِطُ

جسے ہم اُردو میں یوں کہیں گے   ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

حقیقت یہی ہے کہ ابن جوزی صوفیاء کے احوال و مقامات سے بالکل ناآشنا تھے۔ اس لئے ان امور کو سمجھنا اُن کے بس کی بات نہ تھی۔

ابن جوزی کے آخری الفاظ یہ ہیں : تفسیرہٗ اعجبُ مِنہ

ابن جوزی کو قشیری کی تفسیر میں معلوم نہیں کیا بات عجیب معلوم ہوئی۔ البتہ قشیری نے تفسیر میں اشارہ کا طرز اختیار کیا ہے جس سے حنابلہ کو چڑھ ہے ورنہ آج تک بڑے بڑے محدثین اور مفسرین نے ان کی تفسیر سے اقتباسات لئے ہیں۔ ہم اس تفسیر کے متعلق ابن خلکان اور ابن العماد کی رائے لکھ چکے ہیں :۔

من اجود التفاسیر (یہ بہترین تفسیروں میں سے ہے۔)

ابن جوزی نے قشیری کی تفسیر سے کوئی عبادت بھی نقل نہیں کی۔ جس سے ان کے دعویٰ کا ثبوت ملتا۔ اسی صفحہ پر آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

وکان السبب فی تصنیف ھؤلاء مثل ھٰذہ الا شیاء قلۃ علمھم بالسنن و الاسلام والآثار و اقبالھم علی ما استحسنوہ من طریقۃ القوم۔

(ان لوگوں نے اس قسم کی جو تصانیف لکھی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں سنت، اسلام اور آثار کا علم نہ تھا۔ اور ان کی توجہ صوفیہ کے طریقہ کی طرف تھی جسے وہ اچھا سمجھتے تھے)

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ ابن جوزی محض مخالفت اور ضد کی بنا پر یہ سب کچھ کہہ رہے ہیں۔ قشیری کے متعلق بیان ہو چکا کہ وہ حافظ حدیث، مفسر، نحوی اور ادیب تھے۔ ان کی بیوی بھی رواۃ حدیث میں سے تھی۔ اور دونوں کی اولاد رواۃ حدیث ہوتے ہیں ان کے نواسے اور پوتے محدثین میں شمار ہوتے تھے۔ مزید برآں قشیری نے ابتداء رسالہ میں یہ واضح کر دیا ہے کہ طریقے کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے۔

صفحہ ۲۱۱ پر فرماتے ہیں :

وقد انبأنا عبدالمنعم بن عبدالکریم القشیری قال حدثنا ابی قال : حجج الصوفیة اظهر من حجج کل احد وقواعد مذهبهم اقوی من قواعد کل مذهب لان الناس اما اصحاب نقل واثر واما ارباب عقل وفکر وشیوخ هذہ الطائفة ارتقوا عن هذہ الجملة والذی للناس غیب فهم ظهور نهم اهل الوصال والناس اهل الاستدلال فینبغی للمرید هم ان یقطع العلائق واولها الخروج من المال ثم الخروج من الجاہ وان لاینام الا غلبة ویقلل غذاءہ بالتدریج۔

قیشری کی یہ عبادت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

قال المصنف رحمہ اللہ قلت : من لہ ادنی فہم یعرف ان ہذا الکلام تخلیط من خرج عن النقل والعقل فلیس بمعدود فی الناس ولیس احد من الخلق الا ہو مستدل وذکر الوصال حدیث فارغ۔ نسال اللہ عزوجل العصمة من تخبیط المریدین والاشیاخ۔ واللہ الموفق۔

جسے ادنیٰ فہم بھی حاصل ہو وہ سمجھ جائے گا۔ کہ یہ ان لوگوں کی بہکی ہوئی باتیں ہیں۔ جو نقل اور عقل دونوں سے گذر چکے ہیں۔ اور جنہیں انسانوں میں شمار نہیں کیا جاتا۔ ہر شخص اپنا استدلال پیش کرتا ہے اور وصال کا ذکر کرنا ایک مہمل بات ہے۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں مریدوں اور پیروں کی بہکی ہوئی باتوں سے بچائے۔ اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے)

ذرا انصاف کریں۔ کیا ابن جوزی ایسی باتیں کہنے میں حق بجانب ہیں۔ کیا وہ خود بہکی ہوئی۔ باتیں نہیں کر رہے۔ پھر کیا ان کا "وصال" کو مہمل بات قرار دینا فاقد الفہم ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ بات کہتے ہوئے وہ اس حدیث کو بھول گئے۔

وَمَا تقرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِی بِاَحَبَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ علیہ (الحدیث)

جس کی روایت امام بخاری نے ابن کرامہ سے کی ہے۔ اس حدیث کے آخر میں ہے۔

فبیَ یسمع وبی یُبْصِر وبی یعقل

یہ وصال نہیں تو اور کیا ہے۔ واصل باللہ اولیاء کے ذکر سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔"

صفحہ ۲۴۰ پر فرماتے ہیں:۔

فصل وقد[1] اعتقد قوم من الصوفية ان هذا الغناء الذي ذكرناه من قوم تحريمه وعن آخرين كراهته مستحب في حق قوم وانبأنا عبد المنعم بن عبد الكريم بن هوازن القشيري قال حدثنا ابي قال سمعت ابا علي الدقاق يقول: السماع حرام على العوام لبقاء نفوسهم، مباح للزهاد لحصول مجاهداتهم ومستحب لأصحابنا لحياة قلوبهم۔

ابن جوزی نے قشیری کے پیر ابوعلی دقاق کے اس قول پر یہ پانچ اعتراضات کئے ہیں:

(۱) ہم نے اس سے پہلے ابوحامد غزالی کا قول نقل کیا ہے کہ غنا کا سننا ہر شخص کے لئے جائز ہے اور قشیری کے مقابلہ میں ابوحامد بات کو بہتر سمجھتا ہے۔[2]

(۲) انسانی طبائع میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مجاہدہ سے صرف انسانی طبیعت کا عمل رک جاتا ہے لہذا جو شخص اس بات کا دعویٰ کرے کہ فطرت بدل جاتی ہے۔ اس نے محال بات کا دعویٰ کیا کیونکہ جب تک طبیعت کو متحرک کرنے والی کوئی بات بھی موجود ہو اور اس کے عمل کو روکنے والی چیز موجود نہ ہو تو طبیعت اپنی فطرت کی طرف عود کر آتی ہے۔

(۳) علماء میں سماع کے مباح یا حرام ہونے کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ کسی عالم نے سامع کو مدنظر رکھتے ہوئے بات نہیں کہی۔ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ تمام طبیعتیں یکساں ہوتی ہیں لہذا جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کی طبیعت میں دوسرے انسانوں جیسی بات پائی نہیں جاتی۔ اس نے محال بات کا دعویٰ کیا۔

(۴) تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سماع مستحب نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے مباح

---

(۱) نیز ملاحظہ ہو رسالہ قشیریہ: ۱۶۸ (۲) قرطبی (الجامع لاحکام القرآن: ۳ : ۷:۴) نے بھی صوفیہ کے خلاف ابن جوزی کا بیان نقل کیا ہے جس میں الحارث بن اسد المحاسبی کو کوسا گیا ہے اور وہاں بھی ابوحامد الغزالی کے متعلق اچھے تاثر کا اظہار کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں فذکر المحاسبی فی هذا کلاماً کثیراً وشیدہ ابوحامد الطوسی ونصرہ والحارث عندی اعلم من ابی حامد لأن اباحامد کان افقه۔

کہہ سکتے ہیں۔ لہٰذا اس کے مستحب ہونے کا دعویٰ کرنا اجماع کی خلاف ورزی ہے۔

(۵) اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ساز کا سماع بھی اس شخص کے لئے مُباح یا مستحب ہو جسکی طبیعت پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ساز کا سننا اس شخص کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے۔ جس کی طبیعت پر اس کا اثر ہوتا ہے اور یہ اسے نفسانی خواہش کی طرف لے جاتا ہے۔ لہٰذا جب یہ اندیشہ نہ ہو تو ساز بھی مباح ہونا چاہیئے۔ حالانکہ ہم نے ابوالطیب طبری (م ۴۵۰ھ) کا قول نقل کیا ہے کہ یہ مطلقاً حرام ہے،

یہ وہ پانچ اعتراضات ہیں جو ابن جوزی نے کئے ہیں۔ ان کا کھوکھلا پن واضح ہے۔ ہم یہاں سماع کے بارے میں ابوعلی دقاق کا مسلک بیان کرتے ہیں۔ قشیری فرماتے ہیں[1]۔

میں نے کئی بار اشاروں کنایوں سے ابوعلی دقاق سے سماع کی اجازت چاہی۔ آپ جواب میں ایسی بات فرماتے جس میں یہ پایا جاتا کہ سماع سے باز رہنا ہی بہتر ہے۔ پھر کافی عرصہ تک درخواست کرتے رہنے کے بعد فرمایا:

مشائخ صوفیہ فرماتے ہیں کہ جس سماع سے تمہارا دل اللہ کی طرف لگ جائے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابوعلی کے اس فرمان سے واضح ہے کہ جب تک انھوں نے دیکھا کہ ابھی قشیری میں طبیعت کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ سماع کی اجازت نہیں دی۔ مگر جب دیکھا کہ اب طبیعت پر غلبہ پا لیا گیا ہے تو اس کی صرف اجازت دی۔ اسے مستحب قرار نہیں دیا۔

اسی قول کو لیجئے جس پر ابن جوزی نے اعتراض کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قول میں عوام کے لئے سماع کو حرام قرار دیا ہے۔ جس کی وجہ بھی ساتھ ہی بتا دی گئی ہے کہ ان کی نفسانی خواہشات ان کے ساتھ موجود ہوتی ہیں۔ لہٰذا وہ انھیں حرام کی طرف لے جائیں گی۔ اسی لئے ان کے لئے سماع حرام قرار پایا۔

ابوعلی دقاق نے سماع کو زاہدوں کے لئے مباح کہا ہے کیونکہ اس سے انھیں مجاہدہ میں مدد ملتی ہے اور سماع کو مباح کہنے میں ابن جوزی بھی اُن سے اتفاق کرتے ہیں۔

---

(۱) رسالہ قشیریہ : ۱۷۳ سطر ۶-۸۔

ابوعلی نے اپنے اصحاب کے لئے اسے مستحب قرار دے کر اپنے آپ کو ابن جوزی کے اعتراضات کا نشانہ بنایا۔ ابن جوزی اس مقام کو کیا سمجھیں کہ صوفیا کے ہاں ایک مقام ایسا ہوتا ہے کہ ان کے نفسانی صفات کلیتہً محو ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی زندگی حیات باللہ ہوتی ہے۔ مگر یہ بات صرف خاص الخاص لوگوں کے لئے ہے جو درجۂ یقین تک پہنچ چکے ہوں۔ اگر ایسا نہیں تو سماع بھی مستحب نہیں۔ کیا اس قول میں کوئی قابل گرفت بات نظر آتی ہے۔

ع گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

قشیری نے رسالہ میں سماع کے باب کے آخر میں بیان کر دیا ہے کہ سماع سے اکثر غلطی میں پڑنے کا احتمال ہوتا ہے اور اس سے شیطان خوش ہوتا ہے[1]۔ اس لئے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔ مگر ہر بات اپنے اپنے مدارج پر ہوتی ہے۔ ابوعلی دقاق خواص کی بات کر رہے ہیں۔ عوام کی نہیں۔

ابن جوزی کا اس بحث میں ابوحامد الغزالی (م ۵۰۵ھ) کو درمیان میں لانا بھی عجیب ہے۔ انھوں نے اسی کتاب تلبیس ابلیس میں الغزالی پر بھی کئی اعتراضات کئے ہیں اور اس جگہ ان کو "اعوف" کہا ہے۔ مزید برآں الغزالی نے ہر کس و ناکس کیلئے سماع کو جائز قرار نہیں دیا۔ اس کے لئے شرائط مقرر کئے ہیں۔ جو ان شرائط کو پورا کر سکے۔ اس کیلئے سماع کو جائز قرار دیا ہے[2]۔ ابن جوزی کا یہ کہنا کہ انھوں نے غنا کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے غلط ہے۔

ابن جوزی نے صفحہ ۲۸۸ پر صوفیوں کے سفر کرنے پر نکتہ چینی کی ہے۔ اور اسے ناجائز قرار دیا ہے اور حدیث السفر قطعۃ من العذاب سے استدلال کیا ہے۔

اس حدیث سے ابن جوزی کے استدلال کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سفر کی صعوبتوں کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ سفر میں یقینی طور پر تکلیف ہوتی ہے۔ خواہ لمبا سفر ہو خواہ کوتاہ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

السَفَرُ سَقَرٌ ولو کان میلاً

سفر سقر (دوزخ) ہے خواہ ایک ہی میل کا کیوں نہ ہو

---

(۱) ابن جوزی نے خود بھی اس بات کو نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تلبیس ابلیس : ۲۴۲ (۲) ملاحظہ ہو احیاء العلوم باب سماع

ظاہر ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکالیف سفر کو بیان کیا ہے۔ سفر سے ممانعت نہیں فرمائی۔ آپ یہ فرما بھی کیسے سکتے ہیں۔ جب کہ قرآن مجید میں سیروا فی الارض کا حکم موجود ہے جس کا اقل درجہ استحباب کا ہے۔ ابن جوزی ان تمام محدثین کے متعلق کیا کہیں گے۔ جنھوں نے طلب حدیث میں سفر کیے۔

ابن جوزی کا قشیری پر آخری اعتراض یہ ہے کہ انھوں نے ابوالحسن کا وہ قول نقل کیا ہے۔ جس کے متعلق راقم الحروف لکھ چکا ہے کہ قشیری کے لیے یہ قول نقل کرنا مناسب نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ تُرْضٰی سَجَایَاہُ کُلُّھَا   کَفٰی اَلْمَرْءُ نُبْلاً اَنْ تُعَدَّ مَعَایِبُہٗ

(کون ہے جس کے تمام اوصاف پسندیدہ ہوں۔ انسان کے لیے یہی فضیلت کافی ہے۔ کہ اس میں معدودے چند عیوب پائے جائیں)

یہ وہ تمام اعتراضات ہیں جو ابن جوزی نے قشیری پر کیے ہیں۔ مگر ان میں سے ایک بھی قوی نہیں۔ کسی سے اختلاف ہونا اور بات ہے۔ اور ضد کے طور پر خوامخواہ اعتراض کرنا اور بات۔ عبدالوہاب شعرانی (م ۹۷۳ھ ۱۵۶۵ء) نے بھی قشیری سے کئی باتوں میں اختلاف کیا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں[۱]

کرسالۃ القشیری ونحوھا من ان التلوین للناقصین وھو لم لفہم مرادھم الخ

قشیری کے معاصر

قشیری کے معاصرین کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ان تمام کا یہاں ذکر کرنا ناممکن ہے۔ یہاں پر ہم صرف ان کے صوفی معاصرین کا ذکر کریں گے تاکہ قشیری اور ان میں موازنہ کیا جاسکے اور قارئین پر واضح ہو جائے کہ ان کے مقابلے میں قشیری کس قدر توازن کے مالک تھے۔ ابوالحسن خرقانی اور سید علی ہجویری کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا یہاں صرف ابوسعید بن ابوالخیر اور عبداللہ انصاری کا ذکر کریں گے۔

---

(۱) الانوار القدسیہ فی آداب العبودیہ برحاشیہ لواقح الانوار: ۲ : ۹۲

ابوسعید بن ابوالخیر

ابوسعید الفضل[1] بن احمد بن محمد المعروف بہ ابن ابی الخیر المیہنی۔ میہنہ خابران کے ضلع میں سرخس اور آبیورد کے درمیان ایک بستی کا نام ہے اور آج کل اسے معانہ کہا جاتا ہے۔ یہ یکم محرم ۳۵۷ھ ۵ دسمبر ۹۶۷ء میں میہنہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۴ شعبان ۴۴۰ھ ۱۲ جنوری ۱۰۴۹ء میں وفات پائی۔ اُن کی اولاد میں سے دو شخصوں نے ان کے سوانح حیات لکھے۔ ایک محمد بن ابی روح لطف اللہ بن ابی سعید بن ابی طاہر بن ابی سعید بن ابی طاہر نے اور اس کا نام۔

حالات و سخنان شیخ ابی سعید بن ابی الخیر

رکھا۔ ژوکوفسکی نے ۱۸۹۹ء میں سینٹ پیٹرزبرگ سے اسے شائع کیا۔ اور دوسرے محمد بن منور بن ابی سعید نے اور اس کا نام

اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید

رکھا۔ اسے بھی ژوکوفسکی نے ۱۸۹۹ء میں سینٹ پیٹرزبرگ سے شائع کیا۔ مؤخر الذکر کتاب مقدم الذکر کے مقابلہ میں زیادہ مفصل ہے۔

ابوسعید کے والد ابوالخیر عطاری کا کام کرتے تھے۔ اور لوگوں میں بابا باب الخیر کے نام سے مشہور تھے۔ وہ ابوسعید کو ان مجالس سماع میں جو صوفیاء کے گھروں میں باری باری منعقد ہوا کرتی تھیں۔ اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ ابوسعید نے تصوف کی ابتدائی تعلیم ابوالقاسم بشر یاسین دم ۳۸۰ھ = ۹۹۰ء) سے لی۔ ابوالقاسم کا شعر و سخن کی طرف زیادہ میلان تھا۔ اور ابوسعید اپنے مواعظ میں بیشتر ان ہی کے اشعار پڑھا کرتے تھے۔

ابوسعید نے بچپن میں ابوعبداللہ العصری اور ابوبکر القفال الصغیر (م ۴۱۷ھ) سے فقہ شافعی پڑھی۔ ابومحمد جوینی (۴۳۸ھ) امام الحرمین کے والد ان کے ہم درس تھے۔ اس کے بعد انھوں نے سرخس میں ابوعلی ظاہر (م ۳۸۹ھ) سے جنھوں نے سرخس سے معتزلہ کا قلع قمع کیا۔ تفسیر، اصول اور حدیث پڑھی۔ اسی سرخس میں لقمان السرخسی المجذوب نے ان کی ملاقات ابوالفضل محمد بن حسن السرخسی سے کرا

---

(۱) اللباب: ۳: ۲۰۲ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (مقالہ ابوسعید بن ابی الخیر) میں ان کا نام فضل اللہ دیا ہے

دی ۔ ابوسعید نے ابوالفضل سرخسی کی بیعت کی اور ان کے کہنے پر انھوں نے علومِ ظاہری کی تعلیم بند کر دی ۔ ابوالفضل کی وفات کے بعد جب کبھی ابوسعید پر "قبض" کی کیفیت طاری ہوتی تو یہ سرخس جاکر اپنے پیر کی قبر کی زیارت کرتے ۔ السّلمیٰ نے ابوالفضل کے کہنے پر ہی ابوسعید کو خرقہ عطا کیا تھا ۔ ابوالفضل کی وفات کے بعد یہ نسا سے ہوتے ہوئے آمل آئے ۔ اور کچھ عرصہ ابوالعباس قصّاب کے پاس گذارا ۔
اکثر ایسا بھی ہوتا کہ آپ اپنا وقت قرب و جوار کی خانقاہوں میں گذارتے جن میں رباط کہن کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے ۔ اس عرصہ میں وہ کئی کئی دنوں تک کچھ نہ کھاتے اور مہینوں پہاڑوں میں غائب رہتے ۔ ریاضتِ نفس کا یہ دَور اسی طرح جاری رہا تاآنکہ اُن کی عمر چالیس سال ہوگئی ۔ اب ان کا وہ دور شروع ہوا جسے "خدمتِ درویشاں" کا دور کہا جائے گا ۔
خدمتِ درویشاں سے اُن کا مقصد تذلیلِ نفس تھا ۔ ایک بار یوں فرمایا : "اللہ تک پہنچنے کا آسان طریقہ راحتے بدلِ مسلمانے رساندن" ہے ۔ آپ نے ان اخلاق کا کامل اظہار خراسان کے دارالحکومت نیشاپور میں ایک سال کے قیام کے دوران کیا ۔ جہاں آپ کا قیام "عدنی کوبان" کے محلہ میں اُبوعلی الطرسوسی کی خانقاہ میں ہوا ۔ نوجوانانِ نیشاپور کا اُن کے پاس انبوہ ہوتا ۔ اور آپ اُنھیں راہِ طریقت بتاتے ۔ یہاں پر انھوں نے کئی کرامات از قسم فراست کا اظہار کیا ۔ جس سے ان کے مخالفین اور حریف بھی اُن کے معتقد ہو گئے ۔
اُبوسعید اپنے مریدوں کے لیئے پُرتکلف دعوتوں کا انتظام کیا کرتے ۔ جن کے اختتام پر مجلسِ سماع قائم ہوتی ۔ سماع کے دَوران ان نعرے لگائے جاتے ۔ اور خرقے پھاڑے جاتے ۔ ان دعوتوں پر ہزاروں دینار خرچ آتا ۔ اور کئی بار ابوسعید کو قرض بھی لینا پڑا جس کی وجہ سے اُن کے ناظم حسن مودّب کو کئی بار پریشانی اٹھانی پڑی ۔ بالعموم ایسا ہوتا کہ کوئی مالدار مرید اخراجات برداشت کر کے پریشانی دُور کرنے کا باعث ہوتا ۔ مگر کئی بار ایسا بھی ہوا کہ حسن مودّب کو روپیہ اکٹھا کرنے کے لیئے بڑی بے حیائی سے مخالفین کے پاس بھیجا گیا ۔ جونہی کہ روپیہ آتا اُسے خرچ کر دیا جاتا تاکہ اُن کے پاس کوئی "معلوم" نہ رہے ۔

---

(۱) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں اس مقام پر طباعت کی غلطی سے ابوالفضل کی بجائے ابوالحسن چھپا ہے

اُن کے اس طرز کو دیکھ کر ابو بکر محمد بن اسحٰق محمشاد الکرامی نے حنفی قاضی سعید بن محمد الاستوائی کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے سُلطان محمُود کے پاس ان کی شکایت کی ۔جس پر سلطان نے ابوبکر کو تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔ اُن پر یہ الزام لگایا کہ یہ منبر پر چڑھ کر قرآن و حدیث کی بجائے اشعار پڑھتے ہیں پُرتکلف دعوتیں قائم کرتے ہیں اور نوجوانوں کا ناچ ہوتا ہے۔ مگر ابُوسعید نے اپنی فراست سے ان دونوں کی کوششوں کو ناکام بنادیا۔

ابوسعید کا خاص طریقہ رأفت و رحمت برخلق کا طریقہ تھا۔ اُن کے پیشِ نظر یہ حدیث تھی:

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَاغْفِرْ مَنْ ظَلَمَكَ

ایک بار وجد میں آکر یوں بھی کہہ ڈالا:

لَيْسَ فِي الْجُبَّةِ اِلَّا اللّٰه

اور انگشت شہادت سے خرقہ میں سوراخ کر دیا جسے محفوظ رکھا گیا۔

نیشاپور میں اُن کی ملاقات اُبوعلی سینا دم ۴۲۸ھ) سے بھی ہوئی۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی اور جو خط و کتابت اُن کے درمیان ہوئی۔ وہ بھی اب تک محفوظ ہے۔

نیشاپور میں قیام کے اختتام پر وہ اپنے بیٹے ابوطاہر کے ساتھ حج کے لئے جانا چاہتے تھے مگر جب خرقان پہنچے تو ابوالحسن خرقانی نے انھیں روک لیا اور یہ واپس میہنہ چلے گئے۔

انھوں نے اپنی وفات پر ایک بڑا کنبہ چھوڑا۔ ان کا بڑا لڑکا ابوطاہر سعید اُن کا جانشین بنا۔ اور اس نے اپنے باپ کی طرح "خدمتِ خلق" کا کام جاری رکھا جس سے یہ بہت مقروض ہو گئے بالآخر نظام الملک نے یہ قرضہ ادا کیا(۱)

ابوسعید اور قشیری ابوسعید نے نیشاپور میں قیام کے زمانہ میں کثرت سے مجالس سماع قائم کیں۔جن میں بعض اوقات ان کے مُرید حد اعتدال سے تجاوز کر جاتے۔ یہ بات ابوالقاسم قشیری کو پسند نہ تھی۔کیونکہ سماع اگرچہ اُن کے نزدیک جائز تھا۔ مگر وہ خود اسے پسند نہ کرتے تھے۔ اور اس کا اس قدر عام کر دینا تو کسی صورت میں انھیں پسند نہ تھا۔

---

(۱) ابوسعید کے حالات کا بیشتر حصہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مقالہ ابوسعید بن ابی الخیر سے لیا گیا ہے

مزید برآں قشیری ابوسعید کی دعوتوں کو اسراف قرار دیتے۔ ایک بار قشیری نے ایک درویش کو شہر بدر ہو جانے کا حکم دیا۔ ابوسعید نے اسے پسند نہ کیا اور ایک دعوت میں قشیری سے کہا کہ یہی بات بطریق احسن سرانجام دی جا سکتی تھی اور وہ اس طرح کہ درویش کو "سیر و سیاحت" کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اس طرح وہ خود بخود شہر سے چلا جاتا۔

آخر کار ابوالقاسم قشیری اور ابوسعید رحمہا اللہ تعالیٰ میں مصالحت ہو گئی اور ان کے مابین کسی قسم کی رنجش نہ رہی۔

ابوسعید کا قول[1] ہے:

التصوف طرح النفس فی العبودیۃ وتعلق القلب بالربوبیۃ والنظر الی اللہ بالکلیۃ

عبداللہ انصاری شیخ الاسلام ابواسمٰعیل عبداللہ بن محمد بن علی الہروی الانصاری۔ یہ حافظ حدیث صوفی اور اپنے وقت کے چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ ۳۹۶ھ میں پیدا ہوئے[2]۔ عبدالجبار الجراحی (م ۴۱۲ھ)، ابومنصور محمد بن محمد الازدی (م ۴۱۰ھ) اور کثیر تعداد لوگوں سے حدیث سنی اور نیشاپور جا کر ابوسعید الصیرفی (م ۴۲۱ھ) اور احمد سلیطی (م ۴۲۱ھ) سے بھی حدیث سنی۔ نیشاپور میں اُن کی ملاقات قاضی ابوبکر الحیری (م ۴۲۱ھ) سے بھی ہوئی۔ اور یہ ان کی مجلس میں حاضر بھی ہوئے مگر انھوں نے اُن سے حدیث کی روایت نہیں کی۔ جس کے متعلق انصاری فرماتے ہیں۔

تَرَکْتُہٗ لِلّٰہِ (میں نے اللہ کی خاطر انہیں ترک کر دیا)

ابن رجب لکھتے ہیں کہ انصاری نے ان کی مجلس میں ایسی باتیں سنی تھیں جن میں حدیث کی مخالفت پائی جاتی تھی۔ مگر سبکی لکھتے ہیں[3]

وَتَرَکَ الروایۃ عن شیخہ القاضی ابی بکر الحیری لکونہ اشعریا وکل ھذا تعصب زائد برّأنا اللہ من الاھواء

(انہوں نے اپنے شیخ ابوبکر حیری سے اس لئے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا کہ وہ اشعری تھے۔ اور

---

(۱) طبقات الشافعیۃ ۴ : ۱۰ (۲) ذیل طبقات الحنابلہ ۱ : ۵۰ ابن العماد نے ان کی تاریخ وفات ۴۸۱ھ دینے کے بعد لکھا ہے کہ انھوں نے اسی برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس لحاظ سے ان کی تاریخ پیدائش ۴۰۱ھ بنتی ہے

یہ ہمہ تن تعصب ہے۔ خدا ہمیں ذاتی خواہشات سے بچائے)

واضح رہے کہ قاضی ابوبکر حیری کا شمار اپنے زمانے کے سرکردہ محدثین میں ہوتا ہے۔ اور حدیث میں ان کی اسناد بھی عالی تھی اور انصاری نے عالی سند کو محض تعصب کی بنا پر چھوڑا جسے وہ ترکتہ للہ کہہ رہے ہیں۔

شیخ الاسلام کا لقب

سبکی لکھتے ہیں[1] اہل خراسان نے ابوعثمان اسمٰعیل بن عبدالرحمن بن احمد الصابونی کو شیخ الاسلام کا لقب دیا تھا۔ چنانچہ اہل خراسان جب محض شیخ الاسلام کہتے تو ان کی مراد انہی سے ہوتی۔ ہراۃ کے لوگ اس لقب سے جل اٹھے۔ تو انھوں نے عبداللہ انصاری کو اسی لقب سے پکارنا شروع کر دیا۔

انصاری کا بلا کا حافظ تھا۔ ہزارہا عربی اشعار اور ہزارہا احادیث مع اسناد کے از بر تھیں۔ چھوٹی عمر میں ہی عربی اور فارسی میں شعر کہا کرتے۔ اور فارسی اشعار کا عربی اشعار میں برجستہ ترجمہ پیش کر دیا کرتے۔ انہیں عربی لغت اور ادب میں مہارت تامہ حاصل تھی اور اپنی مجالس وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر کیا کرتے۔ مجالس میں مخلوق کا ہجوم ہوتا۔ اور یہ شریعت کے احکام بیان کرتے کرتے آیت وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ (۲ : ۱۶۵)
پر پہنچے تو حقیقت پر بحث کرنی شروع کر دی۔ اور مدت تک اسی آیت کی تشریح فرماتے رہے۔ اسی طرح اُنھوں نے آیت اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی (۲۱ : ۱۰۱)
کی تفسیر تین سو ساٹھ (۳۶۰) مجالس میں بیان کی۔ جب یَکَادُ سَنَا بَرْقِہٖ یَذْھَبُ بِالْاَبْصَارِ (۲۴ : ۴۳)
پر پہنچے تو اُن کی بینائی جاتی رہی۔ یہ ۴۳۶ھ کی بات ہے جب فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ (۳۲ : ۱۷) پر پہنچے تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہر اسم میں ایک مخفی راز ہے۔ اور پھر ان مخفی رازوں کی تشریح شروع کر دی۔ اس کے بعد انہیں شہر بدر کر دیا گیا۔ ۴۸۰ھ میں واپس ہراۃ آئے اور از سرِ نو اسماءِ حسنیٰ کی تشریح شروع کر دی۔ مگر اسے مکمل نہ کر سکے اور کوشش کی کہ قرآن مجید کی تفسیر کو مکمل کر لیں۔ ایک مجلس میں دس آیتوں کی تفسیر بیان کرتے تاکہ اپنی زندگی میں تفسیر مکمل

---

(۱) طبقات الشافعیہ : ۴ : ۱۱۷ (ترجمہ ابی عثمان الصابونی)

ہو جائے۔ مگر قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ (۳۸: ۶۷-۶۸)

تک پہنچے تھے کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہنا پڑا۔

سبکی لکھتے ہیں[1] :-

انصاری مذکور بڑے عبادت گذار تھے۔ اور محدث تھے۔ مگر تجسیم اور تشبیہ کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ اور اہلِ سُنت کو بُرا کہتے تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب "ذم الکلام" میں بہت مبالغہ سے کام لیا ہے۔ یہاں تک کہ اشعریہ کے ذبیحہ کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ میں اپنے استاد (ذہبی) کو دیکھا کرتا تھا کہ وہ اس کتاب کے بعض مقامات کا ذکر کیا کرتے اور اس کے مطالعہ سے روکا کرتے تھے۔ ....

اہل ہرات ان کے متعلق دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ ان کا معتقد تھا اور ان کی حد سے زیادہ تعظیم کرتا تھا۔ کیونکہ ان میں تقشف اور عبادت پائی جاتی تھی اور دوسرا گروہ تشبیہ کے اظہار کی وجہ سے انھیں کافر کہتا تھا۔

انصاری کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں چند کے نام یہ ہیں :-

ذم الکلام واہلہ، الفاروق (فی الصفات)، مناقب الامام احمدؒ، منازل السائرین، ہروی زبان میں طبقات الصوفیہ لکھی۔ فارسی میں قرآن مجید کی تفسیر، فارسی میں مجالس تذکیر، فارسی ادب میں بطور رباعی نویس مشہور رہیں۔ اور ان کی فارسی زبان میں مناجات بہت مقبول ہوئی۔

قشیری کے اساتذہ

امام ابوالقاسم قشیری کثیر التعداد لوگوں سے فیض یاب ہوئے۔ عُلماء فضلاء سے علوم حاصل کیے محدثین سے حدیث کی روایت کی۔ صالحین سے صالحین کے اقوال وحکایات نقل کئے۔ ہم یہاں پہلے اُن لوگوں کا ذکر کریں گے جن سے انھوں نے علم حاصل کیا یا حدیث کی روایت کی اور آخر میں اُن لوگوں

---

(۱) طبقات الشافعیہ: ۳: ۱۱۷۔ انصاری کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ذیل طبقات الحنابلہ: ۱: ۵۰-۶۸ نیز شذرات الذہب: ۳: ۳۶۵-۳۶۶ و دول الاسلام: ۲: ۷ نیز المنتظم: ۹: ۴۴-۴۵ و طبقات الحنابلہ: ۲: ۲۴۷-۲۴۸ و تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۳۵۴-۳۶۰ و البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۳۵ و نفحات الانس: ۲۲۹۔

کا ذکر کریں گے جن سے انھوں نے صالحین کی حکایات یا اقوال نقل کئے۔

(۱) ابو علی دقاق[1]

قشیری کے اساتذہ کے سرِ فہرست اُن کے پیر و مرشد ابو علی دقاق کا نام آتا ہے جن کی بدولت قشیری کو دین و دنیا کی فلاح و دولت نصیب ہوئی۔

اُن کا نام ابو علی الحسن بن علی الدقاق ہے۔ سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں ان کا نام الحسن بن محمد علی دیا ہے۔ دقاق دقیق یعنی آٹا فروش کو کہتے ہیں۔ اس پیشہ کی وجہ سے یہ نام پڑا۔

ابو علی دقاق نے مذہب شافعی کی تعلیم ابوبکر قفال الکبیر الشاشی (م ۳۶۵ھ) اور الحصری وغیرہ سے حاصل کی۔ اصول فقہ اور عربی میں مہارت تامہ حاصل کی اور مرجع خلائق بنے۔ انھوں نے حدیث کی روایت ابن حمدان (م ۳۷۶ھ) وغیرہ سے کی۔ ابتدا میں علوم ظاہر کا درس دیتے تھے۔ پھر سب کچھ چھوڑ کر طریق تصوف اختیار کر لیا۔ انھوں نے طریق تصوف و باطن نصرآبادی سے حاصل کیا۔ قاضی ابن شہبہ (م ۸۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ ابو علی دقاق حال اور قال دونوں میں نصرآبادی سے بڑھ گئے تھے۔ ان کی کرامات اور مکاشفات مشہور ہیں۔

سید علی ہجویری فرماتے ہیں مجھ سے ایک بزرگ نے بیان کیا کہ میں ان کی خدمت میں اس نیت سے گیا کہ ان سے متوکلوں کے حال کی نسبت سوال کروں۔ جب ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے عمدہ طبری دستار پہن رکھی تھی۔ جسے دیکھ کر میرے منہ میں پانی آ گیا۔ میں نے سوال کیا: حضرت! توکل کیا ہے؟ فوراً جواب دیا: توکل یہ ہے کہ تو لوگوں کی دستار لینے کا لالچ کرنا چھوڑ دے۔ یہ کہا اور دستار اتار کر میری طرف پھینک دی۔

---

(۱) خطیب بغدادی نے بہت سے ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کی کنیت ابو علی اور لقب دقاق تھا۔ چند نام یہ ہیں۔ ابو علی حسین بن محمود الدقاق (تاریخ بغداد: ۸: ۱۴۲) و ابو علی کردی بن احمد الدقاق (۱۲: ۴۹۲) و ابو علی احمد بن محمد الدقاق (۴: ۱۲۴) و ابو علی احمد بن محمد بنان الدقاق (۴: ۴۰۰) و ابو علی محمد بن جعفر بن مخلد المعروف باقرمی الدقاق (۲: ۱۱۶) و ابو علی الحسن بن الحباب بن مخلد الدقاق (۷: ۳۰۱) و ابو علی زہیر بن مسلم الدقاق (۸: ۴۸۶)

جامیؔ فرماتے ہیں : ایک بار ابوعلی رےؔ آئے کسی نے انھیں پہچان لیا اور لوگوں کو اس کی اطلاع دے دی۔ لوگوں نے اُن سے وعظ کرنے کی درخواست کی۔ مگر یہ نہ مانے۔ بالآخر لوگوں کے اصرار پر منبر پر چڑھے۔ پھر دائیں طرف منہ کر کے فرمایا:۔ اَللّٰہُ اَکْبَر اور قبلہ کی طرف منہ کر کے فرمایا: رِضْوَانٌ مِنَ اللّٰہِ اَکْبَر اور پھر بائیں جانب ہو کر کہا: وَ اللّٰہُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی یہ کہنا تھا کہ لوگوں سے چیخ وپکار کی آواز آنے لگی۔ اور کچھ لوگوں نے وہیں جان دے دی۔ یہ لوگوں کو اسی حال میں چھوڑ کر منبر سے اُتر آئے۔ اور وہاں سے غائب ہو گئے۔

ابوعلی دقاق اور ان کی لونڈی

استاد ابوعلی[1] دقاق کی ایک لونڈی تھی۔ جس کا نام فیروز تھا۔ اس نے ابوعلی دقاق کی خدمت کی تھی۔ جس کی وجہ سے اُبوعلی اس سے محبت کرتے تھے۔ فیروز کو بھی اس محبت کا احساس تھا۔ ایک روز فیروز آپ کو بہت تنگ کر رہی تھی۔ اور زیادتی کر رہی تھی۔ ابوالحسن قاری وہاں موجود تھے۔ انہوں نے یہ حال دیکھ کر فیروز کو کہا۔ تم شیخ کو کیوں تنگ کر رہی ہو۔ فیروز نے جواب میں کہا: اس لئے کہ میں ان سے محبت کرتی ہوں۔

حرقۃ البول اور ابوعلی

قشیری بیان کرتے ہیں[2] کہ شیخ ابوعلی دقاق کو حرقۃ البول کی شکایت تھی اور انھیں ایک گھڑی میں بار بار پیشاب کے لئے جانے کی ضرورت پڑتی یہاں تک کہ دو رکعت فرض ادا کرنے کے لئے بھی بعض اوقات انھیں کئی بار وضو کرنا پڑتا۔ مجلس کو جاتے ہوئے بوتل ساتھ رکھتے۔ ایسا بھی ہوا کہ راستہ ہی میں انھیں بوتل کی ضرورت پڑ جاتی۔ مگر جب کرسی پر بیٹھ کر وعظ فرماتے تو پھر دوبارہ وضو کی ضرورت نہ پڑتی۔ خواہ مجلس کس قدر طویل کیوں نہ ہو جاتی۔

یہ بات لکھنے کے بعد قشیری فرماتے ہیں۔ کہ ہم سالہا سال یہ بات دیکھتے رہے۔ مگر ان کی

---

(۱) رسالہ قشیریہ : ۱۳۱ (۲) رسالہ قشیریہ : ۱۸۹

زندگی میں کبھی اس عجیب بات کی طرف توجہ ہی نہ ہوئی۔ کہ یہ ایک خارق عادت بات ہے۔ ان کے مرنے کے بعد ہی یہ بات میرے خیال میں آئی۔

ان کا قول ہے: جس شخص نے دنیا کی خاطر کسی کے سامنے تواضع کی اس کا دو تہائی دین جاتا رہا۔ کیوں کہ اس نے زبان اور ارکان سے اس کے سامنے اپنے آپ کو جھکایا ہے۔ اور اگر دل سے کی تعظیم کا اعتقاد رکھے یا دل سے اس کے سامنے جھکے تو اس کا سارا دین جاتا رہا۔

نیز فرماتے ہیں[1] رَأَیتُكَ فَاشْتَقْتُكَ بِعْتُ نَفْسِی وَاشْتَرَیْتُكَ۔

(میں نے تجھے دیکھ لیا ہے۔ اسی لئے تو میں تمہیں چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو بیچ کر تمہیں خریدا ہے)

ابن العماد اور ذہبی نے ان کی تاریخ وفات ۴۰۶ھ دی ہے۔ مگر ابن جوزی اور ابن کثیر نے ۴۱۲ھ لکھی ہے۔

ان کے متعلق ابوعلی فارمدی فرماتے ہیں[2]:

مرا ہیچ حجت فردا نخواہد بود الا آنکہ گویم ہمنام ابوعلی دقاقم۔

(قیامت کے دن اللہ کے سامنے پیش ہوتے وقت میرے پاس صرف یہ حجت ہوگی کہ میں ابوعلی دقاق کا ہمنام ہوں)

ابوعلی دقاق کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۳ و شذرات الذہب: ۳: ۱۸۰ و المنتظم: ۸: ، و نفحات الانس: ۲۶۹ و ۲۶۸ - ۲۶۹ ترجمہ ابوالفضل سرخسی) و کشف المحجوب: ۲۰۴ و تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲۵۱۔

---

(۱) طبقات الصوفیہ: ۵۹۱۔ تحقیق عبدالحی حبیبی طبع کابل ۱۹۶۲ء یہ قول اور حوالہ چوہدری عبدالعزیز صاحب کنٹرولر کسٹمز نے مجھے بتایا ہے۔

(۲) زہد و تصوف در اسلام تالیف گولڈ تسیہر مستشرق جرمنی ترجمہ محمد علی خلیلی طبع طہران یہ حوالہ اور قول بھی چوہدری صاحب موصوف نے مجھے بتایا ہے۔

ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن مہران الاسفرائنی

رکن الدین ان کا لقب ہے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ اسفرائن نیشاپور کے نواح میں جرجان کو جاتے ہوئے نصف راستہ پر خراسان میں ایک شہر کا نام ہے۔ جس کی طرف یہ اور بہت سے دیگر علماء منسوب ہوئے۔

ابو اسحٰق اسفرائنی متکلم، اصولی اور شافعی مذہب کے علماء میں سے تھے۔ انہوں نے دعلج (م ۳۵۱ھ) اور اسی طبقہ کے دیگر لوگوں سے روایت کی اپنے زمانہ میں خراسان کے شیخ تھے۔ اور مرتبۂ اجتہاد تک پہنچ گئے تھے۔

ان کے لئے نیشاپور میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا۔ جہاں سے بڑے بڑے علماء و فقہا نکلے۔ مثلاً قاضی ابو الطیب الطبری (م ۴۵۰ھ)، بیہقی (م ۴۵۸ھ) اور قشیری وغیرہ

حاکم نے باوجود اس کے کہ وہ ان سے پہلے وفات پا گئے تھے۔ ان کی بزرگی اور جلالت مرتبت کی وجہ سے اُن کا اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ نیشاپور کے اکثر اساتذہ نے علم کلام اور اصول ان ہی سے حاصل کیا۔ اور اہل عراق اور خراسان نے ان کے علم کا لوہا مانا۔

ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے ایک الجامع فی اصول الدین والرد علی الملحدین پانچ جلدوں میں لکھی۔ انھوں نے اصول فقہ پر شرح بھی لکھی ہے۔

تقریباً اسی برس کی عمر میں ۴۱۸ھ نیشاپور میں وفات پائی اور انہیں اسفرائن لے جا کر دفن کیا گیا۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تذکرۃ الحفاظ: ۳ : ۲۶۸ و معجم البلدان: ۱ : ۱۷۸ و وفیات الاعیان: ۱ : ۸-۹ و اللباب: ۱ : ۴۳ و البدایہ و النہایہ: ۱۲ : ۲۴ و شذرات الذہب: ۳ : ۲۰۹ - ۲۱۰ و طبقات الشافعیہ: ۳ : ۱۱۱ و معجم المؤلفین: ۱ : ۸۳ اور وہ حوالہ جات جن کا وہاں ذکر کیا ہے۔

۲ - الشیخ ابو حامد احمد بن محمد بن احمد الاسفرائنی

ابو حامد اسفرائنی اپنے زمانہ کے شافعیہ کے امام تھے۔ ۳۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ۳۶۳ھ میں جبکہ

ان کی عمر اٹھارہ اُنیس سال کی تھی۔ یہ بغداد آئے پہلے ابوالحسن بن المرزبان (م ۳۶۶ھ) سے پھر ابوالقاسم الدارکی (م ۳۷۵ھ) سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے بغداد میں اپنی تعلیم کو جاری رکھا۔ تاآنکہ یکتائی روزگار ہو گئے۔ اور اپنے عہد میں شافعیہ کے سردار مانے گئے۔ عوام اور سلاطین دونوں کے ہاں ان کی بڑی قدرو منزلت تھی۔ انھوں نے دارقطنی (م ۳۸۵ھ) عبداللہ بن عدی (م ۳۶۵ھ) ابوبکر اسمٰعیلی (م ۳۹۱ھ) اور ابراہیم بن محمد بن عبدک الاسفرائنی (م ۴۱۸ھ) سے حدیث کی روایت کی ہے۔

ابتداء میں ایک درب (پھاٹک) پر پاسبانی کیا کرتے تھے اور پاسبانوں کے چراغ پر اپنے اسباق کا مطالعہ کیا کرتے۔ لوگ ان کے پاس سترہ برس کی عمر میں استفتاء کے لئے آنے لگ گئے تھے۔ ان کے حلقۂ درس میں سات سو طالب علم شامل ہوا کرتے تھے اور لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر آج امام شافعی رحمۃ اللہ زندہ ہوتے تو انھیں دیکھ کر خوش ہوتے۔

ابوالحسین قدوری (۳۶۲ھ تا ۴۲۸ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے شافعیوں میں امام ابو حامد اسفرائنی سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ قدوری نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اسفرائنی امام شافعی سے بھی زیادہ بالغ نظر اور بہتر فقیہ ہے۔

اسفرائنی نے ۴۰۶ھ میں وفات پائی۔

اسفرائنی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد: ۴: ۳۶۸ - ۳۷۰ و وفیات الاعیان ۱: ۵۵ - ۵۶ و دول الاسلام: ۱: ۱۷۷ و المنتظم: ۷: ۲۷۷ - ۲۷۸ البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۳۰۲ و شذرات الذہب: ۳: ۱۷۸ و معجم المؤلفین: ۲: ۶۵ اور وہ حوالہ جات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ ابوالحسن احمد بن محمد بن احمد بن عمر الخفاف

انھیں زاہد نیشاپور اور مسند خراسان کہا جاتا ہے۔ یہ آخری شخص ہیں جنھوں نے ابوالعباس محمد بن اسحٰق بن ابراہیم بن مہران السراج (م ۳۱۳ھ) سے روایت کی، ابوالعباس سراج نے چھیانوے یا ستانوے سال عمر پائی۔ عجیب اتفاق کی بات یہ ہے کہ ابوالعباس سراج سے امام بخاری (م ۲۵۶ھ) امام مسلم (م ۲۶۱ھ) اور ابوحاتم رازی (م ۲۷۷ھ) نے روایت کی ہے اور یہ سب ان سے عمر

میں بڑے تھے۔ اور ان سے پہلے فوت ہوئے۔

ابوالعباس سراج کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ اُن کے ہاں ان کا بیٹا ابوعمر تراسی ۸۳ سال کی عمر میں پیدا ہوا۔

ابوالحسن خفاف نے ترانوے سال کی عمر میں ۳۹۵ھ میں وفات پائی۔

ایک اور عجیب بات یہ ہے۔ ابوالعباس سراج سے امام بخاری اور خفاف دونوں نے روایت کی ہے اور دونوں کی وفات میں ایک سو انتالیس سال کا وقفہ ہے۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: شذرات الذہب : ۳ : ۱۴۵، مختصر دول الاسلام ۱: ۱۸۵:۱۸۱ اور معجم المؤلفین : ۲ : ۹۹

۵۔ ابوعبداللہ الحسین بن شجاع بن الحسن بن موسیٰ البزّار

بزار تیلی کو کہتے ہیں۔ (اللباب ۱: ۱۱۸) یہ صوفی تھے۔ اور ابن موصلی کے نام سے مشہور تھے۔

انھوں نے ابوبکر شافعی (م ۳۴۴ھ)، ابوعلی ابن الصواف (م ۳۵۹ھ)، محمد بن احمد بن المعزم (م ۳۵۷ھ) ابوبکر بن مقسم المقرئ (م ۳۵۲ھ) اور ابوبکر بن مالک القطیعی (م ۳۶۸ھ) وغیرہم سے حدیث سنی۔ اور ان سے ابوبکر خطیب نے حدیث لکھی۔ صدوق تھے۔

انھوں نے ماہ ربیع الاوّل ۴۲۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۸ : ۵۳)

۶۔ حمزہ بن یوسف السہمی الجرجانی

ابوالقاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ بن ابراہیم بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن ہشام بن العاص بن وائل القرشی السہمی الجرجانی الحافظ۔ جرجانی مشہور صحابی عمرو بن العاص کے بھائی ہشام بن العاص کی اولاد میں سے تھے۔ انھوں نے ۳۵۴ھ میں پہلی بار جرجان میں ابوبکر محمد بن احمد بن اسمٰعیل القرام (م ۳۵۸ھ) سے حدیث سنی اور ۳۶۸ھ میں پہلی بار طلب حدیث میں سفر کیا۔ چنانچہ یہ اصبہان، رَیّ، بغداد، بصرہ، کوفہ، واسط، اہواز، شام، مصر اور حجاز وغیرہ گئے۔ اور ابوزرعہ محمد بن یوسف جرجانی (م ۳۹۰ھ)، ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی (م ۳۸۵ھ)، ابوالحسن محمد بن المظفر البغدادی (م ۳۷۵ھ)

محمد بن احمد حمدان (م ۳۷۶ھ)، محمد بن ابراہیم بن المقرئ (م ۳۸۱ھ) عبدالوہاب الکلابی (م ۳۹۶ھ) ابوبکر اسماعیلی (م ۳۷۱ھ) وغیرہم سے حدیث کی روایت کی اور ان سے ابوالقاسم قشیری، ابوبکر بیہقی (م ۴۵۸ھ) ابو صالح المؤذن (م ۴۷۰ھ) ابوالقاسم اسماعیل بن مسعدہ (م ۴۷۷ھ) اور ابوبکر بن علی بن عبداللہ بن عمر الشیرازی (م ۴۸۷ھ) وغیرہم نے روایت کی۔

حمزہ جرجانی نے جرجان میں تربیت پائی اور وہیں منصب خطابت اور وعظ سرانجام دیتے۔ ان کا شمار حفاظ حدیث میں ہوتا ہے اور سخاوی نے فتح المغیث (صفحہ: ۴۸۰) میں انھیں ائمہ جرح و تعدیل میں شمار کیا ہے۔

حمزہ جرجانی نے کئی تصانیف کیں جن میں تاریخ[1] جرجان زیادہ مشہور ہے۔ اپنے اساتذہ کے حالات میں معجم الشیوخ لکھی۔ عباس بن عبدالمطلب عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں کتاب الاربعین لکھی۔ اور جو سوالات انھوں نے اپنے اساتذہ سے بالعموم اور دارقطنی سے بالخصوص کیے تھے۔ انھیں مدون کیا۔ انھوں نے ۴۲۷ھ میں وفات پائی۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ بر تاریخ جرجان از عبدالرحمٰن بن یحییٰ یمانی جنھوں نے تاریخ جرجان کی تحقیق و تصحیح کی ہے۔ نیز وہ مصادر جن کا انھوں نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔

۷۔ عبداللہ بن یوسف الاصبہانی

عبداللہ بن یوسف بن احمد بن بابویہ۔ بعض مامویہ بتاتے ہیں۔ دراصل اصفہان کے رہنے والے تھے۔ مگر نیشاپور آکر آباد ہوگئے تھے۔ ۳۹۰ھ میں حج کو جاتے ہوئے بغداد آئے اور وہاں ابوا الاصم نیشاپوری (م ۳۴۶ھ) محمد بن الحسن بن الخلیل النیشاپوری، ابوسعید بن الاعرابی (م ۳۴۰ھ) ساکن مکہ، احمد بن سعید بن فرضخ الاخمیمی، ہارون بن احمد الاستر آبادی، عبدالرحمٰن بن یحییٰ بن ہارون الزہری اور دیگر لوگوں سے حدیث کی روایت کی۔ ثقہ تھے۔ انھوں نے ۴۰۹ھ میں وفات پائی۔ ابونعیم اصفہانی نے انھیں الرصاص المؤدب کہا ہے۔

---

(۱) اسے کتاب معرفۃ علماء جرجان بھی کہا جاتا ہے۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو : تاریخ اصفہان : ۲ : ۴۸ و تاریخ بغداد : ۱۰ : ۹۸
واللباب : ۱۱ : ۳۲۲ و تذکرۃ الحفاظ : ۲ : ۲۳۷ اور شذرات الذہب : ۳ : ۱۸۸

۸ - ابوالحسین عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن محمد بن یحییٰ المزکی

ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے - ان کے والد ابواسحٰق ابراہیم بن یحییٰ المزکی اپنے زمانے میں نیشاپور کے شیخ تھے - اور ان کا شمار عبادِ مجتہدین میں ہوتا تھا - کئی بار حج کیا اور طلب حدیث میں سفر کئے - ابراہیم مزکی سے حاکم ابوعبداللہ اور ابونعیم نے روایت کی ہے - ان کی وفات ستر سٹھ کی عمر میں ۳۶۲ھ میں ہوئی -

(اللباب : ۳ : ۱۳۲ و شذرات الذہب : ۳ : ۴۰ - ۴۱ و معجم المؤلفین : ۱ : ۱۱۰)

عبدالرحمٰن بن ابراہیم کے بھائی ابوزکریا یحییٰ بن ابراہیم المزکی بھی اپنے باپ کی طرح صالح زاہد، ورع اور صاحبِ حدیث تھے - انھوں نے ۴۱۴ھ میں وفات پائی -

(شذرات الذہب : ۳ : ۲۰۲ و معجم المؤلفین : ۱۳ : ۱۸۱)

۹ - ابونعیم عبدالملک بن الحسن بن محمد بن اسحٰق الاسفرائنی

ابونعیم عبدالملک بن الحسن مسند حدیث کے راوی تھے - انھوں نے مسند صحیح کی روایت اپنے ماموں ابوعوانہ الحافظ الاسفرائنی (م ۳۱۶ھ) سے کی ہے - ثقہ اور صالح تھے - ۳۱۰ھ میں پیدا ہوئے - حافظ ابوعوانہ نے ان کی تربیت کی اور اپنی کتابیں انھیں سنائیں - ان کے ہاں طلبہ کا ہجوم رہتا تھا - اسی لئے انھیں نیشاپور بلا لیا گیا تھا - نوّے سال کی عمر میں ۴۰۰ھ میں وفات پائی -

(تذکرۃ الحفاظ : ۳ : ۲ و شذرات الذہب : ۳ : ۱۵۹)

۱۰ - ابوالحسن علی بن احمد بن عبدان الاہوازی

ابوالحسن علی بن احمد بن عبدان بن محمد بن الفرج بن سعید الاہوازی - دراصل شیراز کے رہنے والے تھے مگر شیراز کو چھوڑ کر نیشاپور چلے آئے تھے - اور وہیں آباد ہو گئے تھے -

انہوں نے محمد بن احمد بن محمویہ العسکری، احمد بن عبید البصری (م ۳۱۴ھ)، ابوالقاسم طبرانی، اسماعیل بن نجید النیشاپوری، ابوبکر الجعابی (م ۳۵۵ھ) اور اپنے والد احمد بن عبدان الشیرازی سے حدیث سنی۔ ۳۹۶ھ میں حج کو جاتے ہوئے بغداد آئے۔ اور وہاں حدیث کی روایت کی۔ ثقہ تھے۔ ان کی وفات ۴۱۵ھ میں نیشاپور میں واقع ہوئی۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد: ۱۱: ۳۲۹ اور تاریخ جرجان: ۵۰۳ یاد رہے کہ ایک ابوالحسن الاہوازی اور بھی ہیں۔ ان کا نام ابوالحسن محمد بن احمد بن علی الاہوازی ہے۔ اور ابن ابی علی الاصبہانی کے نام سے مشہور ہیں ۳۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۴۲۸ھ میں وفات پائی۔ انھوں نے جب حدیث کی روایت کی تو اُن کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا۔ چنانچہ بعض لوگ انھیں "جراب الکذب" کہا کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۴۱) میں نے ان کا یہاں ذکر صرف اس لئے کیا کہ قشیری کے استاد اور اس ابوالحسن میں امتیاز ہو سکے۔

۱۱۔ ابوالحسین علی بن محمد بن عبداللہ بن بشران بن محمد الاموی البغدادی المعدل

یہ عبدالملک بن محمد کے بھائی ہیں۔ انھوں نے علی بن محمد المصری، اسمٰعیل بن محمد الصفار، محمد بن عمرو الرزاز، ابوالحسین بن الاشنانی، ابوعمرو بن السماک، الحسین بن صفوان البرذعی، احمد بن محمد بن جعفر الجوری، محمد بن جعفر الآدمی القاری، حمزہ بن محمد الدہقان اور دیگر لوگوں سے حدیث سنی۔ اور ان سے خطیب بغدادی نے حدیث لکھی۔

خطیب لکھتے ہیں: یہ صدوق، ثقہ، ثبت، اچھے اخلاق والے، صاحب مروت تامہ اور ظاہر الدیانت تھے۔ بغداد میں اُن کی رہائش درب الکیرانی کے محلہ میں تھی۔ ۳۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۱۵ھ میں وفات پائی۔

(تاریخ بغداد: ۱۲: ۹۸-۹۹ والمنتظم ۸: ۸-۱۹ اور شذرات الذہب: ۳: ۲۰۳)

۱۲۔ ابوبکر محمد بن احمد بن عبدوس الحیری

حیرۃ نیشاپور کے قریب ایک چھوٹی سی بستی کا نام تھا۔ اسی کی طرف یہ نسبت ہے۔

حمزہ جرجانی نے تاریخ جرجان (صفحہ ۴۱۹) میں محمد بن احمد عبدوس الجرجانی المعروف بابی نصر بن ابی العباس الاسفرائنی کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے نیشاپور میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ جرجان میں ابوبکر اسماعیلی سے روایت کی اور ۴۲۳ھ میں نیشاپور میں وفات پائی۔

۱۳۔ استاد ابوبکر محمد بن الحسن بن فُورک

استاد ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک الانصاری الاصبہانی متکلم، اصولی، ادیب، نحوی، واعظ اور اشعری تھے۔ دراصل اصفہان کے رہنے والے تھے۔ پہلے مدت تک عراق میں درس دیتے رہے پھر رے چلے گئے۔ عراق میں ابوالحسن الباہلی سے مذہب اشعری کی تعلیم لی۔ رَیّ پہنچے تو مبتدعہ یعنی معتزلہ نے سلطان کے پاس ان کی شکایت کردی⁽¹⁾۔

ابوعبداللہ الحاکم کہتے ہیں کہ اس پر ہم نے امیر ناصر الدولہ ابوالحسن محمد بن ابراہیم کے پاس آکر درخواست کی کہ وہ ابن فورک کو نیشاپور آنے کی دعوت دیں۔ ابن فورک نے ان کی دعوت کو قبول کیا اور نیشاپور چلے آئے۔ اور وہاں اپنا گھر بھی بنا لیا۔ اُن کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا گیا اور اُن کے ذریعہ سے مختلف علوم کا احیاء ہوا۔ انھوں نے عبداللہ بن جعفر الاصبہانی سے حدیث سنی۔ بصرہ اور بغداد میں بھی کثرت سے حدیث سنی۔ ابومحمد بن فارس سے مسند طیالسی کی روایت کی۔ حاکم نے ان سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔

عبدالغافر بن اسمٰعیل فرماتے ہیں: مَیں نے ابوصالح المؤذن کو فرماتے سنا کہ استاد ابُوعلی دقاق مجلس قائم کرتے تو شہر کے حاضرین اور غائبین اور ائمہ کے لئے دعا کیا کرتے۔ ایک روز کسی نے کہا: آپ ابن فورک کو بھول گئے ہیں۔ کیونکہ آپ نے ان کے لئے دعا نہیں کی۔ فرمایا: کیا میں ان کے لئے دعا کر سکتا ہوں۔ جب کہ کل ہی مَیں نے اُن کے ایمان کی قسم دے کر اللہ سے درخواست کی تھی۔ کہ مجھے پیٹ درد کی بیماری سے شفا دے۔

---

(۱) یاد رہے کہ شذرات الذہب (۳: ۱۸۱) میں فسبعت بہ المبتدعۃ چھپا ہے اور یہ غلط ہے۔ درست فسَعَتْ بہ المبتدعۃ ہے۔ جیسا کہ وفیات الاعیان (۳: ۴۰۲) میں ہے۔

۴۷۳ھ میں جب ابو عثمان مغربی کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے وصیت کی کہ ابو بکر بن فورک ان کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

ابو الحجاج یوسف بن دوناس العبدلاوی المالکی جو دمشق میں باب الصغیر کے باہر مدفون ہیں اور وہاں اُن کی قبر مقبولیت دعا کے لئے مشہور ہے۔ فرماتے ہیں: ابو بکر بن فورک قرآن مجید کی اس قدر تعظیم کیا کرتے تھے کہ جس کمرے میں قرآن مجید ہوتا وہاں نہ سویا کرتے تھے۔

علم کلام پڑھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ اصفہان میں ایک فقیہ کے پاس جایا کرتے تھے۔ انھوں نے جب یہ سنا کہ حجر اسود دنیا میں اللہ کا دایاں ہاتھ ہے تو انھوں نے اس فقیہ سے اس کا مطلب دریافت کیا، مگر فقیہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ انھیں ایک متکلم کا پتہ بتایا گیا جن سے انھوں نے یہ مسئلہ حل کرایا۔ اس پر انھوں نے علم کلام سیکھا۔

ابو القاسم قشیری فرماتے ہیں: کہ میں نے ابن فورک کو فرماتے سنا کہ مجھے دین میں آزمائش کے لیئے قید کر کے شیراز لایا گیا۔ جب شہر کے دروازے پر پہنچا تو صبح ہو چکی تھی اور میں مغموم تھا۔ دن چڑھا تو میری نگاہ ایک مسجد کے محراب پر پڑی۔ جہاں اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ لکھا ہوا تھا۔ اس پر میں ہوش میں آیا اور سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ میری حفاظت کرے گا۔ ابن فورک ابو عبداللہ بن کرام کا خوب رد کیا کرتے تھے اور جو مصائب انھیں جھیلنا پڑیں ان کا سبب وہ شور تھا جو ابن کرام کے پیروکاروں اور ان کی مجسمہ جماعت نے بپا کر رکھا تھا۔

ابن فورک زاہد اور عبادت گذار تھے۔ انہیں غزنہ بلایا گیا اور وہاں انھوں نے کئی مناظرے کئے۔ اور واپسی پر بُست کے راستہ میں انہیں زہر دی گئی۔ جس سے ۴۰۶ھ میں اُن کی وفات ہوئی۔ اور نیشاپور سے جا کر قریب کی ایک حیرہ نامی بستی میں دفن کیا گیا۔

ابن خلکان، سبکی اور عبد الغافر نے لکھا ہے[1]۔

ومشھدہ بھا ظاھر یُزار یُستسقیٰ بہ ویُستجابُ الدعوۃ عندہ

ابن حزم اور ابن فورک ابن حزم ظاہری نے اپنی عادت کے مطابق انہیں بھی خوب کوسا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں[2]:

(۱) طبقات الشافعیہ الکبریٰ: ۳: ۵۳ و وفیات الاعیان: ۳: ۴۰۲م (۲) اردو ترجمہ الملل والنحل: ۳: ۲۲۹

باقلانی، ابن فورک اور ان کے گمراہ وجاہل گروہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء نہیں ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں[1]:

ان سب نے کہا کہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب آج رسول اللہ نہیں۔ لیکن وہ رسول اللہ تھے۔ اسی مسئلہ پر امیر محمود بن سبکتگین مولائی امیر المومنین وصاحب خراسان رحمہ اللہ نے ابن فورک شیخ اشعریہ کو قتل کیا۔

ابن حزم کا یہ اشاعرہ پر اتہام اور ان کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈا ہے۔ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ حنابلہ نے اشاعرہ پر غلط قسم کے اتہامات لگا رکھے تھے۔ اور اُن کی خوب تشہیر کی تھی اور اس میں کرامیہ بھی اُن کے ساتھ شریک تھے۔ ان اتہامات میں سے ایک اتہام یہ تھا کہ اشاعرہ کا یہ عقیدہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج نبی نہیں ہیں اور یہی الزام اشاعرہ کے سردار ابوالحسن اشعریؒ[2] پر بھی لگایا گیا تھا۔

حقیقۃ الامر

دراصل بات یہ تھی کہ ابن فورک کرامیہ کے سخت مخالف تھے اور وہ ان کے خلاف تقریریں کرتے رہتے تھے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں[3]:

كان شديد الرّدّ على اصحاب ابى عبد الله بن كرّام۔

اور سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) عقیدۃً کرامی تھا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں[4]

وكان على مذهب الكرامية فى الاعتقاد

سلطان کو دیکھ کر شعراء نے بھی اسی عقیدہ کو اپنانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ ابوالفتح علی بن محمد البستی الشاعر (م ۴۰۰ھ) نے جب کرامیہ کی گرم بازاری دیکھی تو اس نے بھی کرامیہ کی تعریف کی چنانچہ کہتا ہے۔

---

(۱) اردو ترجمہ الملل والنحل: ۳: ۲۵۰۔ (۲) انہی لوگوں کے جواب میں ابن عساکر کو تبیین کذب المفتری المشہود بطبقات الاشاعرہ لکھنی پڑی۔ (۳) وفیات الاعیان: ۳: ۴۰۲ اور طبقات الشافعیہ: ۳: ۵۳ (۴) البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۳۰، شہرستانی (الملل والنحل: ۱: ۴۲) لکھتے ہیں: وصار ذلك مذهبا قد نصره محمود بن سبكتكين السلطان وصبّ البلاء على اصحاب الحديث والشيعة من جهتهم۔

وَالفِقهُ[۱] فِقهُ أَبِي حَنِيفَةَ وَحدَهُ　　وَالدِّينُ دِينُ مُحَمَّدِ بنِ كَرَّامِ

إِنَّ الَّذِينَ أَرَاهُم لَم يُؤمِنُوا　　بِمُحَمَّدِ بنِ كَرَّامَ غَيرُ كِرَامِ

(اگر فقہ ہے تو صرف ابوحنیفہ کی فقہ ہے۔ اور اگر کوئی دین ہے تو محمد بن کرام کا ہے۔ جو لوگ محمد بن کرام پر ایمان نہیں رکھتے وہ شرفا نہیں ہیں)

یاد رہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب سلطان محمود فقہ حنفی کے مطابق چلتا تھا مگر بعد میں القفال الصغیر (م ۴۱۷ھ[۲]) کی کوشش سے سلطان نے فقہ شافعی کو اختیار کر لیا تھا۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ کرامیہ کا بانی ابوعبداللہ محمد بن کرام (م ۲۵۵ھ) تھا۔ اس کے بعد ابویعقوب اسحٰق بن محمشاد نے شہرت حاصل کی اور ان کا سردار بنا۔ اس نے ۳۸۳ھ میں وفات پائی[۳]۔ یہ بھی نیشاپور ہی کا رہنے والا تھا۔ اور اس کی سرگرمی کا مرکز نیشاپور اور نواح کے علاقے تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابوبکر محمد بن اسحٰق بن محمشاد نیشاپور میں اس کا جانشین بنا۔ یہ زہد و عبادت میں اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا[۴]۔ امیر ناصر الدین ابومنصور سبکتگین اس کے ظاہری زہد و عبادت کو دیکھ کر اس کا معتقد ہو گیا۔ اور کرامیہ کو بڑی عزت و احترام سے دیکھنے لگا۔

ابن فورک کے عہد میں کرامیہ کا سردار محمد بن الہیصم تھا۔ جس کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ذات ہے جو تمام موجودات سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ وہ اوپر کی جہت میں ہے۔ اس کے اور عرش کے درمیان لامتناہی بعد پایا جاتا ہے[۵]۔

یہ ابن الہیصم کرامیہ کا بہت بڑا متکلم اور مناظر تھا۔ سلطان کے درباری علماء میں نہ اس کا مقابلہ کرنے کی تاب تھی۔ اور نہ اس قدر جرأت اور قوت ایمان کہ کرامیہ کی طرف سلطان کے میلان کو جانتے ہوئے وہ اس کے مقابلے کے لئے آئیں۔ اس کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لئے ابن فورک کو بلایا گیا اور

---

(۱) تاریخ یمینی : ۲۲۴ (۲) قفال (قفل ساز) کے نام سے دو شخص مشہور ہیں۔ ایک صغیر اور دوسرا کبیر۔ ابوبکر محمد بن اسمٰعیل الشاشی (م ۳۶۵ھ) کو القفال الکبیر کہا جاتا ہے۔ اور ابوبکر عبداللہ بن احمد المروزی کو القفال الصغیر سلطان کے شافعی بننے کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ وفیات الاعیان ، ۴ : ۲۶۷ (۳) اللباب : ۳ : ۳۳ و شذرات الذہب : ۳ : ۱۰۴

(۴) محمد بن اسحٰق بن محمشاد کی منافقت اور مکاری کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ یمینی ۴۳۴ تا ۴۳۹ (۵) شہرستانی : الملل والنحل : ۱ : ۱۶ ز۔

سلطان کی موجودگی میں ان دونوں کے درمیان مسئلہ العرش[۱] پر مناظرے ہوئے ۔ ابن الہیصم نے خود اپنی کسی تصنیف میں ان مناظروں کا ذکر کیا ہے ۔ ان مناظروں میں ابن فورک نے ابن الہیصم کو ایسے مسکت جوابات دیئے جن سے وہ چکرا گیا ۔ بالآخر کرامیہ نے ایک چال چلی اور سلطان سے کہا کہ یہ شخص تو بڑا بدعتی اور کافر ہے ۔ کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نبی نہیں ۔ اور یہ کہ ان کی وفات کے ساتھ ہی اُن کی رسالت بھی منقطع ہوگئی تھی ۔ سلطان پہلے سے ہی ابن فورک کے خلاف تھا ۔ جب بلاکر انھیں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا : یہ لوگ جو باتیں اشاعرہ اور میری طرف منسوب کر رہے ہیں سب افترا اور جھوٹ ہے ۔ ان کا عقیدہ ہے کہ :۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں ۔ اور مجازاً نہیں بلکہ حقیقی طور پر ابدالآباد تک رسول ہیں ۔ اور یہ کہ وہ اس وقت بھی نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کی حالت میں تھے ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آج تک چلی آئی ہے اور چلی جائے گی[۲]۔ جب سلطان پر حقیقت واضح ہوگئی تو اُس نے نہایت احترام کے ساتھ ابن فورک کو واپس وطن روانہ کیا[۳]۔ مگر کرامیہ نے سازش کرکے ان کو راستہ ہی میں زہر دے دی ۔

ان کی سو کے قریب تصانیف ہیں ۔ ان کے علمی انہماک کا پتہ ان کے اس قول سے چلتا ہے ۔

شغل العیال نتیجۃ متابعۃ الشھوۃ بالحلال فما ظنک بقضیۃ شھوۃ الحرام

(حلال اور جائز طور پر خواہشات کی تابعداری کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اہل وعیال میں مشغول ہو جاتا ہے ۔ اب خود خیال کرلیں کہ حرام طور پر خواہشات کی تابعداری کا کیا نتیجہ ہوگا)

---

(۱) یاد رہے کہ ایک طرف تو معتزلہ اور اہل سنت کے درمیان اس مسئلہ پر بحث ہوا کرتی اور دوسری طرف حنابلہ اور اشاعرہ کے درمیان بھی یہی مسئلہ زیر بحث رہتا ۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے اس پر ایک رسالہ لکھا ۔ پھر ان کے شاگرد ابن قیم نے اجتماع الجیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ والجہمیۃ لکھی ۔ (۲) طبقات الشافعیہ : ۳ : ۵۴ (۲) یہ سبکی (طبقات الشافعیہ : ۳ : ۵۴) کا بیان ہے ۔ مگر ابن کثیر لکھتے ہیں (البدایہ والنہایہ : ۱۲ : ۳۰) سلطان نے انھیں غزنہ سے نکال دینے کا حکم دیا تھا (۳) وفیات الاعیان : ۳ : ۴۰۲

ابن فورک کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ ابن خلکان : ۳ : ۴۰۲ وشذرات الذہب : ۳ : ۱۸۱ و اُردو ترجمہ الملل والنحل لابن حزم : ۳ : ۲۵۰ وطبقات الشافعیہ : ۳ : ۵۲ - ۵۶ و البدایہ والنہایہ ۱۲ : ۴۵۰ والمنتظم : ۸ : ۱۲ الاعلام : ۶ : ۳۱۳ اور وہ حوالہ جات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے و معجم المؤلفین : ۹ : ۲۰۸ مع حوالہ جات۔

۱۴۔ ابوبکر محمد بن ابی بکر الطوسی

ابوبکر محمد بن احمد بن حمدویہ الطوسی ۴۰۵ھ میں حج کے لئے جاتے ہوئے بغداد آئے۔ اور وہاں ابو العباس الاصم (م ۳۴۶ھ) سے حدیث کی روایت کی۔ ان سے ہبۃ اللہ بن الحسن بن منصور طبری نے روایت کی ہے۔ صدوق تھے۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ان کی وفات ۴۰۵ھ سے تھوڑا ہی عرصہ بعد ہوئی (تاریخ بغداد : ۱ : ۳۵۱)

۱۵۔ ابوالحسین محمد بن الحسین القطّان

ابوالحسین محمد بن الحسین بن محمد بن الفضل بن یعقوب بن یوسف بن سالم بن الازرق القطّان یہ دراصل متوث کے رہنے والے تھے۔ متوث قرقوب اور کوراہواز کے درمیان ایک شہر کا نام ہے[1]۔

۳۳۵ھ میں پیدا ہوئے اسمٰعیل بن صفّار، محمد بن یحییٰ بن عمر بن علی بن حرب، ابوعمرو السماک، احمد بن سلمان النجاد، عبداللہ بن جعفر درستویہ، ابوالحسین بن ماتی الکوفی اور جعفر خلدی وغیرہم سے حدیث کی روایت کی۔ کثیر الحدیث اور ثقہ تھے۔ انہوں نے بغداد کے ایک بہت بڑے محلہ دارقطن میں رہائش اختیار کر لی تھی۔

۲ ماہ رمضان پیروار کی رات نصف شب کے وقت ۴۱۵ھ وفات پائی۔ اور باب الدیر کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

(تاریخ بغداد : ۲ : ۲۴۹ - ۲۵۰ و المنتظم : ۸ : ۲۰ وشذرات الذہب : ۳ : ۲۰۳)

(۱) اللباب : ۳ : ۹۶

۱۶۔ ابوعبدالرحمٰن محمد بن الحسین السُّلمیٰ

نورالدین شربیہ نے طبقات الصوفیہ پر جو مقدمہ لکھا ہے اس میں انھوں نے ان کے مفصل حالات دیئے۔ یہاں صرف ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

ان کا نام ابوعبدالرحمٰن محمد بن الحسین بن محمد بن موسیٰ السُّلمی ہے۔ سُلمی نسبت عربوں کے مشہور قبیلہ بنی سُلیم کی طرف ہے۔ دراصل یہ خود تو بنی سُلیم میں سے نہ تھے۔ مگر انھوں نے ۳۲۰ھ میں اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے نانا ابوعمر و اسمٰعیل بن نجیدؔ کے پاس پرورش پائی تھی۔ اور وہ بنی سُلیم میں سے تھے۔ مزید برآں وہ صاحبِ ثروت اور ذی اثر لوگوں میں سے تھے۔ اس لئے یہ بھی سُلمیٰ مشہور ہو گئے۔

ابوعبدالرحمٰن ۳۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد اکثر تنگدست رہتے تھے۔ مگر اس کے باوجود بیٹے کی ولادت پر کچھ سامان بیچ کر جو رقم ملی اُسے فقراء میں تقسیم کیا۔

ابوعبدالرحمٰن کے والد اپنے زمانے کے جلیل القدر صوفی، صاحب مجاہدہ اور زاہد گزرے ہیں۔ اُن کی والدہ بھی اپنی خاندانی روایات کے مطابق صوفیہ تھیں۔ چنانچہ جب ابوعبدالرحمٰن کے پیر ابوالقاسم نصرآبادی حج کو جانے لگے تو انھوں نے اپنی والدہ سے ان کے ہمراہ جانے کی اجازت طلب کی۔ اس وقت والدہ نے کہا۔

بیٹیا! تم اللہ کے گھر کی طرف جا رہے ہو۔ لہٰذا خبردار رہنا کہ تمہارے دونوں محافظ فرشتے کوئی ایسی بات لکھنے نہ پائیں جس کی وجہ سے تمہیں روزِ قیامت شرمندہ ہونا پڑے۔

ابوعبدالرحمٰن نے چھوٹی عمر میں ہی حدیث لکھنی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ انھوں نے ۳۳۳ھ میں ابوبکر الضبعی (م ۳۴۲ھ) سے جو اپنے وقت میں نیشاپور کے مشہور عالم اور محدث تھے۔ حدیث لکھی۔ نیشاپور کے علماء سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ طلبِ علم کی غرض سے وطن سے نکلے۔ اور عراق، رَیّ، ہمدان، مرو اور حجاز وغیرہ کا سفر کیا۔ تاکہ وہاں کے علماء سے حدیث لکھیں۔ اور شیوخ کی ملاقات کریں۔

نورالدین شربیہ نے اُن کے ۱۲۸ اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔ یہاں صرف چار کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ ابوالحسن دارقطنی (م ۳۸۵ھ) یہ اپنے عہد کے بہت بڑے محدث تھے۔

۲۔ ابونصر سراج (م ۳۷۸ھ) مصنف کتاب اللمع مشہور صوفی ہوئے ہیں۔

۳۔ ابوالقاسم النصرآبادی (۳۶۷ھ) اپنے وقت کے مشہور صوفی ہیں۔

۴۔ ابوعمرو بن نجید (م ۳۶۶ھ) ابوعبدالرحمٰن کے نانا اور صوفی ہوئے ہیں۔

سُلمیٰ کے شاگرد

نورالدین شریبہ نے ان کے ۲۳ شاگردوں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں صرف چند نام پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری

۲۔ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی۔ مشہور محدث ہیں۔ پیدائش ۳۸۴ھ میں اور وفات ۴۵۸ھ میں ہوئی۔

۳۔ ابوبکر احمد بن علی الشیرازی المتوفی ۴۸۷ھ

۴۔ ابومحمد عبداللہ بن یوسف الجوینی۔ یہ ابوالمعالی امام الحرمین کے والد ہیں ۴۳۱ھ میں وفات پائی۔

۵۔ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر المتوفی ۴۴۰ھ

۶۔ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم المتوفی ۴۰۵ھ

تصانیف

سُلمیٰ کی والدہ اپنے والد ابوعمرو بن نجید کی واحد وارث تھیں۔ انھیں جائیداد کے علاوہ ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی ورثہ میں ملا تھا۔ سُلمیٰ نے اس کتب خانہ سے فائدہ اٹھایا اور چھوٹی عمر میں ہی تصنیف کا کام شروع کر دیا۔ ان کی پہلی تصنیف تقریباً ۳۵۰ھ میں منصۂ شہود پر آئی۔ نورالدین شریبہ نے اُن کی ۲۹ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

نورالدین شریبہ نے قابل داد محنت کے ساتھ مقدمہ لکھا ہے۔ اس کے باوجود سُلمیٰ کے تین اہم اساتذہ کے نام رہ گئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ ابوعمرو جعفر بن محمد بن مطر

۲۔ ابوطاہر الاسفرائنی

۳۔ محمد بن احمد بن طاہر الصوفی

سُلمی نے ۳ شعبان ۴۱۲ھ میں وفات پائی۔

۱۷۔ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ الطہمانی النیشاپوری المعروف بابن البیع۔ بیع
.دا کرانے والا) اس شخص کو کہتے ہیں جو خریدار اور بیچنے والے کے درمیان واسطہ بن کر سامان وغیرہ
.یدو فروخت کروا دیتا ہے۔ اور جسے ہمارے ہاں دلّال کہا جاتا ہے چونکہ ان کے والد کاروان سراؤں
دلّالی کا کام کیا کرتے تھے۔ اس لئے اس نام سے مشہور ہو گئے۔ اور کچھ عرصہ تک قاضی کے
.ہ پر فائز رہنے کی وجہ سے حاکم کے نام سے مشہور ہوئے۔

ابوعبداللہ الحاکم ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ابھی بچے ہی تھے کہ ان کے والد نے انھیں حدیث
ن۔ رجب نو سال کی عمر ہوئی تو انھوں نے خود حدیث کی سماعت شروع کر دی۔ طلبِ حدیث
ہت سے سفر اختیار کئے۔ اور تقریباً دو ہزار شیوخ سے حدیث سنی۔ ان کے والد نے امام
سین مسلم بن الحجاج القشیری (م ۲۶۱ھ) کو دیکھا ہے۔ ان کے اساتذہ میں ابُوعلی الحسین بن علی بن
ن داوٗد النیشاپوری الحافظ (م ۳۴۹ھ) کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے کیونکہ اُن کی صحبت سے حاکم
ت فائدہ پہنچا۔ ان سے دارقطنی (م ۳۸۵ھ) ابوالفتح بن ابی الفوارس (م ۴۱۲ھ)، ابوذر الہروی
۴۳ھ)، ابویعلی الخلیلی (م ۴۴۶ھ)، ابوبکر البیہقی (م ۴۵۸ھ) ابوالقاسم قشیری اور دیگر لوگوں نے
ت کی۔

.بوبکر خطیب لکھتے ہیں کہ حاکم ثقہ تھے۔ مگر ان میں تشیع کی طرف میلان پایا جاتا تھا۔ یہ صالح اور عالم
.حاکم کے زمانہ کے سرکردہ علماء مثلاً ابوسہل صعلوکی، امام ابن فورک اور دیگر ائمہ سب انھیں اپنے
فضل سمجھتے تھے۔ اور ان کا احترام کرتے تھے۔ سبکی نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان پر تشیع کا الزام
ت نہیں ہے۔

حاکم نے پانچ سو کے قریب تصانیف کیں۔ جن میں زیادہ مشہور مستدرک اور تاریخ نیشاپور ہے۔
رک میں حاکم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے اس میں وہ احادیث جمع کی ہیں جو بخاری اور مسلم کی
کے مطابق ہیں۔ مگر لوگوں نے اس کتاب کی بہت سی ایسی احادیث نکالی ہیں جو بخاری اور مسلم

کی شرط کے مطابق نہیں ہیں۔ بعض احادیث کو علماء نے موضوع قرار دیا ہے۔ ذہبی نے مستدرک کی شرح لکھی ہے۔ ان میں تشیع کی صرف اتنی بات پائی جاتی تھی کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مخالفین کے مخالف تھے مگر شیخین کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔

ان کی وفات کا واقعہ یہ ہے کہ یہ حمام میں غسل کرنے کے لئے گئے۔ غسل کرکے باہر آئے اور ابھی تہمد ہی باندھا تھا۔ اور قمیض نہ پہنی تھی کہ آہ کہا اور جان دے دی۔ ان کی وفات ۴۰۵ھ میں ہوئی۔ اور ابوبکر حیری (م ۴۲۱ھ) نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد: ۵ : ۴۷۳-۴۷۴ و المنتظم: ۷ : ۲۷۴-۲۷۵ اللباب: ۱: ۲۶۲ و دول الاسلام: ۱ : ۱۷۷ و تذکرۃ الحفاظ: ۳ : ۲۲۷-۲۳۳ و طبقات الشافعیہ: ۳ : ۶۴ و البدایہ والنہایہ: ۱۱ : ۳۵۵ و شذرات الذہب: ۳ : ۱۷۶-۱۷۷ و الاسلام: ۷ : ۱۰۱ اور وہ مراجع جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے و معجم المؤلفین: ۱۰ : ۲۳۸ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

۱۸- ابن باکویہ محمد بن عبد اللہ بن عبید اللہ الشیرازی

ابوعبداللہ محمد بن عبیداللہ الشیرازی المعروف بہ ابن باکویہ۔ باکو شروان کے قریب ایک شہر کا نام ہے جس کی طرف ان کا دادا منسوب ہوتا تھا۔ ابن باکویہ اپنے زمانے کے کبار صوفیہ میں سے تھے۔ یہ محمد بن خفیف (م ۳۹۱ھ) کی صحبت میں رہے۔ حدیث کی تلاش میں سفر اختیار کئے۔ اور فارس بصرہ، جرجان، خراسان، بخارا، دمشق، کوفہ اور اصفہان میں کثرت سے حدیث سنی اور ابو احمد بن عدی، قطیعی اور اس طبقہ کے دیگر لوگوں سے حدیث کی روایت کی۔ ابو صالح مؤذن کہتے ہیں کہ میں نے ان کے اجزاء کو دیکھا ہے۔ مگر مجھے ان میں سماع کے آثار دکھائی نہیں دیئے۔ ان میں زیادہ تر حکایات ہی پائی جاتی ہیں۔ انھوں نے ۴۲۸ھ میں وفات پائی

(ان کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: اللباب: ۱ : ۹۱ و لسان المیزان: ۵ : ۲۳۰-۲۳۱ و شذرات الذہب: ۳ : ۲۴۲

۱۹- محمد بن یوسف السہمی

ابوسعید محمد بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ السہمی القزاز۔ انہوں نے ابوبکر اسماعیل، ابواحمد بن عدی،

ابوبکر القرامی اور جرجان کے دیگر لوگوں سے روایت کی اور نیشاپور کے لوگوں میں سے اسمٰعیل بن محمد، ابن مطر، ابوالحسن سراج اور اس طبقہ کے دیگر لوگوں سے یہ حمزہ بن یوسف سہمی کے بھائی تھے۔ ان کا بیٹا ابوحکیم رضی بن محمد بن یوسف کے نام مشہور ہے۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ جرجان: ۴۰۵۔

یاد رہے کہ ابن العماد نے محمد بن یوسف الجرجانی ابوزرعۃ الکشی (م ۳۹۰ھ) نامی ایک شخص کا ذکر کیا ہے۔ مگر وہ یہاں مراد نہیں ہیں۔

۲۰۔ ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر بن محمد بن عبداللہ البغدادی التمیمی

ابومنصور تمیمی امام کبیر تھے۔ فقہ، اصول فقہ، فرائض، حساب اور علم کلام میں لاثانی تھے۔ خراسان کے بیشتر لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا۔ انھوں نے ابوعمرو بن نجید، ابوعمرو محمد بن جعفر بن مطر، ابوبکر اسماعیلی اور ابوبکر بن عدی وغیرہم سے حدیث سنی۔ یہ سترہ قسم کے علوم کا درس دیا کرتے تھے۔ اپنے باپ ابوعبداللہ طاہر (م ۳۸۳ھ) کے ہمراہ نیشاپور آئے۔ مگر ترکمانوں کے فتنہ کی وجہ سے یہ نیشاپور چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ جب نیشاپور آئے تھے تو بہت مالدار تھے۔ اہل علم اور اہل حدیث پر اس قدر روپیہ خرچ کیا کہ خود مفلس ہو گئے۔ استاد ابواسحٰق سے علم حاصل کیا۔ پھر بعد میں انہیں انہی کی جگہ املاء حدیث کے لئے بٹھایا گیا۔ اور کئی سال تک حدیث لکھاتے رہے۔ بڑے بڑے اماموں نے ان کی شاگردی کی۔ ترکمانوں کے فتنہ میں اسفرائن چلے گئے تھے اور وہیں ۴۲۹ھ میں وفات پائی۔ اور اپنے استاد ابواسحٰق کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۳۸ - ۲۴۲ و الاعلام: ۴: ۱۷۳ اور وہ مقالات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ معجم المؤلفین: ۱۵: ۳۰۹

قشیری کے اساتذۂ حدیث میں سے مندرجہ ذیل کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

۱۔ ابونعیم احمد بن محمد بن ابراہیم المہرجانی۔

۲۔ عبدالرحمٰن بن محمد عبدالوہاب العدل

۳۔ ابوسعید محمد بن ابراہیم الاسماعیلی۔ اس خاندان کے دوسرے افراد یہ ہیں: ابوبکر احمد بن محمد بن

اسمٰعیل بن اسحٰق الاسماعیلی النجاری (م ۳۸۴ھ) و ابونصر محمد بن احمد ابراہیم (م ۴۰۵ھ) (اللباب: ۱: ۴۶) اور ان کے بھائی ابوبکر احمد بن ابراہیم بن اسمٰعیل الاسماعیلی (م ۳۷۰ھ یا ۳۷۱ھ) یہ جرجان کے حفاظ حدیث میں سے تھے۔

ان کے علاوہ وہ اساتذہ ہیں جن سے قیشری نے اقوال صوفیہ اور حکایات و کرامات کی حکایت کی ہے اور وہ یہ ہیں۔

۲۱۔ ابوحاتم سجستانی

اس نام سے بہت دھوکا ہوتا ہے کیونکہ ایک ابوحاتم سجستانی (م ۲۵۰ھ) قیشری کے زمانے سے بہت پہلے گذرے ہیں۔ قیشری نے انھیں کہیں ابوحاتم صوفی کہیں محمد بن احمد الصوفی اور کہیں محمد بن احمد بن یحیٰی لکھا ہے۔ جس سے گمان گذرتا ہے کہ شاید یہ متعدد اشخاص کے نام ہیں۔ بالآخر تاریخ بغداد (۵: ۱۳۵) اور تلبیس ابلیس (صفحہ: ۲۳۹) سے معلوم ہوا کہ یہ ایک ہی شخص ہیں۔

یہ حافظِ حدیث اور امام فقہ تھے۔ ابونصر سراج کے مرید تھے۔

۲۲۔ ابوالحسن محمد بن الحسین العلوی

ابوالحسن محمد بن الحسین بن داوٗد العلوی الحسینی النیشاپوری۔ یہ سادات کے شیوخ میں سے تھے۔ انھوں نے ابوحامد الشرقی، محمد بن اسمٰعیل المروزی اور اس طبقہ کے دیگر لوگوں سے روایت کی۔ یہ بزرگ اور صائع اللسان تھے۔ حاکم کہتے ہیں کہ میں نے ان کی خاطر مجلس املاء منعقد کی اور ان کے لئے ایک ہزار حدیث کا انتخاب کیا۔ ان کی مجلس میں ایک ہزار دواتوں کا استعمال ہوتا تھا۔ ان کی وفات اچانک ۴۰۱ھ میں ہوئی۔

(شذرات الذہب: ۳: ۱۶۲)

قیشری کے دیگر اساتذہ جن کے حالات معلوم نہ ہو سکے یہ ہیں:

۱۔ عبدالرحمٰن بن یوسف الاصفہانی۔ یہ عبداللہ بن یوسف الاصبہانی کے بھائی تھے۔

۲۔ ابوالفرج شیرازی (۳) احمد بن محمد ۴۔ احمد بن یحیٰی ابیوردی۔

۵۔ رستم شیرازی ۶۔ محمد بن عیلہ الصوفی ۷۔ منصور مغربی

قشیری کے تلامذہ

علمی دنیا میں انسانی خوش بختی کی ایک علامت یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر ایک طرف اس کے اساتذہ بلند پایہ شخصیتیں ہوں تو دوسری طرف اس کے تلامذہ بھی ایسے ہی نکلیں۔ قشیری کو قدرت کی طرف سے یہ عطیہ بھی ملا تھا۔ چنانچہ اُن کے تلامذہ بھی عظیم المرتبہ ہستیاں گزری ہیں۔

۱- ابوبکر خطیب بغدادی

ابوبکر احمد بن علی بن ثابت ابن احمد بن مہدی الخطیب البغدادی جمعرات ۲۴ جمادی الآخرہ ۳۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ گیارہ سال کی عمر میں انھوں نے حدیث سننی شروع کر دی تھی۔ بغداد ہی میں نشو و نما پایا۔ پہلے قرآن مجید اور قراءتوں کا علم پڑھا۔ قاضی ابوطیب طبری (م ۴۵۰ھ) اور ابوالحسن المحاملی (م ۴۱۵ھ) سے علم فقہ پڑھا اور بغدادیوں سے کثرت سے حدیث سنی۔ پھر بصرہ گئے۔ اس کے بعد نیشاپور، اصفہان، ہمدان اور جبال گئے۔ اور پھر واپس بغداد آ گئے

مکہ میں انھوں نے قاضی ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ القضاعی (م ۴۵۴ھ) سے حدیث سنی۔ اور کریمہ بنت احمد (م ۴۶۳ھ) سے پانچ دن میں صحیح بخاری پڑھی۔ درب ریحان میں خطبہ دینے کی وجہ سے خطیب کے لقب سے مشہور ہوئے۔

خطیب بغدادی کی ذہانت

ابوبکر خطیب ابوالقاسم بن مسلمہ الوزیر کے منظور نظر تھے۔ جب خیبر کے یہودیوں نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ ان کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی تحریر ہے۔ جس میں آپ نے انھیں جزیہ معاف کر دیا تھا۔ تو وزیر نے وہ تحریر ابوبکر خطیب کو دکھائی۔ خطیب نے اس تحریر پر سرسری سی نظر ڈال کر کہا: یہ تحریر جعلی ہے۔ وزیر نے اس کا ثبوت مانگا تو جواب دیا: اس تحریر میں معاویہ بن ابی سفیان کی گواہی ثبت ہے۔ حالانکہ وہ جنگ خیبر کے زمانہ تک ایمان نہ لائے تھے۔ خیبر کی جنگ ۷ھ میں ہوئی۔ اور معاویہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ اس دستاویز میں دوسرے گواہ حضرت سعد بن معاذ ہیں۔ حالانکہ وہ خیبر کی فتح سے پہلے غزوۂ خندق کے سال (۵ھ)، فوت ہو چکے تھے۔ یہ سن کر لوگوں کو ان کی ذہانت پر تعجب ہوا۔

۴۵۰ھ میں جب بغداد میں ابوالحارث ارسلان الترکی المعروف بہ بساسیری (م ۴۵۱ھ) کا فتنہ بپا ہوا۔ تو یہ بغداد سے نکل کر دمشق چلے آئے۔ اور وہاں جامع دمشق کے مشرقی منارہ کے قریب مقیم رہے۔ اور ایک روز انھوں نے وہاں حضرت عباسؓ کے فضائل بیان کئے تو فاطمیوں کے پیرو برانگیختہ ہو گئے۔ اور قریب تھا کہ انھیں مار ڈالیں مگر شریف زینبی نے انھیں پناہ دی۔ دمشق میں ان کا مکان

دارالعقیقی میں تھا۔

دمشق سے نکل کر یہ صور چلے گئے۔ اور وہاں ابوعبداللہ محمد بن علی الصوری (م ۴۲۱ھ) کی تصانیف سے جو اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ بہت سی احادیث لکھیں۔ یہ کتابیں انھوں نے صوری کی بیوی سے مستعار لی تھیں۔ ۴۶۲ھ میں یہ شام میں رہے۔ پھر بغداد چلے آئے اور جو احادیث اس سفر میں سنی تھیں یہاں آکر بیان کیں۔

ان کی ایک سو کے قریب تصانیف ہیں جن میں تاریخ بغداد زیادہ مشہور رہی ہے۔

انھوں نے ۴۶۳ھ میں وفات پائی اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اس وقت کے جلیل القدر علماء نے اُن کی نعش کو اٹھانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور ابواسحٰق شیرازی (م ۴۷۶ھ) نے بھی اس میں حصّہ لیا۔

شیخ ابوبکر بن زہرا نے بشر حافی کے پڑوس میں اپنے لئے ایک قبر تیار کر رکھی تھی۔ اور اس میں کئی ہزار بار قرآن مجید ختم کیا جا چکا تھا۔ ان سے درخواست کی گئی اور وہ رضامند ہو گئے کہ اسیں خطیب کو دفن کر دیا جائے۔

ابوبکر خطیب کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: وفیات الاعیان : ۱: ۷۶-۷۷ و تذکرہ الحفاظ : ۳ : ۳۱۲-۳۲۱ و دول الاسلام : ۱ : ۱۹۹ و المنتظم : ۸ : ۲۶۵-۲۷۰ والبدایہ والنہایہ : ۱۲: ۱۰۱-۱۰۳ و شذرات الذہب : ۳ : ۳۱۱-۳۱۲ والاعلام : ۱ : ۱۶۶ ومعجم المؤلفین : ۲ : ۴۰۲ اور وہ حوالہ جات جو وہاں دیئے گئے ہیں۔

۲۔ ابوابراہیم اسمٰعیل بن حسن العلوی

انھوں نے قشیری سے حدیث سنی اور ۵۲۱ھ میں وفات پائی۔ اس سے زیادہ ان کے متعلق معلوم نہ ہو سکا۔

(معجم البلدان : ۲ : ۱۲۳)

۳۔ ابومحمد اسمٰعیل بن ابی القاسم الغازی النیشاپوری

یہ ابوالقاسم قشیری کے شاگرد اور خادم تھے۔ صوفی اور صالح آدمی تھے۔ انھوں نے ابوالحسین

عبدالغافر اور ابوحفص بن مسرور سے روایت کی۔ ان کی ایک خاص بات یہ تھی کہ انھوں نے تمام صحیح مسلم کی روایت کی ہے۔ بانوے سال کی عمر میں ۵۳۱ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۴: ۹۰)

۴۔ سلمان بن ناصر ابوالقاسم الانصاری

ابوالقاسم سلمان بن ناصر بن عمران الانصاری النیشاپوری العلّامہ۔ یہ شافعی المذہب اور متکلّم تھے۔ امام الحرمین کے بھی شاگرد رہے ہیں۔ صوفی اور زاہد تھے۔ قشیری کے مُرید اور شاگرد تھے۔ انھوں نے حدیث کی روایت ابوالحسین عبدالغافر فارسی سے کی۔ کئی تصانیف کے مالک ہیں۔

ابن شہبہ کہتے ہیں کہ یہ فقہ، علم کلام اور تفسیر کے امام تھے۔ زاہد و پرہیز گار تھے۔ کتابیں نقل کر کے روزی کماتے اور لوگوں سے میل جول رکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ امام الحرمین کی کتاب الارشاد کی شرح لکھی۔ اور کتاب الغینہ تصنیف کی۔ آخر عمر میں ان کی بینائی کمزور ہوگئی تھی اور قدرے شنوائی بھی کم ہوگئی تھی۔

انھوں نے ۵۱۲ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۴: ۴۴)

۵۔ ابوبکر شاہ بن احمد الشادیاخی الصّوفی

شادیاخ نیشاپور کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔ جو شہر سے ملی ہوئی تھی۔ اور وہاں سلطان کا محل ہوا کرتا تھا۔ ابوبکر یہیں کے تھے۔ یہ صوفی اور دیندار تھے۔ عرصہ تک ابوالقاسم قشیری کی خدمت کرتے رہے اور اسی وجہ سے مشہور ہوئے۔ ان سے قشیری کے نواسے عبدالغافر فارسی نے روایت کی ہے ۴۹۲ھ میں وفات پائی۔ (اللباب: ۲: ۴)

۶۔ ابومحمد عبدالجبّار بن محمد بن احمد الخُوارِیّ

خواری نسبت ہے خوار کی طرف اور خواری میں ایک شہر کا نام ہے۔ یہ شافعی مذہب کے مفتی اور نیشاپور کی جامع مسجد کے امام تھے۔ انھوں نے امام الحرمین سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور بیہقی اور قشیری اور دیگر لوگوں سے حدیث سُنی۔ اکانوے سال کی عمر میں ۵۳۶ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۴: ۱۱۴)

۷۔ ابوبکر عبدالرحمٰن بن عبداللہ البحیری

بحیری نسبت ہے ۔ بحیر کی طرف اور بحیر ابوبکر کا ایک دادا تھا۔ انھوں نے قشیری اور احمد بن منصور المغربی (دم ۴۵۹ھ) سے روایت کی ستاسی سال کی عمر میں ۵۴۰ھ میں وفات پائی۔

(شذرات الذہب ۴: ۱۲۵-۱۲۶ اللباب ۱: ۱۰۰-۱۰۱)

۸۔ ابومحمد عبداللہ بن عطاء الابراہیمی

ابومحمد عبداللہ بن عطاء بن عبداللہ بن ابی منصور بن الحسن بن ابراہیم الابراہیمی الہروی الخباز الواعظ۔ انھوں نے ہراۃ میں عبداللہ بن محمد الانصاری (دم ۴۸۱ھ) اور عبداللہ الملیحی (دم ۴۹۱ھ) بعمر چھہتر سال) سے روایت کی۔ بوشنج میں ابوالحسن داؤدی (دم ۴۶۷ھ) سے، نیشاپور میں ابوالقاسم قشیری اور دیگر متعدد لوگوں سے کی۔ بغداد میں ابن النقور (دم ۴۷۰ھ) اور ان کے طبقہ کے دیگر لوگوں سے اور اصفہان میں عبدالوہاب بن مندہ (دم ۴۷۵ھ) اور عبدالرحمٰن بن مندہ (دم ۴۷۰ھ) سے انھوں نے اپنے ہاتھ سے بہت سی احادیث لکھیں اور شیوخ کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ ان سے ابومحمد سبط الخیاط (دم ۵۴۱ھ) ابن الزعفرانی (دم ۵۲۷ھ) اور ابوالمعالی بن النحاس (دم ۵۶۳ھ بعمر چرانوے سال) نے روایت کی۔

ایک جماعت نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ان میں سے مؤتمن ساجی (دم ۵۰۷ھ) وشہردار الدیلمی (دم ۵۵۸ھ) کہتے ہیں کہ یہ صدوق حافظ اور متقن تھے۔ اور وعظ میں خوب ملکہ حاصل تھا۔ ہبۃ اللہ السقطی (دم ۵۰۹ھ) نے ان پر جرح کی ہے مگر چونکہ سقطی خود مجروح ہیں۔ اس لئے ان کی جرح مقبول نہیں۔ ابن السمعانی (دم ۵۶۳ھ) اور ابن الجوزی (دم ۵۹۷ھ) اور دیگر لوگوں نے سقطی کے قول کو مردود قرار دیا ہے۔

ان کی وفات مکہ سے واپسی پر بصرہ سے دو دن کی مسافت پر ۴۷۶ھ میں ہوئی۔

(شذرات الذہب ۳: ۳۵۲-۳۵۳ واللباب ۱: ۱۸)

۹۔ ابو عبد اللہ الفراوی

ابو عبداللہ محمد بن الفضل بن احمد الصاعدی الفراوی النیشاپوری۔ فراوہ[2] خوارزم کے قریب ایک چھوٹا سا شہر تھا جو رباط فراوہ کے نام سے مشہور تھا۔ اسے عبداللہ بن طاہر نے مامون دم ۲۱۸ھ) کے عہد میں بسایا تھا۔

انھوں نے فارسی دم ۴۰۲ھ) سے صحیح مسلم کی روایت کی ہے۔ انھیں مسند خراسان اور فقیہ حرم کہا جاتا تھا۔ شافعی المذہب، مفتی اور مناظر تھے۔ مدت تک امام الحرمین کی صحبت میں رہے۔

قاضی ابن شہبہ فرماتے ہیں: انھیں فقیہ الحرم اس لئے کہا گیا کہ یہ مدت دراز تک حرمین میں رہے اور لوگوں کو حدیث سناتے، علم پھیلاتے اور وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ انھوں نے علم اصول اور علم تفسیر قشیری سے حاصل کیا اور امام الحرمین سے فقہ کی تعلیم لی۔

انھوں نے کثیر التعداد لوگوں سے حدیث سنی۔ مگر صحیح مسلم کی خصوصیت سے روایت کی ہے۔

ابن سمعانی فرماتے ہیں: یہ امام، مفتی، مناظر، واعظ اچھے اخلاق و معاشرت والے تھے۔ سخی تھے۔ اور اجنبیوں کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ایک ہزار سے زائد مجالس میں حدیث لکھائی ہے۔ چنانچہ بعض نے "الفراوی" کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ یہ "اَلفُ راوی" ہے۔ یعنی ایک ہزار راوی۔ تقریباً بیس سال تک لوگوں کو صحیح مسلم سناتے رہے۔

نوے سال کی عمر میں ۵۳۰ھ میں وفات پائی۔ اور محمد بن اسحٰق بن خزیمہ کی قبر کے پاس دفن کئے گئے۔

عجیب اتفاق کی بات یہ ہے کہ جس سال ان کی وفات ہوئی اس سال رمضان کے مہینہ میں انھیں نصرآباد میں امام مسلم بن حجاج کی قبر پر لے جایا گیا اور وہاں ان کی قبر پر صحیح مسلم کی قرارت مکمل ہوئی۔ قرارت سے فارغ ہو کر خود بھی روئے اور لوگوں کو بھی رلایا اور کہا کہ شاید اس کے بعد یہ کتاب نہ پڑھا سکوں۔ چنانچہ اسی سال شوال میں ان کی وفات ہوئی۔

---

(۱) شذرات الذہب میں عبداللہ الفراوی چھپا ہے۔ درست ابو عبداللہ ہے (۲) اللباب: ۲: ۲۰۰

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: المنتظم : ۹ : ۶۵-۶۶ و البدایہ والنہایہ : ۱۲ : ۱۱۱ و شذرات الذہب : ۴ : ۹۶ ؛ معجم المؤلفین : ۱۱ : ۱۲۷ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا ہے۔

۱۰۔ عبدالوہاب بن شاہ ابی الفتوح الشاذیاخی النیشاپوری

یہ تاجر تھے۔ انھوں نے قشیری سے "رسالہ" سنا۔ ابو سہل حفصی سے صحیح بخاری اور دیگر لوگوں سے حدیث سنی۔ انھوں نے ماہ شوال ۵۳۵ھ میں وفات فرمائی۔

(شذرات الذہب : ۴ : ۱۰۷)

۱۱۔ ابو علی فضل بن محمد الفارمدی

ابو علی الفضل بن محمد بن علی الشیخ الزاہد الفارمدی۔ فارمد طوس کے علاقے میں ایک بستی کا نام ہے۔ اسی کی طرف یہ نسبت ہے۔ ابن الاثیر اور ابن سمعانی نے انھیں لسان خراسان اور شیخ خراسان کہا ہے۔ جامی اور ابن عبدالغافر نے انھیں شیخ الشیوخ کہا ہے۔ ۴۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ شافعی مذہب کے عالم، سلف کے مذاہب سے واقف اور بعد کے آنے والوں کے طریقہ سے باخبر تھے۔ تصوف ان کا خاص فن تھا۔ اسی میں پرورش پائی اور اسی کے ساتھ مالوف ہوئے۔

انھوں نے الغزالی الکبیر، ابو عثمان الصابونی (م ۴۴۹ھ) وغیرہما سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ تا آنکہ خود درجہ اجتہاد کو پہنچے۔ اور منصور التمیمی، ابو حامد الغزالی الکبیر، ابو عبدالرحمن النیلی اور ابو عثمان صابونی وغیرہم سے حدیث سنی۔ ان سے عبدالغافر فارسی، عبداللہ بن الخرگوشی، عبداللہ بن محمد الکوفی العلوی اور ابوالخیر جامع الشفاء وغیرہم نے حدیث سنی۔

یہ اپنے زمانہ کے شیخ تھے۔ وعظ میں ان کا منفرد طرز تھا۔ اور ان کا کلام دلوں پر اثر کرتا تھا۔ نیشاپور آئے اور ابوالقاسم قشیری کی صحبت میں رہے۔ اور انتہا درجہ کی ریاضت کی۔ قشیری بھی ان سے بہت مہربانی سے پیش آتے تھے اور اُن کی رہبری کرنے میں کبھی بخل نہ کرتے تھے۔ ان کی تعظیم کیا کرتے۔ انھوں نے مدرسہ میں کئی طرح خدمت کی اور سالہا سال فکر میں گذار دیئے۔ مجاہدہ کرتے کرتے ان پر لوامع الانوار منکشف ہو گئے۔ اور اپنے زمانے کے مشہور و معروف

لوگوں میں سے ہوئے۔

اس کے بعد یہ طوس واپس چلے گئے۔ اور ابوالقاسم گورگانی کی صحبت میں رہے اور ان کی دامادی کا شرف حاصل کیا۔ انھوں نے ابوالحسن خرقانی سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔

ابوعلی فارمدی دوبارہ نیشاپور آئے۔ اور وہاں مجالس قائم کیں۔ نظام الملک اُن کی حد سے زیادہ تعظیم کیا کرتا تھا۔ اسی طرح الصاحب بھی اس طرح اُن کی خدمت کرتا کہ لوگ حیران رہ جاتے۔ اُن کے پاس مختلف ممالک سے صوفیاء آیا کرتے تھے۔ اور انھیں لسان الوقت کہا جاتا تھا۔

حجۃ الاسلام ابوحامد الغزالی (م ۵۰۵ھ) اور دیگر ائمہ ان کی صحبت میں رہے۔ ان کی اولاد کے تمام افراد عالم، زاہد اور فاضل تھے۔ ان کے یہ نام ہیں:

ابوالمحاسن علی، ابوالفضل محمد اور ابوبکر عبدالواحد

ابوعلی کی وفات طوس میں ماہ ربیع الآخر ۴۷۷ھ میں ہوئی۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: اللباب: ۲: ۱۹۱ وطبقات الشافعیہ: ۴: ۹-۱۰ ونفحات الانس طبع لاہور: ۴۱۹ وکشف المحجوب: ۲۱۱ وشذرات الذہب: ۳: ۳۵۵

۱۲- محمد بن محمد الخزیمی

ابوالفتح محمد بن محمد بن علی بن الفضل الخزیمی۔ خزیمی نسبت ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) کی طرف ہے۔ جن کی اولاد میں بہت سے فضلا اور محدث ہوئے۔ (اللباب ۱: ۳۷۰-۳۷۱)

خزیمی ۵۰۹ھ میں بغداد آئے اور وہاں انھوں نے ابوالقاسم قشیری اور ان کے طبقہ کے دیگر لوگوں سے حدیث بیان کی۔ اور وہاں وعظ بھی کیا۔ شیریں گفتار اور ملیح البیان تھے۔ ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ "میں ان کی مجالس میں حاضر ہوا ہوں۔ اور مجھے ان کی کچھ باتیں یاد بھی ہیں۔ مگر یہ اکثر و بیشتر بیکار و من گھڑت باتیں ہوا کرتی تھیں"[1]۔

(۱) ابن الجوزی نے خزیمی کی مجلس میں حاضر ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ خزیمی کی اکثر و بیشتر باتیں بیکار اور من گھڑت ہوتی تھیں۔ حالانکہ ابن الجوزی ۵۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور خزیمی ۵۰۹ھ میں بغداد آئے۔ پھر ملاقات کیسی مزید برآں خزیمی کی وفات ابن الجوزی کے اپنے قول کے مطابق ۵۱۴ھ میں ہوئی۔ بھلا تین یا چار سال کا بچہ بڑوں کی باتوں کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ یہ بھی اس صورت میں جب یہ فرض کر لیا جائے کہ خزیمی آخر عمر تک بغداد میں رہے ورنہ ابن الجوزی کی ان سے ملاقات خود ایک من گھڑت بات ہے۔

ان کی وفات رَیؔ میں ۴۱۲ھ میں ہوئی اور انھیں ابراہیم خواص کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت انھیں سخت بے چینی لاحق ہوئی۔ جب اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا: اللہ کے پاس جانا کوئی آسان بات نہیں ہے۔

(المنتظم ۹: ۲۲۱-۲۲۲)

قشیری کی اولاد

انسان کی تیسری خوش بختی یہ ہوتی ہے کہ اس کی بیوی اور اولاد سب صالح اور فاضل و عالم ہوں اللہ تعالیٰ نے قشیری کو اس سے بھی وافر حصہ عطا کر رکھا تھا۔

فاطمہ بنت ابی علی وقاق

یہ قشیری کی بیوی تھیں۔ ابوعلی دقاق نے ان کی اچھی طرح تربیت کی تھی۔ اور زیورِ علم سے آراستہ تھیں انھوں نے حدیث کی روایت کی۔ اور اُن سے ان کے بیٹوں، ان کی بیٹی امۃ الکریم اور نواسے عبدالغافر نے کی۔

اس زمانے میں مردوں کے دوش بدوش بعض عورتیں بھی روایت حدیث میں سرگرمی سے حصہ لیتی تھیں۔ چنانچہ امۃ الواحد بنت القاضی ابی عبداللہ الحسین المحاملی (م ۳۷۷ھ) امۃ السلام بنت القاضی احمد بن کامل بن شجرۃ البغدادیہ (م ۳۹۰ھ) کریمۃ بنت احمد (م ۴۶۳ھ بعمر یک سو سال) یہ صحیح بخاری کی راویہ تھیں۔ انہی سے خطیب بغدادی نے پانچ دن میں صحیح بخاری پڑھی تھی: فاطمہ بنت علی بن المظفر بن دعیل البغدادیۃ الاصل النیشاپوریہ، (م ۵۳۲ھ بعمر ستانوے سال) اور فاطمہ بنت الحسن بن علی الاقرع (م ۴۸۰ھ) چوٹی کی رواۃ حدیث میں سے ہوئی ہیں۔

قشیری کی بیوی فاطمہ بڑی قدر و منزلت والی، عالی اسناد والی اور اپنے زمانے کی عابدہ عورتوں میں سے تھیں۔ انھوں نے ابونعیم اسفرائنی، علوی، حاکم اور کئی اور لوگوں سے حدیث کی روایت کی ہے نوّے سال کی عمر میں ۴۸۰ھ میں وفات پائی۔

قشیری کی ساری اولاد انہی کے بطن سے تھی۔ ان کے بطن سے چھ لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

ابوسعد عبد اللہ بن عبد الکریم القشیری

ابوسعد عبد اللہ قشیری کے سب سے بڑے بیٹے تھے ۔ ۴۱۳ھ یا ۴۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے قاضی ابوبکر حیری (م ۴۲۱ھ) اور دیگر لوگوں سے روایت کی۔ ابن الاہدل (م ۹۷۱ھ) نے انھیں الامام الکبیر البارع لکھا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ان میں وہ اوصاف پائے جاتے تھے جو شاذ و نادر ہی کسی انسان میں پائے جاتے ہیں۔ زبان میں طاقت کہاں کہ ان کے اوصاف بیان کر سکے۔ ان سے انکے بھانجے عبد الغافر بن اسمٰعیل الفارسی نے روایت کی ہے۔

ان کے والدان کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ اور ان سے اسی طرح پیش آتے جس طرح وہ اپنے معاصرین سے پیش آیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ ان کے وہ اوصاف تھے جو ان میں پائے جاتے تھے۔

یہ اپنے والد کے ہمراہ بغداد آئے اور وہاں قاضی ابوالطیب اور دیگر لوگوں سے حدیث سنی۔ ان کے متعلق سبکی لکھتے ہیں :۔

کان اماما کبیرا جید القریحة له النصیب الوافر والحظ الجلیل من التصوف اصولیا نحویا وکان رضیع ابیه فی الطریقة

چونسٹھ سال کی عمر میں ۴۷۷ھ میں وفات پائی۔ اور ان کی والدہ ان کے بعد تین سال تک زندہ رہیں (طبقات الشافعیہ : ۳: ۲۰۶ اور شذرات الذہب : ۳: ۳۵۴)

۲۔ ابوسعید عبد الواحد

ابوسعید رکن الاسلام کے لقب سے مشہور تھے۔ ۴۱۸ھ میں امام الحرمین کی پیدائش سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے۔ انھوں نے علم وعبادت کے ماحول میں پرورش پائی۔ ہر وقت قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔

انھوں نے نیشاپور، رَیّ، بغداد اور ہمدان میں اپنے والد، ابوالحسن علی بن محمد الطرازی (م ۴۲۲ھ) وابوسعد عبد الرحمن بن حمدان البصروی، ابوحسان محمد بن احمد بن جعفر المزکی، قاضی ابوالحسن الماوردی اور دیگر لوگوں سے حدیث سنی اور ان سے ان کے بیٹے ہبة الرحمن اور ابوطاہر السنجی وغیرہ نے جو احادیث انھوں

نے طرازی سے سنیں۔ وہ سماع بالحضور ہے۔ کیونکہ اس وقت اُن کی عمر تقریباً چار سال تھی۔

ابن العماد نے انہیں "صالح عالم اور کثیر الفضل" لکھا ہے۔ ناصر السنۃ فرماتے ہیں: یہ اپنی فضیلت ذات اور حال کے اعتبار سے یگانۂ روزگار تھے۔ اور حقیقت و شریعت میں مشائخ کی یادگار تھے۔ ۴۸۰ھ میں دوبارہ حج کے لیئے گئے۔ پھر نیشاپور پہنچ کر علیحدگی اختیار کرلی۔ اور عبادت میں لگ گئے۔ ۴۹۲ھ میں وفات پائی۔ اور اپنے مدرسہ میں اپنے باپ اور نانا کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

عبدالغافر لکھتے ہیں: یہ ہر جمعہ کی رات مدرسۂ نظامیہ نیشاپور میں مجلس املا قائم کرتے۔ پہلے ایک حدیث بیان کرتے پھر اس کے متن پر بحث کرتے۔ مشکل عبارات کی تشریح کرتے۔ معانی کا استنباط کرتے۔ اور تقریر کو حکایات اور اشعار کے ساتھ دلچسپ بناتے تھے۔

(طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۸۴-۲۸۵ و شذرات الذہب: ۳: ۴۰۱)

۲۔ عبدالرحمٰن بن عبدالکریم القشیری

ابو منصور عبدالرحمٰن بن عبدالکریم القشیری یہ عمدہ سیرت والے، پرہیزگار اور فاضل تھے۔ انھوں نے اپنی تمام عمر عبادت میں صرف کردی اور سارا وقت خلوت میں گذارا۔ اپنے والد سے کثرت سے حدیث سنی۔ نیز ابو حفص عمر بن احمد بن مسرور، ابو سعید ناہر بن محمد بن عبداللہ الزقاقی وغیرہما سے حدیث سُنی۔ اپنے والد کے ہمراہ بغداد آئے اور وہاں قاضی ابوالطیّب، الماوردی اور ابوبکر محمد بن عبدالملک بن بشران وغیرہم سے حدیث سنی۔ پھر ۴۷۱ھ میں بغداد آئے اور وہاں حدیث کی روایت کی۔ ان سے ابوالقاسم سمرقندی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ پھر نیشاپور چلے آئے۔ اور ۴۸۰ھ میں والدہ کی وفات تک وہیں رہے۔ پھر دوبارہ حج کے لئے گئے اور مکہ میں مقیم ہوگئے۔ اور وہیں ۴۸۲ھ میں وفات پائی۔ یہ ۴۲۶ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

(طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۲۳)

۴۔ ابونصر عبدالرحیم بن عبدالکریم القشیری

یہ قشیری کے چوتھے صاحبزادے ہیں۔ ان کی پیدائش تقریباً ۴۳۹ھ میں ہوئی پہلے اپنے والد

سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد ابو المعالی عبدالملک بن عبداللہ الجوینی، المشہور بامام الحرمین (م ۴۷۸ھ) اور دیگر علماء سے تعلیم حاصل کی۔ اپنے باپ، ابوعثمان الصابونی، ابوبکر بیہقی اور ابوالقاسم زنجانی وغیرہم سے خراسان، عراق اور حجاز میں حدیث سنی۔ اور پھر حدیث کی کثرت سے روایت کی۔ اُن سے اُن کے نواسے ابوسعد عبداللہ بن عمر الصفار، محمد بن محمد بن علی الہمدانی، ابوالفتوح الطائی (م ۵۵۵ھ) وغیرہم نے حدیث کی روایت کی آخری شخص جس نے اُن سے حدیث کی روایت کی ہے۔ وہ ان کے نواسے ابوسعد صفار[1] ہیں

عبدالغافر فارسی نے انھیں: امام الأئمة و حبر الامة وبحر العلوم لکھا ہے۔ ان کی شکل اپنے والد سے بہت ملتی جلتی تھی۔ ان کے والد نے ان کی تربیت میں بڑی دلچسپی لی اور انھیں بچپن ہی میں عربی زبان سے لگاؤ ہوگیا تھا تاآنکہ انھوں نے اس میں کمال حاصل کیا اور نظم و نثر میں مہارت حاصل کرلی۔ نیز اپنے والد سے علم اصول اور تفسیر کا وافر حصہ حاصل کیا۔ ان کے اوصاف میں ایک خاص بات یہ تھی کہ یہ بہت سرعت کے ساتھ لکھا کرتے تھے۔ اور ایک دن میں کئی اوراق لکھ ڈالتے۔ اور انھیں کوئی دقت نہ پیش آتی تھی۔

اپنے والد کی وفات کے بعد امام الحرمین کی مجلس میں چلے گئے۔ اور صبح و شام ان کے درس اور صحبت میں رہے۔ یہاں تک کہ مذہب میں ان کا طرز اختیار کرلیا۔ امام الحرمین بھی اس کی اس قدر تعظیم کرتے کہ بیشتر اوقات ان کے پاس گذارتے اور علم الفرائض وغیرہ میں حساب کے مسئلوں میں ان سے مدد لیتے۔

حج کو جاتے ہوئے بغداد آئے۔ یہاں ان کے لئے مجلس قائم کی گئی اور بغداد کے لوگ ان کا فضل و کمال دیکھ کر ان کے گرویدہ ہوگئے۔ یہاں انھیں اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ان سے پہلے کسی کو حاصل نہ ہوئی ہوگی۔ عوام کا تو قصہ ہی کیا خواص بھی جن میں فقیہ عراق ابواسحٰق شیرازی بھی شامل ہیں۔ ان کی تعظیم کے لئے ان کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ حج سے واپسی پر پھر بغداد آئے

---

(۱) ابوسعد عبداللہ بن عمر الصفار ۵۰۸ھ میں پیدا ہوئے اور بانوے سال کی عمر میں ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔ انھوں نے اپنے علاوہ سے چار برس کی عمر میں ہی حدیث سننی شروع کردی تھی۔ ملاحظہ ہو طبقات الشافعیہ: ۵: ۵۸-۵۹

تو اُن کی مقبولیت پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی۔ اور لوگوں نے ان کا ساتھ دینے میں اسقدر تعصّب برتا کہ فتنہ بپا ہونے کا خطرہ لاحق ہوگیا۔ یہ دوبارہ حج کو چلے گئے۔ مگر جب واپس آئے تو ان کی مقبولیت کا وہی عالم تھا اور فتنہ کا خطرہ اسی طرح قائم تھا۔ اس پر نظام الملک نے انھیں اصفہان بلا لیا۔[1]

آخری ایام میں ان کا میلان حدیث کی روایت کی طرف زیادہ ہوگیا تھا۔ اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ یہ حدیث کی ایک یا دو مجلسیں قائم نہ کریں۔ سبکی لکھتے ہیں کہ ابو نصر قشیری کے لیے عظمت کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امام الحرمین نے خود اپنی کتاب " نہایہ " کی کتاب الوصیۃ میں ان سے مسائل نقل کئے ہیں۔

آخر عمر میں ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ اور زبان بند ہوگئی۔ صرف قرآن مجید کی آیات یا ذکر کے الفاظ ادا کر سکتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں پچاس ہزار شعر یاد تھے۔ گوشہ نشینی کو پسند کرتے تھے۔ جوینی خاندان کے خاتمہ پر جب انھیں رئیس بنا دیا گیا تو انھیں محفلوں میں جانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

انھوں نے ۲۸ رجمادی الآخرہ ۵۱۴ھ میں وفات پائی اور شیخ الشیوخ کے رباط میں اُن کا تعزیتی جلسہ ہوا۔[2]

عبدالرحمٰن بن محمد البوشنجی (م ۵۴۸ھ) اور محمد بن عبدالکریم الشہرستانی (م ۵۴۸ھ) مصنف الملل والنحل ان کے شاگردوں میں سے تھے۔

ابو نصر اپنے زمانے کے بہت بڑے امام، مناظر، مفسر، ادیب، علامہ اور متکلم تھے۔ انھیں شعر گوئی میں لطیف ملکہ حاصل تھا۔ اور علوم و فنون میں مہارت رکھنے میں اپنے والد سے مشابہت رکھتے تھے۔

---

(۱) بغداد میں حنابلہ کے ساتھ ابو نصر قشیری کے جھگڑوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المنتظم ۸: ۳۰۶-۳۰۸، ۳۱۲ ۹ز: ۲۲۰-۲۲۱ ز البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۸۷ ز وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۷ ز طبقات الحنابلہ: ۲: ۲۳۹ ز ذیل طبقات الحنابلہ ۱: ۱۹-۲۲ اور شذرات الذہب ۴: ۴۵ اور ۳: ۳۲۱ - (۲) المنتظم ۹: ۲۲۱ ز شذرات الذہب ۴: ۴۵۔

انھوں نے بعض مسائل میں اپنے والد سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اُن کے والد اس بات کے قائل تھے۔ کہ اولیاء اللہ سے ہر قسم کی کرامات واقع ہوسکتی ہیں۔ مگر انھوں نے اپنے والد سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی کتاب "المرشد" میں لکھا ہے کہ بہت سی کرامات اولیاء اللہ سے واقع نہیں ہوسکتیں۔(۱)

۵۔ عبید اللہ بن عبد الکریم القشیری

عبید اللہ القشیری صوفی، فاضل اور عابد تھے۔ طریقت میں اُن کی تصانیف ہیں۔ وفات تک اسفرائن میں مقیم رہے۔

انھوں نے اپنے والد، عبد الغافر فارسی اور ابو عثمان سعید بن محمد النجیرمی(۲)، ابو حفص بن مسرور وغیرہم سے حدیث سُنی۔

سنہ ۵۲۱ھ میں وفات پائی۔

(طبقات الشافعیہ : ۴ : ۲۶۹ - ۲۷۰)

۶۔ ابو المظفر عبد المنعم بن عبد الکریم القشیری

ابو المظفر قشیری سنہ ۴۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ستاسی برس کی عمر میں سنہ ۵۳۲ھ میں وفات پائی۔

انھوں نے اپنے باپ، ابو عثمان سعید بن محمد النجیری (م سنہ ۴۵۱ھ)، احمد بن الحسین بن علی الخسروجردی البیہقی (م سنہ ۴۵۸ھ)، ابو القاسم یوسف بن محمد بن احمد المہروانی (م سنہ ۴۶۸ھ)، ابو سعید محمد عبد الرحمٰن الکنجرودی النیشاپوری (م سنہ ۴۵۳ھ) ابو صالح احمد بن عبد الملک المؤذن النیشاپوری الحافظ (م سنہ ۴۷۰ھ) اور الزنجانی سعد بن علی بن محمد شیخ الحرم الشریف (م سنہ ۴۷۱ھ) سے حدیث کی روایت کی۔

اپنے والد کے بعد اپنے بھائی ابو نصر کی معیت میں حج کا سفر کیا تو بغداد میں ابو الحسین بن النقور (م سنہ ۴۷۰ھ) اور ابو نصر الزینبی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی، پھر مکہ پہنچ کر حدیث سنی۔ پھر کئی بار

---

(۱) شرح رسالہ از ذکریا انصاری : ۴ : ۱۵۳ ۔ راقم کے نزدیک ابو نصر اپنے باپ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے۔

(۲) طبقات الشافعیہ میں ہر جگہ السجتوی چھپا ہے۔ درست النجیری ہے۔

بغداد آئے۔ اور وہاں کے لوگوں میں سے عبدالوہاب انماطی (م ۵۳۸ھ) اور مبارک بن کامل الخفاف وغیرہ نے ان سے حدیث کی روایت کی۔ پھر نیشاپور لوٹ آئے اور بیس سال تک حدیث کی روایت کرتے رہے۔

ابن الجوزی (۵۱۰ھ تا ۵۹۷ھ) نے ان سے بالاجازہ روایت کی ہے۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ تذکرۃ الحفاظ : ۳ : ۳۳۵ تا ۳۳۸ ز ۳ : ۳۴۵ تا ۳۴۹

والمنتظم : ۱۰ : ۵۷، والبدایہ والنہایہ : ۲ : ز ۲۱۳ شذرات الذہب : ۴ : ۹۹ اور طبقات الشافعیہ : ۴ : ۲۶۴

۷۔ امۃ الکریم بنت عبدالکریم القشیری

امۃ الکریم نے اپنے والد اور والدہ فاطمہ بنت ابی علی دقاق سے روایت کی ہے اور اُن سے اُن کے بیٹے عبدالغافر بن اسمٰعیل فارسی نے

امۃ الکریم کے خاوند ابوعبداللہ اسمٰعیل بن ابی الحسین عبدالغافر بن محمد الفارسی ثم النیشاپوری بھی محدث تھے۔ انہوں نے ابوحیان المزکی عبدالرحمٰن بن حمدان النصروی اور اُن کے طبقہ کے دیگر لوگوں سے حدیث کی روایت کی۔ اکاسی برس کی عمر میں ۵۰۴ھ وفات پائی (شذرات الذہب : ۴ : ۷-۸

قشیری کی اولاد کا بیان نامکمل رہ جائے گا۔ اگر ہم یہاں ان کے پوتے، پڑپوتے، اور ایک نواسے کا ذکر نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ وہ بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

۸۔ ابوسعد ہبۃ الرحمٰن بن عبدالواحد بن ابی القاسم القشیری

یہ نیشاپور کے خطیب تھے اور مسند مانے جاتے تھے۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ اپنے دادا کے درس میں بیٹھا کرتے تھے اور انہی ایام میں سماعت حدیث بھی شروع کر دی تھی۔ اپنی دادی فاطمہ، یعقوب بن احمد الصیرفی اور دیگر لوگوں سے حدیث سنی۔ انھوں نے بڑی کتابوں کی روایت کی ہے۔ مثلاً صحیح بخاری اور مسند ابوعوانہ۔

انھوں نے ستاسی سال کی عمر میں ۵۴۶ھ میں وفات پائی۔

(شذرات الذہب : ۴ : ۱۴۰-۱۴۱)

۹۔ ابو خلف عبد الرحمٰن بن ہبۃ الرحمٰن بن عبد الواحد بن عبد الکریم القشیری النیشاپوری

ابو خلف عبد الرحمٰن ۴۹۲ھ میں نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے والد کی وفات پر نیشاپور کے خطیب مقرر ہوئے۔ یہ نابینا تھے۔ پارسا اور عالم تھے اور وعظ کرنے میں انہیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ انہوں نے عبد الغفار الشیروی اور اسمٰعیل بن عبد الغافر اور دیگر لوگوں سے حدیث سنی۔ اور ان سے عبد الرحیم بن السمعانی نے روایت کی۔

عاشورہ کے دن ۵۵۹ھ میں نیشاپور میں وفات پائی۔

(طبقات الشافعیہ: ۴: ۲۴۹)

۱۰۔ عبد الغافر بن اسمٰعیل بن عبد الغافر الفارسی الحافظ

ابو الحسن عبد الغافر الفارسی ۴۵۱ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ حدیث اور عربی کے امام تھے۔ پہلے قرآن مجید پڑھا اور ابھی ان کی عمر پانچ سال کی تھی کہ انھیں فارسی زبان میں اعتقادات کی تلقین کی گئی امام الحرمین ابو المعالی جوینی (م ۴۷۸ھ) مصنف نهاية المطلب فى دراية المذهب سے علم فقہ پڑھا اور چار سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ انھوں نے اپنے نانا ابو القاسم القشیری، اپنی نانی فاطمہ، اپنے ماموں ابو سعید اور دوسرے ماموں ابو سعد، اپنے والد ابو عبد اللہ اسمٰعیل اور اپنی والدہ امۃ الکریم سے کثیر تعداد میں احادیث سنیں۔ نیز دیگر لوگوں سے کثرت سے حدیث روایت کی۔

ان سے ابو سعد عبد اللہ بن عمر (۵۰۸ھ تا ۶۰۰ھ) نے روایت کی۔ اور ابو القاسم علی بن الحسن الدمشقی المعروف بابن العساکر (۴۹۹ھ تا ۵۷۱ھ) نے ان سے بالاجازہ روایت کی ہے۔

علم کی تحصیل کے بعد یہ سفر و سیاحت کے لئے نکلے۔ اور خوارزم آئے۔ جہاں ان کی ملاقات وہاں کے فضلاء سے ہوئی اور ان کے لئے مجالس وعظ قائم کی گئیں۔ خوارزم سے غزنہ گئے اور وہاں سے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ ان تمام ممالک میں انھوں نے حدیث کی روایت کی اور لوگ ان کے علم سے فیضیاب ہوئے۔ اس طویل سفر کے بعد نیشاپور لوٹ آئے اور وہاں خطیب مقرر کئے گئے۔ ہر دوشنبہ کے دن نماز عصر کے وقت مسجد عقیل میں کئی سال تک احادیث لکھاتے

رہے۔ اور متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ المفہم لشرح غریب مسلم۔

۲۔ السیاق لتاریخ نیشاپور۔ انہیں اس کتاب کی تالیف سے ۵۱۸ھ میں فراغت ہوئی۔

۳۔ غریب الحدیث میں "مجمع الغرائب" لکھی۔

انھوں نے اٹھتر سال کی عمر میں ۵۲۹ھ میں وفات پائی۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: وفیات الاعیان: ۲: ۳۹۱-۳۹۲ و شذرات الذہب: ۴: ۹۳ اور تذکرہ الحفاظ: ۴: ۶۸-۶۹

یاد رہے کہ تذکرۃ الحفاظ میں عاش ثمانیا وتسعین سنة چھپا ہے۔ اسے عاش ثمانیا و سبعین سنه پڑھیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

منگل ۲۷ رجادی الاوّل ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۲ راگست ۱۹۶۹ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعریف کا حق صرف اس خدا کو حاصل ہے جو اپنے جلالِ ملکوت کے ساتھ منفرد ہے۔ اور جمالِ جبروت کے ساتھ یکتا ہے۔ جو اپنی احدیت کی بلندی کے ساتھ سربلند ہے۔ اپنی صمدیت کی بلندی کے ساتھ پاک اور اپنی ذات میں اس امر سے بلند و بالا ہے کہ کوئی نظیر بھی اس کے مشابہ ہو سکے۔ اور اپنی صفات میں ہر طرح کی انتہا اور کمی سے منزہ ہے۔ اس کی صفات ایسی ہیں جو اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور آیتیں ناطق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو عزیز ہے جسے نہ کوئی حد محدود کر سکتی ہے، نہ عدد نہ کوئی غایت اسے محصور کر سکتی ہے اور نہ کوئی اس کا ممد و معاون ہے۔ اس کی نہ کوئی اولاد ہے جو اسے جوڑا بنا سکے، نہ عدد جو جمع بنا سکے۔ نہ اس کا کوئی مکان ہے جو اس پر حاوی ہو اور نہ زمان۔ کوئی فہم، اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا اور نہ کوئی وہم اس کی تصویر کھینچ سکتا ہے وہ اس بات سے بھی بلند ہے کہ یہ کہیں کہ وہ کیسا ہے؟ یا یہ کہیں کہ وہ کہاں ہے؟ نہ یہ کہنا روا ہے کہ اس نے اپنی صنعت گری سے زینت حاصل کر لی۔ اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ اس نے اپنے فعل سے اپنی ذات سے نقص اور عیب کو دور کر دیا ہے، کیونکہ اس کی تو کوئی مثال ہی نہیں ہو سکتی۔ وہ سمیع اور بصیر ہے۔ اس پر کوئی انسان غالب نہیں آسکتا اور وہ خبیر اور قدیر ہے۔

میں ان امور پر، جو اللہ تعالیٰ صادر کرتا ہے اور ان عطیوں پر جن کو وہ دیتا ہے، اس کی تعریف کرتا ہوں اور ان تکالیف پر جنھیں وہ دُور کرتا ہے۔ مَیں اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اس پر میرا بھروسہ ہے اور اس پر میں قانع ہوں۔ میں اس پر بھی راضی ہوں کہ جو کچھ وہ چاہے دے اور جو چاہے نہ دے۔ میں اس شخص کی طرح جو اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے، گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور مَیں اس کی حسن تائید کی پناہ چاہتا ہوں۔ نیز یہ گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برگزیدہ بندے اور منتخب امین ہیں اور

اللہ کے ایسے رسول ہیں جنھیں اللہ نے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا ہے، اللہ اپنی رحمت ان پر اور ان کی آل پر بھیجے جو تاریکی کے چراغ ہیں۔ نیز آپ کے اصحاب پر جو ہدایت کی کنجیاں ہیں۔ اللہ ان پر بکثرت رحمت وسلام بھیجے۔

یہ ایک رسالہ ہے، جسے اللہ کے محتاج بندے عبدالکریم بن ہوازن قشیری نے ۴۳۷ھ میں) اسلامی ممالک کے صوفیاء کی جماعت کی طرف لکھ کر روانہ کیا۔

اما بعد۔ اللہ تم سے راضی ہو۔ اللہ نے اس جماعت کو اپنے برگزیدہ اولیاء میں سے گردانا ہے۔ اور انھیں رسولوں اور انبیاء کے بعد اپنے تمام بندوں پر فضیلت دی ہے۔ اللہ کی رحمتیں اور سلام ان پر ہوں۔ اللہ نے ان کے دلوں کو اپنے اسرار کا معدن بنایا ہے۔ اور انھیں امت میں بلند ہونے والے انوار کے ساتھ مختص کیا ہے۔ یہی لوگ مخلوقِ خدا کے فریاد رس ہیں۔ اور عام احوال میں اللہ کی مدد سے حق پر قائم ہیں۔ اللہ نے انھیں بشری کدورتوں سے پاک کر رکھا ہے۔ اور چونکہ اللہ نے اپنی احدیت کے حقائق کی تجلّی ان پر ڈال رکھی ہے اور انھیں بندگی کے آداب پر کاربند رہنے کی توفیق دی ہے۔ اور انہیں دکھا دیا ہے کہ احکام ربوبیت کس طرح جاری ہوتے ہیں اس لئے انھیں اللہ نے ایسے بلند مقامات تک پہنچا دیا ہے۔ جہاں سے وہ مشاہدات کرتے رہتے ہیں۔ لہذا وہ ان فرائض کو جو اُن پر عائد ہوتے ہیں۔ پابندی سے ادا کرتے رہتے ہیں اور انہیں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کیا کیا رد و بدل کرتا رہتا ہے۔ باوجود اس کے وہ اپنی حاجات کے لئے خلوصِ دل اور انکساری کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لیکن جو اعمال ان سے ظاہر ہوتے ہیں اور جو کچھ احوال کی صفائی ان کے اندر پیدا ہو چکی ہوتی ہے اس کا تذکرہ نہیں کرتے۔ اس لئے کہ انھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہے چُن لیتا ہے۔

کوئی مخلوق اس کے خلاف حکم نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس پر کسی کا حق ہے۔ اگر ثواب دے تو یہ اس کی عنایت کی ابتداء ہے اور اگر سزا دے تو یہ اس کا منصفانہ حکم ہے۔ اور اللہ کا حکم قطعی حکم ہے۔

تمہیں معلوم ہو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے کہ صوفیاء کی جماعت کے محققین تو بیشتر ختم ہو

چکے ہیں۔ اوراب صرف ان کا نشان ہی نشان باقی رہ گیا ہے۔ ان کی مثال اس شعر کی مصداق ہے۔

أَمَّا الْخِيَامُ فَإِنَّهَا كَخِيَامِهِمْ   وَأَرَى نِسَاءَ الْحَيِّ غَيْرَ نِسَائِهَا

ان کے خیمے تو بعینہٖ ویسے ہی دکھائی دیتے ہیں، جیسے کہ (محبوب کے لوگوں) کے خیمے دکھائی دیتے تھے۔ مگر قبیلہ کی عورتیں ان خیموں کی عورتیں جیسی نہیں دکھائی دیتیں

طریقت میں خلا پیدا ہوگیا ہے! نہیں بلکہ درحقیقت طریقت مٹ چکی ہے۔ جن شیوخ سے لوگ ہدایت پاتے تھے، گذر چکے ہیں۔ اوراب وہ نوجوان بھی کم پائے جاتے ہیں جو ان شیوخ کے اخلاق وسیرت کی پیروی کرتے تھے۔ پرہیزگاری جاتی رہی اور اس کی چادر لپیٹ لی گئی اور لالچ بڑھ گیا اور اسکی طنابیں مضبوط ہوگئیں۔ لوگوں کے دلوں سے شریعت کا احترام اٹھ گیا۔ چنانچہ انھوں نے دین سے لاپراہی برتنے کو نہایت مضبوط ذریعہ بنالیا۔ حلال وحرام میں تمیز کرنا چھوڑ دیا۔ اور شریعت کی بے حرمتی کرنے اور بے حیائی کو اپنا شعار بنالیا۔ لوگ عبادات کے ادا کرنے کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ صوم وصلوٰۃ کی نعوذ باللہ اہانت کرتے ہیں۔ غفلت کے میدان میں گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ اور اپنی خواہشات کی تابعداری میں لگے ہوئے ہیں۔ منع کئے ہوئے امور کے کرنے میں ان لوگوں کی کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔ بازاری لوگوں، عورتوں اور شاہی ملازمین سے مال لے کر استعمال میں لاتے ہیں۔ یہ لوگ اس قسم کی بداعمالیوں پر ہی اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھا کر حقائق اور احوال کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم تو طوق غلامی کو اُتار کر آزاد ہوچکے ہیں اور ان حقائق کو پاچکے جو واصل باللہ لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ وہ حق پر قائم ہیں اور حق کے احکام ان پر جاری ہوتے ہیں۔ وہ تو محو ہوچکے ہیں جو چاہیں وہ کریں یا نہ کریں۔ اللہ انھیں عتاب وملامت نہیں کرتا۔ نیز یہ کہ ان کے لئے احدیت کے تمام اسرار کھول دیئے گئے ہیں۔ اور وہ اپنی ذات سے کلیتہً الگ ہوچکے ہیں۔ بشریت کے احکام ان سے زائل ہوچکے ہیں اور وہ اپنی ذات سے فنا ہوجانے کے بعد انوارِ صمدیت میں باقی ہیں لہٰذا جب وہ کلام کرتے ہیں تو درحقیقت کوئی اور ان کی طرف سے کلام کرتا ہے اور جن امور میں وہ تصرف کرتے ہیں تو کوئی اور ان کی نیابت کرتا ہے۔

جب میں نے دیکھا کہ آج کل اللہ کی طرف سے ہماری آزمائش طول پکڑ چکی ہے۔ جس کا تھوڑا سا ذکر میں اوپر کرچکا ہوں اور میں ان کی باتوں کے انکار میں اس حد تک زبان کو کھولنے والا نہ تھا۔ مگر

مجھے اس بات پر غیرت آئی کہ اہل طریقت کو برائی سے یاد کیا جاتا ہے اور مخالفین ان پر نکتہ چینی کئے جانے سے لطف اٹھاتے ہیں۔ اس طریقہ کے مخالفین اور انکار کرنے والوں کی وجہ سے ان ممالک میں سخت مصیبت کا سامنا ہے میں امید کرتا تھا کہ اس خلاء کے اسباب معدوم ہو جائیں گے۔ نیز ہو سکتا ہے۔ میں امید کرتا تھا کہ اس خلاء کے اسباب معدوم ہو جائیں گے۔ نیز ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ مہربانی فرما کر ان لوگوں کو تنبیہہ کریں جو اس طریقہ کے آداب کو ضائع کر کے افضل و اعلیٰ راہ سے بھٹک رہے ہیں۔ لیکن جب دن بدن معاملہ مشکل سے مشکل تر ہوتا گیا اور ہمارے معاصرین نے اپنی عادت کے مطابق اس ملک میں سرکشی اور زیادہ کردی وہ جس بات کے پیچھے لگے ہیں اس نے انھیں اور زیادہ دھوکے میں ڈال دیا تو مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں لوگ یہ خیال نہ کر بیٹھیں کہ طریقت کے قواعد کی بنیاد ہی انہی امور پر ہے۔ اور ان کے اسلاف بھی اسی قسم کی روش اختیار کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا میں نے یہ رسالہ لکھ کر آپ لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ میں نے اس میں طریقت کے چند شیوخ کے حالات درج کئے ہیں۔ ان کے آداب اخلاق اور معاملات کا ذکر کیا ہے اور ان عقائد کا ذکر کیا ہے جو اہل طریقت کے دلوں کے متعلق یہ لوگ رکھتے ہیں۔ وجد کی ان کیفیات کا ذکر کیا ہے۔ جن کی طرف ان بزرگوں نے اشارہ کیا ہے۔ نیز یہ کہ ان بزرگوں کی ابتدا سے انتہا تک ترقی کرنے کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ یہ رسالہ طالبانِ طریقت کے لئے قوت کا باعث بنے اور آپ لوگ میرے حق میں گواہی دیں کہ میں نے اس طریقہ کی تصحیح کر دی۔ مجھے اس شکایت کے بیان کر دینے سے تسکین حاصل ہے۔ اور اللہ کی طرف سے میرے لئے عنایات و ثواب ہیں۔ اس کتاب میں میں جو کچھ ذکر کروں گا اس کے لکھنے میں اللہ کی مدد چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے غلطی سے بچائے۔ میں اس سے مغفرت اور مدد کا طالب ہوں۔ وہی مہربانی کرنے کے لائق ہے اور جس بات کو چاہتا ہے، کرنے پر قادر ہے۔

فصل مسائل اصول کے بارے میں صوفیاء کے عقائد کا بیان

تمہیں معلوم ہو! اللہ تم پر رحم کرے:

کہ اس جماعت کے جس قدر شیوخ گذرے ہیں۔ انھوں نے تصوّف کے قواعد کی بنیاد توحید کے صحیح اصولوں پر رکھی ہے اور انھوں نے اپنے عقائد کو بدعتوں سے محفوظ رکھا ہے۔ ان قواعد کی پیروی کی ہے جن پر انھوں نے سلف صالحین اور اہل سنت کو پایا ہے۔ یعنی ایسی توحید جس پر نہ (فرقہ[2] مشبہ)

کی تمثیل اور نہ فرقۂ معطلہ کی تعطیل پائی جاتی ہے اور انھوں نے قدم کے حق کو پہچانا ہے اور انھیں یہ بات تحقیقی طور پر معلوم ہو چکی ہے کہ موجود کی کیا صفتیں ہیں۔ اور معدوم کی کیا؟ اس لئے اس طریقت کے سردار جنید[3] فرماتے ہیں کہ:۔

قِدَم کو حدوث سے علیٰحدہ رکھنے کا نام توحید ہے۔ صوفیاء نے اپنے عقائد کے اصولوں کو واضح دلائل اور روشن شواہد کے ساتھ مستحکم کر رکھا ہے۔ چنانچہ ابو محمد[4] الجریری فرماتے ہیں "جس شخص کو شواہد توحید میں سے کسی شاہد کے بغیر علم توحید حاصل ہوا۔ وہ پھسل کر ہلاکت کے گڑھے میں جا پڑا۔" الجریری کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص تقلید کی طرف مائل ہوا اگر وہ توحید کے دلائل پر غور نہیں کرتا تو وہ راہ نجات سے پھسل کر ہلاکت کی قید میں جا پڑے گا۔

چنانچہ جس شخص نے ان کے الفاظ پر غور کیا اور ان کے کلام کی چھان بین کی۔ وہ ان کے سارے اقوال و متفرقات میں ایسی باتیں پائے گا جن پر غور کرنے سے اسے یقین ہو جائے گا کہ یہ لوگ تحقیق کرنے میں ایک قدم بھی پیچھے نہیں رہے۔ اور نہ ہی اس کی تلاش کرنے میں انھوں نے کوتاہی کی۔

ہم اس فصل میں اختصار کے ساتھ ان کے ان متفرق اقوال کا ذکر کریں گے جن کا تعلق اصولی مسائل کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد ہم ترتیب وار مختصر طور پر ان امور کا ذکر کریں گے جن میں ایسی باتیں شامل ہوں گی جن کی اعتقاد میں ضرورت پڑتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

میں نے شیخ ابو عبد[5] الرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے ہوئے سنا، انھوں نے عبد[6] اللہ بن موسیٰ سلامی کو کہتے سنا، انھوں نے[7] ابو بکر شبلی کو کہتے سنا۔

"خدائے وحدہٗ لاشریک ہر قسم کی حدود یعنی جہات اور حروف یعنی اصوات سے پہلے واحد اور معروف ہے۔"

شبلیؒ کا صریح بیان ہے کہ خدائے قدیم کی ذات کی نہ کوئی حد ہے نہ اس کے کلام کے حروف ہیں۔

میں نے حاتم[8] صوفی کو کہتے ہوئے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ ا[9]بو نصر طوسی کو کہتے ہوئے سنا کہ کسی شخص نے رُ[10]ویم رحمہ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے منطوق پر سب سے پہلے کس امر کو فرض قرار دیا؟ فرمایا:۔ معرفت کو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (میں نے جن اور انس کو صرف عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے)

ابن[11] عباس فرماتے ہیں کہ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ سے مراد اِلَّا لِیَعْرِفُوْنَ ہے (تاکہ وہ میری معرفت حاصل

کریں) کیونکہ عبادت پر معرفت بداہتہً مقدم ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں: حکمت کے عقدوں میں سے پہلی چیز جس کی بندے کو ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ مصنوع، اپنے صانع کو پہچانے اور یہ کہ مُحدَث یہ معلوم کرے کہ اسے کس طرح پیدا کیا گیا۔ اس طرح اسے خالق کی صفات اور مخلوق کی صفات میں فرق معلوم ہو جائے گا اور خالق و مخلوق کی صفات، نیز قدیم و حادث کی صفات کی معرفت اسے حاصل ہو جائے گی۔ اور وہ اس کے بلانے پر اس کے سامنے عاجزی کرے گا۔ اور اس کی اطاعت کے واجب ہونے کا اعتراف کرے گا۔ اس لئے کہ جو اپنے مالک کو نہیں پہچانتا، اسے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ کس کی ملکیت ہے۔

محمد بن[۱۲] حسین نے مجھ سے کہا کہ میں نے محمد بن عبداللہ الرازی سے سُنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالطیب[۱۳] المراغی سے سنا وہ فرماتے تھے۔

رہنمائی کرنا عقل کا کام ہے ارشارہ کرنا حکمت کا اور گواہی دینا معرفت کا۔ چنانچہ عقل رہنمائی کرتی ہے، حکمت اشارہ کرتی ہے اور معرفت اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ عبادات کی صفائی توحید کی صفائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

جنیدؒ کے نزدیک توحید کی تعریف

جنیدؒ سے کسی نے توحید کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

کمال احدیت کے ساتھ اس کی وحدانیت کو حق جان کر اللہ کو ایک فرد یکتا جاننا۔ وہ ایسا ایک ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ خود کسی سے پیدا ہوا۔ اس کا نہ کوئی ضِدّ مقابل ہے، نہ کوئی مثل اور نہ کوئی ہم شبہ، بغیر اس کے کہ اس کی کوئی تشبیہہ یا کیفیت یا صورت یا مثال بیان کی جائے۔ اس جیسا کوئی نہیں، وہ سمیع و بصیر ہے۔

محمد بن احمد بن محمد یحییٰ صوفی نے ہم سے بیان کیا کہ عبداللہ بن علی تمیمی صوفی حسین بن علی بن دامعانی کے متعلق بیان کرتے تھے کہ ابوبکر زاہر آبادی سے کسی نے "معرفت" کے متعلق سوال کیا تو فرمایا:۔

معرفت ایک اسم ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ دل کے اندر ایسی تعظیم پائی جائے جو تجھے خدا کو صفات سے معطل سمجھنے یا کسی کو اس کے مشابہ سمجھنے سے روکے۔

بوشنجی کی تعریف ابوالحسن[۱۵] بوشنجیؒ فرماتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ تو اللہ کو کسی ذات کے مشابہ نہ جانے۔ اور نہ ہی تو اسے صفات سے معطل خیال کرے۔

حسین بن منصور کی تعریف شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے محمد بن[۱۶] محمد بن غالب کو کہتے سنا فرماتے کہ میں نے ابونصر احمد[۱۷] بن سعید الاسفنجانی کو کہتے سنا، فرماتے تھے کہ حسین[۱۸] بن منصور فرماتے تھے "اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام اشیاء کا حادث ہونا لازم قرار دیا ہے۔ کیونکہ قدیم ہونے کی صفت تو صرف اللہ کے لئے ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس چیز کا ظہور بذریعہ جسم ہوتا ہے اس کے لیئے عرض کا ہونا ضروری ہے جس کا اجتماع ساز وسامان کے ساتھ ہوگا۔ اس کے قویٰ اسے پکڑے ہوئے ہوں گے۔ جسے وقت نے جمع کیا ہے۔ اسے وقت ہی جدا کرے گا۔ جس کے وجود کا قیام ہی کسی اور پر موقوف ہو اسے ضرورت لاحق ہوگی (اور دوسرے کا محتاج رہے گا) جس پر وہم فتح پائے، اس کی تصویر ممکن ہے۔ جو کسی محل میں پناہ گزین ہو وہ "این" کے ادراک میں ہے۔ جس چیز کی جنس ہوگی اس کا طالب کیفیت کا مالک ہوگا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات نہ تو "فوق" کے زیر سایہ ہے اور نہ تحت کے ماتحت ہے، نہ کوئی حد اس کا مقابل ہے، نہ کسی میں اس کی مزاحمت کی طاقت نہ آگے پیچھے کا اس پر اطلاق ہو سکتا ہے، نہ اس سے پہلے کوئی تھا جس نے اسے ظاہر کیا ہو اور نہ ہی بعد میں پیدا ہونے والی اشیاء اس کی نفی کر سکتی ہیں "کل" کا لفظ اس کو جمع نہیں بنا سکتا اور نہ ہی "کان" کا لفظ اس کو وجود میں لایا۔ اور نہ "لیس" کی مناسبت سے فقدان سے دوچار ہوا۔ اس کے اوصاف کی کوئی صفت نہیں اور نہ ہی اس کے افعال کی کوئی علت ہے۔ اس کے وجود کی کوئی انتہا نہیں۔ مختصر یہ کہ وہ مخلوق کے تمام احوال سے منزہ اور پاک ہے۔ نہ تو اس کا مزاج مخلوق کا سا ہے اور نہ اسے اپنے افعال میں تگ ودو کرنی پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قدیم ہوتے میں مخلوق سے اسی طرح جدا ہے جس طرح مخلوق حادث ہونے میں اس سے جدا ہے۔ اگر اس کے متعلق "متیٰ" (کب) سے سوال کیا جائے (تو یہ سوال غلط ہوگا) اس لئے کہ وجود باری تعالیٰ وقت کے وجود سے پہلے موجود ہے۔ اور اگر "ہو" کا لفظ استعمال کریں (تو یہ بھی غلط ہوگا) کیونکہ دونوں حرف "ھ" اور "و" اس کی پیدا کی ہوئی ہیں اور اگر "این" کہہ کر سوال کریں۔ (تو یہ بھی ٹھیک نہ ہوگا، کیونکہ) اللہ کا وجود تو وجود اس کا ثبوت ہے۔ اس کی معرفت یہ ہے کہ اس کو واحد جانیں۔ اور اسے واحد جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اسے اس کی مخلوق سے

ممتاز و الگ رکھیں جو تصور اوہام میں آئے اللہ تعالیٰ اس سے مختلف ہے۔ جن اشیاء کو اللہ نے شروع کیا وہ اللہ پر کیسے وارد ہو سکتی ہیں یا جن کو اللہ نے پیدا کیا وہ اللہ پر کیسے لوٹ کر آسکتی ہیں نہ آنکھیں اسے دیکھ سکتی ہیں اور نہ ظن اس کے بالمقابل ٹھہر سکتا ہے۔ اس کے قریب ہونا باعث عزت ہے اور اس سے دوری ذلت۔ اس کی بلندی اس طرح نہیں کہ وہ اوپر کو چڑھا ہوا اور نہ اس کا آنا ایک مکان سے دوسرے مکان کو منتقل ہونے کے ذریعہ ہوتا ہے وہی سب سے پہلے ہے۔ وہی سب کے بعد، وہی ظاہر بھی ہے باطن بھی، قریب بھی ہے بعید بھی، اس کی کوئی مثال نہیں، وہ سمیع و بصیر ہے۔

توحید ذوالنون مصری کے نزدیک

میں نے ابو حاتم سجستانی سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابونصر طوسی سراج سے سنا وہ یوسف[۱۹] بن حسین سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ذوالنون[۲۰] مصری کے سامنے کھڑے ہو کر سوال کیا کہ توحید کیا ہے؟ فرمایا :-

توحید یہ ہے کہ تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام اشیاء میں جاری ہے۔ مگر یہ قدرت ان اشیاء کے ساتھ نہیں ملتی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو بغیر تگ و دو کے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو پیدا کرنا ہر شے کی علت ہے مگر اللہ کی صنعت کی کوئی علت نہیں ہے، خواہ بلند آسمان ہوں خواہ زیریں زمین۔ اللہ کے سوا کوئی بھی ان کا مدبر نہیں اور یہ کہ ہر وہ چیز جس کی صورت تمہارے وہم میں آ رہی ہے اللہ تعالیٰ اس سے بالکل مختلف ہے۔

جنیدؒ کا قول

جنیدؒ فرماتے ہیں: توحید یہ ہے کہ تو یہ بات مان لے اور اقرار کرلے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے یکتا ہے، نہ تو کوئی اس کا ثانی ہے اور نہ کوئی چیز اس جیسے افعال کر سکتی ہے۔

ابوعبداللہ[۲۱] بن خفیف فرماتے ہیں: قلوب کا ان سارے غیبوں کی تصدیق کرنا ایمان ہے، جن کا علم حق تعالیٰ کو حاصل ہے۔

ابوالعباس[۲۲] سیاری فرماتے ہیں اللہ کی عنایات دو طرح کی ہیں۔ کرامت اور استدراج اللہ تعالیٰ نے جس عنایت کو تمہارے لئے برقرار رکھا وہ کرامت ہے اور جس کو زائل کر دیا وہ استدراج۔ لہٰذا یوں کہا کرو کہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ مومن ہوں اور یہ ابوالعباس سیاری اپنے وقت کے شیخ تھے۔

میں نے استاذ ابو علی[۲۳] دقاقؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک شخص نے ابوالعباس سیاری کا پاؤں دبا دیا

تو فرمانے لگے۔ تو کیا اس پاؤں کو پامال کرتا ہے جسے میں نے کبھی بھی اللہ کی نافرمانی میں نہیں اٹھایا۔

ابوبکر واسطی[24] فرماتے ہیں: "جو شخص یہ کہے کہ میں درحقیقت اللہ پر ایمان رکھنے والا ہوں۔ اسے ہم کہیں گے کہ حقیقت کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے کامل اطلاع اور کلی احاطہ وعلم حاصل ہو۔ لہذا جسے یہ بات حاصل نہ ہوگی اس کا ایسا دعویٰ کرنا باطل ہوگا۔ اس کا مقصد وہی ہے جس کو اہل سنت نے ظاہر کیا ہے کہ "حقیقی مومن وہی ہوسکتا ہے جس کے جنتی ہونے کا حکم لگ چکا ہو۔ لہذا جسے اللہ تعالیٰ کے اس راز کا علم نہ ہو اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ وہ حقیقی معنوں میں مومن ہے صحیح نہ ہوگا۔"

سہل تستری کا قول (۲۵)

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابوالحسن[26] عنبری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے سہل[27] بن عبداللہ تستری کو یہ کہتے سنا۔

"ایمان والے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، مگر نہ احاطہ کر سکیں گے اور نہ اس کی انتہا کو پاسکیں گے۔"

ابوالحسن نوری کا قول

ابوالحسن[28] نوری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کا مشاہدہ کیا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے بڑھ کر کسی دل کو اپنا مشتاق نہ پایا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے فوراً دیدار اور مکالمہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج سے مشرف کیا۔

اللہ تعالیٰ لامکان ہے ابوعثمان مغربی کے خادم محمد بن محبوب کا قول

میں نے امام ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک[29] رحمۃ اللہ علیہ (متوفی سنہ ۴۰۶ء) سے سنا۔ فرماتے تھے کہ میں نے ابوعثمان مغربی[30] کے خادم محمد بن محبوب سے سنا۔ انھوں نے کہا کہ مجھ سے ایک دن ابوعثمان مغربی نے سوال کیا۔ اے محمد! اگر تجھ سے کوئی پوچھے کہ تیرا معبود کہاں ہے؟ تو کیا جواب دوگے؟ میں نے عرض کیا کہ میں کہوں گا کہ میرا معبود وہاں ہے جہاں وہ ازل سے تھا۔ انھوں نے پھر کہا اگر وہ یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے کہاں تھا؟ تو پھر کیا کہوگے؟ انھوں نے پھر کہا کہ میں کہوں گا کہ "جہاں اب ہے" ان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ پہلے لامکان تھا اسی طرح اب بھی وہ لامکان ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی خاص جہت میں نہیں

اس پر ابوعثمان مغربیؒ مجھ سے بہت خوش ہوئے اور اپنی قمیص اتار کر مجھے دی۔ میں نے امام ابوبکر بن فورک سے سنا۔ وہ فرماتے تھے میں نے ابوعثمان مغربی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ میرا عقیدہ کسی قدر خدا کی جہت کے متعلق تھا۔ لیکن میں بغداد پہنچا تو یہ عقیدہ جاتا رہا۔ اس پر میں نے اپنے ان ساتھیوں کو جو مکہ میں تھے لکھ بھیجا کہ میں از سرِ نو مسلمان ہوا ہوں۔"

محمد بن الحسینؒ سلمی نے مجھے بتایا کہ کسی نے ابوعثمان مغربیؒ سے مخلوق کے متعلق سوال کیا تو فرمایا:۔
مخلوق تو محض ڈھانچے اور اشکال ہیں۔ جن پر قدرت کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خالقِ افعال ہیں

واسطیؒ[۴۱] فرماتے ہیں، جس طرح روحوں اور جسموں کا قیام اور ظہور اللہ سے ہوا ہے نہ ان کی اپنی ذات سے اسی طرح خیالات اور حرکات کا قیام بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اپنی ذات سے نہیں، اس لئے کہ حرکات و خیالات تو اجسام اور ارواح کے فروع ہیں۔ انھوں نے یہ بات صراحتہً بیان کی کہ بندوں کے اعمال کا خالق خدا ہے چنانچہ جس طرح ہر قسم کے جوہر کا خالق خدا کے سوا کوئی نہیں اسی طرح ہر عرض کا خالق بھی خدا ہی ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰنؒ سلمی سے انھوں نے محمد بن عبداللہ[۴۳] سے انھوں نے ابوجعفر صیدلانیؒ[۴۳] سے انھوں نے ابوسعید خراز سے سنا، فرماتے تھے۔[۴۴]

جس کا یہ خیال ہے کہ وہ اپنی کوششوں سے اپنے مطلوب تک پہنچ جائے گا۔ تو اسے جان لینا چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو یونہی تھکا رہا ہے اور جو یہ سمجھے کہ وہ بغیر کوشش کے پہنچ جائے گا تو یہ شخص خام تمنا کر رہا ہے۔

واسطیؒ[۴۵] فرماتے ہیں کہ مقامات تو اللہ کی تقسیم کردہ قسمتیں اور جاری کردہ صفات ہیں۔ انھیں کوئی حرکات کے ذریعہ کیسے پا سکتا ہے ؟ یا کیسے حاصل کر سکتا ہے ؟۔

کسی نے واسطیؒ سے اللہ کے ساتھ یا اللہ کے لئے کفر کرنے کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کفر۔ ایمان۔ دنیا اور آخرت سب کی سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ اسی کی طرف ان کی انتہا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کی بقا ہے اور یہ سب اسی کے ملک ہیں۔ من اللہ اس لیئے کہ ان کی ابتداء اسی سے ہوئی۔ الیٰ اللہ اس لئے کہ ان کا مرجع اور انتہا اسی کی طرف ہے۔ اور باللہ اس لیے کہ ان کی بقاء اور

فنا اسی کے ساتھ ہے ۔ اور للہ اس لئے کہ یہ سب اللہ کی ملکیت اور مخلوق ہیں۔

جنیدؒ فرماتے ہیں کہ کسی نے کسی عالم سے توحید کے متعلق سوال کیا تو عالم نے جواب دیا کہ توحید نام ہے یقین کا ۔

سائل نے پھر کہا :۔ میرے لئے اس کی حقیقت کی وضاحت کیجئے ۔

تو فرمایا کہ تمہارا الیقین کے ساتھ جان لینا کہ مخلوق کی حرکات و سکنات خدا لئے وحدہٗ لاشریک کے افعال ہیں۔ جب تجھ کو ایسا الیقین حاصل ہو گیا تو، تو موحّد بن گیا ۔

میں نے محمد بن الحسین رحمۃ اللہ سے سنا۔ فرماتے تھے ۔ میں نے عبدالواحد بن علیؒ[۳۶] سے سنا، فرماتے تھے ۔ میں نے القاسمؒ[۳۷] سے سنا، فرماتے تھے، میں نے محمد بن موسیٰ الواسطی سے سنا، فرماتے تھے کہ میں نے محمد بن الحسین الجوہریؒ[۳۸] سے سنا، فرماتے تھے کہ ایک شخص نے ذوالنون مصری کے پاس آکر درخواست کی کہ میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے ۔ فرمایا۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے علم غیب کی تائید توحید کی صداقت کے یقین کے ساتھ کی ہے تو تمہارے لئے بہت سی دعاؤں کی قبولیت مقدر ہو چکی ہے ۔ ورنہ محض پکارنے سے ڈوبتے ہوئے کو نہیں بچایا جا سکتا ۔

واسطیؒ فرماتے ہیں کہ فرعون نے کھلم کھلا ربوبیت کا اعلان کیا اور معتزلہ نے در پردہ اور چھپ کر کیا۔ کیونکہ وہ[۳۹] کہتے ہیں ۔ میں نے جو چاہا کیا۔"

ابوالحسین نوریؒ فرماتے ہیں ہر وہ خیال جس سے تشبیہ کے خواطر و اوہام مزاحم نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کرتا ہو، توحید ہے

شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ نے ہم سے بیان کیا، فرمایا میں نے عبدالواحد بن[۴۰] بکر سے انھوں نے ملال بن احمدؒ[۴۱] سے سنا فرماتے تھے کسی نے ابو علی[۴۲] رودباری سے توحید کے متعلق سوال کیا۔ انھوں نے جواب دیا :۔

توحید یہ ہے کہ دل مضبوطی کے ساتھ اس عقیدہ پر جما رہے کہ اللہ تعالیٰ افعال سے معطل نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی چیز سے مشابہت رکھتا ہے ۔ نیز توحید صرف ایک جملہ میں آجاتی ہے یعنی ہر وہ چیز جو ہمارے وہموں اور فکروں میں متصور ہے اللہ تعالیٰ اس سے مختلف ہے ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (اس کے مثل کوئی چیز نہیں، وہ سننے اور دیکھنے

والا ہے)

ابوقاسم نصر آبادی[۴۳] فرماتے ہیں۔ جنت اس لئے قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قائم رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا تمہیں یاد کرنا اس کی رحمت اور تمہاری محبت اس وقت تک قائم رہے گی جب تک وہ خود قائم ہے اور ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک تو وہ چیز ہے جس کی بقاء کا انحصار اس کی ذات پر ہے اور دوسری وہ جس کی بقا اس ذاتِ الٰہی کے باقی رکھنے سے قائم ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ باقی و دائم ہیں

ابو القاسم نصر آبادی کا یہ قول انتہائی تحقیق پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ اہلِ حق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس وقت تک باقی ہیں جب تک وہ باقی ہے چنانچہ انھوں نے اس مسئلہ پر تنبیہ کر دی ہے۔ اہلِ حق کے مخالفین بالکل اس کے خلاف کہتے ہیں۔ انھوں نے ناحق، حق کی مخالفت کی۔

محمد بن الحسین[۴۴] کہتے ہیں کہ میں نے نصر آبادی سے سنا، فرماتے تھے:۔ تو اللہ کے افعال کی صفات اور ذات کی صفات میں متردد ہے۔ حالانکہ دونوں درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔ چنانچہ جب وہ تجھے مقام[۴۵] تفرقہ میں سرگرداں کر دے تو وہ تجھے فعل کی صفات کے ساتھ ملا دیتا ہے، اور جب تجھے "مقام جمع" تک پہنچا دے تو تجھے اپنی ذات کی صفات سے ملا دیتا ہے۔

یہ ابو القاسم نصر آبادی (متوفی ۳۶۹ھ) اپنے وقت کے شیخ تھے۔

مَیں نے استاد امام ابو اسحٰق اسفرائنی[۴۶] سے سنا، وہ فرماتے تھے جب میں بغداد سے آیا تو ایک دن میں نیشاپور کی جامع مسجد میں روح کے مسئلہ پر درس دے رہا تھا۔ اور اس بات کی وضاحت کر رہا تھا کہ روح مخلوق ہے۔ ابو القاسم نصر آبادی ہم سے دُور بیٹھے غور سے میری تقریر سن رہے تھے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد جب ایک دن ہمارے یہاں سے گذرے تو محمد فرّا کو فرمانے لگے تم گواہ رہنا کہ میں اس شخص (میری طرف اشارہ کرتے ہوئے) کے ہاتھ پر از سرِ نو مسلمان ہوا ہوں۔

میں نے محمد بن الحسین السلمی سے انھوں نے ابو حسین الفارسی[۴۸] سے، انھوں نے ابراہیم بن فاتک[۴۹] سے انھوں نے جنید سے سنا فرماتے تھے۔

بھلا اس خدا کا اتصال جس کی نہ کوئی نظیر ہے، نہ کوئی ہم شبہ، ان چیزوں یا اشخاص کے ساتھ کیسے ہو سکتا ہے جن کا مشابہ بھی موجود ہے۔ اور نظیر بھی۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک عجیب

گمان ہے ۔ ہاں اگر اللہ کا لطف و کرم ہو جاتے ۔ تو یہ ممکن ہے، کیونکہ درک ، وہم اور احاطہ بے کار و بے معنی نہیں ۔جب تک کہ اللہ کی طرف سے یقین کا اشارہ اور ایمان کی تحقیق ممدو معاون نہ ہو۔

محمد بن الحسین رحمہ اللہ نے ہمیں خبر دی، کہا میں نے عبد الواحد بن بکر سے سنا ، فرماتے تھے کہ مجھ سے احمد بن محمد بن علی[۵۰] البردعی نے اور ان سے طاہر بن اسمٰعیل الرازی نے بیان کیا۔ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معاذ[۵۱] (م ۲۵۸ھ) سے کسی نے اللہ تعالیٰ کے متعلق سوال کیا فرمایا ۔" ایک ہی خدا ہے"۔

پھر سوال کیا گیا۔" وہ کیسا ہے"؟

فرمایا :۔ قدرت والا بادشاہ ہے۔

پھر سوال کیا گیا :۔ کہاں ہے ؟

فرمایا :۔ کہ گھات میں

اس پر سائل نے کہا۔ میرا یہ سوال نہیں ہے۔

آپ نے جواب دیا۔ اس کے علاوہ جو صفات ہیں وہ مخلوق کی صفات ہیں ۔ اللہ کی صفات تو وہی ہیں ۔جن کو میں نے بیان کر دیا۔

ہم سے محمد بن الحسین نے بیان کیا کہ میں نے ابو بکر الرازی[۵۲] سے اور انھوں نے ابو علی الرود باری[۵۳] سے سُنا ۔ وہ فرماتے تھے :۔

ہر وہم و خیال کرنے والے نے اپنی جہالت سے جو کچھ بھی وہم و خیال کیا کہ اللہ ایسا ہے ۔عقل بتاتی ہے کہ وہ ویسا نہیں ہے۔

مع کے معنی

ابن شاہین[۵۴] نے جنید سے " مع " کے معنی دریافت کئے تو فرمایا :۔

" مع " کے دو معنی ہیں۔ اگر انبیاء کا ذکر ہو تو اس سے مراد مدد اور حفاظت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اِنَّنِي مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى (بیشک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں تمہاری باتیں سُنتا ہوں اور تمہیں دیکھتا ہوں) اور اگر عوام کا ذکر ہو تو اس سے مراد علم اور احاطہ ہے ، جیسے مَا یَکُونُ مِن نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ (یعنی جو پوشیدہ باتیں تین آدمیوں میں ہوتی ہیں تو اللہ اس کے ساتھ چوتھا یعنی ان کی باتوں کو جانتا ہے)

اس پر ابن شاہین نے کہا۔ آپ ہی جیسی ہستیاں امت کی اللہ کی طرف رہنمائی کرنے کی صلاحیت

رکھتی ہیں۔

ذوالنون مصریؒ سے کسی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان الرحمٰن علی العرش استویٰ (مہربان اللہ عرش پر متمکن ہے) کے متعلق سوال کیا تو فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا ثبوت دیا ہے۔ اور اپنے مکان کی نفی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور اشیاء اس کے حکم سے جیسا اس نے چاہا موجود ہیں۔

استویٰ علی العرش کے متعلق شبلی کا قول

شبلیؒ سے کسی نے "الرحمٰن علی العرش استویٰ" کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: رحمٰن تو ازل سے موجود ہے اور عرش حادث ہے۔ لہٰذا یہاں مراد یہ ہے "العرش بالرحمٰن استویٰ" عرش کا قیام اللہ سے ہے

جعفر بن نصیر کا قول

جعفر بن نصیر[۵۵] سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا:۔ اللہ کا علم تو ہر چیز کے متعلق یکساں ہے۔ اللہ کے ہاں کوئی چیز دوسری چیز سے زیادہ قریب نہیں۔

امام جعفر صادق کا قول

امام جعفر صادقؒ[۵۶] فرماتے ہیں:۔ جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے اندر ہے یا کسی چیز میں سے ہے۔ یا کسی چیز کے اوپر ہے تو پھر وہ چیز اللہ کی حامل ہوتی۔ اور اللہ محمول ٹھہرا۔ اگر کسی چیز کے اندر ہے تو خدا محصور ہوا۔ اور اگر کسی چیز میں سے تو محدث ٹھہرا۔ یعنی پہلے موجود نہ تھا اور اب وجود میں آیا (یہ سب شرک کے مستوجب ہیں)

امام جعفر کا ایک اور قول

امام جعفر نے اللہ تعالیٰ کے فرمان "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی" (پھر قریب ہوئے اور بہت زیادہ قریب) کے متعلق فرمایا۔ جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود قریب آیا تو اس نے اللہ کے لئے مسافت قرار دیدی۔

قرب خداوندی یہی ہے کہ جسقدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے قریب آئے۔ آپ کو علمِ معرفت کے اقسام سے دُور کر دیا۔ کیونکہ درحقیقت اللہ کے ہاں قرب و بُعد نہیں ہے۔

میں نے استاذ ابو علی[۵۷] کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا یہ واقعہ دیکھا کہ ایک صوفی سے کسی نے پوچھا "اللہ کہاں ہے"؟

تو جواب دیا: خدا تجھے تباہ کرے! جو عین (ذات یا حقیقت) ہے تو اس کے متعلق پوچھ رہا ہے

کہ وہ کہاں ہے۔

شیخ ابوعبد الرحمٰن السلمی نے ہم سے بیان کیا۔ کہا میں نے ابو العباس بن خشاب[۵۸] البغدادی سے سنا وہ فرماتے تھے۔ میں نے ابو القاسم بن موسیٰ سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے محمد بن احمد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے الانصاری[۵۹] سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے خرّاز کو یوں کہتے ہوئے سنا۔

قرب کی حقیقت یہ ہے کہ دل سے اشیاء کا احساس معدوم ہو جائے اور اللہ کی طرف رتوجہ کرنے پر ضمیر کو سکون حاصل ہو جائے۔

قرآن غیر مخلوق ہے

میں نے محمد بن الحسین سے پوچھا، انھوں نے محمد بن علی الحافظ[۶۰] سے، انھوں نے ابو معاذ القزوینی سے، انھوں نے ابو علی الدلال سے انھوں نے ابوعبداللہ ابن قہرمان[۶۱] سے سُنا کہ ابراہیم الخواص[۶۲] فرماتے تھے۔ میں چلتے چلتے ایک شخص کے پاس پہنچا۔ جسے شیطان نے پچھاڑ دیا تھا میں نے اس شخص کے کان میں اذان دینا شروع کی تو اس کے پیٹ سے شیطان نے پکار کر کہا مجھے چھوڑ دے تاکہ میں اسے مار ڈالوں۔ کیونکہ یہ کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔

ابن عطا آدمی[۶۳] (متوفی ۳۰۹ھ) فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حروف کو پیدا کیا تو انہیں راز میں رکھا۔ پھر جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو یہ راز اس میں رکھ دیا اس راز کا علم کسی فرشتہ کو نہ تھا۔ یہ حروف آدم علیہ السلام کی زبان پر مختلف زبانوں کی صورت میں جاری ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان حروف کو مختلف زبانوں کے لئے خاص صورت دے دی۔

یہاں ابن عطا نے صراحتہً بیان کر دیا کہ حروف مخلوق ہیں۔ سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں:۔ حروف فعل کی زبان ہیں۔ ذات کی زبان نہیں۔ اس لئے یہ حروف مفعول کے اندر فعل کا نتیجہ ہیں۔ فرماتے ہیں:۔ یہ بھی اس بات کی تصریح ہے کہ حروف مخلوق ہیں۔

جوابات مسائل الشامین میں جنیدؒ فرماتے ہیں:۔ توکل دل کا عمل ہے اور توحید دل کا قول۔ فرماتے ہیں کہ اہل اصول کا بھی قول ہے کہ قول ہی وہ مفہوم ہے۔ جو دل میں قائم ہو۔ خواہ امر ہو، نہی ہو، خبر ہو یا استخبار۔

جوابات مسائل الشامین میں جنیدؒ فرماتے ہیں:۔ اللہ تعالیٰ علم غیب کو جاننے میں تنہا ہیں۔ اس لئے کہ اللہ کو ان تمام امور کا علم ہے۔ جو ہو چکے۔ یا جو آئندہ ہوں گے۔ یا جو نہیں ہونے کے باوجود

کہ اگر ہوتے تو کس طرح ہوتے۔

حسین بن منصور فرماتے ہیں:- جو شخص توحید کی حقیقت معلوم کرلے۔ وہ کیوں (لِمَ) کیسے اور (کیف) نہ کہے گا۔

محمد بن الحسین نے ہم سے بیان کیا۔ کہا میں نے منصور بن عبد اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے جعفر محمد[رح] سے سُنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جنید[رح] کا فرمان ہے:۔" میدان توحید میں غور و خوض کے لئے بیٹھنا سب سے اشرف و اعلیٰ مجلس ہے۔"

رُوح مخلوق ہے

واسطی فرماتے ہیں کہ:۔ جتنی چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں، ان میں سے افضل ترین روح ہے۔

یہاں واسطی نے تصریح کر دی کہ روح مخلوق ہے۔

استاذ امام زین الاسلام ابوالقاسم[رح] (قشیری) فرماتے ہیں: ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مشائخ صوفیہ کے عقائد اہل حق کے اقوال اور اصولی مسائل کے عین مطابق ہیں۔

ہم نے اتنے ہی پر اس لئے اکتفا کی ہے کہ کہیں ایجاز و اختصار کی حد سے باہر نہ نکل جائیں۔

فصل (۲)

استاذ زین الاسلام ابوالقاسم ادام اللہ عزہ فرماتے ہیں یہ چند فصلیں ہیں جو مسائل توحید کے بارے میں صوفیاء کے عقائد پر مشتمل ہیں ہم نے انھیں بالترتیب ذکر کر دیا ہے۔

صوفیا کے طریقہ کے شیوخ جیسا کہ ان صوفیا کے متفرق اور مجموعۂ کلام اور توحید کے بارے میں ان کی تصنیفات سے پتہ چلتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ موجود ہے۔ قدیم ہے ایک ہے حکیم ہے۔ قادر ہے۔ علیم ہے۔ غالب ہے رحیم ہے۔ ارادہ کرنے والا ہے۔ سُننے والا ہے۔ بزرگ ہے۔ بلند ہے۔ بولنے والا ہے۔ دیکھنے والا ہے۔ بڑائی چاہنے والا ہے۔ قدرت والا ہے۔ زندہ ہے۔ یکتا ہے۔ باقی ہے۔ بے نیاز ہے۔ (صمد) اور یہ کہ اللہ علم کے ساتھ علم رکھتا ہے۔ قدرت کے ساتھ قدرت رکھتا ہے۔ ارادہ کے ساتھ ارادہ کرتا ہے

کان سے سنتا ہے۔ آنکھ سے دیکھتا ہے۔ کلام کے ساتھ بولتا ہے۔ زندگی کے ساتھ زندہ ہے۔ بقا کے ساتھ باقی ہے۔ اس کے دو ہاتھ ہیں۔ یہ دو ہاتھ دو صفتیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اس کا چہرہ خوبصورت ہے۔ اس کی ذات کی صفتیں اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ نہ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ صفات بعینہٖ خدا ہیں۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صفات غیر ہیں۔ بلکہ یہ اس کی ازلی صفتیں اور ابدی خوبیاں ہیں۔ اس کی ذات یکتا ہے۔ نہ تو وہ کسی بنائی ہوئی چیز کے مشابہ ہے۔ اور نہ کسی مخلوق کے نہ وہ جسم ہے نہ جوہر نہ عرض۔ نہ تو اس کی صفات اعراض ہیں نہ ہی وہ اوہام میں متصور ہو سکتا ہے۔ نہ عقلیں اس کا اندازہ لگا سکتی ہیں۔ نہ اس کی کوئی جہت ہے نہ جگہ۔ اس پر وقت اور زمان کا گزر نہیں ہوتا۔ اس کے وصف میں زیادتی و کمی جائز نہیں۔ نہ کوئی ہیئت اس کو خاص بناتی ہے۔ نہ کوئی قد مخصوص بناتا ہے۔ نہ کو نہایت اور حد اس کو قطع کرتی ہے۔ نہ کوئی حادث چیز اس پر وارد ہوتی ہے۔ اور نہ کوئی اکسانے والا اسے کسی فعل پر اکسا سکتا ہے۔ اس پر کوئی (دنیا کا) رنگ طاری نہیں۔ نہ کون (و فساد) اس کے لئے جائز ہے۔ کوئی مدد یا کمک اس کی مدد کو نہیں آتی۔ کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ کوئی فطرت کی پیداوار اس کے حکم سے الگ نہیں۔ اس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں۔ وہ جیسا چاہے اور جو کچھ چاہے کرتا ہے اپنے کسی فعل پر ملامت نہیں کیا جاتا۔ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ کہاں ہے؟ کس جگہ اور کیسا ہے؟ اس کے وجود کی ابتدا کے متعلق بھی ہم سوال نہیں کر سکتے نہ یہ کہ وہ کب ہوا اور اس کی بقا کی کوئی انتہا ہے کہ کہا جائے۔ اس نے اپنی مدت اور زمانے کو پورا کر لیا۔ نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے جو کام کیا وہ کیوں کیا؟ کیونکہ اس کے افعال کی کوئی علت نہیں۔ نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کیا ہے کیونکہ اس کی کوئی جنس نہیں۔ کہ اس کے اشکال کو کسی علامت کے ذریعہ الگ کیا جائے۔ وہ دیکھا جا سکتا ہے مگر مقابلہ سے نہیں۔ (یعنی آمنے سامنے ہونے کی ضرورت نہیں) وہ اوروں کو دیکھتا ہے۔ لیکن آنکھ ملا کر نہیں۔ وہ بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مشق کے کام کرتا ہے۔ اس کے اچھے نام اور بلند صفات ہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور بندے اس کے حکم کے سامنے عاجزی کرتے ہیں۔ اس کی حکومت کے اندر وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور اس کے اندر صرف وہی امور حاصل ہو سکتے ہیں جو تقدیر میں لکھے جا چکے ہیں جن حادثات کے ہونے کا اسے علم ہے ان کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور ان چیزوں میں سے جو ہو سکتی ہیں جن کے متعلق اس کو علم ہے

کہ نہ ہوں گی۔ ان کے نہ ہونے کا ارادہ کرتا ہے۔ بندوں کے تمام (کسب کئے ہوئے) اعمال کا خواہ نیک ہوں یا بد وہی خالق ہے اور دنیا کے تمام اعیان و آثار کا خواہ تھوڑے ہوں یا زیادہ وہی موجدِ اول ہے وہ قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجتا رہا۔ باوجودیکہ ان کو بھیجنا اس پر لازم نہیں تھا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانی اس نے بندوں کو اس طریقہ سے اپنا غلام بنا رکھا ہے کہ کوئی نہ اسے ملامت کر سکتا ہے اور نہ اس پر کوئی اعتراض کر سکتا ہے۔ وہ واضح معجزات اور روشن آیات کے ساتھ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اس طرح کرتا رہا کہ کوئی عذر باقی رہا اور یقین اور انکار واضح ہو گیا۔ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرکزِ اسلام کی حفاظت خلفاء راشدین کے ذریعہ کی۔ اپنے اولیاء کی زبانوں پر جو دلائل اس نے ظاہر کئے ان کے ذریعہ اس نے حق کی پاسبانی اور حفاظت کی۔ اللہ نے اُمت حنیفیہ کو گمراہی پر متفق ہونے سے بچائے رکھا۔ اور اپنی رہنمائی کی بدولت اس نے باطل کے مادہ کو برباد کر دیا۔ اللہ تعالےٰ نے دین کی مدد کرنے کا جو وعدہ اپنی آیت پاک لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْکَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ۔ اُسے پورا کر دکھایا۔

یہ چند فصول مختصر طور پر اصولِ مشائخ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ وباللہِ التوفیق۔

باب

مشائخ طریقت اور انکے ان اخلاق و اقوال کا بیان جو شریعت کی تعظیم پر دلالت کرتے ہیں

تمہیں معلوم ہو، خدا تم پر رحم کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کے بزرگوں نے اپنے زمانے میں رسول اللہ کی صحبت کے سوا اسم علم یا اور کسی نام کو اپنے لئے پسند نہیں کیا۔ اس لئے کہ اُن کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور فضیلت نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ انھیں صحابہ کہا گیا۔

تصوّف کب سے شروع ہوا

جب دوسرے زمانہ کے لوگ آئے تو صحابہ کی صحبت میں رہنے والوں کو تابعین کہا گیا۔ انھوں نے اس نام کو نہایت ہی شرف والا نام سمجھا۔ پھر اُن کے بعد کے لوگوں کو اتباعُ التابعین کہا گیا۔ اس کے بعد

لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ اور جدا جدا مراتب پیدا ہو گئے۔ چنانچہ ان خاص قسم کے لوگوں کو جنھیں دینی امور کے ساتھ خاص لگاؤ تھا۔ "زاہد" اور "عابد" کہنے لگے۔ پھر بدعتیں رونما ہونے لگیں۔ ہر فرقہ مدعی بن بیٹھا کہ ان میں "زاہد" پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اہل سنت میں سے ان خاص لوگوں نے جنھوں نے اپنے انفاس کو اللہ کے لئے وقف کر دیا۔ اور اپنے دلوں کو غفلت کے طاری ہونے سے محفوظ رکھا۔ اپنے لئے ایک الگ نام "تصوف" رکھ لیا۔ ان بزرگوں کے لئے یہ نام دوسری ہجری سے پہلے مشہور ہو چکا تھا۔

تصوف کا نام دوسری ہجری سے پہلے مشہور ہو گیا تھا

ہم اس باب میں اس طریقہ کے شیوخ میں سے طبقۂ اولیٰ سے لے کر متاخرین کے وقت تک کے چند شیوخ کا ذکر کریں گے۔ اس کے ساتھ ان کے ان اخلاق اور اقوال کا مختصر ذکر بھی ہوگا۔ جن سے ان کے اصول اور آداب کی وضاحت انشاء اللہ تعالیٰ ہو جائے گی۔

ابراہیم بن ادھم متوفی ۱۶۲ھ

ان میں سے ایک ابو اسحٰق ابراہیم[۶۵] بن ادھم بن منصور ہیں جو بلخ کے رہنے والے تھے۔ یہ ایک شہزادے تھے۔ ایک روز شکار کے لئے نکلے۔ لومڑی یا خرگوش کا پیچھا کیا۔ وہ ابھی اس کی تلاش میں تھے۔ کہ ہاتف نے آواز دی: اے ابراہیم! کیا تو اسی لئے پیدا کیا گیا ہے؟ یا کیا تجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے؟ اس کے بعد زین کے ہرنے پر سے ایک آواز نے کہا:۔ اللہ کی قسم نہ تو اس لئے پیدا ہوا ہے اور نہ تجھے یہ حکم دیا گیا ہے۔ یہ سن کر وہ گھوڑے سے اتر آئے۔ راستہ میں انھیں اپنے باپ کا ایک چرواہا ملا۔ جس سے انھوں نے اس کا چوغہ لے کر پہن لیا۔ اور اسے اپنا گھوڑا معہ سازو سامان کے دے دیا۔ اور جنگل میں نکل گئے۔ پھر مکہ آئے اور وہاں سفیان[۶۶] ثوری اور فضیل بن عیاض کی صحبت میں رہے۔ پھر شام آ گئے اور وہیں وفات پائی۔

ابراہیم اپنے ہاتھ کی کمائی سے روزی حاصل کرتے تھے۔ مثلاً فصل کی کٹائی اور باغوں کی نگہبانی وغیرہ سے جنگل میں انھیں ایک شخص ملا۔ جس نے انھیں اسم اعظم سکھایا۔ انھوں نے اسم اعظم پڑھ کر دعا کی تو خضر علیہ السلام کا دیدار نصیب ہوا۔ خضر نے انھیں بتایا کہ وہ داؤد علیہ السلام تھے۔ جنھوں نے ان

کو اسم اعظم سکھایا تھا۔

اس کی خبر ہمیں الشیخ ابو عبدالرحمن السلمی رحمۃ اللہ نے دی۔ انھوں نے کہا ہم سے محمد بن الحسین بن الخشاب نے بیان کیا، کہا ہم سے ابوالحسین[۶۸] علی بن المصری نے بیان کیا کہا ہم سے ابوسعید الخراز نے بیان کیا۔ کہا ہم سے ابراہیم[۶۹] بن بشار نے بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا میں ابراہیم بن ادھم کی صحبت میں تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے ترک دنیا کی ابتدا کیسے ہوئی۔ تو انھوں نے مذکورہ بالا قصہ سنایا۔

پرہیز گاری میں ابراہیم بن ادھم کی بہت بڑی منزلت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔ روزی پاک رکھو۔ تم اگر دن کو روزہ رکھو اور رات کو قیام نہ کرو تو کوئی نقصان نہیں۔ کہتے ہیں وہ بالعموم یہ دعا مانگا کرتے تھے:۔ خدایا مجھے اپنی نافرمانی کی ذلت سے نکال کر اپنی تابعداری کی عزت کی طرف منتقل کر دے۔

کسی نے ابراہیم بن ادھم سے کہا کہ گوشت مہنگا ہو گیا ہے تو فرمایا:۔ اسے سستا کر دو۔ یعنی خرید و ہی نہیں۔ اور اپنی دلیل میں یہ شعر پڑھا:۔

وَاِذَا غلا شَیٌ عَلیَّ ترکتہُ فیکونُ اَرْخَصَ مَا یکوُن اذا غلاَ

جب کوئی چیز مہنگی ہو جاتی ہے۔ تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ لہٰذا وہ چیز مہنگی ہونے کے باوجود میرے لیے بہت سستی ہوتی ہے۔

محمد بن الحسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا، فرمایا میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا۔ انھوں نے کہا میں نے محمد بن حامد سے سنا کہا میں نے احمدؒ بن خضرویہ سے سنا کہ فرماتے ہیں ابراہیم بن ادھم نے طواف کرتے ہوئے ایک شخص نے کہا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ جب تک تو یہ چھ گھاٹیاں طے نہ کرے تو صالحین کا رتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔

۱۔ ناز و نعمت کا دروازہ بند کر دو اور سختی کا دروازہ کھول دو۔

۲۔ عزت کا دروازہ بند کر دو اور ذلت کا دروازہ کھول دو۔

۳۔ آرام و راحت کا دروازہ بند کر دو۔ اور کوشش کا دروازہ کھول دو۔

۴۔ نیند کا دروازہ بند کر دو۔ اور بیداری کا دروازہ کھول دو۔

۵۔ مال داری کا دروازہ بند کر دو اور فقر کا دروازہ کھول دو۔

۶- اُمید کا دروازہ بند کر دو اور موت کی تیاری کا دروازہ کھول دو۔

ایک واقعہ ابراہیم بن ادہم انگوروں کے باغ میں مالی کا کام کرتے تھے۔ ایک بار ایک فوجی[۲۲] کا وہاں سے گذر ہوا۔ اس نے انگور مانگے تو فرمایا مجھے مالک نے اجازت نہیں دی ہے۔ سپاہی نے کوڑے سے مارنا شروع کر دیا۔ انھوں نے اپنا سر جھکا دیا اور کہا: اس سر کو خوب مارو۔ اس نے کافی مدت تک اللہ کی نافرمانی کی ہے۔ فوجی تھک کر چلا گیا۔

دوسرا واقعہ سہل بن ابراہیم کہتے ہیں: میں ابراہیم بن ادہم کی صحبت میں رہا۔ ایک بار بیمار پڑ گیا۔ انھوں نے تمام سرمایہ میری تیمارداری میں خرچ کر ڈالا۔ مجھے کچھ کھانے کی خواہش ہوئی تو انھوں نے اپنا گدھا بیچ کر اس کی قیمت مجھ پر خرچ کر دی۔ جب میں روبصحت ہوا تو پوچھا! ابراہیم! گدھا کہاں ہے؟ فرمایا بیچ دیا۔ میں نے کہا اب میں کس پر سوار ہوں گا۔ جواب دیا۔ میرے بھائی میری گردن پر۔ اور آپ مجھے اٹھا کر تین منزل تک لے گئے۔

ذوالنون مصری م ۲۴۵ھ ان میں سے ابوالفیض ذوالنون مصری ہیں۔ بعض ان کا نام ثوبان بن ابراہیم بتاتے ہیں۔ اور بعض الفیض بن ابراہیم، ان کا باپ نوبہ کا رہنے والا تھا۔ انھوں ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔ یہ تصوف میں فوقیت رکھنے والے اور علم ورع، حال اور ادب کے لحاظ سے یکتائے روزگار تھے۔

المتوکل[۲۳] کے پاس کسی نے ان کی چغلی کھائی۔ اس نے مصر سے بلا بھیجا۔ جب اس کے پاس گئے تو اسے نصیحت کی۔ متوکل رو پڑا اور انھیں بڑی تعظیم کے ساتھ مصر واپس بھیجا۔ متوکل کا یہ حال تھا کہ جب کبھی اس کے سامنے اہل ورع کا ذکر کیا جاتا تھا۔ تو وہ رو پڑتا تھا۔ متوکل کہا کرتا تھا کہ جب اہل ورع کا ذکر ہو تو ذی النون کا ضرور ذکر کیا کرو۔

ذی النون دبلے پتلے سرخی مائل رنگ والے آدمی تھے۔ ان کی داڑھی سفید نہ تھی۔

میں نے احمد[۲۴] بن محمد سے سنا۔ انھوں نے کہا میں نے سعید[۲۵] بن عثمان سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے ذوالنون کو کہتے سنا۔

کلام کا[۲۶] دارومدار چار چیزوں پر ہے:۔ اللہ برتر جلیل کی محبت دنیا (قلیل) سے بغض قرآن (تنزیل) کی تابعداری اور تبدیلی (تحویل) کا ڈر (یعنی اس بات سے ڈرتے رہنا کہ کہیں اللہ تعالیٰ موجودہ حالت

ایمان سے بدل کر اسے کفر کی حالت میں نہ کردیں۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے سعید بن عثمان سے سنا وہ فرماتے ہیں میں نے ذوالنون کو یہ کہتے سنا:۔ اللہ کو دوست رکھنے والے کی علامتیں یہ ہیں کہ وہ اخلاق، افعال، اوامر اور سنن میں اللہ کے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرے۔

ذوالنون سے پوچھا گیا کہ کمینہ کون ہے۔ فرمایا۔ جسے اللہ تک پہنچنے کا طریقہ نہ آتا ہو۔ اور نہ کسی سے دریافت کرتا ہو۔

میں نے شیخ عبدالرحمن السلمی رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے ہیں۔ میں نے ابوبکر محمد[۷۹] بن عبداللہ بن شاذان سے سنا، فرماتے تھے۔ میں نے یوسف بن الحسین سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں۔ میں ایک دن ذوالنون کی مجلس میں گیا۔ اس وقت ان کے پاس سالم مغربی آئے ہوتے تھے۔ انھوں نے ذوالنون سے سوال کیا: اے ابوالفیض تمہاری توبہ کا کیا سبب تھا۔ فرمایا یہ ایک عجیب واقعہ ہے۔ جس کے سمجھنے کی تجھ میں طاقت نہیں۔ سالم مغربی نے کہا: تجھے تمہارے خدا کی قسم مجھے ضرور بتاؤ۔ ذوالنون نے کہا: میں نے مصر (قاہرہ) سے نکل کر کسی بستی کا ارادہ کیا، راستہ میں ایک جنگل میں سوگیا، جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اندھی چنڈول اپنے گھونسلہ سے زمین پر گر پڑی۔ پھر زمین پھٹ گئی اور اس میں سے دو کوزے نکلے، ایک سونے کا تھا اور دوسرا چاندی کا۔ اور ایک میں تل تھے۔ اور دوسرے میں پانی، چنڈول نے تل کھائے۔ اور پانی پیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر میں نے کہا میرے لئے اسی قدر کافی ہے۔ میں نے توبہ کرلی اور اللہ کے دروازہ سے چمٹا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے مجھے قبول فرمایا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا، فرماتے ہیں میں نے علی بن[۸۰] عمر سے سنا۔ کہا میں نے ابن رشیق[۸۱] سے سنا، کہا میں نے ابا ذُخانہ سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ذوالنون کو سنا کہ فرماتے تھے: جس معدہ میں کھانا بھرا ہوا ہو اس میں حکمت جاگزیں نہیں ہوسکتی۔

ذوالنون سے کسی نے توبہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا:۔ عوام کی توبہ گناہوں سے توبہ ہوتی ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے ہے۔

۳ فضیل بن عیاض ۱۸۷ھ

ان میں سے ایک ابوعلی فضیل بن[۸۲] عیاض خراسانی ہیں۔ مرو کے اطراف میں رہتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی پیدائش سمرقند میں ہوئی۔

اور ابیورد میں نشو ونما پائی۔ انھوں نے مکہ میں محرم ۱۸۷ھ میں وفات۔

توبہ کا واقعہ میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ فرماتے تھے۔ ہم سے ابوبکر محمد بن جعفر[۸۴] نے بیان کیا۔ کہا ہم سے الحسن بن عبد اللہ العسکری[۸۵] نے بیان کیا کہا ہم سے ابی ذرعہ[۸۶] نے بیان کیا کہ ہم سے محمد[۸۷] بن اسحاق بن راہویہ نے بیان کیا ہم سے ابو عمار[۸۸] نے کہا ہم سے الفضیل بن[۸۹] موسیٰ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ فضیل[۹۰] ڈاکو تھے اور ابیورد[۹۱] اور سرخس[۹۲] کے درمیانی علاقہ میں ڈاکہ زنی کیا کرتے تھے۔ ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا۔ کہ ایک لڑکی سے ان کو عشق ہوگیا۔ ایک مرتبہ جب وہ دیوار پر چڑھ کر اس کے پاس جا رہے تھے تو ان کے کانوں میں قرآن مجید کی تلاوت کی آواز آئی، پڑھنے والا یہ آیت پڑھ رہا تھا۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ ؕ

کیا مومنین کے لئے وقت نہیں آگیا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے ان کے دل عاجزی کریں۔ اس پر انھوں نے کہا:۔ اے میرے رب! ہاں وقت آگیا ہے۔

پھر یہ واپس چلے آئے۔ انھوں نے رات ایک ویرانہ میں گذاری۔ وہاں کچھ مسافر لوگ تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا یہاں سے چلے چلو۔ اوروں نے کہا:۔ صبح تک یہیں رہو کیونکہ راستہ میں فضیل ہے۔ وہ ہمیں لوٹ لے گا۔ اس پر فضیل نے توبہ کر لی۔ اور انھیں امان دی اور تا دمِ مرگ مکہ میں رہا۔

اقوالِ فضیل فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت رکھتا ہے تو اس کے غم کو زیادہ کر دیتا ہے اور جب کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو اس پر اپنی دنیا کو کشادہ کر دیتا ہے۔ ابن المبارک فرماتے ہیں جب فضیل مر گئے تو حزن وغم اٹھ گیا۔ فضیل فرماتے ہیں اگر ساری دنیا مجھے اس شرط پر دی جائے کہ مجھ سے اس کا حساب نہ لیا جائے گا تب بھی میں اس سے اس طرح بچوں گا۔ جس طرح تم مردار سے بچتے ہو کہ کہیں کپڑے کو نہ لگ جائے۔

فضیل فرماتے ہیں: اگر میں اس بات کی قسم کھاؤں کہ میں ریاکار رہوں۔ تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ اس سے کہ قسم کھاؤں کہ میں ایسا نہیں ہوں۔

فضیل فرماتے ہیں:۔ لوگوں کی خاطر ہی کام کو ترک کر دینا ریا ہے اور لوگوں کی خاطر کوئی کام کرنا شرک ہے۔

ابو علی رازی فرماتے ہیں:۔ میں تیس سال تک فضیل کی صحبت میں رہا۔ اس مدت میں میں نے

انھیں کبھی ہنستے یا مسکراتے نہیں دیکھا۔ البتہ جس دن ان کا بیٹا علی[۹۳] فوت ہوا تو مسکرائے، میں نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک بات کو پسند کیا تو میں نے بھی اسے پسند کیا۔

فضیل فرماتے ہیں: جب مجھ سے اللہ کی کوئی نافرمانی ہو جاتا ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں۔ کیونکہ میں اس کا اثر اپنے گدھے اور خادم کے برتاؤ میں پاتا ہوں۔

۴۔ معروف کرخی سنہ ۲۰۰ھ

ان میں سے ایک ابو محفوظ معروف بن فیروز کرخی ہیں[۹۴]۔ یہ مشائخ کبار میں سے تھے۔ مستجاب الدعوۃ تھے۔ لوگ ان کی قبر کے توسل سے شفا پاتے ہیں۔ بغدادیوں کا قول ہے کہ معروف[۹۵] کی قبر تریاق مجرب ہے۔ یہ علی بن[۹۶] موسیٰ رضا کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کی وفات سنہ ۲۰۰ھ میں ہوئی۔ بعض سنہ ۲۰۱ھ بتاتے ہیں۔ یہ سری السقطی کے استاد تھے۔ انھوں نے ایک روز سری السقطی سے کہا:۔ جب تجھے اللہ سے کوئی حاجت مطلوب ہو تو اللہ سے میری قسم دے کر مانگو۔

ابتداء حال

میں نے استاد ابو علی دقاق رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ معروف کرخی کے والدین عیسائی تھے۔ انھوں نے معروف کو استاذ کے پاس بھیجا۔ ابھی وہ بچے ہی تھے جب استاد اسے کہتا:۔ اللہ تین میں سے ایک ہے تو معروف کہتے:۔ نہیں خدا تو ایک ہی ہے۔ ایک دن معلم نے اسے خوب زدو کوب کیا۔ معروف بھاگ گئے۔ اس پر ان کے والدین کہا کرتے۔ کاش معروف واپس چلا آئے۔ جس دین پر چاہے وہ رہے، ہم بھی اس کا ساتھ دیں گے۔ پھر معروف علی بن موسیٰ رضا کے ہاتھوں مسلمان ہوئے اور اپنے گھر لوٹ آئے جب دروازہ پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی کون ہے؟ اس نے کہا: معروف: انہوں نے کہا کس دین پر آئے ہو؟ جواب دیا دینِ حنیف پر۔ اس کے بعد اس کے والدین بھی مسلمان ہو گئے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا انھوں نے کہا میں نے ابوبکر الرازی سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے سری السقطی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے معروف کرخی کو خواب میں دیکھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ عرش کے نیچے ہیں اور اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرما رہے ہیں کہ یہ کون ہے وہ عرض کرتے ہیں! تو بہتر جانتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ یہ معروف کرخی ہے۔ یہ میری محبت کے نشہ میں چور ہے۔ اب

میری ملاقات کے بغیر ہوش میں نہ آئے گا۔

معروف فرماتے ہیں: مجھے داوٗد طائی کے کسی مرید نے کہا خبردار! عمل نہ چھوڑنا، کیونکہ یہی تجھے اللہ کی رضا کے قریب تر کر دے گا۔ میں نے پوچھا یہ کون سا عمل ہے؟ فرمایا ہر دم اللہ کی اطاعت میں رہنا، مسلمانوں کی خدمت کرنا۔ اور ان کے لئے خالص دل سے بھلائی چاہنا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ فرماتے ہیں میں نے محمد بن عبد اللہ الرازی سے سنا، فرماتے ہیں میں نے علی بن محمد[۹۸] الدلال سے سنا، فرماتے ہیں میں نے محمد بن الحسین[۹۹] سے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ میں نے معروف کرخی کو ان کی موت کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا:۔ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انھوں نے جواب دیا:۔ کہ مجھے اللہ نے معاف کر دیا۔ میں نے کہا کیا تمہارے زہد و پرہیزگاری کی وجہ سے؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ اس لئے کہ میں نے ابن سماک[۱۰۰] کی نصیحت کو قبول کیا۔ فقر کو اختیار کیا۔ اور فقیروں سے محبت کی۔

ابن سماک کی نصیحت

ابن سماک کی نصیحت کا قصہ یوں ہے۔ معروف کہتے ہیں کہ میں کوفہ سے گزر رہا تھا۔ ابن سماک لوگوں کو وعظ و نصیحت کر رہے تھے۔ کہ میں ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ انھوں نے وعظ کے دوران فرمایا:۔

جس نے اللہ سے پوری طرح منہ موڑا، اللہ اس سے تھوڑا سا منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور جو دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور تمام دنیا کی توجہ اس کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور جو کبھی ادھر ہو کبھی اُدھر یعنی کبھی اللہ کی طرف متوجہ ہو اور کبھی دنیا کی طرف تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی وقت اس پر رحم فرما دیں۔"

ان کے اس کلام کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا۔ لہٰذا میں اللہ کی طرف متوجہ ہوا اور اپنے آقا علی بن موسیٰ الرضا کی خدمت کے سوا سب کچھ ترک کر دیا۔ میں نے اس وعظ کا ذکر اپنے آقا سے کیا تو انھوں نے فرمایا اگر تو اس نصیحت پر عمل کرے تو یہی تیرے لئے کافی ہے۔

اس حکایت کو مجھ سے محمد بن الحسین نے بیان کیا۔ کہا میں نے بغداد کے حافظ عبد الرحیم[۱۰۱] بن علی سے سُنا۔ فرماتے تھے میں نے محمد بن عمر[۱۰۲] بن الفضل سے سنا، فرماتے تھے میں نے علی بن عیسیٰ سے سنا، فرماتے تھے میں نے سری السقطی سے سنا فرماتے تھے میں نے معروف سے اس قصہ کو سُنا۔

مرض موت میں وصیت | جب معروف مرض الموت میں تھے تو ان سے کہا گیا کچھ وصیت کرو، تو فرمایا: "جب میں مرجاؤں تو میری قمیص کو خیرات کردینا۔ کیونکہ جس طرح دنیا میں ننگا آیا تھا اُسی طرح ننگا جانا چاہتا ہوں (۱۰۴)"

ایک واقعہ | معروف کا گذر ایک سقاء پر ہوا جو یہ کہہ رہا تھا: "جو میرا پانی پیئے اس پر اللہ کی رحمت ہو" معروف اس دن روزہ سے تھے۔ مگر پھر بھی انھوں نے آگے بڑھ کر پانی پی لیا۔ کسی نے کہا آپ کا تو روزہ تھا؟ جواب دیا ہاں روزہ تھا مگر اس کی دعا کی اُمید میں میں نے ایسا کیا ہے (۱۰۵)۔

۵۔ سری سقطی م ۲۵۷ھ | ان میں سے ابوالحسین (۱۰۶) سری بن المغلس السقطی ہیں۔ یہ جنید کے خالو اور استاد تھے۔ اور معروف کرخی کے شاگرد۔ ورع احوال سنت اور علوم توحید میں یکتائے روزگار تھے۔

میں نے محمد بن الحسین سے، انھوں نے کہا میں نے عبداللہ بن علی الطوسی سے، وہ فرماتے ہیں میں نے ابو عمر (۱۰۷) بن علوان سے سُنا، فرماتے تھے میں نے ابوالعباس بن مسروق سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ سری سقطی (کباڑی) جو معروف کرخی کے شاگرد تھے بازار میں تجارت کیا کرتے تھے۔ ایک دن معروف اُن کے پاس آئے۔ اُن کے ساتھ ایک یتیم بچہ تھا۔ فرمایا۔ اس یتیم کو کپڑا پہننے کو دو۔ سری کہتے ہیں کہ میں نے اسے کپڑا پہننے کو دے دیا۔ اس سے معروف بہت خوش ہوئے اور کہا خدا تجھے دنیا سے متنفر کر دے۔ اور جس مصیبت میں تو مبتلا ہے اس سے تجھے راحت دے جب میں دکان سے اٹھا تو دنیا سے بڑھ کر کسی چیز کا بغض میرے دل میں نہ تھا۔ میری تمام کیفیت اور حالت معروف کی برکت کا نتیجہ ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ سے سنا، فرماتے تھے میں نے ابوبکر الرازی سے سنا، فرماتے تھے میں نے ابوعمر (۱۰۸) الانماطی سے سنا۔ فرماتے تھے، میں نے جنید سے سنا وہ فرماتے ہیں میں نے سری سے زیادہ عبادت گذار کسی کو نہیں دیکھا۔ اٹھانوے سال اُن پر بیت گئے مگر سوائے مرض موت کے انہیں کبھی لیٹا ہوا نہیں دیکھا۔۔۔ سری سے حکایت کی جاتی ہے کہ انھوں نے فرمایا: "تصوف تین باتوں میں پایا جاتا ہے (۱) صوفی کا نورِ معرفت اس کی پرہیزگاری کے نور کو نہ بجھا دے (۲) اپنے باطن

سے کوئی ایسی بات نہ کہے جو نص قرآنی یا نص سنت کے خلاف ہو (۳) کرامات دکھانے کی خاطر کوئی حرام بات نہ کر جائے ـــــ اُن کی وفات ۲۵۷ھ میں ہوئی۔

مَیں نے اپنے استاد ابوعلی دقاق کو جنیدؒ سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ انھوں نے فرمایا ایک روز سَری نے مجھ سے پوچھا محبت کیا چیز ہے؟ مَیں نے عرض کیا :۔ بعض کہتے ہیں موافقت کا نام ہے۔ بعض ایثار بتاتے ہیں۔ اور بعض ایسا ایسا کہتے ہیں اس پر سَری نے اپنے بازو کی کھال کو پکڑ کر کھینچا۔ مگر وہ نہ کھنچی (ہڈی سے لگی رہی) پھر فرمایا :۔ اللہ کے عزت وجلال کی قسم اگر میں یوں کہوں کہ اللہ کی محبت کی وجہ سے یہ کھال اس ہڈی پر خشک ہوگئی ہے تو یہ سچ ہوگا۔ اس کے بعد وہ بیہوش ہو گئے اور ان کا گول چہرہ چاند کی طرح چمکنے لگا۔ حالانکہ سَری سانولے رنگ کے تھے۔

سری کے متعلق حکایت کی جاتی ہے کہ انھوں نے فرمایا۔ تیس سال سے استغفار میں صرف اس اس بات سے اللہ کی معافی چاہ رہا ہوں کہ ایک بار میں نے "الحمد للہ" کہا تھا جب پوچھا گیا کہ یہ کیوں؟ تو فرمایا۔ بغداد میں آگ لگ گئی مجھے ایک آدمی ملا۔ اس نے کہا تمہاری دکان بچ گئی۔ اس پر میں نے "الحمد للہ" کہا۔ لہٰذا اب میں اسی لفظ کے کہنے پر تیس سال سے نادم ہوں، اس لئے کہ میں نے مصیبت میں جس میں مسلمان مبتلا تھے۔ اپنے نفس کے لئے بھلائی چاہی۔

اس حکایت کی سند یوں ہے۔ عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا میں نے ابا بکر الرازی سے سُنا فرمایا ابوبکر الحربی سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں نے سَری سے اس قصے کو سُنا۔ انھوں نے فرمایا۔ میں دن میں کئی بار اپنی ناک کو دیکھتا ہوں کہ کہیں سیاہ تو نہیں ہوگئی۔ اس لئے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ میرے اعمال کی وجہ سے میرا چہرہ سیاہ نہ کر دیں۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سُنا۔ فرماتے تھے کہ مَیں نے سری کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ "مجھے جنت میں جانے کا مختصر سا راستہ معلوم ہے۔

میں نے عرض کیا وہ کون سا راستہ ہے؟

فرمایا۔ کسی سے کسی قسم کا سوال نہ کر۔ نہ کسی سے کوئی چیز لے اور نہ تمہارے پاس کوئی چیز ہو کہ تو اس میں سے کسی کو دے سکے۔

میں نے عُبیدُ اللہ بن یوسف الاصبہانی سے سنا، فرماتے تھے، میں نے ابونصر السراج الطوسی سے

سُنا۔ وہ فرماتے تھے میں نے جعفر بن نصیر سے سُنا۔ وہ فرماتے تھے میں نے جنیدؒ بن محمد سے سُنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سری کو یوں کہتے ہوئے سُنا میں بغداد کے سوا کسی اور شہر میں مرنا چاہتا ہوں۔ کسی نے پوچھا یہ کیوں؟

فرمایا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری قبر مجھے قبول نہ کرے تو رسوا نہ ہو جاؤں

میں نے عبداللہ بن یوسف الاصبہانی سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے ابو الحسن بن عبداللہ الفوطی الطرسوسی سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے جنیدؒ سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سری کو فرماتے ہوئے سنا۔

خدایا! تو مجھے جو عذاب چاہے دے۔ مگر اپنے سے محجوب رہنے کی ذلت کا عذاب نہ دے۔

میں نے عبداللہ بن یوسف الاصبہانی سے سنا، فرماتے تھے میں نے ابوبکر الرازی سے سُنا۔ فرماتے تھے۔ میں نے الجریری[۱۱۱] سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے جنیدؒ سے سُنا۔ وہ فرماتے ہیں:۔

ایک روز میں سری سقطی کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا۔ فرمایا کل بچی آئی۔ اور کہا ابا جان! آج رات بہت گرمی ہے۔ میں یہ کوزہ یہاں لٹکائے دیتی ہوں۔ اس کے بعد میری آنکھ لگ گئی تو ایک نہایت خوبصورت لڑکی دیکھی جو آسمان سے اتری۔ میں نے پوچھا تو کس کی لڑکی ہے؟ جواب دیا اس کی ہوں جو کوزوں میں ٹھنڈا پانی نہ پیتا ہو۔ اس پر میں نے کوزہ لیا اور زمین پر دے مارا اور اس کو توڑ ڈالا۔

جنیدؒ فرماتے ہیں میں نے ان ٹھیکروں کو دیکھا ہے۔ سری نے نہ انھیں اٹھایا اور نہ چھوا۔ یہاں تک کہ مٹی نے ان کا نشان مٹا دیا۔

۶۔ بشر حافی ۲۲۷ھ

انھیں میں سے ابو نصر بشر بن الحارث الحافی ہیں۔ یہ دراصل مرد کے تھے۔ بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اور وہیں مرے۔

یہ علی[۱۱۲] بن خشرم کے بھانجے ہوتے ہیں۔ ان کی وفات ۲۲۷ھ میں ہوئی۔ یہ بہت بڑی شان والے تھے۔

توبہ کا واقعہ

ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ انھیں راستہ میں کاغذ کا ایک پرزہ ملا۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس پر لوگوں کے پاؤں پڑتے تھے۔ اس نے کاغذ اٹھا لیا۔ اور ایک درہم کی کستوری خریدی۔ اور کاغذ کو لگائی۔ اور دیوار کے شگاف میں رکھ

دیا۔اس کے بعد نیم خوابی کی حالت میں اس نے دیکھا۔کہ کوئی اسے کہہ رہا ہے:۔

اے بشر تُو نے میرے نام کو خوشبو لگائی ہے۔میں تیرے نام کو دنیا اور آخرت میں خوشبودار بنا دوں گا۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق رحمہ اللہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ بشر کا گذر کچھ لوگوں پر ہوا تو انھوں نے کہا۔یہ شخص رات بھر نہیں سوتا۔اور ہر تیسرے دن کے بعد ایک بار روزہ افطار کرتا ہے۔ یہ سن کر بشر رو پڑے۔جب اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا۔مجھے یاد نہیں کہ میں ایک رات کے سوا کبھی رات بھر بیدار رہا ہوں۔اور نہ ہی یہ یاد ہے کہ کبھی دن روزہ رکھا ہو اور رات کو نہ کھولا ہو۔ مگر اللہ سبحانہ، وتعالیٰ اپنے لطف وکرم سے لوگوں کے دلوں میں اپنے بندے کے فعل سے کہیں زیادہ نیکیاں، ڈال دیتا ہے۔اس کے بعد انھوں نے اپنی توبہ کا واقعہ بیان کیا۔جیسا کہ بیان ہو چکا۔

خواب میں دیدارِ مصطفوی

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سُنا، فرماتے تھے۔میں نے محمد بن عبداللہ الرازی سے سُنا۔فرماتے تھے میں نے عبدالرحمٰن[(۱)] بن ابی حاتم سے سنا۔وہ فرماتے تھے کہ مجھے بتایا گیا کہ بشر حافی فرماتے تھے کہ میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مجھے فرما رہے ہیں:۔

اے بشر کیا تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے ساتھیوں میں اسقدر بلند مرتبہ کیوں کر عطا کیا۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے تو معلوم نہیں۔

فرمایا۔تجھے اس قدر بلند مرتبہ اس لیئے دیا گیا کہ تو میری سنت کی پیروی کرتا ہے۔صالحین کی خدمت کرتا ہے۔اپنے بھائیوں سے خیر خواہی کرتا ہے اور میرے صحابہ اور اہل بیت سے محبت رکھتا ہے یہی وہ امور ہیں جنھوں نے تجھے ابرار کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔

میں نے محمد بن الحسن رحمہ اللہ سے سنا فرماتے تھے۔میں نے محمد بن عبداللہ الرازی سے سنا وہ فرماتے تھے۔میں نے بلال الخواص سے سُنا کہ فرماتے ہیں۔

میں بنی اسرائیل کے جنگل (تیہ بنی اسرائیل) سے گذر رہا تھا۔اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میرے ساتھ ساتھ چل رہا ہے اس سے مجھے حیرت ہوئی۔پھر دل میں خیال آیا کہ خضر ہوں گے۔

لہٰذا میں نے اسے اللہ کی قسم دے کر پوچھا تو کون ہے ؟ جواب دیا۔ میں تمہارا بھائی خضر ہوں۔ میں نے کہا میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے پوچھو۔ میں نے کہا آپ شافعی[۱۱۵] رحمہ اللہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں ؟ فرمایا وہ اوتاد میں سے ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ احمد بن حنبل[۱۱۶] کے متعلق کیا خیال ہے ؟

فرمایا۔ وہ تو صدیق ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ بشر بن الحارث الحافی کے متعلق کیا خیال ہے ؟

فرمایا۔ اس کے بعد اس جیسا آدمی پیدا نہیں ہوا۔

میں نے عرض کیا آپ کی زیارت مجھے کس وسیلہ سے ہوئی ؟

فرمایا۔ اپنی والدہ کی تابعداری کی وجہ سے۔

میں نے ابو علی دقاق رحمہ اللہ کو کہتے سنا کہ بشر حافی مُعافی بن عمران کے گھر آئے اور دستک دی۔ اندر سے پوچھا گیا کہ کون ہے۔ جواب دیا بشر حافی۔ اس پر ایک چھوٹی بچی نے کہا اگر تو اپنے لئے دو دانگ کا جوتا خرید لے تو لوگ تجھے حافی نہ کہیں۔ اس واقعہ کی سند یوں ہے۔ اخبرنی بھٰذہ الحکایۃ محمد بن عبد اللہ الشیرازی قال حدثنا عبد العزیز بن الفضل قال حدثنی محمد بن سعید قال حدثنی محمد بن عبد اللہ قال سمعت عبد اللہ المغازلی یقول سمعت بشر الحافی یذکر ھٰذہِ الحکایۃ۔

(دوسری سند) محمد بن الحسین یقول سمعت ابا الحسین الحجاجی یقول سمعت المحاملی[۱۱۸] یقول سمعت الحسن المسوحی[۱۱۹] یقول سمعت بشر بن الحارث یحکی ھٰذہِ الحکایۃ۔

میں نے محمد[۱۲۰] بن الحسین سے سنا فرماتے تھے میں نے ابو الفضل[۱۲۱] العطار سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے احمد[۱۲۲] بن علی الدمشقی سے سنا کہ فرماتے ہیں مجھے ابو عبد اللہ بن جلا نے بتلایا کہ میں نے ذوالنون کو دیکھا۔ ان کا کلام واضح تھا۔ میں نے سہل کو دیکھا ان کے کلام میں اشارات تھے۔ بشر کو دیکھا تو ان میں پرہیزگاری تھی۔ اس پر کسی نے ان سے پوچھا آپ کا میلان کس کی طرف تھا۔ تو جواب دیا اپنے استاد بشر بن حارث کی طرف۔

کہا جاتا ہے کہ کئی سال تک باقلاء (پھلیاں) کھانے کو ان کا جی چاہتا رہا۔ مگر انھوں نے نہیں

کھائیں۔ پھر وفات کے بعد کسی نے انھیں خواب میں دیکھا اور پوچھا۔ اللہ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا۔ جواب دیا۔ مجھے اللہ نے بخش دیا۔ اور کہا اے وہ انسان جس نے دنیا میں نہ کھایا نہ پیا۔ اب خوب کھاؤ اور پیو۔

ابو عبد الرحمٰن السلمی رحمہ اللہ نے بیان کیا۔ فرمایا ہم سے عبد اللہ بن[123] عثمان بن یحییٰ نے بیان کیا۔ فرمایا ہم سے ابو عمرو بن[124] السماک نے بیان کیا۔ فرمایا۔ ہم سے محمد بن[125] العباس نے بیان کیا۔ فرمایا ہم سے ابو بکر بن[126] بنت معاویہ نے بیان کیا۔ فرمایا۔ میں نے ابو بکر بن[127] عفان سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں نے بشر بن الحارث سے سنا وہ فرماتے ہیں۔

چالیس سال سے مجھے بھنا ہوا گوشت کھانے کی خواہش ہے۔ مگر ابھی اس کی قیمت صاف نہیں ہوئی۔

کسی نے بشر سے پوچھا:۔ تو روٹی کس چیز سے کھاتا ہے ؟

جواب دیا:۔ عافیت یاد کر کے اسی کو سالن بنا لیتا ہوں۔

اس بات کی خبر ہمیں محمد بن الحسین رحمہ اللہ نے دی۔ وہ فرماتے ہیں ہمیں عبید اللہ بن عثمان نے بتلایا۔ وہ کہتے ہیں ہمیں ابو عمرو بن السماک نے بتلایا وہ کہتے ہیں ہمیں عمر بن سعید[128] نے بتلایا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا۔ کہ ایک شخص نے بشر سے مذکورہ بالا قصہ بیان کیا۔

بشر فرماتے ہیں:۔ حلال روزی اسراف کی متحمل نہیں ہوتی کسی نے بشر کو خواب میں دیکھا اور پوچھا۔ اللہ نے تجھ سے کیا برتاؤ کیا ؟ جواب دیا اللہ نے مجھے معاف کر دیا اور نصف جنت کی مجھے اجازت دے دی اور فرمایا اے بشر! جو قدر و منزلت تمہاری میں نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال رکھی ہے۔ تو انگاروں پر سجدہ کر کے بھی اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

بشر فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہے کہ لوگ اسے جانیں وہ آخرت کا مزہ حاصل نہیں کر سکتا۔

۷۔ حارث محاسبی ۲۴۳ھ

ان ہی میں سے ابو عبد اللہ الحارث بن اسد محاسبی ہیں۔ یہ علم ورع۔ معاملات اور حال کے اعتبار سے اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ یہ اصل میں بصرہ کے تھے۔ ان کی وفات بغداد میں ۲۴۳ھ میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے انھیں اپنے باپ سے وراثت میں ستر ہزار درہم ملے۔ مگر انھوں نے قبول نہ کئے۔ بعض اس کی

وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ ان کا باپ "قدری" تھا۔ لہٰذا پرہیزگاری کے اصول کے مطابق انھوں نے یہی پسند کیا کہ اپنے باپ کی میراث میں سے کچھ نہ لیں اور فرمایا:۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت پایۂ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔
لا یتوارث اھل ملتین شیئاً۔ دو مختلف ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا فرماتے تھے۔ میں نے حسینؒ بن یحیٰی (۱۴۰) سے سنا فرماتے تھے میں نے جعفر بن محمد بن نعیر سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے محمد بن مسروق سے سنا وہ فرماتے ہیں حارث بن اسد محاسبی جب فوت ہوئے تو ایک درہم تک کے محتاج تھے۔ حالانکہ ان کے باپ نے بہت سی جاگیر اور زمینیں چھوڑی تھیں۔ مگر انھوں نے اس میں سے کچھ بھی قبول نہیں کیا۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب کبھی حارث محاسبی کسی ایسے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے جس میں شبہہ ہوتا تو ان کی انگلی کی ایک رگ پھڑک اٹھتی (جس سے وہ سمجھ جاتے) اور کھانا نہ کھاتے۔

ابوعبد اللہ بن خفیف فرماتے ہیں۔ ہمارے شیوخ میں سے صرف پانچ کی اقتدا کرو اور باقیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ الحارثؒ بن اسد محاسبی۔ جنیدؒ بن محمد۔ ابو محمدؒ رویم۔ ابوالعباسؒ بن عطار۔ اور عمرو بن عثمان مکیؒ۔ کیونکہ یہ لوگ علم اور حقائق دونوں کے جامع ہیں۔

میں نے شیخ ابوعبد الرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں نے عبد اللہ بن علی الطوسی سے سنا، فرماتے تھے میں نے جعفر الخلدی سے سنا فرماتے تھے۔ میں نے ابوعثمان البلدی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ حارث محاسبی کہا کرتے تھے:۔

جس نے مراقبہ اور اخلاص کے ذریعہ سے اپنا باطن درست کر لیا اللہ اسکے ظاہر کو مجاہدہ اور اتباع سنت سے زینت بخشتا ہے۔

جنید سے حکایت کی جاتی ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔ ایک دن حارث محاسبی میرے پاس سے گذرے تو میں نے ان میں بھوک کے آثار پائے۔ میں نے عرض کیا چچا! تشریف لائیں۔ اور کچھ تناول فرمائیں۔

فرمایا بہتر۔ میں گھر میں آیا۔ اور تلاش کیا کہ کھانے کے لئے انہیں کیا پیش کروں۔ گھر میں[۱۳۱] کہیں سے شادی کا کھانا آیا تھا۔ میں نے وہی ان کے سامنے لا رکھا۔ انھوں نے اس میں سے ایک لقمہ لیا اور کئی بار منہ میں گھمایا۔ پھر اٹھے اور دہلیز میں جاکر اسے پھینک دیا اور چلے گئے۔ اس کے کئی دن بعد جب میں نے دوبارہ انھیں دیکھا تو میں نے اس کا سبب دریافت کیا۔ فرمایا مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ اور میں نے چاہا کہ تمہارا کھانا کھا کر تمہیں خوش کروں اور تمہارا دل رکھوں۔ لیکن میرے اور میرے اللہ کے درمیان عہد ہے کہ جس کھانے میں شبہ ہو وہ میرے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اسے نگل نہیں سکا۔ یہ کھانا کہاں سے آیا تھا؟ میں نے عرض کیا۔ ہمارے پڑوس میں شادی تھی وہاں سے یہ کھانا آیا تھا۔ میں نے پھر عرض کیا۔ اچھا آج تشریف لائیں۔ فرمایا اچھا۔ میں نے روٹی کا ایک سوکھا ہوا ٹکڑا پیش کیا۔ اور آپ نے وہ کھا لیا۔ اور فرمایا۔ جب کسی درویش کو کھانا پیش کرو تو ایسا کھانا پیش کیا کرو۔

۸۔ داؤد طائی م ۱۶۵ھ	ان ہی میں سے ابو سلیمان داؤد بن نصیر طائی[۱۳۲] ہیں۔ یہ بڑی شان والے بزرگ ہیں۔

ہم سے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ نے بیان کیا۔ فرمایا ہم سے ابو عمر بن مطر نے بیان فرمایا۔ ہم سے محمد بن[۱۳۳] المسیب نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یوسف کا کہنا ہے کہ داؤد طائی کو وراثت میں بیس دینار ملے۔ جنھیں انھوں نے بیس سال میں خرچ کیا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو کہتے سُنا کہ داؤد طائی کے زہد کا سبب یہ تھا کہ وہ بغداد میں سے گذرا کرتے تھے۔ ایک دن گذرے تو راستہ چلنے والے اسے دھکیل کر حمید طوسی کے سامنے لے آئے۔ داؤد نے جب غور سے دیکھا تو حمید پر نظر پڑی فرمایا، تف ہے دنیا پر اس دنیا میں حمید تجھ سے آگے نکل گیا۔ پھر گھر ہی کے ہو لئے اور مجاہدہ و عبادت میں مشغول ہو گئے۔

میں نے بغداد میں ایک فقیر کو سنا وہ کہہ رہا تھا کہ داؤد طائی کے زہد کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے ایک نوحہ کرنے والی عورت کو ماتم کرتے ہوئے یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا۔

بای خدیک تبدی البلی ۔۔۔ وای عینیک اذن سالا

(اے پیارے عزیز، تمہارا کون سا رخسار بوسیدہ ہوا اور کون سی آنکھ بہہ گئی)

بعض کہتے ہیں کہ اس کے زہد کا سبب یہ تھا کہ یہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔
ایک دن ابو حنیفہؒ نے انھیں کہا۔
اے ابو سلیمان ہم نے سازو سامان تو مضبوط تیار کر لیا ہے۔
داؤد نے پوچھا اب کون سی چیز باقی رہ گئی ہے۔
ابو حنیفہ نے فرمایا، اس پر عمل کرنا۔
داؤد کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے نفس نے مجھے گوشہ نشینی کی طرف کھینچا۔ مگر میں نے دل میں کہا اس وقت تک گوشہ میں نہ جانا جب تک ان کی مجلس میں نہ بیٹھ لے بشرطیکہ کسی مسئلہ میں گفتگو نہ کرے۔

داؤد کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ایک سال تک ان کی مجلس میں بیٹھا مگر کسی مسئلہ میں گفتگو نہیں کی۔ کئی ایک مسائل ذہن پر گذرے اور میں بات کرنے کا اس سے بھی زیادہ مشتاق ہوتا جتنا کہ ایک پیاسا ٹھنڈے پانی کا مشتاق ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود میں نہیں بولتا تھا۔ اس کے بعد داؤد جس مرتبہ کو پہنچے، ظاہر ہے۔

کہتے ہیں جنید نامی حجام نے انھیں سینگی لگائی۔ انھوں نے اسے ایک دینار دیا۔ کسی نے کہا یہ تو اسراف ہے تو فرمایا۔ جس شخص میں مروت نہیں پائی جاتی۔ اس کی کوئی عبادت مقبول نہیں ہو سکتی۔
داؤد رات کے وقت یوں کہا کرتے:۔ خدایا! تیرے غم نے تمام دنیاوی غموں کو معطل کر دیا ہے۔
اور یہ غم میرے اور میری نیند کے درمیان حائل ہے۔

میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا۔ فرماتے تھے ہم سے محمد بن یوسف[۱۳۶] نے بیان کیا۔ فرمایا ہم سے سعید بن عمرو نے بیان کیا۔ کہتے تھے۔ ہم سے علی بن حرب[۱۳۷] الموصلی نے بیان کیا۔ کہتے تھے ہم سے اسمٰعیل بن زیاد[۱۳۸] الطائی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ داؤد طائی کی دایہ نے ان سے کہا۔ کیا تجھے روٹی کی خواہش نہیں ہوتی؟ تو جواب دیا۔ روٹی چبانے اور نان کے ٹکڑوں کو نگلنے میں پچاس آیتیں پڑھی جا سکتی ہیں۔

جب داؤد کی وفات ہوئی تو ایک نیک (صالح) شخص نے انھیں خواب میں دیکھا۔ کہ دوڑ رہے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟

جواب دیا:۔ ابھی ابھی قید خانہ سے چھٹکارا پاکر آیا ہوں۔ اس کے بعد اس آدمی کی آنکھ کھل گئی اور رونے اور چیخنے کی آواز بلند ہوئی۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ داؤد مر گئے۔

ایک آدمی نے ان سے کہا مجھے وصیت کرو تو فرمایا۔ موت کا لشکر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص اُن کے پاس آیا۔ دیکھا کہ پانی کے مٹکے پر دھوپ پڑ رہی ہے۔ اس نے کہا آپ اسے سایہ میں کیوں نہیں کر دیتے۔ فرمایا:۔ جب میں نے اسے یہاں رکھا تھا اس وقت دھوپ نہ تھی۔ اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں ایسے کام کے لئے قدم اٹھاؤں جس میں حظ نفس پایا جائے۔

ایک بار ایک شخص اُن کے پاس آیا اور ان کی طرف دیکھنے لگا انھوں نے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ صوفیا فضول نظروں کو بھی اسی طرح بُرا جانتے ہیں جس طرح فضول کلام کو۔

عبد اللہ بن یوسف الاصبہانی نے ہم سے بیان کیا۔ فرمایا ہم سے ابو اسحٰق ابراہیم[۱۳۹] بن محمد بن یحییٰ المزکی نے بیان کیا فرمایا ہم سے قاسم[۱۴۰] بن احمد نے بیان کیا فرمایا میں نے میمون الغزل سے سُنا۔ فرماتے تھے کہ ابو الربیع واسطی فرماتے ہیں کہ انھوں نے داؤد طائی سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ انھوں نے فرمایا:۔ دنیا سے روزہ رکھو اور موت سے روزہ کھولو اور لوگوں سے اسی طرح بھاگو جس طرح درندہ سے بھاگتے ہو۔

۹۔ شقیق بلخی ۱۹۴ھ

ان ہی میں سے ابو علی شقیق[۱۴۱] بن ابراہیم بلخی ہیں۔ یہ خراسان کے مشائخ میں سے تھے۔ ان کا سارا کلام توکل کے بارے میں ہے (لہ لسان فی التوکل) حاتم اصم کے استاد تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ یہ ایک مالدار خاندان میں سے تھے۔ تجارت کے لئے ترکستان گئے۔ اور ابھی نوخیز تھے، وہاں بت خانہ میں گئے۔ ایک پجاری کو دیکھا جس نے سر اور ڈاڑھی منڈا رکھی تھی۔ اور ارغوانی رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔

شقیق نے پجاری سے کہا: تمہارا بنانے والا زندہ، عالم اور قدرت والا ہے۔ اس کی عبادت کرو۔ اور ان بتوں کی جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ ضرر۔ پُوجا نہ کرو۔ پجاری نے جواب دیا: اگر واقعی ایسی ہی بات ہے جیسی تو کہہ رہا ہے تو وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ تجھے تمہارے شہر ہی میں روزی دے دے۔ تو تجارت کی تکلیف اٹھا کر یہاں کیوں آیا ہے۔ ان الفاظ کو سُن کر شقیق چونکے اور انھوں نے

طریق زہد اختیار کرلیا۔

زہد کی ایک اور وجہ

بعض کہتے ہیں کہ اُن کے زہد کا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے ایک غلام کو قحط کے زمانہ میں کھیلتے اور اُچھلتے دیکھا۔ حالانکہ قحط کی وجہ سے لوگ بہت پریشان تھے۔ شفیق نے اس غلام سے پوچھا کیا بات ہے کہ تو اس قدر خوش ہے؟ کیا تو نہیں دیکھ رہا ہے۔ لوگ اس قحط وگرانی کی وجہ سے کیسے پریشان ہیں؟

غلام نے جواب دیا: مجھے اس قحط کا کیا غم ہے جب میرے آقا کے پاس ایک پورا گاؤں ہے۔ جس سے اسے اسقدر آمدنی ہو جاتی ہے۔ جو ہماری ضروریات کے لئے کافی ہے۔

یہ سن کر شقیق چونکے اور کہا کہ اس کے آقا کے پاس صرف ایک گاؤں ہے اور وہ بھی مخلوق ومحتاج ہے۔ اس کے باوجود اسے روزی کی فکر نہیں۔ لہذا یہ کیونکر مناسب ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان اپنی روزی کی فکر کرے۔ حالانکہ اس کا مولا مالدار ہے۔

میں نے ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ سے سنا فرماتے تھے۔ میں نے ابوالحسین بن احمد العطار البلخی سے سنا فرماتے تھے۔ میں نے احمد بن محمد البخاری سے سُنا، فرماتے ہیں کہ حاتم اصم کہتے ہیں۔ کہ شقیق بن ابراہیم مالدار تھے۔ نوجوان بنتے اور نوجوانوں کی صحبت میں رہتے تھے۔ اس وقت بلخ کا حاکم علی بن عیسیٰ[۲۲] بن ماہان تھا۔ جسے شکاری کتوں سے بڑی محبت تھی ایک بار اس کا ایک کتا گم ہو گیا۔ کسی نے شکایت کی کہ فلاں شخص کے پاس ہے یہ شخص شقیق کے پڑوس میں رہتا تھا۔ جب اس شخص کی تلاش ہوئی تو اس نے بھاگ کر شقیق کے گھر میں پناہ لی۔ شقیق حاکم کے پاس گئے۔ اور کہا کتا تو میرے پاس ہے۔ لہذا اس کا پیچھا چھوڑ دو۔ میں تین دن کے اندر کتا تمہیں دے دوں گا۔ چنانچہ انھوں نے اس شخص کو چھوڑ دیا۔ شقیق واپس آیا تو بہت فکرمند تھا۔ یہاں تک کہ تیسرا دن بھی آگیا۔ شقیق کا ایک دوست بلخ سے کہیں گیا ہوا تھا اور اب بلخ کو واپس آرہا تھا۔ راستہ میں اسے ایک کتا ملا جس کے گلے میں پٹہ پڑا ہوا تھا۔ اس نے اسے پکڑ لیا۔ اس خیال سے کہ وہ شقیق کو بطور تحفہ دے گا۔ کیونکہ وہ کتوں کا دلدادہ تھا۔ چنانچہ وہ کتا لے آیا۔ جب شقیق نے دیکھا تو وہی امیر کا کتا تھا۔ یہ دیکھ کر شقیق بہت خوش ہوا کتے کو جاکر امیر کو دے دیا اور ضمانت سے پیچھا چھڑایا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شقیق اس واقعہ سے غفلت سے بیدار ہوا۔ اپنے اعمال سے توبہ کی اور طریق زہد اختیار کرلیا۔

حاتم اصم بتاتے ہیں ایک جنگ میں میں اور شقیق اکٹھے ترکوں سے لڑ رہے تھے۔ سر کٹ کر گر رہے تھے۔ اور نیزے اور تلواریں ٹوٹ رہی تھیں۔ اس حالت میں شقیق نے مجھ سے پوچھا:۔ حاتم آج اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہو۔ کیا وہی خوشی محسوس کر رہے ہو جو تمہیں شب زفاف میں ہوئی تھی۔ یا نہیں؟ میں نے کہا اللہ کی قسم ہرگز نہیں۔ انھوں نے فرمایا مگر اللہ کی قسم میں تو ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں جیسا کہ اس رات محسوس کیا تھا۔ یہ کہہ کر اپنی ڈھال سر کے نیچے رکھ کر دونوں صفوں کے درمیان سو گئے۔ یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔

شقیق فرماتے ہیں:۔ جب تو کسی آدمی کی حقیقت کو معلوم کرنا چاہے تو دیکھ کہ اللہ نے اس سے کیا وعدہ کیا ہے اور لوگوں نے کیا؟ پس اس کے دل کا اعتماد اُن دونوں میں سے جس پر زیادہ ہوگا وہی اس کی حقیقت ہوگی۔

نیز شقیق فرماتے تھے۔ انسان کا تقویٰ تین باتوں سے معلوم ہوتا ہے ۱ وہ کیا لیتا ہے ۲ کن چیزوں سے اپنے آپ کو روکتا ہے اور ۳ کیا باتیں کرتا ہے؟

۱۰۔ ابو یزید بسطامی م ۲۶۱ھ

انھیں میں سے ابو یزید[۱۴۳] طیفور بن عیسٰی البسطامی ہیں۔ ان کے دادا پہلے مجوسی تھے۔ پھر اسلام لے آئے۔ یہ تین بھائی تھے۔ آدم۔ طیفور اور علی اور تینوں عابد و زاہد تھے۔ ان میں ابو یزید سب سے زیادہ جلیل القدر تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابو یزید کی وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی اور بعض ۲۳۴ھ بتاتے ہیں

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے ابو الحسین[۱۴۴] الفارسی سے سنا کہتے تھے میں نے الحسن بن علی سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ جب ابو یزید سے دریافت کیا گیا آپ نے یہ معرفت کیسے حاصل کی تو فرمایا:۔

پیٹ کو بھوکا اور بدن کو ننگا رکھ کر۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا کہتے تھے میں نے عمی البسطامی سے سنا کہتے تھے میں نے ابو یزید سے سنا وہ فرماتے تھے۔ میں نے تیس سال مجاہدہ کیا مگر علم اور اس پر عمل کرنے سے بڑھ کر کسی چیز کو مشکل نہیں پایا۔ اگر علماء میں اختلاف نہ ہوتا تو میں ایک ہی اجتہاد پر رہ جاتا۔ اور مسئلہ تجرید توحید کے علاوہ دوسرے مسائل میں علماء کا

اختلاف رحمت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دنیا سے نکلنے سے پہلے بایزید نے تمام قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

ابو حاتم السجستانی سے ہم سے بیان کیا ابو نصر السّراج نے بیان کیا۔ کہا میں نے طیفور البسطامی [۱۱۷] سے سُنا۔ کہتے تھے۔ میں نے المعروف بعمی البسطامی سے سنا کہتے تھے میں نے اپنے والد سے سُنا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ مجھے بایزید نے کہا: آچل کر اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو ولی مشہور کر رکھا ہے۔ اور یہ شخص لوگوں میں اپنے زہد کی وجہ سے مشہور تھا اور دُور دراز سے لوگ اس کے پاس آتے تھے۔ جب ہم اس کے پاس گئے تو وہ گھر سے نکلا اور مسجد میں داخل ہوا اور قبلہ کی جانب تھوک پھینکا۔ (یہ دیکھ کر) ابو یزید واپس چلے آئے اور اسے سلام بھی نہ کیا۔ اور فرمایا: یہ شخص تو آداب نبویؐ میں سے ایک ادب کا بھی امین نہیں۔ ولایت کا جس کا یہ مدعی ہے۔ کیسے امین ہو سکتا ہے

اسی اسناد سے ایک روایت یہ ہے کہ ابو یزید نے کہا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں کہ مجھے کھانے اور عورتوں کی مصیبت سے نجات دے۔ پھر خیال کیا کہ میرے لئے یہ درخواست کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے جب رسول اللہ نے بھی اللہ سے اس قسم کی درخواست نہیں کی۔ لہٰذا میں نے یہ درخواست نہیں کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے عورتوں کی مصیبت سے بچا لیا۔ یہاں تک کہ مجھے خیال ہی نہیں ہوتا کہ عورت سامنے آئی ہے یا دیوار۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سُنا۔ کہتے تھے میں نے الحسن بن علی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے البسطامی سے سُنا۔ کہتے تھے میں نے اپنے والد سے سنا کہ وہ کہتے تھے۔ میں نے ابو یزید سے ان کی ابتدا اور زہد کے متعلق سوال کیا تو فرمایا:۔ زہد کی کوئی منزل نہیں۔ میں نے عرض کیا۔ کیوں؟ فرمایا۔ اس لئے کہ میں صرف تین دن تک زہد میں رہا۔ جب چوتھا دن ہوا تو میں اس سے نکل آیا۔ پہلے دن تو میں نے دنیا و مافیہا سے زہد کیا۔ دوسرے دن میں نے آخرت و مافیہا سے زہد کیا۔ اور تیسرے دن اللہ کے ماسویٰ سے زہد کیا۔ جب چوتھا دن ہوا تو اللہ کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ میں دیوانہ وار پھرنے لگا۔ اچانک ہاتف کی آواز سنائی دی۔ اے بایزید تو ہمارے ساتھ رہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ میں نے کہا میں تو یہی چاہتا ہوں۔ پھر ایک کہنے والے کو سنا کہ کہہ رہا ہے تو نے اپنا مقصد پا لیا۔

کسی نے ابو یزید سے پوچھا:۔ تجھے اللہ کی راہ میں کونسی مشکل ترین چیز برداشت کرنی پڑی۔ جواب

دیا۔ اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ پھر پوچھا:۔ اچھا تمہارے نفس نے تم سے سب سے آسان بات کون سی دیکھی۔ جواب دیا:۔ یہ تبلائے دیتا ہوں۔ میں نے نفس کو عبادت کی طرف دعوت دی مگر نفس نے قبول نہ کیا۔ اس پر میں نے ایک سال تک اسے پانی نہیں دیا۔

ابویزید فرماتے ہیں:۔ تیس سال سے میری یہ حالت ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں مگر نماز کے وقت اپنے دل میں یہ اعتقاد رکھتا ہوں کہ میں گویا ابھی مجوسی ہوں اور اپنا زنار کاٹنا چاہتا ہوں۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا۔ کہتے تھے میں نے عبداللہ بن علی[۱۴۸] سے سنا۔ کہتے تھے میں نے موسیٰ بن عیسیٰ سے سنا کہتے تھے۔ میرے والد نے فرمایا۔ کہ ابویزید فرماتے ہیں:۔

اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اسے کرامات دی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑتا ہو پھر بھی تم اس سے دھوکا نہ کھانا، یہاں تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اوامر و نواہی حدود اللہ کی محافظت اور شریعت کی ادائیگی میں کیسا ہے؟

عمی البسطامی نے اپنے والد سے حکایت کی، فرماتے تھے کہ ایک رات ابویزید ایک سرائے کی دیوار پر اللہ کی یاد کے لئے گئے مگر صبح تک کوئی ذکر نہ کر سکے۔ میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا:۔ بچپن میں ایک لفظ زبان پر جاری ہو گیا تھا۔ وہ یاد آ گیا تھا۔ اس لئے شرم آئی کہ اسی زبان سے اللہ کی یاد کروں۔

۱۱۔ سہل تستری م ۲۸۳ھ

انہی میں سے ابومحمد سہل[۱۵۰] بن عبداللہ تستری ہیں۔ یہ صوفیاء کے اماموں میں سے تھے۔ معاملات اور پرہیزگاری میں اپنے زمانہ میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ صاحب کرامات تھے۔ جس سال ذوالنون مصری حج کے لئے آئے۔ اُن کی اُن سے ملاقات مکہ میں ہوئی۔ ان کی وفات ۲۸۳ھ میں ہوئی بعض ۲۷۳ھ بتاتے ہیں۔

سہل فرماتے ہیں میں ابھی تین سال کا تھا کہ رات کو اٹھ کر اپنے ماموں محمد بن سوار[۱۵۱] کی نماز کو دیکھا کرتا تھا۔ میرے ماموں رات کو نماز کے لئے اٹھا کرتے تھے۔ بعض اوقات مجھے کہتے: اے سہل جا سو جا، کیونکہ میرا دل تمہاری طرف لگ گیا ہے۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابوالفتح یوسف بن عمر[۱۵۲] الزاہد سے سنا کہتے تھے۔ میں نے عبداللہ بن عبدالحمید سے سنا، وہ سہل بن عبداللہ سے حکایت کرتے ہیں کہ انھیں

اُن کے ماموں نے ایک دن کہا کیا تو اپنے اس خدا کی یاد نہیں کرتا جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ سہل کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا :۔ میں اُسے کیسے یاد کروں ؟ فرمایا جب تو اپنے کپڑوں میں پلٹے تو زبان کو حرکت دیئے بغیر تین بار دل سے کہو۔

اللہ معی، اللہ ناظرٌ إلیّ ، اللہ شاہدی

میں نے تین راتوں تک ایسا کیا۔ پھر اُن کو بتایا۔ انھوں نے فرمایا :۔ اب ہر رات سات بار کہا کرو۔ میں نے ایسا کیا اور پھر ان کو اطلاع دی۔ انھوں نے فرمایا : اب ہر رات گیارہ بار کہا کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس سے میرے دل میں لذت وحلاوت پیدا ہو گئی۔ جب اس طرح سال گذر گیا تو مجھے میرے ماموں نے کہا۔ جو بات میں نے تجھے سکھائی ہے اسے محفوظ رکھو۔ اور اس پر تادم مرگ قائم رہو۔ یہ تجھے دنیا و آخرت میں فائدہ دے گی، میں کئی سال تک ایسا کرتا رہا۔ تو میرے باطن کے اندر لذت وحلاوت محسوس ہوئی۔ پھر ایک دن میرے ماموں نے کہا۔ اے سہل جس شخص کے ساتھ اللہ ہو اور وہ اسے دیکھ بھی رہا ہو اور گواہ ہو، کیا وہ شخص اللہ کی نافرمانی کرے گا ؟

نافرمانی سے بچتے رہو۔ اب میں خلوت میں رہنے لگا۔ اس کے بعد گھر والوں نے مجھے مدرسہ بھیج دیا۔ میں نے کہا مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے ہموم منتشر نہ ہو جائیں۔ لہٰذا میں معلّم کے پاس اس شرط پر جانے لگا کہ صرف ایک گھنٹہ کے لیے جاؤں اور سبق پڑھ کر واپس چلا آؤں۔ میں مدرسہ گیا۔ اور چھ سات برس کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ میں سال بھر روزہ رکھتا تھا۔ اور جَو کی روٹی کھایا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ میری عمر بارہ سال کی ہو گئی۔ تیرہ برس کی عمر میں ایک مسئلہ درپیش ہوا۔ میں نے گھر والوں سے درخواست کی، کہ مجھے بصرہ بھیج دیں تاکہ میں اس مسئلہ کے متعلق دریافت کر سکوں۔ چنانچہ میں بصرہ پہنچا۔ وہاں کے علماء سے پوچھا مگر کوئی بھی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ میں عَبَّادان کو نکل گیا۔ اور وہاں ابوحبیب حمزہ بن عبداللہ العبادانی سے ملا۔ اس نے اس مسئلہ کا جواب دیا۔ ایک مدت تک میں اس کے پاس رہا۔ اس کے کلام سے میں بہت مستفید ہوا۔ اور اس کے آداب کو میں نے اپنا لیا۔ اس کے بعد میں تستر لوٹ آیا۔ میں نے اپنی خوراک کو بہت کم کر دیا۔ اس طرح کہ ایک درہم کا "فرق" بھر جَو خرید لیتا اسے پیس لیا جاتا۔ اور روٹی پکالی جاتی۔ اور میں ہر رات صرف اوقیہ بھر روکھی روٹی جس کے ساتھ نہ نمک ہوتا اور نہ سالن، افطار کرتا۔ چنانچہ میرے لئے ایک درہم سال بھر کے لئے کافی ہوتا۔ اس کے بعد میں نے

تین راتوں کے بعد افطار کرنے کا عزم کر لیا۔ پھر بڑھاتے بڑھاتے پانچ کیا۔ پھر سات، پھر پچیس۔ اسی طرح میں نے بیس سال گذارے۔ پھر میں کئی سال سیاحت کرتا رہا۔ اور پھر بستر لوٹ آیا۔ اب میں رات بھر قیام میں رہتا ہوں۔

میں نے محمد بن[155] الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابوالعباس البغدادی سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے ابراہیم بن فراس سے سنا کہتے تھے میں نے نصر بن[156] احمد سے سنا کہ فرماتے تھے۔ سہل بن عبد اللہ کا قول ہے:۔

ہر وہ فعل جسے انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کے بغیر کرے۔ خواہ وہ عبادت ہو یا معصیت، وہ نفس کی زندگی ہے۔ اور ہر وہ فعل جسے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں کرے وہ نفس کے لئے عذاب ہے۔

۱۲- ابو سلیمان عبد الرحمٰن دارانی م ۲۱۵ھ

ان ہی میں سے ابو سلیمان عبد الرحمٰن بن عطیہ دارانی ہیں۔ داران دمشق کی ایک بستی ہے۔ ۲۱۵ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے میں نے عبد اللہ بن محمد الداری[157] سے سنا کہتے تھے ہم سے اسحٰق بن[158] ابراہیم بن ابی حسان نے بیان کیا، کہتے تھے میں نے احمد بن ابی الحواری سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو سلیمان کو یوں کہتے سنا۔

جس نے دن کے وقت کوئی نیک کام کیا۔ اسے اسی رات جزا دی جاتی ہے۔ اور جس نے رات کو کوئی نیک عمل کیا اسے دن میں جزا دی جاتی ہے۔ اور جس نے صدق دل سے خواہشات کو چھوڑا اللہ تعالیٰ ان خواہشات کو اس کے دل سے نکال دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ مہربان ہیں کہ وہ کسی دل کو اس کی اس خواہش کی وجہ سے عذاب دیں جو اللہ کی خاطر ترک کی گئی ہو۔

اسی اسناد سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

جس دل میں دنیا سکونت پذیر ہو جاتی ہے۔ آخرت وہاں سے کوچ کر جاتی ہے۔ میں نے ابو عبد الرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا، فرماتے تھے میں نے الحسین[16] بن یحیٰی سے سنا، فرماتے تھے۔ میں نے جعفر بن محمد بن نصیر سے سنا، فرماتے تھے، میں نے جنید سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں

لیا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے دل پر صوفیاء کے نکات معرفت وارد ہوتے ہیں اور کئی دنوں تک رہتے ہیں۔ مگر جب تک کتاب وسنت کے دونوں عادل گواہ اس کی تائید نہ کریں انھیں قبول نہیں کرتا۔

نیز فرماتے ہیں :۔ بہترین عمل خواہشات نفسانی کی مخالفت ہے۔

نیز فرماتے ہیں : ہر چیز کی علامت ہے اور غذلان و ذلت کی علامت یہ ہے کہ ہم بارگاہ رب العزت میں آہ وزاری کرنا چھوڑ دیں۔

فرمایا : ہر چیز کو زنگ لگتا ہے اور قلب کے نور کا زنگ پیٹ بھر کر کھانا ہے۔

فرمایا : ہر وہ چیز جو تجھے اللہ سے غافل کر دے۔ خواہ وہ گھر بار ہو، مال ہو یا اولاد وہ تمہارے لئے منحوس ہے۔

فرماتے ہیں :۔ ایک رات سخت سردی تھی اور میں محراب میں عبادت کر رہا تھا۔ سردی نے مجھے بے چین کر دیا۔ لہٰذا میں نے ایک ہاتھ سردی کی وجہ سے چھپا لیا۔ اور دوسرا ہاتھ پھیلائے رکھا۔ اس درمیان میں میری آنکھ لگ گئی۔ جس پر ایک ہاتف کی آواز آئی۔ اے ابو سلیمان! ہم نے اس ہاتھ میں کچھ رکھ دیا ہے جو اسے مل گیا ہے۔ اگر دوسرا ہاتھ بھی ہوتا تو اس میں بھی کچھ رکھ دیتے۔ لہٰذا میں نے قسم کھائی کہ اب ہمیشہ ہاتھ پھیلا کر دُعا مانگا کروں گا خواہ گرمی کا زمانہ ہو یا سردی کا۔

ابو سلیمان فرماتے ہیں، میں ایک بار سو گیا۔ اور اپنا ورد نہ پڑھ سکا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک حور مجھے کہہ رہی ہے کیا تو سو رہا ہے۔ حالانکہ مجھے تمہارے لئے پانچ سو سال سے ان خیموں میں پرورش کیا جا رہا ہے۔

عبد اللہ بن یوسف الاصبہانی نے ہم سے بیان کیا۔ کہا ہم سے ابو عمر[۱۹۱] الحولستی نے بیان کیا۔ کہا ہم سے محمد بن[۱۹۲] اسمٰعیل نے بیان کیا۔ کہا ہم سے احمد بن ابی الحواری نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ابو سلیمان کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے رونے کا سبب دریافت کیا۔ فرمانے لگے احمد میں کیوں نہ روؤں۔ جب رات تاریک ہو جاتی ہے اور لوگ سو جاتے ہیں اور ہر حبیب اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں چلا جاتا ہے اور اہلِ محبت اپنے پاؤں پھیلا لیتے ہیں اور اُن کے رخساروں پر آنسو بہتے ہیں۔ اور محرابوں میں قطرے گرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور جبریئل کو پکار کر کہتے

ہیں اے جبرئیل! جو لوگ میرے کلام سے لذت حاصل کرتے ہیں اور میرے ذکر سے راحت پاتے وہ میری نگاہ میں ہیں۔ ان کی خلوت گاہوں میں میں ان کو دیکھتا ہوں ان کی آہ وزاری کو سنتا ہوں اور رونے کو دیکھتا ہوں۔ اے جبرئیل تو پکار کر کیوں نہیں پوچھتا کہ یہ رونا کیسا؟ کیا کبھی کوئی حبیب اپنے محبوب کو عذاب دیتا ہے۔ میرے لئے کیا یہ مناسب ہے کہ میں ان لوگوں کی گرفت کروں جو رات ہوتے ہی میرے آگے چاپلوسی کرتے ہیں۔ مجھے اپنی ذات کی قسم جب یہ لوگ قیامت کے دن میرے پاس آئیں گے تو ان کے لئے اپنے چہرہ سے پردہ اٹھاؤں گا تاکہ وہ مجھے دیکھ لیں اور میں انھیں دیکھ لوں۔

۱۴۳۔ حاتم اصم

انہی میں سے ابوعبدالرحمٰن[۱۴۳] حاتم بن علوان ہیں۔ بعض حاتم ابن یوسف الاصم بتاتے ہیں۔ خراسان کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ شقیق بلخی کے شاگرد اور احمد بن خضرویہ کے استاد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دراصل بہرے نہ تھے۔ لیکن ایک بار تکلفاً بہرے بنے پھر ان کا یہی نام پڑ گیا۔

اصم نام کی وجہ

میں نے استاد ابوعلیؒ دقاق کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک عورت حاتم سے ایک مسئلہ دریافت کرنے آئی۔ اتفاقاً اس وقت اس سے آواز نکل گئی۔ جس سے وہ شرمندہ ہوگئی۔ حاتم نے کہا اور بلند آواز سے کہو اور ایسا ظاہر کیا جیسے وہ بہرے ہیں۔ اس سے عورت بہت خوش ہوئی۔ اور سمجھی کہ اس نے گوز کی آواز نہیں سنی۔ اسی وجہ سے انہیں اصم (بہرہ) کہا جانے لگا۔

شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ نے ہم سے بیان کیا۔ کہا میں نے ابوعلی سعید بن احمد سے سنا کہتے تھے۔ میں نے اپنے والد سے سنا کہتے تھے میں نے محمد بن عبداللہ سے سنا کہتے تھے میں نے اپنے ماموں محمد بن اللیث[۱۴۴] سے سنا کہتے تھے میں نے حامد اللفاف سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے حاتم اصم کو یوں فرماتے سنا۔

ہر صبح مجھے شیطان کہتا ہے:۔ تو کیا کھائے گا؟ کیا پہنے گا اور کہاں رہے گا؟
میں جواب دیتا ہوں:۔ موت کھاؤں گا۔ کفن پہنوں گا اور قبر میں رہوں گا۔

اسی سند سے مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو جواب دیا: دن چڑھنے سے لے کر رات ہونے تک عافیت چاہتا ہوں۔ پھر سوال کیا گیا:۔ کیا تمام دن عافیت کے دن نہیں ہوتے؟

نو فرمایا:۔
میرا عافیت کا دن وہ ہوتا ہے جس میں میں اللہ کی نافرمانی کی کوئی بات نہ کروں۔

ایک کرامت حاتم اصم سے حکایت[166] کی گئی ہے۔ انھوں نے فرمایا: میں ایک جنگ میں تھا تو مجھے ایک ترکی نے پکڑ کر قتل کرنے کے لئے لٹا دیا۔ مجھے کسی قسم کی فکر نہ ہوئی۔ بلکہ میں منتظر تھا کہ دیکھوں اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں۔ ابھی وہ اپنے موزے میں سے چھری لے ہی رہا تھا کہ اچانک ایک تیر لگا اور وہ وہیں چت ہو گیا۔ پھر میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

میں نے عبداللہ بن یوسف الاصبہانی سے سنا کہتے تھے میں نے ابونصر منصور بن محمد بن ابراہیم الفقیہ سے سنا، کہتے تھے میں نے ابوجعفر بن محمد بن نصیر سے سنا وہ فرماتے تھے کہ حاتم سے یہ قول مروی ہے:۔

جو شخص ہمارے مذہب میں داخل ہوا اس میں موت کی چاروں خصلتیں پائی جانی چاہیئں۔ سفید موت یعنی بھوک۔ سیاہ موت یعنی مخلوق کی طرف سے اذیت برداشت کرنا۔ سرخ موت یعنی خواہشات کی مخالفت میں ایسا عمل جو ہر قسم کے کھوٹ سے پاک ہو۔ سبز موت یعنی چیتھڑے پر چیتھڑا لگانا۔

۱۴۔ یحییٰ بن معاذ رازی م ۲۵۸ھ انہی میں سے ابوزکریا یحییٰ[167] بن معاذ رازی واعظ ہیں۔ اپنے وقت کے یگانہ تھے۔ ان کے اقوال رجا کے لئے مخصوص ہیں۔ اور معرفت میں بھی ان کا کلام پایا جاتا ہے۔ رے سے نکل کر بلخ چلے گئے اور مدت تک وہیں ٹھہرے۔ پھر نیشاپور چلے آئے اور وہیں ۲۵۸ھ میں وفات پائی۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے میں نے عبداللہ[168] بن محمد بن احمد بن حمدان العکبری سے سنا۔ کہتے تھے میں نے احمد بن محمد بن السری سے سنا کہتے تھے۔ میں نے احمد[169] بن عیسیٰ سے سُنا فرماتے تھے کہ میں نے یحییٰ بن معاذ کو یوں کہتے سُنا:۔ جس شخص میں ورع نہیں وہ زاہد کیسے ہو سکتا ہے؟ جو چیز تمہاری نہیں ہے۔ اس سے پرہیز کرو۔ پھر جو چیز تمہاری ہے اس سے زہد اختیار کرو، اسی اسناد سے انھوں نے فرمایا:۔

توابین کی بھوک تجربہ کے طور پر ہوتی ہے۔ زاہدین کی بھوک سیاستِ نفس کے طور پر اور صدیقین

کی بھوک کرامت کی موجب بنتی ہے۔

نیز فرماتے ہیں:۔ وقت کا فوت ہو جانا موت سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ وقت کے فوت ہو جانے سے اللہ سے تعلق ٹوٹتا ہے اور موت سے مخلوق سے قطع تعلق ہوتا ہے۔

یحییٰ فرماتے ہیں: زہد تین چیزوں کا نام ہے۔ قلت[۱]۔ خلوت[۲] اور بھوک[۳]

یحییٰ فرماتے ہیں:۔ اگر تو ہر وقت اپنے نفس کو ایسے امور میں لگائے رکھے جو اس کے لئے بہتر ہیں تو تمہارے نفس کے لیئے اس سے بڑھ کر کسی اور چیز میں فائدہ نہیں ہو سکتا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک بار یحییٰ بن معاذ نے بلخ میں تقریر کرتے ہوئے مالداری کو فقر پر ترجیح دی۔ پھر انھیں تیس ہزار درہم دیئے گئے۔ یہ دیکھ کر ایک بزرگ نے کہا: خدا اس مال میں برکت نہ دے یہ نیشاپور چلے گئے اور ایک چور آپڑا اور مال لے اڑا۔

ہم سے عبداللہ بن یوسف الاصبہانی نے بیان کیا کہا ہم سے ابو القاسم عبداللہ بن الحسین بن بابویہ الصوفی نے بیان کیا کہا میں نے محمد بن عبد اللہ الرازی سے سُنا کہتے تھے۔ میں نے الحسین[۱] بن علویہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے یحییٰ بن معاذ رازی کو کہتے ہوئے سنا:۔

جس نے در پردہ اللہ سے خیانت کی اللہ تعالیٰ علانیہ طور پر اس کی پردہ دری کریں گے۔

میں نے عبداللہ بن یوسف سے سنا کہتے تھے میں نے ابو الحسین محمد بن عبدالعزیز المؤذن سے سنا کہتے تھے۔ میں نے محمد بن[۲] محمد الجرجانی سے سنا کہتے تھے میں نے علی بن محمد[۳][۱] سے سنا، کہتے تھے کہ میں یحییٰ بن معاذ رازی کو سنا کہ وہ فرما رہے تھے۔

بڑے لوگوں کا یہ کہنا کہ تو پاک وصاف ہے تمہارے لئے معیوب ہے اور ان کا تم سے محبت کرنا تمہارے لئے عیب کا سبب ہے اور جو تمہارا محتاج ہو وہ تمہارے نزدیک حقیر ہے۔

۱۵۔ احمد بن خضرویہ بلخی م ۲۴۰ھ

ان میں سے ایک ابو حامد احمد بن خضرویہ بلخی ہیں۔ خراسان کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ یہ ابو تراب کی نخشبی کی صحبت میں رہے۔ نیشاپور پہنچ کر انھوں نے ابو حفص کی زیارت کی۔ اور پھر ابو یزید کی زیارت کی غرض سے بسطام کو نکل گئے۔ فتوت میں ان کی بڑی شان تھی۔

ابو حفص فرماتے ہیں:۔ میں نے احمد بن خضرویہ سے بڑھ کر نہ کسی کو با ہمت دیکھا اور نہ ہی سچے

حال والا پایا۔

بایزید کہا کرتے تھے کہ احمد ہمارے اُستاد ہیں۔

میں نے محمد بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، کہتے تھے، میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا کہتے تھے۔ میں نے محمد بن حامد سے سُنا۔ وہ فرماتے ہیں جب احمد بن خضرویہ نزع کی حالت میں تھے تو میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت ان کی عمر پچانوے سال ہو چکی تھی۔ اس حالت میں ان کے ایک مرید نے ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ تو اُن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور فرمایا:۔

بیٹا! پچانوے سال سے میں ایک دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا اور اب وہ کھلنے کو ہے مجھے معلوم نہیں کہ اس کا کھلنا میرے لئے سعادتمندی کا سبب ہوگا۔ یا بدبختی کا میرے پاس اب جواب دینے کا وقت کہاں؟

راوی کہتا ہے کہ ان کے ذمے سات سو دینار قرض تھا۔ قرض خواہ بھی اس وقت موجود تھے۔ احمد نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

اے اللہ تو نے مال کے مالکوں کے لئے مال رہن کو دستاویز قرار دے رکھا ہے اور تو (قیامت کے دن) یہ دستاویز ان سے لے گا۔ لہٰذا میرا قرضہ ادا کر دے۔ کہتے ہیں کہ اُسی وقت کسی نے دستک دی اور کہا احمد کے قرض خواہ کہاں ہیں؟ اور احمد کا تمام قرض ادا کر دیا۔ اُس کے بعد ان کی روح نکل گئی۔ اُن کی وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی۔

احمد بن خضرویہ فرماتے ہیں کوئی نیند غفلت سے بڑھ کر بھاری نہیں اور نہ خواہش نفس سے بڑھ کر کوئی اور غلامی انسان پر قابو رکھتی ہے۔ اگر غفلت کا بوجھ تم پر نہ ہو تو تمہاری خواہش تم پر کبھی غالب نہ آسکے۔

۱۶۔ احمد بن ابی الحواری م ۲۳۰ھ

ان میں سے ایک ابوالحسین احمد بن ابی الحواری ہیں۔ یہ دمشق کے رہنے والے تھے۔ ابوسلیمان درانی وغیرہ کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات ۲۳۰ھ میں ہوئی۔

جنید فرمایا کرتے تھے۔ احمد بن ابی الحواری شام کا گلدستہ ہیں۔ میں نے عبدالرحمٰن السلمی سے سنا، کہتے تھے، میں نے احمد الحافظ سے سنا کہتے تھے۔ میں نے سعید بن عبدالعزیز الحلبی سے سُنا۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن ابی الحواری کو یوں کہتے سنا۔ جو کوئی دنیا کی طرف ارادت مندی اور محبت سے دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل سے نورِ یقین اور زہد نکال دیتے ہیں۔

اسی سند سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: جس شخص نے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر کوئی کام کیا۔ اس کا وہ عمل باطل ہے۔

اسی سند سے روایت ہے کہ احمد بن ابی الحواری فرماتے تھے۔ سب سے بہتر رونا یہ ہے کہ بندہ ان اوقات پر روئے جن میں اس نے (شریعت) سے موافقت نہیں کی۔ (یعنی شریعت کے مطابق عمل نہیں کیا)

نیز فرماتے ہیں کہ اللہ نے کسی بندہ کو غفلت اور سنگدلی سے بڑھ کر سخت چیز میں مبتلا نہیں کیا۔

۱۷۔ ابو حفص عمر الحداد م ۲۶۰ھ تقریباً

ان میں سے ایک ابو حفص[۷] عمر بن مسلمۃ الحداد ہیں۔ بخارا کو جاتے ہوئے شہر نیشاپور کے دروازہ کے قریب ایک بستی ہے جسے رود بار کہا جاتا ہے۔ یہ وہاں کے رہنے والے تھے اپنے زمانے کے ائمہ اور سادات میں سے تھے۔ ۲۶۰ھ سے چند سال بعد وفات پائی۔

ابو حفص فرماتے ہیں کہ گناہ کفر کا پیش خیمہ ہے جس طرح بخار موت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں جب تو کسی مرید کو سماع سے محبت رکھتے ہوئے دیکھے تو سمجھ لو کہ اس میں ابھی بے ہودگی پائی جاتی ہے۔

نیز فرمایا:۔ ظاہری آداب کا اچھا ہونا باطنی آداب کے اچھے ہونے کی علامت ہے۔

نیز فرمایا:۔ جوانمردی یہی ہے کہ لوگوں سے انصاف کرو مگر ان سے انصاف کا مطالبہ نہ کرو۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے میں نے ابو الحسین محمد بن موسیٰ سے سنا کہتے تھے میں نے ابو علی[۸] الثقفی سے سنا۔

وہ کہتے تھے کہ ابو حفص فرمایا کرتے تھے:۔ جو شخص ہر وقت اپنے افعال کو کتاب وسنت کے میزان میں نہ تولتا ہو۔ اور نہ اپنے خیالات کو متہم نہ کرتا ہو۔ اسے ہم مردوں کے رجسٹر "دیوان رجال" میں شمار نہیں کرتے۔

ابو تراب نخشبی م ۲۴۵ھ

ان میں سے ایک ابو تراب[۹] عسکر بن حصین نخشبی ہیں۔ یہ حاتم اصم

اور ابوحاتم[١٨٠] عطار مصری کی صحبت میں رہے اور ٢٤٥ھ میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں جنگل میں درندوں نے کاٹ کھایا تھا۔

ابن جلاء فرماتے ہیں: میں چھ سو شیوخ کی صحبت میں رہا۔ مگر چار شیوخ جیسا کسی کو نہ پایا۔ ان میں پہلے ابو تراب نخشبی ہیں۔

ابو تراب فرماتے ہیں: فقیر کی خوراک وہ ہے جو اسے مل جائے۔ لباس وہ ہے جو اس کا ستر چھپا سکے اور مسکن وہی ہو جہاں وہ اترے۔

نیز ابو تراب فرماتے ہیں: جب بندہ صدق دل سے کوئی کام کرتا ہے۔ تو اسے کرنے سے پہلے ہی اس کی حلاوت محسوس ہو جاتی ہے اور جب خلوص سے وہ کام شروع کرتا ہے تو کام کرتے ہوئے اسے اسکی حلاوت اور لذت محسوس ہوتی ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا کہتے ہیں۔ میں نے اپنے دادا اسمٰعیل بن نجید سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ جب ابو تراب نخشبی اپنے مریدوں میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھتے تو از سر نو ان کو توبہ کراتے اور ان کو اور زیادہ مجاہدہ کا حکم دیتے اور فرماتے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ ان سے اس قسم کی بات سرزد ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ۔ جب تک لوگ خود اپنی حالت نہ بدل لیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کو ان سے نہیں بدلتا۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ اپنے مریدوں سے کہہ رہے تھے۔

جس نے مرقع (گدڑی) پہنا وہ سائل بنا۔ جو خانقاہ یا مسجد میں بیٹھا وہ بھی سائل بنا اور جس نے قرآن مجید سے کچھ پڑھایا اس لئے پڑھا کہ لوگ سنیں تو وہ بھی سائل بنا۔

انہیں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ ابو تراب کہا کرتے تھے:۔

میرے اور اللہ کے درمیان یہ معاہدہ ہے کہ اگر میں اپنا ہاتھ حرام کی طرف بڑھاؤں تو میرا ہاتھ حرام تک نہ پہنچ سکے۔

ایک بار آپ نے اپنے ایک صوفی مرید کو تربوز کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے دیکھا اور اس وقت وہ تین دن کا بھوکا تھا۔ اس پر انھوں نے فرمایا:۔

"تو اپنا ہاتھ تربوز کے چھلکے کی طرف بڑھا رہا ہے۔ تو تصوف کا اہل نہیں۔ جا بازار میں جا کر بیٹھ۔"

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے میں نے ابو العباس البغدادی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو عبد اللہ[181] الفارسی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو الحسین[182] الرازی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے یوسف[183] بن الحسین سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابو تراب نخشبی کو فرماتے سنا:۔

میرے نفس نے صرف ایک بار تمنا کی اور وہ یہ تھی کہ میرے نفس نے ایک بار جب کہ میں سفر میں تھا روٹی اور انڈے کی خواہش کی۔ لہٰذا میں راستہ سے ہٹ کر ایک بستی میں چلا آیا۔ ایک آدمی لپک کر مجھ سے چمٹ گیا۔ اور کہا یہ چوروں کے ساتھ تھا۔ انھوں نے مجھے اوندھا لٹا دیا اور ستر ڈنڈے مارے۔ اس وقت ایک صوفی ادھر آنکلا اور وہ چیخ اٹھا اور کہا ارے یہ تو ابو تراب نخشبی ہیں۔ لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ اور معذرت چاہی۔ ایک آدمی مجھے اپنے گھر لے گیا اور اس نے میرے سامنے روٹی اور انڈے لا کر رکھے۔ میں نے نفس سے کہا ستر کوڑوں کے بعد اب کھالو۔

ابن جلاء نے حکایت کی ہے کہ ابو تراب مکہ میں آئے تو بہت خوش تھے۔ دریافت کیا۔ اے استاد آپ نے کھانا کہاں کھایا۔ فرمایا: ایک لقمہ بصرہ میں، ایک لقمہ بناج میں اور ایک یہاں۔

۱۹۔ عبد اللہ بن خُبَیق

ان میں سے ایک ابو محمد عبد اللہ[184] بن خبیق ہیں۔ زاہد صوفیوں میں سے تھے۔ یوسف بن اسباط[185] کی صحبت میں رہے۔ دراصل کوفہ کے تھے۔ مگر انطاکیہ میں رہائش اختیار کر رکھی تھی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو الفرج[186] ورثانی سے سُنا، کہتے تھے میں نے ابو الازہر المیا فارقینی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے فتح بن[187] شخرف سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ پہلی مرتبہ جب میں عبد اللہ بن خبیق سے ملا تو انھوں نے فرمایا:۔

اے خراسانی! صرف چار ہیں ان کے سوا کچھ نہیں۔ تمہاری آنکھ۔ زبان۔ دل اور خواہش نفس اپنی آنکھوں کی طرف دیکھو کسی ایسی طرف نگاہ نہ اٹھاؤ جو جائز نہ ہو۔ زبان کو دیکھو اس سے کوئی ایسی بات نہ کہو جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم ہو کہ تو کہہ کچھ رہا ہے۔ اور تمہارے دل میں کچھ اور ہے سو دل کو دیکھو۔ اس میں کسی مسلمان کے خلاف کینہ و بغض نہیں ہونا چاہیئے۔ اپنی خواہش کو دیکھو اور کسی قسم کی برائی کی خواہش مت کرو۔ اگر تم میں یہ چار خصلتیں نہیں پائی جاتیں تو سمجھ لو کہ تم بدبخت

ہو۔ لہٰذا اپنے سر پر خاک ڈالو۔

ابن خبیق فرماتے ہیں: غم نہ کھا، صرف اس چیز کا غم کھا جو تجھے کل (قیامت کے دن) ضرر پہنچائے۔ اور صرف اس چیز سے خوش ہو جو تجھے کل خوش کرے۔

نیز فرماتے ہیں: چونکہ بندہ اللہ سے مانوس نہیں اس لئے لوگوں کے دل ان سے مانوس نہیں۔ اگر لوگ اپنے رب کے ساتھ مانوس ہو جائیں تو سب لوگ ان سے مانوس ہو جائیں نیز فرمایا۔ سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا خوف وہ خوف ہے جو تجھے گناہوں سے روکے اور جس کی وجہ سے تو ان چیزوں پر دیر تک غم کھاتا رہے جو تجھ سے چھوٹ گئی ہیں اور بقیہ عمر میں وہ تجھے فکر میں ڈالے رکھے۔

سب سے فائدہ مند اُمید وہ اُمید ہے جو تیرے لئے عمل کو آسان کر دے۔

نیز فرمایا:۔ دیر تک بیہودہ باتوں کو سنتے رہنا دل سے عبادت کی حلاوت کو زائل کر دیتا ہے۔

۲۰۔ احمد بن عاصم انطاکی

بشر بن حارث۔ سری سقطی اور حارث محاسبی کے معاصرین میں سے تھے۔ ابو سلیمان دارانی انھیں ان کی فراست کی تیزی کی وجہ سے "جاسوس القلوب" کہا کرتے تھے۔

احمد بن عاصم فرماتے ہیں۔ جب تو دل کی اصلاح کرنا چاہے۔ تو پہلے زبان کی حفاظت کر۔

نیز فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اَنَّمَا اموالکم واولادکم فتنۃ" تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمائش و فتنہ ہیں اور ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اس فتنہ میں اضافہ چاہتے ہیں۔

۲۱۔ منصور بن عمار

ان میں سے ایک ابو السری (۱۸۹) منصور بن عمار ہیں، وندالقان کے جو مرو کی ایک بستی ہے، باشندے تھے۔ بعض انھیں بوشنج کا بتاتے ہیں۔ بصرہ میں مقیم تھے۔ ان کا شمار اکابر واعظین میں ہوتا تھا۔

منصور فرماتے ہیں:۔ جو شخص دنیاوی مصائب سے گھبراتا ہے۔ اس کی مصیبت دین میں منتقل ہو جاتی ہے۔

نیز فرماتے ہیں: بندے کا بہترین لباس تواضع اور انکساری ہے اور عارفین کے لئے بہترین لباس تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولباس التقویٰ ذالك خیر، تقویٰ کا

لباس ہی بہتر ہے۔

توبہ کا سبب

بعض کہتے ہیں کہ اُن کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ انھیں راستہ میں ایک کاغذ کا پُرزہ ملا جس پر بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لکھا ہوتھا۔ انہوں نے اسے اُٹھالیا اور جب انھیں کوئی اور جگہ رکھنے کو نہ ملی تو انھوں نے اُسے کھالیا۔ اس کے بعد انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص انھیں کہہ رہا ہے۔ اس پُرزے کی تعظیم کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حکمت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

میں نے شیخ ابوالرحمن السلمی رحمہ اللہ سے سنا۔ کہتے تھے میں نے ابوبکر الرازی سے سُنا کہتے تھے میں نے ابوالعباس القاص سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے ابوالحسین الشعرانی سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابومنصور بن عمار کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا۔ فرمایا:۔ اللہ نے کہا:۔ کیا منصور بن عمار تو ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں، میرے رب! پھر اللہ نے فرمایا تو وہی ہے ناں جو لوگوں کو دنیا سے زہد کی ترغیب دیا کرتا۔ اور خود دنیا کی رغبت رکھتا تھا۔ میں نے عرض کیا۔ اے میرے رب! ہاں ایسا ہی ہے۔ مگر جس مجلس میں میں بیٹھا ہوں میں نے پہلے تمہاری ثنا کہی ہے۔ پھر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا ہے اور اس کے بعد تمہارے بندوں کو نصیحت کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سچ کہتا ہے۔ اس کے لئے ایک کرسی رکھ دو تاکہ جس طرح دنیا میں لوگوں کے درمیان یہ میری بزرگی بیان کیا کرتا تھا۔ اسی طرح میرے فرشتوں کے درمیان یہ میری بزرگی بیان کرے۔

۲۲۔ حمدون احمد بن قصار م ۲۷۱ھ

ان میں سے ایک ابوصالح حمدون بن احمد قصار ہیں۔ یہ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ نیشاپور میں ملامتیہ کا مذہب ان ہی کے ذریعے پھیلا سلمان[۹۰] باروسی اور ابوتراب نخشبی کی صحبت میں رہے اور ۲۷۱ھ میں وفات پائی۔

حمدون سے دریافت کیا گیا کہ انسان کو کب وعظ کرنا چاہیئے۔ تو فرمایا:۔

جب انسان کے دل میں یہ بات متعین ہو جائے کہ اسے اللہ کے فرائض میں سے کوئی فرض ادا کرنا ہے۔ یا اس وقت جب اسے ڈر ہو کہ ایک انسان بدعت میں پڑ کر تباہ ہونے والا ہے۔

اور اُسے اُمید ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے بدعت سے نجات دیں گے۔

نیز فرمایا جس نے یہ خیال کیا کہ اس کا نفس فرعون کے نفس سے بہتر ہے۔ اس نے تکبر کا اظہار کیا۔ نیز فرمایا:۔ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلطان کو اشرار لوگوں کے معلوم کرنے میں فراست حاصل ہے۔ اسی وقت سے سُلطان کا خوف میرے دل سے نہیں نکلا۔

نیز فرمایا: جب تو کسی کو شراب کے نشہ میں سرشار دیکھے تو تو بھی بناوٹی طور پر ادھر اُدھر جُھکنے لگ جا تاکہ کہیں تو اس پر زیادتی نہ کر بیٹھے۔ اور کہیں تو بھی اسی میں مبتلا نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن منازل فرماتے ہیں۔ میں نے ابو صالح سے درخواست کی مجھے کوئی نصیحت کریں تو فرمایا:۔

جہاں تک ہوسکے کسی دنیاوی چیز کی خاطر غصہ میں نہ آؤ۔

ایک بار اُن کے ایک دوست کے مرنے کا وقت آگیا۔ اس وقت حمدون اس کے سر کے پاس کھڑے تھے۔ جب وہ مرگیا تو انھوں نے چراغ بُجھا دیا۔ لوگوں نے کہا:۔ ایسے وقت میں تو چراغ میں اور تیل ڈالا جاتا ہے (اور آپ نے بُجھا دیا) انھوں نے جواب میں کہا: اب تک تو تیل اُن کا تھا اور اب سے تیل وارثوں کا ہوگیا۔

حمدون فرماتے ہیں:۔ جو شخص سلف کی سیرت پر نظر دوڑائے اسے اپنی کوتاہی کا پتہ چل جائے گا۔ نیز یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ (مردانِ خدا) کے مراتب کو پہنچنے سے قاصر ہے۔

نیز فرمایا:۔ جس قسم کی باتیں تو چاہتا ہے کہ لوگوں پر ظاہر نہ ہوں اس قسم کی اوروں کی باتیں لوگوں پر ظاہر نہ کر۔

۲۳۔ جنید بن محمد م ۲۹۷ھ

اُن میں سے ایک ابوالقاسم جنید بن محمد ہیں[۱۹۲]۔ یہ صوفیا کے سردار اور امام تھے۔ دراصل نہاوند کے رہنے والے تھے۔ مگر اُن کی پیدائش اور نشوونما عراق میں ہوئی۔ چونکہ ان کے والد کانچ بیچا کرتے تھے اس لئے انھیں قواریری کہا جانے لگا۔ فقہ میں ابو ثور[۱۹۳] کے مذہب کے فقیہہ شمار ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ ان ہی کے حلقہ میں ان کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کی عمر بیس سال تھی۔ یہ اپنے خالو سری حارث محاسبی اور محمد بن علی قصاب[۱۹۴] کی صحبت میں رہے اور ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، فرماتے تھے میں نے محمد بن الحسین البغدادی سے سنا کہتے تھے۔ کہ میں نے فراغانی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ جنید سے پوچھا گیا کہ عارف کون ہے۔ تو فرمایا عارف وہ ہے کہ تو خاموش رہے اور وہ تمہارے دل کی بات کہہ دے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمن السلمی رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے۔ میں نے محمد بن عبداللہ الرازی سے سنا کہتے تھے میں نے ابومحمد الجریری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے جنید کو کہتے سنا۔ ہم نے تصوف قیل وقال سے حاصل نہیں کیا۔ بلکہ بھوکے رہنے۔ دنیا کو ترک کرنے اور پسندیدہ اور مستحسن چیزوں سے قطع تعلق کرنے سے حاصل کیا ہے۔

میں نے محمد بن الحسین (۹۶) رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے میں ابوبکر الرازی سے سنا کہتے تھے میں نے ابومحمد الجریری سے سنا کہتے تھے کہ میں ابونصر (۹۷) الاصبہانی سے سنا کہتے تھے میں نے ابوعلی الرودباری سے سنا وہ کہتے تھے۔ کہ میں نے جنید کو ایک شخص کے جواب میں جو معرفت کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا کہ اہل معرفت ترقی کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ نیکی اور تقرب الی اللہ کے لئے حرکت کرنا بند کر دیتے ہیں۔ یوں فرماتے سنا:۔

یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اعمال کے ساقط ہو جانے کے قائل ہیں اور میرے نزدیک یہ ایک بڑا بھاری گناہ ہے اور اس بات کے قائل سے تو وہ شخص بہتر ہے جو چوری بھی کرتا ہو اور زنا بھی۔ کیونکہ عارفین باللہ نے اعمال کا حکم اللہ سے لیا ہے اور اعمال میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور اگر میں ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں تب بھی ذرہ بھر کبھی نیک اعمال کو کم نہ کروں گا۔ ہاں اگر درمیان میں کوئی بات حائل ہو جائے تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔

جنید فرماتے ہیں اگر تم سے ممکن ہو سکے کہ تمہارے گھر میں سوائے ٹھیکری کے برتن کے اور کوئی برتن نہ ہو تو ایسا ہی کرنا۔

نیز فرماتے تھے، تمام مخلوق کے لئے اللہ تک پہنچنے کے راستے بند ہیں۔ ماسوائے ان لوگوں کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے جنید کو فرماتے ہوئے سنا۔ اگر کوئی سچی طلب والا دس لاکھ سال تک بھی اللہ کی طرف متوجہ رہے اور پھر صرف ایک لحظہ کے

لئے منہ موڑے تو اس لمحہ کے اندر جو کچھ وہ کھو بیٹھا ہے، وہ بمقابلہ اس کے جو اس نے حاصل کیا ہے کہیں زیادہ ہے۔

جنید فرماتے ہیں: چونکہ ہمارا علم معرفت کتاب و سنت کا پابند ہے۔ اس لئے جس شخص نے نہ قرآن حفظ کیا اور نہ حدیث لکھی ہو۔ راہِ طریقت میں ان کی پیروی نہ کی جائے گی

میں نے محمد بن الحسین سے سنا وہ کہتے تھے۔ ابو نصر الاصبہانی کہتے تھے۔ میں نے ابو علی روزباری سے سنا ہے۔ وہ جنید سے روایت کرتے تھے کہ انھوں نے فرمایا: ہمارا مذہب کتاب و سنت کے اصولوں کا پابند ہے۔ نیز فرمایا ہمارا یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے مضبوط ہوتا ہے۔

ہم سے محمد بن الحسین رحمہ اللہ نے بیان کیا۔ کہا میں نے ابو الحسن بن فارسی سے سُنا کہتے تھے میں نے ابو الحسین علی ابن ابراہیم الحداد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں ابو العباس(۱۹۸) بن شریح کی مجلس میں گیا تو انھوں نے اصول و فروع کے متعلق بہت عمدہ تقریر کی اور مجھے اس سے بہت تعجب ہوا۔ جب اس نے مجھے دیکھا کہ مجھے تعجب ہوا ہے تو کہا تجھے معلوم ہے کہ یہ علم میں نے کہاں سے حاصل کیا۔ میں نے عرض کیا: آپ ہی فرمادیں تو انھوں نے کہا: یہ ابو القاسم جنید کی مجلس میں بیٹھنے کی برکت ہے۔

جنید سے کسی نے پُوچھا: آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا؟ تو آپ نے اپنے گھر کی سیڑھی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس سیڑھی کے نیچے اللہ کے سامنے تیس سال بیٹھے رہنے سے (حاصل کیا)

میں نے استاد ابو علی دقاق کو بھی یہی روایت بیان کرتے سنا ہے۔

انہی سے میں نے یہ بھی سنا کہ جنید کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی گئی۔ تو کسی نے عرض کیا: باوجود اس قدر شرف کے کیا آپ بھی تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں؟

جواب دیا: میں اس راستہ کو جس پر چلنے سے اللہ تک پہنچا ہوں۔ کیسے چھوڑ دوں:

میں نے استاد ابو علی کو فرماتے ہوئے سنا: جنید ہر روز اپنی دکان پر آکر پردہ لٹکا دیتے اور چار سو رکعت نماز ادا کر کے گھر کو لوٹتے تھے۔

ابو بکر عطوی(۱۹۹) فرماتے ہیں جب جنید کی وفات ہوئی اس وقت میں ان کے پاس موجود تھا انہوں

نے قرآن مجید ختم کر کے پھر سے سورہ بقرہ شروع کی۔ اور ستر آیتیں پڑھ کر دم دے دیا۔

۲۴۔ ابو عثمان حیری م ۲۹۸ھ

ان میں سے ایک ابو عثمان سعید[۲] بن اسمٰعیل حیری ہیں۔ دراصل ری کے تھے۔ مگر نیشاپور میں مقیم ہو گئے تھے۔

یہ شاہ کرمانی اور یحییٰ بن معاذ رازی کی صحبت میں رہے۔ اور شاہ کرمانی کی معیت میں ابوحفص حداد کے پاس نیشاپور آئے وہیں اقامت اختیار کی اور علم حاصل کیا۔ ابوحفص نے اُن کی شادی اپنی لڑکی سے کر دی۔ ان کی وفات ۲۹۸ھ میں ہوئی۔ ابوحفص کی وفات کے بعد تیس سال سے کچھ اوپر زندہ رہے۔ میں نے محمد ابن الحسین رحمہ اللہ سے سنا۔ کہتے تھے میں نے ابو عمرو[۱] بن[۲] حمدان سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے ابو عثمان سے سنا وہ فرماتے تھے۔

جب تک آدمی کے دل میں چار باتیں ایک جیسی دکھائی نہ دیں اس وقت تک اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ منع[۱]۔ اعطا[۲]۔ عزت[۳]۔ ذلت[۴]

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے عبدالرحمٰن[۲۴] بن عبداللہ سے سنا۔ کہتے تھے میں نے ابو عثمان کے بعض اصحاب سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابو عثمان کو یوں فرماتے ہوئے سُنا۔

میں جوانی کے زمانہ میں مدت تک ابوحفص کی خدمت میں رہا۔ ایک دن انھوں نے مجھے دھکیل کر نکال دیا۔ اور فرمایا: میرے پاس مت بیٹھا کرو۔ میں اٹھا اور بغیر اس کے کہ اپنی پیٹھ ان کی طرف کروں پیچھے ہٹ گیا۔ میرا چہرہ ان کے چہرے کی طرف رہا تاآنکہ میں ان کی آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ دل میں یہ ارادہ کیا کہ ان کے دروازہ پر ایک گڑھا کھود کر اس میں بیٹھ جاؤں اور ان کے حکم کے بغیر اس میں سے نہ نکلوں گا۔ مگر جب آپ نے میری یہ کیفیت دیکھی تو مجھے بلا کر اپنے خاص اصحاب میں سے بنا لیا۔

وہی بیان کرتے ہیں کہ کہا جاتا تھا کہ دنیا میں صرف تین اشخاص ہیں۔ (ان کا) چوتھا نہیں ہو سکتا۔ ابو عثمان نیشاپور میں جنید، بغداد میں اور ابو عبداللہ بن جلاء شام میں۔

ابو عثمان فرماتے ہیں کہ چالیس سال مجھے اسی حال میں گذر گئے کہ اللہ نے مجھے جس حال میں رکھا میں نے اسے برا نہیں جانا یا اگر کسی اور حالت کی طرف منتقل کر دیا۔ تب بھی ناراض نہیں ہوا۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سُنا، کہتے تھے میں نے عبداللہ بن محمد الشعرانی سے سنا فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابوعثمان کو ایسا ہی فرماتے سنا ہے۔

حالتِ نزاع میں بیٹے کو نصیحت

جب وفات کے وقت اُن کی حالت بدل گئی تو ان کے بیٹے ابوبکر نے اپنی قمیض پھاڑ ڈالی۔ اس پر ابوعثمان نے آنکھیں کھولیں۔ اور فرمایا: اے میرے بیٹے! ظاہر میں سنت کے خلاف کرنا باطن میں ریاکاری کی علامت ہے۔ میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہتے تھے میں نے محمد بن احمد الملامتی[۲۰۳] سے سُنا کہتے تھے میں نے ابوالحسین[۲۰۴] الوراق سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے ابوعثمان کو فرماتے ہوئے سنا۔

اللہ کی صحبت میں حسنِ ادب دوام ہیبت اور مراقبہ کو مدِنظر رکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اتباعِ سنت اور ظاہری علم کی پابندی کا خیال رکھو۔ اولیاء اللہ کی صحبت میں احترام اور خدمت کا خیال رکھو۔ گھر والوں کی صحبت میں حسنِ خلق کو مدِنظر رکھو۔ برادری کی صحبت میں ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ رہو۔ بشرطیکہ کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور جاہلوں کی صحبت میں ان کے لئے دعا کرتے رہو اور ان پر رحم کیا کرو۔

میں نے عبداللہ بن یوسف الاصبہانی رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے میں نے ابوعمرو بن نجید سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابوعثمان کو یہ کہتے ہوئے سنا جس نے اپنے قول و فعل میں اپنے اوپر سنت کو حاکم قرار دیا وہ حکمت کی بات کرے گا۔ اور جس نے اپنے قول و فعل میں خواہشات نفسانی کو حاکم بنایا وہ بدعت کی بات کرے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "وان تطیعوہ تھتدوا۔" اگر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔

۲۵۔ احمد نوری م ۲۹۵ھ

ان ہی بزرگوں میں ایک بزرگ ابوالحسین احمد بن محمد نوری ہیں اپنی اصل کے اعتبار سے بغوی اور پیدائش اور نشو و نما کے اعتبار سے بغدادی ہیں۔ یہ سری سقطی اور ابن ابی الحواری کی صحبت میں رہے اور جنید کے معاصرین میں سے تھے۔ اُن کی وفات ۲۹۵ھ میں ہوئی۔ بہت بڑی شان والے، اچھے معاملہ اور اچھی زبان والے تھے۔

نوری فرماتے تھے : تمام نفسانی حظوظ کو ترک کر دینے کا نام تصوف ہے۔

نیز فرماتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں دو چیزیں بہت نایاب ہیں۔ ایک عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہو اور دوسری عارف جو حقائق بیان کرتا ہو۔

شریعت کی پابندی

میں نے ابوعبداللہ(۲۰۶) الصوفی سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے احمد بن محمد البرزعی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے المرتعش سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے نوری کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

جس شخص کو تو اللہ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتے ہوئے دیکھے۔ جو اسے شریعت کی حد سے نکال دے تو تجھے اس شخص کے قریب بھی نہیں جانا چاہیئے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے میں نے ابوالعباس البغدادی سے سنا کہتے تھے میں نے الفرغانی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے جنید کو فرماتے سنا۔ جب سے نوری کی وفات ہوئی ہے کسی نے حقیقتِ صدق کی خبر نہیں دی۔

ابو احمد(۲۰۷) مغازلی فرماتے ہیں: میں نے نوری سے زیادہ عبادت گزار نہیں دیکھا۔ کسی نے عرض کیا۔ کیا جنید کو بھی نہیں ؟ فرمایا جنید کو بھی نہیں۔

نوری فرماتے ہیں: گدڑیاں موتیوں پر پردے کا کام دیا کرتی تھیں۔ مگر اب تو وہ مُردار پر گند کی کا کام دیتی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ وہ ہر روز گھر سے اپنا کھانا ساتھ لے کر نکلتے اور راستہ میں اسے خیرات کے طور پر دے دیتے۔ اور مسجد میں جا کر ظہر تک نماز پڑھتے رہتے۔ پھر نکل کر دکان کا دروازہ کھولتے اور روزہ رکھے رہتے۔ گھر والوں کو یہی خیال ہوتا کہ آپ بازار جا کر کھانا کھا لیتے ہیں اور بازار والوں کو خیال ہوتا کہ گھر سے کھا کر آتے ہیں۔ ابتداء میں بیس سال اُن کی یہی حالت رہی۔

۲۶۔ احمد بن یحییٰ الجلاء

ان میں سے ایک ابوعبداللہ(۲۰۸) احمد بن یحییٰ الجلاء ہیں۔ یہ اصل میں بغداد کے رہنے والے تھے۔ مگر رملہ اور دمشق میں مقیم رہے۔ شام کے بڑے شیوخ میں سے تھے۔ ابو تُراب ذوالنون، ابوعُبید(۲۰۹) البسری اور اپنے باپ یحییٰ الجلاء(۲۱۰) کی صحبت میں رہے۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا یہ کہتے تھے۔ میں نے محمد بن العزیز الطبری سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو عمر[۲۱۱] والدمشقی سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے ابن الجلاء کو یوں کہتے سنا:۔ میں نے اپنے والدین سے درخواست کی کہ مجھے اللہ کے لئے ہبہ کر دیں۔ دونوں نے کہا:۔ ہم نے تمہیں اللہ کے لئے ہبہ کر دیا۔ اس پر میں ایک مدت تک ان سے غائب رہا۔ جب واپس آیا تو اس رات بارش ہو رہی تھی میں نے دستک دی۔ میرے ابا جان نے پوچھا:۔ کون ہے؟ میں نے جواب دیا آپ کا بیٹا احمد۔ فرمایا:۔ ہمارا ایک بیٹا تھا جسے ہم نے ہبہ کے طور پر اللہ کو دے دیا۔ اور ہم عربوں میں سے ہیں۔ ایک بار ہبہ کر کے واپس نہیں لیا کرتے۔ لہٰذا انھوں نے دروازہ نہ کھولا۔

ابن الجلاء فرماتے تھے جس کے نزدیک مدح وذم یکساں ہوں وہ زاہد ہے جو فرائض کی ان کے اولین وقت میں محافظت کرے وہ عابد ہے اور جو تمام افعال کو اللہ کی جانب سے خیال کرے وہ موحد ہے۔ اسے صرف ایک ہی دکھائی دیتا ہے۔

جب ان کی وفات ہوئی تو لوگوں نے انھیں دیکھا کہ مسکرا رہے ہیں۔ طبیب نے کہا کہ یہ زندہ ہیں۔ پھر نبض دیکھ کر کہا کہ مر چکے ہیں۔ پھر ان کا چہرہ کھولا تو کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ زندہ ہیں یا مردہ۔

ان کی کھال کے اندر ایک رگ تھی جس کی شکل "اللہ" کی سی بنی ہوئی تھی۔

ابن جلاء کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں اپنے استاد کے ساتھ چل رہا تھا۔ ایک خوبصورت نوجوان کو دیکھا تو اُستاد سے کہا:۔ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شکل کو عذاب دیں گے۔ اُستاد نے فرمایا:۔ کیا تُو نے اسے دیکھا ہے؟ اس کا انجام عنقریب تجھے معلوم ہو جائے گا۔ اس واقعہ کے بیس سال بعد مجھے قرآن مجید بھول گیا۔

۲۷۔ ابو محمد رویم م ۳۰۳ھ

ان ہی میں سے ایک ابو محمد رویم[۲۱۲] بن احمد ہیں۔ بغداد کے رہنے والے تھے۔ اور فقہ داؤدی کے عالم تھے۔ ان کا انتقال قرأت کرتے ہوئے ۳۰۳ ہجری میں ہُوا۔

رویم فرماتے تھے:۔ دانشمند کے فیصلے ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ اوروں کو وسعت دے اور اپنے لئے تنگی۔ اس لئے کہ اوروں کو وسعت دینا علم کی پیروی ہے۔ اور اپنے اوپر تنگی کا حکم لگانا

پرہیزگارانہ فیصلہ۔

میں نے ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا۔ کہتے تھے میں نے عبدالواحد بن بکر سے سنا، کہتے تھے میں نے ابوعبداللہ بن خفیف سے سنا وہ کہتے تھے۔ میں نے رویم سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت کریں تو فرمایا:۔

طریقت کا علم روح خرچ کر کے حاصل ہوتا ہے اگر یہ جاننے کے باوجود تُو اس میں داخل ہو سکتا ہے تو ہو جا ورنہ صوفیاء کی بیکار باتوں میں مشغول نہ ہو۔

نیز فرمایا:۔ ہر قسم کے طبقہ کے لوگوں کے پاس تمہارا بیٹھنا تمہارے لئے صوفیاء کے پاس بیٹھنے سے زیادہ سلامتی کا سبب ہے کیونکہ تمام مخلوق رسموں کا اعتبار کرتی ہے۔ اور یہ لوگ حقائق کا اعتبار کرتے ہیں۔ سارے لوگ اپنے نفوس کو ظاہری شریعت کے موافق بناتے ہیں۔ اور ان لوگوں کا نفسِ حقیقت ورع اور مداومتِ صدق میں مشغول ہے۔ لہٰذا جو شخص ان کے پاس بیٹھے اور ان امور میں جن کو وہ حق جانتے ہیں۔ ان کی مخالفت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو نورِ ایمان سلب کر دیتے ہیں۔

رویم فرماتے ہیں:۔ میں بغداد میں دوپہر کے وقت ایک سڑک پر سے گذرا، اس وقت مجھے پیاس لگ رہی تھی۔ میں نے ایک گھر سے پانی مانگا۔ ایک بچی نے دروازہ کھولا اور اس کے پاس ایک کوزہ تھا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگی کہ صوفی اور دن کے وقت پانی پیئے؟ اس کے بعد میں کبھی بھی بے روزہ نہیں رہا۔

رویم فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ تجھے کلام کرنا اور عمل کرنا، دونوں عطا کرے پھر کلام لے لے مگر عمل کو تمہارے پاس رہنے دے تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کی نعمت ہے اور جب عمل لے لے اور کلام کو رہنے دے تو یہ مصیبت ہوگی۔ اور اگر دونوں لے لے تو یہ عذابِ الٰہی ہوگا۔

۲۸۔ ابوعبداللہ البلخی ۳۱۹ھ

ان ہی میں سے ایک ابوعبداللہ محمد بن الفضل بلخی ہیں۔ دراصل بلخ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے نکال دیئے گئے۔ پھر سمرقند آئے اور وہیں وفات پائی۔ بلخی احمد بن خضرویہ اور دوسرے بزرگوں کی صحبت میں رہے۔ ابوعثمان حیری کا اُن کی طرف بہت ہی میلان تھا۔ انہوں نے ۳۱۹ھ میں

وفات پائی۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے میں نے احمد بن محمد[۲۱۴] سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابوبکر بن عثمان[۲۱۵] سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ ابوعثمان حیری نے محمد بن الفضل کو خط لکھا جس میں انھوں نے دریافت کیا تھا کہ بدبختی کی کیا علامت ہے؟ انھوں نے جواب میں لکھا:۔ بدبختی کی تین علامتیں ہیں: ۱۔ کسی انسان کو علم عطا کیا گیا ہو مگر عمل سے محروم رکھا گیا ہو۔ اور اگر عمل عطا کیا گیا ہو تو اخلاص سے محروم ہو۔ اور کسی کو صالحین کی صحبت نصیب ہو مگر وہ اُن کا احترام نہیں کرتا۔

ابوعثمان حیری کہا کرتے تھے کہ محمد بن الفضل آدمیوں کے احوال کو جانتے ہیں۔

میں نے محمد بن الحسین سے سُنا، کہتے تھے میں نے عبداللہ[۲۱۶] الرازی سے وہ فرماتے تھے کہ میں نے محمد بن الفضل کو کہتے سنا:۔ قید خانہ (دنیا) میں رہتے ہوئے آرام کی اُمید رکھنا آرزوئے خام ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا وہ کہتے تھے میں نے ابوبکر الرازی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے محمد بن الفضل کو سنا فرما رہے تھے۔ چار قسم کے لوگوں سے اسلام چلا جاتا ہے۔(۱) جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے۔(۲) جو ایسی چیزیں کرتے ہیں جن کا انھیں علم نہیں۔(۳) نہ ان باتوں کو سیکھتے ہیں جن کا ان کو علم نہیں۔ اور (۴) لوگوں کو سیکھنے سے روکتے ہیں۔

انھیں اسناد سے مروی ہے انھوں نے فرمایا:۔

تعجب ہے اس شخص پر جو جنگل کو اس خیال سے طے کرتا ہے کہ وہ اللہ کے گھر پہنچ جائے اور نبوت کے آثار دیکھے وہ اپنے نفس اور خواہشات کو طے کر کے کیوں نہیں چلا آتا۔ تاکہ اپنے دل تک پہنچ کر اپنے رب عزوجل کے آثار دیکھے۔

نیز فرمایا: جب تو کسی مرید کو دیکھے کہ وہ دنیا کی زیادتی طلب کر رہا ہے تو یہ اس کے ادبار کی علامت ہے۔

کسی نے اُن سے زہد کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا:۔ زہد یہ ہے کہ تو دنیا کی طرف دیکھے اور اسے ناقص خیال کرے اور اپنے آپ کو بلند ظریف اور شریف سمجھتے ہوئے اس سے اعراض کرے۔

۲۹۔ احمد بن نصر زقاق الکبیر

انہی میں سے ابوبکر احمد بن نصر زقاق کبیر ہیں۔ یہ جنید کے معاصرین میں سے تھے۔ اور اُن کا شمار اکابرین مصر میں ہوتا تھا۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے: میں نے الحسین بن احمد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے الکتانی کو فرماتے ہوئے سنا۔ زقاق کی وفات کے بعد فقراء کے لئے مصر میں داخل ہونے کی کوئی حجت نہ رہی۔

زقاق فرماتے ہیں جس شخص میں فقر کی حالت میں تقویٰ نہ پایا جائے وہ حرام محض کھاتا ہوگا۔

میں نے ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے، میں نے محمد بن عبداللہ[۲۱۸] بن عبدالعزیز سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے زقاق کو فرماتے سنا: میں بنی اسرائیل کے بیابان میں پندرہ دن تک بھٹکتا رہا۔ پھر جب راستہ پر پڑ گیا تو ایک فوجی ملا جس نے پانی پینے کو دیا۔ جس کی قساوت تیس سال تک مجھ پر رہی۔

۳۰۔ عمرو بن عثمان مکی م ۲۹۱ھ

ان ہی میں سے ابوعبداللہ عمرو بن عثمان مکی ہیں۔ ان کی ملاقات ابوعبداللہ بناجی سے ہوئی اور ابوسعید خراز اور دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ اصول اور طریقت میں یہ قوم کے شیخ اور امام طائفہ ہیں۔ انھوں نے بغداد میں ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے۔ میں نے محمد بن عبداللہ بن شاذان سے سنا کہتے تھے میں نے ابوبکر محمد بن[۲۲۱] احمد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے عمرو بن عثمان مکیؒ کو یوں فرماتے ہوئے سنا:

ہر وہ چیز جو تمہارے دل کے وہم میں آجائے یا تمہارے فکر کے خانوں میں راسخ ہو سکے۔ یا تمہارے دل کے معارضات میں کھٹکے۔ مثلاً حسن، بہار۔ انس۔ جمال۔ روشنی۔ شبح۔ نور۔ وجود یا خیال (کہ ان کو اللہ سے نسبت ہے) تو یہ یقینی جان کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے بعید و پاک ہے۔ کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔

کوئی چیز اس جیسی نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ " نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے، اور نہ ہی کوئی اس کا ہم پلہ ہے۔

نیز انھیں اسناد سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: علم آگے سے کھینچتا ہے اور خوف پیچھے سے ہانکتا ہے اور نفس ان دونوں کے درمیان اکڑ جاتا ہے۔ سرکش ہے دھوکہ باز ہے اور فریب کار ہے۔ لہٰذا اس سے بچ اور علم کی سیاست کے ذریعہ سے اس کا خیال رکھ اور خوف کی دھمکی کے ذریعہ ہانک تب جا کر تمہاری مراد پوری ہوگی۔

نیز فرماتے ہیں صاحبِ وجد کی حالت کو کوئی عبادت ادا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ وجد تو مومنین کے پاس اللہ کا راز ہے۔

۱۳۱۔ سمنون بن حمزہ

ان ہی میں سے سمنون[۴۴۲] بن حمزہ ہیں۔ ان کی کنیت ابوالحسن ہے۔ اور بعض ابوالقاسم بتاتے ہیں۔ سری سقطی ابو احمد[۴۴۳] قلانسی اور محمد بن علی قصاب اور دیگر شیوخ کی خدمت میں رہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے یہ شعر پڑھا:۔

وَلَیْسَ لِیْ فِیْ سِوَاکَ حَظٌّ   فَکَیْفَمَا شِئْتَ فَاخْتَبِرْنِیْ

تمہارے سوا مجھے کسی سے غرض نہیں ہے۔ اب جیسے چاہو آزمالو۔ اسی وقت انھیں احتباس بول کی شکایت ہوگئی۔ اس کے بعد یہ مدرسوں میں گھوما کرتے اور کہتے اپنے جھوٹے چچا کے لئے دعا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ بلکہ بات یوں ہوئی کہ انھوں نے یہ شعر پڑھا۔ اس کے بعد ان کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد نے دوسرے سے کہا۔ کل رات جب میں بستی میں تھا تو میں نے اپنے استاد سمنون کی آواز سنی کہ وہ اللہ کو پکار رہے تھے۔ اور گڑگڑا رہے تھے اور شفا کی درخواست کر رہے تھے۔ دوسرے نے کہا میں نے بھی کل رات جبکہ میں فلاں جگہ تھا ایسا ہی سنا تھا تیسرے نے اور پھر چوتھے نے بھی اسی طرح بیان کیا۔ اس کی اطلاع سمنون کو ہوگئی۔ اس وقت وہ پیشاب بند ہونے (احتباس بول) کی بیماری میں مبتلا ہو چکے تھے۔ مگر اب تک صبر کرتے اور گھبراہٹ کا اظہار نہ کرتے تھے۔ جب انھوں نے اپنا شاگردوں کو اس طرح کہتے ہوئے سنا۔ حالانکہ انھوں نے نہ تو اس وقت تک دعا کی تھی اور نہ کوئی لفظ منہ سے نکالا تھا۔ تو انھیں معلوم ہوگیا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ میں گھبراہٹ کا اظہار کروں تاکہ میں عبودیت کے

آداب پر عمل کروں اور اپنی حالت کو بھی لوگوں پر مخفی رکھ سکوں۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے مدرسوں میں گھومنا شروع کیا اور یہ الفاظ کہنے شروع کئے: "اپنے کذّاب چچا کے لئے دعا کرو۔"

مَیں نے محمد بن الحسین رحمۃ اللہ سے سنا کہتے تھے مَیں نے ابوالعباس محمد بن الحسین رضؓ البغدادی سے سُنا۔ کہتے تھے مَیں نے جعفر الخلدی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مجھے ابُو احمد مغازلی نے بتایا کہ بغداد میں ایک شخص تھا جس نے فقراء میں چالیس ہزار درہم تقسیم کئے۔ تو سمنون نے کہا اے ابُو احمد کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس شخص نے کس قدر مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور کس قدر بڑا عمل کیا ہے۔ اور ہمارے پاس تو (خرچ کرنے کو) کچھ بھی نہیں ہے۔ آؤ چلو ایسی جگہ چلیں جہاں ہم ہر درہم کے مقابلہ میں ایک رکعت نماز ادا کریں۔ چنانچہ ہم نے مدائن جاکر چالیس ہزار رکعت نماز ادا کی۔

سمنون ظریف اخلاق والے تھے۔ اُن کی گفتگو اکثر محبتِ الٰہی کے بارے میں ہوتی تھی۔ بہت بڑی شان والے تھے کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات جنید (م ۲۹۷ھ) سے پہلے ہوئی۔[۲۲۴]

۳۲۔ ابو عبید لبسری

ان میں سے ابوعبید لبسریؒ[۲۲۵] ہیں۔ قدماء مشائخ میں سے تھے۔ یہ ابوتراب نخشبی (م ۲۴۵ھ) کی صحبت میں رہے۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے عبداللہ بن علی سے سُنا۔ کہتے تھے میں نے الدَقی سے[۲۲۶] سنا، فرماتے تھے کہ میں نے ابن الجلاء کو کہتے ہوتے سنا۔ کہ میری ملاقات چھ سو شیوخ سے ہوئی مگر میں نے چار جیسا کسی کو نہ پایا۔ اور وہ ذوالنون مصری میرے باپ یحییٰ الجلا، ابوتراب نخشبی اور ابوعبید لبسری ہیں۔

مَیں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے۔ میں نے احمد بن محمد البغوی[۲۲۷] سے سنا کہتے تھے۔ میں نے محمد بن[۲۲۸] معمر سے سنا کہتے تھے میں نے ابوزرعۃ الحسنی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک بار ابوعبید لبسری ایک جرجر (گندم کاٹنے والی مشین) پر بیٹھے گیہوں گاہ رہے تھے۔ اور حج کو صرف تین دن باقی رہ گئے تھے کہ دو آدمی اُن کے پاس آئے اور کہا کیا آپ[۲۳] حج کے لئے تیار ہوتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تمہارا پیر ان دونوں سے زیادہ قدرت رکھتا ہے (کیونکہ اگر یہ لوگ تین دن میں حج کے لئے حاضر ہونے پر قدرت رکھتے ہیں تو میں آنکھ جھپکنے میں وہاں پہنچ سکتا ہوں)

۳۳۔ شاہ شجاع کرمانی م قبل از ۳۰۰ھ

ان ہی میں سے ابوالفوارس[۲۳] شاہ شجاع کرمانی ہیں۔ یہ شہزادے تھے۔ ابوتراب نخشبی ابوعبید بسری اور اور اسی طبقہ کے دیگر مشائخ کی صحبت میں رہے۔ بڑے جوان مرد تھے۔ بڑی شان والے تھے۔ ان کی وفات ۳۰۰ھ سے پہلے ہوئی۔

شاہ شجاع فرماتے ہیں:۔ تقویٰ کی علامت پرہیزگاری ہے اور پرہیزگاری کی علامت یہ ہے کہ کسی بات میں شک وشبہ ہو تو انسان ٹھہر جائے۔

اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے۔ جھوٹ۔ خیانت اور غیبت سے پرہیز کرو۔ اس کے علاوہ جو چاہو کرو۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے اپنے دادا ابن نجید سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ شاہ کرمانی کا فرمان ہے:۔ جس شخص نے محرمات سے اپنی نگاہ کو پست کر رکھا۔ اپنے نفس کو شہوات سے روکے رکھا۔ اپنے باطن کو ہردم کے مراقبہ سے اور ظاہر کو سنت سے معمور رکھا اور اپنے آپ کو رزقِ حلال کا عادی بنا رکھا ہو اس کی فراست غلط نہ ہوگی۔

۳۴۔ یوسف بن حسین م ۳۰۴ھ

ان ہی میں سے شیخ یوسف بن حسین ہیں۔ یہ اپنے وقت میں جبال اور رَیّ کے شیخ تھے۔ تصنع نہ کرنے میں یکتائے روزگار تھے۔ عالم اور ادیب تھے۔ ذوالنون مصری اور ابوتراب نخشبی کی صحبت میں رہے اور ابوسعید خراز کے رفیق رہے۔ انھوں نے ۳۰۴ھ میں وفات پائی۔

یوسف بن حسین فرماتے ہیں:۔ میں اس بات کو کہ میں اللہ تعالیٰ سے تمام گناہوں کے ساتھ ملوں زیادہ پسند کرتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ میں ذرہ بھر بھی تصنّع کے ساتھ ملوں۔

نیز فرماتے ہیں:۔ جب تو کسی مرید کو ایسے امور میں مشغول دیکھے جو شریعت میں رخصت کہلاتے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ کچھ مرتبہ حاصل نہ کر سکے گا۔

انھوں نے جنید کو لکھ کر بھیجا:۔ خدا تجھے تمہارے نفس کا مزہ نہ چکھائے۔ کیونکہ اگر تو نے چکھ لیا تو اس کے بعد کبھی نیکی کا مزہ نہ چکھ سکو گے۔

نیز فرماتے ہیں:۔ میں نے دیکھا ہے کہ صوفیاء کی آفت تین چیزوں میں پائی جاتی ہے۔ نوخیز نوجوانوں

کی صحبت ۔ مخالف طبیعت والے لوگوں سے میل جول اور عورتوں کے ساتھ نرمی ۔

۲۳۵۔ ابو عبداللہ محمد[۲۲۳] بن علی ترمذی کا شمار کبار شیوخ میں ہوتا ہے۔ صوفیاء کے علوم میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ یہ ابوتراب نخشبی احمد بن خضرویہ ابن جلاء اور دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔

ان سے کسی نے مخلوق کی تعریف پوچھی تو فرمایا:۔ اس کی کمزوری تو واضح ہے مگر اس کے دعوے بڑے لمبے چوڑے ہیں۔ نیز فرماتے تھے میں نے اپنی تدبیر سے کوئی تصنیف نہیں کی۔ اور نہ اس لئے کی ہیں کہ لوگ کہیں اس نے فلاں فلاں کتاب تصنیف کی ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ جب مجھ کو وقت کا غلبہ ہوتا تو تصنیف میں مشغول ہو کر غلبۂ وقت سے ہوش میں آنا چاہتا تھا۔

۲۳۶۔ محمد بن عمر الورّاق ترمذی ان ہی میں سے ابوبکر محمد[۲۲۴] بن عمر ورّاق ترمذی ہیں۔ یہ بلخ میں مقیم رہے ریاضات میں اُن کی بہت سی تصانیف ہیں۔

میں نے ابو عبدالرحمٰن سے سنا کہتے تھے۔ میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا۔ کہتے تھے محمد[۲۲۵] بن محمد بلخی سے وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابوبکر وراق کو فرماتے سُنا:۔ جس نے اپنے جسمانی اعضاء کو خواہشات نفسانی (کے پورا کرنے) سے خوش کیا۔ اس نے اپنے دل میں ندامتوں کا درخت لگا دیا۔

مَیں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے میں نے ابوبکر البلخی سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے ابوبکر وراق کو یُوں کہتے سنا۔ اگر طمع سے پُوچھا جائے کہ تمہارا باپ کون ہے تو جواب ملے گا۔ تقدیری امور میں شک اور اگر اس سے پُوچھا جائے کہ تمہاری غایت کیا ہے تو جواب ملے گا۔ محرومیت۔

ابوبکر وراق اپنے مریدوں کو سفر و سیاحت سے منع کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:۔ جہاں تمہاری ارادتمندی ہو اس مقام پر صبر کر کے پڑے رہنے میں برکت ہے۔ یہاں تک کہ تمہاری ارادتمندی درست ہو جائے اور جب ارادتمندی درست ہو گئی تو پھر برکت کے آثار ظاہر ہونے لگ گئے۔

۲۳۷۔ ابو سعید احمد خراز م ۲۷۷ھ ان ہی میں سے ابو سعید احمد بن عیسٰی خراز ہیں۔ یہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ ذوالنون مصری نباجی

ابو عبید لبسری۔ سری۔ بشر (۲۳۶) اور دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات ۲۸۶ھ میں ہوئی۔

ابوسعید فرماتے ہیں:۔ ہر وہ باطن جو ظاہر کے خلاف ہو باطل ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے ابو عبداللہ الرازی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابوالعباس الصیاد سے سنا وہ فرماتے ہیں میں نے ابوسعید خراز کو کہتے سنا۔

میں نے شیطان کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھ سے دُور ایک کنارے سے گذر رہا ہے۔ میں نے اُسے کہا: ارے، ادھر آؤ۔ کیا بات ہے دُور ہو کر گزر رہا ہے؟

شیطان نے جواب دیا: میں تم لوگوں کا کیا کروں گا۔ جس چیز کے ساتھ میں لوگوں کو دھوکہ دیتا ہوں اسے تم لوگوں نے اپنے سے دُور پھینک رکھا ہے۔ میں نے پُوچھا وہ کون سی چیز ہے؟ جواب دیا۔ دنیا۔ پھر کہا ہاں البتہ ایک لطیف بات تم لوگوں کے اندر میرے حق میں پائی جاتی ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون سی ہے؟ کہا:۔ نو عمروں کی صحبت۔

ابوسعید خراز کہتے ہیں: میں کافی مدت تک صوفیاء کی صحبت میں رہا مگر اس عرصہ میں میرے اور ان کے درمیان کبھی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ پوچھا:۔ وہ کیسے؟ جواب دیا: اس لئے کہ میں ان کے ساتھ رہتا مگر اپنے نفس کی مخالفت کرتا رہتا۔

۳۸۔ ابوعبداللہ مغربی م ۲۹۹ھ

ان ہی میں سے ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل مغربی ہیں۔ (۲۳۸) یہ ابراہیم (۲۳۹) بن شیبان کے استاد اور علی بن رزین (۲۴۰) کے شاگرد تھے یہ ایک سو بیس سال زندہ رہے اور ۲۹۹ھ میں وفات پائی۔ ان کی عجیب حالت تھی۔ سالہا سال تک انھوں نے کوئی ایسی چیز نہیں کھائی۔ جسے انسانی ہاتھ لگا ہو۔ یہ گھاس وغیرہ کی جڑیں کھانے کے عادی بن گئے تھے۔

ابو عبداللہ مغربی فرماتے ہیں: بہترین عمل یہ ہے کہ ہم اپنے اوقات کو (شریعت کے) موافق امور سے معمور رکھیں۔

نیز فرماتے ہیں:۔ سب لوگوں سے زیادہ ذلیل وہ فقیر ہے جس نے مالدار سے مداہنت کی یا اس کے سامنے عاجزی کی۔ اور سب لوگوں سے زیادہ عزت والا وہ مالدار انسان ہے جس نے فقرا کے سامنے عاجزی کی۔ اور ان کے احترام کا لحاظ رکھا۔

۳۹۔ ابوالعباس احمد بن محمد بن مسروق م ۲۹۹ھ

ان ہی میں سے ابوالعباس احمد[۲۴۱] بن محمد بن مسروق ہیں۔ یہ دراصل طوس کے رہنے والے تھے۔ مگر بغداد میں آباد ہوگئے تھے۔ حارث محاسبی اور سری سقطی کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات بغداد میں ۲۹۹ھ میں ہوئی۔ بعض نے ان کا سن وفات ۲۹۸ھ بتایا ہے۔

ابن مسروق فرماتے ہیں: جس نے اپنے دلی وساوس میں اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھا۔ اللہ اسے اس کے اعضاء کی حرکات میں بچائے رہیں گے۔

نیز فرمایا: مسلمانوں کی عزت کا احترام کرنا ہی اللہ تعالیٰ کے حرمات کی تعظیم کرنا ہے۔ اسی کے ذریعہ بندہ تقویٰ کی حقیقت کو پہنچتا ہے۔

نیز فرمایا۔ معرفت کا درخت فکر کے پانی سے سیراب ہوتا ہے اور غفلت کا درخت جہالت کے پانی سے سینچا جاتا ہے۔ اور توبہ کا درخت ندامت کے پانی سے سینچا جاتا ہے۔ اور محبت کا درخت اتفاق اور موافقت کا پاس رکھنے سے سیراب ہوتا ہے۔

نیز فرمایا: اگر مدارج ارادتمندی کو مضبوط کر لینے سے پہلے ہی تو معرفت حاصل کرنے کی خواہش کرے تو تو جہالت میں پڑا ہے اور اگر مقام توبہ کو درست کرنے سے پہلے ہی تو مرید بننا چاہے تو تجھے معلوم ہی نہیں ہے کہ تو کس چیز کی تلاش میں ہے۔

۴۰۔ ابوالحسن علی بن سہل اصبہانی م ۳۰۷ھ

یہ جنید کے معاصرین میں سے تھے۔ عمرو بن عثمان مکی پر تیس ہزار درہم کا قرض ہوگیا تھا۔ انھوں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی اور انھوں نے وہ تمام کا تمام قرضہ ادا کر دیا۔ ان کی ملاقات ابوتراب نخشبی اور اسی طبقہ کے دیگر بزرگوں سے ہوئی۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابوبکر محمد بن عبداللہ الطبری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے علی بن سہل کو فرماتے ہوئے سُنا۔

عبادت گزاری کی طرف تیزی سے آنا اس بات کی علامت ہے کہ توفیقِ ایزدی اس انسان کے شاملِ حال ہے اور احکامِ خداوندی کی مخالفت کرنے میں سستی کرنا حسنِ رعایت کی علامت ہے اسرار کو محفوظ رکھنا بیدار مغزی کی علامت ہے اور بڑے بڑے دعووں کا اظہار کرنا انسانی رعونت کی

علامت ہے جس نے ارادتمندی کی ابتداء صحیح طور پر نہیں کی۔ وہ انتہائی انجاموں میں محفوظ نہیں رہ سکتا۔

۴۱۔ ابو محمد جریری م ان ہی میں سے ابو محمد[۲۲۳] احمد بن حسین جریری ہیں۔ یہ جنید کے چوٹی کے مریدوں میں شمار ہوتے تھے۔ اور سہل بن عبداللہ کی صحبت میں بھی رہے۔ جنید کی وفات کے بعد انہیں ان کا جانشین مقرر کیا گیا تھا۔ صوفیاء کے علوم سے انہیں بخوبی واقفیت حاصل تھی۔ بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ان کی وفات ۳۱۱ھ میں ہوئی۔

مَیں نے ابو عبداللہ[۲۲۴] الشیرازی سے سنا کہتے تھے مَیں نے احمد بن عطاء الروذباری سے سنا وہ وہ فرماتے تھے کہ جریری کی وفات سنة[۲۲۵] الہبیر میں ہوئی۔ اس سے ایک سال بعد میرا وہاں سے گذر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سہارا لگا کر بیٹھے ہیں ان کے گھٹنے چھاتی سے لگے ہوئے اور اپنی انگلی سے اللہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

مَیں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے، مَیں نے ابوالحسین الفارسی سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ مَیں نے ابُو محمد جریری کو یُوں کہتے سنا:۔

جس شخص پر اس کا نفس غالب آگیا وہ اپنی خواہشات کا قیدی بن جائے گا۔ وہ اپنی خواہش کے قید خانہ میں گھرا ہوا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے دل پر تمام فوائد حرام قرار دے دیں گے۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے نہ لذت حاصل کر سکے گا اور نہ شیرینی خواہ وہ اسے کس قدر بار بار کیوں نہ پڑھتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

"مَیں اپنی آیات کو اُن لوگوں سے پھیر دوں گا جو دنیا میں ناحق غرور کرتے ہیں"

نیز فرماتے ہیں:۔ اصول کو فروع پر عمل کرنے سے دیکھا جا سکتا ہے اور فروع کی تصحیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ ہم ان کو اصل پر پیش کریں۔ اصول کے مشاہدہ کے مقام پر انسان اس وقت پہنچ سکتا ہے جب وہ ان وسائط اور فروع کی تعظیم کرے۔ جن کی اللہ نے تعظیم کی ہے۔

۴۲۔ احمد بن عطا الآدمی م ۳۰۹ھ ان ہی میں سے ابوالعباس[۲۲۶] محمد بن سہل ابن عطاء الآدمی ہیں۔ یہ صوفیاء کے کبار مشائخ اور علماء

میں سے ہوئے ہیں۔ خراز ان کی بہت بزرگی بیان کیا کرتے تھے۔ یہ جنید کے معاصرین میں سے ہیں۔ ابوہاشم[۲۴۷] مارستانی کی صحبت میں رہے ۳۰۹ھ میں اُن کی وفات ہوئی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سُنا کہتے تھے۔ میں نے ابوسعید[۲۴۸] القرشی سے سُنا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابن عطاء کو کہتے سُنا:۔ جو آداب شریعت کا پابند رہا۔ اللہ نے اس کے دل کو نورِ معرفت سے منوّر کردیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان و افعال اور اخلاق میں ان کی تابعداری کرنے سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں ہوسکتا۔

ابن عطاء فرماتے ہیں:۔ انسان کے لئے بدترین غفلت یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے غافل ہو۔ اس کے اوامر و نواہی سے غافل ہو۔ اور اللہ کے ساتھ معاملہ کے آداب سے غافل ہو۔

میں نے ابوعبداللہ الشیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا کہتے تھے۔ میں نے عبدالرحمٰن[۲۴۹] بن احمد الصوفی سے وہ کہتے ہیں میں نے احمد بن عطاء سے سنا وہ فرماتے تھے۔

ہر وہ بات جس کے متعلق تم سے سوال کیا جائے اسے علم کے جنگل میں تلاش کرو۔ اگر وہاں نہ ملے تو حکمت کے میدان میں ڈھونڈو۔ اگر وہاں بھی نہ ملے توحید کے میزان میں تولو۔ اور اگر ان تینوں مقامات پر نہ ملے تو اُسے شیطان کے منہ پر دے مارو۔

۴۳۔ ابراہیم الخواص م ۲۹۱ھ

انہی میں سے ابواسحٰق[۲۵۰] ابراہیم بن احمد خواص ہیں یہ جنید اور نوری کے معاصرین میں سے تھے۔ توکل اور ریاضت میں اُن کا بہت ساحصہ تھا۔ ان کی وفات رَی میں ۲۹۱ھ میں ہوئی۔ انہیں اسہال کی شکایت تھی۔ ہر بار جب اُٹھتے تو وضو کرتے اور مسجد کو لوٹ جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے ایک بار پانی میں گھسے اور وہیں وفات پائی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سُنا کہتے تھے۔ میں نے ابوبکر الرازی سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے خواص کو کہتے سُنا:۔ کثرت روایت کا نام علم نہیں۔ علم تو اس شخص کا ہے، جو علم کے مطابق عمل کرے اور اسے استعمال میں لائے اور سُنت کی اقتداء کرے۔ خواہ وہ کم علم والا ہی کیوں نہ ہو۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سُنا کہتے تھے میں نے احمد بن علی[۲۵۱] بن جعفر سے سُنا وہ کہتے تھے میں نے الازدی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے خواص کو کہتے ہوئے سنا۔ پانچ چیزیں دل

کے لئے دوا کا کام کرتی ہیں۔ تدبر کے ساتھ قرآن پڑھنا، پیٹ کا خالی ہونا، رات کو اُٹھ کر نماز پڑھنا۔ سحر کے وقت اللہ کے سامنے گڑگڑانا اور صالحین کی صحبت میں بیٹھنا

۴۴۔ عبداللہ بن محمد خراز (م قبل از) ۳۱۰ھ

(۲۵۳) ان ہی میں سے ابو محمد عبداللہ بن محمد خراز ہیں۔ اصل میں رے کے رہنے والے تھے۔ مگر مکہ میں عمر گذاری۔ ابوحفص اور ابوعمران الکبیر کی صحبت میں رہے۔ یہ بہت ہی پرہیزگار لوگوں میں سے تھے۔ ان کی وفات ۳۱۰ھ سے پہلے ہوئی۔

مَیں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے میں نے ابونصر الطوسی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے الدقی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں عبداللہ خراز کے پاس گیا۔ اس وقت مجھے چار دن ہو چکے تھے کہ میں نے کچھ نہ کھایا تھا۔ فرمانے لگے۔ تم لوگ صرف چار دن بھوک کے رہنے کے بعد بھوک بھوک پکارنا شروع کر دیتے ہو۔ پھر فرمانے لگے فرض کرو کہ تمام لوگ اس ثواب کی خاطر جو انھیں اللہ کے ہاں ملنے والا ہے، ہلاک ہو جائیں پھر بھی کیا ہوگا کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ بڑی بات ہوگی۔

نیز فرماتے ہیں:۔ بھوک زاہدوں کی خوراک ہے اور ذکر عارفین کی۔

۴۵۔ بنان الحمال م ۳۱۶ھ

ان ہی میں سے ابوالحسن (۲۵۴) بنان بن محمد الحمال ہیں۔ یہ در اصل واسط کے رہنے والے تھے۔ مگر مصر میں مقیم ہوگئے تھے۔ اُن کی وفات مصر میں ۳۱۶ھ میں ہوئی۔ بہت بڑی شان والے اور صاحب کرامات تھے۔ بنان سے صوفیاء کی بلند ترین حالت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا:۔

وہ رزق جس کا اللہ ضامن ہے اس پر بھروسہ کرنا اور امر الٰہی پر کاربند رہنا۔ دل کی حفاظت کرنا اور کونین سے بے نیاز ہونا۔

میں نے محمد الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے حسین بن احمد الرازی سے سنا کہتے تھے میں نے ابوعلی الروزباری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ بنان کو شیر کے سامنے ڈال دیا گیا تو وہ (کھانے کی بجائے) انھیں سونگھنے لگ گیا تو پوچھا گیا کہ جب آپ کو شیر سونگھ رہا تھا۔ اس وقت آپ کے دل میں کیا خیال آرہا تھا؟ فرمایا۔ میں ان اختلافات میں غور کر رہا تھا جو درندوں کے جوٹھے

کے متعلق علماء میں پائے جاتے ہیں۔

۴۶۔ابوحمزہ بغدادی (م ۲۸۹ھ)

ان ہی میں سے ابوحمزہ بغدادی بزاز ہیں۔[۲۵۵] ان کی وفات جنید سے پہلے ہوئی۔ یہ ان کے ہم پلہ لوگوں میں سے تھے۔ سری سقطی اور حسن مسوحی کی صحبت میں رہے۔ یہ فقیہہ اور قرأت کے عالم تھے۔ اور عیسیٰ بن[۲۵۶] آبان کی اولاد میں سے تھے۔ جب احمد بن حنبل کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو ان کی خدمت میں آکر کہتے: "صوفی صاحب آپ اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کہا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن اپنی مجلس میں تقریر کرتے کرتے ان کی حالت بدل گئی۔ اور کرسی پر سے گر پڑے۔ اور دوسرے (اگلے) جمعہ کے دن ان کی وفات ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ اُن کی وفات ۲۸۹ھ میں ہوئی۔

ابوحمزہ فرماتے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ کی راہ کا علم ہوجائے تو اس پر چلنا بھی اس کے لئے آسان ہوجاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال افعال اور اقوال میں تابعداری کرنے کے سوا اللہ کی راہ کی طرف کوئی اور چیز راہنمائی نہیں کرسکتی۔

نیز فرماتے ہیں:۔ جسے تین چیزیں حاصل ہوجائیں وہ تمام آفات سے نجات پاجاتا ہے۔ فارغ دل کے ساتھ خالی ہمت۔ فقر دائم کے ساتھ زہد حاضر۔ صبر کامل کے ساتھ ذکر دائم۔

۴۷۔ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی (م بعد از ۳۲۰ھ)

ان ہی میں سے ابوبکر محمد بن موسیٰ[۲۵۷] واسطی ہیں۔ دراصل خراسان میں فرغانہ کے رہنے والے تھے۔ یہ جنید اور نوری کی صحبت میں رہے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ مَرو میں مقیم رہے اور وہیں ۳۲۰ھ کے بعد وفات پائی۔

واسطی فرماتے ہیں:۔ امید اور بیم دو ایسی باگیں ہیں جو بے ادبی سے روکتی ہیں۔

نیز فرماتے ہیں:۔ عبادات کرنے کے بعد اس کے عوض کا منتظر رہنا اللہ کے فضل کو بھول جانے کی علامت ہے۔

نیز فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اسے مرداروں اور بدبوؤں میں پھینک دیتے ہیں۔ اس سے اُن کی مراد نوعمروں کی صحبت ہے۔

میں نے محمد حسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے میں نے ابوبکر محمد بن عبدالعزیز المروزی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے واسطی کو یہ فرماتے سنا:۔

ان لوگوں نے سوءادب کا نام اخلاص رکھا ہے۔ نفس کی طمع کو انبساط قرار دیتے ہیں اور کم ہمتی کو استقلال، لہٰذا یہ لوگ راستہ سے اندھے ہیں۔ اور تنگ راستوں پر چلتے ہیں۔ اسی لئے تو ان کی بیہودگی کی وجہ سے نہ کوئی زندگی نشوونما پا سکتی ہے اور نہ ان سے گفتگو کرنے میں کوئی عبادت پاک ہو سکتی ہے۔ یہ جب بولیں گے تو غصے میں، اور ایک دوسرے کو خطاب کریں گے تو تکبر کے ساتھ ان کے نفوس کا اچھلنا ان کے باطن کو ظاہر کر رہا ہے اور کھانے کی طمع یہ ظاہر کر رہی ہے کہ ان کے دل میں کیا ہے۔ خدا انھیں ہلاک کرے یہ کہاں بہکے جا رہے ہیں۔

میں نے استاد ابوعلی الدقاق رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مرو کے رہنے والے ایک شخص کو جو دوا فروش تھا، میں نے کہتے سنا کہ جمعہ کے دن واسطی جامع مسجد کو جانے کی نیت سے میری دکان کے پاس سے گذرے تو ان کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ میں نے عرض کیا: جناب اجازت ہو تو میں جوتا مرمت کر دوں۔ انھوں نے فرمایا کر دو، میں نے تسمہ مرمت کر دیا۔ انھوں نے فرمایا:۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ تسمہ کیوں ٹوٹا؟ میں نے عرض کیا:۔ جناب خود ہی فرما دیں۔ فرمایا آج میں نے جمعہ کے لئے غسل نہیں کیا تھا۔ میں نے عرض کیا: یہ پاس حمام ہے چلیئے۔ آپ نے فرمایا:۔ اچھا۔ پھر میں انھیں حمام لے گیا۔ اور انھوں نے غسل کیا۔

۴۸۔ ابوالحسن بن الصائغ م ۳۳۰ھ

ان ہی میں سے ابوالحسن بن الصائغ[۲۵۸] ہیں۔ ان کا اصلی نام علی بن محمد بن سہل دینوری ہے۔

یہ مصر میں مقیم ہو گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ کبار مشائخ میں سے تھے۔ ابوعثمان مغربی فرماتے ہیں: میں نے مشائخ میں سے کسی شیخ کو ابویعقوب نہرجوری سے بڑھ کر نورانی اور ابوالحسن بن الصائغ سے بڑھ کر ہیبت والا نہیں دیکھا۔ ان کی وفات ۳۳۰ھ میں ہوئی۔

ابن الصائغ سے کسی نے موجود سے غائب پر استدلال کرنے کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا:۔ جس کی مثال اور نظیر ہو کیا اس کے صفات سے اس خدا کی طرف رہنمائی ہو سکتی ہے۔ جس کی نہ مثال ہے نہ نظیر۔ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ مرید کی کیا تعریف ہے تو فرمایا۔ مرید کی وہی صفت

ہے جو اللہ نے فرمادی۔
وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ۔ (الآیہ)
باوجود فراغ ہونے کے ان کے لئے زمین تنگ ہوگئی اور خود ان کی جانیں اُن کے لئے تنگ ہوگئیں۔

نیز فرمایا:۔ احوال بجلیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اور جب دائم و ثابت ہوجائیں۔ تو حدیث نفس اور موافقتِ طبیعت ہے۔

۴۹۔ ابراہیم بن داؤد رقی۔ م ۳۲۶ھ

یہ شام کے کبار مشائخ میں سے تھے اور جنید اور ابن الجلاء کے ہم پلہ لوگوں میں سے تھے۔ ان کی بہت لمبی عمر ہوئی۔ اور ۳۲۶ھ تک زندہ رہے۔

ابراہیم رقی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اپنی اصل حقیقت میں ہر اس چیز سے جو وہم میں آسکے۔ خارج ثابت کرنے کا نام معرفت ہے۔

نیز فرمایا:۔ قدرت ظاہر ہے۔ اور ہماری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں لیکن انوار بصیرت کمزور ہوچکے ہیں۔

نیز فرمایا:۔ کمزور ترین انسان وہ ہے جو اپنی خواہشات کے روکنے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ اور جو اس پر قادر ہو وہ قوی ترین ہے۔

نیز فرمایا:۔ اللہ کی محبت کی علامت اس کی اطاعت کو اختیار کرنا اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرنا ہے۔

۵۰۔ ممشاد دینوری م ۲۹۹ھ

ان ہی میں سے ممشاد دینوری(۲۹۰) ہیں۔ یہ صوفیاء کے کبار مشائخ میں سے تھے۔ ان کی وفات ۲۹۹ھ میں ہوئی۔

ممشاد فرماتے تھے: مرید کے آداب میں سے ہے کہ وہ اپنے شیخ کا احترام کرے۔ بھائیوں کی خدمت کرے۔ اسباب دنیا سے نکل آئے۔ اور اپنی ذات میں آداب شریعت کو محفوظ رکھے۔

نیز فرماتے تھے: میں جب بھی اپنے کسی شیخ کے پاس گیا۔ اپنے مال سے خالی ہو کر گیا میں اسی بات کا منتظر رہتا کہ پیر کے دیدار اور اس کے کلام کی کیا کیا برکتیں مجھ پہ نازل ہوتی ہیں۔ کیونکہ جو شخص اپنے شیخ کے پاس اس حالت میں جائے کہ اس کی نظر اپنی ذات پر ہو۔ تو پھر پیر کا دیدار اُن کی صحبت اور کلام کی برکتیں اسے حاصل نہیں ہوتیں۔

۵۱۔ خیر النساج (م ۳۲۲ھ)

ان ہی میں سے خیر النساج[۲۶۱] ہیں۔ یہ ابوحمزہ بغدادی کی صحبت میں رہے اور سری سقطی سے ان کی ملاقات ہوئی۔ یہ ابوالحسن نوری کے ہمسر تھے۔ مگر اُن کی بہت لمبی عمر ہوئی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک سو بیس سال زندہ رہے۔ شبلی اور خواص نے اُن کی مجلس میں توبہ کی۔ اور یہ ان لوگوں کے استاد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا اصلی نام محمد بن اسمٰعیل ہے۔ اور سامرہ کے رہنے والے ہیں خیر النساج انھیں اس لئے کہا جانے لگا کہ یہ حج کے لئے نکلے تو ایک شخص نے باب الکوفہ پر انھیں پکڑ لیا۔ اور کہا تو تو میرا غلام ہے اور تیرا نام خیر ہے۔ ان کا رنگ سانولا تھا۔ انہوں نے اس سے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اس شخص نے انھیں ریشمی کپڑا بُننے پر لگا دیا۔ وہ اسے خیر کہہ کر پکارتا۔ اور یہ اس پر لبیک کہتے۔ کئی سال کے بعد اس شخص نے ان سے کہا مجھ سے غلطی ہوئی۔ نہ تو تو میرا غلام ہے۔ اور نہ تیرا نام خیر ہے۔ اس پر آپ اسے چھوڑ کر چلے آئے اور فرمایا: میں اس نام کو جس کو ایک مسلمان آدمی نے رکھ دیا ہے۔ تبدیل نہیں کرنے کا۔

فرماتے تھے خوف اللہ کا کوڑا ہے۔ جس سے وہ ہمارے ان نفسوں کو سیدھا کرتا ہے۔ جو سوء ادب کے عادی ہو چکے ہوں۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے ابوالحسن[۲۶۲] القزوینی سے سُنا۔ کہتے تھے۔ میں نے ابوالحسین[۲۶۳] المالکی سے سنا وہ فرماتے تھے۔ جو لوگ خیر نساج کی وفات کے وقت موجود تھے۔ ان سے میں نے خیر نساج کی بابت پوچھا تو بتلایا: جب مغرب کی نماز کا وقت آیا تو اُن پر غشی طاری ہوئی۔ پھر انھوں نے آنکھیں کھولیں۔ اور گھر کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کر کے کہا: خدا تجھے عافیت دے۔ ٹھہر جاؤ، تو بھی خدا کا مامور بندہ ہے اور میں بھی مامور بندہ ہوں۔ جس کام کا تجھے حکم دیا گیا ہے وہ تجھ سے نہیں چھوٹنے کا۔ اور جس کام کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہ مجھ

سے چھوٹ جائے گا۔ پھر پانی منگوایا۔ اور وضو کر کے نماز ادا کی۔ اس کے بعد لیٹ گئے۔ اور آنکھیں بند کر کے کلمہ شہادت پڑھا۔ اور جان دے دی۔ اس کے بعد انھیں خواب میں دیکھا گیا۔ ان سے پوچھا گیا۔ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ انھوں نے سائل کو جواب دیا۔ یہ مت پوچھ البتہ میں نے تمہاری میلی کچیلی دنیا سے نجات پالی۔

۵۲۔ ابوحمزہ خراسانی ۲۹۰ھ

ان ہی میں سے ابوحمزہ خراسانی ہیں۔ یہ نیشاپور میں رہا کرتے۔ مگر دراصل محلہ ملقاباذ کے تھے۔ یہ جنید۔ خراز اور ابوتراب نخشبی کے ہمسروں میں سے تھے۔ پرہیز گار اور دیندار آدمی تھے۔

ابوحمزہ فرماتے تھے جس نے موت کے ذکر کو اپنا شعار بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ ہر باقی رہنے والی چیز کو اس کا محبوب اور ہر فانی چیز سے اس کو بیدل بنا دیتا ہے۔

نیز فرماتے تھے عارف اپنی زندگی کو ایک ایک دن کر کے بچاتا ہے۔ اور ایک ایک دن کر کے لیتا ہے۔

ایک شخص نے ان سے درخواست کی کہ نصیحت کیجئے تو کہا اپنے آگے آنے والے سفر کے لئے زادِ راہ تیار کر لو۔

مَیں نے محمد الحسین سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے ابوالطیب (۲۶۵) العکی سے سنا، کہتے تھے میں نے ابوالحسن (۲۶۶) المصری سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے ابوحمزہ خراسانی کو یوں فرماتے سنا۔ میں ایک چادر میں احرام باندھے رہا۔ ہر سال ایک ہزار فرسنگ سفر طے کرتا۔ مجھ پر سورج طلوع ہوتا۔ اور غروب ہوتا جب بھی احرام کھولتا پھر باندھ لیتا۔

ان کی وفات ۲۹۰ھ میں ہوئی۔

۵۳۔ ابوبکر شبلی ۳۳۴ھ

ان ہی میں سے ابوبکر دلف بن جحدر شبلی ہیں۔ دراصل اسروشنہ (۲۶۸) کے رہنے والے تھے۔ مگر ان کی پیدائش اور نشو و نما بغداد میں ہوئی۔ جنید اور اُن کے ہمعصر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ حال، علم اور ظرافت کے اعتبار سے یہ اپنے وقت کے شیخ تھے۔ مذہب امام مالک کے پیرو تھے۔ ۸۷ سال زندہ رہ کر ۳۳۴ھ میں وفات پائی۔ ان کی قبر بغداد میں ہے۔

جب شبلی نے خیر نساج کی مجلس میں توبہ کی تو دماوند[۲۶۹] آئے اور کہا میں تمہارے شہر کا حاکم رہا ہوں مجھے معاف کر دو۔

ابتدا میں ان کے مجاہدات حد سے زیادہ تھے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ شبلی بار بار کچھ نمک آنکھوں میں ڈالا کرتے تھے تاکہ بیدار رہنے کے عادی ہو جائیں اور انھیں نیند نہ آئے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ شرع کی صرف اتنی ہی تعظیم کرتے تھے جتنی کہ عمر کے آخر میں[۲] جیسا کہ بکران دینوری نے بیان کیا ہے، تب بھی بہت ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے میں نے ابوالعباس البغدادی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ شبلی اپنے آخری ایام میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

وَكَمْ مِنْ مَوْضِعٍ لَوْ مُتُّ فِيهِ لَكُنْتُ بِهِ نَكَالًا فِي الْعَشِيرَه

کچھ مقام ایسے ہیں کہ اگر میں وہاں مر جاؤں تو وہاں کے تمام قبیلہ کے لئے عذاب کا سبب بن جاؤں۔ جب رمضان کا مہینہ آتا۔ تو شبلی اپنے تمام معاصرین میں سے بڑھ کر عبادت کی کوشش کرتے اور فرماتے:۔

میرے رب نے اس ماہ کی تعظیم کی ہے۔ لہٰذا مجھے سب سے پہلے اس کی تعظیم کرنی چاہیئے۔

استاذ ابوعلی کو میں نے یہ روایت بیان کرتے سنا ہے:۔

۵۴۔ عبداللہ مرتعش (م ۳۲۸ھ)

ان ہی میں سے ابو محمد عبداللہ بن محمد مرتعش ہیں نیشاپور میں حیرہ نامی محلہ میں رہا کرتے تھے۔

بعض ملقاباذ کا بتلاتے ہیں۔ یہ ابوحفص اور ابوعثمان کی صحبت میں رہے اور ان کی ملاقات جنید سے ہوئی۔ بہت بڑی شان والے تھے اور شونیزیہ[۲۷۳] کی مسجد میں مقیم رہے۔ انھوں نے ۳۲۸ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

مرتعش فرماتے ہیں: نفس کو اپنی تمام مرادوں سے روکنے، اللہ کے اوامر میں لگ جانے اور راضی بقضائے الٰہی رہنے کا نام ارادت ہے۔

انھیں کسی نے بتایا کہ فلاں شخص ہوا پر چلتا ہے تو فرمایا: میرے نزدیک جس شخص کو اللہ تعالیٰ

نے اپنی خواہشات کی مخالفت کی قدرت دی ہے۔ وہ ہوا پر چڑھنے سے بھی بڑھ کر ہے۔

۵۵۔ ابو علی احمد رودباری (م ۳۲۲ھ)

ان ہی میں سے ابو علی احمد بن محمد رودباری[۲۷۵] دراصل بغداد کے تھے اور مصر میں مقیم ہو گئے تھے۔ اور وہیں ۳۲۲ھ میں وفات پائی۔ جنید نوری، ابن جلاء اور اسی طبقہ کے دیگر مشائخ کی صحبت میں رہے۔ تمام مشائخ میں زیادہ ظریف اور طریقت سے زیادہ واقف تھے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابوالقاسم دمشقی سے سنا فرماتے تھے۔ کہ کسی نے ابو علی رودباری سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا۔ جو گانا سنتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ یہ تو میرے لئے جائز ہے۔ کیونکہ میں ایسے مقام پر پہنچ چکا ہوں کہ اب مجھ پر حالات کا اختلاف اثر نہیں کر سکتا۔ اس پر انھوں نے فرمایا۔ ہاں پہنچ تو چکا ہے مگر جہنم میں[۲۷۶]

ان سے تصوف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: یہ مذہب ہمہ تن سنجیدگی ہے۔ لہٰذا اس میں ہنسی اور مذاق کو نہ ملاؤ۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا وہ فرماتے تھے۔ میں نے ابو علی رودباری کو یوں فرماتے سنا: دھوکا کھانے کی علامت یہ ہے کہ تو تو برا کام کرے اور اللہ تعالیٰ تجھ پر مہربانی فرماتے جائیں اور تم یہ خیال کرتے ہوئے کہ تمہاری طرف سے تساہل کی وجہ سے غلطی ہو گئی ہے۔ نہ توبہ کرتے ہو اور نہ اللہ کی طرف رجوع اور سمجھتے ہو کہ اللہ نے تمہیں فراخی دے رکھی ہے۔

نیز فرمایا: تصوف میں میرے استاد جنید ہیں۔ فقہ میں ابوالعباس[۲۷۷] ابن سریج ادب میں ثعلب[۲۷۸] اور حدیث میں ابراہیم حربی[۲۷۹]۔

۵۶۔ عبداللہ منازل (م ۳۲۹ھ)

ان ہی میں سے ابو محمد عبداللہ بن منازل[۲۸۰] ہیں۔ یہ فرقہ ملامتیہ[۲۸۱] کے شیخ اور یگانہ روزگار تھے۔ حمدون قصار کی صحبت میں رہے۔ عالم تھے اور انھوں نے بہت سی احادیث لکھیں۔ انھوں نے نیشاپور میں ۳۲۹ھ میں وفات پائی۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے میں نے عبداللہ المعلم[۲۸۲] سے سنا وہ فرماتے

تھے کہ میں نے عبداللہ بن منازل کو یوں فرماتے سُنا۔

جس شخص نے ایک فرلفیہ بھی ضائع کر دیا اسے اللہ تعالیٰ سنتوں کے ضائع کرنے میں مبتلا کر دیتے ہیں اور جو سنتوں کے ضائع کرنے میں مبتلا ہوا وہ عنقریب بدعتوں میں مبتلا ہوگا۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے ابواحمد بن عیسٰی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے عبداللہ بن منازل کو فرماتے سنا:۔

تمہارا سب سے افضل وقت وہ ہے جس میں تم اپنے نفس کے وساوس سے محفوظ رہو، نیز یہ وہ وقت ہے جس میں لوگ تمہاری بدظنی سے محفوظ رہیں۔

۵۷۔ محمد بن عبدالوہاب ثقفی (م ۳۲۸ھ)

ان ہی میں سے ابوعلی محمد بن عبدالوہاب ثقفی ہیں۔ یہ اپنے وقت کے امام تھے۔ ابوحفص اور حمدون قصار کی صحبت میں رہے۔ نیشاپور میں تصوف ان ہی کی بدولت پھیلا۔ ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا۔ فرماتے تھے کہ میں نے ابوعلی کو یُوں فرماتے سنا۔

اگر کسی شخص نے تمام علوم کو اپنے اندر جمع کر لیا اور متعدد لوگوں کی صحبت میں بھی رہ چکا ہو تب بھی وہ اس وقت تک اللہ کا بندہ نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ کسی شیخ یا امام سے تربیت حاصل نہ کرے یا کسی ناصح مؤدب سے استفادہ نہ کرے۔ اور جس نے کسی ایسے استاد سے ادب حاصل نہیں کیا۔ جو اسے اس کے اعمال کے عیوب دکھائے اور اسے نفس کی رعونت کا پتہ دے۔ تو معاملات کی اصلاح کے لئے ایسے شخص کی اقتدار جائز نہیں۔

ابوعلی فرماتے ہیں:۔ اس اُمت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مومن کے لئے منافق کا سہارا لئے بغیر زندگی میں آرام نہ مل سکے گا۔

نیز فرمایا:۔ اُف ہے دنیا کے کاموں پر جب وہ امنڈ کر آجائیں۔ اور اف ہے دنیا کی حسرتوں پر جب وہ جاتی رہیں عقلمند ایسی چیز کی طرف کبھی مائل نہیں ہوتا۔ کہ آئے تو مشغولیت کا سبب ہو اور اگر چلی جائے تو حسرت کا۔

۵۸- ابوالخیر اقطع (م بعد از ۳۴۰ھ)

ان ہی میں سے ابوالخیر الاقطع ہیں۔ یہ دراصل مغرب کے تھے۔ مگر تنیات میں سکونت پذیر تھے۔ ان کی بہت سی کرامات ہیں اور بہت تیز فراست رکھتے تھے۔ بڑی شان والے تھے ۳۴۰ھ سے چند سال بعد وفات پائی

ابوالخیر فرماتے ہیں۔ علم وعمل میں موافقت ادب پر کاربند رہنے۔ فرائض کو ادا کرنے اور صالحین کی صحبت کے بغیر کوئی شخص شرف والی حالت پر نہیں پہنچ سکا۔

۵۹- محمد بن علی کتانی (۳۲۲ھ)

ان ہی میں سے ابوبکر محمد بن علی کتانی ہیں، اصل میں بغداد کے تھے۔ جنید۔ خراز اور نوری کی صحبت میں رہے اور مکہ میں مقیم رہے۔ تا آنکہ انھوں نے ۳۲۲ھ میں وفات پائی۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابوبکر الرازی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ کتانی کی نظر ایک سفید سر اور سفید ریش پر پڑی جو بھیک مانگ رہا تھا۔ تو فرمایا:۔ اس شخص نے بچپن میں اللہ کے حقوق ضائع کر دیئے تو اللہ نے بڑھاپے میں بھی اسے ضائع کر دیا۔

کتانی فرماتے ہیں: خواہش نفسانی شیطان کی باگ ہے جس نے اس کی باگ کو پکڑ لیا۔ وہ اس کا غلام بن گیا۔

۶۰- ابو یعقوب نہرجوری (م ۳۳۰ھ)

ان ہی میں سے ابو یعقوب اسحٰق بن محمد نہرجوری ہیں۔ یہ ابو عمرو مکی[۲۸۸] ابو یعقوب سوسی[۲۸۹]۔ جنید اور دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ انھوں نے مکہ کے قیام کے دوران ۳۳۰ھ میں وفات پائی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابوالحسین احمد بن علی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے نہرجوری کو یوں فرماتے سنا:۔

دنیا سمندر ہے جس کا ساحل آخرت ہے۔ اس میں کشتی تقویٰ ہے اور مخلوق مسافر۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابوبکر الرازی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ

میں نے نہر جوری کو یوں کہتے سنا :۔
میں نے طواف میں ایک شخص کو دیکھا جس کی ایک آنکھ تھی۔ اور وہ کہہ رہا تھا۔ "اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ" میں تم سے تمہارے پاس پناہ لیتا ہوں۔ میں نے اسے کہا :۔ یہ کیسی دعا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ ایک دن میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ اور وہ مجھے بہت پسند آیا۔ یکایک ایک تھپڑ آنکھ کو لگا اور میری آنکھ بہہ گئی۔ پھر میں نے ایک ہاتف کو کہتے ہوئے سنا : ایک نگاہ پر ایک تھپڑ اور نگاہ ڈالو تو اور تھپڑ لگیں گے۔

میں نے محمد الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے احمد بن علی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے نہر جوری سے سنا، فرما رہے تھے۔ بہترین حال وہ ہے جس میں علم بھی ساتھ دے۔

۶۱۔ ابو الحسن مزین (م ۳۲۸ھ)

ان ہی میں سے ابو الحسن[۲۹۱] علی بن محمد مزین ہیں۔ یہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ سہل بن عبد اللہ جنید اور اسی طبقہ کے دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ مکہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ اور وہیں ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔ یہ بہت بڑے پارسا تھے۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو بکر الرازی سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے مزین کو یوں فرماتے سنا۔ گناہ کے بعد گناہ کرنا۔ پہلے گناہ کی سزا ہے۔ اور نیکی کے بعد نیکی پہلی نیکی کا ثواب۔

مزین سے توحید کے متعلق پوچھا گیا۔ تو فرمایا : توحید یہ ہے کہ تو یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف مخلوق کے اوصاف سے بالکل مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی صفات میں مخلوق سے مختلف ہے۔ جیسے لوگ اپنی صفات میں وجود میں آنے پر اللہ سے مختلف ہوئے۔
نیز فرمایا : جو اللہ کے ساتھ ہو کر مخلوق سے مستغنی نہیں ہوتا خدا اسے مخلوق کا محتاج بنا دیتا ہے۔ اور جو اللہ کے ساتھ مستغنی ہے اللہ تعالیٰ مخلوق کو اس کا محتاج بنا دیتا ہے

۶۲۔ ابو علی بن کاتب (م بغداد ۳۴۰ھ)

ان ہی میں سے ابو علی بن کاتب[۲۹۲] ان کا نام حسن بن احمد ہے۔ یہ ابو علی رودباری، ابو بکر مصری[۲۹۳] اور دوسرے مشائخ کی صحبت میں رہے۔ بڑی بلند حالت والے تھے۔

۲۴۰ھ سے چند سال بعد وفات پائی۔

ابن الکاتب فرماتے ہیں : جب دل میں خوف جاگزیں ہو جائے تو پھر زبان سے وہی بات نکلتی ہے جو ضروری ہوتی ہے۔

نیز فرماتے ہیں : معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی عقل کے ذریعہ سے منزہ جانا لہٰذا غلطی کھائی اور صوفیہ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے علم کے ذریعے سے منزہ جانا لہٰذا درست بات کہی۔

۶۳۔ مظفر قرمیسینی

ان میں سے مظفر قرمیسینی[۲۹۴] ہیں۔ یہ الجبل کے شیوخ میں سے تھے۔ عبداللہ خراز اور دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔

قرمیسینی فرماتے ہیں : روزہ تین طرح کا ہوتا ہے۔ روح کا روزہ ۔ اور یہ اُمیدوں کو کوتاہ کرنے سے ہوتا ہے۔ عقل کا روزہ ، خواہشات کی مخالفت کرنے سے نفس کا روزہ کھانے اور حرام امور سے باز رہنے سے۔

نیز فرمایا : خسیس ترین رفق وہ نرمی ہے جو عورتوں کے ساتھ کی جائے۔ خواہ کسی طرح کی ہو۔

نیز فرمایا : جب قناعت بھوک کا ساتھ دے ۔ تو یہ غور و فکر کی کھیتی حکمت کا سرچشمہ عقل و فطانت کے لئے حیات اور دل کے لئے چراغ کا کام دیتی ہے

نیز فرمایا : بندوں کا بہترین عمل یہ ہے کہ وہ اپنے موجودہ اوقات کی محافظت کریں۔ اس طرح کہ وہ نہ کسی بات میں کوتاہی کریں اور نہ حد سے تجاوز۔

نیز فرمایا : جس نے کسی دانا سے ادب حاصل نہیں کیا۔ اس سے کوئی مرید بھی ادب حاصل نہیں کر سکتا۔

۶۴۔ ابوبکر ابہری رحمہ اللہ تقریباً ۳۳۰ھ

انہی میں سے ابوبکر عبداللہ بن طاہر ابہری[۲۹۵] ہیں۔ شبلی کے ہمنشیں اور الجبل کے مشائخ میں سے تھے ۔ عالم اور پرہیزگار تھے ۔ یوسف بن حسین وغیرہ کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات تقریباً ۳۳۰ھ میں ہوئی۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا ، وہ کہتے تھے ، میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا

وہ فرماتے تھے۔ میں نے ابوبکر بن طاہر کو فرماتے سنا:۔

فقیر کے لئے حکم یہ ہے کہ اسے کوئی رغبت نہ ہو۔ اگر رغبت سے چارہ نہ ہو تو صرف اس قدر رغبت ہو جو اس کی ضرورت کو کفایت کرے۔

اسی سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تو کسی بھائی سے اللہ کی خاطر محبت کرے تو دنیا کے لیئے اس سے میل جول کم رکھو۔

۶۵۔ ابوالحسین بن بنان

ان میں سے ابوالحسین[۲۹۸] بن بنان ہیں۔ ان کی نسبت ابوسعید خراز سے ہے۔ یہ مصر کے کبار مشائخ میں سے تھے۔

ابن بنان فرماتے ہیں:۔ ہر وہ صوفی جس کے دل میں روزی کا غم موجود ہو اس کے لئے زیادہ مناسب ہے کہ کسی کام یا پیشہ میں لگ جائے۔ اللہ کے ساتھ تسکین قلب کی علامت یہ ہے کہ اسے ان چیزوں پر جو اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ زیادہ اعتماد ہو۔ بہ نسبت ان چیزوں کے جو خود اس کے اپنے قبضے میں ہیں۔

نیز فرمایا:۔ تم جس طرح حرام سے بچتے ہو اسی طرح اخلاق کی دناءت سے بچو۔

۶۶۔ ابواسحٰق قرمیسینی

ان ہی میں سے ابواسحٰق[۲۹۹] ابراہیم بن شیبان قرمیسینی ہیں۔ اپنے وقت کے شیخ تھے۔ ابوعبداللہ مغربی خواص اور دوسرے شیوخ کی صحبت میں رہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ وہ فرماتے تھے۔ میں نے ابویزید[۳۰۰] المروزی الفقیہ سے سنا، فرماتے تھے۔ میں نے ابراہیم بن شیبان سے فرماتے تھے: جو معطل اور باطل پرست بننا چاہے۔ اس کو چاہیئے کہ رخصتوں کے پیچھے لگ جائے۔

اسی اسناد سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔ علم فنا و بقا کا دار و مدار خالص وحدانیت اور عبودیت کی صحت پر ہے۔ اس کے علاوہ سب دھوکہ اور زندقہ ہے

نیز فرمایا:۔ کمینے وہ ہیں جو اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں۔

۶۷۔ ابوبکر حسین بن علی بن یزدانیار

ان ہی میں سے ابوبکر الحسین[۳۰۱] بن علی

بن یزدانیار ہیں۔ یہ آرمینیہ[۳۰۲] کے رہنے والے تھے۔ ان کا تصوف میں مخصوص طریقہ ہے۔ عالم اور پرہیزگار تھے۔ بعض عارفین کے آزادانہ کلمات و الفاظ کو ناپسند فرماتے تھے۔

ابن یزدان یار فرماتے تھے۔ جب تک تمہارے دل میں لوگوں سے اُنس و محبت ہے اس وقت تک اللہ سے انس و محبت کا لالچ نہ کرو۔ اور نہ اس وقت تک اللہ کی محبت کا لالچ کرو۔ جب تک تم فضول باتوں کو پسند کرتے ہو اور جب تک تمہارے دل میں یہ لالچ ہے۔ کہ تم لوگوں کے ہاں قدر و منزلت حاصل کرو۔ اس وقت تک اللہ کے یہاں منزلت کی خواہش نہ کرو۔

۶۸۔ ابوسعید بن الاعرابی (م ۳۴۱ھ)

ان ہی میں سے ابوسعید بن[۳۰۳] الاعرابی ہیں ان کا اصل نام احمد بن محمد بن زیاد بصری ہے۔ حرم میں مقیم رہے۔ اور وہیں ۳۴۱ھ میں وفات پائی یہ جنید عمرو بن عثمان مکی نوری اور دوسرے شیوخ کی صحبت میں رہے۔

ابن الاعرابی فرماتے ہیں: سب سے زیادہ گھاٹے میں وہ شخص ہے جو لوگوں میں تو اپنے اچھے اعمال کو ظاہر کرے اور اس خدا کے سامنے جو رگِ گردن سے بھی قریب تر ہے اپنے بُرے اعمال ظاہر کرے۔

۶۹۔ ابوعمرو نیشاپوری (م ۳۴۸ھ)

ان ہی میں سے ابوعمرو محمد بن[۳۰۴] ابراہیم الزجاجی نیشاپوری ہیں۔ مدت دراز تک مکہ میں مقیم رہے۔ اور وہیں وفات پائی۔ جنید، ابوعثمان، نوری، خواص اور رُوَیم کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات ۳۴۸ھ میں ہوئی۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے اپنے نانا ابوعمرو بن نجید سے سنا، وہ فرماتے تھے۔ کہ کسی نے ابوعمرو زجاجی سے سوال کیا:۔ کیا بات ہے کہ فرائض میں تکبیر اُولیٰ کے وقت آپ کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔

فرمایا: مجھے ڈر لگتا ہے[۳۰۶] کہ ایسا نہ ہو کہ صدق دل کے بغیر اپنے فریضہ کی ابتداء کروں چنانچہ جو شخص اللہ اکبر کہتا ہے اور اس کے دل میں ہے کہ کوئی اور چیز اللہ سے بھی بڑی ہے۔ یا یہ کہ

وقت گذرنے پر اس نے کسی اور چیز کو بُرا جانا۔ تو اس نے اپنے دل کو اپنی زبان سے جھٹلا دیا۔
نیز فرمایا: جس شخص نے ایسے حال پر گفتگو کی۔ جہاں وہ خود نہیں پہنچا۔ اس کا کلام سننے والوں کے لئے بڑی بھاری آزمائش ہے۔ اور یہی دعویٰ اس کے دل میں بھی پیدا ہو جائیگا اور اللہ تعالیٰ اسے اس حالت تک پہنچنے سے محروم رکھے گا۔
یہ مدت تک مکہ میں رہے۔ مگر حرم کے اندر کبھی طہارت حاصل نہیں کی حرم سے باہر نکل جاتے۔ اور وہاں پاکی حاصل کرتے۔ (پھر حرم میں داخل ہوتے) ان کا یہ عمل حرم کے احترام کی وجہ سے تھا۔

۷۰۔ ابو محمد جعفر بن محمد بن نصیر (م ۳۴۸ھ)

ان ہی میں سے ابو محمد جعفر بن محمد بن نصیر ہیں (۲۰۷)۔ بغداد میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں نشو ونما پائی۔ جنید، نوری، رویم، سمنون اور اس طبقہ کے دوسرے مشائخ کی صحبت میں رہے۔ مگر انھوں نے اپنے آپ کو جنید کی طرف منسوب کیا۔ ان کی وفات بغداد میں ۳۴۸ھ میں ہوئی۔
جعفر فرماتے ہیں: کوئی بندہ لذتِ نفس کے ہوتے ہوئے اللہ کے ساتھ معاملہ کی لذت حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اہل حقائق ان تمام تعلقات کو کاٹ ڈالتے ہیں۔ جو انھیں اللہ سے منقطع رکھیں۔ پیشتر اس کے کہ یہ تعلقات انھیں اللہ سے منقطع کر دیں۔ (وہ ان تعلقات کو ختم کر دیتے ہیں)
میں نے محمد بن الحسین سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے محمد بن عبداللہ شاذان سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے جعفر کو یوں فرماتے ہوئے سنا:۔
بندے اور وجدان کے درمیان صرف اتنی سی بات ہے کہ تقویٰ اس کے دل میں جاگزیں ہو جائے۔ اور جب تقویٰ دل میں جاگزیں ہو گیا تو اس پر علم کی برکات نازل ہوتی ہیں اور دنیا کی رغبت زائل ہو جاتی ہے۔

۷۱۔ ابو العباس سیاری (م ۳۴۲ھ)

ان ہی میں سے ابو العباس سیاری ہیں (۲۰۸)۔ ان کا نام قاسم بن قاسم ہے۔ مرو کے رہنے

ولے تھے۔ واسطی کی صحبت میں رہے۔ اور صوفیہ کے علوم میں یہ انہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ یہ عالم تھے اور ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔

کسی نے ابوالعباس سیاری سے پوچھا مرید اپنے نفس کو کس چیز کے ساتھ سدھائے تو فرمایا۔ اوامر پر صبر اور استقلال کے ساتھ عمل کرنے، نواہی سے پرہیز کرنے، صالحین کی صحبت میں رہنے اور فقراء کی خدمت کرنے سے۔

نیز فرمایا:۔ کوئی عقلمند مشاہدۂ حق سے لذت حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مشاہدۂ حق فنا ہے جس میں کوئی لذت نہیں۔

۷۲۔ ابوبکر محمد بن داؤد الدینوری (م بعد از ۳۵۰ھ)

ان ہی میں سے ابوبکر[۳۰۹] محمد بن داؤد دینوری ہیں جو دقی کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی، ایک سو سے زائد عمر پائی اور دمشق میں ۳۵۰ھ کے بعد وفات پائی۔ ابن جلاء اور زقاق کی صحبت میں رہے۔

ابوبکر دقی فرماتے ہیں:۔ معدہ مختلف قسم کے کھانوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے جب تو اس میں حلال پھینکے گا تو تمہارے اعضاء سے نیک اعمال صادر ہوں گے اور اگر مشتبہ کھانا ڈالے گا تو اللہ کا راستہ تمہارے لئے مشتبہ ہو جائے گا۔ اور اگر قابل گرفت چیزیں اس میں ڈالے گا۔ تو یہ تمہارے اور اللہ کے امر کے درمیان حجاب کا کام دیں گے۔

۷۳۔ ابو محمد عبد اللہ بن محمد رازی ۳۵۳ھ

ان ہی میں سے ابو محمد عبد اللہ بن محمد رازی ہیں۔ ان کی پیدائش اور نشو و نما نیشاپور میں ہوئی۔ یہ ابو عثمان حیری، جنید، یوسف بن حسین، رویم سمنون اور دوسرے شیوخ کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات ۳۵۳ھ میں ہوئی۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سُنا، وہ فرماتے تھے کہ کسی نے عبد اللہ رازی سے سوال کیا: کیا بات ہے کہ لوگ اپنے عیوب جاننے کے باوجود صحیح راہ کی طرف نہیں لوٹتے؟ تو فرمایا:۔

اس لیئے کہ یہ لوگ علم پر عمل کرنے کی بجائے علم پر فخر کرنے میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ ظاہر کی طرف مشغول ہوتے ہیں اور باطنی آداب کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو اندھا کر دیتے ہیں اور اُن کے اعضاء کو عبادت کرنے سے جکڑے رکھتے ہیں۔

۷۴۔ اسمٰعیل بن نجید (م ۳۶۶ھ)

ان ہی میں سے ابوعمرو[۳۱۱] اسمٰعیل بن نجید ہیں۔ یہ ابوعثمان[۳۱۲] کی صحبت میں رہے اور جنید سے ان کی ملاقات ہوئی۔ بہت بڑی شان والے تھے۔ ابوعثمان کے مریدوں میں سے تھے۔ سب سے آخر میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات مکّہ میں ۳۶۶ھ میں ہوئی۔

مَیں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مَیں نے اپنے نانا ابوعمرو بن نجید کو فرماتے سُنا۔ ہر وہ حالت جو علم کی وجہ سے پیدا نہ ہوئی ہو۔ صاحبِ حالت کے لئے اس کا نقصان بہ نسبت فائدہ کے زیادہ ہوتا ہے۔

ابوعبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ مَیں نے ابوعمرو بن نجید کو فرماتے سنا۔ جس کسی نے کسی وقت[۳۱۳] بھی کوئی خداوندی فریضہ ضائع کردیا۔ وہ اس فریضہ کی لذت سے محروم ہوجاتا ہے۔ خواہ کچھ عرصہ کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

پھر فرماتے ہیں کہ ابن نجید سے تصوّف کی نسبت دریافت کیا تو فرمایا :۔ اوامر خداوندی اور نواہی پر صبر کے ساتھ کاربند رہنے کا نام تصوف ہے۔

نیز فرمایا :۔ انسان کی آفت اس میں ہے کہ وہ جن امور میں لگا ہو ان کی وجہ سے اپنی ذات سے خوش ہوجائے۔

۷۵۔ علی ابن احمد بوشنجی (م ۳۴۸ھ)

ان ہی میں سے ابوالحسن[۳۱۴] علی بن احمد سہل بوشنجی ہیں۔ یہ خراسان کے جوانمردوں میں سے تھے۔ ان کی ملاقات ابوعثمان، ابن عطا، جریری اور ابوعمرو دمشقی سے ہوئی۔ اور ۳۴۸ھ میں وفات پائی۔

بوشنجی سے مروت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا : مروّت ان چیزوں کے استعمال کو ترک کردینے کا نام ہے جو شریعت[۳۱۵] کی رُو سے کراماً کاتبین کے دیوان میں حرام لکھی ہوئی ہیں۔

ایک شخص نے ان سے دعا کرنے کی درخواست کی تو فرمایا :- خدا تجھے تیری آزمائش سے بچائے۔

نیز فرمایا : ایمان کی ابتدا اور انتہا ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔

۷۶۔ محمد بن خفیف شیرازی (م ۳۹۱ھ)

ان ہی میں سے ابو عبد اللہ محمد بن خفیف[۳۹۶] شیرازی ہیں۔ یہ رویم، جریری ابن عطا اور دوسرے شیوخ کی صحبت میں رہے۔ انھوں نے ۳۹۱ھ میں وفات پائی۔ یہ شیخ الشیوخ اور یکتائے روزگار تھے۔

ابن خفیف فرماتے ہیں :- مرید کی ارادت مندی یہی ہے کہ رنج و تکلیف اٹھانے پر مداومت کرے اور آرام کو چھوڑ دے۔

نیز فرماتے ہیں :- مرید کے لئے رخصتوں پر عمل کرنے اور تاویلات قبول کرنے میں تساہل برتنے سے بڑھ کر کوئی اور چیز نقصان دہ نہیں ہوسکتی۔

ان سے کسی نے قربت الٰہی کے متعلق سوال کیا تو فرمایا :-

خدا سے تمہارا قرب یہ ہے کہ شریعت کے موافق امور پر ڈٹا رہے اور خدا کا تم سے قرب ہونا یہ ہے کہ اس کی توفیق ہمیشہ تمہارے شامل حال رہے۔

میں نے ابو عبد اللہ الصوفی سے سُنا۔ کہتے تھے۔ میں نے ابو عبد اللہ بن خفیف سے سنا۔ وہ فرماتے تھے :- شروع میں میں بسا اوقات ایک رکعت کے اندر دس ہزار بار "قل ہو اللہ احد" پڑھا کرتا تھا۔ اور پھر کئی بار ایسا ہوا کہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا۔ اور کئی بار ایسا ہوتا کہ صبح سے عصر تک ایک ہزار رکعت پڑھا کرتا۔

میں نے ابو عبد اللہ بن باکویہ الشیرازی رحمہ اللہ سے سنا۔ وہ فرماتے تھے میں نے ابو احمد صغیر کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن ایک فقیر آیا اور اس نے شیخ ابو عبد اللہ بن خفیف سے عرض کی کہ مجھے وسوسہ رہتا ہے۔ تو فرمایا :-

مجھے وہ زمانہ یاد ہے جب کہ صوفیاء شیطان سے مذاق کیا کرتے تھے۔ اب شیطان ان سے مذاق کرتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ میں نے ابو العباس کرخی کو فرماتے سنا کہ انھوں نے ابو عبد اللہ بن خفیف

کو یوں کہتے سنا :۔ ایک بار میں نوافل میں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا تو میں نے اپنے معمول کی ہر رکعت کے بدلے۔ دو رکعتیں بیٹھ کر ادا کیں ۔کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ صلوٰۃ القاعد علی النصف من صلوٰۃ القائم۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر پڑھنے والے کے مقابلہ میں آدھی نماز شمار ہوتی ہے۔

۷۷۔ بندار بن حسین شیرازی (م ۳۵۳ھ)

ان ہی میں سے ابوالحسین[۲۲۰] بندار بن حسین شیرازی ہیں۔ یہ اصول صوفیہ کے عالم اور اپنی حالت میں بڑی شان والے تھے۔ شبلی کی صحبت میں رہے۔ یہ ارجان میں ۳۵۳ھ میں فوت ہوئے۔

بندار بن حسین فرماتے ہیں :۔ اپنے نفس کے لئے مت جھگڑو کیونکہ یہ تمہارا نہیں ہے۔ اسے اپنے مالک کے لئے چھوڑ دو ۔وہ جو چاہے اس سے برتاؤ کرے۔

بندار فرماتے ہیں :۔ اہل بدعت کی صحبت سے حق تعالیٰ سے اعراض پیدا ہوتا ہے۔

نیز فرمایا :۔ اپنی خواہشات کو اس (ثواب کی خاطر) چھوڑ دو۔ جس کی تجھے اُمید ہے۔

۷۸۔ ابوبکر طمستانی (م بعد از ۳۴۰ھ)

ان ہی میں سے ابوبکر طمستانی ہیں۔ یہ ابراہیم دباغ اور دوسرے مشائخ کی صحبت میں رہے۔ علم اور حال کے اعتبار سے یکتائے روزگار تھے ۔انھوں نے ۳۴۰ھ کے بعد نیشاپور میں وفات پائی۔

ابوبکر طمستانی فرماتے ہیں :۔ نفس سے نکلنا بہت بڑی نعمت ہے اور نفس تمہارے اور اللہ کے درمیان بہت بڑا حجاب ہے۔

میں نے ابوعبداللہ[۲۲۲] الشیرازی رحمہ اللہ سے سُنا ۔ کہتے تھے۔ میں نے منصور بن عبداللہ الاصبہانی سے سنا۔ فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابوبکر طمستانی کو یوں کہتے سنا :۔

جب دل کسی[۲۲۳] ایسی بات کے کرنے کا خیال کرے جو اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ تو اسے اسی وقت سزا مل جاتی ہے۔

نیز فرمایا : راستہ واضح ہے اور کتاب اور سنت ہمارے درمیان قائم ہے۔ اور صحابہ کی

فضیلت بھی معلوم ہے ۔ اس لئے کہ انھوں نے ہجرت کرنے میں سبقت کی ۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ۔ لہٰذا ہم میں سے جو شخص کتاب و سنت کا ساتھ دے اور اپنے نفس اور مخلوق سے دُور رہے ۔ اور دل سے اللہ کی طرف ہجرت کرے وہی سچا اور راہِ راست پر ہے ۔

۷۹ - ابوالعباس احمد بن محمد دینوری (م بعد از ۳۴۰ھ

(۳۲۲) ان ہی میں سے ابوالعباس احمد بن محمد دینوری ہیں ۔

یہ یوسف بن حسین ، ابن عطا اور جریری کی صحبت میں رہے ۔ عالم اور فاضل تھے ۔ نیسا پور آئے ۔ اور وہاں مدت تک مقیم رہے اور لوگوں میں وعظ کرتے رہے ۔ معرفت کی باتیں کیا کرتے تھے ۔ پھر سمرقند گئے اور وہاں ۳۴۰ھ کے بعد وفات پائی ۔

ابوالعباس دینوری فرماتے ہیں :- ادنیٰ ذکر یہ ہے کہ تو ماسوا کو بھول جائے اور ذکر کی انتہا یہ ہے کہ ذاکر ذکر میں ذکر سے غافل ہو جائے ۔

نیز فرمایا : ان لوگوں نے تصوف کے ارکان کو تباہ کر دیا ۔ اُن کی راہ کو برباد کر دیا ۔ ان کے معانی کو اپنے نئے ناموں سے بدل دیا ۔ چنانچہ طمع کا نام زیادتی ، سوءِ ادب کا اخلاص ، خروج عن الحق کا نام ، شطح ، مذموم چیزوں سے لذت حاصل کرنے کا نام طیبت خواہشات کی پیروی کا نام ابتلاء ۔ دنیا کی طرف رجوع کرنے کا نام وصل ، بدخلقی کا نام صولت ، بخل کا نام جلادت ، سوال کا نام عمل بدزبانی کا نام ملامت رکھ دیا ۔ حالانکہ صوفیاء کا یہ طریقہ نہ تھا ۔

۸۰ - ابو عثمان سعید بن سلام المغربی م ۳۷۳ھ

(۳۳۵) ان ہی میں سے ابو عثمان سعید بن سلام مغربی ہیں ۔ یہ اپنے زمانہ کے بے نظیر انسان تھے ۔ ان سے پہلے اس قسم کا شخص سننے میں نہیں آیا ۔ ابن الکاتب ، حبیب مغربی ، ابو عمرو زجاجی کی صحبت میں رہے اور نہرجوری ، ابن الصائغ اور دوسرے مشائخ سے ان کی ملاقات ہوئی ۔ ان کی وفات نیشاپور میں ۳۷۳ھ میں ہوئی ۔ انھوں نے وصیت کی تھی کہ امام ابوبکر بن فورک رحمہ اللہ (۴۰۶ھ) ان کی نماز جنازہ پڑھائیں ۔

میں نے استاد ابوبکر بن فورک کو فرماتے ہوئے سنا :-

جب ابوعثمان مغربی کی وفات کا وقت قریب آگیا۔ اس وقت میں ان کے پاس تھا اور علی قوال صغیر کچھ بول بول رہا تھا جب آپ کی حالت بدل گئی۔ تو ہم نے علی کو خاموش ہونے کو کہا۔ اس پر شیخ ابوعثمان نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا علی، بول کیوں نہیں بولتا۔ میں نے حاضرین میں سے ایک سے کہا۔ ان سے پوچھئے (علام یستمع) سننے والا کس بنا پر سنتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں ان سے سوال کرنے میں مجھے شرم آتی ہے۔

انھوں نے آپ سے پوچھا تو فرمایا:۔ سننے والا جہاں سے اللہ چاہے وہیں سے سنتا ہے۔

ریاضت میں ان کی بڑی شان تھی۔

ابوعثمان فرماتے ہیں:۔ تقویٰ یہی ہے کہ بندہ حدود کے اندر رہے۔ نہ کوتاہی کرے اور نہ ان سے تجاوز کرے۔

نیز فرمایا: جس نے فقراء کی صحبت پر مالداروں کی صحبت کو اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دل کی موت کی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔

(۳۳۶)

۸۱۔ ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصرآبادی (م ۳۶۷ھ)

ان ہی میں سے ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصرآبادی ہیں، یہ اپنے زمانہ میں خراسان کے شیخ تھے، شبلی، ابوعلی رودباری اور مرتعش کی صحبت میں رہے۔ ۳۶۶ھ میں مکہ میں آکر رہائش اختیار کرلی اور وہیں (۳۳۷) ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔ یہ حدیث کے عالم تھے۔ انھوں نے کثرت سے احادیث کی روایت کی ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا وہ فرماتے تھے۔ میں نے نصرآبادی کو یوں فرماتے سنا:۔

جب تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے مظاہر میں کوئی باب ظاہر ہو، اس کے ہوتے ہوئے جنت ودوزخ کی طرف متوجہ مت ہو۔ اور جب تم اس حالت سے لوٹ آؤ، تو پھر جن امور کی اللہ نے تعظیم کی ہے تم بھی اُن کی تعظیم کرو۔

میں نے محمد بن حسین کو فرماتے سنا کہ کسی نے نصرآبادی سے ذکر کیا کہ بعض لوگ عورتوں کی مجلس

میں بیٹھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ان کو دیکھنے میں میں معصوم ہوں۔ تو فرمایا :۔
جب تک اجسام قائم ہیں۔اس وقت تک امر ونہی بھی قائم و باقی ہے اور ہم تحلیل وتحریم (حلال قرار دینے اور حرام قرار دینے) کے مخاطب ہیں۔ شبہات میں پڑنے کی صرف وہی شخص جرأت کرے گا۔ جو محرمات کے درپے ہو۔

میں نے محمد بن حسین کو سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ نصر آبادی نے فرمایا۔ تصوف کی اصل کتاب و سنت پر کاربند رہنا، خواہشات اور بدعتوں کو ترک کرنا مشائخ کی حرمتوں کی تعظیم کرنا، مخلوق کے عذروں کو دیکھنا اور اُن پر مداومت کرنا اور رخصتوں اور تاویلات کے ارتکاب سے بچنا ہے۔

۸۲۔ ابوالحسن علی ابن ابراہیم الحصری (م ۳۷۱ھ)

ان ہی میں سے ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصری البصری (۳۳۸)

ہیں۔ انھوں نے بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ عجیب حالت اور زبان والے تھے۔ اپنے وقت کے شیخ تھے۔ یہ شبلی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ انھوں نے بغداد میں ۳۷۱ھ میں وفات پائی۔

حصریؒ فرماتے ہیں :۔ لوگ کہتے ہیں کہ حصری نوافل کو نہیں مانتے۔ حالانکہ جوانی کے زمانہ سے اب تک اپنے ذمہ میں نے جو اوراد لگا رکھے ہیں اگر ان میں سے ایک رکعت بھی چھوڑ دوں تو عتاب کیا جاؤں۔

نیز فرمایا جس نے حقیقت میں سے کسی چیز کا دعویٰ کیا۔ اسے وہ براہین جھٹلا دیں گے۔ جو اس کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔

۸۳۔ ابوعبداللہ احمد بن عطار رودباری (م ۳۶۹ھ)

ان میں سے ابوعبداللہ احمد بن عطا رودباری (۳۳۹)

ہیں۔ یہ شیخ ابوعلی رودباری کے بھانجے تھے (۳۴۰)۔ اپنے زمانہ میں شام کے شیخ تھے۔ ان کی وفات صُور میں ۳۶۹ھ میں ہوئی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے علی بن سعید المصیصی سے سنا :۔ فرماتے تھے کہ میں نے احمد بن عطا رودباری کو یوں فرماتے سنا۔

ایک بار میں اونٹ پر سوار تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں ریت میں دھنس گیئں۔ اس پر میں نے کہا جل اللہ اونٹ نے بھی یہی الفاظ دہرائے۔

جب کبھی ابو عبداللہ رودباری اپنے ساتھیوں کو اپنے ساتھ کسی عام آدمی یا ایسے آدمی کے گھر جو صوفی نہ ہوتا تھا۔ دعوت پر لے جانا چاہتے تو فقراء کو اس کی خبر نہ کرتے تھے۔ بلکہ انھیں پہلے خود کچھ کھلا دیتے اور جب وہ کھا چکتے، تب بتاتے اور پھر ان کو لے کر روانہ ہوتے۔ اس طرح یہ لوگ وقت پر کھا چکے ہوتے۔ اور جب دعوت والے گھر پہنچتے تو دعوت کے کھانے کی طرف ان کا ہاتھ کم ہی بڑھتا۔ یہ اس لئے کرتے۔ کہ لوگ صوفیاء کے متعلق بدگمان نہ ہو جائیں۔ اور گنہگار نہ بن جائیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دن ابو عبداللہ رودباری فقراء کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ (یعنی آگے نہیں چلتے تھے) اس وقت یہ لوگ کسی دعوت کو جا رہے تھے۔ کہ ایک سبزی فروش نے کہا: یہ فقراء لوگوں کا مال حلال سمجھتے ہیں۔ پھر اُن کو بُرا بھلا کہا اور شکایت کی کہ ان میں سے ایک درویش نے مجھ سے ایک سو درہم قرض کے طور پر لئے تھے اور آج تک واپس نہیں کیئے اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے اور اسے کیسے تلاش کروں ؟ جب یہ سب دعوت والے گھر پہنچے تو ابو عبداللہ رودباری نے گھر کے مالک سے جو فقراء وصوفیاء کا محب تھا، کہا۔ اگر آپ میرا سکون قلب چاہتے ہیں تو ابھی ایک سو درہم نکالیں۔ وہ اسی وقت لے آیا۔ آپ نے اپنے ایک مرید کو کہا: یہ سو درہم ابھی فلاں سبزی فروش کے پاس لے جاؤ اور اُسے کہو کہ یہ وہ سو درہم ہیں جو تم سے ہمارے کسی ساتھی نے بطور قرض لئے تھے۔ اور وہ کسی مجبوری سے ادا نہیں کر سکا۔ اب اس نے یہ درہم بھیج دیئے ہیں۔ اس کا عذر قبول فرمائیے۔ چنانچہ وہ آدمی گیا۔ اور اس نے ایسا ہی کیا۔ جب یہ لوگ دعوت سے واپس لوٹے اور سبزی فروش کی دکان کے پاس سے گذرے تو وہ اُن کی تعریف کرنے لگا۔ اور کہنے لگا۔ یہ لوگ قابلِ اعتماد، ایمان دار، صالح وغیرہ وغیرہ ہیں۔

ابو عبداللہ رودباری فرماتے ہیں:۔ بدترین انسان وہ صوفی ہے جو بخیل ہو۔

استاذ امام جمال الاسلام ابوالقاسمؒ فرماتے ہیں اس جماعت کے شیوخ میں سے چند

لوگوں کا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے اُن کا اس جگہ ذکر کرنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ میں لوگوں کو متنبہ کر دوں کہ یہ سب لوگ شریعت کی تعظیم کرنے پر متفق ہیں اور طریق ریاضت میں سنت کی تابعداری پر پابندی کرتے ہیں۔ دینداری کے آداب میں سے کسی ادب میں یہ لوگ خلل پیدا نہیں ہونے دیتے۔ اور اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص معاملات اور مجاہدات سے خالی ہے۔ اور اس نے اپنے طریقے کی بنیاد پرہیزگاری اور تقویٰ پر نہ رکھی ہے۔ تو وہ اپنے دعویٰ میں اللہ پر افترا باندھنے والا ہے۔ وہ فتنہ میں مبتلا ہے۔ خود بھی تباہ ہوا۔ اور ان لوگوں کو بھی تباہ کر دیا۔ جو دھوکے سے اس کی باطل باتوں کی طرف مائل ہو گئے۔ اگر ہم اُن کے ان الفاظ کو اور سارے ملفوظات کو بیان کرتے اور پوری تلاش کے بعد ان کی ان حکایات اور حالات کو جن سے ان کی سیرتوں کا پتہ چلتا ہے۔ لکھتے تو کتاب لمبی ہو جاتی۔ اور لوگ اُکتا جاتے۔ جس قدر ہم نے بیان کر دیا ہے۔ ہمارے مقصد کے لئے کافی ہے۔ و باللہِ التوفیق۔

بہرحال وہ شیوخ جن کو ہم نے پایا اور ہمارے معاصر ہیں۔ اگرچہ ان سے ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔ جیسے استاذ، شہید، لسان، وقت، یگانۂ روزگار ابو علی حسن[۳۲۱] بن علی وقاق۔ (م ۴۰۶ھ) اور یکتائے زمانہ شیخ ابو عبدالرحمٰن[۳۲۲] سلمی مجاور حرم ابو الحسین[۳۲۳] جہضم اور شیخ ابو العباس[۳۲۴] قصار ساکن طبرستان اور دینور میں احمد الاسود اور نیشاپور میں ابو القاسم[۳۲۵] صیرفی۔ اور ابو سہل الخشاب الکبیر۔ منظور بن خلف مغربی۔ ابو سعید[۳۲۶] مالینی۔ ابو طاہر خوزندی اور دیگر مشائخ۔ خدا اُن کی ارواح کو پاک رکھے۔ اگر ہم اُن کا ذکر بھی کرتے اور اُن کے تفصیلی حالات بیان کرتے، تو ہم حد اختصار سے۔ جو ہمارا اصل مقصد ہے۔ نکل جاتے۔ معاملات میں ان کی سیرتوں کی خوبی ان کے احوال کے پڑھنے سے ہم پر مشتبہ نہیں ہے۔ ہم اس رسالہ میں مختلف مقامات پر ان کی حکایتیں بیان کریں گے۔

باب (۱)

صوفیاء کے اصطلات کی تفسیر اور اُن میں سے بعض مشکل الفاظ کی تشریح ۔

یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ علماء کا ہر گروہ ایک خاص قسم کے چند الفاظ استعمال کرتا ہے ۔ جنھیں دوسرا گروہ استعمال نہیں کرتا ۔ وہ آپس میں خاص اغراض کی بنا پر اُن الفاظ کے معانی پر اتفاق کر لیتے ہیں ۔ مثلاً یہ کہ مخاطب کو سمجھانے میں آسانی ہو یا اس لئے کہ جب یہ الفاظ بولے جائیں تو صوفیا اُن کے معانی کو آسانی سے سمجھ لیں ۔ یہ لوگ آپس میں خاص قسم کے الفاظ اس لئے بھی استعمال کرتے ہیں تاکہ ان کے معانی صرف وہ خود اجمالاً سمجھ سکیں ۔ اور دوسرے لوگوں سے جو اُن کے طریقے سے اختلاف رکھتے ہیں ۔ ان کے معانی اور مطالب پوشیدہ[۳۴۷] رہیں ۔ کیونکہ اُن کی غیرت گوارہ نہیں کرتی ۔ کہ ان کے اسرار نااہل لوگوں میں شائع ہو جائیں ۔ اس لئے ان الفاظ کے حقائق نہ تو کسی قسم کے تکلف سے جمع کئے گئے ہیں ۔ اور نہ ہی کسی قسم کے تصرف سے پیدا کئے گئے ہیں ۔ بلکہ یہ وہ معانی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کے دلوں کے اندر القاء کر دئے ہے اور اُن کے حقائق کے لئے کچھ لوگوں کے اسرار کو منتخب کر لیا ہے اور ہم ایسے الفاظ کی تشریح اس لئے لکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ لوگ جو اُن کے راستہ پر چلنا چاہتے ہیں اور ان کے طرز کے تابع ہیں ۔ اُن کے لئے ان کے معانی سمجھنے میں آسانی ہو جائے ۔

۱۔ وقت

صوفیاء کے مخصوص الفاظ میں سے ایک لفظ وقت[۳۴۸] ہے ۔ محققین کے نزدیک وقت کی حقیقت یہ ہے کہ یہ موہوم الوقوع واقعہ ہے ۔ جس کے حاصل کرنے کا دار و مدار موجودہ متحقق واقعہ پر ہے ۔ لہٰذا یہ متحقق واقعہ موہوم واقعہ کے لئے وقت کہلائے گا ۔ جیسے یہ قول کہ "میں مہینہ کے شروع میں تمہارے پاس آؤں گا" ۔ یہاں آنا موہوم واقعہ ہے ۔ اور مہینے کا شروع "متحقق واقعہ ہے ۔ لہٰذا یہاں" مہینہ کا شروع "آنے کے لئے وقت ہوگا"

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو یوں فرماتے سنا جس آن میں تم ہو۔ وہی تمہارا وقت ہے اگر تم دنیا میں ہو تو تمہارا وقت دنیا ہے۔ اگر عقبی میں ہو تو تمہارا وقت عقبی ہے۔ اگر غم میں ہو تو تمہارا وقت غم ہے اور اگر خوشی میں ہو تو تمہارا وقت خوشی ہے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ جو حالت انسان پر غالب ہے وہی اس کا وقت ہے۔ اور بعض اوقات وقت سے مراد وہ زمانہ ہوتا ہے۔ جس میں انسان ہے۔ کیونکہ کچھ لوگوں نے وقت کی تعریف یہ کی ہے کہ وقت وہ ہے جو دو زمانوں، ماضی اور مستقبل کے درمیان ہے اور وہ کہتے ہیں کہ صوفی اپنے وقت کا بیٹا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ وہ اس وقت اس حالت میں مشغول ہے۔ جو اس کے لیئے بہتر ہے۔ اور اس چیز پر قائم ہے جس کا مطالبہ اس سے کیا جاتا ہے۔

نیز کہا جاتا ہے کہ صوفی کو نہ اپنے ماضی کی فکر ہوتی ہے نہ اپنے مستقبل کی بلکہ اسے اپنے حال کی فکر ہوتی ہے۔

یوں بھی کہا جاتا ہے کہ گذشتہ وقت کے چھوٹ جانے پر فکرمند ہونا دوسرے وقت کو ضائع کرنا ہے۔

کبھی وقت سے مراد وہ تصرفات لیئے جاتے ہیں جو صوفیاء کو اللہ تعالی کی طرف سے پیش آتے ہیں اور ان میں ان کے اپنے اختیار کا دخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص وقت کے زیر حکم ہے۔ یعنی وہ ان امور کے سامنے سر تسلیم خم کر چکا ہے۔ جو پردۂ غیب سے اس کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں اور اس کے اختیار کا ان میں دخل نہیں ہوتا۔ مگر یہ صرف ان امور میں ہوتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ کوئی حکم ہوتا ہے اور نہ کسی شرعی حق کا تقاضا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضائع کر دینا، اور اس معاملہ میں تقدیر کے سپرد کر دینا اور احکام شرعیہ میں اپنی کوتاہی کی پرواہ نہ کرنا دین کی حد سے باہر نکلنا ہے۔

صوفیاء کے یہاں یوں بھی کہا جاتا ہے "الوقت سیف" (وقت تلوار ہے) یعنی جس طرح تلوار کاٹتی ہے اسی طرح وقت ان امور کی وجہ سے جنہیں اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے۔ غالب ہوتا ہے۔ بعض اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ تلوار چھونے میں نرم محسوس ہوتی ہے مگر اس کی دھار کاٹنے والی ہے۔ لہذا جس نے اس سے نرمی کی وہ بچ نکلا۔ اور جس نے سختی کی وہ کٹ گیا۔

یہی حال وقت کا ہے۔ جس نے وقت کے سامنے سر جھکا دیا وہ نجات پا گیا اور جس نے مقابلہ کیا وہ سرنگوں اور تباہ ہوا۔ چنانچہ اس کی تائید میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے :۔

وَکَالسیف اِنْ لَا یَنْتَہَا، لَانَ مَسُّہٗ　　وَحَدَّاہُ اِنْ خَاشَنْتَہٗ خَشِنَانِ

وقت کی مثال تلوار کی سی ہے۔ اگر اس سے نرمی سے پیش آؤ گے تو یہ بھی نرم محسوس ہو گی۔ اور اگر سختی کرو گے تو اس کی دونوں دھاریں سخت ہوں گی۔

لہٰذا جس شخص سے وقت نے مساعدت کی تو پھر وقت اس کا ہے اور جس شخص کے ساتھ وقت نے تنگی کی وقت اس کے لئے دشمنی کا سبب ہو گا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو یوں فرماتے سنا :۔ وقت ریتی کی طرح ہے۔ جو تجھے گھستا ہے۔ مگر فنا نہیں کرتا یعنی اگر تجھے فنا کر دے تو نجات پا جائے۔ مگر وقت تمہیں گھٹاتا جاتا ہے۔ اور کلیتہً مٹاتا نہیں۔ ابو علی دقاق اس کی تائید میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے :۔

کل یوم مرّ یاخذ بعضی　　یورث القلب حسرۃ ثم یمضی

ہر دن جو گذرتا ہے مجھ سے میرا کچھ حصہ لیتا ہے۔ اور میرے دل میں حسرت پیدا کر کے چلا جاتا ہے۔

ابو علی دقاق یہ شعر بھی پڑھا کرتے تھے :۔

کاھل النار، ان نضجت جلود　　أعیدت للشقاء نعم جلود

دوزخیوں کی طرح کہ جب ان کی کھالیں پک جائیں گی تو اُن کی بدبختی کے لئے انہیں نئی کھالیں دے دی جائیں گی۔

اسی معنی میں یہ شعر ہے :۔

لیس من مات فاستراح بمیت　　انما المیت میت الاحیاء

جو مر کر آرام پا گیا وہ مُردہ نہیں۔ مردہ تو درحقیقت وہ ہے جو زندہ ہی مردہ ہو۔

دانا وہ ہے جو اپنے وقت کے حکم کے ماتحت ہو۔ اگر اس کا وقت ہوش کا وقت ہے تو اسے شریعت پر کاربند رہنا چاہیئے۔ اور اگر اس کا وقت محویت کا وقت ہے تو اس پر حقیقت کے احکام غالب ہوں گے۔

۲۔ مقام | صوفیاء کے مخصوص الفاظ میں سے دوسرا لفظ "مقام"[۴۹] ہے۔ اور "مقام" آداب صوفیہ کی اس منزل کو کہتے ہیں۔ جسے بندہ خدا کی طرف سے حاصل کرتا ہے۔ جہاں تک بندہ کسی قسم کے تصرّف سے پہنچتا ہے یا تلاش اور تکلیف کر کے اسے حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کا مقام وہ ہے جہاں اس وقت اس کا قیام ہے۔ اور جس ریاضت کی مشق وہ اس وقت کر رہا ہے اس کی شرط یہ ہے کہ جب تک اس مقام کے احکام وہ پورے طور پر حاصل نہ کرے۔ اس مقام سے آگے نہ جائے اس لئے کہ جب کسی کے پاس قناعت نہیں ہے تو اس کا توکل درست نہیں۔ اور جس کے پاس توکل نہیں اس کے لئے تسلیم درست نہیں۔ اسی طرح جس نے توبہ نہیں کی وہ اللہ کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔ جس کے پاس ورع نہیں اس کا زہد درست نہیں۔

مقام مصدر ہے۔ بمعنی اقامت جس طرح مدخل بمعنی ادخال اور مخرج بمعنی اخراج۔
کسی شخص کا ایک مقام پر اثر نا صرف اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب اس کو یقینی مشاہدہ ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ نے اسے اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے تاکہ اس کے مقام و حالت کی بنا ر صحیح قاعدہ پر ہو۔

میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ جب واسطی نیشاپور آئے تو ابوعثمان کے مریدوں سے دریافت کیا کہ تمہارا پیر تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟
انھوں نے بتلایا کہ ہمارا پیر ہمیں عبادت پر قائم رہنے کو کہتا ہے۔ نیز اس بات کا حکم دیتا ہے کہ ہم دل میں یہ سمجھتے رہیں کہ عبادت میں ہم کوتاہی کرتے ہیں اس پر واسطی نے کہا: وہ تمہیں خالص مجوسیت[۵۰] کی تعلیم دیتے ہیں۔ کیا وہ تمہیں یہ حکم نہیں دیتے کہ تم اپنے نفس کو نہ دیکھو اور نفس کے پیدا کرنے والے کو دیکھو؟ واسطیؒ کا مقصد یہ تھا کہ کہیں وہ غرور میں نہ آجائیں۔ لہٰذا وہ انہیں اس سے بچانا چاہتے تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کوتاہی کی منزل ہی میں مقیم رہیں اور نہ ہی ان کا مقصد کسی ادب میں خلل انداز ہونا تھا۔

۳۔ حال | صوفیاء لفظ "حال" بھی استعمال کرتے ہیں۔ "حال" ایک کیفیت ہے جو بلا ارادہ اور بغیر کوشش کے اُن کے دل پر طاری ہوتی ہے۔ مثلاً طرب، غم،

بسط، قبض، شوق۔ بے قراری۔ ہیبت اور احتیاج احوال وہبی ہوتے ہیں۔ اور مقامات کسبی ہوتے ہیں۔ احوال سعی اور کوشش کے بغیر حاصل ہوتے ہیں۔ اور مقامات کے حصول کے لئے محنت اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ صاحب مقام اپنے مکان پر متمکن ہوتا ہے۔ اور صاحبِ حال اپنے مقام سے ترقی کرتا رہتا ہے۔

ذوالنون مصری سے عارف کے متعلق پوچھا گیا۔ تو فرمایا:۔ یہاں تھا۔ مگر ابھی چلا گیا۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ احوال بجلیوں کے مانند ہیں۔ اور اگر باقی رہ جائیں تو نفس کی باتیں ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ احوال اپنے نام کی طرح ہیں یعنی یہ دل پر وارد ہوتے ہی فوراً زائل ہو جاتے ہیں اس کی تائید میں یہ اشعار بھی پیش کئے جاتے ہیں۔

لو لم تحل ماسمیت حالاً ۔۔۔ وکل ماحال فقد زالا

انظر الی الفیئ اذا ما انتھیٰ ۔۔۔ یاخذ فی النقص اذاطالا

اگر نہ بدلتا تو حال نام بھی نہ پاتا۔ اور جو متغیر ہو وہ زائل ہوگا۔ سایہ کو دیکھیں جب یہ انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو لمبا ہونے کے بعد کم ہونا شروع ہوتا ہے۔"

بعض نے احوال کے بقا اور دوام کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اُن کے خیال میں جب یہ دائم نہیں ہوتے تو انہیں "لوائح" اور "بوادہ" کہا جاتا ہے۔ اس حالت کا حامل ابھی تک احوال کو پہنچا ہی نہیں۔ اور جب یہ صفت دائم ہو جاتی ہے تو حال کہلاتی ہے۔ چنانچہ ابوعثمان حیری فرماتے ہیں۔ مجھے چالیس سال گذر گئے ہیں جس حال میں اللہ تعالیٰ نے مجھے رکھا ہے۔ میں خوش ہوں میں نے اسے بُرا محسوس نہیں کیا۔ ان کی مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ حالت رضا میں رہے ہیں۔ اور رضا بھی احوال میں سے ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ جنھوں نے احوال کے باقی رہنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انھوں نے درست کہا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک صفت کسی کے لئے مشرب بن جاتی ہے اور وہ اسی میں تربیت اور پرورش پاتا ہے۔ مگر ایسے شخص کے احوال اور بھی ہوتے ہیں جو وقتی طور پر اس کو پیش آتے ہیں۔ لیکن ان احوال کے لئے حاجب ومانع نہیں بنتے جو اس کی عادتِ ثانیہ بن چکے ہیں۔ اور جب یہ بھی پہلے احوال کی طرح دائم بن جاتے ہیں تو وہ ترقی کر کے پہلے حال سے بھی زیادہ اعلیٰ وارفع حال میں ہوتا ہے اور زیادہ لطیف حال کو پہنچ جاتا ہے۔

إنہ لیغان علیٰ قلبی کی تشریح

میں نے اپنے استاد ابو علی دقاق کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان "إنّہٗ لیغان علیٰ قلبی حتیٰ استغفر اللہ فی الیوم سبعین مرۃ" کی تشریح فرماتے ہوئے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے احوال میں ہر وقت بلند تر ہوتے جاتے تھے۔ لہٰذا جب آپ ایک حال سے بلند ہو کر دوسرے حال میں جاتے تو بسا اوقات آپ کی نگاہ پہلی حالت پر پڑ جاتی تو آں کو ایسا معلوم ہوتا کہ بعد کی حالت پہلی حالت کے لئے بادل کا کام کرتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے احوال متواتر ترقی پر تھے اور اللہ تعالیٰ کے لطف وقدرت کی انتہا نہیں۔ چونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ ہماری دسترس سے باہر ہے۔ اور اس تک پہنچنا محال ہے۔ لہٰذا بندہ ہمیشہ اپنے احوال میں ترقی پذیر رہتا ہے اور اللہ تعالےٰ اس بات پر قادر ہے کہ جس کیفیت وحالت میں بندہ پہنچے۔ اس سے بلند تر کیفیت میں بھی اسے پہنچاتا رہے۔ صوفیاء کے قول "حسنات الابرار سیآت المقربین" کا مفہوم بھی یہی ہے۔

جنیدؒ سے بھی اسی قول کے متعلق سوال کیا گیا تو اُنھوں نے یہ شعر پڑھا۔

طَوَارِقُ اَنْوَارٍ تلوحُ اِذَا بَدَتْ   فتُظْهِرُ کِتْمَانًا وتُخْبِرُ عَنْ جمع

یہ طاری ہونے والے انوار جب ظاہر ہوتے ہیں تو چمکتے ہیں۔ پھر ترقی کر کے ایسی کیفیت ظاہر کرتے ہیں جس میں کتمانِ سر ہو اور جمع کا پتہ دیتے ہیں۔

۴۔ قبض وبسط

"صوفیاء کے الفاظ میں سے قبض وبسط[۲۹] بھی ہیں۔" یہ دونوں حالتیں بندے پر اس وقت طاری ہوتی ہیں۔ جب وہ خوف ورجا کی حالت سے ترقی کر لیتا ہے۔ لہٰذا عارف کے لئے "قبض" کی وہی حیثیت ہے جو مبتدی کے لئے "خوف" کی "بسط" عارف کے لئے ایسا ہے۔ جیسے مبتدی کے لئے رجا۔

قبض وخوف اور بسط ورجا میں فرق

"قبض" اور "خوف" اور "بسط" اور "رجا" میں فرق یہ ہے کہ خوف کسی مستقبل میں ہونے والے امر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ خواہ کسی محبوب چیز کے لئے ہو یا کسی بُرے امر کے واقع ہونے کی وجہ سے ہو۔ اس طرح رجا بھی مستقبل میں کسی محبوب امر کی اُمید کے ساتھ وابستہ ہے

یا یہ امید ہوتی ہے کہ کوئی بری چیز زائل ہو جائے گی اور ناپسندیدہ چیز سے اُسے بچایا جائے گا۔ مگر قبض وہ حالت ہے جو اس وقت موجود ہے۔ یہی حال "بسط" کا ہے۔ لہٰذا خوف و رجا والے دل کا تعلق دونوں حالتوں میں مستقبل کے ساتھ ہوتا ہے اور قبض و بسط والا اپنے وقت کو اس حالت میں پاتا ہے جو اس پر موجودہ وقت میں غالب ہے۔ پھر قبض و بسط والوں کی حالت اپنے احوال کے اختلاف کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض واردات میں قبض کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ حال وارد کے علاوہ کسی اور کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ وہ کلیتہً اپنے حال وارد میں گرفتار ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی کا قول ہے: "اَنَا رَدَمٌ" (میں دریا کا بند ہوں) یعنی مجھ میں کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ یہی حال بسط والے کا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات تو ایسا بسط ہوتا ہے کہ مخلوق اس میں سما سکتی ہے۔ لہٰذا صاحبِ بسط اکثر اشیاء سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔ اور بعض صاحب بسط ایسے ہوتے ہیں کہ کسی حالت میں کوئی چیز بھی اُن پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

ابوبکر قحطی کی حالت

میں نے استاد ابوعلی الدقاق رحمہ اللہ کو فرماتے سُنا کہ ایک صوفی ابوبکر قحطیؒ کے پاس آیا۔ ابوبکرؒ کا ایک بیٹا تھا جو اسی قسم کی بے ہودگیاں کرتا تھا جو اکثر نوجوان کرتے ہیں۔ جب اس صوفی کا گذر ابوبکر قحطی کے لڑکے پر ہوا تو وہ اپنے ہمجولیوں کے ساتھ اپنی بیہودگی میں مشغول تھا۔ صوفی کا دل پسیجا۔ اور اس حالت کو دیکھ کر انھیں دکھ ہوا۔ اور کہا یہ شیخ بے چارہ کس قدر مسکین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس بیٹے کی بے ہودگیوں کو برداشت کرنے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ پھر جب قحطی کے پاس آئے اور دیکھا کہ انھیں اپنے بیٹے کی بیہودگی کا کوئی علم نہیں۔ اس پر اُسے تعجب ہوا اور کہا کہ قربان جاؤں اس شخص پر جس پر پہاڑ کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس پر قحطی رحمہ اللہ نے کہا:۔ ہم ازل سے اشیاء کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں۔ قبض کا ادنیٰ ترین سبب یہ ہوتا ہے کہ صوفی کے دل پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے جس کی وجہ سے عتاب کا اشارہ یا اس بات کا رمز ہوتا ہے کہ وہ سزا کا مستحق ہے۔ لہٰذا دل پر لامحالہ قبض کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور بعض اوقات حالتِ واردہ کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ لطفِ ربانی کے قریب ہوتا ہے یا کسی بات

پر مبارک باد کی آمد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے دل میں بسط پیدا ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ ہر شخص کا قبض اسی نسبت سے ہوگا۔ جس قدر کہ اس کو بسط حاصل ہے اور اسی طرح بسط اس کے قبض کی مناسبت سے ہوگا۔

بعض اوقات صاحبِ قبض کو قبض کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ وہ اپنے دل میں قبض تو محسوس کرتا ہے مگر یہ سمجھ نہیں سکتا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ اس کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ وہ تسلیم کا طریقہ اختیار کرے۔ یہاں تک کہ قبض کا وقت گذر جائے کیونکہ اگر وہ بتکلف اسے دُور کرنے کی کوشش کرے گا۔ یا اپنے اختیار سے وقت سے پہلے قبض کے حملہ کا استقبال کرے گا تو اس سے اس کا قبض بڑھ جائے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے۔ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ خدا تعالیٰ قبض بھی پیدا کرتا ہے۔ اور بسط بھی۔

کبھی بسط کا وارد یکایک اور اچانک ہوتا ہے جس سے صاحب بسط جھومنے لگتا ہے مگر اسے اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس شخص کو چاہیئے کہ وہ پُر سکون رہے اور ادب کا لحاظ رکھے۔ اس لئے کہ یہ وقت سخت پُر خطر ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے بچتے رہنا چاہیئے کہ کہیں اس میں کوئی پوشیدہ چال نہ ہو۔ ایک صوفی نے بیان کیا ہے کہ جب میرے لئے بسط کا دروازہ کھل گیا تو میں پھسل گیا اور اپنے مقام سے محجوب ہوگیا۔ اس لئے صوفیاء کہتے ہیں۔

قف علی البساط وایاکَ والانبساط (اپنی بساط پر کھڑے رہو۔ اور انبساط سے بچتے رہو)

اہلِ تحقیق نے قبض کو ان امور میں سے شمار کیا ہے۔ جن سے وہ پناہ مانگتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں حالتیں اُوپر کی حالت کے مقابلہ میں بندے کی تباہی کا سبب ہوتی ہیں اور صوفی کا اس میں پڑنا درحقیقت محتاجی اور موجب ضرر ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے کہ میں نے حسین بن یحیٰی سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے جعفر بن محمد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے جنید کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ سے ڈرنا میرے قبض کا سبب بنتا ہے اور رجا بسط کا، حقیقت مجھے جمع کرتی ہے اور حق مجھ

میں تفرقہ ڈالتا ہے۔ جب خوف کی وجہ سے مجھ میں قبض پیدا کرتا ہے تو مجھے اپنی ذات سے فنا کر دیتا ہے اور جب اُمید کی وجہ سے مجھ میں بسط پیدا کرتا ہے تو مجھے اپنی ذات کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ جب حقیقت کے ذریعہ جمع کرتا ہے تو مجھے حاضر کر لیتا ہے اور جب حق کی وجہ سے مجھے جُدا کرتا ہے تو کسی اور کو میرے پاس موجود کر دیتا ہے اور مجھے اس سے چھپا دیتا ہے۔ ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ میرا محرک ہوتا ہے۔ مجھے روکے نہیں رکھتا۔ خوفزدہ کرنے والا ہوتا ہے مونس نہیں ہوتا۔ لہٰذا میں اس حاضری کی وجہ سے اپنے وجود کا مزہ چکھتا ہوں۔ کاش کہ خدا مجھے اپنی ذات سے فنا کر کے مجھے سازوسامان عطا کرتا۔ مجھے اپنی ذات سے غائب کر کے مجھے راحت عطا کرتا۔

۵۔ ہیبت اور اُنس

صوفیا کے الفاظ میں سے "ہیبت"[۳۵۳] "اور اُنس" بھی ہیں۔ "ہیبت" اور اُنس دونوں کا درجہ قبض اور بسط کے اوپر ہے۔ چنانچہ جس طرح قبض کا درجہ خوف کے اوپر اور بسط کا رجاء کے اوپر ہے، اس طرح ہیبت قبض سے بلند تر ہے اور اُنس بسط کے مقابلہ میں زیادہ کامل ہوتا ہے۔ ہیبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا صاحب ماسوا سے غائب ہو۔ لہٰذا ہر ہیبت والا زیادہ غائب ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ ہیبت زدہ غیبت میں بناوٹ کے اعتبار سے ہیبت میں بھی متفاوت ہیں[۳۵۴]

چنانچہ بعض کی غیبت دیرپا ہوتی ہے اور بعض کی غیبت کم مدت والی ہوتی ہے۔ اور "اُنس" کا تقاضا یہ ہے کہ صاحب" اُنس "حقیقی صحو کی کیفیت میں ہو۔ لہٰذا ہر صاحب اُنس ہوش میں ہوگا۔ پھر ان لوگوں کی حالت اُنس کی اس مقدار کے مطابق جس کو انہوں نے پیا ہے۔ متفاوت ہوتی ہے۔ اس لئے صوفیا کہتے ہیں۔

اُنس کا کمترین مقام یہ ہے کہ صاحب اُنس کو اگر بھڑکتی آگ میں بھی ڈال دیا جائے تو اس وقت بھی اس کی اُنس والی کیفیت مکدر نہ ہوگی۔

حضرت جنید فرماتے ہیں۔ میں نے سریؒ کو فرماتے سنا: بندے کی حالت یہاں تک ہو جاتی ہے کہ اگر اس کے چہرے پر تلوار بھی مار دی جائے۔ تو اُسے احساس نہیں ہوتا۔ میرے دل میں بھی یہ بات کھٹکی تھی۔ اب تو مجھ پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حقیقت وہی ہے جس کو "سریؒ" نے بیان کیا ہے۔

ابو مقاتل "العکی" سے حکایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ شبلیؒ کے پاس ایک روز گئے۔ (۲۵۵) وہ اس وقت اپنی بھنوؤں کے بال موچنے سے نوچ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا آپ تو اپنی ذات کے ساتھ یہ فعل کر رہے ہیں مگر اس کا درد میرے دل کو پہنچ رہا ہے اس پر انہوں نے فرمایا:۔ ارے! حقیقت میرے لئے ظاہر ہوتی ہے اور میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ بات یہی ہے۔ لہٰذا میں اپنے آپ کو دُکھ دیتا ہوں تاکہ میں اسے محسوس کروں اور حقیقت مجھ سے چھپ جائے مگر نہ مجھے درد محسوس ہوتا ہے اور نہ حقیقت مستور ہوتی ہے اور مجھ میں اس کی قوت بھی نہیں ہے۔

صوفیا کے نزدیک "ہیبت" اور "انس" کی حالت میں نقص پایا جاتا ہے۔

چونکہ "ہیبت" اور "انس" میں بندے کی حالت بدل جاتی ہے۔ اس لئے اہل حقیقت ان دونوں حالتوں کو نقص شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ اہل تمکین لوگ تبدیلی اور تغیّر سے بالاتر ہوتے ہیں۔ وہ وجود عین یعنی حق تعالےٰ میں محو ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے نہ "ہیبت" ہوتی ہے نہ "انس" نہ علم" اور نہ "حس"۔

ابو سعید خراز کی حکایت مشہور ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں جنگل میں راستہ بھول گیا۔ میں یہ شعر پڑھتا رہا۔

أَتِيهُ فَلَا أَدْرِیْ مِنَ التِّيهِ مَنْ أَنَا ۔۔۔ سِوَى مَا يَقُوْلُ النَّاسُ فِیَّ وَفِی جِنْسِی
أَتِيهُ عَلٰى جِنِّ الْبِلَادِ وَإِنْسِهَا ۔۔۔ فَإِنْ لَمْ أَجِدْ شَخْصًا أَتِيهُ عَلٰى نَفْسِیْ

میں حیران اور پریشان پھر رہا ہوں۔ اور اپنی حیرانی کی وجہ سے مجھے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ میں کون ہوں۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ لوگ میرے اور میری جنس کے متعلق کچھ کہتے ہیں۔ میں دنیا کے جنوں اور انسانوں پر فخر کرتا ہوں۔ اور اگر کوئی اور شخص نہیں ملتا تو خود اپنی ذات پر ہی فخر کرتا ہوں۔

فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے ایک ہاتف کو سنا کہ وہ مجھے پکار رہا ہے اور یوں کہہ رہا ہے۔

أَیَا مَنْ یَرَى الْأَسْبَابَ أَعْلٰى وُجُوْدِهٖ ۔۔۔ وَیَفْرَحُ بِالتِّیهِ الَّذِیْ وَبِالْأُنْسِ
فَلَوْ كُنْتَ مِنْ أَهْلِ الْوُجُوْدِ حَقِیْقَةً ۔۔۔ لَغِبْتَ عَنِ الْأَكْوَانِ وَالْعَرْشِ وَالْكُرْسِیْ

تُمْسِيْ عَنِ التِّذْكَارِ لِلْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۔۔۔ كُنْتَ بِلَا حَالٍ مَعَ اللّٰهِ وَاقِفًا

ارے ! تو اسباب کو اپنے وجود کا بلند ترین درجہ خیال کرتا ہے اور تو ادنٰی ہیبت اور ادنٰی انس پر فخر کرتا ہے۔ اگر تو درحقیقت اہل وجود میں سے ہوتا تو تمام کائنات عرش اور کرسی سے غائب ہوجاتا اور تو بغیر کسی حالت کے اللہ کے ساتھ کھڑا رہتا اور جن و انس کی یاد سے بچتا۔

بندہ اس حالت سے عین وجود کے ذریعہ ترقی کرتا ہے۔

تواجد۔ وجد اور وجود

صوفیا کے ہاں مروّج الفاظ میں "تواجد، وجد اور وجود" بھی ہیں۔ اپنے اختیار سے وجد لانے کو "تواجد" کہتے ہیں۔ لیکن اس قسم کے شخص کا وجد کامل نہیں ہوتا کیونکہ اگر یہ کامل ہوتا۔ تو وہ "واجد" کہلاتا اور باب تفاعل عمومًا کسی صفت کو تکلف سے اظہار کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

ثُمَّ كَسَرْتُ الْعَيْنَ مِنْ غَيْرِ مَاعَوَرٍ ۔۔۔ إِذَا تَخَازَرْتُ وَمَا بِيْ مِنْ خَزَرٍ

میں آنکھوں کو بناوٹ کے طور پر تنگ کر کے دیکھتا ہوں۔ حالانکہ میری آنکھیں چھوٹی نہیں ہیں۔ پھر آنکھ کو بند بھی کر لیتا ہوں حالانکہ کانا بھی نہیں ہوں۔ اسی لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ "تواجد" میں چونکہ تکلف پایا جاتا ہے اور تحقیق سے بعید ہے۔ اس لئے یہ غیر مسلّم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تواجد ان فقراء کے لئے مسلّم ہے جو مجرّد ہیں اور جو ان کیفیات کو پالینے کی تلاش میں رہتے ہیں انکی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے۔ "اِبْكُوْا فَاِنْ لَمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا" روؤ۔ اگر رونا نہیں آتا۔ تو رونے والی شکل بناؤ۔

ابو محمد جریریؒ کی حکایت

ابو محمد جریریؒ کا قصہ مشہور ہے۔ وہ فرماتے ہیں، کہ ایک بار میں جنیدؒ کے پاس تھا اور اس وقت ابن مسروقؒ اور دوسرے لوگ بھی موجود تھے ایک قوال گا رہا تھا۔ ابن مسروق اور دوسرے لوگ تو اٹھ کھڑے ہوئے، مگر جنیدؒ میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ میں نے عرض کیا۔ جناب کیا آپ کو سماع سے لطف حاصل نہیں ہوتا ؟ تو فرمایا۔ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ۔ (تو پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کرتا ہے کہ یہ ساکن ہیں حالانکہ بادلوں کی طرح یہ بھی چل رہے ہیں) پھر فرمایا اے ابو محمد ! کیا تجھے بھی سماع سے لطف نہیں آتا۔ میں نے عرض کیا : جب میں کسی ایسی

جگہ جاؤں، جہاں مجلس سماع قائم ہو اور کوئی قابلِ تعظیم ہستی ہو۔ تو میں اپنے آپ کو وجد سے لیتا ہوں اور جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو وجد کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور تکلفاً وجد کی حالت پیدا کرلیتا ہوں۔ اس حکایت میں انہوں نے "تواجد" کا لفظ استعمال کیا۔ مگر جنیدؒ نے اس کا رد نہیں کیا۔ میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سُنا، کہ جب اس نے اکابر کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھا تو اللہ تعالیٰ نے اس ادب کی برکت سے اس کے وقت کو محفوظ رکھا اور یوں بھی فرمایا۔ میں اپنے نفس کے وجد پر قابو پاتا ہوں اور جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو اُسے چھوڑ دیتا ہوں اور بناوٹی وجد پیدا کرلیتا ہوں۔ اس لئے کہ وقت اور غلبۂ وقت کے گذر جانے کے بعد اپنی مرضی سے وجد کو چھوڑ دینا ممکن نہیں۔ لیکن چونکہ وہ شیوخ کے احترام کا لحاظ رکھنے میں صادق تھے تو اللہ نے بھی اس کے وقت کو محفوظ رکھا۔ تاکہ خلوت کے وقت وہ اپنے وجد کو کھلا چھوڑ سکے۔ لہٰذا جیسا کہ ذکر ہو چکا۔ "تواجد" "وجد" کی ابتدائی حالت ہوتی ہے۔ اس کے بعد "وجد" کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور "وجد" یہ ہے کہ کیفیت تمہارے دل پر طاری ہو اور بغیر ارادہ اور تکلف کے وارد ہو۔ اسی لئے مشائخ فرماتے ہیں "وجد" وہ کیفیت ہے جو اتفاقاً طاری ہو اور یہ کیفیت اوراد کا پھل ہے لہٰذا جس کے وظائف زیادہ ہوں گے اللہ کی عنایات بھی اس پر زیادہ ہوں گی۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سُنا کہ صوفیا پر جو واردات ہوتے ہیں وہ ان کے اوراد کے مطابق ہوتے ہیں۔ لہٰذا جس کا ظاہر میں کو ورد نہیں اس کا باطن میں کوئی اثر نہیں۔ ہر وہ وجد جس میں کسی کی ذات کا دخل ہو۔ وجد نہیں کہلاتا۔ چنانچہ جس طرح کسی انسان کو اپنے ظاہری معاملات میں کدوکاوش کرنے سے عبادت کی لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح انسان اپنے ان احوالِ باطن سے جو اس پر نازل ہوتے ہیں۔ وجد محسوس کرتا ہے مختصر یہ کہ حلاوت، معاملات کا ثمرہ ہے۔ اور "وجد" عنایت ربانی کا نتیجہ۔

وجود

اب رہا "وجود" سو یہ وجد سے ترقی کر جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور جب تک بشریت فنا نہیں ہوتی۔ "وجود حق" بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ "سلطان حقیقت" کے ظہور کے وقت بشریت باقی نہیں رہ سکتی۔ ابوالحسین نوری رحمہ اللہ کے فرمان

اَنَا مُنْذُ عِشْرِیْنَ سَنَۃً بَیْنَ الْوَجْدِ وَالْفَقْدِ میں بیس سال کے عرصہ سے" پانے" اور گم کرنے کی الجھن میں پڑا ہوں۔ کا بھی یہی مطلب ہے کہ جب رب کو پاتا ہوں تو دل کو گم پاتا ہوں اور دل کو پاتا ہوں تو رب کو کھو دیتا ہوں۔

نیز جنیدؒ کے فرمان (عِلْمُ التَّوْحِیْدِ مُبَایِنٌ لِوُجُوْدِہٖ وَوُجُوْدُہٗ مُبَایِنٌ لِعِلْمِہٖ علم توحید، وجود رب سے، مختلف ہے۔ اور اس کا وجود علم سے مختلف ہے کا بھی یہی مطلب ہے۔ اس سلسلہ میں یہ شعر بالعموم پڑھا جاتا ہے۔

وَجُوْدِیْ اَنْ اَغِیْبَ عَنِ الْوُجُوْدِ   بِمَا یَبْدُوْ عَلَیَّ مِنَ الشُّھُوْدِ

ان مشاہدات کی وجہ سے جو مجھ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ میرا وجود اس وقت ہوگا۔ جب میں وجود حق سے غائب ہو جاؤں۔

مختصر یہ کہ" تواجد" ابتدا ہے اور وجود انتہا اور وجد ان دونوں کے درمیان کی کیفیت کا نام ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو یوں فرماتے سنا کہ: کہ" تواجد" میں بندے کے لئے ضروری ہے کہ عبدیت کاملہ اس میں پائی جائے۔ وجد میں بندے کو استغراق حاصل ہوتا ہے اور وجود میں بندے کی ہلاکت ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سمندر کے پاس آیا:۔ پھر سمندر پر سوار ہوا اور پھر اس میں غرق ہو گیا۔ اس کی ترتیب یوں ہے" نفود پھر" ورود" پھر" شہود" پھر" وجود" اور پھر" خمود" اور خمود اسی قدر ہوگا۔ جس قدر کہ وجود ہوگا۔

وجود والے انسان کی دو کیفیتیں ہوتی ہیں۔" صحو" اور" محو" صحو اس حالت کو کہتے ہیں۔ جب کہ اس کی بقاء حق کے ساتھ ہو۔ اور محو وہ حالت ہوتی ہے کہ اسے حق کے ساتھ فنا حاصل ہو۔ صاحب وجود پر یہ حالتیں باری باری آتی رہتی ہیں۔ جب اس پر صحو کی حالت غالب ہوتی ہے تو وہ حق کے ذریعہ حملہ بھی کرتا ہے اور بولتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالے کی طرف سے فرماتے ہیں۔

فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ (میرے ذریعہ سے وہ سنتا ہے اور میرے ہی ذریعہ سے وہ دیکھتا ہے۔)

میں نے ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ کو فرماتے سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے منصورؒ بن عبداللہ کو فرماتے سُنا کہ ایک شخص نے شیخ شبلیؒ کے حلقہ میں کھڑے ہو کر سوال کیا:۔ کیا وجد والوں پر صحت وجود کے آثار ظاہر ہوتے ہیں؟ شیخ شبلیؒ نے جواب میں فرمایا:۔ ہاں یہ ایک نور ہے۔ جو اشتیاق کی آگ کے ساتھ مل کر چمکتا ہے اور اس کے آثار جسموں پر چمک اٹھتے ہیں۔ جیسا کہ ابن المعتز[۳۵۸] نے کہا ہے۔

وَ امطَرَ الكَاسُ مَاءً مِنْ اَبَارِيقِهَا ۔۔۔ فَاَنْبَتَ الدُّرَّ فِي اَرْضٍ مِنَ الذَّهَبِ
وَ سَبَّحَ الْقَوْمُ لَمَّا اَنْ رَاَوْا عَجَباً ۔۔۔ نُوراً مِنَ الْمَاءِ فِي نَارٍ مِنَ الْعِنَبِ
سُلَافَةٌ وَرِثَتْهَا عَادُ عَنْ اِرَمٍ ۔۔۔ كَانَتْ ذَخِيرَةَ كِسْرَىٰ عَنْ اَبٍ فَاَبٍ

پیالے نے اپنی ناڑیوں کا پانی برسا دیا۔ سونے کی زمین میں موتی نکل آئے۔ جب لوگوں نے انگور کی آگ میں پانی کا نور دیکھا تو اللہ کی تسبیح پڑھنے لگے یہ ایسی شراب ہے جو قوم عاد کو قوم ارم سے ورثہ میں ملی اور آباؤ اجداد سے یہ کسریٰ کا ذخیرہ چلی آئی تھی۔"

کسی نے ابوبکر دقیؒ کو کہا کہ جہم[۳۵۹] دقیؒ نے سماع کی حالت میں جوش میں آکر ایک درخت کو ہاتھ سے پکڑ کر جڑوں سے اکھیڑ دیا۔ پھر اتفاق سے ایک دعوت میں دونوں اکٹھے ہوئے اس وقت ابوبکر دقیؒ بینائی سے محروم ہو چکے تھے جہم جوش میں آکر چکر لگانے لگے ابوبکر دقیؒ نے کہا۔ جب یہ میرے قریب آئے تو مجھے بتانا۔ دقی کمزور تھے جہم گذرے جب ان کے قریب آئے تو لوگوں نے ابوبکر دقی سے کہا۔ یہ جہم ہے۔ ابوبکر نے جہم کو پنڈلی سے پکڑ کر ٹھہرا دیا۔ جہم میں اتنی طاقت نہ رہی کہ حرکت کر سکتے بے ساختہ پکار اُٹھے، اے شیخ! میری توبہ۔ تب ابوبکر نے اس کو چھوڑ دیا۔

استاد امامؒ فرماتے ہیں۔ جہم کا جوش بھی حق تھا اور دقی کا پنڈلی پکڑنا بھی حق تھا۔ جب جہم کو معلوم ہو گیا کہ دقیؒ کا مرتبہ ان سے بلند ہے تو انہوں نے انصاف کے تقاضے سے ہار مان لی۔ اس طرح جو شخص حق پر ہوگا۔ کوئی چیز اس کے لئے مشکل نہیں۔ مگر جب صوفی پر محویت کی کیفیت غالب ہو تو پھر اسے علم، عقل، فہم اور حس کچھ نہیں ہوتا۔

میں نے استاذ ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ کو اپنے استاذ سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ ابوعقالؒ مغربی چار سال مکہ میں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں انہوں نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا، یہاں تک کہ ان

ں وفات ہوئی۔ ایک فقیر ان کے پاس آیا اور کہا۔ السّلام علیکم ا۔ ابوعقالؒ نے وعلیکم السلام کہا۔
ں شخص نے کہا میں فلاں ہوں۔ ابوعقال نے جواب میں کہا۔ اچھا تو فلاں ہے۔ تمہارا کیا حال
ہے اور یہ کہہ کر اپنی حالت سے بے خبر ہو گئے۔ یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے السلام علیکم کہا۔
ر انہوں نے وعلیکم السّلام کہا گویا انہوں نے مجھے مطلق دیکھا ہی نہیں۔ میں نے کئی بار اس طرح
یا تو میں سمجھ گیا کہ ان پر غیبوبت کی کیفیت طاری ہے لہٰذا میں ان کو چھوڑ کر چلا آیا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سُنا وہ کہتے تھے کہ میں نے عمر بن محمد بن احمد سے سُنا وہ فرماتے
ں کہ میں نے ابوعبداللہ ترو غبذی[۳۶۰] کی بیوی کو کہتے ہوئے سنا کہ جب قحط سالی کا زمانہ تھا اور
ل بھوک مر رہے تھے تو ایک دن ابوعبداللہ ترو غبذی گھر آئے اور اپنے گھر میں تقریباً دو من
ندم پایا۔ یہ دیکھ کر فرمایا۔ لوگ بھوکے مریں اور میرے گھر میں گندم ہو۔ اس بات سے وہ اپنی
قل کھو بیٹھے۔ صرف نماز کے وقت انہیں کچھ افاقہ ہوتا تھا۔ فریضۂ نماز ادا کرنے کے بعد ان کی
پھر وہی حالت ہو جاتی تھی اور مرتے دم تک ان کی یہی حالت رہی۔

اس حکایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ احکام حقیقت کے غلبہ کے باوجود یہ شخص آداب شریعت
بندی سے ادا کر رہا تھا۔ اہلِ حقیقت کا یہی حال ہے۔ پھر اپنی عقل کو کھونے کا سبب ان کی وہ
شفقت تھی جو انہیں مسلمانوں کے ساتھ تھی۔ یہ بہت قوی علامت ہے کیونکہ باوجود اس کے
وہ عقل کھو بیٹھے تھے پھر بھی اپنی حالت پر آجاتے تھے۔

۷۔ جمع اور فرق

صوفیا کے کلام میں "جمع[۳۶۱]" اور "فرق" کا لفظ اکثر آتا ہے۔ استاد
ابوعلیؒ دقاق فرمایا کرتے تھے۔ جس چیز کی نسبت تمہاری طرف
ہے وہ "فرق" ہے اور جو چیز تم سے چھین لی جائے وہ جمع ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر
ات جس کا تعلق انسان کے کسب و کوشش ہے۔ وہ "فرق" ہے مثلاً بندگی اور ان اعمال کو
قائم رکھنا جو بشریت کے حالات کے مناسب ہیں اور جو امور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں مثلاً
معانی کا اظہار اور دیگر لطف و احسان، وہ "جمع" کہلاتے ہیں "جمع" اور "فرق کے اعتبار سے یہ
حالت صوفیا کی ادنیٰ حالت خیال کی جاتی ہے۔ اس لئے اس میں افعال کا مشاہدہ کرنا پڑتا
۔ مد۔ ۔ ۔ کہ اللہ ۔ ۔ ۔ افعال کا مشاہدہ کرا ۔ ۔ ۔ ۔ اور نافرمانی پر تو

تفرقہ کی صفت کا حامل ہوگا اور جب اللہ تعالیٰ بندے کو ان ذاتی افعال کا مشاہدہ کرائے جو اللہ کی عنایت سے ہوتے ہیں تو یہ بندہ "جمع" کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ حاصل یہ کہ مخلوق کا اثبات "تفرقہ" کہلاتا ہے اور اثباتِ حق "جمع" ہر بندے کے لئے "جمع" اور "فرق" کا حامل ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ جس میں تفرقہ نہیں اس میں عبودیت نہیں اور جسے جمع حاصل نہیں اسے معرفت حاصل نہیں۔ چنانچہ جب بندہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہتا ہے تو یہ "فرق" کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور جب اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہتا ہے تو یہ "جمع" کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور جب کوئی بندہ اللہ سے باتیں کرتا ہے یا کچھ مانگنے کے لئے دُعا کرتا ہے یا ثنا کرتا ہے شکر گذاری کرتا ہے یا آہ وزاری کرتا ہے تو اس کا مقام تفرقہ کا ہے اور جب اپنی مناجات میں اپنے دل کے کان اپنے مولا کی طرف لگا دیتا ہے اور جو خطاب اللہ تعالیٰ اُسے کرتا ہے یا مناجات کرتا ہے یا دہ اس کا مفہوم سمجھ کر غور سے سُنتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر روشنی ڈال کر اُسے کوئی امر دکھاتا ہے تو اس وقت بندہ "جمع" کی کیفیت کے مشاہدہ میں ہوتا ہے۔

ابوسہل صعلوکیؒ اور نصر آبادیؒ میں بحث

میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سُنا۔ کہ ایک قوال نے ابوسہل صعلوکیؒ کے سامنے یہ شعر پڑھا۔

جَعَلْتُ تَنَزُّهِیْ نَظَرِیْ اِلَیْکَا (تیری طرف دیکھنے کو میں نے اپنی تفریح بنالی ہے)

اس وقت ابوالقاسم نصر آبادیؒ بھی موجود تھے۔ استاد ابوسہلؒ نے فرمایا کہ "جعلت" کی تاء پر زبر ہے۔ استاد نصر آبادی نے فرمایا نہیں بلکہ جعلتُ ہے یعنی "تاء" پر پیش ہے۔ اس پر استاد ابوسہل نے جواب دیا۔ کیا "جمع" کی آنکھ زیادہ کامل نہیں ہے یہ سن کر نصر آبادی خاموش ہوگئے۔

میں نے یہ حکایت شیخ ابوعبدالرحمٰن سے اسی طرح سنی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے جَعلتُ کی تاء پر پیش پڑھی تو اس وقت اپنی ذات کی خبر دینا مقصود ہے گویا کہ بندہ متکلم ہے اور جب جعلتَ کہے، یعنی تاء کی فتح کے ساتھ پڑھے تو اس وقت بندہ اس بات سے اپنی برات ظاہر کرتا ہے کہ اس میں اس کے تکلف کا کوئی دخل ہے بلکہ وہ اپنے مولا کو مخاطب کرتا اور کہتا

ہے کہ اے اللہ تو نے مجھے یہ خصوصیت بخشی ہے ۔ میں نے خود یہ بات حاصل نہیں کی ۔ لہٰذا پہلی بات کی بناء دعویٰ ہے اور دوسری میں اپنی قوت کی بیزاری کا اظہار ہے ۔ اور اللہ تعالٰے کی عنایت و مہربانی کا اقرار ہے ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ایک کا مفہوم ہے کہ تمہارے لطف و کرم پر تمہیں گواہ بناتا ہوں

۸۔ جمع الجمع

"جمع الجمع" کا درجہ اس سے بھی بلند ہے جس طرح صوفیا کے احوال مختلف ہیں اور ان کے درجات میں تفاوت ہے اس طرح ان امور میں بھی لوگوں کا اختلاف ہے چنانچہ جو اپنے نفس کو ثابت کرے ۔ ساتھ ہی یہ مشاہدہ کرے ۔ کہ ان کا قیام حق کے ساتھ ہے تو یہ "جمع" ہے اور جب مخلوق کے مشاہدہ سے ہٹ چکا اپنی ذات سے کٹ چکا ۔ اور اس سلطان حقیقت کی وجہ ہے جو اس پر ظاہر اور غالب آچکی ۔ اپنے احساس سے کلیتہً غافل ہو تو یہ "جمع الجمع" ہے ۔

"تفرقہ" غیر اللہ کے مشاہدہ کا نام ہے "جمع" کا مفہوم غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ مشاہدہ کرنا ہے اور فناء کلی اور غلبۂ حقیقت کے وقت ماسویٰ اللہ کے احساس کے فنا کا نام "جمع الجمع" ہے (۳۶۳)

فرق ثانی

اس کے بعد ایک ایسی حالت کا مقام ہے جو بہت ہی کم یاب اور نادر ہے جسے صوفیا فرق ثانی سے تعبیر کرتے ہیں ۔ فرق ثانی یہ ہے کہ صوفی فرائض ادا کرنے کے اوقات میں صحو کی حالت میں آجائے تاکہ اپنے وقت پر فرائض کے احکام اس پر جاری ہو سکیں ۔ اس طرح صوفیا کا اپنی حالت کی طرف لوٹنا اللہ کی مدد سے ، اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے نہ بندے کی مدد سے ، بندے کے لئے ۔ اس حالت میں بندہ اپنی ذات کو اللہ کے تصرف میں پاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کی ذات اور عین کا مبدأ اللہ کی قدرت کے تحت ہے ۔ اور اس قسم کے تمام افعال اور احوال اللہ کے علم اور مشیت سے اس پر جاری ہوتے ہیں ۔

بعض لوگ "جمع" اور فرق کے الفاظ سے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ "جمع" یہ ہے کہ اللہ تعالٰے تمام کی تمام مخلوق کو بدلتا اور پھیرتا ہے اس قول کے قائل نے اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی ذاتوں کو پیدا کرنے والا اور ان کی صفات کو جاری کرنے والا ہے ۔ تمام مخلوق کو پلٹنے اور بدلنے میں جمع کر دیا ۔ مگر پھر مختلف قسموں کے لحاظ سے ان کو الگ الگ کر دیا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

ایک گروہ کو سعادت مند بنایا۔ اور دوسرے کو اپنے سے دُور کرکے بدبخت بنایا۔ کسی کو ہدایت دی اور کسی کو گمراہ اور اندھا کر دیا۔ کچھ لوگوں کو اپنے سے محجوب رکھا اور کچھ لوگوں کو اپنی طرف کھینچا۔ کچھ لوگوں کو اپنے وصال سے مانوس اور کچھ کو اپنی رحمت سے مایوس کر دیا۔ بعض کو اپنی توفیق سے نوازا۔ اور بعض نے جب اسے پانے کا قصد کیا۔ تو انہیں جڑ سے کاٹ دیا۔ بعض کو ہوش میں رکھا۔ اور بعض کو محویت کا عالم بخشا۔ بعض کو قریب کیا اور بعض کو غائب، بعض کو قریب کرکے اپنے پاس حاضر کیا۔ پھر اپنے سے جدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے مختلف افعال کے انواع کا کوئی شمار نہیں اور نہ ہی اس کی تفصیل کی تشریح و ذکر ممکن ہے۔

"جمع اور تفرقہ کے بارے میں جنیدؒ کے یہ اشعار بیان کئے جاتے ہیں۔

وَتَحَقَّقْتُكَ فی السرّ فناجاكَ لسانی
وَاجتمعنا لمعانٍ وافترقنا لمعانی
ان یکن غیبك التعظیم عن لحظ عیانی
فلقد صیّرك الوجد من الاحشاء دانی

اے خدا! میں نے باطن میں تجھے پایا۔ میری زبان نے تجھ سے باتیں کیں۔ بعض اوصاف میں ہم جمع ہو گئے اور بعض میں الگ ہو گئے۔ اگر تمہاری تعظیم نے تجھے میری نگاہوں سے غائب کر دیا ہے تو تمہارے وجد نے تجھے میری آنتوں کے قریب کر دیا ہے۔

یہ اشعار بھی پیش کئے جاتے ہیں۔

إِذَا مَا بَدَا لِيْ تَعَاظَمَنِيْ ۔۔۔ فَأَصْدُرُ فِيْ حَالِ مَنْ لَمْ يَرِدْ
جَمَعْتُ وَفَرَّقْتَنِيْ بِهِ ۔۔۔ فَفَرَّدُ التَّوَاصُلِ مَثْنَى الْعَدَدِ

(جب وہ ظاہر ہوتا ہے تو میں اسے بہت ہی عظیم سمجھتا ہوں۔ پھر میں ایسی حالت میں اس کی طرف لوٹتا ہوں گویا کہ میں اصل گھاٹ پر وارد ہی نہیں ہوا تھا۔ میں اکٹھا ہوا اور پھر اس کی وجہ سے خود اپنے سے جدا ہو گیا، تو ہم دونوں کے وصال کا فرد عدد کی دوئی ہے)

فناء و بقا | صوفیاء کے یہاں "فناء" سے مراد مذموم اوصاف کا ساقط ہونا ہے اور بقاء سے اوصافِ محمودہ کا بندہ کے ساتھ قائم ہونا ہے انسان میں ان دونوں

قسموں میں سے ایک نہ ایک صفت ضرور باقی رہتی ہے۔ ایک کی نفی ہو جانے سے لامحالہ دوسری کا اثبات ہو جاتا ہے اور جو اپنے اوصافِ مذمومہ سے فنا ہو چکا ہو اس پر صفات محمودہ ظاہر ہونے لگ جاتے ہیں اور جس پر مذموم خصلیتں غالب آتی ہیں تو اس سے صفاتِ محمودہ پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ جن اوصاف کے ساتھ انسان موصوف ہوتا ہے وہ یا تو افعال ہیں یا اخلاق یا احوال افعال وہ ہیں جن میں انسان اپنے اختیار سے تصرّف کرتا ہے۔ اخلاق وہ صفات ہیں۔ جو انسان میں فطری طور پر پائے جائیں۔ البتہ کسی صفت کی مسلسل عادت رکھنے سے صفتِ کو بدل بھی سکتے ہیں۔ احوال وہ ہیں۔ جو شروع میں انسان پر وارد ہوتے ہیں۔ مگر ان کی صفائی کا دارومدار اعمال کی صفائی پر ہے۔ اس اعتبار سے احوال بھی اخلاق کی طرح شمار ہوں گے۔ کیونکہ جب انسان دل سے اخلاق کے ساتھ جنگ کرتا ہے اور اپنی کوشش سے اپنے خراب اخلاق کو دُور کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ بھی مہربانی فرما کر اس کے اخلاق کو اچھا کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب انسان اپنی پوری کوشش صرف کر کے اپنے اعمال کا پیہم تزکیہ کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالےٰ اپنے کرم سے اس کے احوال کو پاک بنا دیتا ہے۔ بلکہ کمال کے ساتھ احوال کو اس پر وارد کرتا ہے۔ لہٰذا جس شخص نے ان افعال کو جو شریعت کے اندر مذموم قرار دئیے گئے ہیں، ترک کر دیا۔ اس کے متعلق یوں کہا جائے گا کہ وہ اپنے خواہشات سے فنا ہو چکا ہے اور جب اپنی شہوات سے فنا ہو گیا تو اپنی نیّت اور اخلاص کے ساتھ وہ اپنی بندگی میں رہے گا اور جو دل سے دنیا سے روگردانی کرتا ہے اس کے متعلق کہا جائے گا۔ اس کی ہر طرح کی رغبت فنا ہو گئی تو وہ صدق دل سے اللہ کی طرف رجوع کرنے پر قائم رہے گا۔

اور جس نے کوشش کر کے اپنے اخلاق کو ٹھیک کر لیا۔ اور اپنے دل سے حسد، کینہ، بخل غصہ تکبّر اور اسی قسم کی دیگر رعونتوں کو دور کر دیا۔ تو اس کے متعلق یُوں کہا جائے گا۔ کہ فلاں اپنے اخلاق بد سے فنا ہو گیا۔ اور جب وہ اخلاق بد سے فنا ہو گیا۔ تو وہ فتوت اور صدق کے ساتھ باقی رہے گا۔ اور جس نے احکام کے رد و بدل ہونے میں اللہ کی قدرت کے جاری ہونے کا مشاہدہ کیا۔ اس کے متعلق یوں کہا جائے گا کہ وہ حوادثات کو مخلوق کی طرف سے خیال کرنے سے فنا

ہوگیا اور جب وہ ان آثار کو غیر اللہ کی طرف سے سمجھنے سے فنا ہوگیا تو وہ اللہ کی صفات کے ساتھ باقی رہا۔ اور جس پر سلطانِ حقیقت کا غلبہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ غیر اللہ کی طرف سے کسی چیز کو نہ دیکھے۔ نہ اصل کو اور نہ اس کے نشان کو، اس کے متعلق کہیں گے کہ وہ مخلوق سے فنا ہوگیا اور حق کے ساتھ باقی رہا۔

لہٰذا بندے کا اپنے مذموم افعال اور حقیر احوال سے فنا ہونا یہی ہے کہ یہ افعال اس سے معدوم ہوجائیں اور اپنی ذات اور مخلوق سے اس کا فنا ہونا یہ ہے کہ اپنے نفس اور مخلوق کے متعلق اس کا احساس جاتا رہے اور جب انسان اپنے افعال، اخلاق اور احوال سے فنا ہوچکا۔ تو پھر یہ نہیں ہوسکتا کہ ان میں سے جو کچھ بھی فنا ہوچکا۔ اس میں موجود ہوجائے۔

اور جب یوں کہا جائے کہ بندہ اپنی ذات اور مخلوق سے فنا ہوگیا تو اس کا نفس تو موجود ہے اور مخلوق بھی موجود۔ مگر اسے نہ ان کا علم ہے نہ اپنا کوئی احساس ہے نہ خبر، لہٰذا اس کی ذات بھی موجود ہوگی اور مخلوق بھی مگر وہ اپنی ذات اور تمام مخلوق سے غافل ہے اسے نہ اپنی ذات کا احساس ہے نہ مخلوق کا۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کسی صاحب سطوت انسان کے پاس جاتا ہے تو اس کی ہیبت سے وہ اپنی ذات اور اہلِ مجلس سے غافل ہوجاتا ہے اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ اس صاحب سطوت انسان سے بھی غافل ہوتا ہے۔ چنانچہ وہاں سے واپس آنے کے بعد اسے اگر وہاں کے اہلِ مجلس، صاحب سطوت کی ہیبت اور اپنی ہیئت کے متعلق دریافت کیا جائے تو وہ کچھ بھی نہ بتا سکے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ (سورۃ یوسف) جب ان عورتوں نے (حضرت یوسف علیہ السلام) کو دیکھا تو ان کو بڑا جانا اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے) ان عورتوں کو اس وقت جب کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا اپنے ہاتھ کاٹنے کی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ حالانکہ وہ بہت کمزور ہوتی ہیں اور بول اٹھیں۔

وَقُلْنَ مَا هٰذَا بَشَرًا (سورۃ یوسف) یہ تو بشر نہیں ہے۔

حالانکہ یوسف علیہ السلام بشر تھے۔ نیز کہا۔ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔ (یہ تو صاحب کرامت فرشتہ ہے) حالانکہ وہ فرشتہ نہ تھے۔

یہ تغافل تو وہ ہے جو ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق کے ساتھ ملاقات کرنے سے پیدا ہوا۔

اور جب ایک شخص کو مشاہدہ حق سبحانہ، کا مکاشفہ ہو اور اس وقت وہ اپنی ذات اور اپنے

ہم جنسوں کو محسوس کرنے سے غافل ہو جائے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

لہٰذا جو اپنے جہل سے فنا ہو گیا وہ اپنے علم کے ساتھ باقی رہا۔ جو اپنی خواہشات سے فنا ہو گیا۔ وہ رجوع الی اللہ کے ساتھ باقی رہا۔ جو اپنی رغبت سے فنا ہوا وہ اپنے ظاہر میں باقی نہ رہا۔ جو اپنی آرزو سے فنا ہوا وہ اپنے ارادہ سے باقی رہا اور اسی طرح باقی صفات کو قیاس کر لو اور جب بندہ اس طریقے پر جس کا ذکر ہو چکا ہے فنا ہو جاتا ہے تو وہ ترقی کر کے اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے (جہاں اپنی فنا کی وجہ سے) اپنی فنا کو نہیں دیکھ سکتا، اس بات کی طرف شاعر اشارہ کرتا ہے۔

فَقَوْمٌ تَاهَ فِیْ اَرْضٍ بِقَفْرٍ   وَقَوْمٌ تَاهَ فِیْ مَیْدَانِ حُبِّہٖ
فَاَفْنَوْا ثُمَّ اَفْنَوْا ثُمَّ اَفْنَوْا   وَاَبْقَوْا بِالْبَقَاءِ مِنْ قُرْبِ رَبِّہٖ

(کچھ لوگ تو چٹیل میدان میں حیران پھرے اور کچھ اس کے عشق کے میدان میں۔ پھر انہوں نے فنا در فنا کا درجہ پا کر اللہ کے قرب میں رہنے سے بقا حاصل کر لی) پہلی فنا ذات اور صفات کی فنا ہے جن کی بقا صفات حق کے ساتھ ہے دوسرا مرتبہ حق تعالیٰ کے مشاہدہ کی وجہ سے صفات حق سے فنا کا ہے۔ اس کے بعد تیسرا مرتبہ آتا ہے اور وہ یہ کہ وہ وجود حق میں کامل فنا ہونے کی وجہ سے اپنی فنا کے مشاہدہ سے بھی فنا حاصل کرتا ہے۔

۱۰۔ غیبت اور حضور

صوفیا کے مخصوص الفاظ میں سے "غیبت"(۳۶۶) اور "حضور" ہیں۔ "غیبت" یہ ہے کہ دل مخلوق کے حالات سے بے خبر ہو کیونکہ اس کا حاسہ اس کیفیت کے ساتھ مشغول ہے جو اس پر وارد ہوتی ہے۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنی ذات اور دیگر امور کے احساس سے غافل ہو جاتا ہے اور اس کا سبب بھی وہ کیفیت ہے جو اس پر وارد ہوتی ہے مثلاً ثواب کو یاد کرنا، یا عتاب کے متعلق سوچنا۔

۱۱۔ ربیع بن خثیمؒ

روایت ہے۔ ربیع بن خثیمؒ(۳۶۷) حضرت عبد اللہ(۳۶۸) بن مسعودؓ کے پاس جایا کرتے تھے ایک بار ان کا گزر کسی لوہار کی دکان پر ہوا۔ انہوں نے تپتا ہوا لوہا بھٹی کے اندر دیکھا تو ان پر غشی طاری ہو گئی اور دوسرے دن صبح تک ہوش نہ آیا۔ ہوش آنے پر اس سے دریافت کیا گیا تو فرمایا۔ مجھے وہ حالت یاد آ گئی جو دوزخیوں کی دوزخ میں ہو گی۔ یہ بھی غیبت کی ایک قسم ہے کہ صوفی اپنی حد سے گزر کر غشی کی حد کو پہنچ جائے۔

علی بن حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ

روایت ہے کہ علیؒ بن حسینؓ (۳۶۹) سجدہ میں پڑے تھے کہ انکے گھر کو آگ لگ گئی مگر انہوں نے اپنی نماز جاری رکھی۔ جب ان سے اس کی نسبت دریافت کیا گیا تو فرمایا۔ مجھے دوزخ کی آگ یاد آگئی۔ جس نے مجھے اس آگ سے غافل کر دیا۔

بسا اوقات صوفی اپنے احساسات سے اس لئے غائب ہوتا ہے کہ اس پر حقائق الٰہیہ منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ البتہ ہر صوفی اپنے حال کے مطابق احساسات سے غائب ہوتا ہے سب کی حالت ایک جیسی نہیں ہوتی۔

ابوحفصؒ نیشاپوری نے لوہار کا پیشہ کیوں ترک کیا

چنانچہ مشہور ہے کہ ابوحفصؒ نیشاپوری نے لوہار کا پیشہ اس لئے ترک کیا کہ ایک بار جب وہ اپنی دکان پر تھے کسی قاری نے قرآن کی ایک آیت پڑھی جس سے ابوحفصؒ کے قلب پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوگئی کہ آپ اپنے احساسات سے غافل ہوگئے۔ آگ میں ہاتھ ڈال دیا اور تپتا ہوا لوہا اپنے ہاتھ سے نکال لیا۔ ان کے شاگرد نے انہیں دیکھ لیا۔ عرض کی اے استاد یہ کیا معاملہ ہے؟ جب ابوحفص نے دیکھا کہ اس پر راز کھل گیا۔ تو اپنا پیشہ ترک کر کے دکان سے اُٹھ گئے

جنیدؒ اور شبلیؒ

ایک بار جنیدؒ بیٹھے تھے اور ان کے پاس ان کی بیوی تھی کہ شبلیؒ آگئے جنیدؒ کی بیوی نے پردہ کرنا چاہا۔ فرمایا۔ اس وقت شبلیؒ کو تمہاری موجودگی کا علم نہیں۔ لہٰذا بیٹھی رہو۔ جنیدؒ شبلیؒ سے باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ شبلی رو پڑے۔ اب جب شبلیؒ رو پڑے تو جنیدؒ نے بیوی سے کہا اب پردہ کر لو۔ کیونکہ شبلیؒ کو غیبت سے افاقہ ہوگیا ہے۔

ابونصرؒ موذن اور ابوعلیؒ دقاق

میں نے ابونصرؒ موذن کو جو ایک صالح مرد تھے۔ نیشاپور میں فرماتے سُنا۔ فرماتے تھے اس زمانہ میں جب استاد ابوعلی دقاق نیشاپور میں تھے۔ میں ان کی مجلس میں قرآن پڑھا کرتا تھا۔ ابوعلیؒ اکثر حج کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے۔ میرے دل پر ان کے کلام کا اثر ہوا۔ لہٰذا میں اسی سال حج کرنے کے لئے نکل پڑا اور اپنی دکان اور پیشہ سب کچھ چھوڑ کر روانہ ہوگیا۔ استاد ابوعلی بھی اس سال حج کے لئے جا رہے تھے۔ نیشاپور کے قیام کے دوران میں ان کی خدمت کیا کرتا تھا اور ان کی مجلس میں ہمیشہ قرآن پڑھتا رہتا تھا۔ ایک بار میں نے انہیں جنگل میں دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا اور لوٹا وہیں بھول گئے میں نے اُسے اٹھا لیا۔ جب آپ اپنی

قیام گاہ کو آئے تو میں نے وہ لوٹا آپ کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ خدا تجھے اس لوٹے کو اٹھانے کی جزا اسے تیر دے۔ پھر دیر تک میری طرف دیکھتے رہے۔ گویا انہوں نے مجھے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ پھر فرمایا۔ میں نے تجھے ایک بار دیکھا ہے۔ تو کون ہے؟ میں نے عرض کیا پناہ بخدا! میں ایک مدت سے آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ کی خاطر میں نے اپنا گھر مال چھوڑا۔ جنگل میں آپ کے ہمراہ ہولیا اور اب آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تجھے ایک بار دیکھا ہے۔

حضور کبھی صوفی حق کے حضور میں ہوتا ہے کیونکہ جب مخلوق سے غائب رہتا ہے تو حق کے حضور میں ہوتا ہے اس طرح گویا وہ حاضر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ذکر اس کے دل پر غالب ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے دل کے ذریعہ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ چنانچہ جس قدر وہ مخلوق سے غائب ہوتا ہے۔ اسی قدر وہ حق کے آگے حاضر رہتا ہے۔ اگر مخلوق سے کلیتہً غائب ہوا۔ تو اس کو اسی مناسبت سے حضوری حاصل رہی۔ اگر کوئی کہے کہ فلاں حاضر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے دل کے ذریعہ اپنے رب کے آگے حاضر ہے۔ اس سے غافل نہیں ہے۔ اسے ہر دم یاد کرتا رہتا ہے پھر اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اللہ کے حضور میں رہتے ہوئے اس کو اپنے مرتبہ کے مطابق ان معانی کا مکاشفہ ہوتا ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اسے مخصوص کرتا ہے۔

کبھی لفظ حضور صوفی کے اپنے حواس میں لوٹ آنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جب بندہ اپنے ذاتی احوال کے ساتھ اپنے احساس اور مخلوق کے حالات کے احساس کی طرف لوٹتا ہے تو اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حاضر ہوا۔ یعنی اپنی غیبت سے لوٹ آیا۔ اس صورت میں مخلوق کے ساتھ حاضری ہو گئی اور پہلی صورت میں حق کے ساتھ غیبت میں بھی احوال مختلف ہوتے ہیں۔ بعض کی غیبت طویل مدت کے لئے نہیں ہوتی اور بعض کی غیبت ہر وقت رہتی ہے۔

ذوالنونؒ اور بایزیدؒ بیان کیا جاتا ہے کہ ذوالنون مصری نے اپنے ایک مرید کو بایزیدؒ کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ جب وہ شخص بسطام پہنچا تو ابویزیدؒ کا گھر پوچھا اور جب ان کے پاس گیا تو ابویزیدؒ نے کہا، کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا ابویزیدؒ کو ملنا چاہتا ہوں۔ ابویزیدؒ نے کہا۔ کون ابویزیدؒ؟ ابویزید کہاں ہے؟ میں تو ابویزید کی تلاش میں ہوں۔ اس پر وہ آدمی باہر نکل آیا اور کہنے لگا یہ تو دیوانہ ہے اس شخص نے آکر جو کچھ دیکھا تھا۔ ذوالنون کو

بتادیا۔ یہ سن کر ذوالنون روئے اور کہا، میرا بھائی ابویزید اللہ کی طرف جانے والوں کے ساتھ چلا گیا۔

۱۱۔ صحو اور سکر

ان مروج الفاظ میں "صحو"(۲۱) اور "سکر" بھی ہیں۔ احساس سے غیبت کے بعد احساس کی طرف لوٹ آنے کا نام "صحو" ہے اور کسی قوی کیفیت کے وارد ہونے کی وجہ سے احساس سے غائب ہونے کو "سکر" کہتے ہیں۔ غیبت کے مقابلہ میں "سکر" کو ایک لحاظ سے برتری حاصل ہے کیونکہ "سکر" والا جب کامل "سکر" کی حالت میں نہیں ہوتا تو کبھی "بسط" کی حالت میں ہوتا ہے اور کبھی "سکر" کی حالت میں، اس کے دل سے اشیاء کے خطرات ساقط ہو جاتے ہیں۔ یہی حال اس مصنوعی "سکر" والے کا ہے۔ جس پر کیفیت کا ورود کامل طور پر نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس میں احساس کا دخل باقی رہتا ہے۔ بعض اوقات "سکر" قوی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ غیبت سے بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ لبا اوقات جب "سکر" قوی ہوتا ہے۔ "سکر" والے کی غیبت، غیبت والے سے بڑھ کر ہوتی ہے اور جب "سکر" بناوٹی اور غیر کامل ہو۔ تو غیبت والے کی غیبت "سکر" والے سے اتم ہوتی ہے۔ غیبت کبھی عبادت کے لئے نافع ہوتی ہے کیونکہ عابدوں کے دلوں پر غیبت خوف اور امید کے متقضیات کا غلبہ ہوتا ہے اور سکر صرف اصحاب وجد پر طاری ہوتا ہے۔ چنانچہ جمال الٰہی کی صفت کے کشف پر صوفی کو "سکر" حاصل ہوتا ہے روح طرب میں آتی ہے اور دل حیران رہتا ہے۔ اسی مفہوم کے اشعار میں۔

فَصَحْوُكَ مِنْ لَفْظِي هُوَ الوَصْلُ كُلُّهُ   وَسُكْرُكَ مِنْ لَحْظِي يُبِيحُ لَكَ الشُّرْبَا
فَمَا مَلَّ سَاقِيهَا وَمَا مَلَّ شَارِبٌ   عُقَارُ لِحَاظٍ كَأْسُهُ يُسْكِرُ اللُّبَّا

میرے کلام سے تمہارا ہوش میں آنا ہمہ تن وصل ہے اور میری نگاہوں سے مست ہونا تمہارے لئے شراب پینے کو جائز کر دیتا ہے۔

نہ اس شراب کا پلانے والا اکتاتا ہے نہ پینے والا؛ کیونکہ یہ تو نگاہوں کی شراب ہے جو عقل کو مست کر دیتی ہے۔

یہ شعر بھی پیش کیا جاتا ہے۔

فَأَسْكَرَ الْقَوْمَ دَوْرُ كَأْسٍ   وَكَانَ سُكْرِي مِنَ الْمُدِيرِ

لوگ تو پیالے کے دور سے مست ہوئے مگر میری مستی ساقی سے تھی

لِیْ سَکْرَتَانِ وَلِلنَّدْمَانِ وَاحِدَۃٌ ‌ ‌ ‌ ‌ شَیْئٌ خُصِصْتُ بِہٖ مِنْ بَیْنِھِمْ وَحْدِیْ

میرے لئے دو مستیاں ہیں اور دوستوں کے لئے صرف ایک ہے یہ ایسی بات ہے جو صرف مجھ سے مخصوص ہے۔ نیز یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

سُکْرَانِ سُکْرُ ھَوًی وَّسُکْرُ مُدَامَۃٍ ‌ ‌ ‌ ‌ فَمَتٰی یَفِیْقُ فَتًی بِہٖ سُکْرَانِ

یہاں تو دو طرح کی مستی ہے۔ عشق کی اور شراب کی۔ جسے دو طرح کی مستی ہو وہ کب ہوش میں آتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ "صحو" کو "سکر" کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے جس کا "سکر" حق کے ساتھ ہے اس کا صحو بھی حق کے ساتھ ہے جن کے سکر میں نفسانی لذات ملی ہوئی ہوں ان کے صحو کے ساتھ صحیح حظِ نفسانی کی معیت ہوگی اور جو اپنی حالت میں حق پر ہوگا وہ اپنی مستی میں بھی محفوظ ہوگا۔ سکر اور صحو دونوں میں ایک طرح کے "فرق" کی اشارہ پایا جاتا ہے۔ جب سلطان حقیقت کی کوئی علامت ظاہر ہو جائے تو بندہ کی صفت یہی ہے کہ وہ فنا ہو جائے اسی کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے۔

اِذَا طَلَعَ الصَّبَاحُ لِنَجْمِ رَاحٍ ‌ ‌ ‌ ‌ تَسَاوٰی فِیْہِ سَکْرَانٌ وَصَاحٍ

جب شراب کے ستارے کی وجہ سے صبح طلوع ہو۔ تو مست اور ہوش والے دونوں برابر ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔

رجب اللہ تعالیٰ کی تجلی پہاڑ پر ہوئی تو اُسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے) موسیٰ علیہ السلام باوجود رسول ہونے کے بیہوش ہو کر گرے اور پہاڑ ٹھوس اور مضبوط ہونے کے باوجود ریزہ ریزہ ہو گیا۔

بندہ سکر کی حالت میں حال کا مشاہدہ کرتا ہے اور صحو کی حالت میں علم کا فرق یہ ہے کہ وہ سکر کی حالت میں محفوظ ہوتا ہے۔ مگر اس میں اس کی اپنی کوشش کا دخل نہیں ہوتا اور صحو کی حالت میں اپنی کوشش سے بچتا ہے اور صحو اور سکر کا مرتبہ "ذوق اور شراب" کے بعد آتا ہے۔

۱۲۔ ذوق اور شرب[۲،۷]

جو الفاظ صوفیا کے کلام میں آتے ہیں۔ ان میں سے "ذوق" اور "شرب" (پینا) بھی ہیں۔ اس سے انکی مراد تجلی کے وہ ثمرات ،

کشف کے نتائج اور فوری واردات ہیں جنہیں یہ لوگ پاتے ہیں۔ چنانچہ پہلا درجہ ذوق کا ہے۔ پھر شرب اور پھر "ری"، (سیرابی) کا ان کے معاملات کی صفائی سے یہ واجب آتا ہے کہ انہیں کیفیات کا ذوق حاصل ہو اور اپنی منزلوں کو پورا کرنے کے لئے شرب ضروری ہو جاتا ہے اور دائمی وصل سے "ری"، (سیرابی) چنانچہ صاحبِ ذوق مست ہونے کی کوشش میں رہتا ہے۔ جس کو شرب حاصل ہو وہ درحقیقت مست ہے اور جب یہ صفت دائمی ہو جائے تو شرب سے سکر پیدا نہیں ہوتا اور یہ شخص حق تبارک وتعالیٰ کے ساتھ باہوش ہوتا ہے اور سارے حظوظ نفس سے خالی ہوتا ہے۔ کسی قسم کے وارد سے نہ وہ متاثر ہوتا ہے نہ اپنی حالت سے متغیر ہوتا ہے۔ اور جس کا باطن صاف ہوتا ہے اس کا شرب مکدّر نہیں اور جس کی غذا ہی شراب بن جائے وہ پھر اس کے بغیر نہیں رہ سکتا اور نہ اس کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے چنانچہ یہ شعر پڑھا جاتا ہے

اِنَّمَا الْکَاسُ رِضَاعٌ بَیْنَنَا   فَاِذَا مَالَمْ نَذُقْهَا لَمْ نَعِشْ

(پیالہ تو ہمارے لئے گھٹی ہے۔ لہٰذا اسے پیئے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے)

عَجِبْتُ لِمَنْ یَقُوْلُ ذَکَرْتُ رَبِّیْ   فَهَلْ اَنْسٰی فَاَذْکُرَ مَا نَسِیْتُ

شَرِبْتُ الْحُبَّ کَأْسًا بَعْدَ کَأْسٍ   فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَلَا رَوِیْتُ

مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے رب کو یاد کیا۔ کیا میں اسے بھول جاتا ہوں کہ اس بھولے ہوئے کو پھر یاد کروں؟

میں نے محبت کا پیالہ بار بار پیا مگر نہ شراب ختم ہوئی اور نہ میں سیر ہوا) کہا جاتا ہے کہ یحییٰؒ بن معاذ نے ابو یزید بسطامی کو خط لکھا۔ یہاں ایک شخص ہے جس نے ایک بار محبت کا پیالہ پیا پھر اسے پیاس نہیں لگی۔

ابو یزیدؒ نے... جواب میں لکھا: مجھے تمہارے ضعیف حال پر تعجب ہوتا ہے۔ یہاں تو وہ شخص ہے جو دنیا کے سمندر پی جانے کے بعد بھی منہ کھولے ہوئے ہے اور زیادہ مانگ رہا ہے)

یاد رکھیں کہ قربت خداوندی کے پیالے غیب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کا دَور صرف آزاد منشوں اور ان ارواح کے مابین چلتا ہے جو اشیاء کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں۔

۱۳۔ محو اور اثبات

ان الفاظ میں سے "محو" اور اثبات بھی ہیں۔ عاداتِ بشریہ کے اوصاف کو مٹا دینے کا نام "محو" ہے اور احکامِ عبادت کے قائم کرنے کا م "اثبات" ہے جس نے اپنے احوال سے مذموم صفات کی نفی کی اور ان کی جگہ پسندیدہ افعال اور احوال پر کاربند ہوا۔ تو یہ شخص محو و اثبات کا مالک ہوا۔

میں نے استاد ابو علیؒ دقاق کو کہتے ہوئے سنا کہ کسی شیخ نے ایک شخص سے کہا۔ تو کس چیز کو محو کرتا ہے اور کس چیز کو ثابت کرتا ہے؟ وہ شخص کوئی جواب نہ دے سکا۔ تو فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ وقت ہی محو و اثبات ہے؟ کیونکہ جس میں محو و اثبات نہ ہو، وہ معطل و مہمل شخص ہے۔

محو کی تین قسمیں ہیں (۱) ظاہر بدن سے لغزش کو محو کرنا (۲) غفلت کو دل سے محو کرنا اور بیماری کو باطن سے محو کرنا۔ لغزش کے محو ہو جانے سے معاملات کا اثبات ہوتا ہے۔ غفلت کو محو کرنے سے منزلوں اور مقامات کا اثبات ہوتا ہے اور علّت کو محو کرنے سے اللہ سے وصال کا اثبات ہوتا ہے۔ یہی محو اور عبودیت کی شرط کا اثبات ہے۔

درحقیقت محو و اثبات کا ظہور قدرتِ الٰہیہ سے ہوتا ہے لہٰذا حق تعالیٰ کا چھپانا اور نفی کرنا محو ہے اور کسی کو حق تعالیٰ کا ظاہر کرنا اثبات ہے۔ محو اور اثبات کا انحصار مشیّتِ ایزدی پر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عارفین کے دل سے غیر اللہ کے ذکر کو محو کر دیتا ہے اور مریدین کی زبانوں پر ذکر اللہ ثابت کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا محو اور اثبات سے نوازنا ہر انسان کی حالت کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے حق سبحانہٗ اپنے نفس اور اپنے افعال کے مشاہدہ سے محو کرتا ہے اسے اپنے عقائق اور انوار الٰہیہ کے ساتھ ثابت کرتا ہے اور جیسے حق تعالیٰ اپنے ساتھ قائم رہنے سے محو کرتا ہے۔ اسے اغیار کے مشاہدہ کی طرف لوٹا دیتا ہے اور اسے "تفرقہ" کی وادیوں میں سرگردان کر دیتا ہے۔

ایک شخص نے شبلی رحمہ اللہ سے کہا کیا بات ہے کہ میں تجھے بے قرار دیکھتا ہوں؟ کیا وہ تمہارے ساتھ نہیں ہے اور کیا تو اس کے ساتھ نہیں ہے؟

شبلیؒ نے جواب دیا۔ اگر میں اس کے ساتھ ہوں تو بھی میں "ٹھہرا" میں تو اس کی ذات میں محو ہو چکا ہوں۔

محق کا محو سے بھی بلند درجہ ہے۔ اس لئے کہ محو میں بالعموم کچھ نشان باقی رہ جاتا ہے اور محق میں کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ صوفیا کی انتہائی تمنا اور آرزو یہ ہوتی ہے کہ حق تعالےٰ انہیں مشاہدہ نفس سے بالکل محو کر دے اور پھر انہیں اپنی حالت پر نہ لوٹائے۔

۱۴۔ ستر و تجلی صوفیا کے الفاظ میں سے "ستر و تجلی" بھی ہیں۔ عوام تو "ستر" کے پردے میں ہیں اور خواص دوام تجلی میں، حدیث میں آتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اِذَا تَجَلّٰی لِشَیْءٍ خَشَعَ لَہٗ۔

(جب اللہ تعالیٰ اپنی تجلی کسی چیز پر ڈالتا ہے تو وہ شے اللہ کے آگے عاجزی اور خشوع کرتی ہے) لہٰذا صاحب ستر اپنے مشاہدہ کے وصف میں ہوتا ہے اور صاحب تجلی ہمیشہ اپنے خشوع کی صفت میں، ستر عوام کے لئے سزا ہے مگر خواص کے لئے رحمت، کیونکہ جن امور کو اللہ تعالیٰ ان کے آگے کھول دیتا ہے۔ اگر ان پر اللہ تعالیٰ پردہ نہ ڈال دے تو یہ لوگ سلطان حقیقت کے سامنے فنا ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس طرح ان کو ظاہر کرتا ہے اسی طرح ان پر پردہ بھی ڈالتا ہے۔

لطیفہ میں نے منصورؒ مغربی کو فرماتے سُنا کہ ایک درویش کسی عرب قبیلہ میں آیا۔ تو ایک نوجوان نے اس کی ضیافت کی، وہ درویش کی خدمت کر رہا تھا کہ یکایک بیہوش ہو گیا۔ درویش نے اس کا حال دریافت کیا تو لوگوں نے کہا وہ اپنی چچازاد بہن پر عاشق ہے اس وقت وہ اپنے خیمہ کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے اس کے دامن کا غبار دیکھ لیا جس سے وہ بیہوش ہو گیا۔ درویش اس خیمہ کے دروازہ پر گیا اور کہا، میں ایک مسافر ہوں۔ میرا تم پر کچھ حق ہے۔ میں اس نوجوان کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ آپ لوگ اس کے حال پر رحم کریں۔ لڑکی بولی سبحان اللہ! کیا تو سلیم العقل ہے؟ یہ تو میرے دامن کے غبار کے مشاہدہ کی تاب نہیں لا سکتا تو میری صحبت کی تاب کیسے لائے گا؟

عام صوفیا کی زندگی تجلی میں اور معیبت ستر میں ہوتی ہے مگر خواص طیش و عیش کے بین بین

ہیں۔ کیونکہ جب تجلی حق ہوتی ہے تو وہ طیش میں ہوتے ہیں اور جب پردہ میں ہوتے ہیں تو حظ کی طرف لوٹ آتے ہیں اور مزے میں ہوتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسىٰ ، کے الفاظ سے اس لئے خطاب کیا کہ ناگہانی طور پر کلام الٰہی سننے سے ان پر جو اثر مرتب ہوتا۔ اس پر بعض ایسی چیزوں کے ذکر سے جن سے وہ اپنا دل بہلایا کرتے تھے، پردہ پڑ جائے

آنحضرت ؐ کا فعل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ حَتّٰی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً

میرے دل پر البتہ بادل چھا جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔ استغفار کے معنی ہیں پردہ پوشی چاہنا، کیونکہ غفر کے معنی ستر کے ہیں۔ اسی سے غفر الثوب اور مغفر جیسے الفاظ مشتق ہیں گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ آپ حق تعالیٰ سے درخواست کرتے تھے کہ حقیقت کے غلبہ کے وقت وہ آپ کے دل پر پردہ ڈال دے۔ کیونکہ وجود حق کے ساتھ مخلوق کا باقی رہنا ناممکن ہے، حدیث میں ہے۔ لَوْ كَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ لَاحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا اَدْرَكَ بَصَرُهٗ (اگر اپنے چہرے کا انکشاف کرے تو اس کے چہرے کے انوار ہر اس چیز کو جس پر اس کی نگاہ پڑیگی جلا دینگے

محاضرہ ۔ مکاشفہ ۔ مشاہدہ

ان ہی الفاظ میں سے محاضرہ، مکاشفہ، اور مشاہدہ ہیں، محاضرہ ابتدا ہے۔ پھر مکاشفہ اور پھر مشاہدہ، محاضرہ دل کا حاضر ہونا ہے۔ یہ حضوری کبھی متواتر برھان کے ذریعہ سے ہوتی ہے جب کہ ابھی بندہ پردے کے پیچھے ہوتا ہے خواہ وہ سلطان ذکر کے غلبہ کی وجہ سے حاضر کیوں نہ ہو۔

اسکے بعد مکاشفہ آتا ہے۔ "مکاشفہ" یہ ہے کہ صوفی بیان و وضاحت کی صفت کے ساتھ حاضر ہو۔ اس حالت میں اسے نہ تو کسی دلیل میں غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ راستہ تلاش کرنیکی، اور نہ ہی شک و شبہات کے اسباب سے اسے پناہ طلب کرنیکی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نہ ہی وہ مغیبات کے بیان کرنے میں حجاب محسوس کرتا ہے اس کے بعد مشاہدہ ہے۔ مشاہدہ حق تعالیٰ کے آگے اسطرح حاضر ہوتا ہے کہ صحیح حالات کو بندہ مشاہدہ کرے۔ ان میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ جب اسرار کا آسمان پردوں کے بادلوں سے صاف ہوتا ہے، شہود، مشاہدہ کا سورج برج شرف سے جگمگا اٹھتا ہے اصل مشاہدہ وہ ہے جس کا ذکر جنید ؒ نے کیا

ہے۔" وجودِ حق ہو اور تم خود مفقود ہو۔

پس صاحب محاضرہ کا تعلق و ربط علامات سے ہوتا ہے۔ صاحب مکاشفہ اپنی صفات کی وجہ سے بسط میں اور صاحبِ مشاہدہ خود گرا پڑا ہوتا ہے۔ صاحب محاضرہ کی رہنمائی اس کی عقل کرتی ہے مکاشفہ والے کو اس کا علم قریب کرتا ہے اور مشاہدہ والے کو اس کی معرفت محو کر دیتی ہے۔

مشاہدہ کی تحقیق کے بارے میں جو کچھ عمروؒ بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اس پر کسی نے کوئی اضافہ نہیں کیا۔ ان کے بیان کا مفہوم یہ ہے کہ مشاہدہ میں بغیر اسکے کہ درمیان میں پردہ پڑے یا انقطاع ہو صوفی کے دل پر لگاتار انوار تجلیٰ کا ورود ہوتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح لگاتار بجلیاں چمکتی ہوں چنانچہ جس طرح بجلیوں کے متواتر اور لگاتار روشن ہونے سے تاریک رات دن کی طرح روشن ہو جاتی ہے اسی طرح صوفی کے دل پر جب متواتر تجلیٰ ہوتی ہے تو اس کے لئے دن چڑھ آتا ہے اور پھر رات باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

لیلی بوجھك مشرق ۔۔۔ وظلامہ فی الناس سارِیٌ

والناس فی سدفِ الظلا ۔۔۔ م ونحن فی ضوءِ النہارِ

(تمہارے چہرے کی بدولت میری رات روشن ہے۔ حالانکہ اس کی تاریکی لوگوں میں چھائی ہوئی ہے۔ چنانچہ لوگ تو تاریکیوں میں ہیں اور ہم دن کی روشنی میں)

نوریؒ فرماتے ہیں جب تک بندہ کی ایک رگ بھی قائم ہے۔ اس وقت تک اسے صحیح طور پر مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ نیز فرماتے ہیں جب دن طلوع ہوتا ہے تو چراغ کی ضرورت نہیں رہتی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مشاہدہ میں "تفرقہ" کیطرف کسی قدر اشارہ پایا جاتا ہے اس لئے کہ عربی زبان میں باب مفاعلہ کا استعمال وہاں ہوتا ہے۔ جہاں کوئی بات دونوں طرف سے پائی جاتی ہو۔ مگر ایسا خیال کرنے والوں کو وہم ہوا ہے۔ اس لئے کہ یہاں حق سبحانہ کے ظہور سے مخلوق کی ہلاکت ہوتی ہے۔ مزید برآں بابِ مفاعلہ ہر جگہ دونوں کی مشارکت کا متقاضی نہیں ہوتا۔ مثلاً "مسافر" اور طارق النعل وغیرہ۔ وانشدوا۔

فلمّا استبان الصبحُ ادرجَ ضوءُہٗ ۔۔۔ بانوارہٖ انوارَ ضوءِ الکواکبِ

یجرعھم کاسا لوا تلی[(۳۰۷)] اللظی ۔۔۔ بنجر یعہٖ طارت کا سرع ذاھبِ

ترجمہ: جب صبح ہوئی اس کی ضو نے اپنے انوار سے ستاروں کی روشنی کو پالیا یہ روشنی ان کو (عشق کا)

الہ پلاتی ہے اگر یہی آگ کو پلایا جاتا تو فوراً بجھ جاتی۔)

یہ پیالہ بھی کیسا پیارا ہے جو انہیں جڑ سے کاٹ دے انہیں اچک لے اور انہیں فنا کر دے ایسا پیالہ ہے جو اُن کا کچھ حصہ نہیں چھوڑتا انہیں کُلیتاً مٹا دیتا ہے اور بشریت کے آثار میں سے پھر بھی نہیں چھوڑتا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے "ساروا فلم یبق دار رسم و لا اثر" وہ چلے گئے اور انکا نام و نشان تک نہ رہا۔

۱۶۔ لوائح۔ طوالع۔ لوامع

صوفیا کے الفاظ میں سے "لوائح" "طوالع" اور "لوامع" بھی ہیں۔ استاد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ تینوں الفاظ قریب المعنی ہیں۔ کے معنی میں کوئی زیادہ فرق نہیں۔ یہ مبتدیوں کی صفات ہیں۔ جو دل کے ساتھ ترقی پاتے ہیں اور جب ان معرفت کے سورج چمکتے ہیں تو یہ حالت ان پر قائم نہیں رہتی لیکن اللہ تعالیٰ ہر لحظہ انہیں ان کے دل کی ادراک پہنچاتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس کا فرمان ہے۔ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا۔
(اور ان کیلئے وہاں صبح و شام ان کا رزق ہے) لہٰذا جب کبھی انکے دل کے آسمان پر لذاتِ نفسانی کے دلوں کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس حالت میں کشف کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اور قربت کے نشانات چمک اٹھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان پردوں کے پڑنے کی حالت میں وہ (اللہ کی طرف سے، یکایک انوار کی آمد کے منتظر رہتے ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْبَرْقُ الَّذِي يَلْمَعُ   مِنْ أَيِّ أَكْنَافِ السَّمَاءِ تَسْطَعُ

(اری چمکنے والی بجلی تو آسمان کے کس کنارے سے اٹھتی ہے)

غرض پہلے یہ آثار ہوتے ہیں۔ پھر "لوامع" پھر "طوالع" پھر "لوائح" ان کی مثال بجلیوں کی سی ہے کہ یہ چھپ جانے کے بعد ہی ظاہر ہوتی ہیں۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے:۔

افترقنا حَوْلًا فلمّا التقينا   كانَ تَسْلِيمُهُ عَلَيَّ وِدَاعًا

(ایک سال تک جدا رہنے کے بعد جب ملاقات ہوئی تو اس نے سلام کیا اور مجھے سلام کرنا ہی الوداع کہنا تھا۔

نیز یہ اشعار ہیں۔

يَا ذَا الَّذِي زَارَ وَمَا زَارَا   كَأَنَّهُ مُقْتَبِسٌ نَارَا

مَرَّ بِبَابِ الدَّارِ مُسْتَعْجِلًا   مَا ضَرَّهُ لَوْ دَخَلَ الدَّارَا

"اے زیارت کرنے والے! یہ زیارت کیا ہوئی۔ اس طرح آئے گویا آگ لینے کو آئے۔ تو جلدی سے گھر کے دروازے پر گذر گیا۔ اگر تو گھر کے اندر بھی آجاتا تو کیا ہرج تھا۔"

لوامع ۔ لوائح کی نسبت زیادہ واضح ہوتے ہیں اور وہ لوائح کی طرح جلدی زائل بھی نہیں ہوتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ دو یا تین وقتوں تک باقی رہتے ہیں۔ مگر حالت ایسی ہوتی ہے جیسا کہ کہتے ہیں ۔ وَالعَیْنُ بَاکِیَۃٌ لَمْ تَشْبَعِ النَّظَرَ۔ "آنکھ رو رہی ہے کہ جی بھر کر دیکھا بھی نہیں) یا جیسا کہ کہتے ہیں ۔

لَمْ تَرِدْ مَاءَ وَجْھِہِ العَیْنُ اِلَّا　　شَرِقَتْ قَبْلَ رِیِّھَا بِرَقِیْبِ

ابھی نگاہ اسکے چہرے کی آب پر پڑی بھی نہ تھی کہ سیر ہونے سے قبل ہی رقیب کی وجہ سے سارا مزہ جاتا رہا جب چمک پیدا ہوتی ہے تو یہ تجھے اپنی ذات سے منقطع کر کے اس کی ذات کیساتھ جمع کر دیتی ہے لیکن اسکے دن کی روشنی اسوقت تک روشن نہیں ہوتی جب تک کہ رات کے لشکر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ ان لوگوں کی کیفیت آرام و راحت، نوحہ گری کے بین بین ہوتی ہے۔ اسلئے کہ یہ کشف اور ستر کے درمیان کی حالت ہے جیسا کہتے ہیں

فَاللَّیْلُ یَشْمُلُنَا بِفَاضِلِ بُرْدِہٖ　　وَالصُّبْحُ یُلْحِفُنَا رِدَاءً مُذْھَبًا

(رات تو ہمیں اپنی چادر کے فاضل دامن میں لپیٹ لیتی ہے اور صبح اپنی سنہری چادر اوڑھا دیتی ہے)

طوالع زیادہ دیر تک قائم رہتے ہیں اور ان کا تسلط بھی زیادہ قوی ہوتا ہے یہ تاریکی کو زیادہ دور کرتے ہیں اور تہمت زیادہ نفی کرتے ہیں۔ مگر ان میں غروب ہونے کا خطرہ ہر وقت لاحق رہتا ہے۔ ان کی نہ بلندی زیادہ ہوتی ہے اور نہ ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہیں۔ مزید برآں انکے حاصل کرنیکے اوقات جلد منقطع ہو جاتے ہیں اور انکے غروب ہونیکے احوال لمبے لمبے دامن پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں یہ تمام معانی یعنی لوائح اور طوالع اپنی کیفیت کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض ایسے ہیں کہ گذر جانے کے بعد ان کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ مثلاً شوارق کہ ان کے گذر جانے پر یوں معلوم ہوتا ہے کہ (کبھی روشنی تھی ہی نہیں اور) رات ہمیشہ سے چلی آتی ہے بعض کا نشان باقی رہ جاتا ہے اگر ان کا نقشہ زائل ہو جائے تو کم از کم درد باقی رہتا ہے اور انوار غروب ہو جائیں۔ تو ان کے علامات باقی رہتے ہیں۔ لہٰذا اس حالت کا مالک اس حالت کے غلبہ کے مدھم ہو جانے کے بعد بھی اس کی برکات کی روشنی میں زندہ رہتا ہے اور اس کے دوبارہ آنے تک اس کے وقت

کی امید لگی رہتی ہے اور اس کے لوٹنے کا انتظار رہتا ہے اور وہ اس کیفیت کے ساتھ زندہ رہتا ہے جو اُسے اس کیفیت کے موجود ہونے پر حاصل ہوئی تھی۔

۱۷۔ بُوادِہ اور ہجوم "بُوادہ" اور "ہجوم" بھی انہی الفاظ میں سے ہیں۔ "بوادِہ" تو وہ کیفیت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکایک بطور گھبراہٹ کے دل پر وارد ہوتی ہے۔ خواہ خوشی کا سبب بنے یا غم کا۔ اور ہجوم وہ کیفیت ہے جو تمہاری طرف سے تصنع کے بغیر وقت کی قوت کی وجہ سے دل پر وارد ہو۔ اس کے تمام انواع وارد کے قوت وضعف کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جن میں "بوادہ" تغیر پیدا کر دیتے ہیں اور ہواجم انہیں پھیر دیتے ہیں۔ اور بعض اپنی حالت اور قوت کے اعتبار سے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ یکایک آنے والی حالت سے بالا ہوتے ہیں اور یہی لوگ سادات وقت ہوتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے

لَا تَهْتَدِي نُوَبُ الزَّمَانِ إِلَيْهِمُ   وَلَهُمْ عَلَى الْخَطْبِ الْجَلِيلِ لِجَامُ

"زمانے کے مصائب ان کی طرف راہ نہیں پا سکتے۔ ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے اہم اُمور کی باگ ڈور ہے"

۱۸۔ تلوین اور تمکین ان میں سے "تلوین"(۲۷۸) اور "تمکین" بھی ہیں "تلوین" "ارباب احوال" کی صفت ہے اور "تمکین" اہلِ حقائق کی۔ جب تک صوفی راستہ میں رہتا ہے۔ صاحب تلوین کہلاتا ہے اس کے لئے وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بلند ہو جاتا ہے اور ایک وصف سے دوسرے وصف کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے اور اپنے کوچ کرنے کی جگہ سے نکل کر اپنے مقام پر آتا ہے اور جب اپنے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کو تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔

مَا زِلْتُ أَنْزِلُ فِي وِدَادِكَ مَنْزِلًا   تَتَحَيَّرُ الْأَلْبَابُ دُونَ نُزُولِهِ

"میں تمہاری محبت کی منزل پر اترتا رہا۔ جب کہ اوروں کی عقلیں وہاں اترنے سے پہلے ہی حیران ہو جاتی ہیں۔" صاحب تلوین، ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے۔ اور "صاحب تمکین" کا اپنے مقام تک پہنچنے کے بعد اتصال ہو جاتا ہے۔ اس کے اتصال کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے ہمہ تن غافل رہتا ہے۔

ایک شخص کا قول ہے کہ طالب طریقت کا سفر اس وقت ختم ہوتا ہے جب وہ اپنی ذات کو پالے اور جب اس نے اپنی ذات کو پالیا۔ تو وہ اپنے مقام پر پہنچ گیا۔

استادؒ فرماتے ہیں۔ اس شیخ کا مقصد یہ ہے کہ طالب طریقت سے احکام بشریت دور ہوجاتے ہیں اور حقیقت کا تسلط اس پر غالب آجاتا ہے۔ جس بندہ کے لئے یہ حالت دائم رہتی ہے وہ صاحب تمکین کہلاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحب تمکین تھے

شیخ ابوعلی دقاق فرماتے ہیں کہ موسےٰ علیہ السّلام "صاحب تلوین" تھے۔

اسلئے انہوں نے کلام سننے سے رجوع کیا اور انہیں اپنے چہرہ کو چھپانے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ ان پر اس حالت کا اثر ہوا۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم "صاحب تمکین" تھے۔ جیسے تشریف لے گئے۔ ویسے ہی واپس آگئے۔ اسلئے کہ جو مشاھدات آنحضرت صلیّ اللہ علیہ وسلم نے اس رات کئے۔ ان کا آپ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ابوعلی دقاق رحمہ اللہ یوسف علیہ السّلام کے واقعہ کو بطور شہادت پیش کرتے تھے۔ جن عورتوں نے یوسف علیہ السّلام کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کا مشاہدہ اچانک کیا تھا اور عزیز مصر کی بیوی زلیخا کی آزمائش ان عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھی۔ اس کے باوجود اس دن زلیخا میں بال بھر تغیر نہ پیدا ہوا۔ اسلئے کہ یوسف علیہ السلامؑ کے معاملہ میں وہ صاحب تمکین تھی۔

استادؒ فرماتے ہیں۔ یاد رکھیں جو امور بندے پر وارد ہوتے ہیں انکی وجہ سے تغیر کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ وارد کا قوی ہونا یا صاحب حال کا کمزور ہونا۔ اسی طرح سکون کی بھی دو صورتیں ہیں یا خود قوی ہوگا۔ یا وارد کمزور ہوگا۔

میں نے استاد ابوعلیؒ دقاق کو فرماتے سنا کہ تمکین کے دائم رہنے کے جواز میں قوم کے اصول کی دو ہی توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ بات ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنظلہ کے جواب میں فرمایا۔ لَوْ بَقِيتُمْ عَلَى مَا كُنْتُمْ عَلَيْهِ عِنْدِي لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ "جس حالت میں تم میرے پاس ہوتے ہو۔ اگر تم اسی حالت پر رہتے۔ تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔" آنحضرت صلیّ اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لِيْ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِيْ فِيهِ غَيْرُ رَبِّيْ "مجھ پر ایک خاص وقت ایسا آتا ہے جس میں میرے رب کے سوا کوئی دوسرا اس میں سما نہیں سکتا۔ یہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مخصوص وقت کا پتہ بتایا ہے

استادؒ فرماتے ہیں کہ دوسری صورت یہ ہے کہ ان احوال کا دائم رہنا جائز ہے۔ کیونکہ اہل حقائق ان واردات (طوارق) کے اثر قبول کرنے سے بالا ہیں اور حدیث میں جو آیا ہے" لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ"

یہاں آپ نے اسے کسی ناممکن بات پر موقوف قرار نہیں دیا، فرشتوں کا مصافحہ کرنا، تو اس سے بھی کم درجہ کا ہے۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبتدیوں کے لئے قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے۔ اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا یَصْنَعُ "فرشتے طالب علم کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس کے کام سے خوش ہوتے ہیں۔" اب رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "لی وَقْتٌ" اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سامع کی سمجھ کے مطابق فرمائے ہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام احوال میں حقیقت کے ساتھ قائم تھے۔ یوں کہنا بہتر ہوگا کہ جب تک بندہ ترقی کرتا رہتا ہے۔ وہ "صاحبِ تلوین" ہے۔ اس کے حق میں کہا جاسکتا ہے کہ اس کے احوال میں کمی یا بیشی ہے۔ مگر جب احکامِ بشریت کے پیچھے ہٹ جانے سے بندہ کا وصل حق کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اُسے اُس بات کی قدرت عطا فرما دیتا ہے کہ وہ ان اشیا کی طرف نہ لوٹے جن پر نفس کا اعتماد ہے۔ لہٰذا وہ اپنے مقام اور استحقاق کے مطابق اپنے حال پر متمکن ہوتا ہے۔ ہر لحظہ جو تحفے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے حاصل ہوتے ہیں۔ اُن کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں۔ لہٰذا بندہ زیادتی کے وقت متلون ہوتا ہے۔ یعنی ایک رنگ پر قائم نہیں رہتا۔ بلکہ رنگ بدلتا رہتا ہے۔ مگر اپنی اصلی حالت پر متمکن لہٰذا ہمیشہ کے لئے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنی پہلی حالت کے مقابلہ میں ایک بلند تر حالت پر متمکن ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ اس سے اوپر والی حالت میں ترقی کر جاتا ہے۔ کیونکہ ہر جنس میں حق سبحانہٗ کی قدرت غیر محدود ہے۔

اب رہا وہ شخص جو اپنے شاہد سے بالکل منقطع ہو چکا ہو اور اس میں تمام احساسات مفقود ہو چکے ہوں۔ تو یاد رکھنا چاہیئے کہ یقیناً بشریت کی ایک حد ہے۔ لہٰذا جب بشر اپنے تمام اُمور یعنی اپنی ذات اور حس سے الگ ہو چکا ہو تمام موجودات سے غافل ہو چکا ہو۔ پھر یہ حالت ہمیشہ رہے تو اس قسم کا شخص حالت محو میں ہے۔ نہ اس کے لئے تمکین ہے۔ نہ تلوین، نہ مقام اور نہ حال، اور جب تک وہ اس حالت میں ہوگا اُسے کوئی شرف حاصل ہوگا۔ نہ اس پر کسی قسم کے احکام نافذ ہوں گے۔ ہاں البتہ اگر اسے اپنے نفس اور احساس کی طرف لوٹا دیا جائے، اور اُن امور کی طرف پھیر دیا جائے۔ جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر جاری ہوتے ہیں اور جن میں اس کا اپنا اختیار نہیں ہوتا۔ اس قسم کا شخص مخلوق کے خیال میں تصرف کرنے والا ہوتا ہے حالانکہ درحقیقت اسے اپنے احوال کی طرف

لوٹا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ (سورۃ کہف)

(تم انہیں بیدار سمجھتے ہو۔ حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔ ہم انہیں دائیں بائیں پلٹتے ہیں)

وباللہ التوفیق۔

۱۹۔ قرب وبُعد

ان الفاظ میں سے "قرب"[۲۸۰] اور بعد بھی ہیں۔ قرب کا سب سے پہلا رتبہ اللہ کی اطاعت کے قریب ہونے اور ہر وقت اس کی عبادت کرنے کی صفت سے موصوف ہونے کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور اس کی اطاعت سے علیٰحدہ رہنے کی گندگی سے آلودہ ہونے کا نام "بعد" ہے بعد کا پہلا مرحلہ اللہ کی توفیق سے دور ہونے کا ہے پھر "تحقیق سے بعد" کا مرتبہ آتا ہے۔ بلکہ دراصل توفیق ایزدی سے دوری کا نام ہی "بعد عن التحقیق" ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ الْمُتَقَرِّبُونَ بِمِثْلِ أَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِمْ وَلَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى يُحِبَّنِي وَأُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ لَهُ سَمْعًا فَبِي يُبْصِرُ وَبِي يَسْمَعُ۔ الخبر۔

"میرا قرب حاصل کرنے کی خواہش کرنے والے کسی بات سے بھی اس قدر قرب حاصل نہیں کر سکتے جس قدر وہ فرضوں کے ادا کرنے سے حاصل کر سکتے ہیں۔ بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا جاتا ہے۔ تا آنکہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگ جاتا ہے اور میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہوں۔ لہٰذا میرے ہی ذریعے وہ دیکھتا ہے اور سنتا ہے۔ (الحدیث)

لہٰذا سب سے پہلے بندہ کا قرب بندے کے ایمان اور تصدیق سے ہوتا ہے اس کے بعد احسان اور تحقیق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا بندہ سے قریب ہونا اس طرح ہے کہ اس زندگی میں اللہ تعالیٰ اسے عرفان کے ساتھ خاص کرتا ہے اور آخرت میں اسے شہود وعیاں کی عزت عطا فرماتا ہے۔ اور درمیانی عرصہ میں طرح طرح کے لطف واحسان سے مالامال کرتا ہے۔

بندہ کے اللہ سے قریب ہونے کا صرف ایک طریقہ ہے کہ وہ مخلوق سے دور رہے۔ مخلوق۔

دُور رہنا ظاہری طور پر دُوری مطلوب نہیں۔
چنانچہ حق سبحانہ، کا قرب علم اور قدرت کے ساتھ تمام مخلوق کے لئے عام ہے اور لطف و نصرت کے ساتھ قریب ہونا مومنین کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں)
نیز فرمایا۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْکُمْ (ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہیں،
نیز فرمایا۔ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ (تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے)
نیز فرمایا۔ مَایَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ۔ جہاں کہیں تین آدمی سرگوشی کرتے ہوں وہاں چوتھا اللہ ہے۔
جس کو تحقیقی طور پر معلوم ہوجائے۔ کہ اللہ اسکے قریب ہے تو یہ کمترین درجہ ہے کہ وہ ہر دم اور ہر وقت اللہ کیطرف نظر رکھے۔ کیونکہ اللہ ہی اسکے تقویٰ کا نگہبان ہے پھر حفاظت اور وفا کا پھر حیاء کا اسی ضمن میں یہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں

۱ کَاَنَّ رَقِیْبًا مِنْکَ یَرْعٰی خَوَاطِرِیْ وَاٰخِرُ یَرْعٰی نَاظِرِیْ وَلِسَانِیْ
۲ فَمَا رَمَقَتْ عَیْنَایَ بَعْدَکَ مَنْظَرًا یَسُوْءُکَ اِلَّا قُلْتُ قَدْ رَمَقَانِیْ
۳ وَلَا بَدَرَتْ مِنْ فِیَّ دُوْنَکَ لَفْظَةٌ لِغَیْرِکَ اِلَّا قُلْتُ قَدْ سَمِعَانِیْ
۴ وَلَا خَطَرَتْ فِی السِّرِّ بَعْدَکَ خَطْرَةٌ لِغَیْرِکَ اِلَّا عَرَّجَا بِعِنَانِیْ
۵ وَاِخْوَانِ صِدْقٍ قَدْ سَئِمْتُ حَدِیْثَھُمْ وَاَمْسَکْتُ عَنْھُمْ نَاظِرِیْ وَلِسَانِیْ
۶ وَمَا الزُّھْدُ اَسْلٰی عَنْھُمْ غَیْرَ اَنَّنِیْ وَجَدْتُکَ مَشْھُوْدِیْ بِکُلِّ زَمَانٖ

۱ "اے محبوب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری طرف سے مقرر کردہ پاسبان میرے خیالات کو تاکتا رہتا ہے اور دوسرا پاسبان میری نگاہ اور زبان کو تاڑتا ہے۔
۲ تمہارے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے بعد جب میری آنکھیں کسی ایسے منظر پر پڑتی ہیں جو تجھے بُرا معلوم ہو تو میں کہہ اُٹھتا ہوں کہ دونوں نے مجھے تاڑ لیا ہے۔
۳ اور جب غیر کے لئے تمہارے نزدیک کوئی کلمہ میرے منہ سے اچانک نکلتا ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ ان دونوں نے میری زبان کے اس لفظ کو سُن لیا۔
۴ اور تمہارے بعد جب کسی اور کا خیال آتا ہے۔ تو وہ دونوں میری باگ ڈور موڑ لیتے ہیں۔

۵ بہت سے مخلص دوست ہیں جنکی کی باتوں سے اکتا گیا ہوں۔ اور میں نے اپنی نگاہ اور زبان ان سے روک رکھی ہے

۶ "میری توجہ ان سے زہد کی وجہ سے نہیں ہٹی۔ دراصل بات یہ ہے کہ تجھے ہر جگہ اپنے پاس موجود پاتا ہوں۔"

ایک شیخ کی اپنے ایک مرید پر عنایت تھی۔ دوسرے مریدوں نے اس کے متعلق عرض کی تو شیخ نے ہر ایک کو ایک پرندہ دیا اور فرمایا۔ اسے ایسی جگہ پر ذبح کرو۔ جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھے۔ ہر ایک اپنا پرندہ لے گیا۔ اور اپنے اپنے پرندے کو تنہائی میں ذبح کر ڈالا۔ مگر اس کا خاص مرید جب آیا تو اس کے پاس پرندہ زندہ تھا۔ شیخ نے ذبح نہ کرنے کا سبب دریافت کیا تو عرض کی، جناب آپ نے مجھے اسے ایسی جگہ ذبح کرنے کو کہا تھا جہاں کوئی نہ دیکھے۔ مگر مجھے کوئی ایسی جگہ نہ ملی جہاں حق سبحانہ اسے نہ دیکھ سکے اس پر شیخ نے دوسرے مریدوں سے کہا۔

اسی لئے میں اس کو تم سب پر فوقیت دیتا ہوں۔ کیونکہ تم پر مخلوق کی باتوں کا غلبہ ہے۔ مگر یہ شخص حق سبحانہ، وتعالیٰ سے غافل نہیں ہے۔

قُرب پر نگاہ رکھنا قرب سے حجاب کا سبب ہوتا ہے۔ چنانچہ جس شخص نے اپنے مقام یا اپنے نفس کا مشاہدہ کیا۔ اُسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے ساتھ مکر ہو رہا ہے۔ اسی لئے صوفیا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے قرب سے وحشت ناک کرے۔ یعنی اس قُرب کو دیکھنے سے اس پر وحشت طاری ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے قُرب سے اُنس محسوس کرنا اس بات کی علامت ہے کہ بندہ اس قرب سے دھوکا کھائے ہوئے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے اُنس سے ماورا ہے اور حقیقت کے مقامات میں وحشت اور محویت طاری ہوتی ہے یہ شعر اس مفہوم کے قریب ہے۔

محنتی فیک انی ما اُبالی بمحنتی
قربکم مثل بُعدکم فمتیٰ وقت راحتی

تمہارے لئے میرا رنج وتکلیف اٹھانا یہ ہے کہ میں اپنی محنت کی پرواہ نہ کرتا۔"

تمہارا "قرب" اور "بعد" میرے لئے یکساں ہے لہٰذا میری راحت کا وقت کب آئیگا۔ استاد ابوعلی دقاق اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

وِدَادُکُمْ ھَجْرٌ وَحُبُّکُمْ قِلًی وَقُربُکُمْ بُعْدٌ وسلمکُمْ حَرْبٌ

تمہاری دوستی میرے لئے جدائی ہے اور تمہاری محبت دشمنی۔ تمہارا قُرب بُعد ہے۔ اور صلح جنگ

ابوالحسنؒ نوری نے ابوحمزہ کے ایک مرید کو دیکھ کر کہا۔ کیا تو ابوحمزہ کے مریدوں میں سے ہے۔ جو قرب کی طرف اشارہ کرتا ہے؟ جب تیری ان سے ملاقات ہو تو کہنا ابوالحسنؒ نوری آپ کو سلام عرض کرتا ہے اور کہتا ہے جس مقام میں ہمارا کلام ہو رہا ہے اس میں قرب القرب (قریب سے قریب تر ہونا) بعد البعد (بعید سے بعید تر ہونا) ہے۔ اب رہا ذات کا قرب تو اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے کیونکہ وہ تو حدود و اطراف اور نہایت و مقدار سے پاک ہے۔ نہ کسی مخلوق کا کبھی اس سے اتصال ہوا اور نہ کوئی حادث اس سے الگ رہ سکا۔ اس لئے خدا کی ذات وصل و فصل قبول کرنے سے بلند و بالا ہے۔ قرب کئی طرح کا ہوتا ہے۔ ایک قرب تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں محال ہے اور یہ قرب، قربِ ذات ہے۔ اور دوسرا قرب وہ ہے جو صفاتِ باری تعالیٰ میں ضروری ہے اور یہ قرب قرب بالعلم والرؤیۃ ہے۔ تیسرا قرب وہ ہے جو اس کی صفت میں جائز ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس قرب سے نوازے۔ یہ قرب اللہ تعالیٰ کے فضل و لطف کا قرب ہے۔

۲۰۔ شریعت و حقیقت

ان الفاظ میں سے شریعت و حقیقت بھی ہیں۔ عبودیت پر قائم رہنے کا حکم دینا شریعت ہے اور حقیقت حق تعالیٰ کی ربوبیت کے مشاہدہ کا نام ہے۔ لہٰذا ہر وہ شریعت جس کی تائید حقیقت سے نہیں ہوتی۔ وہ غیر مقبول ہے اور ہر وہ حقیقت جو احکامِ شریعت سے مقید نہ ہو بے سود ہے۔ لہٰذا شریعت مخلوق کو مکلف بنانے کے لئے ہے اور حقیقت میں اس بات کی اطلاع دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں کس طرح تصرف کرتا ہے۔ لہٰذا شریعت اللہ کی بندگی کرنے کا نام ہے اور حقیقت اس کے مشاہدہ کرنے کو کہتے ہیں۔ شریعت میں احکام کی پابندی ضروری ہے اور حقیقت میں ان امور کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جن کا فیصلہ ہو چکا ہے جو تقدیر میں لکھی جا چکی ہیں اور جو مخفی ہیں یا جو ظاہر ہیں۔

میں نے استاد ابوعلیؒ دقاق کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اِیَّاکَ نَعْبُدُ شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں حقیقت کا اقرار ہے۔

یاد رکھیں کہ شریعت اس اعتبار سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے واجب ہوئی ہے۔ حقیقت ہے اور حقیقت شریعت ہے۔ اس اعتبار سے کہ معرفتِ الٰہی بھی حکم خداوندی سے واجب ہوئی ہے۔

۲۱۔ نفس ان الفاظ میں سے ایک لفظ نفس[۳۸۲] ہے۔ غیبی لطائف کے ذریعہ سے دلوں کو راحت دینے کا نام "نفس" ہے۔ اور صاحب انفاس، صاحبِ احوال کے مقابلہ میں زیادہ لطیف اور زیادہ صاف ہوتے ہیں۔ چنانچہ صاحبِ وقت مبتدی ہے اور صاحبِ انفاس منتہی اور صاحب احوال کا درجہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ احوال تو واسطہ ہیں اور انفاس ترقی کی انتہا۔ اوقات اصحاب قلوب کے لئے ہیں احوال ارباب الارواح کے لئے اور انفاس اہل سرائر کے لئے۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ بہترین عبادت یہ ہے کہ اپنے انفاس کو اللہ سبحانہ کے ساتھ شمار کرے۔ نیز صوفیاء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کو پیدا کیا اور ان کو معرفت کی کان بنایا۔ اس سے آگے چل کر اسرار کو پیدا فرمایا اور ان کو مکان ومحلِ توحید قرار دیا۔ لہٰذا جو نفس اس اضطراری عالم کے اندر معرفت پر دلالت کرنے کے بغیر اور توحید کی طرف اشارہ کرنے کے بغیر حاصل ہو وہ مردہ ہے اور ایسے صاحب نفس سے باز پرس ہوگی۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا۔ عارف کا نفس سلامت نہیں رہتا۔ کیونکہ اس کے ساتھ کوئی آسانی نہیں برتی جاتی اور محب کے لئے نفس کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر اس کا نفس نہ ہو تو وہ طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے تباہ ہوجائے۔

۲۲۔ خواطر انہی الفاظ میں سے خواطر کا لفظ ہے[۳۸۳] خطر اس خطاب کو کہتے ہیں جو ضمیر پر وارد ہوتا ہے ان خواطر کا القاء کبھی فرشتہ کے ذریعہ ہوتا ہے اور کبھی شیطان کے ذریعہ سے۔ تیسری قسم حدیث النفس ہے۔ یہ بھی حق سبحانہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ جب القاء فرشتے کی طرف سے ہو تو ہوا جس کہلاتا ہے اور جب شیطان کی طرف سے ہو تو وسواس کہلاتا ہے اور جب حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے، اور اس کے القاء سے ہو تو یہ خاطر سچا ہوگا۔ اور یہ سب کچھ ایک قسم کا کلام ہوتا ہے۔

چنانچہ اگر یہ خاطر فرشتہ کی طرف سے ہو تو اس کی سچائی معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دیکھیں آیا یہ علم کے موافق ہے یا نہیں۔ اس لئے صوفیاء کہتے ہیں کہ ہر وہ خاطر جس کی گواہی ظاہر سے نہیں ملتی باطل ہے۔ اور اگر یہ شیطان کی طرف سے ہو تو بالعموم یہ خواہشات نفسانی کی تابعداری کی طرف دعوت دیتا ہے تکبر کا احساس دلاتا ہے۔ یا اس قسم کے نفسانی اوصاف کو بڑھاتا ہے۔ تمام مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص حرام کا مال کھاتا ہے وہ الہام اور وسواس میں فرق نہیں کر سکتا۔

میں نے شیخ ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ جس شخص کی خوراک معلوم ہو کہ حرام ہے وہ الہام اور وسواس

میں فرق نہیں کر سکتا اور جس شخص کے خواہشِ نفس سچے معاہدہ کی وجہ سے ساکن ہو گئے ہوں وہ اپنے مجاہدہ کے باعث اپنے دل کی باتیں کہے گا۔

تمام شیوخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفس کبھی سچ نہیں کہتا اور دل کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

بعض مشائخ فرماتے ہیں" تمہارا نفس سچ نہیں بولتا اور تمہارا دل جھوٹ نہیں بولتا۔ تم ہزار کوشش کرو تمہاری روح تم سے مخاطب نہیں ہوگی۔

حضرت جنیدؒ نے ہواجسِ نفس اور وساوس شیطانی میں یوں فرق کیا ہے۔ کہ نفس کسی بات کا مطالبہ کرتا ہے تو اصرار کرتا ہے۔ لہٰذا اپنا مطالبہ کرتا رہتا ہے۔ خواہ کچھ وقفہ کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اپنی مراد پالیتا ہے اور اپنا مقصود حاصل کر لیتا ہے۔ ہاں البتہ سچے دل سے مجاہدہ جاری رہے تو اصرار نہیں ہوتا پھر بھی نفس بار بار مطالبہ دہراتا رہتا ہے۔ اور جب شیطان کسی لغزش کی طرف دعوت دے اور تو اس کی مخالفت کرتے ہوئے اس کام کو چھوڑ دے تو شیطان کسی اور لغزش کا وسوسہ ڈال دے گا۔ اس لئے کہ اس کے نزدیک مخالفت خواہ کوئی بھی ہو۔ ایک جیسی ہے اور اس کا مقصد تو صرف اس قدر ہے کہ وہ کسی نہ کسی لغزش کی طرف دعوت دے کسی خاص لغزش کو مخصوص کر دینے میں اس کی کوئی غرض نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہر وہ خاطر جو فرشتہ کی طرف سے ہو۔ تو کبھی انسان اس کی مخالفت کرتا ہے اور کبھی موافقت، مگر جو خاطر حق سبحانہ کی طرف سے ہو۔ اس میں بندے سے مخالفت نہیں ہو سکتی۔

شیوخ نے خاطر ثانی پر بحث کی ہے کہ جب دونوں خاطر حق سبحانہ کی طرف سے ہوں تو آیا خاطر ثانی پہلے کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہو گا یا نہیں۔ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ پہلا خاطر ہی زیادہ قوی ہو گا۔ کیونکہ اگر پہلا خاطر باقی رہے گا تو بندہ تامل و غور کرنے کی طرف رجوع کرے گا۔ یہ بھی اس صورت میں کہ انسان کو علم ہو کہ وہ خاطر اللہ کی طرف سے ہے، کیونکہ پہلے کو چھوڑ دینا دوسرے کو کمزور کر دیتا ہے۔

ابنِ عطاؒ فرماتے ہیں کہ دوسرا زیادہ قوی ہو گا۔ اس لئے کہ پہلے کی وجہ سے اس کی قوت میں زیادتی ہوتی ہے۔

متاخرین میں سے ابو عبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں کہ دونوں خاطر یکساں ہیں اس لئے کہ دونوں حق سبحانہ کی طرف سے ہیں۔ لہٰذا ایک دوسرے پر کوئی فضیلت نہ ہو گی نیز یہ کہ دوسرے کی موجودگی میں پہلا خاطر باقی نہیں رہ سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آثار کے لئے بقاء نہیں ہے۔

۲۳۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین صوفیائے کے الفاظ میں سے "علم الیقین" "عین الیقین" اور "حق الیقین"[۳۰۳] بھی ہیں ان الفاظ سے مراد روشن و واضح علم ہ
عام عرف کے مطابق یقین وہ علم ہے جس میں کسی قسم کے شک کا دخل نہ ہو مگر یہ لفظ حق سبحانہ کی صفت میں
نہیں بولا جا سکتا۔ کیونکہ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کبھی نہیں ہوا۔ لہٰذا علم الیقین وہی یقین ہے اسی طرح عین الیقین
وہی نفس الیقین ہے اور حق الیقین نفس الیقین ہے۔

صوفیاء کی اصطلاح کے مطابق علم الیقین وہ علم ہے جس میں برہان و دلائل کی شرط پائی جائے اور عین الیقین
وہ جس میں وضاحت پائی جائے اور حق الیقین وہ علم ہے جس میں معائنہ یا ایسا علم پایا جائے جیسے انسان اپنی
سے دیکھ رہا ہو۔ لہٰذا "علم الیقین" ارباب عقول کا علم ہوتا ہے اور صاحب علم کا علم عین الیقین ہوتا ہے اور اصحاب
معرفت کا علم "حق الیقین" ہوتا ہے ان تمام کی وضاحت پر تحقیقی بحث کا مرجع وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دیا
تنبیہہ کے طور پر اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے

۲۴۔ وارد ان الفاظ میں سے لفظ وارد[۳۰۵] ہے۔ صوفیاء نے کلام میں واردات کا ذکر آتا ہے۔ "وارد"
اچھے خواطر ہیں جو انسان کے قصد و ارادہ کے بغیر دل میں محسوس ہوں۔ اسی طرح وہ امر
بھی "وارد" ہی کہلائیں گے جو خواطر کی قسم کے نہ ہوں۔ مزید براں بعض اوقات "وارد" حق کی طرف سے
ہے اور کبھی علم کی طرف سے۔ لہٰذا واردات خواطر سے زیادہ عام ہیں۔ کیونکہ خواطر ایک قسم کے خطاب کے سا
مختص ہیں یا ایسی بات سے مختص ہیں جس میں خطاب پایا جائے واردات کئی قسم کے ہیں۔ وارد خوشی، وار
وارد قبض اور وارد بسط وغیرہ۔

۲۵۔ شاھد ان الفاظ میں سے لفظ "شاھد" ہے۔ صوفیاء کے کلام میں "شاھد" کا لفظ اکثر آتا ہے۔ مثلاً یہ
کہتے ہیں۔ فلان يُشَاهِدُ العِلمَ وَفُلَانٌ يُشَاهِدُ الوَجدَ ۔ وَفُلَانَ يُشَاهِدُ الحَا
شاھد سے ان کی مراد وہ کیفیت ہے جو اس وقت انسان کے دل پر طاری ہو۔ بالفاظ دیگر وہ چیز جس کا
اکثر ذکر کرتا رہے خواہ وہ چیز غائب ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے لئے اس طرح ہو گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے
لہٰذا اگر علم غالب ہے تو علم کا مشاہدہ کرے گا اور اگر وجد غالب ہے تو وجد کا۔

شاھد کے اصل معنی حاضر کے ہیں۔ لہٰذا جو چیز تمہارے دل میں حاضر ہے وہ تمہارے لئے شاھد ہے
شبلی رحمۃ اللہ سے مشاہدہ کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا۔ ہم کہاں حق کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ بلکہ حق ہ

شاھد ہے۔ ان کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ ان کے دِل پر حق کا غلبہ ہے اور اس کا ذکر غالب ہے اور ذکر پیوستہ ان کے دل میں حاظر ہے۔ جس کا کسی مخلوق کے ساتھ قلبی تعلق ہو جائے تو اس کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ وہ اس کا شاھد ہے یعنی وہ اس کے دل میں حاضر ہے اس لئے کہ محبت کا تقاضا یہی ہے کہ محبوب کا ذکر ہمیشہ جاری ہے۔ اور اس کا عاشق پر غلبہ ہو۔

بعض لوگ اس کے اشتقاق میں بہت دُور نکل گئے ہیں۔ چنانچہ وہ "شاھد" لفظ شہادۃ سے مشتق بتاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس نے کسی شخص کا مطالعہ صفت جمال کے ساتھ کیا اور اس وقت اس کی بشریت اس سے ساقط ہو چکی ہے اور اس شخص کی موجودگی اسے اپنی حالت سے غافل نہیں کر دیتی اور نہ اس کی صحبت اس پر اثر انداز ہوتی ہے تو وہ شخص اس بات پر گواہ ہے کہ اس کا نفس حال فنا میں ہے جس شخص میں اس شخص کی موجودگی اثر انداز ہو تو وہ شخص اس بات کا گواہ ہے کہ اس کا حال "بقاء" میں ہے۔ اور احکام بشریت پر قائم ہے غرض یہ شہادت اس کے حق میں ہوگی یا اس کے خلاف اسی مفہوم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان محمول ہے۔ رَاَیْتُ رَبِّی لَیْلَۃَ الْمِعْرَاجِ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ میں نے معراج کی رات اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا۔ یعنی جو اچھی صورت اس رات میں نے دیکھی اس نے مجھے دیدارِ الٰہی سے غافل کر کے اپنی طرف نہیں کھینچا بلکہ میں نے مصور کا ہی اس صورت میں مشاہدہ کیا اور پیدا کرنے والے کو دیکھا۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد علمی طور پر رویت ہے نہ آنکھوں سے دیکھنا۔

۲۶۔ نفس

ان الفاظ میں سے لفظ نفس بھی ہے۔ لغت میں "نفس الشئ" سے مراد شئ کا وجود ہوتا ہے۔ اور صوفیاء کے ہاں مطلق نفس کہنے سے وجود مراد نہیں لیا جاتا۔ اور نہ ہی وہ ڈھانچہ مراد لیا جاتا ہے جو نفس کا موضوع ہے۔ نفس سے ان کی مراد بندے کے اوصاف ہیں۔ جن میں خامی پائی جاتی ہے۔ اور وہ اخلاق وافعال مراد لئے جاتے ہیں۔ جو مذموم ہیں۔ بندے کے وہ اوصاف جن میں کوئی علّت (خامی) پائی جائے دو قسم کے ہیں۔

وہ اوصاف جن کو اپنے اختیار سے حاصل کیا جائے۔ جیسے معصیت اور احکام شرع کی مخالفت، دوسرے اخلاق مذمومہ یہ قسم اپنی ذات میں مذموم ہوتی ہے۔ اگر بندہ کوشش کرے اور ان سے جنگ کرے تو متواتر عادت بنا لینے اور معاہدہ کے ذریعے اخلاق مذمومہ سے نجات پا لیتا ہے نفس کے احکام میں سے پہلی قسم وہ ہے جس کو قطعی طور پر حرام قرار دے کر منع کیا گیا ہے یا تنزیہی طور پر ان سے احتراز کرنے کو کہا گیا ہے۔۔۔

دوسری قسم میں ردی اور مذموم اخلاق ہیں۔ مختصر طور پہ یہی اس کی تعریف ہے اس کے بعد اس کی تفصیل آتی ہے۔ چنانچہ کبر، غضب، کینہ، حسد، سوء خلق اور عدم تحمل وغیرہ اخلاق مذمومہ ہیں۔ احکام نفس میں سے سخت و مشکل ترین یہ ہے کہ ان میں سے کسی خلق کو انسان اچھا سمجھے۔ یا قابلِ قدر خیال کرے۔ اس قسم کے خیال کو شرک خفی میں شمار کیا گیا ہے۔

نفس کو ترک کرنے اور اس کے خلاف کرنے کے ذریعہ نفس کا علاج کرنا زیادہ کامل ہے بمقابلہ اس کے کہ بھوک، پیاس، بیداری اور دیگر مجاہدات کا جن سے قوت گر جاتی ہے۔ نفس کو خوگر بنایا جائے حالانکہ ان امور یعنی بھوک وغیرہ کا شمار بھی ترک نفس میں کیا گیا ہے۔

(۳۸۶)
ممکن ہے کہ نفس ایک لطیف چیز ہو جسے اس جسم کے ڈھانچے کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔ یہی مذموم اخلاق کا محل ہے۔ جس طرح روح اس قالب کے اندر ایک لطیف شے ہے جو اخلاقِ محمودہ کا محل ہے یہ دونوں ایک دوسرے پر غالب آتے رہتے ہیں۔ اور سب کو ملا کر انسان نام رکھ دیا گیا ہے۔

بظاہر روح اور نفس کا اجسام لطیفہ میں ہونا بعینہ اس طرح ہے جس طرح ملائکہ اور شیاطین میں لطافت کی صفت پائی جاتی ہے۔ اور یہ کہنا درست ہے کہ آنکھ رویت کا محل ہے۔ کان سمع کا، ناک سونگھنے کا اور منہ ذائقہ کا، حالانکہ سمیع، بصیر، شام، اور ذائق سب انسان میں شامل اور متحد ہیں۔ اسی طرح اوصاف حمیدہ کا مقام قلب و روح ہے اور اوصافِ مذمومہ کا مقام نفس ہے۔ نفس اس تمام کا جزو ہے اور اسی طرح دل بھی ایک ہے۔ البتہ حکم اور نام کا اطلاق کل پر ہوتا ہے۔

۲۷۔ رُوح

ان الفاظ میں سے ایک لفظ رُوح بھی ہے۔ محققین اہلسنت میں ارواح کے متعلق بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ روح حیات ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اعیان (جسم) ہیں جنہیں ان جسم کے ڈھانچوں میں رکھ دیا گیا ہے۔

لطیفہ

اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ جب تک ارواح بدن میں ہوں۔ اس ڈھانچے میں حیات کو باقی رکھتا ہے۔ لہذا انسان اس حیات کی وجہ سے زندہ رہتا ہے۔ مگر ارواح تو اس ڈھانچے میں رکھی گئی ہیں اور وہ نیند کی حالت میں اوپر چڑھتی ہیں، بدن سے جدا ہوتی ہیں اور پھر آتی ہیں۔ انسان روح اور جسم دونوں سے مل کر بنتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ایک دوسرے پر مسلط کر رکھا ہے اور حشر دونوں کا ہوگا اور دونوں کو ثواب یا عذاب ہوگا۔ ارواح مخلوق ہیں جو لوگ ارواح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں وہ

ے غلطی پر ہیں۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ارواحِ اعیان (اجسام) لطیفہ ہیں۔

سِر

ان الفاظ میں ایک لفظ سِر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ارواح کی طرح یہ بھی ایک لطیف شے ہو
جسے دل میں رکھا گیا ہو صوفیاء کے اصول سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سِر مشاہدہ کا محل ہے
رح ارواح محبت کا مقام ہیں اور دل معارف کا محل ہے۔

صوفیاء کا قول ہے کہ سِر وہ ہے جس پر تو جھانک کر نظر ڈال سکے مگر سر السّر کی حق تعالیٰ کے سوا کسی
لاع نہیں۔ ان کے ہاں ان کے مقام اور مقتضائے اصول کے مطابق سِر روح سے زیادہ لطیف ہے
روح قلب سے اشرف ہے نیز کہا جاتا ہے کہ اسرار اغیار کی غلامی سے آزاد ہوتے ہیں خواہ وہ
ار ہوں یا اطلال۔

لفظ سِر کا اطلاق اس راز پر بھی ہوتا ہے جو بندے اور حق سبحانہ کے درمیان ہر حالت میں محفوظ اور
پہوا ہے۔ اس کے معنی پر یہ قول محمول کیا جاتا ہے "ہمارے راز انوکھے ہیں۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی
سیں آتے"۔

اسی طرح کا قول ہے "احرار کے سینے اسرار کی قبریں ہیں" نیز کہتے ہیں "اگر میرا تہمد میرے راز کو
نے تو البتہ اسے اتار پھینکوں۔ صوفیا کے مستعمل الفاظ کی یہ چند تشریحات ہیں اور ان کے بعض الفاظ
تعبیریں ہیں۔ جنہیں یہ لوگ انفرادی طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ہم نے مختصراً ان کا ذکر کر دیا۔

اب ہم ان مقامات کی تشریح کرتے ہیں۔ جو اربابِ سلوک کے لئے مدارج ہیں۔ اس کے بعد
انشاء اللہ کچھ احوال کی تشریح میں چند ابواب تحریر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آسان کرے۔

باب (۱)

توبہ (۳۸۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَتُوبُوا اِلَی اللّٰہِ جَمِیعًا۔ اَیُّہَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔" اے ایمان والو! تم سب کے سب اللہ کی طرف رجوع کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

مجھے ابوبکر محمد بن الحسین بن فورک نے بتایا کہ ان سے احمد بن محمود بن خراز (۳۸۸) نے کہا کہ ان سے محمد بن فضل بن (۳۸۹) جابر نے ان سے سعید بن عبداللہ نے بیان کیا ان سے احمد بن زکریا نے کہا کہ ان کے باپ نے کہا کہ انہوں نے انس بن مالک (۳۹۰) سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں فرماتے سنا۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ وَاِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا لَمْ یَضُرَّہٗ ذَنْبٌ (گناہ سے توبہ کرنے والے کی ایسی مثال ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت رکھتا ہے تو کوئی گناہ اسے ضرر نہیں پہنچاتا) اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ۔ (اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔) کسی نے عرض کیا۔ یارسولؐ! توبہ کی کیا علامت ہے تو فرمایا" ندامت۔"

علی بن احمد بن عبداللہ (۳۹۱) الاہوازی نے ابوالحسن بن عبید (۳۹۲) الصفار سے نقل کیا کہ ان سے محمد بن فضل بن جابر نے بیان کیا کہ ان سے حکم بن موسیٰ (۳۹۳) نے کہا کہ غسان بن عبید (۳۹۴) نے ابوعاتکہ طریف بن سلیمان سے نقل کیا کہ انس بن مالک نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ شَابٍّ تَائِبٍ۔" اللہ تعالیٰ کو نوجوان توبہ کرنے والے سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں۔" سالکین کے لئے توبہ پہلی منزل ہے اور طالبین کا پہلا مقام ہے۔

لفظ توبہ کی تشریح عربی زبان میں" توبہ" کے حقیقی معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی بات سے رجوع کرتا ہے تو کہتے ہیں" تاب" لہٰذا توبہ کے معنی یہ ہوئے کہ شریعت میں جو کچھ مذموم ہے اس سے لوٹ کر قابلِ تعریف شے کی طرف آجائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلنَّدَمُ التَّوبَۃُ۔ ندامت توبہ ہے۔

توبہ کی شرائط

اہلِ سنت کے اربابِ اصول کہتے ہیں کہ توبہ کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

(۱) جن امور میں شریعت کی مخالفت کی ہے ان پر ندامت کا اظہار کرنا۔

(۲) اپنی لغزش و غلطی کو فوراً ترک کر دینا۔

(۳) یہ ارادہ کرنا کہ جو گناہ اس نے کئے ہیں انہیں دوبارہ نہ کرے گا۔ لہذا توبہ کے درست ہونے کے لئے ان امور کا ہونا ضروری ہے۔

اعتراض اور اس کا جواب

اربابِ اصول فرماتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ النَّدَمُ التَّوبَۃُ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اہم جزو کی طرف اشارہ کر دیا۔ یعنیہٖ اسی طرح جس طرح فرمایا۔ اَلْحَجُّ عَرَفَۃُ۔ عرفہ ہی حج ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عرفہ میں قیام کرنا سب سے بڑا رکن ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرفہ میں ٹھہرنا ہی حج ہے اور بس۔ البتہ یہاں ٹھہرنا سب سے بڑا رکن ہے۔ اسی طرح یہ بھی فرمایا "ندامت ہی توبہ ہے" یعنی ندامت توبہ کا سب سے بڑا رکن ہے۔

بعض اہلِ تحقیق کہتے ہیں۔ کہ توبہ کے ثبوت کے لئے ندامت کافی ہے۔ کیونکہ دوسرے دو رکن ندامت کے تابع ہیں۔ اس لئے یہ بات ناممکن ہے کہ کسی کو ہم ایسی بات سے نادم فرض کر لیں جس پر وہ مصر ہے یا جس کے کرنے کا وہ عزم کر چکا ہے۔

یہ توبہ کی اجمالی تعریف ہے لیکن وضاحت اور تشریح کے اعتبار سے توبہ کے خاص اسباب خاص ترتیب اور کئی قسمیں ہیں۔

توبہ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو۔ اور وہ اپنی بُری حالت کو محسوس کرے اس مقام تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ خدا بندہ کو دل کے کانوں سے زجر و توبیخ سننے کی توفیق دے جو کچھ اس کے دل میں کھٹکتا ہو اسے محسوس کرے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔

وَاعِظُ اللّٰہِ فِیْ قَلْبِ کُلِّ اِمْرِیٍٔ مُسْلِمٍ (ہر مسلم کے دل میں اللہ کا واعظ ہوتا ہے) نیز حدیث میں آیا ہے۔ اِنَّ فِی الْبَدَنِ لَمُضْغَۃً اِذَا اَصْلَحَتْ صَلَحَ جَمِیْعُ الْجَسَدِ وَاِذَا اَفْسَدَتْ فَسَدَ جَمِیْعُ الْبَدَنِ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ (بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کہ جس کے درست ہونے سے تمام جسم درست ہو جاتا ہے اور اس کے خراب ہونے سے تمام بدن خراب ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو یہ ٹکڑا دل ہے۔

لہٰذا جب انسان اپنے دل میں اپنے بُرے اعمال پر غور کرتا ہے۔ اور ان بُرے افعال کو جن کو وہ کرتا ہے۔ دیکھتا ہے۔ تو اس کے دل میں توبہ کا ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کو اپنے بُرے اعمال سے باز آنے کا خیال آتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے ارادہ کو پاکر اس کی مدد فرماتا ہے اور وہ اچھے طریقے سے بُرے اعمال سے باز آنے کی ابتداء کرتا ہے تو توبہ کے اسباب کی تیاری شروع کر دیتا ہے۔ توبہ کے اسباب پر عمل کی ابتداء بُرے دوستوں کی مجلس سے الگ رہنے سے ہوتی ہے۔ کیونکہ وہی اسے اس ارادہ کو ترک کرنے پر اُکساتے ہیں اور اس ارادہ کے صحیح ہونے میں شکوک پیدا کرتے ہیں۔ اس کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب وہ اس مشاہدہ پر مداومت کرے۔ جو توبہ کرنے کی رغبت میں اضافہ کرتا ہے۔ اور جس بات کا اس نے عزم کیا ہے اس کے پورا کرنے کے لئے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن سے اس کے خوف اور رجاء کو قوت حاصل ہوتی ہے، تب کہیں اس کے دل سے بُرے اعمال پر اصرار کرنے کی گرہ کھلتی ہے۔ اور ممنوع امور کو کرنے سے رُک جاتا ہے۔ اور شہوات کی تابعداری کرنے سے اپنے نفس کی لگام کو کھینچ لیتا ہے۔ وہ فوراً اپنی غلطی کو ترک کر دیتا ہے۔ اگر وہ اپنے ارادہ کے مطابق چلا اور اپنے عزم کے مطابق کام کیا تو گویا صحیح معنوں میں توفیق ایزدی کے قابل ہوا۔ اگر اس نے کئی بار توبہ توڑی اور اپنے ارادہ کو از سرِ نو توبہ کرنے پر مجبور کیا۔ تو بسا اوقات ایسا بھی ہوا کرتا ہے۔ پھر اس قسم کے لوگوں کے توبہ کرنے سے مایوس نہیں ہونا چاہئیے کیونکہ ہر بات کے لئے مقررہ وقت ہے۔

ابو سلیمانؒ دارانی کی توبہ کا واقعہ

ابو سلیمانؒ دارانی سے حکایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک قصہ خواں کی مجلس میں جایا کرتا تھا۔ اس کے کلام کا میرے دل پر اثر ہوا۔ مگر مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا تو میرے دل پر کوئی اثر نہ رہا۔ میں دوبارہ اس کی مجلس میں گیا اور اس کا کلام سنا تو میرے دل پر اس کا اثر راستہ بھر رہا۔ مگر پھر زائل ہو گیا۔ تیسری بار پھر گیا تو اس کا اثر میرے دل پر گھر پہنچنے تک رہا۔ چنانچہ میں نے مخالفت کے سارے آلات توڑ ڈالے اور طریقت کی راہ پر لگ گیا۔

اس کے بعد انہوں نے یحییٰ بن معاذ کو یہ حکایت سنائی تو فرمایا۔ ایک چڑیا نے کرکی (کونج) کا شکار کر لیا۔ چڑیا سے ان کی مراد قصہ خواں تھا۔ اور کرکی سے ابو سلیمانؒ دارانی۔

ابو حفص حدّادؒ سے حکایت کی جاتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کئی بار اپنا پیشہ چھوڑا مگر پھر وہی پیشہ کرنے لگ جاتا۔ آخر اس پیشہ نے مجھے چھوڑ دیا۔ جس کے بعد پھر میں نے وہ کام نہیں کیا۔

ابوعمرو بن نجید اور ابوعثمان

کہا جاتا ہے کہ ابوعمرو بن نجید ابتدا میں ابوعثمان کی مجلس میں آیا کرتے تھے ان کے کلام کا ان کے دل پر اثر ہوا۔ اور ابوعمرو نے توبہ کر لی۔ پھر ان سے سستی ہو گئی۔ اب جب ابوعثمانؒ کو دیکھتے تو دُور بھاگتے۔ اور ان کی مجلس میں بھی نہ جاتے۔ ایک بار ابوعثمان سامنے سے آنکلے۔ ابوعمرو راستہ سے ہٹ کر دوسرے راستہ پر ہو لئے۔ ابوعثمانؒ نے ان کا پیچھا کیا وہ ان کے پیچھے چلتے رہے یہاں تک کہ ان کو پا لیا۔ کہا بیٹا۔ جو شخص تجھ سے صرف اس صورت میں محبت کرتا ہے جب تو معصوم ہو تو ان کی صحبت میں نہ رہ۔ ابوعثمان تجھے اسی حالت میں نفع پہنچا سکتا ہے راوی کہتا ہے کہ ابوعمرو بن نجید نے توبہ کی اور ان کے مرید ہو گئے۔ اور اس پر قائم رہے۔

ایک اور مرید کا واقعہ

مَیں نے اپنے شیخ ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ ایک مرید نے توبہ کی مگر اس سے سستی ہو گئی۔ ایک دن وہ سوچ رہا تھا کہ اگر دوبارہ توبہ کرے گا تو اس کا کیا حکم ہو گا۔ اس پر غیب سے ندا آئی۔ تم نے ہماری اطاعت کی تو ہم نے شکریہ ادا کیا تو نے ہمیں چھوڑ دیا تو ہم نے تمہیں مہلت دی۔ پھر لوٹ آؤ گے تو ہم تجھے قبول کر لیں گے۔ مرید پھر ارادتمندی کی طرف لوٹ آیا اور اس بات پر ثابت قدم رہا۔

لہٰذا جب انسان معصیت کو ترک کر کے اپنے دل سے اصرار کی گرہ کو کھول دیتا ہے اور پھر یہ ارادہ کر لیتا ہے کہ وہ پھر ایسا کام نہ کرے گا تب کہیں اسکے دل پر خالص ندامت طاری ہوتی ہے اور وہ اپنے کئے پر افسوس کرتا ہے اور اپنے اعمال اور بُرے افعال کے مرتکب ہونے پر نادم ہوتا ہے اس اس طرح اس کی توبہ مکمل ہوتی ہے۔ اور اس کا مجاہدہ صحیح ہوتا ہے اور لوگوں سے میل جول رکھنے کی بجائے ان سے علیٰحدگی اختیار کرنے لگ جاتا ہے اور بُرے دوستوں کی صحبت میں بیٹھنے کی بجائے وہ ان سے متنفر ہو کر خلوت میں رہنا پسند کرتا ہے۔ وہ دن رات افسوس کرتا رہتا ہے اور اکثر اوقات سچے دل سے نادم و شرمسار رہتا ہے۔ وہ اپنے آنسوؤں کی بارش سے اپنی لغزش کے نشانات مٹاتا ہے۔ اور اچھی توبہ کے ذریعہ وہ اپنے گناہوں کے زخموں کا علاج کرتا ہے۔ اپنے ہم جنسوں کے درمیان اپنے گناہوں کی وجہ سے مشہور ہوتا ہے اور اس کی لاغری کے ذریعہ اس کی حالت کی درستی کا پتہ چلتا ہے۔

توبہ کی تکمیل

انسان کی توبہ کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک وہ اپنے مخالفوں کو راضی نہیں کرتا کیونکہ توبہ کی پہلی منزل یہی ہے کہ اپنے مظلوموں کو جس طرح بھی ہو راضی کرے۔ اگر اس کے پاس

اس قدر دولت ہو کہ وہ ان کے حقوق ادا کر سکے تو بہتر ہے کہ ادا کر دے یا وہ لوگ خود اپنی خوشی سے معاف یا بری کر دیں۔ تو خوب ہے ورنہ اسے چاہیئے کہ وہ دل سے عزم کرے کہ جب بھی ممکن ہو سکے گا وہ ان کے حقوق ادا کر دے گا۔ اور وہ سچے دل سے عجز و انکساری کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرے۔ اور ان کے لئے دعا کرے۔

تائبین کے صفات و حالات

توبہ کرنے والوں کی چند صفات و حالات ہیں جو ان کے خصائل میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا شمار توبہ میں اس لئے کیا جاتا ہے کہ یہ ان کی صفات میں سے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ یہ امور توبہ کے سچے ہونے کے لئے شرائط ہیں۔ توبہ کے اسی مفہوم کی طرف شیوخ کے اقوال اشارہ کرتے ہیں۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ توبہ کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل توبہ۔ دوم انابہ اور سوم اوبہ اس تقسیم میں توبہ کو ابتدائی مقام حاصل ہے اور اوبہ کو آخری اور انابہ کو درمیانی۔ جس شخص نے سزا کے خوف سے رجوع کیا تو اسے "توبہ" کہتے ہیں۔ جس نے ثواب کی لالچ کی وجہ سے توبہ کی اس کو "انابہ" اور جس نے حکم کی پابندی کے خیال سے توبہ کی نہ تو ثواب کی خواہش کی نہ سزا سے خائف ہوا۔ تو اس کو "اوبہ" کہتے ہیں۔

یوں بھی کہا جاتا ہے کہ توبہ مومنین کی صفت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتُوبُوا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ۔ اے مومنو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو۔ انابت اولیاء اور مقربین کی صفت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ اور اَوْبہ نبیوں اور رسولوں کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے کہ انہوں نے منصور بن عبداللہ سے سنا۔ وہ کہتے تھے جعفر بن نصیر نے کہا میں نے جنیدؒ کو فرماتے ہوئے سنا۔ توبہ کے تین معنی ہیں۔ ایک ندامت، دوسرا یہ ارادہ کہ وہ دوبارہ ان باتوں کی طرف نہ لوٹے گا۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ تیسرے لوگوں سے زبردستی لی ہوئی چیزوں کو واپس کرنا۔"

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ لیت و لعل کو ترک کرنے کا نام توبہ ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ابو عبداللہ[۳۹] القرشی سے سنا انہوں نے کہا کہ حضرت جنیدؒ فرماتے تھے کہ ایک دن میں سری کے پاس گیا تو ان کی حالت بدلی ہوئی دیکھی۔ میں نے عرض

کیا۔ کیا بات ہے؟ فرمایا۔ ایک نوجوان نے آکر مجھ سے توبہ کے متعلق سوال کیا۔ تو میں نے اُسے کہا۔ توبہ یہ ہے تو اپنے گناہ کو نہ بھولے۔ اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ بلکہ توبہ تو یہ ہے۔ تو گناہ کو بھول جائے۔ میں نے عرض کیا۔ میرے نزدیک درحقیقت وہی بات ہے۔ جو نوجوان نے کہی۔ انہوں نے فرمایا۔ کیوں؟ میں نے کہا اس لئے کہ جب میں جفا کی حالت میں ہوں اور وہ مجھے منتقل کرکے وفا کی حالت میں لے آئے تو صفائی کی حالت میں جفا کا ذکر کرنا جفا ہوگی۔ اس پر سری خاموش ہو گئے۔

میں نے ابوحاتم السجستانی سے سنا۔ انہوں نے کہا ابونصر السراج فرماتے ہیں کہ کسی نے سہل بن عبداللہ سے توبہ کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا۔ توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہ کو بھول جائے۔

ابونصر سراج فرماتے ہیں کہ سہل کا اشارہ مریدین اور معترضین کے احوال کی طرف ہے کیونکہ (کبھی یہ (حالات) ان کے حق میں ہوتے ہیں اور کبھی ان کے خلاف۔ مگر جنیدؒ کا ارشاد محققین کی توبہ کی طرف ہے۔ کیونکہ وہ اپنے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور دائمی ذکر کے غلبہ کی وجہ سے اپنے گناہوں کو یاد نہیں کرتے۔ پھر فرمایا۔ کہ یہ جواب اسی قسم کا ہے جس قسم کا "رویم" نے دیا تھا۔ جب ان سے توبہ کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا توبہ سے تائب ہونے کا نام توبہ ہے۔

ذوالنون مصری سے توبہ کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا۔ عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی غفلت سے۔

نوریؒ فرماتے ہیں کہ توبہ یہ ہے کہ تو اللہ کے سوا ہر چیز سے توبہ کرلے۔

میں نے محمد بن احمد بن محمدؒ صوفی سے سنا۔ انہوں نے کہا میں نے عبداللہ بن علی تمیمی کو یوں فرماتے سنا۔ ان تین شخصوں کی توبہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک وہ جو اپنی لغزشوں سے توبہ کرتا ہے۔ دوسرے وہ جو غفلتوں سے توبہ کرتا ہے۔ اور تیسرے جو اپنی نیکیوں کو دیکھنے سے توبہ کرتا ہے۔

واسطیؒ فرماتے ہیں کہ خلوص والی توبہ، توبہ کرنے والے پر معصیت کا کوئی نشان باقی نہیں چھوڑتی۔ نہ باطن میں نہ ظاہر میں۔ اور جس کی توبہ خالص ہو۔ اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ صبح کیسے گذاری اور شام کیسے۔

میں نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے محمد بن ابراہیم بن فضل ہاشمی سے سنا کہ انہوں نے کہا کہ محمد بن رومی فرماتے تھے۔ میں نے یحییٰ بن معاذ کو یوں فرماتے سنا۔

خدایا! میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے توبہ کی ہے اور میں پھر ایسا نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں اپنے اخلاق کو جانتا

ہوں۔ میں گناہوں کو ترک کرنے کی ضمانت نہیں دیتا۔ اس لئے کہ مجھے اپنی کمزوری معلوم ہے۔ میں پھر بھی یہ کہتا ہوں کہ آئندہ ایسا گناہ نہ کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ میں دوبارہ ایسے گناہ سے پہلے مر جاؤں۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں۔ گناہ سے باز آنے کے بغیر توبہ کرنا کذاب لوگوں کی توبہ ہے۔ میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ فرماتے تھے کہ نصر آبادی کو کہتے سنا کہ ابن یزدانیار سے ایک شخص نے سوال کیا کہ کوئی انسان اللہ کی طرف نکل آئے تو کن اصولوں پر کار فرما ہو؟ فرمایا کہ اس اصول پر کہ جس گناہ سے وہ ایک بار نکل گیا ہے دوبارہ اس کی طرف نہ لوٹے گا اور جس کی طرف نکل گیا ہے اس کے سوا کسی اور کی پرواہ بھی نہیں کرے گا۔ اور جس چیز سے وہ بیزار ہوا۔ اس کی طرف اشارہ کرنے سے اپنے باطن کو محفوظ رکھے گا۔

اس پر کسی نے عرض کیا۔ حضور یہ تو اس شخص کا حکم ہے جو کسی وجودی چیز سے نکل کر جائے لیکن اگر عدم سے نکل کر آئے۔ تو فرمایا۔ ماضی میں گناہ کی کڑواہٹ پانے کے بدلے نئی چیز یعنی توبہ میں حلاوت پانا۔

بوشنجی سے کسی نے توبہ کی نسبت سوال کیا، تو فرمایا "جب تو گناہ کا ذکر کرے اور تجھے اس کے ذکر سے اس کی مٹھاس محسوس نہ ہو تو یہی توبہ ہے"

ذوالنونؒ فرماتے ہیں توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے تمہارے لئے اس قدر تنگ معلوم ہو کہ تجھے قرار حاصل نہ ہو۔ بلکہ تمہارا نفس بھی تمہارے لئے تنگ ہو جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۔

"ان کے نفس بھی ان کے لئے تنگ ہو گئے۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ سے بھاگ کر اللہ کے سوا کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ تا کہ وہ لوٹ آئیں"

ابن عطا فرماتے ہیں توبہ دو طرح کی ہے ایک توبہ "الانابہ" اور دوسری توبہ "الاستجابہ"۔ توبہ الانابہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی سزا کے خوف سے توبہ کرے اور توبہ الاستجابہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی بخشش سے حیا کے مارے توبہ کرے۔

کسی نے ابو حفص سے کہا کہ توبہ کرنے والا دنیا سے کیوں بغض رکھتا ہے؟

جواب دیا۔ اس لئے کہ دنیا وہ گھر ہے جس میں اس نے گناہ کیا ہے۔ سائل نے پھر پوچھا دنیا تو وہ گھر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ سے نوازا ہے۔

تو فرمایا اسے اپنے کرنے کا تو حتمی طور پر علم ہے مگر قبولِ توبہ کے متعلق کھٹکا ہے۔

واسطی کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے طرب انبساط، سرور اور اطاعت گذاری کی حلاوت نے انہیں ایسا کر دیا کہ وہ لمبے لمبے سانس بھرتے تھے اور وہ دوسری حالت یعنی غم کی حالت میں جبکہ انہوں نے اپنی حالت کو چھپا کر رکھا تھا۔ زیادہ مکمل تھے۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ کذابین کی توبہ اس کی زبان کی نوک پر ہوتی ہے۔ ان کی مراد استغفر اللہ کہنے سے ہے (یعنی وہ زبان سے توبہ یا استغفار کہتے رہتے ہیں مگر دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔)

کسی نے ابوحفصؒ سے توبہ کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا۔ توبہ میں بندہ کا کچھ دخل نہیں کیونکہ توبہ اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ نہ کہ بندہ کی طرف۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی " اے آدم! تیری اولاد تھکنے اور چور ہونے کی وارث ہوئی۔ اور تو نے انہیں توبہ کا وارث بنایا۔ لہٰذا جو شخص مجھے اس طرح پکارے گا جس طرح تو نے پکارا ہے میں اس کی پکار کا اسی طرح جواب دوں گا جس طرح میں نے تجھے دیا ہے۔ اے آدم! جب میں قبروں میں سے توبہ کرنے والوں کو اٹھاؤں گا تو وہ مجھ سے خوش ہوں گے اور ہنس رہے ہوں گے۔ ان کی دعا قبول کی گئی ہے۔

ایک شخص نے رابعہ سے کہا۔ میں نے بہت سے گناہ اور معاصی کئے ہیں اب اگر توبہ کروں تو کیا اللہ مجھے معاف کر دے گا۔ ؟

فرمایا۔ اصل معاملہ یوں نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تجھے معاف کر دے گا تب ہی تو توبہ کرے گا۔

یاد رکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ " بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاکی حاصل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے"۔ جس سے کوئی لغزش سرزد ہوتی ہے اسے اپنی غلطی کا یقین ہوتا ہے اور جب توبہ کرتا ہے تو توبہ کی مقبولیت کا شک رہتا ہے۔ بالخصوص جب کہ توبہ کے مقبول ہونے کی شرط اور حق یہ ہے کہ تائب اللہ تعالیٰ کی محبت کا مستحق ہو اور یہ بات بہت ہی مستبعد ہے کہ عاصی ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ وہ اپنے اوصاف میں ایسے علامات پائے جن سے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ لہٰذا بندہ جب کسی ایسی بات کا مرتکب ہوتا ہے جس سے توبہ کرنا ضروری ہے تو اس کے لئے یہی وجہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کے سامنے انکساری کرے اور اپنے گناہ سے

بے زاری کا اظہار اور استغفار کرنا ہے۔ چنانچہ صوفیا کا قول ہے۔ اِستشعارُ الوَجَلِ اِلیٰ الاَجَلِ "خوف کا احساس موت تک رہنا چاہیئے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُل اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُونِی یُحبِبکُمُ اللّٰہُ۔ اے نبی! انہیں فرما دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے۔ تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ہمیشہ استغفار کرتے رہتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اِنَّہُ لَیُغَانُ عَلیٰ قَلبِی فَاَستَغفِرُ اللّٰہَ فِی الیَومِ سَبعِینَ مَرَّۃً۔ (میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے تو میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں) میں نے ابوعبداللہ صوفی سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ الحسین[403] بن علی نے ان سے کہا کہ محمد بن احمد[404] نے ان سے کہا کہ عبداللہ بن سہل[405] نے بتایا کہ یحییٰ بن معاذ فرما رہے تھے کہ توبہ کے بعد کی لغزش توبہ سے پہلے کی ستر لغزشوں سے بدتر ہے۔ میں نے محمد بن الحسن سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ابوعبداللہ الرازی سے سنا کہ میں نے ابوعثمان سے سنا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کہ اِنَّ اِلَینَا اِیَابَہُم کی یوں تشریح فرمائی "خواہ یہ لوگ اللہ کی مخالفت میں کس قدر دور کیوں نہ چلے جائیں انہیں بالآخر ہماری طرف لوٹنا ہے"۔

علی بن عیسیٰ کا وزارت سے استعفیٰ

میں نے شیخ ابوعبداللہ بن سلمی سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے ابوبکر الرازی سے سنا۔ انہوں نے کہا ابوعمر الانماطی فرماتے تھے۔ ایک بار علی بن عیسیٰ[406] وزیر کی سواری بڑی دھوم دھام سے نکلی۔ غیر ملکی لوگ پوچھنے لگے کہ یہ کون ہے؟ ایک عورت راستہ میں کھڑی تھی کہنے لگی تم کب تک پوچھتے جاؤ گے۔ یہ کون ہے؟ اور پھر خود ہی کہا۔ ایک ایسا بندہ ہے جو اللہ کی نگاہ میں گر چکا ہے اسی لئے تو اللہ نے اسے اس مصیبت میں گرفتار کر رکھا ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔ یہ بات علی بن عیسیٰ نے سن لی۔ گھر لوٹ کر وزارت سے استعفیٰ دے دیا اور مکہ چلا گیا۔ اور وہیں رہنے لگا۔

باب ۲

مجاھدہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَہْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی۔ ہم انہیں اپنی راہ ضرور دکھائیں گے۔ اللہ ضرور نیک کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔) ابوالحسین علی بن احمد الاہوازی نے احمد بن عبید اللہ الصفار سے نقل کیا کہ عباس[۴۰۸] بن فضل اسقاطی نے کہا کہ ابن کاسب[۴۰۹] نے بیان کیا کہ ابن عیینہ[۴۱۰] نے علی بن[۴۱۱] زید سے روایت کی کہ ان سے ابونضرہ نے کہا کہ ابوسعید[۴۱۲] خدری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے افضل جہاد کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کَلِمَۃُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کا کلمہ کہنا۔) اس پر ابوسعید کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ جس شخص نے اپنے ظاہر کو "مجاہدہ" کے ساتھ مزین کر لیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو "مشاہدہ" کے ساتھ مزین کر دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَہْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ (جنہوں نے ہمارا راستہ میں کوشش کی۔ ہم ضرور ان کو اپنا راستہ دکھا دیں گے۔) یاد رکھیں کہ جو شخص ابتداء میں مجاہدہ نہیں کرتا۔ وہ اس طریقہ میں سے شمہ بھر بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

میں نے ابوعبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا۔ انہوں نے ابوعثمان مغربی کو یوں فرماتے سنا۔ جس شخص نے خیال کیا کہ مجاہدہ کے بغیر ہی طریقت کے کچھ اسرار اس پر کھل جائیں گے۔ یا کچھ امور اس پر واضح ہو جائیں گے تو وہ سراسر غلطی پر ہے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ جو شخص ابتداء میں درِ بارگاہ رب العزۃ میں کھڑا نہیں رہا۔ وہ آخر میں بیٹھنے کا حقدار بھی نہیں ہو سکتا۔

میں نے انہیں یوں بھی فرماتے ہوئے سنا ہے۔

لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ حرکت میں برکت ہوتی ہے۔ اسی لئے ظاہری حرکتیں باطنی برکت کا سبب بنتی ہیں۔

میں نے محمد الحسین سے سنا کہ انہوں نے کہا کہ ان سے احمد بن علی بن جعفر نے کہا کہ حسین بن علویہ نے کہا کہ ابویزید فرماتے ہیں کہ:

میں بارہ سال تک اپنے نفس کا لوہار رہا اور پانچ سال تک اپنے دل کا آئینہ رہا اور ایک سال میں ان دونوں کے درمیان دیکھتا رہا۔ دیکھا کہ میری کمر پر تو ظاہری زنار ہے اس پر میں نے بارہ سال اس زنار کو کاٹنے میں لگائے۔ میں نے پھر دیکھا تو میرے باطن میں زنار تھا۔ جس کے کاٹنے کے لئے میں پانچ سال عمل کرتا رہا۔ میں دیکھتا کہ اسے کیسے کاٹوں۔ بالآخر معاملہ واضح ہوگیا۔ میں نے مخلوق کی طرف دیکھا تو انہیں مردہ پایا۔ لہذا میں نے مخلوق پر (جنازہ کی) چار تکبیریں کہیں (یعنی مخلوق کو خیرباد کہا)

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہ انہوں نے کہا میں نے ابوالعباس بغدادی سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ جعفر نے ان سے کہا میں نے جنیدؒ سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے سری کو یوں فرماتے سنا۔

جوانو! میری عمر کو پہنچنے سے پہلے کوشش کر لو۔ ورنہ تم بھی اسی طرح کمزور ہو جاؤ گے اور کوتاہی کرنے لگ جاؤ۔ جس طرح میں کمزور ہو چکا ہوں۔ اور کوتاہی کرنے لگ گیا ہوں۔ حالانکہ اس وقت بھی کوئی جوان عبادت میں ان تک نہیں پہنچ سکتا تھا اور میں نے ان سے سنا فرماتے تھے کہ ابوبکر رازی نے کہا کہ عبدالعزیز(۴۱۵) البحرانی نے کہا کہ میں نے حسن قزاز کو یوں فرماتے سنا۔

تصوف کی بنیاد تین باتوں پر ہے۔

۱۔ صرف فاقہ کے وقت کھانا اور صرف نیند کے غلبہ کے وقت سونا (۳) اور ضرورت کے بغیر کلام کرنا۔

میں نے ان سے سنا کہتے تھے، منصور بن عبداللہ نے کہا کہ ان کو محمد بن حامد نے کہا کہ احمد بن خضرویہ نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم بن ادہم کو یوں فرماتے سنا۔

کوئی شخص اس وقت تک صالحین کا درجہ پا نہیں سکتا جب تک چھ گھاٹیاں طے نہ کرلے۔ پہلی گھاٹی یہ ہے کہ وہ ناز و نعمت کا دروازہ بند کر دے اور سختی کا دروازہ کھول دے۔

۲۔ عزت کا دروازہ بند کر دے اور ذلت کا دروازہ کھول دے۔

۳۔ آرام و راحت کا دروازہ بند کر دے اور کوشش کا دروازہ کھول دے۔

۴۔ نیند کا دروازہ بند کر دے اور بیداری کا دروازہ کھول دے۔

۵۔ مالداری کا دروازہ بند کر دے اور فقر کا دروازہ کھول دے

۶۔ امید کا دروازہ بند کر دے اور موت کی تیاری کا دروازہ کھول دے۔

میں نے شیخ عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے نانا ابوعمرو بن نجید کو فرماتے

سنا کہ جس نے اپنے نفس کی عزت کی۔ اس کے نزدیک دین ایک معمولی بات ہے۔

انہی سے میں نے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے منصور بن عبداللہ کو فرماتے سنا۔ انہوں نے ابوعلی رودباری کو کہتے سنا۔ جب کوئی صوفی صرف پانچ دن (گذرنے پر) کہے کہ بھوکا ہوں۔ تو اسے کہہ دو کہ بازار میں جاکر روزی کمائے۔ (اور تصوف کا نام لینا چھوڑ دے)

یاد رکھیں کہ مجاہدہ کی حقیقت اور اس کا تمام تر دار و مدار اس بات پر ہے کہ انسان اپنے نفس کو ان تمام امور سے چھڑا دے جن کا وہ عادی ہو چکا ہے۔ اور اسے بالعموم اپنی خواہش کے خلاف کام کرنے پر مجبور کر دے۔ دو باتیں نفس کو نیک کام کرنے سے روکتی ہیں (۱) خواہشات میں منہمک ہونا (۲) اور اطاعت گذاری سے باز رہنا۔ جب نفس سرکش ہو کر اپنی خواہش کے مطابق کام کرنا چاہے تو اس وقت تقویٰ کی لگام ڈال کر اسے روکنا ضروری ہو جاتا ہے اور دین کے موافق کاربند ہونے سے اکڑ جائے تو اسے اس کی خواہش کے خلاف چلانا چاہیئے۔ اور جب نفس غصہ سے مشتعل ہو جائے تو اس وقت اس کی حالت کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ غصہ میں نفس کے ساتھ جنگ کرنے میں اچھا نتیجہ حاصل کرنے کے لئے اس سے ایسے حسن واخلاق سے پیش آنا چاہیئے جو اس کے غلبہ کو توڑ دے اور نرمی کے ساتھ اسکی آگ کو بجھا دے۔ اور جب نفس رعونت کی شراب کو جائز سمجھے اور اس کی خوبیاں بیان کرنے سے مزہ لے اور دیکھنے والوں کے لئے خوبصورت بن کر پیش ہو تو اسے بھی توڑنا ضروری ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کیلئے رعونت کو اس طرح حلال قرار دیا جائے جس میں ذلت پائی جاتے۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ یہ ایک حقیر وخسیس چیز ہے اور یہ ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔

عوام کی کوشش اعمال کو پورے طور پر ادا کرنے میں ہوتی ہے اور خواص کا ارادہ اپنی حالت کو پاک وصاف کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بھوک اور بیداری کو برداشت کر لینا ایک آسان اور معمولی بات ہے اور اخلاق کے ساتھ جنگ کرنا اور خسیس وحقیر اخلاق سے پاک ہونا بہت مشکل امر ہے۔

نفس کی مشکل آفتیں

نفس کی مشکل آفتوں میں سے ایک آفت یہ ہے کہ یہ اپنی تعریف سننے کو پسند کرے۔ جس نے ایک گھونٹ بھی اس کا پی لیا۔ یوں سمجھ لیں کہ اس نے زمین وآسمان کو ایک پلک پر اٹھا لیا۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ جب یہ شراب (یعنی اپنی تعریف کی شراب) نفس کو نہیں ملتی تو وہ نیک اعمال کے کرنے میں سست پڑ جاتا ہے۔

حکایت

ایک بزرگ اپنی مسجد میں کئی سال تک پہلی صف میں نماز پڑھتے رہے آپ ایک دن کسی سبب سے وہ پہلی صف میں نہ پہنچ سکے۔ اور انہوں نے آخری صف میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد مدت تک وہ دکھائی نہ دیئے۔ لوگوں نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو کہا میں اتنے سال نماز پڑھتا رہا ہوں مگر جس دن میں نے آخری صف میں نماز پڑھی تو مجھے اس بات سے شرمندگی ہوئی کہ لوگوں نے مجھے آخری صف میں دیکھا ہے۔ اس پر میں سمجھ گیا کہ میں عمر بھر عبادت میں جو جگہ تھی دکھاتا تھا۔ وہ ان لوگوں کے دکھانے کے لئے تھی اس پر میں نے اپنی نمازیں قضا کیں۔

ابو محمد مرتعش کا قصہ

ابو محمد مرتعش سے حکایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے اتنے حج تجرید کے طور پر کئے۔ جن میں میں نے تھکان اور بھوک برداشت کی۔ بالآخر مجھے معلوم ہو گیا کہ ان تمام حجوں میں حظ نفس کی آمیزش تھی اور وہ اس طرح کہ ایک بار میری والدہ نے مجھے پانی کا ایک مٹکا لانے کو کہا مجھے اس کا بہت بار محسوس ہوا۔ اس سے میں گیا کہ ان تمام حجوں میں میرے نفس نے جو میری موافقت کی ہے۔ اس میں نفس کا حظ اور اس کی آمیزش تھی۔ (اسی لئے اس نے موافقت کی اور اگر ان میں حظِ نفس نہ پایا جاتا ہو تو نفس موافقت نہ کرتا۔) کیونکہ اگر میرا نفس فنا ہو چکا ہوتا تو شریعت کے اندر جو حق بات تھی وہ اسے دشوار محسوس نہ ہوتی۔

ایک عورت کا قصہ

ایک معمر عورت تھی اس سے اس کی حالت کی نسبت پوچھا گیا تو فرمانے لگی کہ جوانی کے عالم میں اپنے نفس میں چستی اور ایک حالت پاتی تھی جس سے میں یہ سمجھتی تھی۔ کہ میری حالت قوی ہے۔ مگر اب جب بوڑھی ہو چکی ہوں تو یہ سب کچھ جاتا رہا۔ اس سے میں سمجھی کہ وہ حالت کی قوت نہ تھی۔ بلکہ یہ جوانی کی قوت تھی جسے میں نے حالت سمجھ لیا تھا۔

میں نے ابو علی دقاق سے سنا کہ جس شیخ نے بھی اس قصہ کو سنا اسے بڑھیا پر رحم آیا۔ اور کہا کہ بڑھیا منصف تھی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے محمد بن عبداللہ بن شاذان سے سنا کہتے تھے یوسف بن الحسین فرماتے تھے کہ میں نے ذوالنون مصری کو یوں فرماتے سنا۔

اللہ تعالیٰ نے کسی بندہ کو اس قدر عزت عطا نہیں فرمائی جس قدر کہ اس بندہ کو عطا کی جسے اپنے نفس کے ذلیل ہونے کا پتہ چل گیا اور نہ ہی اللہ نے کسی بندہ کو اس قدر ذلیل کیا جس قدر کہ اس بندہ کو

جسے اللہ نے اس کے نفس کے ذلیل ہونے سے بے خبر رکھ چھوڑا ہو۔

نیز انہی کو فرماتے سنا کہ میں نے محمد بن عبداللہ رازی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابراہیم خواص کو یوں فرماتے سنا۔ مجھے جس کسی چیز کا ڈر ہوا میں نے اسے ضرور کیا۔

نیز ان سے سنا فرماتے تھے میں نے عبداللہ رازی کو اور انہوں نے محمد بن الفضل کو یہ کہتے سنا۔

نفس کی آرزوں سے نجات کا نام راحت ہے

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ ابوعلی رودباری فرماتے تھے۔

تین چیزوں سے مخلوق پر آفت آتی ہے۔ (۱) طبیعت کی بیماری سے (۲) عادت پر قائم رہنے سے (۳) فسادِ صحبت سے۔

میں نے سوال کیا کہ طبیعت کی بیماری کیا چیز ہے۔ فرمایا۔ حرام کا مال کھانا۔

میں نے عرض کیا۔ عادت پر قائم رہنے سے کیا مراد ہے۔؟

فرمایا۔ حرام کی طرف دیکھنا۔ حرام سننا اور غیبت کرنا۔

میں نے عرض کیا فسادِ صحبت کیا ہے؟

فرمایا۔ یہ کہ جب کبھی نفس میں کوئی خواہش جوش مارے تو تو اس کے پیچھے ہو لے۔

میں نے انہی کو فرماتے سنا کہ نصرآبادی فرماتے تھے کہ تمہارا نفس ہی تمہارا قیدخانہ ہے۔ جب تو اس سے نکل آیا تو تو نے ابدی راحت حاصل کر لی۔

میں نے ان کو کہتے سنا فرماتے تھے کہ محمد الفراء نے کہا۔ میں نے ابوالحسین وراق کو یوں کہتے سنا۔

ابوعثمان حیریؒ کی مسجد میں شروع شروع میں ہمارے لئے سب سے بڑا حکم یہ تھا کہ ہم دوسروں کو اپنے اوپر ان چیزوں میں ترجیح دیں جو فتوح کے طور پر ہمیں دی جائیں۔ نیز یہ کہ ہم کسی معلوم چیز پر رات نہ گزاریں۔ اور جو شخص ہم سے برا برتاؤ کرے ہم اپنی ذات کے لئے اس سے بدلہ نہ لیں۔ بلکہ ہم معذرت چاہیں اور اس کے سامنے تواضع کریں۔ اور جب ہمارے دلوں میں کسی کے متعلق حقارت پیدا ہو جائے تو ہم اس کی خدمت کریں اور اس سے نیک برتاؤ کریں۔ یہاں تک کہ وہ حقارت دل سے زائل ہو جائے۔

ابوحفصؒ فرماتے ہیں نفس ہمہ تن تاریکی ہے اس کا ستر اس کا چراغ ہے اور توفیقِ خداوندی اس سراج

کا نور ہے اور جس کے سر میں توفیق خداوندی ساتھ نہ دے وہ ہمہ تن ظلمت ہے۔

استاد ابوالقاسم قشیری فرماتے ہیں ان کا یہ فرمانا "اس کا سر اس کا چراغ ہے": اس سے ان کی مراد وہ سر ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان ہوتا ہے اور وہی اس کے خلوص کا محل ہے۔ اس کے ذریعہ سے بندہ یہ پہچانتا ہے کہ تمام حادثات اللہ کے ساتھ ہیں۔ اس کے نفس کے ساتھ نہیں اور نہ ہی اس کے نفس کی طرف سے ہیں تاکہ وہ ہر وقت اپنی قوت و طاقت سے بیزار رہے۔ مزید براں جب توفیقِ خداوندی اس کے ساتھ ہو گی تو وہ اپنے نفس کے شر سے بچ سکے گا۔ کیونکہ جسے توفیقِ خداوندی حاصل نہ ہو۔ اسے اس کا وہ علم جو اپنے نفس اور اپنے رب کے متعلق ہے، مفید نہ ہوگا۔ اسی لئے تو شیوخ نے فرمایا۔ جن کے پاس "سر" نہیں وہ مصر ہے۔

ابو عثمان حیریؒ فرماتے ہیں جو شخص اپنے نفس کی کسی چیز کو بھی اچھا جانتا ہو وہ اپنے نفس کے عیب نہیں دیکھ سکتا۔ اپنے نفس کے عیب وہی دیکھ سکتا ہے جو ہر حالت میں اسے متہم جانتا ہو۔

ابوحفصؒ فرماتے ہیں جو شخص اپنے عیبوں کو نہیں پہچانتا وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے اس لئے کہ معاصی کفر کی رہ دکھاتے ہیں۔

ابوسلیمان فرماتے ہیں میں نے اپنی کسی چیز کو اچھا نہیں سمجھا چہ جائیکہ اسے کارِ ثواب سمجھوں۔

سریؒ فرماتے ہیں۔ مالداروں کے پڑوسیوں، بازار میں قرآن پڑھنے والوں اور حکام کے علمأ سے بچو۔

ذوالنون فرماتے ہیں۔ مخلوق میں چھ چیزوں سے فساد پیدا ہوا۔ (۱) انسانوں کی آخرت کے عمل میں نیت کی کمزوری سے (۲) ان کے بدن خواہشات کے تابع ہیں۔ (۳) موت قریب ہونے کے باوجود بڑی بڑی امیدیں لگائے رہتے ہیں۔ (۴) یہ لوگ اللہ کی رضا پر مخلوق کی رضا کو ترجیح دیتے ہیں (۵) اپنی خواہشوں کی تابعداری کرتے ہیں۔ اور سنت نبویؐ کو پس پشت ڈال دیتے ہیں (۶) اسلاف کی معمولی لغزش کو اپنے لئے حجت سمجھ لیتے ہیں اور ان کے بیشتر نیک کاموں کو چھپاتے ہیں۔

باب ۳

خلوت اور گوشہ نشینی

ہمیں ابوالحسن علی بن احمد بن عبدان نے کہا۔ ان سے احمد بن عبید البصری نے کہا۔ ان سے عبدالعزیز[۲۱۶] بن معاویہ

نے کہا۔ ان سے قعنبی[۱۰۱۸] نے کہا کہ ان سے عبدالعزیز بن ابی حازم[۱۰۱۹] اپنے باپ سے اور انہوں نے بعجۃ بن عبداللہ[۱۰۲۰] بن بدر الجہنی سے اور انہوں نے ابوہریرہؓ[۱۰۲۱] سے روایت کی۔ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام لوگوں میں سے بہتر زندگی اس شخص کی ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے ہو اور جونہی اسے کوئی کھٹکھٹاہٹ یا آہٹ سنائی دے وہ اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو جائے اور ان جگہوں میں جائے جہاں موت یا قتل کا خدشہ ہو۔ یا بہترین وہ شخص ہے جو اپنی چند بکریاں لئے کسی پہاڑ کی چوٹی پر رہتا ہو یا کسی وادی میں رہتا ہو۔ اور وہاں نماز ادا کرتا ہو۔ زکوٰۃ دیتا ہو۔ اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کرتا ہے وہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں نیکی ہی نیکی میں ہے۔

استادؒ فرماتے ہیں، خلوت اہل صفا کی صفت ہے اور گوشہ نشینی اللہ کے ساتھ وصال کی علامت ہے۔ مرید کے لئے ابتدا میں اپنے ہم جنسوں سے علیحدہ رہنا بہت ضروری ہے۔ پھر آخر میں خلوت میں ضروری ہے تاکہ اسے اللہ کے ساتھ انس حاصل ہو جب کوئی بندہ گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے تو اس کا حق یہی ہے کہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ لوگوں سے الگ رہنے سے لوگ اس کے شر سے بچے ہوئے ہیں۔ گوشہ نشینی سے اس کا مقصد یہ نہ ہو کہ وہ خود لوگوں کے شر سے بچا ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں یہ نتیجہ نکلے گا کہ وہ اپنے نفس کو حقیر جاننے لگا۔ اور دوسری صورت میں یہ ثبوت پایا جاتا ہے کہ وہ لوگوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور جس نے اپنے نفس کو حقیر جانا وہ شخص متواضع ہے اور جس نے اپنے آپ کو کسی شخص پر فائق سمجھا وہ متکبر ہے۔

حکایت کسی نے ایک راہب کو دیکھا اور پوچھا کیا آپ راہب ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ نہیں میں تو کتے کا پاسبان ہوں۔ میرا نفس کتا ہے جو لوگوں کو کاٹتا ہے۔ لہٰذا میں نے اسے لوگوں میں سے نکال لیا ہے تاکہ وہ اس سے بچے رہیں۔

حکایت ایک شخص ایک نیک آدمی کے پاس سے گزرا۔ اس بزرگ نے اپنے کپڑوں کو سمیٹ لیا اس شخص نے کہا میرے کپڑے نجس تو نہیں ہیں۔ آپ نے اپنے کپڑوں کو کیوں سمیٹا؟ اس بزرگ نے کہا۔ آپ کو وہم ہوا ہے میرے اپنے کپڑے نجس ہیں۔ میں نے اپنے کپڑوں کو اس لئے سمیٹا کہ آپ کے کپڑے پلید نہ ہو جائیں۔ اس لئے نہیں کہ میرے کپڑے پلید نہ ہو جائیں۔

آداب عزلت گوشہ نشینی کے آداب میں سے ہے کہ انسان اس قدر علوم حاصل کرے جس سے وہ اپنے عقیدہ توحید کو درست کر سکے تاکہ شیطان اسے وساوس میں ڈال کر بہکا نہ سکے۔ اسکے بعد اسی قدر شرعی علوم حاصل کرے جن سے وہ اپنے فرائض ادا کر سکے: تاکہ اس طرح اس کے تصوّف کی بنیاد مضبوط بنیادوں پر قائم ہو سکے۔

عزلت درحقیقت بری خصلتوں سے کنارہ کشی کا نام ہے۔ لہذا عزلت کی تاثیر کی غرض و غایت اپنی صفات کو تبدیل کرنا ہے۔ اپنے وطن سے دوری مقصود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی نے پوچھا کہ عارف کون ہے۔ تو جواب ملا۔ کائن بائن "مقصد یہ ہے کہ وہ ہے جو مخلوق کے ساتھ ہے مگر اپنے باطن کے اعتبار سے اس سے جُدا ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو یوں فرماتے سنا: جو لباس لوگ پہنتے ہیں۔ تو بھی ان کے ساتھ وہی پہن اور جو کچھ وہ کھاتے ہیں تو بھی کھا۔ مگر اپنے باطن کے اعتبار سے ان سے الگ رہ۔ انہی کو میں نے یوں فرماتے سنا۔ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ میں بہت دور سے آیا ہوں۔ اس کے جواب میں میں نے کہا۔ تصوّف کا دارو مدار مسافت طے کرنے پر نہیں اور نہ تکلیف برداشت کرنے پر ہے۔ اپنے نفس سے صرف ایک قدم بھر الگ ہو جا تمہیں تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔

ابو یزیدؒ سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو میں نے عرض کیا۔ یا اللہ میں تجھے کیسے پاؤں؟ فرمایا۔ اپنے نفس سے جُدا ہو کر چلے آؤ۔

میں نے ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ کو فرماتے سنا کہ انہوں نے ابو عثمان مغربی کو فرماتے سنا جس نے لوگوں کی صحبت کو چھوڑ کر خلوت اختیار کی۔ اسے چاہیئے کہ وہ اپنے رب کے ذکر کے سوا تمام چیزوں کے ذکر سے علیحدگی اختیار کرے اور سوائے اپنے رب کی رضا کے ہر قسم کے ارادوں سے علیحدہ رہے۔ نیز یہ کہ اگر نفس کسی قسم کے اسباب کا بھی مطالبہ کرے۔ تو یہ اس سے بھی علیحدہ ہو۔ اگر اس میں یہ صفات نہ پائی جائیں تو اس کی خلوت اسے آزمائش اور مصیبت میں ڈال دے گی۔

بعض کہتے ہیں کہ خلوت میں تنہائی تمام اسبابِ سکون کی جامع ہے۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں غور سے دیکھو آیا تمہیں خلوت کے ساتھ انس ہے یا خلوت میں اللہ کے ساتھ انس ہے۔ اگر تمہیں خلوت کے ساتھ انس ہے تو جب تو خلوت سے نکل آئے گا۔ تمہارا انس جاتا رہے گا اور اگر خلوت میں تمہیں اللہ کے ساتھ انس ہوگا تو خواہ صحرا ہو خواہ جنگل تمہارے لئے تمام جگہیں یکساں ہوں گی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ محمد بن حامد فرماتے تھے ایک شخص ابوبکر وراق کی زیارت کو آیا۔ جب زیارت کر کے واپس جانے لگا تو گذارش کی۔ حضرت!

مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ فرمایا میں نے دنیا و آخرت کی بھلائی خلوت اور قلت میں پائی ہے اور دنیا و آخرت کی برائی کثرت اور لوگوں سے میل جول میں۔

اور میں نے ان سے سنا کہتے تھے کہ منصور بن عبداللہ فرماتے تھے کہ کسی نے جریریؒ سے گوشہ نشینی کی نسبت سوال کیا انہوں نے فرمایا گوشہ نشینی یہ ہے کہ تو لوگوں کے ہجوم میں داخل جائے مگر اپنے باطن کو لوگوں کی مزاحمت سے محفوظ رکھے۔ اپنے نفس کو گناہوں سے علیحدہ رکھے۔ اور تمہارے باطن کا تعلق حق کے ساتھ رہے۔

بعض کہتے ہیں کہ جس نے گوشہ نشینی کو پسند کیا۔ اس نے حق کو پالیا۔

سہلؒ فرماتے ہیں" خلوت" اس وقت صحیح ہو سکتی ہے جب کہ حلال روزی کھائی جائے۔ اور اللہ کے حقوق ادا کئے بغیر کوئی شخص روزی حلال کھا نہیں سکتا۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں۔ میں نے کوئی چیز خلوت سے بڑھ کر اخلاص پر اکسانے والی نہیں دیکھی۔

ابوعبداللہ رملیؒ فرماتے ہیں۔ خلوت تمہاری دوست، بھوک تمہارا کھانا اور مناجات تمہاری گفتگو ہونی چاہیئے (جس کا نتیجہ یہ ہوگا)، یا تو مرجاتے گا یا اللہ تک پہنچ جاتے گا۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں۔ وہ شخص جو خلوت میں جا کر مخلوق سے چھپا رہا۔ وہ اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو اللہ کے ساتھ ہو کر مخلوق سے چھپا رہا۔

میں نے ابوعبدالرحمن سلمی سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ابوبکر رازی سے سنا انہوں نے کہا کہ جعفر بن نصیر فرماتے تھے میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا۔ گوشہ نشینی کی تکلیف برداشت

کر لینا لوگوں سے میل جول اور مدارات کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

مکحولؒ[۴۲۲] فرماتے ہیں۔ اگر لوگوں سے میل جول رکھنے میں کوئی بھلائی ہے تو گوشہ نشینی میں شر سے سلامتی ہے۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں۔ تنہائی صدیقین کی ہم نشین ہے۔ میں نے شیخ ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا۔ انہوں نے شبلی کو یوں فرماتے سنا۔

لوگو! افلاس سے بچو۔

کسی نے پوچھا: افلاس کی کیا نشانی ہے؟

فرمایا۔ افلاس کی علامت یہ ہے کہ لوگوں سے اُنس محسوس ہو۔

یحییٰ بن ابی کثیرؒ[۴۲۳] فرماتے ہیں: جو لوگوں سے میل جول رکھے گا وہ اُن سے مدارات کرے گا اور جو مدارات کرے گا وہ ریاکاری کرے گا۔

سعید بن حربؒ[۴۲۴] فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں مالک بن مسعودؒ[۴۲۵] کے پاس گیا وہ اپنے گھر میں اکیلے تھے۔ میں نے عرض کیا کیا تنہائی میں آپ وحشت محسوس نہیں کرتے؟ فرمایا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص اللہ کی صحبت میں وحشت محسوس کر سکتا ہے۔

میں نے ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہتے تھے۔ ابوبکر رازی نے کہا کہ ابو عمرو انماطی فرماتے تھے میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا۔

جو شخص اپنے دین کو سلامت رکھنا چاہے اور اپنے بدن اور دل کو راحت دینا چاہے وہ لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلے۔ کیونکہ یہ وحشت کا زمانہ ہے اور عقلمند وہی ہے جو اس زمانہ میں تنہائی اختیار کرے۔

میں نے انہی کو فرماتے سنا کہ انہوں نے ابوبکر رازی کو فرماتے سنا۔ کہ ابو یعقوب سوسیؒ فرماتے تھے۔ دنیا سے علیحدگی کی طاقت صرف قوی لوگوں کو ہے اور ہم جیسے لوگوں کے لئے تو لوگوں سے مل جل کر رہنا ہی مفید ہے۔ کیونکہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر عمل کرتے ہیں۔

میں نے اُن سے سنا۔ کہتے تھے ابو عثمان سعیدؒ[۴۲۶] بن ابی سعید کہتے تھے کہ ابو العباس الدامغانی

فرماتے تھے کہ مجھے شبلی نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ تنہائی اختیار کرو اور اپنا نام لوگوں کے زمرے سے مٹا دو۔ اور دیوار کی طرف منہ کئے رکھو۔ یہاں تک کہ تمہیں موت آجائے۔

ایک شخص شعیب بن حرب[۲۲۲] کے پاس آیا۔ انہوں نے اس شخص سے دریافت کیا۔ کیسے آئے؟ اس نے عرض کیا۔ آپ کی صحبت میں رہنے کی غرض سے اس پر شعیب نے جواب دیا۔ بھائی! عبادت شرکت نہیں چاہتی۔ جسے اللہ کے ساتھ انس حاصل ہو اسے کسی چیز کے ساتھ انس حاصل نہیں ہو سکتا۔

حکایت ہے کہ کسی صوفی سے دریافت کیا گیا۔ تمہیں سیاحت کے دوران کون سی عجیب ترین چیز ملی۔ اس نے جواب دیا۔ مجھے خضر ملے اور انہوں نے میری صحبت میں رہنے کی مجھ سے درخواست کی، اس سے مجھے یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہیں یہ میرے توکل کو خراب نہ کر دے۔

کسی صوفی سے پوچھا گیا۔ کیا آپ کو یہاں کسی سے انس ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ "ہاں" اور اپنا ہاتھ قرآن مجید کی طرف بڑھایا اور اپنی گود میں رکھ کر کہا۔ "مجھے اس سے انس ہے"۔ اسی مفہوم کا ایک شعر ہے۔

وَكُتُبُكَ حولي لاتُفَارِقُ مَضْجَعِي وَفِيهاشِفَاءٌ لِلّذِي أَنَا كَاتِمٌ

"اے محبوب تمہارے خطوط ہمیشہ میرے ارد گرد میرے بستر پر پڑے رہتے ہیں اور ان خطوط میں مجھے (اس عشق کی بیماری) سے شفا حاصل ہوتی ہے جسے میں چھپائے ہوئے ہوں"۔

ایک شخص نے ذوالنون مصری سے دریافت کیا۔ میرے لئے گوشہ نشینی اختیار کرنا کب درست ہوگا؟ فرمایا۔ جب تجھے اپنے نفس سے علیحدگی کی طاقت ہو۔

ابن المبارک سے دریافت کیا گیا کہ دل کا کیا علاج ہے؟ فرمایا لوگوں سے کم ملنا۔

کہا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو معصیت کی ذلت سے نکال کر اطاعت گذاری کی عزت کی طرف لے جانا چاہتا ہے تو اسے تنہائی سے مانوس کر دیتا ہے۔ اور قناعت کے ساتھ مستغنی بنا دیتا ہے اور اسے اس کے نفس کے عیوب دکھا دیتا ہے۔

جسے یہ چیزیں حاصل ہوگئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہوگئی

باب ۴

تقویٰ [۴۲۹]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے - ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم " اللہ کے یہاں تم میں سے سب سے زیادہ ذی عزت وہ شخص ہوگا جو تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا ۔

ابوالحسن علی بن احمد بن عبدان نے بتایا کہ احمد بن عبید الصفار نے کہا کہ محمد بن الفضل بن جابر نے کہا کہ ہم سے ابن عبدالاعلی القرشی [۴۳۰] نے کہا کہ یعقوب [۴۳۱] العمی نے لیث [۴۳۲] سے اور انہوں نے مجاہد [۴۳۳] سے روایت کی کہ ابوسعید الخدری رضی نے فرمایا۔

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ اے اللہ کے نبی مجھے نصیحت کیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کے عذاب سے بچتے رہو کیونکہ اسی میں تمام نیکیاں شامل ہیں۔ اور جہاد اختیار کرو۔ کیونکہ مسلمان کی رہبانیت یہی ہے۔ اللہ کا ذکر کیا کرو کیونکہ یہ تمہارے لئے نور ہے۔

علی بن احمد بن عبدان نے بتایا کہ احمد بن عبید نے بیان کیا کہ عباس بن فضل اسفاطی نے کہا کہ ان سے احمد بن یونس نے کہا کہ ان سے ابوہرمز [۴۳۴] نافع بن ہرمز نے بتایا کہ انس کو میں نے یوں فرماتے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا نبی اللہ آل محمد کون لوگ ہیں تو فرمایا: ہر متقی۔

لہٰذا تقویٰ تمام نیکیوں کا مجموعہ ہے۔ اتقاء کے اصلی معنی اللہ کی اطاعت کے ذریعہ سے اس کے عذاب سے بچنا ہے۔ چنانچہ عربی زبان کا محاورہ ہے۔ اِتّقٰی فلاں بترسہٖ فلاں نے اپنی ڈھال سے اپنا بچاؤ کیا۔

اصل تقویٰ شرک سے بچنا ہے۔ اس کے بعد معصیت اور برائیوں سے بچنے کا درجہ آتا

ہے۔ پھر شبہات سے بچنے کا، پھر یہ کہ تو فضول باتوں کو ترک کر دے۔ میں نے یہ بات استاد ابوعلی دقاقؒ سے سنی تھی۔ ان سے میں نے یہ بھی سنا۔ تقوٰی کی ہر قسم کا الگ الگ باب ہے۔

اللہ کے فرمان: اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ "اللہ کے عذاب سے ایسا بچو۔ جیسا بچنے کا حق ہے۔" کی تفسیر میں آیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی ایسی اطاعت کی جائے کہ پھر نافرمانی نہ ہو۔ اسے اس طرح یاد کیا جائے کہ پھر نہ بھولے اور اس کا ایسا شکر یہ ادا کیا جائے کہ پھر ناشکر گذاری نہ ہو۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے کہا احمد بن علی بن جعفر نے کہا کہ انہوں نے احمد بن عاصم سے سنا۔ فرماتے تھے کہ میں نے سہل بن عبداللہ کو یوں فرماتے سنا اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں اور رسول اللہ کے سوا کوئی رہنما بھی نہیں اور تقوٰی کے سوا کوئی اور چیز زادِ راہ نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی عمل نہیں کہلا سکتا۔ جب تک اس کی پابندی نہ کی جائے۔

اور ان سے سنا، کہتے تھے کہ ابوبکر رازی کہتے تھے کہ میں نے کتّانی کو یوں فرماتے سنا دنیا کی تقسیم آزمائش کے مطابق کی گئی ہے اور آخرت کی تقوٰی کے مطابق ہے۔

مجھے انہوں نے کہا کہ ابوبکر رازی کہتے تھے کہ میں نے جریری کو یوں فرماتے سنا جس شخص کے اور اللہ کے درمیان تقوٰی اور مراقبہ حاکم نہیں وہ شخص کشف اور مشاہدہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

نصر آبادی فرماتے تھے تقوٰی یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا ہر چیز سے بچے۔

سہل فرماتے تھے جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کا تقوٰی درست ہو۔ اسے تمام گناہوں کو ترک کر دینا چاہیئے۔

نصر آبادی کا قول ہے۔ جو شخص تقوٰی پر ڈٹا رہا۔ وہ اس بات کا مشتاق ہوگا کہ دنیا کو چھوڑے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ "آخرت کا گھر یقیناً ان لوگوں کے لئے جو پرہیزگار ہیں بہتر ہے۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟ کسی کا قول ہے۔ جو تقوٰی میں حقیقت کو پہنچ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کے لئے دنیا سے اعراض کرنا آسان کر دیتا ہے۔

ابو عبداللہ رودباریؒ فرماتے ہیں: تقویٰ یہ ہے کہ تو ان تمام چیزوں سے اجتناب کرے جو اللہ سے دُور رکھیں۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں، پرہیزگار وہ ہے جو اپنے ظاہر کو خلافِ شرع باتوں سے میلا نہ کرے۔ اور نہ اپنے باطن کو دل بہلاوے سے اور ہمیشہ اللہ کی رضا کے ساتھ موافقت پر قائم رہے۔

میں نے محمد بن الحسینؒ سے سنا۔ انہوں نے کہا میں نے ابوالحسین الفارس سے سنا فرماتے تھے۔ میں نے ابنِ عطا کو فرماتے سنا۔ تقویٰ کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ اللہ کی حدود کا لحاظ رکھا جائے۔ اور باطن نیت اور اخلاص ہے۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں۔ زندگی تو وہی زندگی ہے جو ایسے لوگوں کے ساتھ ہو جن کے دِل تقویٰ کے مشتاق ہیں۔ اور ذکرِ الٰہی سے خوش ہیں۔ یہ دِل روح یقین کے پاس اس طرح مطمئن رہتے ہیں جس طرح ایک دودھ پیتا بچہ گود میں سکون حاصل کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ انسان کے تقویٰ کا پتہ تین چیزوں سے چلتا ہے (۱) جو چیز اسے حاصل نہ ہو اس میں اچھی طرح سے توکل کرے۔ اور (۲) جو کچھ وہ حاصل کر چکا ہے اس پر اچھی طرح راضی رہے۔ اور (۳) جو چیز اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اس پر بخوشی صبر کرے۔

طلقؒ بن حبیبؒ (۲۳۶) فرماتے ہیں۔ اللہ کے عذاب کے ڈر سے اللہ کے نور کے مطابق اطاعت خداوندی پر عمل کرنے کا نام تقویٰ ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ ان سے محمد فراء نے کہا کہ ابوحفصؒ فرماتے تھے۔ خالص اور حلالِ محض کے ساتھ ہی تقویٰ قائم رہ سکتا ہے۔

میں نے ان سے سنا کہتے تھے کہ انہوں نے ابوبکر رازی سے سنا۔ انہوں نے کہا: میں نے ابوالحسین زنجانی کو فرماتے سنا۔ جس شخص کا سرمایہ تقویٰ ہے۔ اس کے نفع کا بیان زبان سے نہیں ادا ہو سکتا۔

واسطی فرماتے تھے۔ اپنے تقویٰ سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ انسان اپنے تقویٰ کو دیکھنے سے بچے۔

متقی ہو تو ابن سیرینؒ (۴۲۶ھ) جیسا ہو۔ انہوں نے گھی کے چالیس مٹکے خریدے۔ ان کے غلام نے کسی ایک مٹکے سے چوہا نکالا۔ ابن سیرین نے پوچھا کس مٹکے سے چوہا نکالا تھا۔ اس نے جواب دیا۔ مجھے معلوم نہیں۔ اس پر ابن سیرینؒ نے تمام مٹکے انڈیل دیئے

یا متقی ہو تو ابو یزید جیسا ہو۔ انہوں نے ہمذان میں حب القرطم (کسنبہ کا بیج) خریدا۔ تو اس سے کچھ بچ گیا۔ جب بسطام لوٹ کر آئے تو اس میں دو چیونٹیاں دیکھیں۔ آپ ہمذان واپس گئے اور دونوں چیونٹیوں کو چھوڑ آئے۔

حکایت کی جاتی ہے کہ (امام) ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۴۴۸ھ) اپنے مقروض کے درخت کے سایہ کے نیچے نہیں بیٹھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر وہ قرض جس سے فائدہ ہو۔ وہ فائدہ سود ہے۔

کہتے ہیں کہ ابو یزیدؒ نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ جنگل میں کپڑا دھویا۔ ساتھی نے کہا اس کپڑے کو انگور کی دیوار پر لٹکا دو۔ فرمایا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم لوگوں کی دیوار میں میخ نہ گاڑیں گے۔ اس پر ساتھی نے کہا۔ اچھا درخت پر ہی لٹکا دو۔

فرمایا۔ میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس طرح تو درخت کی ٹہنی ٹوٹ جائے گی۔

ساتھی نے پھر کہا، اچھا تو ہم اسے اذخر پر پھیلا دیتے ہیں۔ فرمایا۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ جانوروں کا چارہ ہے۔ ہم اسے ان سے چھپا کر نہیں رکھیں گے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی قمیص پیٹھ پر ڈال کر سورج کی طرف کر دی۔ یہاں تک کہ ایک طرف سے سوکھ گئی پھر قمیص کو پلٹ دیا۔ یہاں تک کہ دوسرا حصہ بھی خشک ہو گیا۔

ابو یزیدؒ کا تقوی

کہتے ہیں کہ ایک دن ابو یزیدؒ جامع مسجد میں گئے اور اپنی لاٹھی زمین میں گاڑ دی۔ یہ لاٹھی ایک بوڑھے کی لاٹھی پر جو گڑی ہوئی تھی گر پڑی اور اس کو بھی گرا دیا۔ بوڑھے نے جھک کر اپنی لاٹھی اٹھالی۔ ابو یزیدؒ نے اس بوڑھے کے گھر جا کر معافی چاہی۔ اور کہا۔ آپ کے جھکنے کا سبب یہ ہوا کہ میں نے اپنی لاٹھی اچھی طرح نہیں گاڑی تھی۔ اس لئے گر پڑی اور آپ کو جھکنا پڑا۔

عتبۃ الغلام کا تقویٰ کسی نے عتبۃ الغلام کو جاڑے کے موسم میں ایک جگہ دیکھا کہ پسینے پسینے ہو رہے ہیں۔ جب ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں مَیں نے اللہ کی نافرمانی کی تھی۔ فرمایا۔ مَیں نے دیوار سے مٹی کا ایک ٹکڑا الگ کیا تھا۔ جس سے میرے مہمان نے اپنا ہاتھ صاف کیا۔ مَیں نے دیوار کے مالک سے مٹی لینے کی اجازت نہیں لی تھی۔

ابراہیم بن ادہمؒ کا تقویٰ ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں۔ مَیں نے بیت المقدس میں ایک رات صخرہ کے نیچے گذاری۔ کچھ رات گزرنے کے بعد دو فرشتے اترے ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا۔ یہاں کون ہے؟ دوسرے نے جواب دیا۔ ابراہیم بن ادہمؒ، پھر کہا یہ وہی شخص ہے۔ جس کے درجات سے اللہ تعالیٰ نے ایک درجہ کم کر دیا پہلے فرشتے نے پوچھا۔ کیوں؟ دوسرے نے کہا۔ اس نے بصرہ میں کھجوریں خریدیں اور سبزی فروش کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اس کی کھجوروں میں جا پڑی۔ اس نے اسے مالک کو واپس نہیں کیا۔

ابراہیمؒ کہتے ہیں مَیں بصرہ گیا اور اس شخص سے پھر کھجوریں خریدیں۔ اور ایک کھجور اس کی کھجوروں پر گرا کر مَیں بیت المقدس لوٹ آیا۔ اور صخرہ میں رات گزاری۔ تھوڑی رات گذرنے کے بعد دو فرشتے آسمان سے اترے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا۔ یہاں کون ہے؟ دوسرے نے جواب دیا۔ ابراہیم بن ادہمؒ اور کہا۔ وہی، جس کو اللہ نے پہلا مرتبہ عطا کر دیا اور جس کا درجہ بلند کر دیا گیا۔

تقویٰ کی قسمیں کہا جاتا ہے کہ تقویٰ کئی طرح کا ہوتا ہے۔ عوام کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ شرک سے بچیں۔ خواص کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔ اولیاؒ کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اپنے افعال کو وسیلہ بنانے سے بچیں۔ اور انبیاؑ کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ افعال کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ان کا تقویٰ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور (ہر چیز سے بچ کر) وہ اللہ کی طرف جاتے ہیں۔

حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ دنیا میں لوگوں کے

سردار سخی ہوتے ہیں۔ آخرت میں لوگوں کے سردار متقی ہوں گے۔

علی بن احمد اھوازی نے ہمیں بتایا کہ ان سے ابوالحسین[۴۴۰] بصری نے کہا کہ بشر بن موسیٰ[۴۴۱] نے ان سے کہا کہ محمد بن عبداللہ[۴۴۲] بن المبارک نے یحییٰ بن ایوب[۴۴۳] سے روایت کی کہ عبیداللہ[۴۴۴] بن زحر نے علی بن یزید[۴۴۵] سے انہوں نے قاسم[۴۴۶] سے روایت کی کہ ابوامامۃ[۴۴۷] فرماتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس کسی شخص کی نظر کسی عورت کی خوبصورتی پر پڑ گئی۔ پھر فوراً ہی اس نے اپنی نگاہ نیچی کر لی تو اللہ تعالیٰ اس فعل کو ایسی عبادت بنا دے گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پائے گا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ ابوالعباس بن حسن نے کہا کہ میں نے محمد بن عبداللہ فرغانی سے سنا فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ جنیدؒ رویم جریری اور ابن عطا اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ جنیدؒ بولے۔ جس نے بھی نجات پائی اللہ کے پاس صدق دل سے پناہ لینے سے پائی۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ " اور خدا نے ان تینوں کی (توبہ قبول کر لی) جو پیچھے رہ گئے تھے۔ حتیٰ کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان کے لئے تنگ ہو گئی۔" رویمؒ بولے: جس کسی نے نجات پائی، صدق دل سے تقویٰ کے ذریعہ پائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ (الآیۃ) اور اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو نجات دیں گے جو اپنی کامیابی میں بھی متقی ہیں۔

جریریؒ بولے۔ جس کسی نے بھی نجات پائی اللہ سے اپنے عہد کو پورا کرنے سے پائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ "جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ اور اپنے عہد کو نہیں توڑتے۔"

ابن عطا بولے۔ جس کسی نے بھی نجات پائی، حقیقی حیا سے پائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ " کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔"

استاد امام فرماتے ہیں۔ جس کسی نے بھی نجات پائی ہے۔ اللہ کے حکم اور قضائے پائی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ " وہ لوگ جن کیلئے ہم پہلے نیک کام

لکھ چکے ہیں" نیز فرماتے ہیں۔ جس کسی نے بھی نجات پائی ہے۔ اس لئے پائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پہلے ہی سے منتخب کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ "ہم نے انہیں چن لیا اور صراطِ مستقیم پر چلا دیا۔"

باب ۵

ورع [۴۴۸]

ابوالحسین عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن محمد بن یحییٰ مزکی نے بتایا کہ محمد بن داؤد بن سلیمان زاہد[۴۴۹] نے کہا کہ ان سے محمد بن الحسین بن قتیبہ[۴۵۰] نے کہا کہ ان کو احمد بن ابی طاہر الخراسانی نے بتایا کہ یحییٰ بن العیزار[۴۵۱] نے کہا کہ محمد بن یوسف الفریابی[۴۵۲] نے سفیان[۴۵۳] سے اور انہوں نے الاجلح[۴۵۴] سے اور انہوں نے عبداللہ بن بریدہ[۴۵۵] سے روایت کی کہ ابوالاسود[۴۵۶] الدولی نے کہا کہ ابوذر[۴۵۷] نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک انسان کے اچھے مسلمان ہونے کی یہ پہچان ہے کہ وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے ان کا کوئی مطلب نہیں۔

استاد امام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہر مشتبہ چیز کو چھوڑ دینا ورع ہے۔ اسی طرح ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں۔ ہر مشتبہ بات کو چھوڑ دینا ورع ہے۔

اور ترک مَالاَ یَعنِیْكَ سے مراد فضول باتوں کو چھوڑ دینا ہے۔

ابوبکر صدیقؓ کا قول

ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں۔ ہم ستر قسم کی حلال اور جائز باتوں کو اس خوف سے چھوڑ دیا کرتے تھے کہ کہیں کسی حرام بات میں پھنس نہ جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہؓ کو فرمایا۔ پرہیزگار بنو گے تو سب سے زیادہ عبادت گذار ہو جاؤ گے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے کہا ابوالعباس البغدادی نے کہا کہ انہوں نے جعفر بن محمد سے سنا کہ الجنیدؒ فرماتے تھے کہ میں نے سریؒ کو یوں فرماتے سنا

اپنے زمانہ میں چار شخص پرہیزگار گذرے ہیں۔ حذیفہؒ مرعشی[۴۵۸]۔ یوسف بن اسباط۔ ابراہیم بن ادہم۔ اور سلیمانؒ[۴۵۹] الخواص ان لوگوں نے پرہیزگاری میں غور کیا جب معاملہ مشکل نظر آیا تو جو کچھ بھی وہ کماتے اس میں سے کم ہی استعمال کرتے۔

اور میں نے اُن سے سنا کہتے تھے۔ ابوالقاسم الدمشقی فرماتے تھے کہ میں نے شبلیؒ کو فرماتے سنا۔ ورع یہ ہے کہ تو ہر ماسوائے اللہ سے پرہیز کرے۔

اور میں نے ان سے سنا۔ کہتے تھے کہ ابوجعفر[۴۶۰] الرازی نے کہا کہ مجھے العباس بن حمزہ نے بتایا کہ احمد بن ابی الحواری نے کہا کہ اسحاق بن خلف فرماتے تھے۔

گفتار میں پرہیزگاری، سونے اور چاندی میں پرہیزگاری سے زیادہ سخت ہے۔ اور ریاست سے زہد کرنا سونے اور چاندی کے زہد سے زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ تُو تو سونے اور چاندی کو ریاست کی خاطر خرچ کر دیتا ہے۔

ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں۔ ورع زہد کی ابتدا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح قناعت رضا کا ایک کنارہ یا حد ہے۔

ابوعثمان فرماتے ہیں۔ ورع کا ثواب حساب میں آسانی ہونے کی صورت میں ملے گا۔

یحییٰؒ بن معاذ فرماتے ہیں ورع یہ ہے کہ بغیر کسی قسم کی تاویل کے علم کی حد پر کھڑا رہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ ان سے حسین بن احمد بن جعفر نے کہا کہ میں نے محمد بن داؤد الدنیوری کو کہتے ہوئے سنا کہ عبداللہ الجلاء فرماتے تھے میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو تیس سال مکہ میں مقیم رہا۔ مگر اس نے زمزم کا وہی پانی پیا جس کو اس نے خود اپنی رسی اور ڈول سے نکالا تھا اور نہ اس نے وہ کھانا کھایا جو مصر سے لایا گیا تھا۔

عبداللہ بن مروان کا قصہ

اور میں نے انہی محمد حسین سے سنا کہتے تھے کہ ابوبکر الرازی کہتے تھے میں نے علی بن موسیٰ التاہرتی کو فرماتے سنا کہ عبداللہؒ بن مروان[۴۶۱] سے ایک پیسہ ایک گندے کنوئیں میں گر پڑا۔ تو انہوں نے تیرہ دینار مزدوری پر لگا دیئے۔ یہاں تک کہ اس پیسے کو نکال لیا۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا۔ اس پیسے پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا۔

اور میں نے ان سے سنا کہ ابوالحسین الفارسی فرماتے تھے کہ میں نے ابن علویہ[۴۶۲] سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے یحییٰ بن معاذ کو یوں فرماتے سنا۔

ورع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری ورع، وہ یہ ہے کہ انسان حرکت کرے تو صرف اللہ کے لئے، دوسرے باطنی ورع جو یہ ہے کہ تمہارے دل میں اللہ کے سوا کوئی اور داخل ہی نہ ہو۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ جو شخص ورع کی باریکیوں میں غور نہیں کرتا۔ وہ اللہ کے بڑے عطیوں تک نہیں پہنچ سکتا۔

کہا جاتا ہے کہ جو شخص دین میں باریک بین ہوگا۔ قیامت میں اس کا مرتبہ بڑا ہوگا۔

ابن الجلاءؒ فرماتے ہیں۔ جس شخص میں محتاجی کی حالت میں تقویٰ نہ ہو۔ وہ قطعی حرام کا مال کھائے گا۔

یونسؒ بن عبید[۴۶۳] فرماتے ہیں۔ ہر قسم کے شبہ سے نکلنے اور ہر لحظہ محاسبہ کرنے کا نام ورع ہے

سفیان ثوری فرماتے ہیں۔ میں نے ورع سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں دیکھی۔ جو چیز تمہارے دل میں کھٹکے اسے چھوڑ دو۔

معروف کرخی فرماتے ہیں۔ جس طرح تو اپنی زبان کو مذمت سے بچاتا ہے۔ اسی طرح مدح سے بچا۔

بشر بن الحارث فرماتے ہیں۔ سخت ترین کام تین ہیں۔ محتاجی میں سخاوت، خلوت میں پرہیزگاری۔ اور جس شخص سے بھلائی کی امید یا برائی کا ڈر ہو۔ اس کے سامنے کلمہ حق کہنا۔

بشر حافی کی بہن اور امام احمد

کہتے ہیں کہ بشر حافی کی بہن امام احمد بن حنبل کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ ہم اپنے مکان کی چھت پر سوت کاتتے ہیں تو طاہریہ[۴۶۵] کی مشعلیں گزرتی ہیں اور ان کی شعاعیں ہم پر پڑتی ہیں۔ کیا ان کی شعاع میں ہمارے لئے سوت کاتنا جائز ہے؟

امام احمد نے پوچھا۔ تم کون ہو۔ جواب دیا بشر حافی کی بہن۔ احمد رو پڑے۔ اور کہا تمہارے گھر سے تو سچی پرہیزگاری نکلتی ہے۔ ان کی شعاع میں سوت نہ کاتا کرو۔

علی عطار[۴۶۶] فرماتے ہیں میں بصرا کی ایک سڑک سے گذرا۔ وہاں بچے کھیل رہے تھے اور بوڑھے

بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے بچوں سے کہا۔ کیا تمہیں ان بزرگوں سے شرم نہیں آتی؟ ان میں سے ایک بچے نے جواب دیا چونکہ ان بزرگوں کی پرہیزگاری میں کمی واقع ہوگئی ہے۔ اس لئے ان کی ہیبت بھی کم ہوگئی ہے۔

مالک بن دینار کا واقعہ

کہتے ہیں کہ مالک بن دینار[۴۶۷] چالیس سال بصرہ میں مقیم رہے۔ مگر انہوں نے بصرہ کی ایک کھجور کھانا بھی درست نہ سمجھا یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی اور انہوں نے بصرہ کی ایک کھجور بھی نہیں چکھی۔ ان کا دستور تھا کہ جب تازہ کھجوروں کا موسم گذر جاتا تو کہتے اے بصرہ والو! یہ میرا پیٹ ہے اس میں سے کچھ کم نہیں ہوا۔ اور نہ تم میں کچھ زیادتی ہوئی ہے۔

ابراہیم بن ادہم سے کہا گیا۔ آپ زمزم کا پانی کیوں نہیں پیتے؟ تو فرمایا۔ اگر میرے پاس ڈول ہوتا تو ضرور پیتا۔

میں نے استاد ابو علیؒ دقاق کو فرماتے سنا کہ حارث محاسبی جب ایسے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے جس میں شبہ ہوتا تو ان کی انگلی کے سرے کی ایک رگ پھڑکنے لگ جاتی جس سے انہیں معلوم ہو جاتا۔ کہ کھانا حلال کا نہیں ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دعوت میں بشر حافی بھی موجود تھے۔ کھانا ان کے سامنے رکھ دیا گیا اور آپ نے بہت کوشش کی کہ آپ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھائیں مگر نہ بڑھا۔ آپ نے تین بار کوشش کی۔ ایک شخص نے جو اس بات کو جانتا تھا۔ کہا۔ آپ کا ہاتھ اس کھانے کی طرف کبھی نہیں بڑھے گا۔ جس میں شبہ ہوگا۔ دعوت دینے والے نے انہیں کیوں دعوت دی۔

احمد بن محمد بن یحییٰ الصوفی[۴۶۸] نے ہم سے بیان کیا۔ کہا میں نے عبداللہ بن علی بن یحییٰ التیمی سے سنا۔ انہوں نے کہا میں نے بصرہ میں احمد بن محمد بن سالم[۴۶۹] کو فرماتے سنا کہ کسی نے سہل بن عبداللہ سے حلال و پاک کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔ حلال و پاک وہ ہے جس میں اللہ کی نافرمانی نہ کی گئی ہو۔

سہلؒ فرماتے ہیں۔ حلال اور پاک وہ چیز ہے جس میں اللہ کو نہ بھلایا گیا ہو۔

حسن بصریؒ[۴۷۰] مکہ میں آئے اور وہاں حضرت علی بن ابی طالب کی اولاد میں سے ایک بچے

تو کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگوں کو وعظ کرتے دیکھا۔ حسن بصریؒ کھڑے ہو گئے اور بچے سے پوچھا دین کا دارومدار کس چیز پر ہے؟ بچے نے جواب دیا پرہیز گاری پہ، پھر پوچھا۔ دین کی آفت کس چیز میں ہے؟ جواب دیا طمع میں، یہ سُن کر حسنؒ کو تعجب ہوا۔

حسن کہتے ہیں صحیح پرہیز گاری ایک ذرہ بھر بھی ہو تو وہ نماز روزہ کے ایک ہزار مثقال سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میرا قرب چاہنے والے پرہیز گاری اور زہد سے بڑھ کر کسی اور چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ قیامت کے دن اہلِ ورع و زہد اللہ کے ہم نشین ہوں گے

سہلؒ بن عبداللہ فرماتے ہیں جس شخص کا ساتھ پرہیز گاری نہ دے وہ اگر سالم ہاتھی کھا جائے تو بھی سیر نہ ہوگا۔

کہتے ہیں عمرؒ بن عبدالعزیز کے پاس مالِ غنیمت کی کستوری لائی گئی تو انہوں نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ اور فرمایا۔ کہ ان کی خوشبو ہی سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور میں پسند نہیں کرتا کہ میں اکیلا اس کی خوشبو سونگھوں۔

ابو عثمان حیریؒ سے ورع کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ابو صالح حمدون اپنے ایک دوست کے پاس اس کی حالت نزع میں موجود تھے۔ جب وہ شخص مر گیا تو ابو صالح نے چراغ کو پھونک مار کر بجھا دیا۔ کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ اب تک چراغ کے تیل کا مالک وہ خود تھا مگر اب یہ تیل اس کے وارثوں کا ہے۔ لہٰذا کوئی اور تیل لاؤ تب چراغ جلاؤں گا۔

کہمسؒ کہتے ہیں کہ میں ایک گناہ کر بیٹھا جس کی وجہ سے چالیس سال سے رو رہا ہوں۔ بات یوں ہوئی کہ میرا ایک بھائی میری ملاقات کو آیا۔ میں نے اس کے لئے ایک دانق (دانگ) کی تلی ہوئی مچھلی خریدی جب وہ مچھلی کھا چکے تو میں نے اپنے ایک پڑوسی کی دیوار سے مٹی کا ایک ٹکڑا لیا جس سے انہوں نے ہاتھ صاف کر لیا۔ اور میں اس کی اجازت نہ لے سکا۔

کہتے ہیں ایک شخص نے ایک مکان کرایہ پر لے رکھا تھا۔ اس میں بیٹھ کر وہ رقعہ لکھا کرتا

تھا۔ اس نے حروف کو سکھانے کے لئے دیوار سے مٹی لینی چاہی۔ مگر فوراً دل میں خیال آیا کہ مکان کرایہ کا ہے پھر خیال آیا کہ اتنی سی بات سے کیا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نے حروف پہ دیوار سے مٹی لے کر ڈال دی۔ اس پر اس نے غیب سے ایک ندا سنی۔ اتنی سی مٹی کو حقیر جاننے والے کو کل قیامت کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا حساب کس قدر لمبا ہے۔

امام احمدؒ بن حنبل کا زُہد

امام احمدؒ بن حنبل نے مکہ میں تانبے کا ایک برتن (سطل) ایک سبزی فروش کے پاس گروی رکھا۔ جب انہوں نے اسے چھڑانا چاہا تو سبزی فروش دو برتن نکال کر لے آیا اور کہا۔ جو نسا چاہو لے لو۔ احمد فرماتے ہیں۔ میں اپنا برتن پہچان نہیں سکتا۔ لہٰذا کہا کہ یہ برتن بھی تیرا ہے اور یہ درہم بھی تیرے ہیں۔ اس پر سبزی فروش نے کہا۔ آپ کا برتن یہ ہے۔ میں تو صرف آپ کو آزمانا چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اب میں اسے نہ لوں گا۔ اور برتن اس کے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن المبارک نے ایک قیمتی جانور کھلا چھوڑ دیا اور خود ظہر کی نماز پڑھنے لگ گئے۔ جانور شاہی کھیتوں میں چرتا رہا۔ اس پر ابنِ مبارک نے اس جانور کو اس شخص کے پاس چھوڑ دیا جس کے قبضے میں وہ کھیت تھے۔ اور پھر اس پر سوار ہونا پسند نہ کیا۔

کہتے ہیں کہ ابن مبارک "مرو" سے "شام" صرف اس غرض سے آئے کہ ان کے پاس ایک عاریت لیا ہوا قلم تھا جس کو انہوں نے واپس نہ کیا تھا۔

نخعیؒ نے ایک سواری کا جانور کرایہ پہ لیا۔ راستہ میں ان کا کوڑا ہاتھ سے گر پڑا آپ نے اتر کر سواری کو باندھا اور واپس آکر کوڑا اٹھایا تو کسی نے عرض کی کہ کاش آپ جانور کو واپس لے آتے اور جہاں کوڑا گرا ہے وہاں سے اٹھا لیتے۔ فرمایا میں نے جانور کو اس شرط پر کرایہ پہ لیا تھا کہ اس طرف جاؤں گا نہ کہ اس طرف۔

ابوبکرؒ دقاق فرماتے ہیں۔ میں پندرہ دن تک بنی اسرائیل کے بیابان میں حیران پریشان پھرتا رہا۔ پھر جب راستہ پر آیا تو مجھے ایک فوجی ملا۔ جس نے مجھے پانی پلایا۔ اور

جس کی وجہ سے میرا دل تیس سال تک قلبی قساوت میں مبتلا رہا۔
کہتے ہیں کہ رابعہؒ نے کپڑے کا ایک ٹکڑا شاہی مشعل کی روشنی میں اپنی قمیص پر سیا جس کی وجہ سے مدت تک اس نے اپنے دل کا سکون نہ پایا۔ یہاں تک کہ اسے یاد آیا (کہ اس کی وجہ تو کپڑے کا ٹکڑا ہے جو میں نے شاہی مشعل کی روشنی میں سیا تھا۔) اس پر اس نے قمیص پھاڑ ڈالی تو پھر اسے دل کا سکون مل گیا۔
کسی نے سفیان ثوری کو خواب میں دیکھا کہ ان کے دو پر لگے ہوئے ہیں اور جنت میں ایک درخت سے اڑ کر دوسرے درخت پر جاتے ہیں۔ اس شخص نے پوچھا۔ آپ کو یہ مرتبہ کیونکر ملا۔ فرمایا۔ پرہیزگاری کے سبب۔
حسان بن ابی سنان[۲۷۶] حسن بصری کے شاگردوں کے پاس آکر کھڑے ہوئے اور پوچھا تمہیں کون سی چیز سخت مشکل معلوم ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا ورع و مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرنا۔ فرمانے[۲۷۷] لگے۔ میرے لئے تو یہ بہت احسان ہے۔ پوچھا کیسے؟ فرمایا۔ چالیس[۲۷۸] سال ہونے کو آئے میں نے تمہاری نہر[۲۷۸] کا پانی نہیں پیا۔
حسان بن ابی سنان کی عادت تھی کہ یہ نہ تو چت لیٹا کرتے تھے اور نہ مرغن (چین) کھانا کھاتے اور نہ ٹھنڈا پانی پیتے۔ اسی طرح ساٹھ سال گزار دیئے۔ موت کے بعد انہیں کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا۔ اللہ نے تجھ سے کیا برتاؤ کیا فرمایا۔ اچھا برتاؤ کیا۔ مگر میں نے ایک سوئی عاریتاً لی تھی اور میں نے اسے واپس نہیں کیا تھا۔ جس کی وجہ سے مجھے جنت میں جانے سے روکا گیا ہے۔
"عبدالواحد[۲۷۹]" بن زید کا ایک لڑکا تھا۔ جس نے برسوں اس کی خدمت کی۔ اور چالیس[۲۸۰] سال تک عبادت کرتا رہا۔ یہ لڑکا ابتداء میں وزن کرنے کا کام کرتا تھا۔ مرنے کے بعد اسے کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا۔ اللہ نے تم سے کیا برتاؤ کیا۔ جواب دیا۔ اچھا برتاؤ کیا مگر میں جنت میں جانے سے روک دیا گیا ہوں۔ میرے ذمے پیمانے کے غبار کے چالیس پیمانہ بھر وزن نکالا گیا ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبرستان سے گذرے۔ آپ نے ایک مردہ شخص کو آواز

دی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ تو کون ہے؟ فرمایا میں مزدور تھا۔ اور لوگوں کا بوجھ اٹھا کرلے جایا کرتا تھا۔ ایک دن ایک شخص کا ایندھن اٹھا کر لے گیا جس سے میں نے ایک خلال توڑ کر اس سے دانتوں کو خلال کیا تھا۔ جب سے مرا ہوں اس کا مجھ سے مطالبہ ہو رہا ہے۔

ایک بار ابو سعید خراز نے ورع کے متعلق گفتگو کی۔ اتفاقاً عباس بن المہتدی[۴۸۰] کا ادھر سے گذر ہوا۔ کہا۔ اے ابو سعید! تجھے شرم نہیں آتی؟ تو ابو الدوانیق کی چھت کے نیچے بیٹھتا ہے اور زبیدہ[۴۸۱] کے حوض سے پانی پیتا ہے اور کھوٹے درہموں سے لین دین کرتا ہے اور پھر بھی ورع پر گفتگو کرتا ہے۔

باب ۶

زھد[۴۸۲]

حمزۃ بن یوسف سلمی الجرجانی[۴۸۳] نے ہم سے بیان کیا کہ ابو الحسین[۴۸۴] عبید اللہ بن احمد بن یعقوب المقری بغدادی نے بغداد میں ہم سے بیان کیا کہ جعفر بن مجاشع نے کہا۔ زید بن اسمٰعیل[۴۸۵] نے ہم سے بیان کیا کہ کثیر بن ہشام[۴۸۶] نے ہم سے بیان کیا۔ کہا کہ حکم بن ہشام[۴۸۷] نے یحییٰ بن سعید[۴۸۸] اور انہوں نے ابو فروہ[۴۸۹] سے اور ابو فروہ[۴۹۰] نے ابو خلادہ[۴۹۱] سے جو صحابی ہیں روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ اُوْتِيَ زُهْدًا فِي الدُّنْيَا وَمَنْطِقًا فَاقْتَرِبُوا مِنْهُ فَإِنَّهُ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ۔ "جب تم کسی انسان کو دیکھو کہ اسے اللہ تعالیٰ نے دنیا سے اعراض کرنے کی توفیق دی ہے اور ایسی گفتار دی ہے کہ وہ لوگوں کو دنیا سے اعراض کرنے کی نصیحت کرتا ہے تو تمہیں چاہیئے کہ اس کا قرب حاصل کرو۔ کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت کی تلقین ہوتی ہے"

زہد کیا ہے

استاد امام ابو القاسمؒ فرماتے ہیں۔

زہد کے بارے میں لوگوں میں بہت اختلاف ہے چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ زہد صرف حرام چیزوں سے بچنے کا نام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حلال چیزوں کی اجازت دے رکھی

ہے۔ لہٰذا جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی بندے کو حلال مال عطا کرتا ہے اور بندہ اس مال پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس صورت میں . . . اپنے اختیار سے حلال مال کو ترک کرنا اور اسے نہ خرچ کرنا۔ دونوں یکساں ہیں کسی ایک صورت کو دوسری صورت پر فضیلت نہ ہوگی۔

بعض کہتے ہیں کہ حرام چیزوں کے متعلق زہد واجب ہے اور حلال صورتوں میں زہد افضل ہے۔ کیونکہ بندہ کو کم مال دنیا پھر اس کا اپنے حال پر صابر ہونا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں لکھ دیا ہے۔ اسی راضی ہونا نیز اللہ کے دیتے پر قانع ہونا بدرجہا بہتر ہے۔ اس حالت سے جس میں بندے کو اللہ تعالیٰ دنیا کی وسعتیں عطا کرے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دنیا سے اعراض کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَّالْآخِرَةُ لِمَنِ اتَّقٰى" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ انہیں کہہ دیں کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور آخرت تو ان لوگوں کے لئے ہے جو پرہیزگار ہوں۔

اس طرح دوسری آیتیں ہیں۔ جن میں دنیا کی مذمت کی گئی ہے اور اس سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ جب بندہ اطاعت گزاری میں اپنا مال خرچ کرتا ہے نیز معلوم ہے کہ وہ اپنی حالت پر صابر ہے۔ اور تنگدستی میں ان چیزوں کے درپے نہیں ہوتا۔ جن سے شروع نے منع کیا ہے۔ تو ایسی حالت میں مال حلال کے متعلق اس کا زہد زیادہ کامل ہوگا۔

بعض کہتے ہیں کہ بندہ کو چاہیئے کہ حلال کو چھوڑنے میں تکلف سے کام نہ لے اور نہ ہی ایسا کرے کہ جن چیزوں کی اسے حاجت نہیں ان میں سے بیکار چیزوں کی تلاش کرے۔ اسے اپنی قسمت نگاہ میں رکھنی چاہیئے اور اگر اللہ تعالیٰ اسے حلال مال عطا کرے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور اگر اللہ تعالیٰ اسے صرف اتنا دے جتنا اسے کفایت کر جائے۔ تب بھی وہ بیکار مال کی تلاش کا ذکر نہ کرے۔ فقیر کے لئے صبر اچھا ہے۔ اور حلال مال والے کے لئے شکر زیادہ مناسب ہے۔

زہد کے معنی بزرگوں نے زہد کے معنی پر بحث کی ہے۔ چنانچہ ہر ایک نے کیف وحال کے مطابق بات کی ہے اور زہد کی تعریف کی ہے۔

مَیں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ احمد بن اسمٰعیل[۴۹۱] الازدی نے کہا کہ عمران بن موسیٰ الاسفنجی نے ان سے کہا کہ الدورقی[۴۹۲] نے ہم سے بیان کیا۔ کہا وکیع[۴۹۳] نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان ثوری فرماتے تھے۔

دنیا سے اعراض کرنا یہ نہیں ہے کہ تو غیر لطیف چیز کھائے اور عباء پہنے بلکہ زہد یہ ہے کہ تو اپنی امیدوں کو چھوٹی اور کم کرے۔

مَیں نے ان سے سنا فرماتے تھے کہ سعید بن[۴۹۴] احمد نے کہا کہ مَیں نے عباس بن[۴۹۵] عصام سے سنا۔ کہتے تھے کہ مَیں نے جنیدؒ سے سنا۔ کہتے تھے۔ مَیں نے سریؒ کو یوں فرماتے سنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں سے دنیا کو سلب کر رکھا ہے اور اصفیاء سے اسے محفوظ کر رکھا ہے۔ اور اپنے دوستوں کے دلوں سے دنیا کو نکال دیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا دینے میں راضی نہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ زہد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے۔ لِکَیلا تَاسَوا عَلیٰ مافاتَکُم ولاتَفرَحُوا بِمَا آتاکُمْ۔"

"تاکہ، تم اس چیز پر افسوس نہ کرو۔ جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اور نہ اس چیز پر خوش ہو۔ جو اللہ تمہیں دے۔

لہٰذا زاہد دنیا کے ملنے پر خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی دنیا کی اس چیز پر افسوس کرتا ہے جو اُسے نہ ملی ہو۔

ابوعثمان فرماتے ہیں۔ زہد یہ ہے کہ تو دنیا کو چھوڑ دے اور اس کی پرواہ نہ کر۔ کہ اسے کون لیتا ہے۔

مَیں نے استاد ابوعلیؒ دقاق کو یوں فرماتے سنا زہد یہ ہے کہ تو دنیا کو جوں کا توں چھوڑ دے یہ مت کہہ کہ ایک سرائے بناؤں گا یا مسجد تعمیر کروں گا۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ زہد، زاہد کے اندر یہ کیفیت پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی ملکیت

کی اشیاء کی سخاوت کرتا ہے اور محبت سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ محب اپنی جان کی سخاوت کرتا ہے۔

ابن جلاءؒ فرماتے ہیں۔ زہد یہ ہے کہ تو دنیا کی طرف دیکھے، تو اس طرح دیکھے کہ یہ ایک زوال پذیر چیز ہے تاکہ دنیا تمہاری نگاہ میں حقیر معلوم ہو اور تمہارے لئے اس سے اعراض کرنا آسان ہو جائے۔

ابنِ خفیف کہتے ہیں۔ زہد کی نشانی یہ ہے کہ اپنی ملکیت کی چیزوں کو ہاتھ سے نکال کر انسان راحت محسوس کرے۔

نیز فرماتے ہیں۔ دِل کا اسباب کی طرف خیال نہ کرنا اور اپنی ملکیت کی چیزوں سے ہاتھ جھاڑنے کا نام زہد ہے۔

کسی نے یوں بھی کہا ہے کہ نفس کا دنیا سے بغیر تکلف کے اعراض کرنے کا نام زہدؔ ہے۔
میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ کہتے تھے۔ کہ میں نے نصرآبادی سے سنا فرماتے تھے۔ دنیا میں زاہد شاذ و نادر ہوتے ہیں اور عارف آخرت میں نادر ہوں گے۔

یوں بھی کہا گیا ہے۔ جو اپنے زہد میں سچا ہو گا۔ دنیا خود بخود اس کی طرف کھنچی آئیگی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اگر آسمان سے ٹوپی گرتی ہے تو صرف اس شخص کے سر پر گرے گی جو اسے نہ چاہے گا۔

جنیدؒ فرماتے ہیں جن چیزوں سے تمہارا ہاتھ خالی ہے، ان سے دِل کے خالی ہونے کا نام زُہد ہے۔

ابوسلیمانؒ دارانی فرماتے ہیں۔ صوف (پشمینہ) پہننا زُہد کی ایک علامت ہے تو زاہد کے لئے مناسب نہیں کہ تین درہموں کا تو صوف پہنے اور دل میں پانچ درہموں کی خواہش رکھے۔

زُہد کی حقیقت کے متعلق سلف میں اختلاف ہے۔

سفیان ثوری احمد بن حنبل عیسیٰ بن یونس اور دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ امیدوں کو کم کرنا زُہد ہے۔ ان کے قول کو اس بات پر محمول کیا جاتا ہے کہ یہ زُہد کی علامات میں سے

ہے اور یہ صفت زہد پر آکساتی ہے۔ اور زہد کی موجب ہوتی ہے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔ فقر کی محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا نام زہد ہے۔ یہی قول شفیقؒ بلخی اور یوسف بن اسباط کا ہے۔

اللہ پر بھروسہ کرنا بھی زہد کی علامات میں سے ہے۔ یعنی یہ زہد کی تعریف نہیں ہے کیونکہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کے بغیر زہد کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔

عبدالواحدؒ بن زید فرماتے ہیں۔ درہم و دینار ترک کر دینے کا نام زہد ہے۔

ابوسلیمانؒ دارانی فرماتے ہیں ہر اس چیز کو ترک کر دینے کا نام زہد ہے جو اللہ کی طرف مشغولیت سے روکے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے احمد بن علی نے ان سے کہا کہ ابراہیم بن مالک فرماتے تھے کہ رویم نے جنیدؒ سے زہد کے متعلق سوال کیا تو فرمایا۔ دنیا کو حقیر جاننے اور اس کے آثار کو دل سے محو کر دینے کا نام زہد ہے۔

سری فرماتے ہیں:۔ جو اپنے نفس کی اصلاح کو چھوڑ کر اور چیزوں کی طرف توجہ دے تو اس کی زندگی پاکیزہ نہیں کہلا سکتی۔ اسی طرح اگر عارف اپنے رب کے ساتھ مشغولیت کو چھوڑ کر اپنے نفس کی طرف مشغول ہو جائے تو اس کی زندگی پاکیزہ نہیں ہو سکتی۔

جنیدؒ سے زہد کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا۔ اپنی مملوکہ چیز سے ہاتھ کے خالی ہونے اور پھر دل کا اس کی طرف نہ لگنے کا نام زہد ہے۔

شبلیؒ سے زہد کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا۔

اللہ کے سوا جو چیز بھی ہے۔ اس سے اعراض کرنے کا نام زہد ہے۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔

جب تک کسی میں تین خصلتیں نہ پائی جائیں اس وقت تک وہ زہد کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا۔ (۱) عمل کرے تو اس کے دل میں اللہ کی خوشنودی کے سوا کوئی اور خواہش نہ ہو۔ (۲) بات کہے تو بغیر کسی لالچ کے۔ (۳) اور بغیر ریاست کے اپنے آپ کو ذی عزت بنائے رکھے۔

ابوحفصؒ فرماتے ہیں۔ زہد تو صرف حلال چیزوں سے متعلق ہے۔ اور چونکہ دنیا میں کوئی

حلال چیز نہیں۔ لہذا زُہد بھی نہیں۔

ابوعثمان فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ زاہد کو اس کی خواہش سے زیادہ عطا کرتا ہے اور دنیا کی رغبت کرنے والے کو اس کی خواہش سے کم دیتا ہے اور قانع شخص کو اسی قدر عطا کرتا ہے جتنا وہ چاہتا ہے۔

یحییٰؒ بن معاذ فرماتے ہیں۔ زاہد تجھے سرکہ اور رائی کی نسوار دیتا ہے اور عارف تجھے مشک وعنبر سونگھنے کو دیتا ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بغض کا نام زہد ہے۔

کسی صوفی سے پوچھا گیا۔ دنیا سے اعراض کس کو کہتے ہیں تو فرمایا۔ دنیا کی چیزوں کو دنیا والوں کے لیے چھوڑ دینے کا نام زُہد ہے۔

ایک آدمی نے ذوالنونؒ سے پوچھا کہ میں کب زاہد بن سکتا ہوں؟ فرمایا، جب تو نفس کی لذتوں سے منہ موڑ لے۔

محمد بن الفضل فرماتے ہیں۔ زاہدوں کا ایثار اس وقت ہوتا ہے جب وہ مستغنی ہوں اور جوانمردی کا ایثار اس وقت ہوتا ہے جب حاجتمند ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یُؤثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ خواہ خود تنگدست کیوں نہ ہوں وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

کتانی فرماتے ہیں۔ ایسی چیزیں جن میں کسی کو اختلاف نہیں، خواہ وہ کوفی ہوں، خواہ شامی، خواہ عراقی وہ یہ ہیں۔ (۱) دنیا سے اعراض (۲)، اپنی جان کی سخاوت اور (۳) مخلوق کے لیے خیر خواہی کرنا۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی ان چیزوں کو ناپسندیدہ نہیں کہتا۔

کسی شخص نے یحییٰؒ بن معاذ سے پوچھا۔ میں توکل کی دکان میں کب داخل ہو سکتا ہوں زُہد کی چادر کب پہن سکتا ہوں اور زاہدوں کے ساتھ کب بیٹھ سکتا ہوں؟ فرمایا۔

جب پوشیدہ طور پر تمہاری ریاضت اس حد تک پہنچ جائے اگر اللہ تعالیٰ تین دن تک بھی تمہیں روزی نہ دے تو تمہارا نفس کمزوری محسوس نہ کرے۔ اگر تم اس درجہ تک نہیں پہنچے ہو تو زاہدوں کی چادر پر تمہارا بیٹھنا جہالت ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ تم کہیں صوفیاؒ میں

رُسوا نہ ہو جائے۔

بشر حافیؒ فرماتے ہیں۔ زُہد ایک فرشتہ ہے۔ جو صرف اُن لوگوں کے دِلوں میں سکونت اختیار کرتا ہے جن کے دِل دنیا سے خالی ہیں۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے کہ ابوبکر الرازی نے ان سے کہا کہ محمد بن الاشعث البیکندی فرماتے تھے جو شخص زُہد کی گفتگو کرتا ہے اور لوگوں کو وعظ سناتا ہے۔ اس کے باوجود لوگوں کے مال کی رغبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دِل سے آخرت کی محبت اٹھا لیتا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب کوئی بندہ دنیا سے اعراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس کے دِل میں حکمت کا پودا لگاتا ہے۔

ایک صوفی سے کہا گیا کہ تو دنیا سے کیوں روگردان ہے؟ تو جواب دیا کیونکہ وہ مجھ سے روگردان ہے۔ احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ زُہد تین طرح کا ہے (۱) ترک حرام یہ عوام کا زُہد ہے (۲) حلال چیزوں میں سے فضول چیزوں کا ترک کرنا، یہ خاص لوگوں کا زُہد ہے (۳) ان تمام چیزوں کا ترک کر دینا، جو بندے کو اللہ کی طرف سے چھڑا کر اپنی طرف مشغول رکھتی ہیں یہ عارفین کا زُہد ہے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کسی صوفی سے پوچھا گیا کہ آپ دنیا سے کیوں اعراض کرتے ہیں؟ فرمایا۔ جب میں نے دنیا کی بیشتر چیزوں سے اعراض کیا تو میں نے یہ بھی پسند نہ کیا کہ باقی چیزوں کی طرف رغبت کروں۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں دنیا ایک دلہن کی مانند ہے اور اس کے طالب دنیا کا بناؤ سنگھار کرنے والے ہیں۔ اور جو لوگ دنیا سے اعراض کرتے ہیں وہ اس کا منہ کالا کرتے ہیں۔ اس کے بال نوچتے ہیں اور اس کے کپڑے پھاڑتے ہیں۔ مگر جو لوگ عارف ہیں وہ اللہ کی طرف لگے ہوتے ہیں وہ دنیا کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

میں نے ابوعبداللہ صوفی سے سنا کہ ابوالطیب سامری نے کہا جنید فرماتے تھے میں نے سَری کو فرماتے سنا میں نے زُہد کے بارے میں ہر چیز کی مشق کی اور میری مراد مجھے حاصل

ہوگئی۔ البتہ لوگوں کی ملاقات کی خواہش سے اعراض کرنے کی حالت حاصل نہیں ہوئی اور نہ اس کی طاقت حاصل ہوئی۔

کہا جاتا ہے۔ زاہد لوگ ادنیٰ چیز سے اعلیٰ چیز کی طرف جاتے ہیں کیونکہ وہ فانی نعمتوں کو باقی رہنے والی نعمتوں کی خاطر چھوڑ دیتے ہیں۔

نصر آبادیؒ فرماتے ہیں زُہد میں زاہدوں کے خون کی حفاظت ہوتی ہے اور عارفوں کا خون بہایا جاتا ہے۔

حاتم عاصم فرماتے ہیں۔ زاہد اپنے نفس سے پہلے اپنی تھیلی کو گھلاتا ہے۔ زاہد بننے والا اپنی تھیلی سے پہلے اپنے نفس کو گھلاتا ہے۔

مَیں نے عبداللہ بن محمد سے سنا کہ فرماتے تھے کہ ان سے علی بن الحسین موصلی نے بیان کیا، فرماتے تھے۔ احمد بن الحسینؒ[497] نے کہا کہ ان سے محمد بن الحسینؒ[498] نے بیان کیا کہ محمد بن جعفر فرماتے تھے میں نے فضیل بن عیاض کو فرماتے سنا۔

اللہ تعالیٰ نے سارے شر کو ایک گھر میں رکھ دیا اور دنیا کی محبت کو اس کی کنجی بنایا اور ساری بھلائی کو ایک گھر میں رکھ دیا اور زہد کو اس کی چابی بنایا۔

باب ۷

(۴۹۹)

خاموشی (صمت)

عبداللہ بن یوسف الاصبہانی نے خبر دی۔ ان سے ابوبکر محمد[500] بن الحسین القطان نے کہا ان سے احمد بن یوسفؒ[501] السلمی نے بیان کیا کہ ہم سے عبدالرزاق[502] نے بیان کیا کہ ہم سے معمرؒ[503] نے کہا ہم سے زہریؒ نے اور انہوں نے ابوسلمہ سے اور انہوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ

خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ۔

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے۔ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کو چاہیئے کہ اگر کچھ کہے تو نیک بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

ہم سے علی بن احمد بن عبدان نے بیان کیا کہ ہم سے احمد بن عبید نے بیان کیا کہ ہم سے بشر بن موسیٰ الاسدی (۵۰۶) نے بیان کیا۔ ہم سے محمد بن سعید (۵۰۷) اصبہانی نے بیان کیا انہوں نے ابن المبارک سے اور انہوں نے عبید اللہ بن زحر اور انہوں نے علی بن زید (۵۰۸) سے اور انہوں نے القاسم (۵۰۹) سے اور انہوں نے ابو امامہ سے اور انہوں نے عقبہ بن (۵۱۰) عامر سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ نجات کیا ہے؟ حضور نے فرمایا۔ اپنی زبان کی حفاظت رکھو تمہیں گھر کی وسعت تمہارے لئے کافی ہونی چاہیئے اور اپنی خطا پر روؤ۔

استاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ خاموشی سلامتی ہے۔ چونکہ جب خاموش نہ رہنے پر شریعت نے زجر کیا ہے اس وقت خاموشی ندامت کا سبب ہے لہذا ضروری ہے کہ خاموش رہنے میں احکام شریعت اور امر و نہی کا لحاظ رکھا جائے۔ اپنے وقت پر خاموش رہنا مردانِ (خدا) کی صفت ہے۔ جس طرح اپنے محل پر بولنا بہت شریف خصلت ہے۔

میں نے اپنے ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ جو شخص حق بات کہنے سے خاموش رہا۔ وہ گونگا شیطان ہے اور خاموشی بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونے کے آداب میں سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

(جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے)

اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنوں کے حاضر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا (جب حاضر ہوئے تو ایک دوسرے سے خاموش رہنے کو کہا) نیز فرمایا۔ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے (ادب کی وجہ سے) آوازیں پست ہوگئیں۔ اب سوائے دھیمی آواز کے سوا کچھ نہ سنو گے۔

وہ بندہ جو جھوٹ اور غیبت سے بچنے کی خاطر خاموش رہتا ہے۔ اس کے اور اس شخص کے درمیان جو دبدبے والے بادشاہ یعنی اللہ کی ہیبت سے خاموش رہتا ہے کس قدر فرق ہے اسی سلسلے میں یہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں:۔

اُفَکِّرُمَا اَقُوْلُ اِذَا افْتَرَقْنَا ... وَاُحْکِمُ دَائِبًا حُجَجَ الْمَقَالِ

فَاُنْسَاهَا اِذَا نَحْنُ الْتَقَیْنَا ... فَاَنْطِقُ حِیْنَ اَنْطِقُ بِالْمُحَالِ

(جب ہم جدا ہو جاتے ہیں تو جو کچھ مجھے کہنا ہے۔ اس کو سوچتا ہوں۔ اور بڑی کوشش سے گفتگو کے دلائل کو مضبوط بناتا ہوں۔ مگر جب درحقیقت ملاقات ہوتی ہے تو میں ان تمام دلائل کو بھول جاتا ہوں اور جو کچھ بولتا ہوں وہ سب اوٹ پٹانگ ہوتا ہے۔) نیز:۔

فَیَا لَیْلُ کَمْ مِنْ حَاجَةٍ لِیْ مُهِمَّةٍ ... اِذَا جِئْتُکُمْ لَمْ اَدْرِ یَا لَیْلُ مَا هِیَا

(میری بہت سی اہم حاجتیں ہوتی ہیں۔ مگر اے لیلیٰ جب تمہارے پاس آتا ہوں تو سب کچھ بھول جاتا ہوں اور مجھے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ حاجتیں کیا تھیں) نیز:۔

وَکَمْ حَدِیْثٌ لَکَ حَتّٰی اِذَا ... مَکَّنْتُ مِنْ لُقْیَاکَ النَّسِیْتُه

اے محبوب! تمہیں کہنے کی بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔ مگر جب تمہاری ملاقات میسر ہوتی ہے تو سب کچھ بھول جاتا ہوں۔" نیز:۔

رَاَیْتُ الْکَلَامَ یَزِیْنُ الْفَتٰی ... وَلَلصَّمْتُ خَیْرٌ لِمَنْ قَدْ صَمَتَ

وَکَمْ مِنْ حُرُوْفٍ تَجُرُّ الْحُتُوْفَ ... وَمِنْ نَاطِقٍ وَدَّ اَنْ لَوْ سَکَتَ

"میں دیکھتا ہوں کہ جوانمرد کو یہ بات بھلی معلوم ہوتی ہے کہ وہ بات کہے مگر خاموش رہنے والے کے لئے خاموشی اچھی ہے۔ بہت سی باتیں موت کا سبب بنتی ہیں اور بہت سے بولنے والے (بولنے کے بعد) یہ چاہتے ہیں، کہ کاش وہ خاموش رہتے۔"

خاموشی کی دو قسمیں ہیں: ظاہری خاموشی، اور دل و ضمیر کی خاموشی۔ چنانچہ ایک متوکل انسان رزق کا تقاضا کرنے سے خاموش رہتا ہے مگر عارف کا دل اللہ تعالیٰ کے احکام کی موافقت

کی خاطر خاموش ہوتا ہے۔ چنانچہ پہلا (یعنی متوکل) اللہ تعالیٰ کی عنایات پر کلی اعتماد رکھتا ہے اور عارف اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر قناعت کرتا ہے۔ شاعر نے اسی معنی کو ادا کرتے ہوئے کہا ہے:۔

تَجْرِیْ عَلَیْكَ صُرُوْفُہٗ　　　وَھُمُوْمُ سِرِّكَ مُطْرِقَہْ

محبوب کی گردشیں تم پر چلتی رہتی ہیں (مگر اس کے باوجود) تمہارے اسرار کے غم سر جھکائے پڑے رہتے ہیں۔

بعض اوقات فی البدیہہ کہنے کی حیرانی خاموشی کا باعث بنتی ہے کیونکہ جب کشف اچانک حاصل ہو تو تمام عبارتیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا اس وقت نہ کوئی بیان ہوتا ہے اور نہ گویائی اور تمام شواہد ماند پڑ جاتے ہیں لہٰذا نہ کسی قسم کا علم ہوتا ہے اور نہ حس۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا۔ جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو اکٹھا کریں گے اور پوچھیں گے کہ تمہاری امتوں نے تمہیں کیا جواب دیا تو وہ جواب دیں گے ہمیں کچھ پتہ نہیں۔)

اب رہا یہ سوال کہ ارباب مجاہدہ نے خاموشی کو کیوں اختیار کیا ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ کلام کرنے سے کیا کیا آفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ مزید براں کلام میں نفس کو حظ حاصل ہوتا ہے اور نفس چاہتا ہے کہ مدح کی صفات کا اظہار کرے اور یہ کہ وہ اپنے ہم مرتبہ لوگوں میں امتیازی حیثیت حاصل کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے اور یہ ان امور میں سے ایک ہے جن کا شمار مخلوق کی آفتوں میں ہوتا ہے۔

خاموشی ریاضت کرنے والے صوفیا کی صفت ہے اور مقام منازلت اور تہذیب اخلاق کے ارکان میں سے ہے۔

داؤد طائیؒ ابو حنیفہؒ کی مجلس میں

کہا جاتا ہے کہ داؤد طائیؒ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے جب اپنے گھر کے اندر خلوت گزیں ہونے کا ارادہ کیا تو پہلے امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہونے کا عزم کیا۔ چنانچہ وہاں جا کر اپنے ساتھی علماء میں بیٹھے رہتے

مگر کسی مسئلہ میں گفتگو نہ کرتے۔ جب ایک سال تک اس عادت کو پختہ کر لینے پر کامیاب ہو گئے تب جا کر اپنے گھر میں خلوت گزین ہو گئے۔

عمر[۵۰۹] بن عبدالعزیز کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کوئی مضمون لکھتے اور اس کے الفاظ انہیں اچھے معلوم ہوتے تو وہ اپنی نوشت کو پھاڑ ڈالتے اور از سرِ نو عبارت لکھتے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا۔ ان کو عبدالرحمٰن[۵۱۰] بن محمد الرازی نے کہا کہ ابوالعباس[۵۱۱] محمد بن اسحاق السراج نے ان سے بیان کیا کہ احمد بن[۵۱۲] الفتح فرماتے تھے کہ میں نے بشر بن الحارث کو فرماتے سنا۔

جب تمہیں اپنا کلام پسند آتے تو خاموش رہو اور جب خاموشی پسند آتے تو کلام کرو۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں انسان کا خاموش رہنا اس وقت درست ہو سکتا ہے۔ جب خلوت میں رہنے کو اپنے لئے لازم قرار دے اور توبہ بھی اُسی وقت درست ہو سکتی ہے۔ جب اپنے لئے خاموش رہنے کو لازم قرار دے۔

ابوبکر[۵۱۳] فارسی فرماتے ہیں جس شخص نے خاموشی کو اپنا وطن نہ بنایا۔ وہ خاموش ہی کیوں نہ رہے بیکار کام کر رہا ہے۔

خاموشی صرف زبان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دل اور تمام جوارح کے لئے بھی خاموش رہنا ضروری ہے۔

ایک صوفی کا قول ہے جس شخص نے خاموشی کو غنیمت نہ جانا وہ جب بولے گا تو بے ہودہ باتیں کرے گا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے محمد بن عبداللہ بن شاذان سے سنا کہ ممشاد الدینوری فرماتے تھے۔ حکماء خاموشی اور تفکر ہی سے حکمت کے وارث بنے ہیں۔

کسی نے ابوبکر فارسی سے راز کی خاموشی کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا۔ راز کی خاموشی یہ ہے کہ تو ماضی اور مستقبل میں مشغول رہنا چھوڑ دے۔

ابوبکر فارسی فرماتے ہیں۔ جب انسان ضروری بات یا ایسی بات کہہ رہا ہو جس کے کہنے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تو وہ خاموش ہی خیال کیا جائے گا۔

حضرت معاذؓ بن جبل سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ لوگوں سے کم اور اللہ سے زیادہ باتیں کرو۔ شاید کہ تمہارا دِل اللہ کو دیکھ لے۔

ذوالنونؒ مصری سے کہا گیا۔ وہ کون سا شخص ہے۔ جو سب سے زیادہ اپنے نفس کی حفاظت کرتا ہے؟ فرمایا۔ وہ شخص جو اپنے نفس کی سب سے زیادہ حفاظت کرتا ہے جو اپنی زبان پر سب سے زیادہ قابو رکھتا ہے۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ زبان سے بڑھکر کوئی چیز دیر تک مقید رکھنے کی حقدار نہیں۔

علیؒ بن بکار فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے دروازے بنائے ہیں۔ مگر زبان کے چار دروازے بنائے ہیں۔ چنانچہ دونوں ہونٹ دو چوکھٹ ہیں۔ اور دانت دو چوکھٹ ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ابوبکرؓ صدیق کئی کئی سال اپنے منہ میں پتھر ڈالے رہتے تھے تاکہ وہ کم کلام کر سکیں۔

کہتے ہیں کہ ابوحمزہؒ بغدادی بہت عمدہ گفتگو کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہیں غیب سے آواز آئی۔ تم بولے اور اچھا بولے۔ اب یہ باقی رہ گیا کہ خاموش رہو اور وہ بھی اچھی خاموشی ہو اس کے بعد مرتے دم تک انہوں نے بات نہیں کی۔ اسی حالت میں تقریباً ایک ہفتہ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

بعض اوقات متکلم کو سزا کے طور پر چپ رہنے کو کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے کسی بات میں بے ادبی کی ہوتی ہے۔

شبلیؒ جب اپنے حلقہ میں بیٹھتے اور شاگرد سوال نہ کرتے تو یہ آیت پڑھتے۔ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ)۔ ان کے ظلم کی وجہ سے ہمارا حکم ان پر واجب ہوگیا۔ (یہی وجہ ہے) کہ وہ اب بول نہیں سکتے۔

بعض اوقات متکلم کے لئے خاموش رہنا اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ مجلس میں ایسا شخص موجود ہے جو بولنے کا اس سے زیادہ حقدار ہے۔

میں نے ابن سماک کو فرماتے سنا کہ شاہؒ کرمانی اور یحییٰؒ بن معاذ کے درمیان دوستی تھی۔ اتفاق سے ایک ہی شہر میں دونوں آموجود ہوئے مگر شاہ کرمانی یحییٰؒ بن معاذ کی مجلس میں

نہیں پہنچے۔ کسی نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا کہ صحیح یہی ہے کہ میں ان کی مجلس میں نہ جاؤں۔ لوگ ان سے اصرار کرتے رہے۔ تاآنکہ وہ ایک دن ان کی مجلس میں جا پہنچے۔ اور ایک طرف ہو کر اس طرح بیٹھ گئے کہ یحییٰؒ بن معاذ کو ان کا علم نہ ہوا۔ مگر جب یحییٰ کلام کرنے لگے تو خاموش ہو گئے اور فرمایا یہاں کوئی ایسا آدمی موجود ہے جو مجھ سے زیادہ کلام کرنے کا حقدار ہے اور وہ بول نہ سکے۔ اس پر شاہ کرمانیؒ نے فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ درست یہی ہے کہ میں ان کی مجلس میں نہ جاؤں۔

بعض اوقات متکلم پر سکوت اسلئے طاری ہو جاتا ہے کہ حاضرین میں سے کسی میں خرابی ہوتی ہے یعنی ان میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو اس کلام کو سننے کے اہل نہیں ہوتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس خیال سے کہ مبادا اس کلام کو کوئی نااہل سُن لے۔ متکلم کی زبان کو محفوظ رکھتا ہے۔

بعض اوقات متکلم کے خاموش رہنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حاضرین میں ایسے اشخاص موجود ہوتے ہیں۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس کی حالت ایسی ہے کہ اگر وہ اس شخص کا کلام سن لے گا تو وہ اس کے لئے فتنہ کا سبب ہوگا کیونکہ یا تو وہ یہ سمجھے گا کہ یہ اس کا "وقت" ہے۔ حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں۔ یا یہ کہ وہ اپنے ذمے ایسی بات لگا دے گا جس کی برداشت کی اس میں طاقت نہیں۔ لہٰذا اللہ اس پر رحم فرماتے ہوئے اس کے کانوں کو اس کلام کو سننے سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس طرح اس کو محفوظ کر لیتا ہے یا غلطی سے بچا لیتا ہے۔

بعض اہل طریقت مشائخ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات خاموشی کا سبب یہ ہوتا ہے کہ مجلس میں ایسے جن ہوتے ہیں جو کلام کو سننے کے اہل نہیں ہوتے۔ کیونکہ صوفیاء کی مجالس میں جنات بھی حاضر ہوتے ہیں۔

میں نے استاد ابو علیؒ دقاق کو فرماتے سُنا کہ میں ایک بار "مرو" میں بیمار پڑ گیا۔ میری خواہش ہوئی کہ نیشاپور لوٹ جاؤں۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے کہہ رہا ہے۔ تو اس شہر سے نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ کچھ جنوں کو تمہارا کلام پسند آگیا ہے اور وہ تمہاری مجلس میں آتے ہیں۔ ان کی خاطر آپ کو یہاں ٹھہرنا ہوگا۔

ایک حکیم کا قول ہے کہ انسان کو ایک زبان، دو کان اور دو آنکھیں اس کے لئے دی گئیں

ہیں کہ وہ کلام کرنے کے مقابلہ میں زیادہ سُنے اور زیادہ دیکھے۔

ابراہیم بن ادہم ایک دعوت میں مدعو تھے۔ جب آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھے تو انہوں نے غیبت کرنی شروع کر دی۔ ابراہیم نے کہا۔ ہمارے ہاں تو روٹی گوشت سے پہلے کھائی جاتی ہے اور تم نے شروع ہی گوشت کھانے سے کیا ہے۔ آپ کا ارشاد اللہ کے اس فرمان کی طرف تھا

اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتاً فَکَرِھْتُمُوْہُ۔

(کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، اگر تمہیں دیا جائے) تو تم) اسے ناپسند کرو گے۔ کسی کا قول ہے کہ خاموشی علم کی زبان ہے)

کسی صوفی کا قول ہے جس طرح تو کلام کرنا سیکھتا ہے۔ اسی طرح خاموش رہنا بھی سیکھ کیونکہ اگر کلام تجھے راستہ بتاتا ہے تو خاموشی تجھے بچاتی ہے۔

کہا گیا ہے۔ خاموشی زبان کی پارسائی ہے۔ یوں بھی کہا گیا ہے کہ زبان ایک درندہ ہے۔ اگر تو اسے جکڑ کر نہیں رکھے گا۔ تو یہ تجھ پر حملہ کر دے گا۔

کسی نے ابوحفص سے دریافت کیا۔ ولی کے لئے خاموشی افضل ہے یا کلام کرنا۔ فرمایا۔ اگر بولنے والے کو معلوم ہو جائے کہ کلام کرنے میں کیا آفت ہے تو نوح کی عمر جتنی عمر بھی خاموش رہے۔ اور اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ خاموش رہنے میں کیا آفت ہے تو وہ اللہ سے نوح جتنی دو عمریں مانگے گا کہ وہ بول سکے۔

کہا گیا ہے کہ عوام کی خاموشی زبان سے ہوتی ہے اور عارفین کی خاموشی دل سے، اور محبین کی خاموشی ان کے باطن کے خیالات سے۔

کسی نے کسی صوفی سے کلام کرنے کو کہا تو فرمایا، میری زبان ہی نہیں ہے کہ بولوں۔ پھر اُسے کہا گیا کہ سنیئے، تو کہا مجھ میں سننے کی جگہ ہی نہیں کہ سُن سکوں۔

ایک صوفی کا قول ہے کہ تیس ۳۰ سال میری یہی حالت رہی کہ میری زبان جو کچھ سُنتی، دل کی طرف سے سنتی، اس کے بعد تیس سال ایسے گزرے کہ دل جو کچھ بھی سُنتا، زبان کی طرف سے سنتا۔

کسی کا قول ہے خواہ تو اپنی زبان کو بھی بند کیوں نہ کر دے تو اپنے دل کے کلام سے چھٹکارا

نہیں پا سکتا۔ اور تیری ہڈیاں بوسیدہ کیوں نہ ہو جائیں۔ پھر بھی تو نفس کی گفتگو سے خلاصی نہیں پا سکتا اور تو کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے۔ تمہاری رُوح تم سے ہم کلام نہیں ہو گی۔ اس لئے کہ وہ تو اسرار کو چھپانے والی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جاہل کی زبان اس کی موت کی کُنجی ہے۔

کہتے ہیں کہ عاشق خاموش ہو جائے تو مر جاتا ہے۔ اور عارف اگر خاموش رہے تو اپنے اوپر قابو پا لیتا ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہتے تھے میں نے عبداللہ بن محمد الرازی سے سنا۔ کہتے تھے کہ میں نے محمد بن نصر الصائغ (۵۱۸) سے سنا کہتے تھے میں نے مردویہ (۵۱۹) الصائغ سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں نے فضیل بن عیاض کو فرماتے سُنا۔

جس نے اپنے اعمال میں سے اپنی گفتگو کو شمار کیا۔ وہ ان چیزوں کے سوا جن کی اسے ضرورت ہے۔ بہت کم گفتگو کرے گا۔

باب ۸
خوف[520]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یَدْعُوْنَ رَبَّہُمْ خَوْفاً وَّطَمَعاً "وہ اپنے رب کو خوف اور لالچ کی وجہ سے پکارتے ہیں۔"

ابوبکر محمد بن احمد بن عبدوس الحیری نے بتایا کہ ان سے ابوبکر محمد بن احمد بن دَوّیہ الدقاق نے بیان کیا کہ محمد بن[521] یزید نے کہا کہ عامر بن ابی الفرات نے بیان کیا کہ ہم سے مسعودی[522] نے محمد بن عبدالرحمٰن[523] سے اور انہوں نے عیسیٰ بن[524] طلحہؓ سے اور انہوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا یَدْخُلُ النَّارَ مَنْ بَکیٰ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ تَعَالیٰ حَتّیٰ یَلِجَ اللَّبَنُ فِی الضَّرْعِ وَلَا یَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَدُخَانُ جَہَنَّمَ فِیْ مَنْخَرِیْ عَبْدٍ اَبَداً۔

"جو شخص اللہ کے خوف سے روئے وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ یہاں تک کہ تھنوں میں دودھ واپس نہ چلا جائے (اور یہ ناممکن ہے) اور اللہ کی راہ میں غبار (یعنی جہاد کا غبار) اور جہنم کا دھواں (دونوں) ایک بندے کے نتھنوں میں جمع نہیں ہو سکتے۔

ابونعیم بن محمد بن ابراہیم المہرجانی نے ہم سے بیان کیا۔ کہا ابو محمد، عبداللہ[525] بن محمد بن الحسین بن الشرقی[526] نے بیان کیا کہ عبداللہ بن ہاشم نے اور ان سے یحییٰ بن سعید[527] نے القطان اور ان سے قتادہ نے انس سے روایت کی۔ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلاً وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْراً۔ (اگر تمہیں ان امور کا علم ہو جائے جن کا مجھے علم ہے تو تم، ہنسو کم، اور روؤ زیادہ)

میں کہتا ہوں کہ خوف ایک ایسی کیفیت ہے جس کا تعلق آئندہ کے ساتھ ہے۔ خوف اس لئے

ہوتا ہے کہ کہیں کوئی ناپسندبات واقع نہ ہو جائے یا کوئی محبوب چیز جاتی نہ رہے۔ اور یہ دونوں باتیں ایسی چیز سے تعلق رکھتی ہیں جو آئندہ ہونے والی ہے جو چیز موجود ہے اس کے متعلق خوف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے اس دنیا میں یا آخرت میں سزا دے اور اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اس سے ڈرتے رہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَخَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ۔ اگر تم مومن ہو تو مجھ سے ڈرتے رہو۔"

نیز فرمایا:۔ وَ اِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ " مجھ ہی سے ڈرو۔"

اللہ تعالیٰ نے اس ڈر کی وجہ سے مومنین کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِنْ فَوْقِھِمْ" اللہ تعالیٰ جو ان کے اوپر ہے۔ اس سے یہ لوگ ڈرتے ہیں۔

میں نے استاد ابوعلیؒ دقاق کو فرماتے سُنا۔ کہ خوف کے تین مرتبے ہیں:۔ ۱۔ خوف ۲۔ خشیت اور ۳۔ ہیبت۔ خوف ایمان کی شرط ہے اور یہ ایمان کا تقاضا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

وَخَافُوْنِ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ " اگر تم مومن ہو تو مجھ سے ڈرو۔ اور خشیت علم کی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ

" اللہ کے بندوں میں سے صرف عالم ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔"

اور ہیبت معرفت کی شرط ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ۔" اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے محمد بن علی الحیری سے سنا۔ کہتے تھے میں نے محمد بن علی الجیری سے سنا۔ کہتے تھے میں نے محفوظ سے سنا۔ کہتے تھے کہ میں نے ابوحفص سے سنا۔ فرماتے تھے

خوف اللہ تعالیٰ کا ایسا کوڑا ہے جس سے اللہ تعالےٰ اپنے در سے بدکے ہووؤں کو سیدھا کرتا ہے

ابوالقاسم حکیم فرماتے ہیں۔ خوف کی دو قسمیں ہیں۔ رہبت اور خشیت، رہبت والا جب ڈرتا ہے تو فرار کی راہ لیتا ہے اور خشیت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں پناہ لیتا ہے۔

پھر فرمایا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح جذب اور جبذ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ اسی طرح ہرب اور رہب ایک ہی چیز ہیں۔ لہٰذا جو بھاگ گیا ہو۔ وہ اپنی خواہش کے تقاضوں میں کھو گیا۔ جیسے وہ رہبانیت والے جو اپنی خواہشات کی تابعداری کرتے ہیں اور جب علم کی لگام انہیں قابو میں رکھے اور وہ شریعت کے حقوق ادا کریں تو یہ خشیت ہے۔

مجھ سے محمد بن الحسین نے کہا، ان سے عبداللہ بن محمد الرازی نے کہا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوعثمان نے کہا کہ اس نے ابوحفص کو فرماتے سنا۔ خوف دل کا چراغ ہے جس کے ذریعہ سے دل کے خیر و شر کو دیکھا جا سکتا ہے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ خوف یہ ہے کہ تو اپنے دل کو عسیٰ اور سوف (امید و انتظار) کے الفاظ سے نہ بہلائے۔

مجھ سے محمد بن الحسین نے کہا کہ مجھ سے ابوالقاسم الدمشقی نے کہا میں نے ابوعمرو دمشقی کو فرماتے سنا۔ ڈرنے والا شخص وہ ہے جو شیطان سے بھی زیادہ اپنے نفس سے ڈرے۔

ابن جلاؒ فرماتے ہیں:۔ ڈرنے والا وہ ہے جسے ہر وہ چیز جس سے دنیا ڈرتی ہے۔ امن دے (کیونکہ اسے اگر خوف ہے تو خدا کا ہے اور کسی چیز کا نہیں)

کہا جاتا ہے کہ خائف اُسے نہیں کہتے جو رو رہا ہو۔ اور اپنی آنکھیں پونچھتا اور صاف کرتا ہو خائف تو اُسے کہیں گے جو اس چیز کو جس پر اسے عذاب کا ڈر ہے ترک کر دے۔

کسی نے فضیل سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے کہ ہمیں کوئی خائف انسان نظر نہیں آتا۔ فرمایا۔ اگر تم خود خائف ہوتے تو تمہیں خائف نظر آ جاتے۔ خائف کو خائف ہی دیکھ سکتا ہے اور جس عورت کا بچہ مر گیا ہو۔ وہی کسی ایسی عورت کو دیکھنا پسند کرتی ہے جس کا بچہ مر چکا ہو۔

یحییٰؒ بن معاذ فرماتے ہیں۔ ابن آدم بے چارہ اگر دوزخ سے اس طرح ڈرتا رہتا جس طرح وہ تنگ دستی سے ڈرتا ہے تو جنت میں چلا جاتا۔

شاہؒ کرمانی فرماتے ہیں۔ خوف کی علامت دائمی غم ہے۔ ابوالقاسم حکیم نے کہا۔ جو شخص کسی

چیز سے ڈرتا ہے۔ وہ اس سے بھاگتا ہے۔ مگر جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ بھاگ کر اللہ ہی کی طرف آتا ہے۔

کسی نے ذوالنونؒ مصری سے پوچھا۔ بندہ کے لئے خوف کی راہ کب آسان ہوجاتی ہے؟ فرمایا جب وہ اپنے آپ کو بمنزلہ ایک بیمار کے سمجھے تو وہ اس ڈر سے کہ کہیں بیماری طول نہ پکڑ جائے ہر چیز سے پرہیز کرتا ہے۔

معاذؒ بن جبل فرماتے ہیں مومن کے دل کو اس وقت تک اطمینان نہیں ہوتا اور نہ اس کے خوف کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ جب تک کہ وہ جہنم کے پل کو پیچھے چھوڑ کر آگے نہیں نکل جاتا۔

بشرؒ حافی فرماتے ہیں۔ خوف ایک فرشتہ ہے، جو صرف متقی کے دل میں رہتا ہے۔

ابوعثمانؒ حیری فرماتے ہیں۔ ڈرنے والے کے لئے یہ بات اچھی نہیں کہ وہ اپنے خوف میں خوف ہی سے سکون محسوس کرے۔ اس لئے کہ یہ ایک مخفی امر ہے۔

واسطیؒ فرماتے ہیں۔ خوف اللہ اور بندے کے درمیان ایک حجاب ہے۔

واسطیؒ کے اس قول میں اشکال[۵۲۱] ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ڈرنے والے کی نگاہ کسی دوسرے وقت کی طرف ہوتی ہے (اپنے موجودہ وقت کی طرف نہیں ہوتی) اور ابنائے وقت (صوفیا) کی نگاہ مستقبل پر نہیں پڑتی) اس لئے خوف حجاب ٹھہرا گر) ابرار کی نیکیاں مقربین کے نزدیک برائیاں ہیں۔

میں نے محمدؒ بن الحسین سے انہوں نے محمد بن علی النہاوندی[۵۲۲] سے اور انہوں نے ابراہیم بن فاتک سے انہوں نے نوری سے سنا کہ فرماتے تھے ڈرنے والا اپنے رب[۵۲۳] سے بھاگ کر اپنے رب کی طرف جاتا ہے۔

ایک صوفی فرماتے ہیں۔ خوف کی علامت اضطراب، اور باب الغیب (اللہ کے در) پر ٹھہرتا ہے۔

میں نے ابوعبداللہ الصوفی سے سنا۔ کہا میں نے علی بن ابراہیم العکبری سے سنا۔ کہا کسی نے جنیدؒ سے خوف کے متعلق سوال کیا تو فرمایا۔ ہر سانس کے جاری ہونے کے ساتھ سزا کی توقع رکھنا خوف ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمن السلمی سے سنا کہا۔ میں نے حسین بن احمد اصفار سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے محمد بن المسیّب[535] سے سنا کہ ہاشم بن خالد[536] فرماتے تھے۔ میں نے ابوسلیمان دارانی کو فرماتے سنا۔

جس دل سے خوف ہٹ گیا تباہ ہوگیا۔

انہی سے میں نے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے عبداللہ بن عبدالرحمن[537] سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابوعثمان[538] سے سنا کہتے تھے۔ سچا خوف یہ ہے کہ ظاہری اور باطنی طور پر گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں۔ جب تک لوگوں کے (دلوں سے) خوف زائل نہیں ہوتا۔ وہ صحیح راستہ پر رہتے ہیں۔ جونہی خوف زائل ہوا۔ بھٹک گئے۔

حاتم اصم فرماتے ہیں۔ ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور خوف عبادت کی زینت ہے۔ خوف کی علامت اُمید کو کوتاہ کرتا ہے۔

کسی شخص نے بشر حافی سے کہا۔ میرا خیال ہے کہ آپ موت سے ڈرتے ہیں۔ تو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا بہت سخت چیز ہے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ میں امام ابوبکر بن فورک کی عیادت کے لئے گیا۔ مجھے دیکھ کر وہ رو پڑے۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ انشاء اللہ آپ کو شفاء عطا کرے گا۔ فرمایا۔ آپ خیال کرتے ہیں کہ موت سے ڈرتا ہوں (ہرگز نہیں) میں تو موت کے بعد پیش آنے والے امور سے ڈرتا ہوں۔

علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید نے بتایا۔ کہ محمد بن عثمان[539] نے ان سے کہا کہ القاسم بن محمد نے ان سے کہا کہ یحییٰ بن یمان نے مالک بن مغول[540] سے روایت کی اور انہوں نے عبدالرحمن بن سعید[541] بن موہب سے اور انہوں نے حضرت عائشہ[542] سے روایت کی۔ کہا کہ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وہ لوگ جو عمل بھی کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی ان کے دل خائف رہتے ہیں۔" ان سے کیا مراد ہے۔ آیا یہ وہ لوگ ہیں۔ جو چوری یا زنا کرتے ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ فرمایا۔ نہیں اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو روزے رکھتے ہیں۔ نماز

پڑھتے ہیں۔ اور صدقہ دیتے ہیں۔ مگر انہیں ڈر رہتا ہے کہ کہیں یہ نامقبول نہ ہو جائیں۔

ابن مبارکؒ فرماتے ہیں جو چیز خوف کو اس حد تک بھڑکاتی ہے کہ وہ دل میں جاگزین ہو جائے۔ تو یہ ظاہر و باطن ہر دو حال میں دائمی نگہبانی ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہا میں نے ابوالقاسم بن ابی موسےٰ سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ اُن سے محمد بن احمد نے کہا کہ علیؒ الرازی فرماتے تھے کہ میں نے ابن مبارک کو ایسا ہی کہتے سنا۔

مجھ سے محمد بن الحسین نے کہا۔ کہ میں نے ابوبکر رازی سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں ابراہیم بن شیبان کو کہتے سنا۔

کہ جب خوف دل میں جاگزین ہو جاتا ہے تو دل کی خواہشات کی جگہ کو جلا دیتا ہے اور دل سے دنیا کی رغبت کو نکال دیتا ہے۔

کہتے ہیں کہ احکامِ خداوندی کے جاری ہونے کے متعلق قوی علم ہونے کا نام خوف ہے۔
نیز کہا گیا ہے کہ رب کے جلال سے دل کا حرکت کرنا خوف ہے۔

ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں۔ دل کے لئے مناسب یہی ہے کہ خوف کے سوا کوئی اور چیز اس پر غالب نہ ہو۔ کیونکہ جب دل پر رجاء (امید) کا غلبہ ہوگا تو دل خراب ہو جائے گا۔ اس کے بعد (اپنے کسی ایک شاگرد احمدؒ کی طرف متوجہ ہو کر) کہنے لگے۔ صوفیاء کو خوف ہی کی بدولت بلند مرتبے ملے ہیں۔ اگر اسے کھو دیتے تو نیچے اتر آتے۔

واسطیؒ فرماتے ہیں۔ خوف و رجاء نفسوں کے لئے دو لگاموں کا کام دیتے ہیں۔ تاکہ نفوس رعونت و تکبر اختیار نہ کریں۔

نیز آپ فرماتے ہیں۔ جب حق تعالیٰ (کسی انسان کے) باطن پر غالب ہو جاتا ہے تو اسکے باطن میں کوئی احساس باقی نہیں رہتا۔ نہ خوف کا اور نہ رجاء کا۔

استاد ابوالقاسمؒ فرماتے ہیں۔ واسطی کے اس قول میں اشکال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب شواھد حق اسرار کو فنا کر دیتے ہیں تو وہ ان کے مالک ہو جاتے ہیں اور ان میں کسی قسم کے حادثہ کے ذکر کی گنجائش نہیں رہتی۔ لہٰذا خوف و رجاء کی گنجائش کہاں ہو۔ خوف و رجاء احکام

بشریت کے احساس کے بقاء کی علامتیں ہیں (پس جب احساس نہ رہا۔ تو یہ کہاں جگہ پا سکتے ہیں۔)

حسینؒ بن منصور فرماتے ہیں جو شخص اللہ کے سوا کسی اور چیز سے ڈرتا ہے یا اللہ کے سوا کسی اور سے اُمید رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ہر چیز کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور اس پر خوف کو مسلط کر دیتا ہے اور اسے ستر پردوں کے پیچھے چھپا دیتا ہے۔ جن میں آسان ترین پردہ شک ہے۔ جس چیز سے انہیں سخت خوف لاحق ہوتا ہے وہ ان کا انجام میں فکر کرنا ہے اور اپنے احوال کے تغیر کا خوف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَبَدَا لَھُمْ مِنَ اللّٰہِ مَا لَمْ یَکُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ۔ (ان کے لئے اللہ کی طرف سے وہ باتیں ظاہر ہوئیں۔ جن کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ نیز فرمایا۔

قُلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ صُنْعًا۔

" آپ انہیں فرمادیں۔ کیا میں تمہیں بتا دوں کہ عمل کے اعتبار سے زیادہ خسارے ہیں) کون لوگ ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا کی زندگی ہی میں رائیگاں گئیں۔ اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ اچھا کام کرتے ہیں۔"

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے اچھی حالت والے لوگ جن کی حالت پر لوگ رشک کرتے تھے۔ ان کی حالت بالکل بدل گئی اور بُرے اعمال میں مبتلا ہو گئے۔ اُن کا اُنس وحشت سے اور حضور غیبت سے بدل گیا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو اکثر یہ شعر پڑھتے سنا۔

اَحْسَنْتَ ظَنَّکَ بِالْاَیَّامِ اِذْ حَسُنَتْ ۔۔۔ وَلَمْ تَخَفْ سُوْءَ مَا یَاْتِیْ بِہٖ الْقَدَرُ

وَسَالَمَتْکَ اللَّیَالِیْ فَاغْتَرَرْتَ بِھَا ۔۔۔ وَعِنْدَ صَفْوِ اللَّیَالِیْ یَحْدُثُ الْکَدَرُ

تو نے زمانے کے متعلق، جبکہ اچھے ایام تھے۔ نیک گمان رکھا اور تجھے ان برائیوں کا جن کو تقدیر لاتی ہے خوف ہی نہ رہا۔ زمانے نے تجھ سے دوستی برتی تو تو اس پر دھوکا کھا گیا۔ زمانے کی صُلح کے وقت ہی تو کدورت پیدا ہوتی ہے۔

میں نے منصورؒ بن خلف مغربی کو فرماتے سنا کہ دو شخص کچھ مدت تک ایک ہی پیر کے مرید بن کر اکٹھے رہے۔ پھر ایک کہیں سفر پر چلا گیا۔ اور اپنے ساتھی سے جُدا ہو گیا۔ اور کچھ مدت تک اس کی طرف سے کوئی خبر نہ سُنی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ دوسرا مرید جہاد کے لئے جنگ کو گیا ہوا تھا۔ اور رومیوں کی فوج کے ساتھ جنگ کر رہا تھا کہ رومیوں کی طرف سے ایک مسلح شخص نے مسلمانوں کو دعوتِ جنگ دیتے ہوئے للکارا۔ اور ایک مسلمان بہادر اس کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ رومی نے اُسے شہید کر دیا۔ پھر دوسرا نکلا۔ وہ بھی شہید ہو گیا۔ پھر تیسرا نکلا۔ اُسے بھی شہید کر دیا گیا۔ پھر یہ صوفی نکل کر گیا اور دونوں نے تلواروں سے جنگ کی۔ اس رومی نے اپنا چہرہ کھولا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ وہی شخص تھا جو اس صوفی کا کئی سال تک پیر بھائی رہ چکا تھا۔ صوفی نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی۔ تو اس نے تبلایا کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر ان لوگوں کے ساتھ مل گیا ہے۔ اب اس کی اولاد ہے اور اس نے بہت سامال جمع کر لیا ہے۔ صوفی نے کہا۔ تُو تو کئی قراءتوں کے ساتھ قرآن پڑھا کرتا تھا؟ اس نے جواب دیا۔ کہ اب مجھے تو اس کا ایک حرف بھی یاد نہیں۔ پھر صوفی نے کہا۔ ایسا مت کرو اور اسلام کی طرف لوٹ آؤ۔ اس نے انکار کیا اور کہا، میری وہاں بڑی عزت ہے اور مجھے دولت ملی ہوئی ہے۔ لہٰذا اب تو واپس چلا جا۔ ورنہ تمہارے ساتھ بھی وہی کروں گا جو دوسروں کے ساتھ کیا ہے۔ صوفی نے جواب دیا۔ یاد رکھ تو نے تین مسلمانوں کو قتل کر دیا ہے اور اب تجھے واپس چلے جانے میں کوئی عار نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا تو واپس چلا جا اور میں تجھے مہلت دیتا ہوں۔ وہ شخص واپس چلا گیا۔ صوفی نے پیچھا کیا۔ نیزہ مارا اور اسے مار ڈالا۔

یہ شخص بے حساب مجاہدات اور ریاضت کی تکلیف برداشت کرنے کے بعد عیسائیت پر مرا۔ کہتے ہیں کہ جب ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے راندہ درگاہ بنا دیا۔ تو جبریل اور میکائیل ایک مدت تک روتے رہے۔ اللہ تعالےٰ نے بذریعہ وحی رونے کا سبب دریافت کیا۔ تو عرض کیا اے رب! ہم تمہارے رویے سے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ میرے حیلوں سے نڈر نہ ہو جانا۔

حکایت کی گئی ہے کہ سری سقطیؒ دن میں کئی بار اپنی ناک کو دیکھا کرتے تھے کہ کہیں سیاہ

تو نہیں ہوگئی۔ اس لئے کہ انہیں عذاب الٰہی کا ڈر رہتا تھا۔

ابو حفصؒ فرماتے ہیں چالیس سال سے اپنے دل میں یہی اعتقاد لئے ہوئے ہوں کہ اللہ تعالےٰ میری طرف ناراضگی کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اور میرے اعمال سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

حاتمؒ عاصم فرماتے ہیں۔ تو کسی نیک جگہ پر دھوکا نہ کھا۔ کیونکہ جنت سے بڑھ کر کوئی جگہ اچھی نہیں ہوسکتی۔ پھر بھی اس میں آدم علیہ السلام کے ساتھ جو گزری سو گزری اور نہ ہی کثرت عبادت پر غرور کر۔ کیونکہ ابلیس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ بھی اس قدر طویل عبادت کے بعد ہوا۔ اور اپنے زیادہ علم پر غرور نہ کر، کیونکہ بلعام[۶] اسم اعظم اچھی طرح جانتا تھا۔ دیکھ لو۔ اس کے ساتھ کیا ہوا۔ صالحین کے دیدار پر بھی دھوکا نہ کھا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کی شان ہوسکتی ہے۔ مگر آپ کے رشتہ دار اور دشمن آپ کے دیدار سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔

ایک روز ابن مبارکؒ نکل کر اپنے شاگردوں کے پاس آئے اور کہا کہ کل رات میں نے اللہ کے ساتھ گستاخی کی کہ میں نے اس سے جنت مانگی۔

کہتے ہیں کہ ایک دن عیسیٰ علیہ السلام نکلے۔ ان کے ساتھ بنی اسرائیل کا ایک نیک آدمی بھی تھا۔ ایک شخص جو مشہور بدکار تھا۔ ان کے پیچھے ہولیا اور ان سے الگ ہو کر نہایت عاجزی سے بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت کی دعا مانگی۔ اس نیک آدمی نے بھی دعا مانگی اور کہا خدایا، قیامت کے دن اس گنہگار کے ساتھ میرا ساتھ نہ ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی۔ کہ میں نے ان دونوں کی دعا قبول کرلی۔ نیک کو تو میں نے رد کردیا۔ اور مجرم کو معاف کردیا۔

ذوالنونؒ مصری فرماتے ہیں کہ میں نے علیمؒ[(۵۴۷)] سے پوچھا کہ تیرا نام مجنون کیسے پڑا؟ کہا جب ایک عرصہ تک مجھے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہوا۔ تو میں اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آخرت میں بھی میں اس کے دیدار سے محروم رہوں، دیوانہ ہوگیا۔

اسی مفہوم کا شعر ہے:۔

لَوْ اَنَّ مَابِیْ عَلیٰ صَخْرَۃٍ نُحِلَ لَہٗ   فَکَیْفَ یَحْمِلُہٗ خَلْقٌ مِنَ الطِّیْنِ

"اگر وہ کیفیت جو میری ہے پتھر میں ہو تو لاغر ہو جائے پھر مٹی سے بنی ہوئی مخلوق اسے کیسے برداشت کر سکتی ہے:"

کسی صوفی کا قول ہے کہ میں نے ابن سیرینؒ سے بڑھ کر اس امت کے لئے زیادہ اُمید رکھنے والا اور اپنی ذات کے حق میں زیادہ ڈرنے والا نہیں دیکھا۔

کہتے ہیں کہ سُفیان ثوریؒ بیمار پڑے تو ان کا قارورہ طبیب کو دکھایا گیا۔ طبیب نے کہا کہ خوف نے اس شخص کے جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ اس کے بعد اس نے آ کر اس کی نبض دیکھی تو کہا مجھے معلوم نہیں تھا کہ ایسے آدمی مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔

شبلیؒ سے کسی نے پوچھا کہ غروب کے وقت سُورج زرد کیوں پڑ جاتا ہے۔ فرمایا۔ کیوں کہ اُسے مقامِ کمال سے معزول کیا جاتا ہے۔ اس لئے اپنے مقام کے ڈر سے زرد پڑ جاتا ہے۔ یہی حال مومن کا ہے۔ جب اس کا دنیا سے نکلنے کا وقت قریب آتا ہے تو اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسے مقام کا ڈر ہوتا ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو چمکدار ہوتا ہے۔ اسی طرح جب مومن قبر سے اٹھے گا۔ تو اس کا چہرہ چمکتا ہوا ہو گا۔

احمد بن حنبلؒ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔ کہ میرے لئے خوف کا دروازہ کھول دے۔ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا۔ پھر مجھے اپنی عقل کے چلے جانے کا ڈر ہوا۔ تو میں نے کہا خدایا! اس قدر خوف دے جس کی میں طاقت رکھ سکوں۔ اس پر خوف ختم گیا۔

باب ۹

(۵۴۸)
رجاء (اُمید)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

مَنْ کَانَ یَرْجُوْ لِقَاءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ۔

"جو اللہ کے سامنے پیش ہونے کی اُمید رکھتا ہے (اُسے معلوم ہونا چاہیئے اللہ تعالےٰ کی مدت مقررہ آ کر رہے گی۔ آیندہ زمانے میں امید ہو دنوں کی زندگی اور استقلال کا دارومدار رجا پر ہی موقوف ہے (دنیا باُمید قائم)

رجاء اور تمنا میں فرق یہ ہے کہ تمنا سے تمنا کرنے والے میں سستی و کاہلی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ تمنا کرنے والا کوشش نہیں کرتا۔ برخلاف رجاء کے، لہٰذا رجاء قابل تعریف چیز ہے اور تمنا مذموم۔

صوفیاء نے رجا سے بحث کی ہے۔ چنانچہ شاہ کرمانیؒ فرماتے ہیں۔ رجاء کی علامت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اچھی طرح عبادت کرے۔

ابن خبیقؒ فرماتے ہیں۔ رجاء تین طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) ایک شخص نیک کام کرتا ہے اور اُمید رکھتا ہے، کہ وہ کام مقبول ہوگا۔ (۲) ایک شخص برائی کرنے کے بعد توبہ کرتا ہے اور اسے مغفرت کی اُمید ہوتی ہے (۳) ایک جھوٹا انسان گناہ کرتا چلا جاتا ہے مگر کہتا ہے کہ مجھے مغفرت کی اُمید ہے۔

جس شخص کو معلوم ہو کہ اس نے بُرے اعمال کئے ہیں۔ اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ اس کا خوف اس کی اُمید پر غالب ہو۔

کہتے ہیں کہ سخی (یعنی اللہ) سے سخاوت کی اُمید کا نام رجاء ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جلال کو جمال کی آنکھوں سے دیکھنے کا نام رجاء ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ دل کے اللہ کی مہربانی کے قریب ہونے کو رجاء کہتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ رجاء یہ ہے کہ دل اچھے انجام پر خوش ہو۔

بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کی طرف نگاہ رکھنے کا نام رجاء ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہتے تھے۔ منصور بن عبداللہ فرماتے تھے میں نے ابوعلی رودباری کو فرماتے سنا۔ خوف و رجاء کی مثال پرندے کے دو پروں کی سی ہے اگر دونوں یکساں ہوں تو پرندہ بھی یکساں رہتا ہے۔ اور اس کی اُڑان بھی مکمل ہوتی ہے اور

جب ایک میں کمی آجائے تو اڑان میں نقص پیدا ہو جاتا ہے اور اگر دونوں جاتے رہیں تو پرندے کی حالت نیم مردہ کی سی ہو جاتی ہے۔

نیز میں نے ان سے سنا کہ ان سے نصرآبادی نے کہا کہ ابن ابی حاتم نے کہا۔ علی بن شہزان فرماتے تھے۔ کسی نے احمدؒ بن عاصم انطاکی سے سوال کیا کہ بندے میں رجاء کے پائے جانے کی کیا علامت ہے؟ فرمایا۔ جب بندے کو اللہ تعالٰے کے احسان نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہو۔ تو اللہ تعالٰے اس کے دل میں شکر کرنے کا خیال ڈال دے جس کی وجہ سے وہ دنیا میں یہ اُمید رکھے کہ اللہ تعالٰے اپنی نعمتوں کو اس پر تمام کر دے گا۔ اور آخرت میں اُسے پورے طور پر معاف۔

ابو عبداللہ بن حنیف فرماتے ہیں۔ اللہ تعالٰے کی مہربانی پر خوشی کا اظہار کرنا "رجاء" ہے نیز فرماتے ہیں۔ اللہ تعالٰے، جس سے اُمید رکھی جاتی ہے کی بخشش کو دیکھ کر دلوں کے خوش ہونے کو رجاء کہتے ہیں۔

مَیں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ کو فرماتے سُنا۔ کہا میں نے ابو عثمان مغربی کو فرماتے سنا۔ جس نے اپنے نفس کو (صرف) رجاء پر رکھا۔ اس نے عمل چھوڑ دیا اور جس نے (صرف) خوف پر رکھا۔ وہ مایوس ہو گیا۔ انسان کو کچھ رجاء اور کچھ خوف کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

میں نے ان کو کہتے ہوئے سُنا۔ ابوالعباس بغدادی نے کہا کہ حسن (۵۵۸) بن صفوان نے کہا۔ ان سے ابن ابی الدنیا نے کہا کہ بکر بن (۵۶۰) سلیم الصوّاف فرماتے تھے۔ جس دن مالک (۶۱) بن انس کی وفات ہوئی۔ ہم ان کے پاس گئے اور پوچھا۔ اے ابو عبداللہ! آپ کیا محسوس کرتے ہیں۔ فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ میں تمہیں کیا کہوں۔ ابھی تم اللہ تعالٰی کی اس قدر عفو کا معائنہ کرو گے جس کا تمہیں وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔ ہم ابھی انہیں کے پاس تھے کہ ہم نے ان کی آنکھیں بند کر دیں۔

یحییٰؒ بن معاذ فرماتے ہیں۔ (خدایا!) قریب ہے کہ گناہوں کے ہوتے ہوئے تمہارے کرم پر میری امید اس امید پر غالب آجائے۔ جو اعمال کے ہوتے ہوئے کی جاتی ہے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں اعمال میں اخلاص پر بھروسہ کرتا ہوں۔ مگر میں اعمال کو آفات سے کیسے بچا سکتا ہوں۔ جب کہ مَیں ان آفات کی وجہ سے مشہور ہوں۔ گناہوں کے ہوتے ہوئے

میرا اعتماد تمہاری عفو پر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو سخی مشہور ہوتے ہوئے گناہوں کو معاف نہ کرے؟

ذوالنون مصری نزع کی حالت میں تھے۔ لوگوں نے ان سے بات کرنا چاہی۔ فرمایا۔ میری توجہ اللہ کی طرف سے نہ ہٹاؤ۔ مجھے تو اللہ کی کثیرالتعداد مہربانیوں پر تعجب ہوتا ہے۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ خدایا! تمہاری اُمید (رجاء) میرے دل میں شیریں ترین عطیہ ہے اور میری زبان پر شیریں ترین کلام تمہاری تعریف ہے اور سب سے محبوب گھڑی میرے لئے وہ گھڑی ہوگی۔ جس میں میں تمہیں دیکھ لوں گا۔

ایک تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اپنے اصحاب کے پاس آئے تو اُنہیں دیکھا کہ وہ ہنس رہے ہیں۔ فرمایا۔ کیا تم ہنس رہے ہو۔ اگر تمہیں ان چیزوں کا علم ہو جاتا۔ جن کا مجھے علم ہے۔ تو تم تھوڑا ہنستے اور بہت روتے پھر آپ چلے گئے۔ جب واپس لوٹے۔ فرمایا۔ ابھی جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیت لائے۔

نَبِّئْ عِبَادِیْ اِنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

میرے بندوں کو بتا دو کہ میں غفور رحیم ہوں۔

مجھے ابوالحسن الاہوازی نے کہا۔ ان سے ابوالحسن الصفار نے ان سے عباس بن تمیم نے، ان سے یحییٰ بن[562] ایوب نے، اُن سے مسلم بن[563] سالم نے، ان سے خارجہ[564] بن مصعب، زید بن اسلم[565] سے روایت کی۔ اور انہوں نے عطاء بن یسار سے سنا۔ کہ عائشہؓ فرماتی تھیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

اللہ تعالیٰ بندوں کی مایوسی اور اللہ کی اس رحمت کو جو اُن کے قریب ہے۔ دیکھ کر ہنستا ہے اس پر حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں (میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ، آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ کیا اللہ تعالیٰ ہنستا ہے۔ فرمایا۔ اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ ہنستا ہے۔ تب ہی تو وہ ہمیں نیکی سے محروم نہ رکھے گا۔

یاد رکھیں، کہ جب اللہ تعالیٰ کی ہنسی کا ذکر ہو تو یہ اس کی صفاتِ فعلیہ میں سے ہے۔ جس سے مراد مہربانی کا اظہار ہے۔ لوگ کہتے ہیں ضحکت الارض بالنبات (زمین سے سبزہ اگنے لگا) لوگوں

کی مایوسی پر اللہ تعالیٰ کی ہنسی سے مراد ان عنایاتِ ربّانی کے تحقق کا اظہار ہے۔ جو عنایتیں اس انتظار کے مقابلہ میں جو انہیں کرنا پڑتا ہے۔ کئی گنا زیادہ ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور ایک مجوسی

کہتے ہیں کہ ایک مجوسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کھانا مانگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا مسلمان ہو جاؤ کھانا دیتا ہوں۔ مجوسی نے کہا جب میں مسلمان ہو گیا۔ تو پھر آپ کا مجھ پر کیا احسان؟ یہ کہہ کر مجوسی چل دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو وحی بھیجی۔ اے ابراہیم! تو اُسے اس شرط پر کھانا کھلاتا کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ اور ہم ستر برس سے اسے اسی کفر کی حالت میں روزی دے رہے ہیں۔ اگر تم اسے ایک رات کھانا کھلا دیتے تو کیا حرج تھا؟ یہ سُن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مجوسی کے پیچھے ہوئے، اُسے (لاکر) کھانا کھلایا۔ مجوسی نے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے وجہ بیان کر دی۔ یہ سُن کر مجوسی نے کہا۔ کہ میرا رب مجھ سے اس طرح کا معاملہ کرتا ہے؟ بہتر ہے آپ اسلام پیش کیجئے۔ اور وہ مسلمان ہو گیا۔

میں نے شیخ ابوعلیؒ دقاق کو فرماتے سُنا۔ کہ استاد ابوسہلؒ (۵۶۷) صعلوکی نے ابوسہلؒ زجاج کو خواب میں دیکھا اور زجاج کا عقیدہ یہ (۵۶۸) تھا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے عذاب دینے کی دھمکی دیدی۔ وہ عذاب اس پر ہو کر رہے گا۔ صعلوکی نے پوچھا کیا حال ہے؟ جواب دیا۔ ہم نے معاملہ اپنے خیال کے مقابلہ میں آسان تر پایا۔

میں نے ابوبکرؒ بن (۵۶۹) اشکیب کو فرماتے سنا کہ میں نے ابوسہلؒ صعلوکی کو خواب میں اس قدر اچھی حالت میں دیکھا کہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ حضرت یہ مرتبہ کیسے ملا؟ فرمایا۔ اپنے رب کے متعلق حُسنِ ظن کی بدولت۔

مالک بن دینار کو خواب میں دیکھا گیا پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا کہ میں اپنے رب کے پاس بہت زیادہ گناہ لیکر پہنچا۔ جن کو اللہ تعالیٰ کے متعلق میرے حسن ظن نے بالکل مٹا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي إِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ

فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْہُ وَ اِنْ اقْتَرَبَ اِلَیَّ شِبْرًا اقْتَرَبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا وَ اِنْ اقْتَرَبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا اِقْتَرَبْتُ اِلَیْہِ بَاعًا وَ اِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً،

میں ویسا ہی ہوں۔ جیسا میرا بندہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے۔ جب بھی وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل ہی دل میں یاد کرتا ہے۔ میں اُسے دل ہی دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس کی مجلس سے بہتر مجلس میں کرتا ہوں اگر وہ ایک بالشت بھر میری طرف آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں۔ اور اگر ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں ایک باع (یعنی دو ہاتھ) اس کی طرف بڑھتا ہوں اگر وہ پیدل آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔

ہم سے ابونعیمؒ عبدالملک بن حسن اسفرائینی نے بیان کیا۔ ان سے یعقوب[551] بن اسحٰق نے کہا۔ ان سے علی[552] بن حرب نے کہا۔ ابومعاویہ[553] و محمد[554] بن عبید نے اعمش[555] سے اور انہوں نے ابوصالح[556] سے روایت کی۔ ان سے ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[557] اور اسی روایت کو بیان کیا)

(عبداللہ) ابن المبارک اور ایک کافر

کہتے ہیں کہ ابن المبارک ایک بار ایک طاقتور کافر سے جنگ کر رہے تھے کہ اس کافر کی نماز کا وقت آ گیا۔ اس نے ابن المبارک سے مہلت مانگی تو آپ نے مہلت دے دی۔ مگر جب اس نے سورج کو سجدہ کیا تو ابن المبارک نے تلوار سے اُسے قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ اس وقت ہوا میں کسی کو کہتے سُنا۔ وَ اَوْفُوْا بِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا۔

اپنے عہد کو پورا کرو۔ کیونکہ اس کی بازپرس ہو گی۔

یہ سُن کر آپ رُک گئے جب مجوسی نماز سے فارغ ہوا تو اس نے پوچھا تو اپنے ارادہ سے کیوں رُک گیا؟ ابن المبارک نے بتایا کہ مجھے یہ ندا آئی اور آیت پڑھ کر سنائی) یہ سن کر مجوسی نے کہا۔ کیا ہی اچھا رب ہے۔ اپنے دوست کو اپنے دشمن کے بارے میں عتاب کرتا ہے پھر وہ مسلمان ہو گیا اور نیک مسلمان بنا۔

کسی نے کہا ہے کہ لوگ گناہوں میں اس لئے پڑتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام غفور رکھا ہے۔ نیز کہا گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا۔ کہ میں گناہ معاف نہیں کروں گا تو کبھی کوئی مسلمان گناہ نہ کرتا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ ۔
اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا۔ کوئی مسلمان شرک نہیں کرتا ہے لیکن جب یوں کہہ دیا۔
وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ ۔
(اس کے علاوہ جو گناہ بھی ہو۔ جسے چاہتا ہے معاف کرتا ہے۔) تو لوگوں کو اللہ کی مغفرت کی تمنا ہوئی۔

ابراہیم بن ادہم سے حکایت کی گئی ہے ۔فرماتے ہیں۔ میں ایک مدت تک اس بات کا منتظر رہا کہ مطاف کو (بیت اللہ کو لوگوں سے) خالی پاؤں۔ ایک مرتبہ رات بہت تاریک تھی اور زور کی بارش ہو رہی تھی۔ مطاف لوگوں سے خالی ہو گیا۔ میں جا کر بیت اللہ کا طواف کرنے لگا۔ اور یہ کہتا گیا۔ خدایا! مجھے بچانا۔ اس پر غیب سے ندا آئی اے ابن ادہم، تو گناہ سے بچنے کی درخواست کرتا ہے؟ ہر شخص کی یہی درخواست ہوتی ہے اگر تمہیں بچا دوں تو پھر میں رحم کس پر کروں؟

کہتے ہیں کہ ابوالعاس بن سریج نے اپنی مرض الموت میں خواب میں دیکھا کہ قیامت بپا ہے اور اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ علماء کہاں ہیں؟ علماء حاضر ہو گئے۔ فرمایا۔ کیا تم نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا۔ ہم سب نے کہا۔ خدایا! ہم نے کوتاہی کی۔ اور بُرے اعمال کئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ جواب پسند نہیں آیا۔ اس لئے وہی سوال دُھرایا۔ اس پر میں نے کہا جہانتک میرا تعلق ہے۔ میرے نامۂ اعمال میں شرک نہیں ہے اور تیرا وعدہ ہے کہ اس کے علاوہ جو گناہ بھی ہو گا معاف کر دوں گا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اس واقعہ سے تین راتوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص بہت زیادہ شراب پیا کرتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے ہم پیالہ لوگوں کو جمع کیا۔ اور ایک لڑکے کو چار درہم دیئے کہ ان کے لئے پھل خرید لائے۔ بچے کا گزر منصور بن عمار کی مجلس کے دروازے پر ہوا منصور ایک محتاج کے لئے کچھ مانگ رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ جو کوئی اسے چار درہم دے گا اس کے لئے چار دعائیں کروں گا۔ یہ سُن کر بچے نے چاروں درہم اسے دے دیئے۔ منصور نے کہا تو کیا کیا دعا کرانا چاہتا ہے؟ اس نے کہا میرا ایک آقا ہے جس سے میں نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ منصور نے دعا کی اور کہا، اور کیا چاہتا ہے؟

اس نے کہا اللہ تعالیٰ میرے درہموں کے بدلے اور درہم دے دے ۔ انہوں نے یہ دعا بھی کردی۔ پھر کہا۔ اور کیا ؟ اس نے کہا۔ کہ اللہ تعالےٰ میرے آقا کی توبہ قبول کرے ۔انہوں نے یہ دعا بھی کردی، اور پوچھا اور کیا ؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ مجھے میرے آقا کو اور آپ کو اور جو لوگ یہاں موجود ہیں ۔ ان کو معاف کر دے ۔منصور نے یہ دعا بھی کی۔ اس کے بعد وہ لڑکا اپنے آقا کے پاس لوٹ گیا۔ آقا نے پوچھا تو نے دیر کیوں لگائی ۔ اس نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ آقا نے کہا:" انہوں نے کیا دعا کی ؟" اس نے کہا میں نے آزاد ہونے کی درخواست کی تھی ۔ آقا نے کہا ۔جاؤ تم آزاد ہو ۔ دوسری دعا کون سی کی تھی ؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان درہموں کے بدلے اور درہم دے دے ۔ آقا نے کہا یہ لو چار ہزار درہم ۔ پھر کہا، تیسری کون سی ہے ۔ ؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کرے ۔اس نے کہا، میں نے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ پھر کہا ۔چوتھی کون سی ہے تو کہا یہ کہ اللہ تمہیں مجھے قوم اور نصیحت کرنے والے کو معاف کر دے۔ آقا نے کہا۔ یہ میرے اختیار کی بات نہیں ہے ۔جب رات ہوئی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اسے کہہ رہا ہے۔ جو کچھ تمہارے اختیار میں تھا تو نے کر دیا۔ کیا تیرا خیال ہے کہ جو کچھ میرے اختیار میں ہے ۔میں نہیں کروں گا ؟ میں نے تجھے غلام کو اور منصور بن عمار کو اور ان لوگوں کو جو وہاں موجود تھے معاف کر دیا ۔

رباح قیسی کا واقعہ

کہتے ہیں کہ رباح قیسی[۵۰۸] نے بہت سے حج کئے ۔ ایک دن میزاب کے نیچے کھڑے ہو کر کہنے لگے :۔ الہٰی ! میں نے اپنے حجوں میں سے اتنے حج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ھبہ کئے دس حج آپ کے دس صحابہ (عشرہ مبشرہ) کو، دو اپنے والدین کو، اور باقی مسلمانوں کو بخشے ۔ اپنے لئے ایک حج بھی نہ رکھا۔ اس پر غیب سے ندا آئی ۔ یہ لو، یہ شخص ہم پر اپنی سخاوت جتا رہا ہے ۔میں تمہیں، تمہارے والدین کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے صدق دل سے کلمہ شہادت پڑھا ۔ضرور بخش دوں گا ۔

ایک مخنث کا جنازہ

عبدالوہاب[۵۰۹] بن عبدالمجید ثقفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ دیکھا۔ جسے تین مرد اور ایک عورت اٹھائے جا رہے تھے ۔میں نے عورت کی جگہ لے لی ۔ ہم سب قبرستان پہنچے اور نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا۔ میں نے اس عورت سے دریافت کیا۔ تیرا اس میت سے کیا رشتہ تھا ؟ اس نے جواب دیا کہ

یہ میرا بیٹا تھا۔ میں نے پھر پوچھا۔ کیا آپ کے پڑوسی نہیں ہیں؟ کہنے لگی ہیں تو مگر انہوں نے اسے حقیر سمجھا۔ میں نے پھر پوچھا یہ کیا تھا؟ عورت نے جواب دیا یہ مخنث تھا۔ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ مجھے اس پر رحم آیا۔ میں اسے اپنے گھر لے گیا۔ اور میں نے اُسے پیسے، گندم اور کپڑے دیئے۔ جب رات کو سویا تو خواب میں ایک شخص آیا جس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح تھا۔ اور اس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس نے میرا شکریہ ادا کیا۔ میں نے پوچھا تو کون ہے؟ جواب دیا، میں وہی مخنث ہوں۔ جسے تم نے آج دفن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے بخش دیا ہے۔ کہ لوگ مجھے حقیر جانتے تھے۔

ابوعمرو بیکندی اور ایک نوجوان

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ ابوعمرو بیکندی کا گزر ایک راستہ سے ہوا۔ دیکھا کہ کچھ لوگ ایک نوجوان کو اس کی شرارتوں کی وجہ سے محلہ سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اور ایک عورت رو رہی ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اس کی ماں ہے ابوعمرو کو اس پر رحم آیا اور اس نوجوان کی ان لوگوں سے سفارش کی۔ اور کہا کہ اب کی بار اسے چھوڑ دو۔ اگر پھر شرارت کرے تو تم جانو، اور یہ! لوگوں نے اسے چھوڑ دیا۔ اور ابوعمرو چل دیئے۔ چند دنوں کے بعد ان کا گزر پھر اسی سڑک پر ہوا۔ اور انہوں نے دروازہ کے پیچھے سے اس بڑھیا کے رونے کی آواز سنی۔ انہوں نے اپنے دل میں کہا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نوجوان نے پھر شرارت کی ہو۔ اور اسے محلہ سے نکال دیا گیا ہو۔ لہٰذا انہوں نے دستک دی۔ اور اس بڑھیا سے ان نوجوان کا حال پوچھا۔ تو بڑھیا نے بتایا کہ جب اس کی موت کا وقت قریب آگیا۔ تو اس نے مجھ سے کہا کہ میرے پڑوسیوں کو میری موت کی اطلاع نہ دینا کیونکہ میں انہیں دُکھ دیتا رہا ہوں۔ اس لئے وہ میرے مرنے پر خوش ہوں گے اور میرے جنازہ کے ساتھ نہ ہوں گے۔ جب تو مجھے دفن کرنے لگے تو یہ میری انگوٹھی ہے جس پر بسم اللہ لکھا ہوا ہے۔ اسے میرے ساتھ دفن کر دینا۔ اور دفن سے فارغ ہو کر میرے رب کے پاس میری سفارش کرنا۔ وہ عورت کہتی ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب اس کی قبر سے اُٹھ کر چلنے لگی۔ تو میں نے اس کی آواز سُنی کہ وہ مجھے کہہ رہا ہے۔ اماں واپس جاؤ۔ میں رب کریم کے پاس پہنچا ہوں۔

کہا جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی کی۔ کہ لوگوں سے کہہ دو۔ کہ میں نے انہیں اس لئے پیدا نہیں کیا۔ کہ ان سے کوئی فائدہ حاصل کروں۔ میں نے انہیں اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھ سے فائدہ حاصل کریں۔

میں نے محمد بن حسین سے سُنا۔ انہوں نے محمد بن عبداللہ بن شاذ ان سے سنا۔ انہوں نے ابو بکر بن حربی سے سنا کہ ابراہیم[۵۸۰] الاطروش فرماتے تھے ہم بغداد میں معروف کرخی کے ساتھ دریائے دجلہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کشتی میں نوعمروں کی ایک ٹولی دف بجاتے شراب پیتے اور کھیلتے ہوئے گزری۔ ہم نے معروف کرخی سے کہا۔ کہ آپ انہیں دیکھ رہے ہیں۔ یہ لوگ علی الاعلان خدا کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ ان کے لئے بد دعا کیجئے یہ سُن کر معروف کرخی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ خدایا! جس طرح تو نے انہیں دنیا میں خوش رکھا ہے۔ آخرت میں بھی خوش رکھنا۔ لوگوں نے کہا۔ کہ ہم نے آپ کو بد دعا کرنے کو کہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ جب اللہ انہیں آخرت میں خوش رکھے گا تو ان کی توبہ بھی قبول فرمائے گا۔

میں نے ابوالحسن عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن محمد المزکی سے سنا۔ انہوں نے ابوزکریا[۵۸۱] یحییٰ بن محمد الادیب سے سنا۔ انہوں نے الفضل بن صدقہ سے سنا۔ کہ ابو عبداللہ الحسین بن عبداللہ بن سعید فرماتے ہیں۔ کہ یحییٰ[۵۸۲] بن اکثم قاضی میرے دوست تھے۔ انہیں مجھ سے محبت تھی، اور مجھے اُن سے۔ جب یحییٰ نے وفات پائی۔ تو میں چاہتا تھا۔ کہ وہ مجھے خواب میں دکھائی دیں۔ تو اُن سے پوچھوں کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ چنانچہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ جواب دیا کہ مجھے اللہ نے بخش دیا۔ مگر ساتھ ہی سرزنش بھی کی۔ سرزنش کرنے کے بعد اللہ نے کہا۔ اے یحییٰ! تو نے دنیا میں نیک و بد میں تخلیط کی۔ (یعنی تو نے دنیا میں کچھ کام نیک کئے اور کچھ بد) میں نے عرض کی۔ ہاں یا اللہ، میں نے تو اس حدیث پر بھروسہ کر رکھا تھا جس کی روایت مجھ سے ابو معاویہ ضریر نے اعمش سے انہوں نے صالح سے اور انہوں نے ابوہریرہؓ سے کی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اے خدا! تو نے کہا ہے۔ کہ میں بوڑھے آدمی کو دوزخ کا عذاب دینے سے شرماتا ہوں۔

یہ سُن کر اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ میرے نبی نے سچ کہا ہے۔ اے یحییٰ! میں نے تجھے معاف کر دیا۔ مگر تو نے نیک و بد دونوں قسم کے اعمال خلط ملط کر دئے۔

باب (۱۰)

(۵۸۴)

حُزن (غم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ۔

اور انہوں نے کہا۔ تعریف ہے اس خدا کی۔ جس نے ہم سے غم دُور کیا۔"

علی بن احمد بن عبدان نے کہا۔ ہم سے احمدؒ بن عبید نے، اور ان سے علی بن حُبیش نے اور اُن سے احمد بن عیسٰی[۵۸۴] نے، اور ان سے ابن وہبؒ[۵۸۵] نے کہا۔ کہ ہم سے اسامہ بن زیدؒ[۵۸۶] اللیثی نے محمد بن عمروؒ[۵۸۷] بن عطا سے روایت کی۔ کہ انہوں نے عطا بن یسار سے سُنا۔ کہ ابوسعید الخدری فرماتے تھے۔ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

مَامِنْ شَیْئٍ یُصِیْبُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ مِنْ وَصَبٍ اَوْ نَصَبٍ اَوْ حُزْنٍ اَوْ اَلَمٍ یُهِمُّهٗ اِلَّا کَفَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ سَیِّاٰتِهٖ،

جو بیماری یا تکان، یا غم یا کوئی بے قرار کرنے والا دُکھ کسی مومن بندے کو۔ لگ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے کچھ گناہوں کا کفارا بنا دیتا ہے۔

حزن ایک ایسی حالت ہے۔ جو دل پر قابو پا کر اسے غفلت کی وادیوں میں پریشان پھرنے

سے روکتی ہے اور یہ اہل سلوک کے اوصاف میں سے ہے۔

میں نے استاد ابوعلیؒ دقاق کو فرماتے سُنا کہ حزن والا انسان اللہ کی راہ کو ایک ماہ کے اندر اتنا طے کر لیتا ہے جبکہ وہ شخص جسے حزن نہیں۔ اسے کئی سال کے اندر بھی طے نہیں کر سکتا۔

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر غم زدہ دل کو پسند کرتا ہے۔

توراۃ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے۔ تو اس کے دل میں ایسی صفت پیدا کر دیتا ہے جو اُسے نوحہ کرنے پر اکساتی ہے اور جب کسی بندے سے ناخوش ہوتا ہے تو اس کے دل میں ایسی صفت پیدا کر دیتا ہے جو اُسے خوش کرنے پر اکساتی ہے۔

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر متفکر اور محزون رہتے تھے۔

بشر بن الحارث فرماتے ہیں۔ غم ایک ایسا فرشتہ ہے کہ جب کسی جگہ پر سکونت اختیار کر لیتا ہے۔ تو یہ نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی وہاں رہائش اختیار کرے کہا جاتا ہے جب دل میں غم نہ ہو۔ تو دل ویران ہو جاتا ہے۔ جیسے گھر۔ کہ اس میں رہنے والے نہ ہوں۔ تو گھر ویران ہو جاتا ہے

ابوسعید(۵۸۸) قرشی فرماتے ہیں۔ غم سے رونا اندھا کر دیتا ہے اور شوق سے رونا آنکھ کو کمزور کر دیتا ہے۔ اندھا نہیں کرتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ وَهُوَ كَظِيمٌ (سورۃ یوسف)

"غم کی وجہ سے ان کی بینائی جاتی رہی اور وہ مغموم تھے۔"

ابن خفیف کہتے ہیں۔ نفس کو خوشی کے لئے اٹھنے سے روکنے کا نام حزن ہے۔

رابعہ عدویہ نے ایک شخص کو "واحزناہ" (ہائے غم) کہتے سنا۔ تو فرمایا۔ یوں کہو "واقلۃ حزناہ" (ہائے غم کی قلت) اگر تو غمناک ہوتا تو سانس نہ لے سکتا۔

سُفیان بن عیینہ فرماتے ہیں اگر کوئی غمزدہ کسی اُمت میں روئے تو اللہ تعالیٰ اس کے رونے کی وجہ سے اس امت پر رحم فرماتا ہے۔

داؤد طائیؒ پر غم غالب تھا۔ وہ رات کو پکارا کرتے خدایا! تمہارے غم نے تمام غموں کو معطل کر دیا۔ اور میری نیند کو اچاٹ کر دیا۔ اور کہا کرتے۔ وہ شخص جس پر ہر وقت نئی مصیبت آتی رہتی ہے۔ وہ غم سے کب چھوٹ سکتا ہے۔

کہتے ہیں۔ غم کھانا کھانے سے روکتا ہے۔ اور خوف گناہوں سے۔

کسی صوفی سے پوچھا گیا۔ کہ کسی کے غم کا کیسے پتہ چل سکتا ہے؟ تو فرمایا۔ اس کے کثرت سے آہ وزاری کرنے سے۔

سری سقطیؒ فرماتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمام لوگوں کا غم مجھ پر ڈال دیا جائے۔

لوگوں نے غم سے بحث کی ہے۔ اور سب یہی کہتے ہیں کہ صرف آخرت کا غم قابل تعریف ہے۔ دنیا کا غم قابل تعریف نہیں۔ صرف ابو عثمان حیری نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ غم خواہ کسی طرح کا ہو۔ فضیلت کا سبب ہے اور جب تک کسی معصیت کی خاطر نہ ہو۔ مومن کے لئے زیادتی مراتب کا باعث ہے۔ اس لئے کہ بالفرض اگر یہ انسان کے درجے بلند نہیں کرتا۔ تو گناہوں سے پاک تو کرتا ہے۔

ایک صوفی کی نسبت مروی ہے کہ جب ان کا کوئی مرید سفر کو جاتا تو وہ اُسے کہتے کہ اگر کوئی تجھے غمزدہ مل جائے تو اسے میرا سلام کہنا۔

میں نے استاد ابو علیؒ دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ ایک صوفی سورج سے غروب ہونے کے وقت کہا کرتے۔ کیا آج تمہارا طلوع کسی غمزدہ پر ہوا۔

حسن بصری کی یہ حالت تھی کہ جو کوئی بھی انہیں دیکھتا یہی کہتا کہ ابھی ان پر کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے۔

جب فضیل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو وکیع نے کہا۔ آج دنیا سے غم جاتا رہا۔

گذشتگان میں سے ایک بزرگ کا قول ہے۔ مومن انسان اپنے نامۂ اعمال میں زیادہ تر نیکیاں غم اور فکر کرنے کی پائے گا۔

میں نے ابو عبد اللہ شیرازی سے سُنا۔ انہوں نے کہا کہ علی بن بکران نے ان سے کہا کہ محمد بن علی[(۵۹۰)] مروزی نے احمد بن ابی[(۵۹۱)] رَوح سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ میرے والد کہتے تھے

میں نے فضیل بن عیاض کو کہتے سنا کہ پچھلے بزرگ فرمایا کرتے تھے۔ ہر چیز پر زکوٰۃ ہے اور "طول حزن" عقل کی زکوٰۃ ہے۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی سے سنا۔ کہ محمد بن احمد الفراء نے ان سے کہا۔ اور ان سے ابوالحسین الوراق نے کہا۔ کہ ایک دن میں نے ابو عثمان حیری سے غم کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا۔ غمزدہ کو اتنی فرصت کہاں، کہ غم کے متعلق سوال کرے۔ پہلے غم کی طلب میں کوشاں ہو پھر پوچھ۔

باب (۱۱)

(۵۹۲)

بھوک اور ترکِ اشتہاء

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ

"ہم تمہیں ضرور کسی قدر خوف اور بھوک کے ذریعہ آزمائیں گے۔

اس آیت کے آخر میں اللہ کا فرمان ہے۔ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ۔ صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو بھوک برداشت کرتے ہیں۔ صبر سے کام لیتے ہیں اچھے ثواب کی بشارت دی ہے۔

نیز اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

"خواہ انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو۔ پھر بھی وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

ہم سے علی بن احمد ہوازی نے کہا۔ ان سے احمد بن عبید الصفار نے، ان عبد اللہ[۵۹۳] بن ایوب نے، اور ان سے ابوالولید[۵۹۴] طبالسی نے کہا۔ کہ ابو ہاشم[۵۹۵] صاحب زعفرانی[۵۹۶] کہتے تھے کہ محمد بن عبد اللہ[۵۹۷] نے کہا۔ انس بن[۵۹۸] مالک فرماتے تھے۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ اے فاطمہ، یہ ٹکڑا کیسا ہے؟ عرض کیا۔ میں نے ایک روٹی پکائی تھی، میرے دل نے پسند نہ کیا کہ میں اسے اکیلی کھاؤں۔ لہٰذا میں یہ ٹکڑا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ پہلا کھانا ہے جو تین دنوں پر تمہارے باپ کے منہ میں گیا ہے۔"

بعض روایتوں میں ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جَو کی روٹی لے کر آئی تھیں۔

بنا بریں بھوک صوفیا کی صفت رہی ہے اور یہ مجاہدہ کے ارکان میں سے ایک رکن ہے ارباب سلوک نے آہستہ آہستہ بھوک کی عادت ڈالی۔ اپنے نفس کو کھانے سے روکا۔ اور انہیں بھوک میں حکمت کے چشمے ملے۔ اس بارے میں صوفیا کی بہت حکایتیں بیان کی جاتی ہیں۔

میں نے محمد بن احمد بن محمد صوفی سے سُنا۔ کہ انہوں نے عبداللہ بن علی تمیمی سے کہتے سنا کہ میں نے ابن سالم کو فرماتے سنا۔ بھوک کا ادب یہ ہے کہ روزمرہ کی خوراک میں سے صرف بلی کے کان بجرابر کم کیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ سہل بن عبداللہ پندرہ دن میں (ایک بار) کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور جب رمضان کا مہینہ آتا۔ تو نیا چاند دیکھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے اور ہر رات سادہ پانی سے روزہ افطار کرتے تھے۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ اگر بھوک ایسی چیز ہوتی۔ جو بازار میں خریدی جا سکتی۔ تو آخرت کے طالبین کے لیئے جب بھی بازار میں داخل ہوتے یہ مناسب نہ ہوتا کہ کسی اور چیز کو خریدتے۔

ہم سے محمد بن عبداللہ بن عبید اللہ نے بیان کیا۔ کہ ان سے علی بن الحسین ارجانی نے اور ان سے ابو محمد عبداللہ بن احمد اصطخری نے مکہ میں بیان کیا۔ کہ سہل بن عبداللہ فرماتے تھے۔ جب اللہ تعالےٰ نے دنیا کو پیدا کیا۔ تو پیٹ بھر کر کھانے میں معصیت اور جہالت کو رکھ دیا۔ اور بھوک میں علم اور حکمت کو۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ بھوک مریدوں کے لیئے ریاضت ہے توبہ کرنے والوں کیلیئے

تجربہ۔ زاہدوں کے لئے سیاست اور عارفوں کے لئے کرامت و بزرگی۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ ایک بزرگ ایک شیخ کے پاس آئے۔ دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ جب انہوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں بھوکا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ آپ جیسے آدمی بھوک کی وجہ سے روئیں۔ شیخ نے فرمایا۔ چپ رہو، کیا نہیں جانتے کہ مجھے بھوکا رکھنے میں اللہ کی مرضی یہی ہے کہ میں روؤں؟

میں نے عبداللہ شیرازی سے سنا کہ ان سے محمد بن بشر[۶۰۱] نے اور ان سے الحسین[۶۰۲] بن منصور نے بیان کیا کہ داؤد بن[۶۰۳] معاذ فرماتے تھے۔ میں نے خلد[۶۰۴] کو کہتے سنا۔ حجاج بن[۶۰۵] فرافصہ ہمارے ساتھ شام میں تھے۔ پچاس راتیں گزر گئیں۔ انہوں نے نہ پانی پیا اور نہ کوئی چیز کھا کر آسودہ ہوئے۔

میں نے انہی عبداللہ سے سنا کہ ابوبکر غزالی[۶۰۶] نے کہا۔ میں نے محمد بن علی سے اور انہوں نے ابو عبداللہ بن احمد بن یحییٰ الجلاء سے سنا۔ فرماتے تھے۔ ابوتراب نخشبی بصرہ کے جنگل کے راستے مکہ (اللہ تعالیٰ اسے محفوظ رکھے) آئے۔ ہم نے ان سے ان کے کھانے کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا میں بصرہ سے نکلا۔ تو نباج[۶۰۷] میں پھر ذات عرق[۶۰۸] میں کھانا کھایا۔ اور وہاں سے اب تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ اس طرح انہوں نے صرف دو کھانوں میں صحرا کو طے کر لیا۔

نیز میں نے ان سے سنا۔ کہتے تھے۔ علی بن النحاس مصری نے ان سے ہارون بن محمد دقاق نے ان سے ابوعبدالرحمٰن بن الدرقش نے ان سے احمد بن ابی الحواری نے فرماتے تھے کہ میں نے عبدالعزیز بن[۶۰۹] عمیر کو فرماتے سنا۔ ایک قسم کے پرندے چالیس دن تک بھوکے رہے۔ پھر ہوا میں اڑ گئے۔ چند دنوں کے بعد جب لوٹ کر آئے تو ان سے کستوری کی خوشبو آتی تھی۔

سہل بن عبداللہ کی حالت

یہ تھی کہ جب وہ بھوکے ہوتے تو طاقتور ہوتے۔ اور اگر کچھ کھا لیتے تو کمزور ہو جاتے

ابوعثمان مغربی فرماتے ہیں۔ ربانی یعنی اللہ والے لوگ چالیس دنوں میں، اور صمدانی لوگ اسی دنوں میں کھانا نہیں کھاتے ہیں۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ ان سے محمد بن علی[۶۱۰] علوی نے کہا۔
میں نے علی بن[۶۱۱] ابراہیم قاضی دمشق سے اور انہوں نے محمد بن علی[۶۱۲] بن خلف سے اور انہوں نے احمد بن ابی حواری سے اور انہوں نے ابوسلیمان دارانی کو فرماتے سنا۔ سیر ہو کر کھانا دنیا کی کنجی ہے اور بھوک آخرت کی۔

میں نے محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ سے، انہوں نے علی بن الحسین ارجانی سے سنا کہ ابومحمد اصطخری فرماتے تھے کہ کسی نے سہل بن عبداللہ سے کہا۔ ایک شخص دن میں ایک مرتبہ کھانا کھاتا ہے (یہ کیسا ہے؟) فرمایا۔ یہ صدیقین کا کھانا ہے، پھر پوچھا۔ جو کوئی دو بار کھانا کھاتا ہے۔ جواب دیا یہ مومنین کا کھانا ہے۔ پھر پوچھا کہ تین بار کھائے تو؟ فرمایا گھر والوں کو کہہ دو کہ تمہارے لئے تھان تیار کر دیں۔ (جہاں جانور چارہ کھاتے رہتے ہیں)

میں نے انہی محمد بن عبداللہ سے سنا کہ ان سے عبدالعزیز بن فضل نے بیان کیا۔ فرمایا۔ ان سے ابوبکر سائح نے بیان کیا کہ میں نے یحییٰ رض بن معاذ کو فرماتے سنا۔
بھوک نور ہے۔ اور سیری آگ، اور شہوت مثل ایندھن ہے جس سے جلنے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جس کی آگ اس وقت تک نہیں بجھتی۔ جب تک شہوت والے کو جلا نہیں دیتی

میں نے ابوحاتم سجستانی سے سنا۔ فرماتے تھے۔ انہوں نے ابونصر سراج طوسی کو فرماتے سنا۔ ایک دن ایک صوفی کسی شیخ کے پاس آئے۔ شیخ نے کھانا پیش کیا۔ پھر پوچھا۔ کتنے دنوں سے آپ نے کھانا نہیں کھایا تھا؟ جواب دیا۔ پانچ دنوں سے شیخ نے فرمایا۔ تمہاری بھوک ایک بخیل آدمی کی بھوک جیسی ہے۔ تمہارے پاس کپڑے ہوتے ہوئے تم بھوکے رہے یہ فقیر کی بھوک نہیں ہے۔

میں نے محمد بن حسین سے، انہوں نے محمد بن احمد[۶۱۳] بن سعید رازی سے، انہوں نے عباس[۶۱۴] بن حمزہ سے، انہوں نے احمد بن ابی حواری سے سنا۔ فرماتے تھے۔ ابوسلیمان دارانی کا قول ہے میرے نزدیک رات بھر قیام میں گزارنے سے یہ بہتر ہے کہ میں رات کو ایک لقمہ کم کھاؤں۔
میں نے انہی محمد بن حسین سے سنا کہ انہوں نے ابوالقاسم[۶۱۵] جعفر بن احمد رازی کو فرماتے سنا کہ ابوالخیر[۶۱۶] عسقلانی کئی سال تک مچھلی کھانے کی خواہش کرتے رہے۔ بالآخر حلال طریقے

سے یہ بات میسر آگئی مگر جب کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ تو مچھلی کی ہڈیوں کا ایک کانٹا انگلی میں چبھ گیا۔ جس کی وجہ سے اُن کا ہاتھ ضائع ہوگیا۔ اس پر کہنے لگے۔ خدایا! یہ تو اس شخص کی سزا ہے۔ جس نے ایک حلال چیز کی خواہش کی۔ اور ہاتھ بڑھایا۔ اس شخص کا کیا حال ہوگا۔ جو حرام چیز کی خواہش کے ساتھ ہاتھ بڑھائے گا؟۔ میں نے رستم شیرازی صوفی کو کہتے سنا کہ ابو عبداللہ بن خفیف ایک دعوت میں تھے۔ ان کے مرید نے ان سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ کیونکہ وہ کئی دن سے فاقہ سے تھا۔ اس پر ایک اور مرید نے اسے تنبیہہ کی۔ کہ اس نے شیخ سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھا کر شیخ کی بے ادبی کی۔ اور اس نے اس فقیر کے سامنے کوئی چیز رکھ دی۔ جس سے وہ سمجھ گیا۔ کہ اس کی اس بے ادبی کو برا منایا گیا ہے۔ لہٰذا اس نے عہد کر لیا۔ کہ اپنے نفس کی تادیب و سزا کے لئے پندرہ دن تک کچھ نہ کھائے گا۔ اس طرح اس نے اپنی بے ادبی سے توبہ کرنے کی ظاہری صُورت نکالی۔ حالانکہ وہ پہلے ہی فاقہ میں مبتلا تھا۔

میں نے محمد بن عبداللہ صوفی سے سُنا۔ انہوں نے ابوالفرج ورثانی سے سنا۔ انہوں نے عبداللہ[617] بن محمد بن جعفر سے، انہوں نے ابراہیم[618] بن محمد بن الحرث سے انہوں نے سلیمان[619] بن داؤد سے، انہوں نے جعفر بن سلیمان سے سنا کہ کہتے تھے۔ میں نے مالک بن دینار کو فرماتے سُنا۔ جو شخص اپنی دنیادی خواہشات پر غالب آگیا۔ شیطان اس کے سایہ سے الگ کر دیا گیا۔

میں نے ان کو یہ بھی کہتے سُنا۔ کہ منصور بن عبداللہ الاصفہانی فرماتے تھے۔ میں نے ابو علی رودباری کو فرماتے سنا۔ اگر کوئی صوفی پانچ دن کے فاقہ کے بعد یہ کہے کہ میں بھوکا ہوں۔ تو اُسے کہو کہ بازار میں جا کر کمائے اور تصوّف اور فقر کا نام نہ لے۔)

استاد ابو علیؒ دقاق کسی شیخ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ دوزخیوں کی اشتہا ان کے پرہیز پر غالب آگئی۔ اس لئے وہ رُسوا ہوئے۔

استاد ابو علیؒ دقاق کو میں نے فرماتے سنا۔ کسی صوفی سے کہا گیا کیا تو کبھی کسی چیز کی خواہش نہیں کرتا؟ اس نے جواب دیا۔ خواہش تو ہوتی ہے۔ مگر میں پرہیز کرتا ہوں۔

انہی نے فرمایا کہ ایک صوفی سے کہا گیا۔ تجھے کسی چیز کی خواہش نہیں ہوئی؟ جواب دیا! میں چاہتا ہوں کہ خواہش پیدا ہو۔ مگر ایسا بھی نہیں ہوتا۔ یعنی خواہشات کا احساس مر چکا ہے) یہ درجہ زیادہ کامل ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ ان سے احمد بن منصور[۶۲۱] نے کہا کہ ابن مخلد[۶۲۲] نے ان سے کہا کہ ان سے ابو الحسین[۶۲۳] الحسن بن عمر بن جہم نے کہا کہ میں نے ابو نصر[۶۲۴] تمار کو فرماتے سنا۔ ایک رات میرے پاس بشر آئے میں نے کہا اس خدا کا شکر ہے جو تمہیں یہاں لے آیا ہمارے پاس خراسان سے کچھ روئی آئی۔ بچی نے اسے کات کر بیچا۔ اور گوشت خریدا۔ لہٰذا آپ ہمارے ہاں افطار کیجئے فرمایا اگر میں نے کسی کے ہاں کھانا کھایا۔ تو تمہارے ہاں کھاؤں گا۔ پھر فرمایا۔ کئی سال سے بینگن کھانے کی خواہش کر رہا ہوں مگر ایسا اتفاق نہیں ہوا میں نے عرض کیا اس گوشت میں حلال کی کمائی کے بینگن بھی ڈالے ہیں فرمانے لگے (تب کھاؤں گا) جب بینگن کی محبت پاک ہو جائے۔

میں نے عبداللہ بن باکویہ صوفی کو کہتے سنا کہ ابو احمد صغیر فرماتے تھے مجھے ابو عبداللہ بن خفیف نے حکم دیا کہ میں ہر رات ان کی افطاری کے لئے مویز کے دس دانے پیش کیا کروں ایک رات مجھے ان پر ترس آگیا تو میں نے دس کی بجائے پندرہ دانے پیش کئے آپ نے میری طرف دیکھا اور کہا تجھے (پندرہ دانے لانے کا کس نے حکم دیا۔ آپ نے صرف دس کھائے اور باقی (پانچ) کو چھوڑ دیا۔

میں نے محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ سے سنا۔ انہوں نے ابو العباس احمد بن محمد بن عبداللہ فراغانی سے سنا۔ انہوں نے ابو الحسین رازی سے انہوں نے یوسف بن الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو تراب نخشبی کو فرماتے سنا۔ میرے نفس نے صرف ایک بار ایک خواہش کی۔ اس نے روٹی اور انڈا کھانا چاہا اس وقت میں سفر میں تھا۔ میں ایک بستی کی طرف ہو لیا۔ ایک شخص اٹھا اور مجھ سے چمٹ گیا۔ اور کہا۔ یہ شخص چوروں کے ساتھ تھا لوگوں نے مجھے ستر درّے مارے اس کے بعد ان میں سے ایک شخص نے مجھے پہچان لیا۔ اور کہا یہ تو ابو تراب نخشبی ہیں لوگوں نے مجھ سے معافی مانگی ایک شخص تعظیم اور مہربانی کے طور پر مجھے اپنے

گھر سے گیا۔ اور روٹی اور انڈا کھانے کے لئے پیش کیا۔ میں نے اپنے نفس سے کہا ستر درّے کھانے کے بعد اب اسے کھاؤ۔

باب (۱۲)

خشوع اور تواضع[۶۲۵]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خَاشِعُوْنَ۔" وہ مومن جو اپنی نماز خشوع سے ادا کرتے ہیں، نجات پا گئے۔

ہم سے ابوالحسن عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن محمد یحییٰ مزکی نے کہا۔ ان سے ابوالفضل سفیان بن محمد جوہری نے، اور ان سے علی بن الحسن[۶۲۶] نے، اُن سے یحییٰ بن حماد[۶۲۷] نے کہا۔ کہ ان سے شعبۃ[۶۲۸] نے، ان سے اُبان بن تغلب[۶۲۹] نے، ان سے فضیل الفقیمی[۶۳۰] نے، ان سے ابراہیم[۶۳۱] نخعی نے اُن سے علقمہ بن قیس[۶۳۲] نے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ نے فرماتے سنا۔

"جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبّر ہوگا۔ وہ جنت میں نہ جائے گا۔ اور جس شخص کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا۔ وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔"

اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک شخص عمدہ لباس پہننا چاہتا ہے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے۔ خوبصورتی کو پسند فرماتے ہیں۔ حق بات کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا تکبّر کہلاتا ہے۔

ہمیں علی بن احمد ہوازی نے بتایا کہ ان سے احمد بن عبید بصری نے، ان سے محمد بن الفضل بن جابر نے، ان سے ابو ابراہیم نے، ان سے علی بن کہمس نے، ان سے مسلم[۶۳۳] اعور نے خود انس بن مالک سے سنا فرماتے تھے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی عیادت کو جایا کرتے، جنازہ کے ساتھ جاتے، گدھے پر سوار ہوتے، ایک غلام کی بھی دعوت قبول کرتے۔ بنی قریظہ اور بنی نضیر کی جنگ کے دن آپ گدھے پر سوار تھے۔ جس کی لگام کھجور کی چھال کی تھی۔ اور خُوی گیر (جھُول) بھی چھال کا تھا)

خشوع اور تواضع کی تعریف

خشوع حق تعالےٰ کی تابعداری کرنا ہے، اور اپنے آپ کو حق تعالےٰ کے سپرد کرنے اور اس کے حکم پر اعتراض نہ کرنے کا نام تواضع ہے۔

حذیفہؓ فرماتے ہیں۔ اپنے دین سے سب سے پہلی چیز جو گم ہوگی۔ وہ خشوع ہے

کسی صوفی سے خشوع کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا۔

خشوع یہ ہے کہ دل حق تعالیٰ کے سامنے پُورے ارادے سے کھڑا ہو۔

سہلؒ بن عبد اللہ فرماتے ہیں جس شخص کے دل میں خشوع ہے۔ شیطان اس کے قریب نہ آئے گا۔

کہتے ہیں کہ بندے کے خشوع کی علامت یہ ہے کہ جب اُسے غصہ دلایا جائے۔ یا اس کی مخالفت کی جائے۔ یا اس کا رد کیا جائے۔ تو وہ ان باتوں کو بخوشی قبول کرے۔

ایک صوفی کا قول ہے کہ دل کا خشوع یہ ہے کہ نگاہوں کو دیکھنے سے مقید کر دیا جائے۔

محمد بن علی ترمذی فرماتے ہیں خشوع کرنے والا شخص وہ ہے۔ جس کی خواہشات کی آگ بجھ چکی ہے۔ اور اس کے سینہ کا دھواں ساکن ہو چکا ہے اور تعظیم کا نور اس کے دل میں روشن ہو چکا ہے، جس کی خواہشات نفسانی مر چکی ہے جس کا دل زندہ ہو چکا ہے اور اس کے تمام اعضاء میں خشوع سرایت کر چکا ہے۔

حسنؒ بصری فرماتے ہیں۔ ایسا دائمی خوف جو دل کے ساتھ ہو چکا ہو۔ خشوع کہلاتا ہے۔

جنیدؒ سے خشوع کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا۔

علام الغیوب کے سامنے دلوں کا ذلیل ہونا خشوع کہلاتا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا ۔
" اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی سے چلتے ہیں ۔
میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا ۔ یہ وہ لوگ ہیں ۔ جو اپنے جوتوں کے تسمے بھی اچھے نہیں رکھتے ۔

خشوع کا مقام دل ہے

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ خشوع کا مقام دل ہے ۔

ایک صوفی نے ایک آدمی کو دیکھا ۔ بظاہر بہت متفکر اور غمگین تھا ۔ اور اس کے دونوں کندھے سکڑ گئے تھے ، صوفی نے اُسے اس کے سینہ کی طرف اشارہ کر کے کہا ۔ ارے ! خشوع تو یہاں ہوتا ہے اور کندھوں کی اشارہ کر کے کہا ۔ یہاں نہیں ہوتا ۔

روایت کی گئی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا ۔ کہ نماز میں ڈاڑھی کے ساتھ کھیل رہا ہے ۔ حضور نے فرمایا ۔ اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا ۔ تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع پایا جاتا ۔"

کہا جاتا ہے کہ نماز میں خشوع کی شرط یہ ہے کہ نمازی کو معلوم ہی نہ ہو ۔ کہ کون اس کے دائیں جانب ہے ۔ اور کون بائیں جانب ۔

استاد امام نے فرمایا ۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حق سبحانہ کے حضور میں اپنے دل کو باادب جھکا دینے کا نام خشوع ہے ۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی اطلاع سے دل کا مرجھا جانا خشوع کہلاتا ہے ۔

نیز کہتے ہیں کہ حقیقت کے غلبہ کے وقت دل کا پگھلنا اور پیچھے ہٹنا خشوع کہلاتا ہے ۔

نیز کہتے ہیں ۔ کہ خشوع ہیبتِ خداوندی کے غلبہ کا پیش خیمہ ہے ۔

نیز کہتے ہیں ۔ کہ خشوع رونگٹوں کا کھڑا ہو جانا ہے ۔ جو حقیقت کے کھل جانے کے وقت دل پر یکایک طاری ہو جاتا ہے ۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں ۔ صوفیاء کے ہاں یہ بات بُری سمجھی جاتی ہے کہ اس کے ظاہری جسم سے اس قدر خشوع سمجھا جائے ۔ جتناکہ اس کے دل میں نہ ہو۔

ابو سلیمانؒ دارانی فرماتے ہیں ۔اگر سب لوگ اس بات پر اکٹھے ہو جائیں ۔کہ وہ میری قدر کو اس قدر گھٹا دیں ۔جس قدر کہ میں نے خود اسے گھٹا رکھا ہے تو وہ یہ بات نہ کر سکیں گے ۔

کہتے ہیں ۔کہ جو شخص اپنے آپ کو نہ گھٹائے گا ۔ وہ اوروں کے نزدیک بلند نہ ہو سکے گا۔

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ' مٹی کے سوا کسی اور چیز پر سجدہ نہ کیا کرتے تھے ۔

ہم سے علی بن احمد اہوازی نے ، ان سے احمد بن عبید بصری نے ، ان سے ابراہیم[۲۲۷] بن عبداللہ نے ، ان سے ابوالحسن بن علی بن یزید الفرائضی نے ، ان سے محمد[۲۲۸] بن کثیر مصیصی نے ، ہارون[۲۲۹] بن حیان ، خفیف[۲۳۰] اور سعید[۲۳۱] بن جبیر کی طرق سے ابن عباس سے روایت کی ۔ فرماتے تھے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی تکبّر ہوگا ۔ وہ جنت میں نہ جائے گا ۔"

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالےٰ نے قوم نوحؑ کو غرق کر دیا ۔ تو اور پہاڑوں نے اپنا سر اونچا رکھا ۔ مگر جودی پہاڑ نے سر نگوں کر دیا ۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اُسے نوحؑ کی کشتی کی قرار گاہ بنایا ۔

عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ' تیز چلا کرتے تھے ۔ اور فرمایا کرتے کہ اس طرح کام جلد سر انجام پاتے ہیں) اور یہ چال اکڑ اور غرور سے انسان کو دُور رکھتی ہے ۔

ایک رات عمر بن عبدالعزیز کچھ لکھ رہے تھے ۔ آپ کے پاس ایک مہمان تھا کہ چراغ بجھنے لگا ۔ مہمان نے کہا کہ میں اُٹھ کر چراغ کو درست کر دیتا ہوں ۔ آپ نے فرمایا ۔ ایسا نہیں ہو سکتا ۔ مہمان سے خدمت لینا شرافت نہیں ہے ۔ مہمان نے کہا ۔ پھر نوکر کو بیدار کریں ۔ فرمایا ۔ یہ بھی نہیں ہوگا ۔ کیوں کہ وہ ابھی سویا ہے ۔ لہٰذا آپ خود اس صراحی کی طرف اُٹھ کر گئے ۔ جس میں تیل تھا ۔ اور چراغ میں تیل ڈالا ۔ مہمان نے کہا اے امیر المومنین !

آپ خود اٹھ کر گئے۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ میں جب اٹھ کر گیا تھا۔ تب بھی عمر تھا۔ اور واپس آیا ہوں۔ تب بھی عمر ہوں۔

ابو سعید خدری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اونٹ کے آگے چارہ ڈالا کرتے۔ گھر میں جھاڑو دیتے۔ جوتا سیتے۔ کپڑے میں پیوند لگاتے۔ بکری کا دودھ دوہتے، خادم کے ساتھ کھانا کھاتے اور جب وہ تھک جاتا۔ تو اس کے ساتھ مل کر چکی پیستے، آپ بازار سے سودا سلف خود اٹھا کر لانے میں شرم محسوس نہ کرتے تھے۔ امیر و غریب سے مصافحہ کرتے۔ سلام کرنے میں پہل کرتے۔ کسی قسم کی دعوت ہوتی۔ آپ اسے حقیر نہ سمجھتے۔ خواہ وہ ادنیٰ قسم کی کھجوریں ہی کیوں نہ ہوتی۔ آپ نرم خو اور نرم اخلاق والے تھے۔ کریم الطبع تھے۔ لوگوں سے اچھی طرح میل جول رکھتے۔ خندہ پیشانی اور تبسم سے پیش آتے۔ ضحک و ہنسی کا مظاہرہ نہ کرتے۔ اور بغیر ترش روئی کے آپ محزون دکھائی دیتے آپ متواضع تھے۔ مگر ذلت کا شائبہ نہ ہوتا۔ بغیر اسراف کے سخی تھے، رقیق القلب تھے۔ ہر مسلمان کے ساتھ رحم دل تھے۔ آپ نے کبھی سیر ہو کر ڈکار نہیں لیا۔ اور نہ ہی کسی قسم کے لالچ کی وجہ سے کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی سے، انہوں نے عبد اللہ بن محمد رازی سے انہوں نے مردویہ صائغ سے سنا۔ فرماتے تھے کہ میں نے فضیل بن عیاض کو فرماتے سنا کہ اللہ کے لئے قرآن پڑھنے والے، عاجزی کرنے والے، اور تواضع کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور حکام کے لئے قرآن پڑھنے والے مغرور و متکبر ہوتے ہیں۔

فضیل بن عیاض فرماتے ہیں۔ جس شخص نے اپنے آپ کو قدر و قیمت والا خیال کیا۔ اس کا انکساری میں کوئی حصہ نہیں ہو سکتا۔ کسی نے فضیلؒ سے تواضع کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا:۔

تواضع یہ ہے کہ تو حق بات کے سامنے جھک جائے۔ اس کی اطاعت کرے۔ اور حق بات کہنے والے کی بات کو قبول کرے۔

فضیلؒ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کی طرف وحی بھیجی کہ میں تم میں سے ایک پر ایک

بنی سے باتیں کرنے والا ہوں۔ اس پر تمام پہاڑ اکڑنے لگے۔ مگر طور سینا نے انکساری کی اسی تواضع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے اس پر بات کی۔

میں نے محمد بن الحسین سے، انہوں نے احمد بن علی بن جعفر سے، انہوں نے ابراہیمؒ بن فاتک کو فرماتے سُنا۔ کہ کسی نے جنیدؒ سے تواضع کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا۔ تواضع یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کے لئے اپنے آپ کو جھکا دے اور ان سے نرم برتاؤ کرے۔

وھبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی نازل کی ہوئی ایک کتاب میں ہے کہ میں نے آدم علیہ السلام کی پشت میں سے ان کی اولاد کو نکالا تو میں نے موسیٰ علیہ السلام کے دل سے بڑھ کر زیادہ تواضع کرنے والا کسی اور دل کو نہیں پایا۔ اسی وجہ سے میں نے انہیں منتخب کیا اور ان سے ہم کلام ہوا۔

ابن المبارکؒ فرماتے ہیں۔ مالداروں سے تکبر کرنا، اور فقیروں سے انکساری کرنا تواضع کہلاتا ہے۔

کسی نے ابو یزیدؒ سے پوچھا کہ انسان کب متواضع ہوتا ہے۔ فرمایا۔ جب انسان اپنے لئے یہ نہ خیال کرے۔ کہ اس کا کوئی مقام ہے۔ یہ نہ سمجھے کہ اس کی کوئی حالت ہے اور نہ یہ خیال کرے کہ مخلوق میں اس سے بڑھ کر کوئی اور بُرا انسان ہو سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ تواضع ایک ایسی نعمت ہے۔ جس پر کوئی شخص حسد نہیں کرتا۔ اور تکبر ایک ایسی مصیبت ہے۔ جس پر کوئی شخص رحم نہیں کھاتا۔ اور عزت تواضع میں ہے۔ جس نے تکبر میں عزت کو تلاش کیا۔ وہ اسے نہیں پا سکتا۔

مَیں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے ابو بکر محمد بن عبد اللہ سے سنا انہوں نے کہا کہ ابراہیم بن شیبان فرماتے تھے تواضع میں شرافت، تقویٰ میں عزت اور قناعت میں حریت پائی جاتی ہے۔ میں نے ان سے یہ بھی سنا کہ حسن ساری نے ان سے بیان کیا۔ کہ ان سے ابن الاعرابی نے کہا کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ سفیان ثوری کہتے تھے سب سے زیادہ عزت والے پانچ طرح کے لوگ ہیں۔ (۱) عالم، جو زاھد بھی ہو۔ (۲) فقیہہ جو

صوفی ہو (۳) مالدار، جو متواضع بھی ہو (۴) محتاج، جو شاکر بھی ہو۔(۵) سیدزادہ جو سُنی بھی ہو۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ تواضع ہر شخص کے لئے اچھی چیز ہے۔ مگر مالدار کے لئے اور بھی اچھی چیز ہے۔ اور تکبّر ہر شخص میں بدنما معلوم ہوتا ہے اور محتاج میں اور بھی زیادہ بُرا لگتا ہے۔

ابن عطاءؒ فرماتے ہیں۔ تواضع یہ ہے کہ تو حق بات کو قبول کرے۔ خواہ کہنے والا کوئی بھی ہو۔

کہتے ہیں کہ زید بن ثابت سوار ہوئے۔ تو ابن عباس ان کا رکاب پکڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ زید نے کہا۔ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے عم زاد بھائی! ٹھہر جایئے۔ ابن عباس نے کہا۔ ہمیں علماء کے ساتھ یہی برتاؤ کرنے کو کہا گیا ہے۔ زید بن ثابت نے ابن عباس کا ہاتھ پکڑ کر چُوما۔ اور فرمایا۔ ہمیں بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے گھر والوں کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عروۃ[۱۴] بن زبیر فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر بن الخطاب کے کندھے پر پانی کا ایک مشکیزہ ہے۔ میں نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین، یہ آپ کے شایان شان نہیں ہے۔ فرمایا:۔ جب میرے پاس اطاعت کرتے ہوئے لوگ آنے لگے تو میرے دل میں کچھ نخوت داخل ہوگئی۔ میں نے اس نخوت کو توڑنا چاہا۔ آپ مشکیزہ لے کر انصار کی ایک عورت کے حجرہ میں گئے اور اس کے برتن میں مشکیزہ انڈیل دیا۔

میں نے ابو حاتمؒ سجستانی کو فرماتے سنا کہ جب ابو ہریرۃ[۶۵] رضی اللہ عنہٗ مدینہ کے گورنر تھے۔ تو دیکھا گیا کہ وہ اپنی پیٹھ پر ایندھن کا گٹھا اٹھائے لئے جا رہے تھے۔ اور وہ کہہ رہے تھے کہ اپنے حاکم کو راستہ دو۔

عبداللہ[۶۶] رازی فرماتے ہیں۔ لوگوں کی بلا امتیاز خدمت کرنے کا نام تواضع ہے۔ میں نے محمد بن حسین سے سُنا۔ کہ انہوں نے محمد[۶۷] بن احمد بن ہارون سے سنا۔ انہوں نے محمد[۶۸] بن العباس الدمشقی سے سنا۔ انہوں نے احمد بن ابی حواری سے سُنا۔ فرمایا۔

کہ میں نے ابو سلیمان دارانی کو یوں فرماتے سنا۔

جس شخص نے یہ خیال کیا کہ اس کی کوئی قیمت ہے۔ وہ خدمت کی مٹھاس کا ذائقہ نہیں چکھ سکتا۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ جو شخص تمہارے ساتھ اپنے مال و دولت کی وجہ سے تکبر کرے۔ اس کے ساتھ تکبر کرنا تواضع ہے۔

شبلیؒ فرماتے ہیں۔ میری ذلت نے یہودیوں کی ذلت کو بھی مات کر دیا ہے۔

ایک شخص شبلیؒ کے پاس آیا۔ شبلیؒ نے پوچھا۔ تو کیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ جناب میں تو "با" کے نیچے کا نقطہ ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ تو میرا گواہ ہے۔ بشرطیکہ تو اپنے نفس کے لئے کوئی مقام نہ مقرر کرے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ یہ بھی تواضع میں شامل ہے کہ تو اپنے بھائی کا جوٹھا کھائے اور پیئے۔

بشرؒ فرماتے ہیں۔ دنیا داروں کو سلام نہ کر کے اپنے لئے سلامتی طلب کرو۔

شعیبؒ بن حرب فرماتے ہیں۔ میں طواف کر رہا تھا۔ کہ اچانک ایک شخص نے مجھے کہنی ماری۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ تو وہ فضیل بن عیاض تھے۔ فرمانے لگے۔ اے ابو صالح! اگر تو یہ خیال کرتا ہے کہ حج کے موقعہ پر ہم دونوں سے بڑھ کر کوئی اور برا انسان آیا ہو گا تو تمہارا یہ خیال نہایت ہی بُرا ہو گا۔

ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں نے طواف کے دوران ایک شخص کو دیکھا جس کے آگے آگے نوکر لوگوں کو اس کی خاطر طواف کرنے سے روک رہے تھے۔ اس کے بعد میں نے اس شخص کو مدت تک بغداد کے پل پر لوگوں سے سوال کرتے ہوئے دیکھا۔ مجھے اس پر حیرت ہوئی۔ تو وہ مجھ سے کہنے لگا۔ کہ میں نے ایک ایسے مقام پر تکبر کیا۔ جہاں لوگ انکساری کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالٰے نے مجھے ایسے مقام پر ذلت میں مبتلا کیا۔ جہاں کہیں لوگ اپنے کو اونچا کرتے ہیں۔

عمرؒ بن عبد العزیز اور ان کا بیٹا

حضرت عمرؒ بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ

کو معلوم ہوا۔ کہ ان کے ایک بیٹے نے ایک ہزار درہم سے ایک نگینہ خریدا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اسے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے ایک نگینہ ایک ہزار درہم میں خریدا ہے۔ میری چٹھی دیکھتے ہی انگوٹھی کو بیچ ڈالو۔ اور ایک ہزار آدمیوں کو کھانا کھلاؤ اور دو درہموں کی ایک اور انگوٹھی خرید لو۔ اور اس کا نگینہ چینی لوہے کا ہو۔ اور اس پر یہ حروف کندہ کراؤ۔ " رَحِمَ اللّٰہُ امْرَأً عَرَفَ قَدْرَ نَفْسِہٖ "۔

" خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے اپنی قدر پہچانی "۔

کہتے ہیں۔ ایک حاکم کے سامنے ایک غلام پیش کیا گیا۔ جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی۔ جب وہ قیمت لے کر آیا۔ تو اس نے خیال کیا کہ قیمت زیادہ ہے۔ اس کے بعد پھر اسے اس کے خریدنے کا خیال آیا۔ مگر پھر اس نے قیمت خزانہ میں لوٹا دی۔ اس غلام نے کہا:۔ اے میرے آقا! مجھے خرید لیں۔ کیونکہ ہزار درہم کے عوض مجھ میں ایک خصلت ہے جو ایک ہزار درہموں سے بھی زیادہ ہے۔ حاکم نے پوچھا۔ وہ کون سی خصلتیں ہیں۔ غلام نے کہا۔ سب سے کم اور ادنیٰ خصلت یہ ہے۔ کہ اگر آپ مجھے خرید لیں۔ اور مجھے تمام غلاموں پر مقدم رکھیں۔ پھر بھی میں اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھوں گا۔ اور یہی خیال کروں گا۔ کہ میں آپ کا غلام ہوں۔ لہٰذا اس نے اسے خرید لیا۔

رجاء بن حیوۃ[۱۹۴] سے حکایت کی گئی۔ کہ عمر بن عبدالعزیز کے لباس کی قیمت لگائی گئی۔ جن کو پہنے ہوئے وہ خطبہ دے رہے تھے تو ان کی قیمت بارہ درہم لگی۔ ان کے لباس میں یہ چیزیں تھیں۔ چوغہ۔ پگڑی۔ قمیص۔ شلوار۔ چادر۔ دو موزے اور ایک ٹوپی۔

کہتے ہیں کہ عبداللہ بن محمد بن واسع اس طرح غرور سے چلے کہ کسی نے اسے پسند نہ کیا۔ تو اس کے باپ نے (اُسے نیچا دکھانے کے خیال سے) اس سے کہا۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ میں نے تمہاری ماں کو کتنے میں خریدا تھا۔ صرف تین سو درہموں سے خریدا تھا۔ اور تمہارا باپ ایسا ہے کہ اللہ تعالےٰ مسلمانوں میں اس قسم کا اور باپ پیدا نہ کرے۔ اس کے باوجود تو اس قسم کی چال چل رہا ہے؟

میں نے محمد بن حسین سے، انہوں نے محمد بن احمد بن الفراء سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ

عبداللہ بن منازل فرماتے تھے۔ کہ میں نے حمدون قصار کو فرماتے سنا۔ تواضع یہ ہے کہ تو یہ خیال کرے (کہ تو دنیا میں اس قدر ادنیٰ ہے کہ) کسی شخص کو تمہاری ضرورت نہیں، نہ دین میں، نہ دنیا میں۔

ابراہیم بن ادہم

ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں کہ میں اسلام کی حالت میں صرف تین بار خوش ہوا۔ ایک بار میں ایک کشتی میں تھا۔ اس کشتی میں ایک شخص تھا۔ جو لوگوں کو خوب ہنسایا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا کہ ہم ترکوں کے علاقہ میں کافروں کو یوں پکڑ لیا کرتے تھے۔ یہ کہہ کر میرے سر کے بال پکڑ کر جھنجھوڑا۔ اس سے میں خوش ہوتا تھا۔ کیوں کہ اس کی نظر میں کشتی کے اندر مجھ سے زیادہ حقیر اور کوئی شخص نہ تھا۔ دوسری بار ایسا ہوا۔ کہ میں ایک مسجد میں بیمار پڑا تھا۔ مؤذن نے آکر مجھ سے کہا کہ نکل جاؤ۔ مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ نکل جاؤں۔ میرا پاؤں۔ پکڑ کر مجھے گھسیٹا۔ اور باہر لے گیا۔ تیسری بار اس طرح کہ میں ملک شام میں تھا۔ اور میں نے ایک پوستین پہن رکھی تھی۔ ایک بار جو میں نے اسے دیکھا تو اس قدر جوئیں اس میں تھیں کہ بالوں اور جوؤں میں امتیاز نہ رہا تھا۔ میں اس سے خوش ہوا۔

انہی ابراہیم سے ایک اور روایت اس طرح مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں کسی چیز سے اس قدر خوش نہیں ہوا۔ جس قدر کہ میں اس بات سے خوش ہوا کہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور ایک آدمی نے آکر مجھ پر پیشاب کر دیا۔

حضرت بلالؓ اور ابوذرؓ

کہتے ہیں کہ حضرت بلال[(۶۵۱)] رضی اللہ عنہٗ اور ابوذرؓ آپس میں جھگڑ پڑے۔ ابوذرؓ نے بلالؓ کو کالا کہا۔ بلالؓ نے جا کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کر دی۔ آپ نے فرمایا اے ابوذرؓ تمہارے دل میں جاہلیت کا تکبر ابھی باقی ہے۔ یہ سُن کر ابوذرؓ نے اپنے آپ کو گرا دیا۔ اور قسم کھائی کہ وہ اس وقت تک سر نہ اٹھائیں گے۔ جب تک بلالؓ ان کے رخسار پر پاؤں نہ رکھیں گے اور جب تک بلال نے ایسا نہیں کیا سر نہیں اٹھایا۔

حسن[(۶۵۲)] بن علی رضی اللہ عنہ کا گزر کچھ بچوں پر ہوا۔ جن کے پاس روٹی کا ایک ٹکڑا تھا انہوں نے

آپ کو دعوت دی۔ آپ نے اُتر کر ان کے ساتھ وہ روٹی کا ٹکڑا کھایا۔ پھر ان کو اپنے گھر لے گئے اور کھانا بھی دیا۔ اور کپڑے بھی دئے۔ اور فرمایا۔ احسان ان کا مجھ پر ہے۔ اس لئے کہ ان کے پاس تو وہی کچھ تھا۔ جو انہوں نے مجھے کھلادیا۔ اور ہمارے ہاں تو (جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے۔ اس سے زیادہ موجود ہے۔

کہتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، نے غنیمت کے مال میں سے صحابہ میں دوشالے تقسیم کئے۔ اور معاذ (۱۵۲) رضی اللہ عنہ، کو ایک یمنی جوڑا بھیجا۔ انہوں نے اسے بیچ کر چھ غلام خریدلئے انہیں آزاد کردیا۔ جب حضرت عمر کو یہ خبر ملی تو اس کے بعد انھوں نے پھر جوڑے تقسیم کئے۔ تو معاذ کے پاس پہلے جوڑے کے مقابلے میں کمتر جوڑا بھیجا۔ یہ دیکھ کر معاذ رض نے خفگی کا اظہار کیا۔ حضرت عمر رض نے فرمایا۔ خفگی کی کوئی بات نہیں، تم نے تو پہلا جوڑا بیچ ڈالا تھا۔ معاذ نے کہا۔ آپ کا اس میں کیا حرج ہے؟ آپ میرا حصہ مجھے دے دیں میں نے قسم کھائی ہے کہ میں یہ چادر آپ کے سر پر دے ماروں گا۔ اس پر حضرت عمر رض نے کہا۔ یہ میرا سر تمہارے سامنے ہے۔ اور بوڑھا بوڑھے کے ساتھ نرمی کیا کرتا ہے۔

باب ۱۳

نفس کی مخالفت اور اسکے عیوب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی۔ جو اپنے رب کے سامنے پیش ہونے سے ڈرا۔ اور اُس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا ایسے شخص کا ٹھکانہ جنت ہوگا۔

علی بن احمد بن عبدان نے کہا کہ ان سے احمد بن عبید نے، ان سے تمتام نے،[۶۵۶] ان سے محمد بن[۶۵۷] معاویہ نیساپوری نے، ان سے علی بن ابی[۶۵۸] علی بن عتبہ بن ابی لہب نے بیان کیا کہ محمد بن[۶۵۹] منکدر نے جابر بن[۶۶۰] عبداللہ سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف خواہشات کی پیروی اور لمبی لمبی آرزودں سے ہے۔

اتباع ہویٰ۔ (خواہشات کی پیروی، حق سے روکتی ہے اور لمبی آرزو آخرت کو بھلا دیتی ہے۔

یہ یاد رکھو۔ کہ نفس کی مخالفت اصل عبادت ہے۔ مشائخ صوفیاء سے اسلام کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا۔ مخالفت کی تلوار سے نفس کو ذبح کرنے کا نام اسلام ہے۔

یاد رکھو کہ جس شخص کے نفس کے خواہشات ظاہر ہوتے ہیں۔ اس شخص کے اللہ کے ساتھ انس کے روشن ستارے غروب ہو جاتے ہیں۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں۔ غور و فکر عبادت کی کنجی ہے۔ اور درست کام کرنے کی نشانی یہ ہے کہ تو نفس اور خواہشات کی مخالفت کرے۔ اور ان دونوں کی مخالفت ان کی خواہشات کو ترک کر دینے سے ہوتی ہے۔

ابن عطا فرماتے ہیں نفس کی سرشت ہے کہ برے آداب کی طرف لگے۔ اور بندے کو حکم دیا گیا ہے کہ آداب کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ لہٰذا نفس اپنی طبیعت کے تقاضا کے مطابق مخالفت کے میدان میں رواں ہوتا ہے۔ اور بندہ اسے اپنی کوشش سے برے مطالبات سے روکتا ہے۔ جس نے نفس کی باگ چھوڑ دی وہ نفس کی برائیوں میں نفس کا شریک ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سلمی سے، انہوں نے ابو بکر رازی سے سنا۔ کہا ابو عمر انماطی فرماتے تھے۔ میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا۔ نفس جو ہمیں برائیوں کا حکم دیتا ہے وہی ان ہلاکتوں کو بلاتا ہے۔ جو دشمن (شیطان) کی مددگار ہیں۔ اور ہم سے ایسی خواہشات کی پیروی کراتی ہیں جو طرح طرح کی برائیوں کے ساتھ متہم ہیں۔

ابوحفصؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ہر لحظہ اپنے نفس کو متہم نہیں کیا ۔ اور ہر حالت میں اس کی مخالفت نہیں کی ۔ اور اپنے تمام ایام (زندگی) میں اسے ایسے امور میں نہیں لگایا جنہیں وہ ناپسند کرتا ہے ۔ تو وہ شخص دھوکا کھائے گا ۔ اور جس شخص نے نفس کی کسی ایک چیز کو بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ۔ اس نے اسے ہلاک کر دیا ۔ عقل مند اپنی نفس سے کیسے راضی ہو سکتا ہے ۔ جب کہ کریم ، ابن کریم ، ابن کریم ، ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل جیسی شخصیت فرماتی ہے ۔

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ ۔" میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا ۔ کیونکہ نفس تو بدی کا حکم دیتا ہے ۔

میں نے محمد بن حسین سے سنا ہے ۔ انہوں نے ابراہیم بن مُقتّم سے بغداد میں سنا انہوں نے ابن عطا سے سنا ۔ فرمایا کہ جنیدؒ فرماتے تھے ۔ "میں ایک رات بیدار رہا ۔ اور اپنے ورد کے لئے اٹھا ۔ مگر وہ لذت جو میں محسوس کیا کرتا تھا ۔ حاصل نہ ہوئی ۔ میں نے سوچا کہ سو جاؤں مگر سو نہ سکا ۔ پھر میں بیٹھ گیا مگر مجھ سے بیٹھا نہ گیا ۔ اس پر میں نے دروازہ کھولا ۔ اور باہر نکل گیا ۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شخص چوغے میں لپٹا ہوا راستہ پر پڑا ہے ۔ جب اس نے میری آہٹ سنی ، تو سر اٹھا کر کہا ۔ " اے ابوالقاسم ! اتنی دیر لگا دی ۔" میں نے عرض کیا ۔ جناب میرا آپ سے کوئی وعدہ نہ تھا ۔" فرمانے لگے ۔ کیوں نہیں ؟ میں نے اللہ تعالٰے سے جو دلوں کو حرکت دینے والا ہے ۔ درخواست کی تھی کہ وہ آپ کے دل کو حرکت دے ۔" میں نے عرض کیا ۔ اللہ تعالٰے نے یہ بات تو کر دی ۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں ۔ انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ دل کی بیماری ، دل کا علاج کب بن جاتی ہے ۔ میں نے جواب دیا ۔ جب نفس اپنی خواہشات کی مخالفت کرتا ہے ۔ تو اس کی بیماری خود اس کا علاج بن جاتی ہے ۔ یہ سن کر وہ شخص اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا ۔ سن لو ۔ میں نے یہی جواب تمہیں سات بار دیا ۔ مگر تو نے مجھ سے یہ جواب قبول نہیں کیا ۔ اور کہتا رہا ۔ جب تک جنیدؒ سے نہ سن لوں گا ۔ نہ مانوں گا ۔ اب تو نے جنیدؒ سے جواب سن لیا ۔ جنیدؒ فرماتے ہیں ۔ یہ کہا اور وہ شخص کہیں چلا گیا ۔

نہ میں اس شخص کو جانتا تھا۔ اور نہ اس واقعہ کے بعد اس سے واقفیت ہوئی۔

ابوبکرؒ طمستانی فرماتے ہیں کہ اپنے نفس (کے قابو) سے نکلنا ہی سب سے بڑی نعمت ہے اس لئے کہ تمہارا نفس ہی اللہ اور تمہارے درمیان بہت بڑا حجاب ہے۔

سہلؒ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی بندگی کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ نفس اور اس کی خواہشات کی مخالفت کی جائے۔

مَیں نے محمد بن حسین سے، انہوں نے منصور بن عبداللہ سے، انہوں نے ابو عمر انماطی سے سنا۔ فرماتے تھے۔ کسی نے ابن عطا سے پوچھا کہ وہ کون سی چیز ہے جس سے اللہ تعالےٰ بہت جلد ناراض ہوتا ہے۔ فرمایا۔ نفس اور اس کے احوال کو (بنظر استحسان) دیکھنا اور اس سے بھی سخت بات یہ ہے کہ انسان نفس کے افعال پر معاوضہ کی اُمید رکھے۔

مَیں نے انہی محمد بن حسین سے سُنا۔ انہوں نے حسین[۲۶۲] بن یحیی سے، انہوں نے جعفر بن نصیر سے، انہوں نے ابراہیم خواص سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں جبل لکام پر تھا۔ وہاں انار دیکھا میرے نفس نے اس کی خواہش کی۔ چنانچہ میں نے بڑھ کر ایک انار لے لیا۔ جب اس کو ٹکڑے کیا۔ تو ترش نکلا۔ میں انار چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے بعد میں نے ایک شخص کو زمین پر پڑا ہوا پایا۔ جس پر بھڑیں اکٹھی ہو رہی تھیں۔ میں نے اسلام علیک کہا۔ اس نے جواب میں کہا اے ابراہیم! وعلیک السلام میں نے پوچھا۔ آپ نے مجھے کس طرح پہچانا؟ کہا۔ جسے اللہ معرفت دے۔ اس سے کوئی چیز نہیں چھپ سکتی۔ پھر میں نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اللہ کے ہاں آپ کا مرتبہ ہے، لہٰذا اگر آپ اللہ سے درخواست کریں۔ کہ وہ آپ کو ان بھڑوں سے بچائے (تو وہ بچا سکتا ہے) اس نے کہا۔ میں بھی دیکھتا ہوں کہ آپ کا اللہ کے ہاں مرتبہ ہے۔ اگر آپ اللہ سے درخواست کرتے۔ کہ وہ انار کی خواہش سے آپ کو بچائے (تو اللہ بچا سکتا تھا۔) اس لئے کہ انار کے کاٹنے کا درد انسان آخرت میں پائے گا۔ اور بھڑوں کے کاٹنے کا درد صرف اس دنیا میں ہوگا۔ اس پر میں انہیں چھوڑ کر چل دیا۔

ابراہیمؒ بن شیبان سے حکایت ہے ۔وہ فرماتے تھے ۔ میں نے چالیس سال تک کبھی چھت کے نیچے رات نہیں گزاری ۔ اور نہ ہی ایسی جگہ رات گزاری جس پر تالا لگا ہو ۔ بعض اوقات میں چاہتا تھا ۔کہ مجھے پیٹ بھر کر مسور کی دال مل جائے ۔ مگر ایسا نہ ہوا ۔ ایک بار میں شام میں تھا کہ میرے پاس ایک بڑا پیالہ جس میں مسور کی دال تھی ۔ میرے پاس لایا گیا میں نے اس میں سے کھایا ۔ اور باہر نکلا ۔ تو میں نے کچھ بوتلیں لٹکی ہوئی دیکھیں ۔ جن میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نمونے کی کچھ سیال چیز ہے ۔ میں نے اسے سرکہ سمجھا ۔ کسی شخص نے مجھ سے کہا ۔ تو کیا دیکھ رہا ہے ؟ شراب کے نمونے ہیں اور ان مٹکوں میں بھی شراب ہے ۔ اس پر میں نے اپنے دل میں کہا ۔ اب تو مجھ پر ایک فرض عائد ہو گیا ۔ لہٰذا میں شراب فروش کی دکان میں داخل ہو گیا اور تمام مٹکوں کو انڈیلتا گیا ۔ شراب فروش یہ سمجھتا رہا کہ میں سلطان کے حکم سے انڈیل رہا ہوں ۔ مگر جب اسے حقیقت کا علم ہوا ۔ تو مجھے ابن طولون(۶۶۴) کے پاس لے گیا ۔ ابن طولون نے مجھے دو سو بید لگانے کا حکم دیا اور مجھے قید کر دیا ۔ ایک مدت تک میں قید میں رہا ۔ یہاں تک کہ میرے استاد ابو عبد اللہ(۶۶۵) مغربی اس شہر میں آئے اور میری سفارش کی ۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمانے لگے ۔ کیا کیا تھا ؟ میں نے عرض کیا ۔ پیٹ بھر کر دال کھائی ۔ اور دو سو بید کھائے ۔ ابو عبد اللہ مغربی نے جواب دیا ۔ سستے چھوٹے ۔

میں نے شیخ عبد الرحمٰنؒ سلمی سے سنا ۔ انہوں نے ابو العباسؒ بغدادی سے ، انہوں نے جعفرؒ بن نصیرؒ سے ، انہوں نے جنیدؒ سے سنا ۔ فرماتے تھے ۔ میں نے سری سقطی کو یہ فرماتے سنا ۔

تیس یا چالیس سال سے میرا نفس مجھ سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ میں ایک گاجر شہد میں ڈبو کر (کھاؤں) مگر میں نے نفس کی اطاعت نہیں کی

انہی سلمی کو میں نے فرماتے سنا " میں نے اپنے نانا کو یہ فرماتے سنا ۔ انسان کے لئے آفت اس بات میں ہے کہ اس کا نفس جو کام کر رہا ہے ۔ وہ اس پر رضا مندی کا اظہار کرے ۔

میں نے انہی سلمی سے سنا ۔ انہوں نے محمد بن عبد اللہ رازی سے ، انہوں نے حسین(۶۶۶) بن علی

قرمیسینی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے عصام[۹۶] بن یوسف بلخی نے کوئی چیز حاتم اصم کے پاس بھیجی
اور انہوں نے اُسے قبول فرمایا۔ کسی نے پوچھا۔ آپ نے کیوں قبول کر لیا؟ فرمایا اس کے
لینے میں ان کی عزت پائی جاتی تھی اور میری ذلت اور اسے روکر دینے میں میری عزت تھی
اور ان کی ذلت، میں نے اپنی عزت پر ان کی عزت کو ترجیح دی۔ اور اپنی ذلت کو انکی ذلت پر۔
کسی صوفی سے کسی نے پوچھا کہ میں ساری دنیا سے الگ ہو کر حج کرنا چاہتا ہوں۔ صوفی نے
جواب دیا۔ پہلے اپنے دل کو ہر قسم کے سہو سے، نفس کو لہو ولعب سے، اور زبان کو لغو
باتوں سے خالی کر لو۔ پھر جہاں چاہو۔ جاؤ۔

ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں۔ جس شخص نے رات کے وقت کوئی نیک کام کیا اُسے
اسی دن اس کی جزا مل جاتی ہے۔ اور جس نے دن کے وقت نیک کام کیا۔ اسے اسی رات
کو اس کو بدلہ مل جاتا ہے اور جس نے اپنی خواہشات کو صدق دل سے ترک کیا۔ اللہ تعالیٰ
اُسے ان خواہشات کی تکلیف سے کفایت کرتا ہے۔ اور اللہ اس سے بہت زیادہ کریم ہے
کہ وہ اس دل کو سزا دے۔ جس نے اپنی خواہشوں کو اللہ کی خاطر ترک کیا۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ اے داؤد! اپنے اصحاب کو اپنی
خواہش کی چیزیں کھانے سے بچاؤ۔ اس لئے کہ جو دل خواہشات دنیا میں لگے رہتے ہیں۔
ان کی عقلیں مجھ سے حجاب میں رہتی ہیں۔

ایک آدمی کو لوگوں نے دیکھا کہ ہوا میں بیٹھا ہے۔ کسی نے اس سے پوچھا تو نے یہ بات
کیسے حاصل کی؟ جواب دیا۔ میں نے اپنی خواہشات کو ترک کیا۔ لہٰذا ہوا میرے حکم کے
ماتحت ہو گئی۔

کہا جاتا ہے۔ اگر کسی مومن کو ایک ہزار خواہش بھی پیش آئے۔ وہ انہیں خوف کے
ذریعہ سے نکال دیتا ہے اور اگر کسی کافر کو ایک خواہش بھی پیش آجائے۔ تو یہی اس کے دل
سے خوف کو نکال دیتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ تو اپنی باگ اپنی خواہش کے ہاتھ میں نہ دے۔ کیونکہ وہ تجھے تاریکی کی
طرف لے جائے گی۔

یوسفؒ بن اسباط فرماتے ہیں کہ صرف بے قرار کرنے والا خوف اور بے چین کرنے والا شوق ہی دل سے خواہشات کو نکال سکتا ہے۔

خواصؒ فرماتے ہیں۔ جس شخص نے کوئی خواہش ترک کی۔ پھر اس کے دل کو کوئی چیز اس کے بدلے میں نہیں ملی۔ تو سمجھ لو، کہ وہ اسے ترک کرنے میں جھوٹا ہے۔

جعفرؒ بن نصیر فرماتے ہیں کہ جنیدؒ نے مجھے ایک درہم دیا۔ اور فرمایا کہ اس سے وزیری انجیر خرید لاؤ۔ میں خرید لایا۔ جب افطار کرنے لگے۔ تو ایک انجیر لے کر منہ میں رکھی۔ پھر اُسے پھینک دیا اور رو پڑے، فرمایا۔ اسے اٹھالو۔ میں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا میرے دل سے آواز آئی۔ کہ تجھے شرم نہیں آتی۔ کہ ایک خواہش کو تو نے محض میرے لئے چھوڑ دیا۔ پھر تو اسی خواہش کا اعادہ کرتا ہے۔

صوفیاء ایسے موقعہ پر یہ شعر پڑھتے ہیں۔

نُوْنُ الْہَوَانِ مِنَ الْہَوٰی مَسْرُوْقَۃٌ ۔۔۔ وَصَرِیْعُ کُلِّ ھَوًی صَرِیْعُ ھَوَانٍ

لفظ ہوان (جس کے معنی ذلت کے ہیں۔) کا نون ہوٰی (خواہش) سے چرایا گیا ہے۔

جسے خواہش نے پچھاڑا۔ اسے ذلت گرا لیتی ہے۔

یاد رکھو کہ نفس کے کئی مذموم اخلاق ہیں۔ ان میں سے ایک حسد ہے

باب ۱۴

(۶۶۸)

(حسد)

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے

" اے نبی! آپ یوں کہیں کہ میں صبح کے رب کے ساتھ ان چیزوں سے پناہ لیتا ہوں۔ جن کو اس نے پیدا کیا۔

اس کے بعد فرمایا۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ " اور جب حاسد حسد کرے تو

اس کے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو، جسے اللہ تعالیٰ نے تعویز قرار دیا ہے حسد کے ذکر پر ختم کیا ہے۔

ہم سے ابوالحسن اہوازی نے، ان سے احمد بن عبید بسری نے کہا۔ ان سے اسمٰعیل بن فضل[۶۶۹] نے، ان سے یحییٰ بن[۶۷۰] مخلد نے کہا۔ ان سے معافی بن عمران نے، الحارث بن شہاب[۶۷۱] المعبد اور ابوقلابۃ[۶۷۲] سے روایت کی۔ انہوں نے ابن مسعود سے بیان کیا۔ فرماتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تین چیزیں ہر گناہ کی جڑ ہیں۔ ان سے ڈرو۔ اور ان سے بچو۔ تکبّر سے بچو، کیوں کہ تکبّر ہی نے ابلیس کو اکسایا تھا۔ کہ آدم کو سجدہ نہ کر۔ حرص سے بچو۔ کیونکہ آدم کو حرص ہی نے درخت کا پھل کھانے پر مجبور کیا اور حسد سے بچو۔ کیونکہ حضرت آدم کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو حسد ہی نے برانگیختہ کیا۔ کہ اپنے بھائی کو قتل کرے۔

کسی کا قول ہے کہ حاسد (حسد کرنے والا) جاحد (انکار کرنے والا) ہے۔ اس لئے کہ وہ واحد (اللہ تعالیٰ) کی قضا پر راضی نہیں ہوتا۔ یوں بھی کہا گیا ہے حاسد سردار نہیں بن سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۞ میں " مَا بَطَنَ " کی تشریح کسی نے حسد سے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے ایک کتاب میں ہے کہ حاسد میری نعمتوں کا دشمن ہے۔

کسی کا قول ہے۔ حسد کا اثر دشمن میں ظاہر ہونے سے پہلے خود تجھ میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

اصمعی[۶۷۳] کہتا ہے کہ میں نے ایک بدوی کو دیکھا۔ جس کی عمر کے ایک سو بیس سال گذر چکے تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہاری عمر کس قدر لمبی ہے۔ جواب دیا۔ میں[۶۷۴] نے حسد ترک کر دیا۔ لہٰذا میں بچا رہا۔

ابن المبارک فرماتے ہیں۔ شکر ہے۔ اس خدا کا کہ اس نے میرے امیر کے دل میں وہ بات ڈالی۔ جو میرے حاسد کے دل میں ہے۔

ایک حدیث میں ہے:۔ پانچویں آسمان میں ایک فرشتہ ہے جب کسی بندے کا عمل اس کے پاس سے گزرتا ہے۔ اور اس کی روشنی سورج کی طرح ہوتی ہے۔ تو یہ فرشتہ کہتا ہے

ذرا ٹھہر جا۔ میں حسد کا فرشتہ ہوں (اور تیرے عمل میں حسد کی ملاوٹ ہے) لہٰذا میں اس عمل والے کے منہ پر اسے دے ماروں گا۔ اس لئے کہ یہ شخص حاسد ہے۔

حضرت معویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں ہر انسان کو راضی کر سکتا ہوں۔ سوائے حاسد کے، کیوں کہ وہ تو بغیر اس کے کہ یہ نعمت مجھ سے زائل ہو جائے، راضی نہیں ہونے کا۔

کہا جاتا ہے کہ حسد کرنے والا ایسا ظالم ہوتا ہے جو نہ کسی چیز کو باقی رکھتا ہے اور نہ چھوڑتا ہے۔

عمرؒ بن عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ میں نے حاسد سے بڑھ کر کسی ظالم کو مظلوم کے ساتھ زیادہ مشابہ نہیں دیکھا۔ کیونکہ حاسد کو ہمیشہ غم رہتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حسد کرنے والے کی نشانی یہ ہے کہ وہ جب تمہارے سامنے آئے تو چاپلوسی کرے۔ اور جب چلا جائے تو غیبت کرے اور جب (محسود پر) مصیبت نازل ہو۔ تو وہ خوش ہو۔

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں۔ شر کی خصلتوں میں سے کوئی خصلت حسد سے بڑھ کر انصاف کرنے والی نہیں اس لئے کہ یہ محسود سے پہلے حاسد کو تباہ کرتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں تجھے سات چیزوں کا حکم دیتا ہوں۔ میرے نیک بندوں کی غیبت نہ کرنا اور میرے بندوں میں سے کسی سے حسد نہ کرنا۔ تو سلیمان علیہ السلام نے عرض کی۔ اے میرے رب! میرے لئے اسی قدر کافی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو عرش کے پاس دیکھا۔ انہیں اس پر رشک آگیا۔ اور پوچھا کہ اس شخص کی کیا تعریف ہے؟ جواب ملا کہ یہ شخص لوگوں سے ان چیزوں پر حسد نہیں کرتا تھا جو اللہ تعالےٰ نے انہیں عطا کی ہوئی تھیں۔

کہتے ہیں کہ حاسد جب کسی کے پاس اللہ تعالےٰ کی نعمت دیکھتا ہے تو پریشان ہوتا ہے۔ اور اس شخص سے کوئی لغزش دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔

نیز کہا گیا ہے۔ اگر تو حاسد سے بچنا چاہے۔ تو اپنے امور کو اس سے مشتبہ بنا کر رکھو۔
کہتے ہیں کہ حاسد اس شخص پر غضب ناک ہوتا ہے جس کا کوئی گناہ نہیں اور جو چیزیں اس کی ملکیت میں بھی نہیں ہیں۔ اس پر بخل کرتا ہے[۶۷۶]
کہا جاتا ہے کہ حاسد کو دوست بنانے کے لئے اپنے آپ کو تکلیف نہ دو، کیوں کہ وہ تمہارا احسان قبول نہ کرے گا۔
کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالےٰ اپنے کسی بندے پر ایسا دشمن مسلط کرنا چاہتا ہے جو اس پر رحم نہ کرے تو اس پر حسد کرنے والے کو مسلط کر دیتا ہے۔
اس سلسلہ میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔
کسی انسان کے ساتھ صرف یہ حادثہ کافی ہے کہ اس کے حاسد بھی اس پر رحم کھا رہے ہیں۔
نیز، ہر قسم کی دشمنی کے مٹ جانے کی اُمید ہو سکتی ہے۔ مگر اس شخص کی دشمنی نہیں مٹ سکتی جو حسد کی وجہ سے تم سے دشمنی رکھتا ہو۔
ابن المعتز[۶۷۷] کہتے ہیں۔ جب حاسد آہ بھرے تو کہو اے ظالم! خدا تجھے نیزہ مارے حالانکہ وہ اپنے حسد کی وجہ سے مظلوم دکھائی دیتا ہے۔
نیز، یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالےٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ کوئی چھپی ہوئی فضیلت لوگوں پر مشہور ہو جائے تو اس کی قسمت میں حاسد کی زبان لکھ دیتا ہے۔

باب ۱۵

غیبت[۶۷۸]

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ لَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا۔" تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے

کوئی چاہتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے ؟

ابوسعید محمد بن ابراہیم اسمٰعیل نے ان سے ابوبکر محمد بن الحسین بن حسن بن الخلیل نے، ان سے علی بن (۶۶۹) حسن نے ان سے اسحاق بن عیسیٰ (۶۷۰) ابن داؤد بن ابی ہند نے (۶۷۱) کہا کہ ان سے محمد بن ابوحمید نے موسیٰ بن (۶۷۲) وردان سے روایت کی کہ ابی ہریرہؓ فرماتے تھے کہ ایک شخص پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا مگر اٹھ کر کھڑا ہوا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا، یہ شخص کس قدر کمزور ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے اپنے بھائی کو کھایا ہے۔ اور اس کی غیبت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جس شخص کی وفات غیبت سے توبہ کرنے کے بعد ہوتی۔ وہ سب سے آخر میں جنت میں جائے گا اور جو غیبت پر اصرار کرتے ہوئے مرا وہ سب سے پہلے دوزخ میں جائے گا۔

عوفؒ (۶۷۳) کہتے ہیں کہ میں ابن سیرینؒ (۶۷۴) کے پاس گیا اور حجاج کو برا بھلا کہا۔ اس پر ابن سیرین نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ایک منصف حاکم ہے، جس طرح لوگوں کے حقوق کا مطالبہ حجاج (۶۷۵) سے کرے گا اسی طرح حجاج کے حقوق کا مطالبہ بھی کرے گا۔ اور جب تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے آئے گا تو چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی جو تم نے کیا ہوگا وہ اس بڑے سے بڑے گناہ سے جس کو حجاج نے کیا۔ تمہارے لئے زیادہ سخت ہوگا۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہمؒ ایک دعوت میں مدعو تھے۔ یہ وہاں گئے وہاں ایک ایسے شخص کا ذکر لوگوں نے چھیڑ دیا جو ابھی نہیں آیا تھا۔ انہوں نے اس کے متعلق کہا کہ وہ بھاری ہے۔ یہ سن کر ابراہیمؒ نے کہا۔ مجھ سے جو کچھ کیا ہے میرے نفس نے کیا ہے کیونکہ میں ایسی جگہ آگیا ہوں جہاں لوگ ایک دوسرے کی غیبت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ نکل کر چلے گئے اور تین دن تک کھانا نہیں کھایا۔

کہتے ہیں کہ اس شخص کی مثال جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے اس شخص کی سی ہے جس نے ایک منجنیق نصب کر رکھی ہے۔ اور ہر جہت میں اپنی نیکیوں کو اس منجنیق کا نشانہ بنا رہا ہے وہ کبھی کسی خراسانی کی غیبت کرتا ہے کبھی حجازی کی اور کبھی ترکی کی۔ اس طرح وہ اپنی نیکیوں

کو تقسیم کر دیتا ہے اور جب اٹھتا ہے تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا۔

کہتے ہیں کہ قیامت کے دن بندے کا اعمال نامہ جب لایا جائے گا اور وہ اس میں کوئی نیکی نہیں دیکھے گا تو کہے گا۔ میری نماز، میرا روزہ اور عبادت کہاں گئی۔ جواب ملے گا لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے تمہارے تمام اعمال رائیگاں گئے۔

کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی غیبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے۔ اس کے نصف گناہ معاف کر دیتا ہے۔

سفیان[۲۳۱] بن حسین نے کہا کہ میں ایاس بن[۲۸۷] معویہ کے پاس بیٹھا تھا اور میں نے ایک آدمی کے متعلق برا بھلا کہا۔ ایاس نے مجھ سے پوچھا۔ کیا تم نے ترکوں اور رومیوں سے جنگ کی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا کہ رومی، ترکی تو بچ گئے مگر تمہارا مسلمان بھائی تم سے نہ بچ سکا۔

کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا اور وہ اس میں ایسی نیکیاں دیکھے گا جو اس نے کبھی نہ کی تھیں۔ تو اسے کہا جائے گا کہ ان غیبتوں کے عوض میں ہیں۔ جو لوگوں نے تیری کیں۔ اور تجھے معلوم بھی نہ تھا۔

سفیان ثوریؒ سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے متعلق کہ اللہ تعالیٰ اس گھرانے کے لوگوں کو جو پلے ہوئے اور موٹے ہیں۔ ناپسند کرتا ہے۔ دریافت کیا کہ وہ کون ہیں، فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں۔ اور ان کا گوشت کھاتے ہیں۔

عبداللہ بن مبارک کی موجودگی میں غیبت کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اگر میں کسی کی غیبت کرتا تو اپنے والدین کی کرتا۔ کیونکہ وہ میری نیکیوں کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ کسی مومن کے لئے تجھ سے تین قسم کا حصہ ہونا چاہیئے اگر تو اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو اسے نقصان بھی نہ پہنچا، اگر تو اسے خوش نہیں کر سکتا تو اسے مغموم بھی نہ کر۔ اور اگر اس کی مدح نہیں کر سکتا تو مذمت بھی نہ کر۔

کسی نے حسن بصریؒ سے کہا کہ فلاں شخص نے تیری غیبت کی ہے تو حسن نے اس کے پاس مٹھائی کا طبق بھیجا اور کہلا بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے اپنی نیکیوں کا طبق مجھے دیا ہے اس لئے میں اس کے بدلے یہ بھیج رہا ہوں۔

علی بن احمد اہوازی نے کہا کہ ان سے احمد بن عبید بسری نے، ان سے احمد بن عمرو قطوانی نے، ان سے سہل بن عثمان[۶۸۸] عسکری نے کہا کہ ان سے ربیع بن بدر[۶۸۹] نے ابان[۶۹۰] سے روایت کی کہ انس بن مالک نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ اَلْقیٰ جِلْبَابَ الْحَیَاءِ عَنْ وَجْہِہٖ فَلَا غِیْبَۃَ لَہٗ

جس شخص نے حیا کی چادر اتار دی اس کے متعلق کچھ کہنا غیبت نہیں ہے۔

میں نے حمزہ بن یوسف سہمی سے سنا کہ ابو طاہر محمد بن اسید[۶۹۲] رقی نے ان سے کہا کہ جعفر بن محمد بن نصیر[۶۹۳] فرماتے تھے کہ جنیدؒ فرماتے تھے کہ میں شونیزیہ کی مسجد میں ایک جنازہ کا منتظر بیٹھا کہ نماز جنازہ پڑھوں، اہلِ بغداد اپنے اپنے مدارج پر بیٹھے جنازہ کے منتظر تھے کہ میں نے ایک فقیر کو دیکھا جس پر عبادت کرنے کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ وہ لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا بہتر ہوتا کہ یہ شخص کوئی کام کرتا۔ تاکہ لوگوں سے اپنے نفس کو بچا سکتا جب گھر واپس گیا اور میں رات کو ورد یعنی رونے اور نماز وغیرہ میں مشغول ہوا تو یہ تمام اوراد مجھے بوجھل معلوم ہوئے۔ میں نے بیٹھے بیٹھے صبح کر دی اور میری آنکھ لگ گئی کیا دیکھتا ہوں کہ اسی فقیر کو ایک خوان کے اوپر میرے پاس لایا گیا اور مجھ سے کہا گیا کہ اس کا گوشت کھاؤ۔ کیونکہ تم نے اس کی غیبت کی۔ مجھ پر سارا حال منکشف ہوا تو میں نے کہا۔ میں نے اس کی غیبت تو نہیں کی۔ میں نے صرف دل میں ایک بات کہی تھی۔ جواب ملا۔ کہ تو ان لوگوں میں سے نہیں۔ جن سے اس قسم کی بات پسند کی جائے۔ جا اور اس سے معافی مانگ، صبح ہوئی تو میں چکر لگاتا رہا یہاں تک کہ میں نے اسے ایک جگہ پر دیکھا کہ پانی میں سے سبزی کے ان پتوں کو چن رہا ہے جو دھونے میں گر جاتے ہیں۔ میں نے اسے سلام کیا تو اس نے مجھے کہا کہ ابو القاسم! کیا پھر ایسا کرو گے میں نے عرض کیا نہیں۔ اس نے پھر کہا کہ خدا مجھے بھی اور تجھے دونوں کی مغفرت کرے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا فرماتے تھے میں نے ابو طاہر اسفرائنی سے سنا فرماتے تھے کہ ابو جعفر بلخی[۶۹۴] فرماتے تھے کہ ہمارے ہاں بلخ کا ایک نوجوان تھا۔ وہ مجاہدہ اور عبادت کیا کرتا۔ مگر ہمیشہ لوگوں کی غیبت کرتا اور کہتا فلاں ایسا ہے فلاں ویسا ہے۔ ایک روز میں نے

اسے ان حجروں کے پاس سے نکلتا دیکھا جو لوگوں کے کپڑے دھویا کرتے تھے۔ میں نے اس سے اس کا سبب پوچھا۔ کہنے لگا یہ لوگوں کو بُرا کہنے کی سزا ہے کہ مجھے اس حال میں ڈال دیا میں ان میں سے ایک مخنث کی محبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ اس لئے اس مخنث کی وجہ سے میں ان کی خدمت کرتا ہوں اور پہلے احوال جو مجھے اللہ کی طرف سے حاصل تھے سب جاتے رہے لہذا آپ اللہ سے دعا کریں کہ مجھ پر رحم کرے۔

باب ۱۹

قناعت[۶۹۵]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً "جس شخص نے مومن ہونے کی حالت میں نیک عمل کیا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ہم اسے ضرور اچھی زندگی عطا کریں گے۔"

بہت سے اہلِ تفسیر کا قول ہے کہ حیاتِ طیبہ سے مراد دنیا میں قناعت ہے۔

شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی نے بیان کیا کہ ان سے ابو عمرو[۶۹۶] محمد بن جعفر بن مطر نے ان سے محمد بن موسیٰ[۶۹۷] الحلوانی نے، ان سے عبداللہ[۶۹۸] بن ابراہیم غفاری نے، انہوں نے منکدر[۶۹۹] بن محمد سے انہوں نے اپنے باپ[۷۰۰] سے اور انہوں نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْقَنَاعَةُ كَنْزٌ لَا يَفْنٰى:۔

قناعت نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔

ابوالحسن اہوازی نے کہا کہ ان سے احمد بن عبید بسری نے، ان سے عبداللہ[۷۰۱] بن ایوب قرنی نے، ان سے ابو ربیع[۷۰۲] زہرانی نے، ان سے اسمٰعیل[۷۰۳] بن زکریا نے ابو رجا[۷۰۴] سے اور انہوں نے برد بن[۷۰۵] سنان سے، اور انہوں نے مکحول[۷۰۶] سے اور انہوں نے وائلہ بن[۷۰۷] الاسقع سے اور انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

پرہیزگار بنو۔ تم سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔ قانع بنو۔ تم سب سے زیادہ

شکرگزار ہو جاؤ گے۔ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو تم مومن بن جاؤ گے۔ اپنے پڑوسی سے اچھی طرح سے پیش آؤ تم مسلمان کہلاؤ گے۔ کم ہنسو کیونکہ بہت ہنسنا دِل کو مردہ کر دیتا ہے۔

کہتے ہیں۔ محتاج لوگ مردے ہیں۔ ماسوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ قناعت کی عزت سے زندہ رکھے۔

بشرؒ حافی فرماتے ہیں۔ قناعت ایک فرشتہ ہے جو مومن کے دِل کے سوا کہیں سکونت اختیار نہیں کرتا۔

مَیں نے محمد بن حسین سے سنا۔ فرماتے تھے عبداللہؒ بن محمد شعرانی نے کہا کہ اسحٰق بن ابراہیم بن حسان انماطی نے کہا کہ احمد بن ابی حواری فرماتے تھے۔ مَیں نے ابوسلیمان دارانی کو فرماتے سنا۔

قناعت اور رضا کا آپس میں وہی تعلق ہے۔ جو ورع اور زھد کا ہے۔ قناعت رضا کی ابتدا ہے اور ورع زُہد کی۔

کہتے ہیں کہ جن چیزوں سے انسان کو الفت ہے۔ ان کے نہ ہونے پر بھی سکون ہونے کا نام قناعت ہے۔

ابوبکرؒ مراغی کہتے ہیں۔ عقلمند وہ شخص ہے جو دنیاوی امور کی تدبیر قناعت اور لیت و لعل کرنے سے کرے۔ اور آخرت کے امور کی تدبیر حرص اور جلدبازی سے کرے اور دین کے معاملات کی تدبیر علم اور کوشش سے کرے۔

ابوعبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں۔ مفقود چیز کی امید کو ترک کرنے اور موجود چیز کے ساتھ استغناء کرنے کا نام قناعت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان۔ لَیَرْزُقَنَّہُمُ اللّٰہُ رِزْقًا حَسَنًا۔ کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ "رزق حسن" سے مراد قناعت ہے۔

محمد بن علی ترمذی فرماتے ہیں۔ جو رزق کسی انسان کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے اس پر راضی رہنے کا نام قناعت ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ قناعت یہ ہے کہ تو، جو چیز مل گئی ہے اس پر اکتفا کرے اور جو چیز حاصل نہیں ہوئی اس کا لالچ نہ کرے۔

وھبؒ فرماتے ہیں، عزت اور مالداری دونوں رفیق کی تلاش میں نکلیں۔ انہیں قناعت مل گئی اور وہ وہیں ٹھہر گئیں کہ اب اور کسی چیز کی تلاش کی ضرورت نہیں۔

کہتے ہیں کہ جس کسی میں قناعت زیادہ پائی جائے گی اسے ہر قسم کا شوربا اچھا لگے گا۔ اور جو شخص ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قناعت عطا کرتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ابو حازمؒ[۱۱] ایک قصاب کے پاس سے گزرے۔ جس کے پاس فربہ گوشت تھا۔ قصاب نے ابو حازم سے کہا کہ گوشت لے لیں۔ اس لئے کہ یہ فربہ ہے انہوں نے کہا میرے پاس تو پیسے نہیں ہیں۔ قصاب نے کہا کہ میں آپ کو مہلت دے دوں گا۔ ابو حازم نے فرمایا۔ میرا نفس مجھے تم سے بہتر مہلت دے گا۔

کسی نے کسی سے پوچھا کہ سب سے زیادہ قانع کون شخص ہو سکتا ہے۔ جواب ملا کہ وہ شخص سب سے زیادہ قانع ہے۔ جو سب سے زیادہ لوگوں کی مدد کرتا ہے اور انہیں کم تکلیف دیتا ہے۔

زبور میں ہے کہ قناعت کرنے والا خواہ بھوکا ہی کیوں نہ ہوں، مالدار ہوتا ہے۔

کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کو پانچ جگہوں پر رکھا ہے۔ عزت کو اطاعت میں، ذلت کو معصیت میں، مصیبت کو قیام لیل میں، حکمت کو خالی پیٹ میں، اور مالداری کو قناعت میں۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے، انہوں نے نصر[۱۱] بن محمد سے، انہوں نے سلیمان بن ابی سلیمان سے، انہوں نے ابو القاسمؒ بن ابی نزار سے سنا۔ کہ ابراہیمؒ[۱۲] مارستانی فرماتے تھے کہ اپنی حرص سے اس طرح انتقام لو۔ جس طرح تم اپنے دشمن سے قصاص کے ذریعہ بدلہ لیتے ہو۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں۔ جس نے قناعت کی وہ اپنے اہل زمانہ سے آرام میں رہا اور اپنے ساتھیوں سے سبقت لے گیا۔

کہا جاتا ہے کہ جس نے قناعت کی۔ وہ اہلِ زمانہ سے آرام میں رہا اور اس نے سب پر فوقیت حاصل کی۔

کتانی کہتے ہیں کہ جس نے حرص کے عوض میں قناعت لی اسے عزت اور مروت مل گئی نیز کہا جاتا ہے۔ جو شخص لوگوں کے مال پر نگاہ رکھتا ہے اس کا غم زیادہ ہوتا ہے۔ یہ شعر بھی پڑھا جاتا ہے۔ انسان کے لئے اس عار والے دن سے جن میں وہ مال و دولت حاصل کرے۔ کرم اور بھوک بہتر ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک دانا کو دیکھا کہ جو سبزی پانی کے اوپر گر پڑی تھی وہ اسے کھا رہا تھا۔ اس شخص نے دانا سے کہا کہ اگر تو بادشاہ کی نوکری کر لیتا تو تجھے یہ کھانے کی نوبت نہ آتی۔ دانا نے جواب دیا تو بھی اگر قناعت کرتا تو تجھے بادشاہ کی نوکری کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

کہتے ہیں کہ عقاب اپنی اڑنے کی جگہ میں بڑا ذی عزت ہوتا ہے۔ کسی صیاد کی نگاہ یا طمع اس کی طرف اٹھ نہیں سکتی۔ مگر جب وہ کسی مردار کی جو جال میں پھنسا ہوا ہے طمع کرتا ہے تو اپنے اڑنے کی جگہ سے نیچے اتر آتا ہے اور جال میں پھنس جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے طمع کا ذکر کرتے ہوئے خضر کو کہا۔ "لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا" اگر تو چاہتا تو تو اس کی اجرت لے سکتا تھا۔ خضر نے جواب میں "هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ" اب میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے۔ کہا۔

نیز کہا جاتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ کہے تو موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے درمیان ایک ہرن کھڑا ہو گیا۔ اس وقت دونوں بھوکے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہرن کا جو پہلو تھا وہ بھنا ہوا نہ تھا۔ اور جو پہلو خضر کی طرف تھا وہ بھنا ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان" اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ - میں نعیم کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ یہ قناعت ہے اور اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ" کی تشریح دنیا کی حرص سے کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَكُّ رَقَبَةٍ" کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد طمع کی ذلت سے گردن کو آزاد کرنا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ۔ میں رجس کی تشریح بخل اور طمع سے کی گئی ہے اور وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ سے مراد سخاوت اور ایثار کے ساتھ پاک کرنا ہے۔

ھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ کی تفسیر میں ملک سے مراد قناعت کا مقام ہے، مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھے قناعت کا وہ مقام عطا فرما جس میں میں اوروں سے ممتاز رہوں۔ اور جہاں میں اے اللہ! تیری قضا پر راضی رہوں۔

لَاُعَذِّبَنَّہٗ عَذَابًا شَدِیْدًا۔ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں تم سے قناعت سلب کرلوں گا۔ اور تجھے طمع میں مبتلا کر دوں گا۔ بالفاظ دیگر میں اللہ سے درخواست کروں گا کہ تجھے ایسا کرے۔

کسی نے ابویزیدؒ سے پوچھا کہ تو اس مقام پر کیونکر پہنچا؟ فرمایا کہ میں نے دنیا کے اسباب کو جمع کر کے قناعت کی رسی سے باندھ دیا۔ پھر صدق کی منجنیق میں رکھ کر ناامیدی کے سمندر میں پھینک دیا۔ لہٰذا میں آرام میں رہا۔

میں نے محمد بن عبداللہ صوفی سے سنا کہ انہوں نے محمد بن فرخان[۱۱۳] سے سامرہ[۱۱۴] میں سنا انہوں نے کہا کہ میرے ماموں عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ حج کے موسم میں میں جنیدؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اور ان کے گرد عجمیوں اور مولدین کا ایک گروہ بیٹھا ہوا تھا۔ ناگاہ ایک شخص پانچسو دینار لایا اور ان کے سامنے رکھ کر عرض کیا کہ ان کو محتاجوں میں تقسیم کر دیجئے۔ جنیدؒ نے پوچھا کیا تمہارے پاس اور بھی دینار ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ کہ میرے پاس بہت ہیں۔ پھر جنیدؒ نے کہا کیا تو اور بھی لینا چاہتا ہے؟ اس نے کہا ہاں' اس پر جنیدؒ نے کہا کہ انہیں لے جا۔ کیونکہ تجھے ان کی ہم سے زیادہ ضرورت ہے۔ اور ان دیناروں کو قبول نہیں کیا۔

باب ۲۰

توکل[۱۱۶]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ۔ جو اللہ پر اعتماد رکھتا ہے

اللہ اس کے لئے کافی ہے

نیز فرمایا۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ متوکل کو چاہیئے کہ اللہ پر اعتماد رکھیں۔
نیز فرمایا۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ اگر تم مومن ہو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔
امام ابوبکر محمد بن حسن بن فورک نے کہا۔ ان سے عبداللہ بن[17] جعفر بن احمد اصبہانی نے ان سے یونس[18] بن حبیب بن عبدالقاہر نے، ان سے ابو داؤد[19] طیالسی نے، ان سے حماد بن[20] سلمٰہ نے، ان سے عاصم[21] بن بہدلۃ نے کہا کہ رزین[22] حبیش نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[23]۔
مجھے حج کے موسم میں تمام امتیں دکھلائی گئیں۔ میں نے اپنی امت کو دیکھا کہ دشت و جبل کو پُر کئے ہوئے ہیں۔ مجھے ان کی کثرت اور ان کی ہیئت بہت پسند آئی۔ مجھ سے پوچھا گیا۔ کیا تو اس پر راضی ہے۔ میں نے جواب دیا ہاں۔ فرمایا۔ ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔ جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ جو نہ تو اپنے جسموں کو (علاج کے لئے) داغتے ہیں، نہ شگون لیتے ہیں اور نہ جھاڑ پھونک کرواتے ہیں۔ اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کئے رہتے ہیں۔ اس پر عکاشہ بن محصن اسدی نے اٹھ کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ سے درخواست کیجئے کہ مجھے ان لوگوں میں سے بنا دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔ پھر ایک اور شخص اٹھا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے درخواست کیجئے کہ مجھے بھی ان لوگوں میں بنا دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عکاشہ تجھ پر سبقت لے گیا۔

میں نے عبداللہ بن یوسف اصبہانی سے سنا۔ انہوں نے ابونصر السراج سے سنا۔ انہوں نے کہا ابوبکر وجیہی فرماتے تھے۔ ابوعلی رودباری بیان کرتے تھے کہ میں نے عمر بن سنان سے درخواست کی کہ سہل بن عبداللہ کی حکایت بیان کریں۔ انہوں نے بیان کیا۔ سہل نے فرمایا کہ متوکل کی تین علامتیں ہیں۔ وہ نہ تو کسی سے مانگے۔ نہ کسی چیز کو رد کرے۔ اور نہ اپنے پاس کچھ روک رکھے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے، انہوں نے منصور بن عبداللہ سے، انہوں نے ابو عبداللہ شیرازی سے سنا، فرماتے تھے۔ میں نے ابو موسیٰ دیبلی کو فرماتے سنا کہ کسی شخص نے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ توکل کیا ہے؟ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ فرماتے ہیں، میں نے کہا کہ صوفیاء کا قول ہے کہ اگر درندے اور سانپ تمہارے دائیں بائیں ہوں تب بھی اس سے تمہارا باطن متزلزل نہ ہو۔ ابو یزید نے فرمایا۔ ٹھیک ہے۔ قریب قریب یہی بات ہے۔ مگر اہل جنت، جنت سے بہرہ اندوز ہو رہے ہوں۔ اور دوزخی دوزخ میں عذاب میں مبتلا ہوں۔ پھر تم ان دونوں میں امتیاز کرنے لگو۔ تو تم متوکلین کی صف میں سے نکل جاؤ گے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ توکل کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ہو جس طرح غسل دینے والے کے سامنے مردہ کہ جس طرح چاہتا ہے اُسے پلٹتا ہے نہ وہ حرکت کر سکتا ہے اور نہ کوئی تدبیر۔

حمدونؒ فرماتے ہیں۔ اللہؕ پر اعتماد کرنے کا نام توکل ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے ابوبکر محمد بن احمد بلخی سے سنا۔ انہوں نے محمد بن حامد سے سنا۔ کہ احمد بن خضرویہ فرماتے تھے کہ ایک شخص نے حاتم اصم سے پوچھا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں۔ فرمایا۔

وَلِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَا یَفْقَھُوْنَ ۔

(اللہ ہی کے لئے آسمان وزمین کے خزانے ہیں۔ مگر نفاق والے نہیں سمجھتے!)

توکل کا تعلق دِل کے ساتھ ہے

یاد رکھیں! کہ توکل کا مقام دِل ہے۔ جب بندے کے دِل میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے کہ تقدیر اللہ کی طرف سے ہے تو پھر اگر کوئی چیز مشکل ہو تو اس کی تقدیر سے ہو گی اور اگر کوئی چیز اتفاقیہ مل جائے۔ یا آسان ہو تو وہ بھی اللہ ہی کے آسان کرنے سے ہو گی۔ لہٰذا اس صورت میں ظاہری حرکات و (کوشش) توکل کے منافی نہ ہوں گے۔

علی بن عبدان نے کہا کہ ان سے احمد بن عبید البصری نے، ان سے غیلان بن عبدالصمد

نے، ان سے اسماعیل بن[۲۶] مسعود جحدری نے، ان سے خالد بن[۲۷] یحییٰ نے کہا کہ مجھ سے میرے چچا ابوقرۃ[۲۸] نے کہا۔ انس بن مالک فرماتے تھے ایک ناقہ سوار آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اس اونٹنی کو چھوڑ دوں اور اللہ پر بھروسہ کئے رہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کی ٹانگوں میں رسّی باندھ دو۔ پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔

ابراہیم خواص فرماتے ہیں جس کا بھروسہ خود اس کی ذات پر صحیح ہے۔ اس کا بھروسہ غیر پر بھی صحیح ہوگا۔

بشر حافی فرماتے ہیں بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ دعویٰ غلط ہے اگر ان لوگوں کو اللہ پر بھروسہ ہوتا تو یہ لوگ ان تمام امور پر رضامند ہوتے جو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کرتا ہے۔

کسی نے یحییٰ بن معاذ سے پوچھا۔ انسان کب متوکّل کہلاتا ہے؟ فرمایا: جب وہ اللہ کو اپنا وکیل بنانے پر راضی ہو۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰنؒ سے سنا۔ انہوں نے محمد بن علی بن[۲۹] الحسین سے سنا۔ انہوں نے کہا عبداللہ بن محمد بن الصامت فرماتے تھے۔ میں نے ابراہیم خواص کو فرماتے سنا۔ ایک مرتبہ میں جنگل میں جا رہا تھا کہ آواز سنائی دی۔ میں اس طرف متوجہ ہوا تو کیا دیکھا کہ ایک بدوی جا رہا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا۔ اے ابراہیم! ہمارے ہاں توکّل ہے۔ ہمارے ہاں قیام کرو۔ تاکہ تمہارا توکّل درست ہو جائے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تمہارا ایسے شہر میں داخل ہونے کی امید کرنا جہاں مختلف قسم کے کھانے مل جاتے ہوں۔ تجھے اس شہر میں مقیم ہونے پر اکساتا ہے۔ شہروں سے امید منقطع کر لو۔ اور توکّل کرو۔

نیز میں نے ان سے سنا، انہوں نے محمد بن احمد[۳۰] الفارسی سے سنا۔ فرماتے تھے۔ کسی نے ابن عطائ سے توکّل کی حقیقت کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا۔ اس کے باوجود کہ تمہیں اسباب کی اشد ضرورت ہے۔ اگر تم اسباب کی طرف جانے کے لئے بے چین نہ ہوئے اور باوجود اس کے کہ تم اسباب و ذرائع کو استعمال میں لا رہے ہو۔ پھر بھی تم اس سکون و اطمینان سے جو تمہیں حق تعالیٰ [illegible]

میں نے ابو حاتم سجستانی سے سنا. فرماتے تھے۔ میں نے ابونصر السراج کو فرماتے سنا کہ توکل کی شرط وہی ہے جو ابو تراب نخشبی نے بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ بدن کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لگائے رکھنا اور دل کا تعلق رب کے ساتھ ہونا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت پر مطمئن ہونا۔ لہٰذا اگر اسے کوئی چیز مل جائے تو وہ اس کا شکر یہ ادا کرے اور اگر کوئی چیز نہ ملے تو صبر کرے۔

یا جیسا کہ ذوالنون نے کہا۔ توکل یہ ہے کہ تو نفس کی تدبیر کرنا چھوڑ دے اور اپنی طاقت و قوت سے بیزاری کا اظہار کرے۔ بندہ توکل کی اس وقت طاقت رکھ سکتا ہے جب اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جن میں وہ لگا ہوا ہے جانتا اور دیکھتا ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا انہوں نے ابو الفرج الورثانی سے سنا کہا، کہ میں نے احمد بن محمد القرمیسینی سے سنا۔ کہا میں نے الکتانی سے سنا فرماتے تھے۔ میں نے ایک شاطر کو جو جمل عائشہ کے نام سے مشہور تھا دیکھا اُسے کوڑے لگائے جا رہے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ مار کا درد تمہیں کب آسان معلوم ہوتا ہے اس نے جواب میں کہا جب وہ شخص جس کی خاطر ہمیں مارا جاتا ہے۔ ہمیں دیکھ رہا ہو (تو مار آسان ہو جاتی ہے۔)

نیز میں نے ان سے سنا کہ عبداللہ بن محمد[۳۱] فرماتے تھے حسن بن منصور نے ابراہیم خواص سے دریافت کیا کہ تو نے ان سفروں اور جنگلوں کو طے کرنے کے دوران کیا کام کیا؟ جواب دیا میں توکل میں پڑا رہا تاکہ توکل پر میرا نفس صحیح ہو جائے۔ حسین نے کہا۔ تو نے اپنی عمر اپنے باطن کو آباد کرنے میں گزار دی۔ توحید باری تعالیٰ میں اپنے آپ کو فنا کرنا کہاں گیا؟

میں نے ابو حاتم سجستانی کو فرماتے سنا۔ انہوں نے ابونصر سراج کو کہتے سنا توکل تو وہ ہے جس کو ابو بکر دقاق نے بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ زندگی کی فکر ایک دن تک چھوڑنا اور کل کا غم نہ کرنا۔ پھر فرمایا۔ یہ ایسا ہے جیسا سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ توکل یہ ہے کہ جو کچھ اللہ چاہے تو اس کے ساتھ انبساط اور انس محسوس کرے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے محمد بن جعفر سے سنا انہوں نے کہا کہ ابو بکر بردعی[۳۲] فرماتے تھے۔ میں نے ابو یعقوب نہرجوری کو سنا کہ وہ فرماتے تھے۔

کمال حقیقت کے ساتھ اللہ پر توکّل تو وہی تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبریل سے فرمایا تھا[۴۳] "اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا"۔ مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کا نفس تو اس وقت اللہ کے ساتھ غائب تھا۔ لہٰذا انہیں اللہ کے ساتھ کوئی اور دکھائی ہی نہ دیتا تھا۔

اور میں نے انہی سے سنا۔ سعید بن احمد بن محمد[۴۴] نے کہا کہ محمد بن احمد بن سہل[۴۵] نے کہا۔ سعید بن عثمان خیاط[۴۶] فرماتے تھے۔ کسی شخص نے ذوالنون مصری سے سوال کیا کہ توکّل کیا ہے؟ فرمایا۔ تمام خداؤں کو (جو ماسوی اللہ ہوں) اتار پھینکنا اور اسباب و ذرائع کو توڑ ڈالنا سائل نے عرض کیا ذرا اور وضاحت کیجئے۔ فرمایا۔ توکّل یہ ہے کہ نفس کو بندگی میں ڈال دیا جائے اور دل کو رب العزت کے ساتھ لگا دیا جائے۔

اور میں نے اُن سے سنا کہ عبداللہ بن محمد المعلّم نے مجھ سے کہا کہ عبداللہ بن مبارک فرماتے تھے۔ کسی نے حمدون قصار سے توکّل کی نسبت سوال کیا تو انہوں نے فرمایا۔ اگر تمہارے پاس دس ہزار درہم ہوں اور تمہارے ذمہ ایک دانق بھی قرض ہو تو تمہیں ڈر رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مر جاؤں اور یہ قرض میرے ذمے رہ جائے اور برعکس اس کے اگر تمہارے ذمہ دس ہزار درہم کا قرض ہو اور تم اتنی رقم نہ چھوڑ کر مرے جو اس قدر قرض کو پورا ادا کر سکے، تو تو پھر بھی مایوس نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے ادا کر دے۔

کسی نے ابوعبداللہ[۴۷] قرشی سے توکّل کی نسبت سوال کیا۔ تو فرمایا۔ ہر حالت میں اللہ کے ساتھ تعلق ہونے کو توکّل کہتے ہیں۔ سائل نے عرض کی اور وضاحت کیجئے تو فرمایا توکّل یہ ہے کہ تو ہر اس سبب کو ترک کر دے جو کسی دوسرے سبب تک پہنچاتے۔ یہاں تک کہ خود حق تعالیٰ اس سبب کا والی بن جاتے۔

سہل بن عبداللہ کا قول

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں، توکّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا حال تھا اور کسب کرنا آپؐ کی سنت ہے لہٰذا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال پر رہے۔ اسے آپؐ کی سنت کو ترک نہیں کرنا چاہیئے۔

ابوسعید خراز کا قول

ابوسعید خراز فرماتے ہیں۔ توکّل بغیر سکون کے اضطراب اور بغیر اضطراب کے سکون کا نام ہے۔

کہا جاتا ہے کہ توکل یہ ہے کہ تیرے نزدیک دنیا کی کثرت و قلت یکساں ہو۔

ابن مسروق کا قول ابن مسروق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی قضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا توکل ہے۔

مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ انہوں نے عبداللہ رازی سے سنا۔ فرماتے تھے کہ مَیں نے ابوعثمان حیری کو فرماتے سنا کہ اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے اللہ پر ہی کفایت کرنے کا نام توکل ہے۔

مَیں نے اُن سے سنا کہ ان سے محمد بن محمد بن (۳۸) غالب نے کہا کہ حسین بن منصور نے فرمایا صحیح متوکل وہ شخص ہے کہ جب تک شہر میں اس سے زیادہ حقدار لوگ موجود ہوں۔ وہ بلاضرورت کوئی چیز نہ کھائے۔

(۳۹) اور مَیں نے ان سے سنا کہ عبداللہ بن علی نے کہا کہ منصور بن احمد الحربی کہتے تھے۔ ابن ابی شیخ نے بیان کیا کہ عمر بن سنان فرماتے تھے کہ ابراہیم خواص ہمارے پاس سے گزر رہے تھے ہم نے ان سے درخواست کی کہ جو عجیب ترین واقعہ آپ کے سفروں میں پیش آیا ہو بیان فرمائیں فرمایا خضر علیہ السلام مجھے ملے اور مجھ سے ساتھ دینے کو کہا۔ مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ ان کے پاس اطمینان سے رہنے سے کہیں میرے توکل میں فرق نہ آ جائے۔ لہذا مَیں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔

سہل کا قول سہل سے توکل کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا متوکل وہ شخص ہے جس کا دِل اللہ کے سوا تمام لوگوں سے تعلق چھوڑ کر صرف اللہ کے ساتھ زندہ رہے۔

مَیں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ توکل کے تین مراتب ہیں۔ توکل (۱) تسلیم (۲) اور تفویض (۳) چنانچہ متوکل کو اللہ تعالیٰ کے وعدے پر اطمینان ہوتا ہے۔ اور تسلیم کے درجہ والا صرف اس پر اکتفا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی حالت کا علم ہے۔ اور تفویض والا شخص اللہ کے حکم پر راضی ہوتا ہے۔ (خواہ اس کے مخالف ہو یا موافق)

نیز انہی کو مَیں نے فرماتے سنا۔ توکل ابتداء ہے۔ تسلیم درمیانی درجہ، اور

تفویض انتہائی درجہ۔

وقاق سے توکل کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا۔ بغیر طمع کے کھانے کو توکل کہتے ہیں۔

یحییٰ بن معاذ کا قول

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ صوف پہننا دکان کی مانند ہے اور زہد کی باتیں کرنا پیشہ وری اور قافلوں کے ساتھ چلنا اسباب (کے اختیار کرنے کے مترادف ہے) اور یہ تمام امور دنیاوی علاقات و اسباب ہیں۔

ایک شخص شبلیؒ کے پاس آیا۔ اور کثیر العیال ہونے کی شکایت کی۔ تو فرمایا۔ گھر جا کر ان تمام لوگوں کو گھر سے نکال دو۔ جن کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے نہیں ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہ انہوں نے عبداللہ سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ احمد بن عطا نے کہا کہ میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ سہل بن عبداللہ نے فرمایا جس نے تگ و دو کرنے پر کسی کو طعن کیا اس نے سنّت پر طعن کیا۔ اور جس نے توکل پر طعن کیا اس نے ایمان پر طعن کیا۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ احمد بن علی بن جعفر نے کہا کہ جعفر الخلدی فرماتے تھے کہ ابراہیم خواص فرماتے تھے۔ میں نے مکّہ کے راستے میں ایک وحشی شخص کو دیکھا تو میں نے کہا تو انسان ہے یا جن ؟ اس نے جواب دیا کہ میں جن ہوں۔ میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ کہا مکّہ کو، میں نے پوچھا، کیا زادِ راہ کے بغیر ہی ؟ جواب دیا کہ ہم میں بھی بعض ایسے لوگ ہیں جو خدا پر توکل کرتے ہوئے سفر کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا توکل کیا ہے ؟ جواب دیا اللہ سے (کسی چیز کا) لینا۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ العباس البغدادی نے کہا کہ فرغانی فرماتے تھے کہ ابراہیم خواص توکل میں یکتا تھے اور اس بارے میں بہت دقیق باتیں کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود اپنے ساتھ ہمیشہ سوئی، دھاگہ، لوٹا اور قینچی رکھتے تھے کسی نے ان سے کہا۔ اے ابواسحٰق آپ تو ہر چیز سے اپنے آپ کو روکتے ہیں یہ چیزیں کیوں اٹھائے پھرتے ہیں ؟ فرمایا۔ اس قسم کی چیزوں سے توکل میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیونکہ ہمارے ذمہ اللہ کے بہت سے فرائض ہیں۔ اور فقیر کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا ہے۔ بسا اوقات یہ کپڑا پھٹ جاتا ہے لہٰذا

اگر اپنے پاس سوئی دھاگہ نہ ہو تو ستر کھل جانے کا اندیشہ ہے۔ جس سے نماز فاسد ہو جائیگی اسی طرح اگر اس کے پاس لوٹا نہ ہو تو طہارت فاسد ہونے پر پاکی کیونکر حاصل کی جاسکتی ہے؟ لہذا اگر تمہیں کوئی فقیر لوٹے اور سوئی دھاگے کے بغیر دکھائی دے تو سمجھ لو کہ اس کی نماز کیسی ہوگی۔

میں نے ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ توکل مومنین کا خاصہ ہے تسلیم اولیاء کا اور تفویض موحّدین کا، لہذا توکل عوام کی صفت ٹھہری۔ تسلیم خواص اور تفویض خواص الخواص کی۔ نیز فرمایا۔ توکل (کامل) انبیاء کی صفت ہے۔ تسلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور تفویض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ابوجعفر خداد کا توکل

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عباس بغدادی نے کہا کہ محمد بن عبداللہ الفرغانی نے کہا کہ ابوجعفر الحداد فرماتے تھے کہ میں دس سے کچھ اوپر سالوں تک توکل کا عزم کئے رہا۔ مگر بازار میں مزدوری کرتا اور ہر روز اپنی مزدوری لیتا۔ مگر اس میں سے پانی کا گھونٹ تک نہ پیتا اور نہ حمام کی آمدنی لیتا۔ "شونیزیہ" میں فقراء کے پاس آتا اور میں خود اسی طرح رہتا۔ (یعنی اپنی حالت کو لوگوں سے چھپائے رہتا۔)

اور میں نے انہی سے سنا کہ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن شاذان فرماتے تھے۔ میں نے خواص کو فرماتے سنا کہ انہوں نے سنان کے بھائی حسن کو فرماتے سنا۔ کہا، میں نے اللہ کے توکل پر ننگے پاؤں چودہ حج کئے۔ پاؤں میں جب کانٹا چبھتا اور درد محسوس ہوتا تو میں یاد کرتا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ اللہ پر توکل کروں گا۔ یہ کہہ کر میں زمین پر پاؤں رگڑتا اور چل پڑتا۔ اور کانٹا نہ نکالتا۔

ابوحمزہ کا توکل

اور میں نے ان سے سنا کہ محمد بن عبداللہ الواعظ نے ان سے کہا کہ خیر النساج فرماتے ہیں کہ میں نے ابوحمزہ کو سنا کہ فرما رہے تھے کہ مجھے سیر ہو کر جنگل میں جانے سے اللہ سے شرم آتی ہے۔ جب میں نے اللہ پر توکل کرنے کا عہد کر رکھا ہے تو کہیں سیر ہو کر (عبادت کرنے میں) کوشش کرنا میرا توشہ نہ بن جائے۔

حمدون کا توکل

کسی نے حمدون سے توکل کے متعلق سوال کیا۔ تو فرمایا۔ یہ ایک ایسا مرتبہ ہے جس تک میں ابھی نہیں پہنچا۔ اور وہ شخص جس کے ایمان کا حال ابھی درست نہیں ہوا۔ توکل کے متعلق کیسے بات کر سکتا ہے۔؟

کہتے ہیں کہ اللہ پر توکل کرنے والے کی مثال اس بچے کی سی ہے جسے اپنی والدہ کے پستانوں کے سوا کسی اور جا تے پناہ کا پتہ نہیں۔ یہی حال متوکل کا ہے، اسے راہ ملتی ہے تو صرف خدا کی۔

کسی صوفی سے مروی ہے کہ میں جنگل میں تھا کہ ایک قافلہ آیا اور میں نے اپنے آگے آگے کسی ایک شخص کو دیکھا۔ میں تیزی سے چل کر اس تک پہنچا۔ دیکھا تو وہ ایک عورت تھی جس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ اور آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ میں نے سمجھا کہ وہ تھک گئی ہے لہذا میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور بیس درہم نکال کر اسے پیش کئے اور کہا کہ ان درہموں کو لے اور وہاں ٹھہر جا۔ یہاں تک کہ قافلہ آجائے اور ان درہموں سے جانور کرایہ پر لے لے اور اس کے بعد میرے پاس رات گزارے تاکہ میں اس کی حالت سنوار سکوں اس ...... عورت نے ہوا میں ہاتھ سے اشارہ کیا اور اس کے ہاتھ میں دینار ہی دینار تھے اور کہنے لگی۔ تم تو جیب سے درہم نکالتے ہو اور میں غیب سے لیتی ہوں۔

ابوسلیمان دارانی نے مکہ میں ایک شخص کو دیکھا۔ جو سوائے زمزم کے پانی کے گھونٹ کے کچھ اور کھاتا پیتا نہ تھا۔ کئی روز انہیں ایسے دیکھتے گزر گئے۔ ایک دن ابوسلیمان نے ان سے کہا فرض کرو اگر زمزم کا پانی خشک ہو جائے تو تم کیا پیو گے، اس پر اس شخص نے اٹھ کر اس کے سر کو بوسہ دیا اور کہا، خدا تمہیں نیک جزا دے۔ تو نے مجھے راہ راست پر لا کھڑا کیا کیونکہ میں تو کئی دنوں سے زمزم کو پوجتا تھا۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا۔

ابراہیمؒ خواص فرماتے ہیں کہ میں نے شام کے راستہ میں ایک نوجوان کو دیکھا جو بڑے اچھے اخلاق والا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کیا تم میری صحبت میں رہنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا میں تو بھوکا رہتا ہوں۔ کہنے لگا، اگر تو بھوکا رہے گا تو میں بھی بھوکا رہوں گا۔ چار دن اس طرح گزر گئے۔ اس کے بعد ہمارے پاس کہیں سے کوئی چیز آگئی۔ تو میں نے اسے کہا آؤ کھالو، اس نے

جواب دیا کہ میں تو عہد کر چکا ہوں کہ کسی کے ذریعے سے کوئی چیز نہ لوں گا۔ میں نے کہا اے بچے! تم نے تو بہت باریک بات کہی۔ کہنے لگا۔ اے ابراہیم! میری جھوٹی تعریف نہ کرو کیونکہ پرکھنے والا تمہارے مال اور توکّل کو خوب جانتا ہے۔ پھر کہنے لگا توکّل کا کمترین درجہ یہ ہے کہ اگرچہ تجھے فاقہ پر فاقہ آئے۔ پھر بھی تیرا دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے۔

کہتے ہیں کہ تمام شکوک کے رفع ہو جانے اور ملک الملوک کو (تمام معاملات) سونپنے کا نام توکّل ہے۔

کہتے ہیں کہ کچھ لوگ جنیدؒ کے پاس آئے، اور کہا کہ ہم رزق کہاں ڈھونڈیں۔

فرمایا۔ اگر تمہیں معلوم ہے کہ وہ کون سی جگہ ہے تو ڈھونڈ لو۔ پھر کہنے لگے کہ ہم اللہ سے مانگیں گے۔

فرمایا۔ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ وہ تمہیں بھول گیا ہے تو اسے یاد کرا دو۔ پھر کہنے لگے کہ ہم گھر کے اندر پڑے رہتے ہیں اور اللہ پر توکّل کرتے ہیں۔ تو فرمایا، کہ اللہ کو آزمانا اس بات کی دلیل ہے کہ تمہیں شک ہے۔ کہنے لگے۔ پھر کیا حیلہ کیا جائے۔ جنیدؒ نے فرمایا، کہ حیلہ کو ترک کر دیا جائے۔

ابو سلیمان دارانیؒ نے احمد بن ابی الحواریؒ سے کہا۔ اے احمد! آخرت کے راستے بہت سے ہیں۔ اور تمہارے شیخ (یعنی مجھ) کو ان میں سے بہت سے راستوں کا پتہ ہے سوائے توکّل کے۔ کہ میں نے ان کی بو بھی نہیں سونگھی۔

کہا جاتا ہے کہ توکّل یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کی قدرت میں ہے تو اس پر بھروسہ کرے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے تو اس سے ناامید ہو جائے۔

نیز کہتے ہیں کہ طلبِ رزق کا تقاضا کرنے میں غور و فکر کرنے سے اپنے باطن کو فارغ رکھنا ہی توکّل ہے۔

کسی نے حارث محاسبیؒ سے دریافت کیا کہ آیا متوکّل شخص کو طمع لاحق ہوتی ہے یا نہیں فرمایا۔ طبیعت کے تقاضے کے مطابق کچھ خطرے (طمع وغیرہ کے) اسے لاحق ہوتے ہیں

مگر اسے کچھ نقصان نہیں پہنچاتے، طمع کو ساقط کرنے میں تقویت حاصل کرنے کے لئے اسے چاہیئے کہ لوگوں کے پاس جو کچھ بھی ہیں اس سے ناامید ہو جائے۔

کہتے ہیں کہ جنگل میں نوری کو بھوک لگی تو انہیں غیب سے ندا آئی کہ تمہارے نزدیک کونسی چیز بہتر ہے، سبب یا کفایت؟ جواب دیا کفایت جس کے پرے کوئی انتہا نہیں۔ چنانچہ سترہ دن تک اسی طرح بغیر کھانے کے رہے۔

ابو رود باری فرماتے ہیں جب پانچ دن کے بعد فقیر یہ کہے کہ میں بھوکا ہوں تو اسے مجبور کرو کہ بازار میں جاکر کام کرے اور کمائے۔

ابوتراب نخشبی اور ایک صوفی

کہتے ہیں کہ ابوتراب نخشبی نے ایک صوفی کو جس نے تین دن تک کچھ نہ کھایا تھا۔ دیکھا کہ اس نے تربوز کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اس پر انہوں نے فرمایا۔ جا بازار میں جاکر کوئی پیشہ اختیار کر، کیوں کہ تجھ میں تصوف کی صلاحیت نہیں پائی جاتی۔

ابو یعقوب[۴۴] اقطع بصری فرماتے ہیں۔ ایک بار میں حرم میں دس دن تک بھوکا رہا۔ جس سے میں نے ضعف محسوس کیا۔ دل میں خیال آیا تو میں جنگل کی طرف نکل گیا کہ شاید کچھ کھانے کو مل جائے جس سے اپنی کمزوری کو سکون دے سکوں۔ مجھے ایک گرا پڑا شلجم دکھائی دیا میں نے اسے اٹھا لیا۔ مگر دل میں نفرت پیدا ہوئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص مجھ سے یوں کہہ رہا ہے تو دس دن بھوکا رہا اور اس کے بعد کیا تمہاری قسمت میں ایک خراب شلجم ہی لکھا ہے۔ لہٰذا میں نے اسے پھینک دیا اور مسجد میں چلا گیا۔ وہاں جاکر بیٹھ گیا۔ اس وقت ایک عجمی آکر میرے سامنے بیٹھ گیا۔ اور اس نے آکر ایک صندوقچہ رکھ دیا۔ اور کہنے لگا۔ یہ تمہارا ہے۔ میں نے پھر پوچھا۔ تم نے یہ کیسے میرے لئے مخصوص کر دیا۔ کہنے لگا۔ ہم دس دن سے سمندر میں سفر کر رہے تھے اور کشتی ڈوبنے کے قریب ہو گئی تھی۔ ہم میں سے ہر ایک نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں نجات دے تو کوئی چیز صدقہ میں دیں گے۔ چنانچہ میں نے بھی نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے نجات دے تو حرم کے مجاوروں میں سے جس شخص پر پہلے نظر پڑے گی، اسے میں یہ صدقہ کے طور

پر دوں گا۔ اور آپ ہی پہلے شخص ہیں جس سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ میں نے کہا اسے کھولو کھولا تو اس میں مصری میدے کا کیک، چھلے ہوئے بادام اور قند سفید کی ڈلیاں تھیں میں نے کچھ اس میں سے لے لیا اور کچھ اس میں سے، اور کہا کہ باقی اپنے بچوں کے لئے لے جاؤ۔ یہ ان کے لئے میری طرف سے تحفہ ہے، میں نے اسے قبول کر لیا ہے۔ اس پر میں نے اپنے دل سے کہا کہ تمہارا رزق دس دن سے تمہاری طرف آ رہا ہے اور تو اسے وادی میں ڈھونڈ رہا ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے کہا ابو بکر رازی فرماتے تھے . . . . کہ میں ایک بار ممشادؒ دینوری کے پاس تھا کہ قرض کا ذکر چھڑ گیا۔ ممشادؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت میرے ذمے کچھ قرض تھا جس کی وجہ سے میں مغموم سا تھا۔ اس کے بعد میں نے خواب میں کسی کو کہتے سنا اے بخیل! تم نے صرف اسی قدر رقم ہم پر اعتماد کرتے ہوئے لی ؟ لئے جاؤ۔ اور ہم دیئے جائیں گے۔ اس واقعہ کے بعد میں نے نہ کسی سبزی فروش سے حساب کیا اور نہ کسی قصاب سے اور نہ کسی اور سے۔

بنان حمال سے مروی ہے کہ میں مکہ کی راہ میں جا رہا تھا۔ اس وقت میں مصر سے آیا تھا۔ اور میرے ساتھ زادِ راہ تھا۔ ایک عورت میرے پاس آئی اور مجھ سے کہنے لگی۔ اے بنان! تم تو مزدور (حمال) ہو۔ اپنی پیٹھ پر زادِ راہ اٹھائے پھرتے ہو۔ اور خیال کرتے ہو کہ اللہ تم کو رزق نہ دے گا۔ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے اپنا زادِ راہ پھینک دیا اور پھر تین دن تک کچھ کھانے کو نہ ملا۔ اس کے بعد مجھے راستہ میں ایک پازیب ملی۔ میں نے دل میں کہا کہ اسے اٹھا لوں، شاید اس کا مالک مل جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے کچھ دے دے۔ پھر میں یہ اسے واپس کر دوں۔ دیکھا تو پھر وہی عورت موجود ہے اور کہہ رہی ہے کہ تم تو تاجر ہو۔ دل میں کہتے ہو کہ شاید اس کا مالک آ جائے اور میں اس سے کچھ لوں۔ پھر اس عورت نے کچھ درہم میری طرف پھینکے اور کہنے لگی ان کو خرچ کرلو۔ یہ درہم مکہ تک پہنچنے کے لئے میرے لئے کافی تھے۔

بنان اور لونڈی کا قصہ

کہتے ہیں کہ بنان کو اپنی خدمت کے لئے ایک لونڈی کی ضرورت پڑی۔ اس لئے بے تکلفی سے اس کا ذکر اپنے بھائیوں سے کر دیا

انہوں نے رقم جمع کر لی اور کہا یہ لو۔ ایک گروہ آرہا ہے۔ جو لونڈی ہمیں پسند آگئی اس کو خرید لیں گے۔ جب وہ گروہ پہنچا تو ان سب نے ایک لونڈی خریدنے پر اتفاق رائے کیا اور کہا یہی اسس کیلئے مناسب ہوگی۔ اسس کے مالک سے جب قیمت پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ یہ بیچنے کے لئے نہیں ہے۔ انہوں نے جب اصرار کیا تو کہنے لگا کہ سمرقند سے ایک عورت نے یہ لونڈی بطورِ تحفہ کے بنان حمال کے لئے بھیجی ہے۔ میں اس لونڈی کو بنان کے پاس لئے گیا اور سارا قصہ بیان کیا۔

بشر حافی کا توکل

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ انہوں نے محمد بن الحسین المخزومی[۴۴۲] سے سنا۔ انہوں نے احمد بن محمد بن صالح[۴۴۳] سے سنا کہ محمد بن عبدون[۴۴۴] فرماتے تھے۔ حسن خیاط[۴۴۵] فرماتے تھے کہ ایک بار میں بشر حافی کے پاس تھا کہ کچھ لوگ آئے اور انہوں نے بشر کو سلام کیا۔ بشر نے پوچھا۔ تم لوگ کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم شام سے آپ کو سلام کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور حج کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بشر نے فرمایا خدا تمہاری سعی قبول فرمائے۔ انہوں نے پھر عرض کیا آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں؟ فرمایا۔ تین شرطوں پر تمہارے ساتھ چلوں گا۔ پہلی یہ کہ ہم اپنے ساتھ کوئی چیز نہ لے جائیں گے، دوسری یہ کہ کسی سے کوئی چیز نہ مانگیں گے۔ اور تیسری یہ کہ کوئی شخص دے گا تو بھی قبول نہ کریں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ پہلی اور دوسری شرط تو ہمیں منظور ہے مگر تیسری شرط کہ اگر کوئی کچھ دے بھی تو قبول نہ کریں۔ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس پر بشر نے فرمایا۔ تم تو پھر دوسرے حاجیوں کے زادِ راہ پر توکل کر کے نکلے ہو (یعنی اللہ پر توکل نہیں ہے۔) اس کے بعد فرمایا۔ اے حسن! فقیر تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو نہ کسی سے مانگتا ہے اور کوئی شے بھی، تو لیتا نہیں۔ یہ فقیر روحانی ہے۔ دوسرا وہ جو خود تو مانگتا نہیں مگر اگر کوئی دے دے تو قبول کر لیتا ہے۔ اس شخص کے لئے بارگاہِ رب العزۃ سے دستر خوان لگائے جائیں گے اور تیسرا وہ ہے جو مانگتا بھی ہے اور اگر کوئی اسے کچھ دے تو صرف اپنی ضرورت بھر قبول کر لیتا ہے۔ اس کے سوال کرنے کا کفارہ یہ ہے کہ وہ صرف اس وقت مانگے۔ جب اسے سخت بھوک لگے۔

حبیب عجمی[۴۴۶] سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے تجارت کو کیوں چھوڑ دیا۔ تو فرمایا۔

میرے رزق کا ضامن بہت ثقہ ہے۔
کہتے ہیں کہ پہلے زمانے میں ایک شخص سفر میں تھا اور اس کے پاس ایک روٹی تھی۔ کہ
کہ اگر میں اسے کھالوں گا تو مر جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کرد
فرمایا کہ اگر یہ شخص روٹی کھالے تو اسے اور رزق دینا اور اگر نہیں کھائے تو اسے اور رز
نہ دینا۔ وہ روٹی اس کے پاس اسی طرح رہی اور وہ مر گیا۔
کہتے ہیں کہ جو تفویض (ہر چیز کو اللہ پر چھوڑ دینا) کے میدان میں ہو اس کی مرادات
طرح پہنچا دی جاتی ہے جس طرح دلہن کو دلہن کے مالک کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔

تضییع اور تفویض میں فرق

تضییع اور تفویض میں فرق یہ ہے کہ تضییع حقوق اللہ ہوتی ہے اور یہ (حقوق اللہ کو ضائع کرنا ہے۔ مثلاً
پر عمل نہ کرنا، اور نواہی سے باز نہ آنا۔) مذموم بات ہے اور تفویض تمہارے اپنے حقوق میں
ہے اور یہ محمود امر ہے۔
عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ایک پیسہ حرام کا لے لیا۔ وہ متو
نہیں ہے۔
میں نے محمد عبداللہ صوفی سے سنا۔ انہوں نے نصر بن ابی نصر العطار سے سنا کہ انہو
کہا کہ علی بن محمد المصری فرماتے تھے کہ میں نے ابوسعید خراز سے سنا۔ وہ فرماتے تھے
بار میں زادِ راہ کے بغیر جنگل کو نکل گیا۔ راستہ میں مجھے بھوک لگی۔ (تھوڑی دیر کے بعد
مجھے دور سے منزل دکھائی دی۔ تو مجھے خوشی ہوئی کہ میں اب منزل کو پہنچا چاہتا ہو
دل میں سوچا کہ میں نے تو ماسوا پر اعتماد کیا۔ اور ماسوا پر سکون و اطمینان کا اظہار کیا۔ لہذا
نے قسم کھائی کہ منزل یعنی شہر میں داخل نہ ہوں گا۔ ہاں اگر کوئی جبراً لے جائے تو لے
چنانچہ میں نے ریت میں اپنے لئے ایک گڑھا کھودا اور چھاتی تک اپنے آپ کو اس
چھپا دیا۔ لوگوں نے آدھی رات کے وقت ایک بلند آواز سنی۔ کہ اے شہر والو! اللہ کے
نے اپنے آپ کو اس ریت میں قید کر رکھا ہے جا کر اس کی مدد کرو۔ چنانچہ کچھ لوگ آ
اور مجھے نکال کر شہر کو لے گئے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے محمد بن الحسین مخزومی سے سنا کہ ابن المالکی فرماتے تھے کہ ابو حمزہ خراسانی نے بیان کیا کہ ایک بار میں حج کے لئے روانہ ہوا راستہ میں میں ایک کنویں میں گر پڑا۔ میرے نفس نے مجھے فریاد کرنے کو کہا۔ مگر میں نے قسم کھا لی کہ میں قطعاً فریاد نہ کروں گا۔ ابھی یہ خیال کر ہی رہا تھا کہ کنویں پر سے دو آدمی گزرے۔ تو ایک نے کہا کہ آؤ اس کا منہ بند کر دیں۔ تاکہ کوئی اس میں گر نہ پڑے۔ چنانچہ وہ کچھ سرکنڈے اور ایک چٹائی لائے۔ اس سے کنویں کا منہ بند کر دیا۔ میں نے چلانے کا ارادہ کیا مگر پھر دل میں کہا کہ اس کے پاس فریاد کروں گا جو اُن سے بھی زیادہ مجھ سے قریب ہے۔ لہٰذا میں چپ رہا۔ ابھی ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ کوئی چیز آئی اور اس نے کنویں کا منہ کھول دیا اور اپنی ٹانگ لٹکا دی۔ اور بھنبھناتی ہوئی آواز میں جس کے ساتھ میں پہلے ہی مانوس تھا کہا میرے ساتھ لٹک جاؤ۔ چنانچہ میں لٹک گیا اور اس نے مجھے نکال لیا۔ دیکھا تو وہ درندہ تھا۔ درندے نے اپنی راہ لی۔ غیب سے ندا آئی۔ اے ابو حمزہ! کیا یہ بہتر نہیں ہے؟ ہم نے تمہیں ہلاک کرنے والی چیز کے ذریعہ ہلاکت سے بچا لیا۔ میں وہاں سے چل پڑا اور یہ شعر پڑھنے لگا۔

اَهَابُكَ اَن اُبْدِیْ اِلَیْكَ الَّذِیْ اُخْفِیْ ۔۔۔ وَسِرِّیْ یُبْدِیْ مَا یَقُوْلُ لَهٗ طَرْفِیْ
نَهَانِیْ حَیَائِیْ مِنْكَ اَنْ اَكْتُمَ الْهَوٰی ۔۔۔ وَاَغْنَیْتَنِیْ بِالْفَهْمِ مِنْكَ عَنِ الْكَشْفِ
تَلَطَّفْتَ فِیْ اَمْرِیْ فَاَبْدَیْتَ شَاهِدِیْ ۔۔۔ اِلٰی غَائِبِیْ وَاللُّطْفُ یُدْرَكُ بِاللُّطْفِ
تَرَائَیْتَ لِیْ بِالْغَیْبِ حَتّٰی كَاَنَّمَا ۔۔۔ تُبَشِّرُنِیْ بِالْغَیْبِ اَنَّكَ فِی الْكَفِّ
اَرَاكَ وَبِیْ مِنْ هَیْبَتِیْ لَكَ وَحْشَةٌ ۔۔۔ فَتُؤْنِسُنِیْ بِاللُّطْفِ مِنْكَ وَبِالْعَطْفِ
وَتُحْیِیْ مُحِبًّا اَنْتَ فِی الْحُبِّ حَتْفُهٗ ۔۔۔ وَذَا عَجَبٌ كَوْنُ الْحَیَاةِ مَعَ الْحَتْفِ

جو راز میں چھپاتا ہوں اُسے تمہارے پاس ظاہر کرنے سے مجھے ڈر لگتا ہے۔ مگر جو کچھ میری نگاہ میرے باطن کو کہتی ہے۔ میرا باطن اُسے ظاہر کر دیتا ہے۔

میری حیا تم سے عشق کو چھپائے رکھنے سے مجھے منع کرتی ہے مگر تو نے اپنی فہم سے ہی سمجھ کر مجھے راز کھولنے سے بچا لیا۔

تو نے مجھ پر مہربانی کی۔ اور میرے موجودہ حال کو میرے غائب حال پر ظاہر کر دیا۔

اور تمہاری عنایت کو لطیف طریقہ پر ہی سمجھا سکتا ہے۔

تم مجھے باوجود اس کے کہ غیب میں ہو۔ دکھائی دیتے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غائب میں ہوتے ہوئے بھی تم مجھے اس بات کی خوشخبری دے رہے ہو کہ تم گویا میرے ہاتھ میں ہو۔ تمہاری ہیبت کی وجہ سے وحشت ہونے کے باوجود جب تمہیں دیکھتا ہوں۔ تو تم اپنی عنایت و مہربانی سے مجھے مانوس کر دیتے ہو۔

تم اپنے عاشق کو باوجود اس کے کہ عشق میں تم اس کے لئے موت ہو۔ زندہ کر دیتے ہو اور یہ عجیب بات ہے کہ موت کے ساتھ زندگی ہے۔

مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے ان سے کہا کہ ابو سعدان التاہرتی فرماتے ہیں کہ مَیں نے حذیفہؓ مرعشی کو فرماتے ہوئے سنا، اور یہ حذیفہؓ مرعشی ابراہیمؒ بن ادہم کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔ اور انہوں نے ان کی خدمت کی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے ابراہیم میں کونسی بات سب سے زیادہ عجیب دیکھی۔ تو فرمایا۔ ہم مکہ کی راہ پر جا رہے تھے کہ کئی دنوں تک ہمیں کھانا نہ ملا۔ پھر کوفہ پہنچے۔ تو ایک ویران مسجد میں قیام کیا، ابراہیم بن ادہم نے میری طرف دیکھا۔ کہا۔ اے حذیفہؓ میں تجھ پر بھوک کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ مَیں نے عرض کی کہ حضور ایسا ہی ہے، پھر فرمایا۔ دوات اور کاغذ لاؤ۔ مَیں لے آیا۔ آپ نے اس پر لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اے اللہ! ہر حالت میں تو ہی ہمارا مقصود ہے اور ہر بات میں تمہاری ہی طرف ہمارا اشارہ ہوتا ہے۔

اَنَا حَامِدٌ اَنَا شَاکِرٌ اَنَا ذَاکِرٌ — اَنَا جَائِعٌ اَنَا نَائِعٌ اَنَا عَارِیْ
ھِیَ سِتَّۃٌ وَّاَنَا الضَّمِیْنُ لِنِصْفِھَا — فَکُنِ الضَّمِیْنَ لِنِصْفِھَا یَا بَارِیْ
مَدْحِیْ لِغَیْرِکَ لَھَبُ نَارٍ خُضْتُھَا — فَاجِرْ عُبَیْدَکَ مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ
وَالنَّارُ عِنْدِیْ کَالسُّؤَالِ فَھَلْ تَرٰی — اَنْ لَّا تُکَلِّفَنِیْ دُخُوْلَ النَّارِ

مَیں تمہاری تعریف کرنے والا شکرگزار اور تمہیں یاد کرنے والا ہوں۔ مَیں بھوکا ہوں، پیاسا ہوں اور ننگا ہوں۔ یہ چھ صفات ہیں۔ جن میں سے پہلی تین کا تو مَیں ضامن ہوں اور باقی آدھے کا اے خدا تو ضامن بن۔ اے خدا! تمہارے سوا کسی اور کی تعریف کرنا ایسا ہے

جیسے دوزخ کی آگ میں گھسنا، لہذا تو اپنے بندے کو اس آگ میں پڑنے سے بچالے۔

اور میرے نزدیک دوزخ اور بھیک مانگنا ایک ہی بات ہے۔ کیا آپ مجھے آگ میں پڑنے کی تکلیف سے نہیں بچائیں گے؟

اس کے بعد آپ نے یہ رقعہ مجھے دیا اور فرمایا۔ جاؤ اور غیر اللہ سے دل نہ لگاؤ اور جو شخص تمہیں سب سے پہلے ملے اسے یہ رقعہ دے دو۔ فرماتے ہیں کہ میں ان کے فرمان کے مطابق نکل گیا۔ پہلا شخص جس سے میری ملاقات ہوئی ایک شخص تھا جو خچر پر سوار تھا میں نے وہ رقعہ اسے دے دیا۔ اس نے وہ رقعہ لیا اور رونے لگا۔ کہنے لگا کہ اس رقعہ کا لکھنے والا کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا۔ فلاں مسجد میں، پھر اس نے مجھے چھ سو دینار دیئے۔ اس کے بعد مجھے ایک اور شخص ملا جس سے میں نے پوچھا کہ یہ خچر والا آدمی کون ہے؟ اس نے کہا یہ عیسائی ہے۔ پھر میں ابراہیم بن ادہم کے پاس چلا آیا۔ اور سارا قصہ بیان کر دیا فرمانے لگے اس تھیلی کو ہاتھ نہ لگانا۔ کیونکہ وہ ابھی آئے گا۔ ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ وہ عیسائی آپہنچا ابراہیم بن ادہم کے سر کو بوسہ دیا اور مسلمان ہو گیا۔

شکر [50]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (اگر شکر کرو گے تو البتہ تمہیں اور زیادہ دوں گا۔)

ابوالحسن علیؒ بن احمد بن عبدان اہوازی نے کہا کہ ابوالحسن صفار نے بیان کیا کہ اسقاطی نے ان سے کہا کہ منجاب[51] نے بیان کیا کہ یحییٰ[52] بن یعلیٰ نے ابو جناب[53] سے، انہوں نے عطاء[54] سے سنا۔ فرماتے تھے کہ میں عبید[55] بن عمیر کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جو عجیب ترین بات آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھی ہو، بیان فرمایئے۔ آپ اس پر رو پڑیں اور فرمانے لگیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کونسی بات عجیب نہ تھی۔ ایک رات وہ میرے پاس آئے اور میرے ساتھ میرے بستر میں

میرے لحاف میں گھس گئے یہاں تک کہ میرا جسم ان کے جسم کے ساتھ لگ گیا۔ فرمانے لگے۔ ابوبکر کی بیٹی! مجھے چھوڑ دو۔ میں اپنے رب کی عبادت کر لوں۔ میں نے کہا میں آپ کے قریب رہنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ میں نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپؐ اُٹھ کر پانی کے مشکیزے کی طرف گئے۔ اور وضو کیا اور بہت سا پانی بہایا۔ پھر نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور آپؐ رونے لگ گئے۔ یہاں تک کہ آپؐ کے آنسو آپؐ کے سینے پر بہنے لگے۔ پھر رکوع میں جا کر روئے اور اسی طرح سجدے میں، پھر سر اٹھا کر روتے رہے۔ آپؐ اسی طرح کرتے رہے تا آنکہ بلالؓ نے آکر آپؐ کو نماز کی اطلاع دی۔ میں نے کہا، یا رسول اللہؐ! آپؐ کیوں رو رہے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اگلے پچھلے تمام قصور معاف کر دیئے ہیں؟ فرمایا۔ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اور میں ایسا کیوں نہ کروں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت اتاری ہے۔ اِنَّ فِی خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔

شکر کی حقیقت استاد فرماتے ہیں کہ شکر کی حقیقت اہلِ تحقیق کے نزدیک یہ ہے کہ نہایت عاجزی کے ساتھ انعام کرنے والے کی نعمت کا اعتراف کیا جائے۔

اس قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کو مجازاً شکور کہا جائے گا۔ یعنی یہ کہ وہ اپنے بندوں کو شکر گزاری پر جزا دیتا ہے۔ لہٰذا شکر کی جزا دینے کو یہاں شکر کہا گیا۔ جس طرح قرآن مجید میں ہے۔ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا۔ برائی کا بدلہ اسی طرح کی برائی ہو گا۔

بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ معمولی سے عمل پر بہت زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ عربی کا محاورہ ہے۔ دابۃ شکور یعنی وہ جانور جسے باوجود اس کے کم چارہ دیا جاتا ہو۔ وہ زیادہ موٹا ہو۔

یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ محسن کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کی جائے۔ چنانچہ بندے کا شکر گزاری کرنے کا مفہوم یہ ہو گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کرے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا یہ ہو گا کہ وہ بھی بندے کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف فرماتے ہیں۔ مزید براں بندے کا احسان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ

کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ کا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا کرنے کا انعام عطا کرے اور دل سے اس کا اقرار کرے۔

شکر کی قسمیں (شکر کی تین قسمیں ہیں) ۱۔ زبان کا شکر اور وہ اس طرح ہے کہ عجز و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرے۔ بدن اور اعضا کا شکر اور یہ اس طرح ہے کہ انسان اپنے منعم کا وفادار اور خدمت گزار رہے اور دل کا شکر اس طرح کہ منعم کے احترام کی ہمیشہ رعایت رکھتے ہوئے اس کے احسان کو ہر لحظہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے۔

ایک اور تقسیم کہتے ہیں کہ ایک شکر عالموں کا ہوتا ہے اور وہ اقوال و نطق کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی زبان کا شکر) دوسرا شکر عابدوں کی صفت ہوتی ہے، جو ان کے احوال کی قسم سے ہوتا ہے۔ (یعنی افعال جوارح کا شکر) اور تیسری قسم کا شکر عارفوں کا شکر ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے عام احوال میں اپنے منعم کے لئے کاربند رہتے ہیں۔ ابو بکر وراق فرماتے ہیں کہ کسی کی نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ اس کے احسان کو حاصل کرنے میں اپنے آپ کو مستحق نہ سمجھے۔ بلکہ طفیلی سمجھے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں کہ شکر کے اندر (شکر کرنے کا) سبب پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ شاکر اپنے لئے اور عنایات کا طالب ہوتا ہے۔ لہٰذا شکر گزار درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو کر اپنی ذات کے لئے حظ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ابوعثمان فرماتے ہیں شکر یہ ہے کہ تو شکر ادا کرنے سے اپنے آپ کو عاجز سمجھے۔ کہتے ہیں کسی کا شکر ادا کرنے پر شکر کرنا شکر کرنے سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ کیوں کہ تو اپنی شکر گزاری کو بھی اسی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی توفیق میں سے شمار کرے گا اور یہ توفیق بھی تم پر انعامات بخشنے کی خاطر ہو گی۔ لہٰذا تو شکر پر بھی شکر کرے گا، پھر شکر پر شکر کرے گا اور پھر یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا۔

نیز کہتے ہیں کہ شکر یہ ہے کہ تو اپنی عاجزی کو جانتے ہوئے احسان کو احسان کرنے والے کی طرف منسوب کرے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں شکر یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو احسان کا اہل ہی نہ سمجھے۔
رویمؒ فرماتے ہیں شکر تو یہ ہے کہ انسان اپنی تمام کی تمام طاقت احسان کنندہ کی اطاعت
ں لگا دے۔

ناکر اور شکور میں فرق | کہتے ہیں کہ شاکر اور شکور میں فرق یہ ہے کہ شاکر وہ ہے جو موجودہ چیز پر شکر گزار ہو اور شکور وہ ہے جو ناموجود
یز پر شکر گزاری کرے۔

یک اور فرق | نیز کہتے ہیں کہ شاکر وہ ہے۔ جو کسی عطیہ پر شکر کرے اور شکور وہ ہے جو نہ دینے پر بھی شکر کرے۔

یک اور فرق | جو نفع پر شکر ادا کرے وہ شاکر ہے اور کسی چیز کے نہ ملنے پر بھی شکر ادا کرے وہ شکور ہے۔

یک اور فرق | جو عطیہ پر شکر ادا کرے وہ شاکر کہلاتا ہے اور جو مصیبت پر شکر ادا کرے وہ شکور کہلاتا ہے۔

یک اور فرق | جو انعام پر شکر ادا کرے وہ شاکر کہلاتا ہے اور جو وصل ٹالنے پر بھی شکر ادا کرے وہ شکور کہلاتا ہے۔

مَیں نے ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے ابو سہل صعلوکی سے سنا۔ انہوں نے کہا
لمرتعش فرماتے ہیں کہ مَیں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا کہ مَیں ابھی سات سال کا تھا اور سری سقطیؒ
سامنے کھیل رہا تھا۔ اس وقت ان کے پاس کچھ لوگ شکر کے متعلق گفتگو کر رہے تھے آپ
مجھ سے پوچھا۔ شکر کیا چیز ہے ؟ مَیں نے عرض کیا کہ شکر یہ ہے کہ تو اس کے احسان کے
لے اس کی نافرمانی نہ کرے۔ اس پر سری نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے کرم سے
ے زبان عطا کرے گا۔ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ مَیں سری کے ان الفاظ کی وجہ سے اب تک روتا
ا ہوں۔

شبلیؒ فرماتے ہیں احسان کرنے والے کو نگاہ میں رکھنا شکر ہے نہ کہ احسان کو
دل میں رکھنا۔

کہا جاتا ہے کہ احسان جو کہ موجود ہے اس کی حفاظت کرنا اور طلب مزید کا جو اس وقت معدوم ہے، طلب کرنا شکر ہے۔

ابو عثمانؒ فرماتے ہیں۔ عوام کا شکر تو کھانے اور لباس پر ہوتا ہے، مگر خواص تزان واردات پر شکر ادا کرتے ہیں جو ان کے دلوں پر وارد ہوتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے باری تعالیٰ میں تمہارا کیسے شکر ادا کروں جبکہ میرا شکر ادا کرنا بھی تمہاری ایک عنایت ہے، اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اب تو نے میرا شکریہ ادا کیا ہے۔

کہتے ہیں کہ موسےٰ علیہ السلام نے ایک مناجات میں عرض کیا کہ اے اللہ! تو نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ (اور پھر) اس کے ساتھ تو نے ایسا ایسا سلوک کیا۔ لہذا اس نے تمہارا شکریہ کیسے ادا کیا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اسے معلوم تھا کہ سب کچھ میری طرف سے ہے۔ لہذا یہی جاننا شکر شمار کیا گیا۔

کہتے ہیں کسی ایک شخص کا ایک دوست تھا۔ جسے بادشاہ نے قید کر دیا۔ اس شخص نے اپنے دوست کو پیغام بھیجا۔ دوسرے نے کہا۔ اللہ کا شکر ادا کرو۔ پھر اس شخص کو مار پڑی۔ اس نے پھر دوست کو لکھا، دوست نے پھر لکھا۔ اللہ کا شکر ادا کرو۔ اس کے بعد ایک مجوسی لایا گیا۔ جسے پیٹ کی بیماری تھی۔ اور بیڑیاں لائی گئیں۔ بیڑیوں کا ایک حلقہ اس شخص کے پاؤں میں ڈال دیا گیا اور دوسرا مجوسی کے پاؤں میں، مجوسی رات کو کئی بار حاجت کے لئے اٹھتا اور اس شخص کو مجوسی کے فارغ ہونے تک اس کے پاس کھڑا رہنا پڑتا اس نے پھر دوست کو لکھا۔ مگر پھر وہی جواب ملا کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔ اس نے کہا تم کب تک مجھ سے یہی کہے جاؤ گے۔ اور اس سے بڑھ کر اور کون سی مصیبت ہو سکتی ہے۔ دوست نے کہا۔ اگر اس کا زنار تمہاری کمر میں ڈال دیا جاتا جس طرح کہ بیڑیاں ڈال دی گئی ہیں۔ تو تم کیا کر سکتے تھے؟

کہتے ہیں کہ ایک شخص سہل بن عبداللہ کے پاس آیا اور عرض کیا۔ چور میرے گھر میں گھس

کر سارا سامان لے گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر چور (یعنی شیطان) تمہارے دل میں گھس کر توحید کو خراب کر دیتا تو تُو کیا کر سکتا تھا؟

کہتے ہیں کہ آنکھوں کا شکریہ ہے کہ تو لوگوں کے عیبوں پہ پردہ ڈالے اور کان کا شکریہ ہے کہ جو عیب کی بات سنے اس پر پردہ ڈالے۔

بعض کہتے ہیں کہ شکریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطیات پر جو کسی طرح بھی واجب نہیں ہیں اس کی تعریف کر کے لذت حاصل کی جائے۔

میں نے سلمیؒ سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ محمدؒ بن حسین نے کہا۔ حسینؒ بن یحییٰ نے کہا کہ جعفرؒ فرماتے تھے کہ انہوں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا کہ جب سریؒ مجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو مجھ سے کوئی سوال کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے مجھ سے پوچھا اے ابوالقاسم! شکر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس کی نافرمانی کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ پھر پوچھا کہ تجھے یہ بات کیسے معلوم ہوئی میں نے عرض کیا آپ کی ہم نشینی سے۔

کہتے ہیں کہ حسن بن علی نے خانہ کعبہ کے رکن سے چمٹ کر کہا۔ اے اللہ! تُو نے مجھ پر انعام کیا۔ مگر تُو نے مجھے شاکر نہ پایا۔ تُو نے مجھے مبتلا کیا۔ مگر مجھے صابر نہ پایا۔ مگر باوجود اس کے کہ میں نے شکر ادا نہیں کیا تو نے مجھ سے اپنی عنایات کو روک نہیں لیا اور نہ ہی میری بے صبری کی وجہ سے تو نے مصیبت کو دائم رکھا۔

فرمایا۔ اے خدا! "از کریماں ہیچ ناید جز کرم" (بزرگوں سے بزرگی ہی ظاہر ہوتی ہے)۔

کہتے ہیں۔ جب تو جزا دینے سے قاصر ہو۔ تو تیری زبان شکر گزاری کے ساتھ لمبی ہونی چاہیئے۔

کہتے ہیں کہ چار چیزوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

(۱) بہرے سے رازمیں بات کرنے کا۔ (۲) ناشکر گزار پر احسان کرنے کا، (۳) زمین شور میں بیج ڈالنے کا۔ (۴) سورج کی روشنی میں چراغ جلانے کا۔

کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کو مغفرت کی بشارت دی تو انہوں نے زندگی چاہی۔ ان سے اس کا سبب پوچھا گیا کہا کہ میں اس لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں کہ میں اس کا شکر ادا کروں۔ کیونکہ اس سے پیشتر میں مغفرت کے لیے عمل کرتا تھا۔ اس پر فرشتے

نے اپنا پر پھیلایا اور انہیں اٹھا کر آسمان پر لے گیا۔

کہتے ہیں کہ ایک نبی ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے گزرے، جس سے پانی کثرت سے نکل رہا تھا۔ نبی کو اس پر تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے پتھر کی ان سے گفتگو کرا دی۔ پتھر نے کہا جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ہے۔

نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۔ نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ ایسی آگ میں داخل کرے گا جس کے ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔) میں ڈر کے مارے رو رہا ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس پتھر کو دوزخ سے پناہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نبی کو خبر دی کہ ہم نے اسے پناہ دے دی۔ یہ سن کر نبی وہاں سے روانہ ہو گئے واپس آئے تو دیکھا کہ پانی بدستور پھوٹ رہا ہے۔ انہیں پھر تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر پتھر کو گویائی دے دی۔ نبی نے پوچھا اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے معاف کر دیا ہے تو کیوں رو رہا ہے؟ پتھر نے جواب دیا وہ رونا غم اور خوف کا تھا۔ اور یہ رونا شکر اور سرور کا ہے۔

کہتے ہیں کہ شکر گزار بندے کو ہر وقت مزید انعام ملتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی نعمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں میں اور زیادہ دوں گا۔) اور صابر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ مبتلا کرنے والے کے حضور میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔

کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز کے پاس ایک وفد آیا۔ ان میں ایک نوجوان تھا۔ جس نے بات شروع کی۔ عمر نے کہا جو بڑا ہو وہ بات کرے۔ نوجوان نے عرض کی۔ اے امیر المومنین اگر بات عمر پہ ہوتی تو امت میں آپ سے بڑی عمر کے بہت سے لوگ ہیں۔ اس پر عمر نے کہا۔

کہو۔ کہنے لگا ہم نہ تو کسی لالچ کے لئے آئے ہیں اور نہ کسی ڈر سے۔ رغبت کی تمام چیزیں آپ کی مہربانی سے ہم تک پہنچ رہی ہیں اور ڈر اس لئے نہیں کہ ہمیں آپ کے

عدل وانصاف سے امن میں رکھا ہے۔ عمر نے کہا پھر تم کیسے آئے ہو؟ نوجوان نے جواب دیا۔ کہ ہم صرف شکر ادا کرنے کو آئے ہیں۔ شکر ادا کرکے واپس چلے جائیں گے۔ اور پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

وَمِنَ الرَّزِيئَةِ اَنَّ شُكْرِیُ صَامِتٌ　　عَمَّا فَعَلْتَ وَاَنَّ بِرَّكَ نَاطِقٌ

وَاُرَى الصَّنِيعَةَ مِنْكَ ثُمَّ اُسِرُّهَا　　اِنِّیْ اِذَنْ لِيَدِ الْكَرِيْمِ لَسَارِقٌ

مشکل تو یہ ہے کہ جو احسانات تم نے مجھ پر کئے ہیں میرا شکران کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔ مگر تمہارے احسانات گویا ہیں۔

میں تمہارے احسانات کو دیکھوں اور پھر انہیں چھپائے رکھوں، تب تو میں سخی کے احسانات کا چور ٹھہرا۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں پر رحم کھاؤ خواہ وہ مصیبت میں گرفتار ہوں یا نہ ہو۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا جو مبتلا نہیں ان پر کیونکر رحم کھاؤں؟ فرمایا۔ اس لئے کہ جو عافیت میں نے انہیں دے رکھی ہے۔ اس پر وہ شکر گزار نہیں ہیں۔

کہتے ہیں کہ حمد باری تعالیٰ انفاس صالحہ پر کی جاتی ہے اور شکر جسمانی نعمتوں پر۔

نیز کہتے ہیں کہ حمد کی ابتداء اللہ کی طرف سے ہے اور شکر تمہاری طرف سے فدیہ ہے ایک صحیح حدیث میں ہے۔ جن لوگوں کو سب سے پہلے جنت میں جانے کے لئے بلایا جائے گا وہ ایسے لوگ ہوں گے۔ جو ہر حالت میں اللہ کی حمد بیان کرتے ہوں گے۔

کہتے ہیں کہ حمد اُن مصائب پر کی جاتی ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ دور کرے اور شکران انعامات پر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

کسی صوفی سے حکایت کی گئی کہ انہوں نے ایک سفر میں ایک نہایت بوڑھے آدمی کو دیکھا انہوں نے اس کا حال پوچھا۔ تو بوڑھے نے بیان کیا کہ میں ابتداء عمر میں اپنی چچازاد بہن عاشق تھا۔ اور اسے بھی مجھ سے عشق تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ میرا اس سے نکاح ہو گیا۔ شب زفاف میں ہم دونوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں پر مہربانی فرما کر ہمیں بذریعہ نکاح اکٹھا

کر دیا ہے۔ لہذا آج رات ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ چنانچہ ہم رات بھر نماز پڑھتے رہے اور ایک دوسرے کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ دوسری رات بھی ہم نے ایسا ہی کیا چنانچہ ستر یا اسی سال سے ہم ہر رات اس طرح کرتے چلے آتے ہیں۔ پھر بڑھیا کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ بڑھیا نے کہا بات ایسی ہی ہے جس کو شیخ نے بیان کیا۔

باب

یقین (۵۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ اور متقین وہ لوگ ہیں جو آپ پر اور آپ سے پہلے اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کا بھی انہیں یقین ہے۔

استاد امام ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک نے کہا کہ ان سے ابوبکر احمد بن محمد بن خرزاز اہوازی نے بیان کیا ان سے احمد بن (۵۸) سہل بن ایوب نے ان سے خالد یعنی ابن (۵۹) یزید نے بیان کیا۔ کہا۔ ان سے سفیان ثوری اور شریک بن (۶۰) عبداللہ اور سفیان بن عیینہ نے سلیمان (۶۱) تیمی سے اور انہوں نے خیثمہ (۶۲) سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ کو ناراض کر کے کسی کو راضی نہ کرو۔ اور اللہ کی مہربانیوں پر کسی اور کی تعریف نہ کرو اور نہ ان چیزوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں نہیں دیں۔ کسی کی مذمت کرو۔ کیونکہ حریص کا حرص اللہ کے رزق کو تمہارے پاس نہیں لا سکتا اور نہ کسی شخص کے ناپسند کرنے سے وہ رزق تم سے روک دیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے راحت اور خوشی رضا اور یقین میں رکھی ہے اور وہم و شک ناراضگی میں رکھا ہے۔

شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی نے کہا کہ ابو جعفر محمد بن احمد بن سعید رازی نے ان سے کہا کہ عیاض بن حمزہ نے ان سے کہا کہ احمد بن ابی الحواری فرماتے تھے کہ ابو عبداللہ انطاکی فرماتے تھے۔

"کم سے کم یقین بھی جب دِل میں داخل ہو جائے تو دِل کو نور سے بھر دیتا ہے اور دِل سے ہر قسم کے شک دور کر دیتا ہے جس کی وجہ سے دل شکر اور اللہ کے خوف سے پُر ہو جاتا ہے۔

ابوجعفر حداد کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ ایک بار میں جنگل میں ایک حوض پر بیٹھا تھا کہ مجھے ابوتراب نخشبی نے دیکھ لیا۔ اس وقت مجھ پر سولہ دِن بغیر کھائے اور پیئے گزر چکے تھے۔ ابوتراب نخشبی نے مجھ سے پوچھا کہ یہاں کیوں بیٹھے ہو۔؟ میں نے عرض کیا کہ میں علم اور یقین کی کشمکش میں ہوں۔ منتظر ہوں کہ کون ان میں سے غالب آتا ہے کہ اس کا ساتھ دوں۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر علم غالب آئے تو پانی پی لوں اور اگر یقین غالب آئے تو اسی طرح چلتا رہوں۔ یہ سن کر ابوتراب نے کہا تو عنقریب بڑی شان والا ہوگا۔

ابوعثمان حیری فرماتے ہیں یقین یہ ہے کہ توآئندہ کے لئے کوئی اہتمام نہ کرے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ یقین ایمان کی زیادتی اور تحقیق کا سبب بنتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں۔ یقین کا ایک جزو ہے۔ اور تصدیق سے کم درجہ کا ہوتا ہے۔

ایک صوفی کا قول ہے کہ یقین ایسا علم ہے جو دلوں میں ودیعت کیا جاتا ہے۔ اس قول کے قائل کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک وھبی چیز ہے کسبی نہیں۔

سہل فرماتے ہیں یقین کی ابتدار مکاشفہ سے ہوتی ہے اسی لئے سلف میں سے کسی کا قول ہے۔ اگر پردہ[1] اٹھ بھی جائے تب بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا، اس کے بعد معائنہ کا درجہ ہے پھر مشاہدہ کا۔

ابوعبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں۔ بندہ کے دِل میں ان تمام باتوں کا پختہ یقین ہونا کہ جن مغیبات کی انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے خبر دی، سچ ہیں۔ یہی یقین ہے۔

ابوبکر بن طاہر فرماتے ہیں علم میں شکوک واقع ہوتے ہیں مگر یقین میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ ان کا اشارہ علم کسبی اور اس علم کی طرف ہے جو بدیہی کے برابر ہے۔

---

(۱) یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔

صوفیاء کے علوم کا بھی یہی حال ہے۔ ابتداء میں کسبی ہوتے ہیں مگر آخر کار بدیہی بن جاتے ہیں۔

میں نے محمد بن حسین کو فرماتے سنا کہ کسی صوفی کا قول ہے۔ سب سے پہلا درجہ معرفت کا ہے، پھر یقین کا، پھر تصدیق کا، پھر اخلاص کا، پھر شہادت کا اور اطاعت کا، اور ایمان ایک ایسا نام ہے جو ان سب کو شامل ہے۔ اس قول کے کہنے والے کا اشارہ اس طرف تھا کہ سب سے ضروری چیز اللہ تعالیٰ کو جاننا (معرفت) ہے۔ اور یہ معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کی شرائط پوری نہ کر لی جائیں۔ اور یہ شرائط یہ ہیں۔ (۱) نظر صائب۔ پھر جب (دل پہ) دلائل متواتر پائے جائیں اور (ان کے ذریعہ سے) وضاحت ہوجائے تو انسان ان انوار کے پیا پے آنے اور کمال بصیرت کے حصول سے ایسا ہوجائے۔ گویا وہ دلیل میں غور کرنے سے مستغنی ہے۔ یہ یقین کی حالت ہوتی ہے (۲) دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ دل حق تعالیٰ کی ان خبروں کی تصدیق کرے۔ جو رسولوں کی زبانی مخلوق تک پہنچیں۔ اور وہ آئندہ آنے والے امور سے متعلق تھیں۔ (مثلاً حشر و نشر وغیرہ) اس لئے کہ تصدیق صرف خبروں کے متعلق ہوسکتی ہے۔ (نہ کہ انشاء کے متعلق) (۳) پھر اخلاص، اور وہ یہ ہے کہ تصدیق سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان اوامر پہ کاربند ہو۔ (اور نواہی سے اجتناب کرے۔ (۴) اچھے طریقے سے اقرار کرتے ہوئے داعی (شارع علیہ السلام) کی بات کو مان لینا (۵) جن چیزوں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان میں توحید کے ساتھ اور جن سے منع کیا ہے۔ ان سے پرہیز کرنے کے ساتھ اطاعت گزاری کرنا۔ امام ابوبکر بن فورک نے اپنے اس قول میں جسے میں نے ان سے سنا۔ اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ زبان کا ذکر دل کے اس فیضان کا نتیجہ ہے۔ جو دل کی طرف سے زبان پر وارد ہوتا ہے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں جو دل غیر اللہ سے سکون حاصل کرے وہ کبھی بھی یقین کی بو نہیں سونگھ سکتا۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں، یقین امیدوں کو کوتاہ کرنے کی دعوت دیتا ہے اور

امیدوں کو کوتاہ کرنا زہد کی طرف لے جاتا ہے اور زہد سے حکمت پیدا ہوتی ہے۔ اور حکمت سے انجام میں غور وخوض کی عادت پڑتی ہے۔

میں نے محمد بن حسین سے سنا کہ عباس بغدادی نے ان سے محمد بن احمد بن سہل نے، ان سے سعید بن عثمان نے کہا کہ ذوالنون مصری فرماتے تھے کہ تین چیزیں یقین کی علامت ہیں۔ (۱) لوگوں سے کم میل جول رکھنا (۲) ان کے عطیوں پر ان کی مدح نہ کرنا۔ (۳) اور جب وہ کچھ نہ دیں تو ان کی مذمت کرنے سے اپنے آپ کو پاک رکھنا۔ اور تین چیزیں یقین الیقین کی علامات میں سے ہیں۔ (۱) ہر بات میں اللہ تعالیٰ کی طرف نظر رکھنا۔ (۲) ہر بات میں اللہ کی طرف رجوع کرنا۔ (۳) اور ہر حالت میں اللہ سے مدد مانگنا۔

جنیدؒ فرماتے ہیں۔ یقین دل کے اندر ایک ایسا پختہ علم ہے، جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

ابن عطاؒ فرماتے ہیں جس قدر کسی کا دل تقویٰ سے قریب ہوگا۔ اسی قدر اس کو یقین بھی حاصل ہوگا۔ اور تقویٰ کی اصل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے الگ رہے اور مناہی سے الگ رہنا دراصل خواہشاتِ نفس سے الگ رہنا ہے جس قدر کسی نے خواہشات نفس کو چھوڑا اسی قدر اس کو یقین حاصل ہوا۔

کسی صوفی کا قول ہے یقین کسی امر کے کھل جانے (مکاشفہ) کا نام ہے اور مکاشفہ تین قسم کا ہوتا ہے۔ پہلا مکاشفہ بالاخبار ہے۔ دوسرا مکاشفہ قدرتِ خداوندی کو ظاہر کرتا ہے اور تیسرا یہ کہ دل پر حقائق ایمان کا مکاشفہ ہو جاتے۔

صوفیاء کے نزدیک مکاشفہ کی تعریف

یاد رکھیں کہ صوفیاء کے کلام میں جو مکاشفہ کا لفظ آتا ہے، اس سے یہ مراد ہے کہ کسی چیز کا ذکر دل پر اس قدر غالب آجائے کہ وہ چیز دل پر واضح ہو جائے یہاں تک کہ اس چیز میں شک و شبہ نہ رہے۔ بعض اوقات مکاشفہ سے مراد وہ کیفیت ہوتی ہے جو تقریباً ایسی ہوتی ہے جسے دیکھنے والا بیداری اور خواب کی درمیانی حالت میں دیکھتا ہے اس حالت کو بالعموم "سبات" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

امام ابوبکر بن فورک فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعثمان مغربی سے سوال کیا۔ یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ "مجھے لوگوں نے یوں یوں کہا" کیا آپ انہیں اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں یا مکاشفہ سے، تو انہوں نے فرمایا، مکاشفہ سے۔

عامر بن عبد قیس[۴۹۳] فرماتے ہیں اگر پردہ اُٹھ بھی جاتے، تب بھی میرے یقین میں کچھ اضافہ نہ ہوگا۔

نیز کہا جاتا ہے کہ قوت ایمانیہ کے ساتھ کسی چیز کو اپنے سامنے دیکھنا یقین کہلاتا ہے۔
نیز کہتے ہیں، تمام معارضات کے زائل ہو جانے کا نام یقین ہے۔
جنیدؒ فرماتے ہیں۔ امور غیبیہ کے مشاہدہ میں شک کا رفع ہو جانا یقین کہلاتا ہے۔
میں نے استاد ابوعلی دقاق کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے متعلق جو انہوں نے عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام کے بارے میں کہا تھا کہ لَوِ ازْدَادَ يَقِيناً لَمَشَىٰ فِي الْهَوَاءِ ("اگر انہیں اور یقین حاصل ہو جاتا۔ تو ہوا میں چلتے) فرماتے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان میں اپنی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو آپ کو معراج کی رات حاصل تھی کیونکہ معراج کے لطائف بیان فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دیکھا کہ براق پیچھے رہ گیا اور میں آگے کی طرف چل پڑا۔
میں نے محمد بن حسین سے، انہوں نے احمد بن علی بن جعفر سے سنا کہ ابراہیم بن فاتک نے کہا کہ جنیدؒ فرماتے تھے کہ سری سے کسی نے یقین کے متعلق سوال کیا، تو فرمایا کہ جب بہت سی واردات تمہارے سینہ میں موجزن ہوں تو پھر بھی تم مطمئن رہو۔ یہی یقین ہے کہ تمہارا ان میں حرکت کرنا کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اور نہ یہ اللہ کی قضا کو رد کر سکتا ہے۔
اور میں نے انہی سے سنا کہ آپ سے عبداللہ بن علی نے کہا کہ ابوجعفر[۴۹۴] اصبہانی فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن سہل[۴۹۵] کو فرماتے سنا کہ حضور یقین سے افضل ہے اس لئے کہ حضور میں انسان پوری طرح متمکن اور سکون میں ہوتا ہے اور یقین میں حرکت و غلجان رہتا ہے۔ انہوں نے یقین کو حضور کی ابتداء قرار دیا۔ اور حضور کے بغیر یقین حاصل ہونے کو جائز قرار دیا ہے۔ مگر یقین کے بغیر حضور کے حاصل ہونے کو ناممکن قرار دیا ہے۔ اسی لئے نوریؒ فرماتے ہیں کہ یقین مشاہدہ

. . . . . . کا نام ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ کہ مشاہدہ کے اندر ایسا یقین پایا جاتا ہے۔ جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ کیونکہ وہ شخص جسے اپنے امن پر اعتماد نہیں، اسے مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

ابوبکر وراق فرماتے ہیں۔ دل کا تمام تر دارومدار یقین پر ہے۔ اور اس سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ یقین سے ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور عقل کے ذریعہ سے ہی انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو سمجھ سکتا ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں کہ یقین کی بدولت کچھ لوگ پانی پر چل سکتے ہیں (مگر ایسا بھی ہوا ہے کہ) وہ لوگ جو ان سے یقین کے اعتبار سے اعلیٰ و افضل تھے۔ پیاسے مر گئے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہ حسین بن یحییٰ نے کہا۔ جعفر فرماتے تھے کہ ابراہیم خواص نے فرمایا۔ کہ مجھے ایک نوجوان بیابان میں ملا۔ (وہ اس قدر حسین تھا کہ) چاندی کی ڈلی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے پوچھا۔ بچہ! کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ مکہ جا رہا ہوں۔ میں نے پھر پوچھا۔ کیا بغیر زادِ راہ کے! اور بغیر سواری کے اور خرچ کے؟ بچے نے جواب دیا۔ اے ضعیف الیقین! وہ خدا جو زمین اور آسمان کی حفاظت کرتا ہے، وہ مجھے بغیر اسباب کے مکہ تک نہیں پہنچا دے گا؟ ابراہیم فرماتے ہیں کہ جب میں مکہ میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بچہ طواف کر رہا ہے اور یہ شعر پڑھ رہا ہے۔

يَا نَفْسُ مُوْتِيْ كَمَدًا ۔۔۔ يَا عَيْنُ تَبْكِيْ أَبَدًا
إِلَّا الْجَلِيْلَ الصَّمَدَا ۔۔۔ وَلَا تُحِبِّيْ أَحَدًا

اے آنکھ ہمیشہ روتی رہ۔ اے نفس غم سے مر جا۔ مگر اللہ کے سوا کسی سے محبت نہ کرنا جب اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو کہنے لگا۔ اے بوڑھے! کیا ابھی تک تو ضعیف الیقین ہے۔

میں نے انہی کو فرماتے سنا کہ منصور بن عبداللہ کو میں نے فرماتے سنا کہ انہوں نے نہرجوری کو یوں فرماتے سنا جب بندہ حقائق یقین کی تکمیل کرے تو مصیبت اس کے نزدیک نعمت ہو جاتی ہے اور آسائش مصیبت۔

ابوبکر وراق فرماتے ہیں۔ یقین تین طرح کا ہوتا ہے۔ خبروں کا یقین۔ دلیلوں کا یقین اور

مشاہدہ کا یقین۔

ابوتراب فرماتے ہیں۔ میں نے ایک بچے کو جنگل میں بغیر زادِ راہ کے جاتے دیکھا میں نے کہا اگر اس کے ساتھ یقین نہیں ہے تو وہ تباہ ہو جائے گا۔ لہٰذا میں نے اسے کہا۔ بچہ! کیا تو ایسی جگہ بغیر زاد راہ کے چل رہا ہے؟ اس نے جواب میں کہا۔ او بوڑھے! ذرا سر اٹھا کر تو دیکھو کیا تجھے حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز دکھائی دیتی ہے؟ یہ سن کر میں نے اسے کہا۔ اب جہاں چاہو، جاؤ۔

محمد بن الحسین نے کہا کہ ابونصر(۶۶) اصبہانی نے ان سے کہا کہ محمد بن(۶۷) عیسیٰ نے کہا ابوسعید خراز فرماتے تھے۔ علم وہ ہے جو تجھے عمل کی طرف لے جائے اور یقین وہ ہے۔ جو تجھے جدوجہد پر اکسائے۔

اور میں نے ان سے سنا کہ ابوبکر رازی نے کہا کہ ابوعثمان آلادمی فرماتے تھے، میں نے ابراہیم خواص کو فرماتے سنا۔ میں نے حلال کی روزی کھانے کے لئے ذریعہ معاش طلب کیا اور مچھلی کا شکار کیا۔ ایک بار جال میں ایک مچھلی آئی۔ میں نے اس کو نکال لیا اور جال پانی میں ڈال دیا۔ پھر ایک اور آ گئی میں نے اسے بھی پھینک کر جال ڈال دیا۔ اس پر غیب سے ندا آئی۔ تجھے روزی کمانے کے لئے اس کے سوا کوئی اور ذریعہ معاش نہیں کہ تو ان کے پاس آ کر انہیں قتل کر دے جو ہمارا ذکر کرتے ہیں؟ یہ سن کر میں نے بنسی توڑ دی اور مچھلیوں کا شکار چھوڑ دیا۔

باب ۲۰

صبر(۶۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ صبر کیجئے۔ اللہ کی مدد کے بغیر تم صبر بھی نہیں کر سکتے۔

علی بن احمد اہوازی نے کہا۔ ان سے احمد بن عبید بصری نے، ان سے احمد بن(۶۹) علی

خراز نے ان سے اسید (۱) بن زید نے کہا کہ مسعود (۱) بن سعد نے الزیات (۲) سے روایت کی کہ ابوہریرہؓ نے کہا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلصَّبرُ عِندَ الصَّدمَۃِ الاُولیٰ۔

صبر تو وہ ہے۔ جو مصیبت کی پہلی ٹھوکر لگنے پر کیا جاتا ہے۔

علی بن احمد نے ان سے احمد بن عبید نے، ان سے احمد بن عمر (۳) نے، ان سے محمد بن مرداس (۴) نے، ان سے یوسف (۵) بن عطیہ نے، ان سے عطار بن (۶) ابی میمونہ نے، ان سے انس بن مالک فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلصَّبرُ عِندَ الصَّدمَۃِ الاُولیٰ

صبر کی کئی قسمیں ہیں۔ انسان کا اپنے کاموں پر صبر (۱)، اور ان امور میں صبر (۲) جن میں انسان کے کردار کا دخل نہیں۔ پھر انسان کا اپنے کاموں میں صبر دو طرح کا ہے۔ ان امور پر صبر جن کے کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور ان چیزوں پر صبر جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ ان امور پر صبر جن میں انسان کے کردار کا دخل نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ انسان پر جو مصیبت اللہ کے حکم سے آجائے اسے برداشت کرنے میں صبر کرے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے حسین بن یحییٰ سے انہوں نے جعفر بن محمد سے سنا کہ فرماتے تھے۔ میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا کہ مومن کے لئے دنیا سے آخرت کو جانا بہت آسان ہے مگر اللہ کی خاطر مخلوق سے جدائی بہت مشکل ہے۔ اور خواہشاتِ نفسانی کو چھوڑ کر اللہ کی طرف جانا اور بھی زیادہ دشوار ہے اور اللہ کو ہر دم نگاہ میں رکھنے پر صبر کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے۔

جنیدؒ سے صبر کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا۔ ناک بھوں چڑھائے بغیر کڑوی چیز کا گھونٹ پی جانا ہی صبر ہے۔

علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ صبر اور ایمان میں وہی تعلق ہے جو سر اور بدن میں۔

ابوالقاسم حکیم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وَاصبِر فرمانا عبادت کرنے کا حکم ہے۔ اور وَمَا صَبرُکَ اِلّا بِاللّٰہِ فرمانا یہ عبودیت ہے۔ چنانچہ جو شخص "لَکَ" یعنی اپنی طاقت پر اعتماد

کے ہر درجہ سے ترقی کرکے "بِكَ" یعنی اپنی طاقت سے بیزاری اور عدم اعتماد کے درجہ کو پہنچ جائے تو سمجھ لو کہ وہ عبادت کے درجہ سے منتقل ہوکر عبودیت کے مرتبہ کو جا پہنچا۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بِكَ اَحْيَا وَبِكَ اَمُوْتُ (میں تمہاری ذات کے ذریعہ ہی سے زندہ ہوں اور تمہارے ماننے سے ہی مروں گا۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ ان سے جعفر رازی نے کہا کہ عیاش کہتے تھے کہ احمد فرماتے تھے کہ میں نے ابو سلیمان سے صبر کی نسبت سوال کیا۔ تو فرمایا۔ اللہ کی قسم، ہم تو اپنی پسند کی چیزوں پر صبر نہیں کر سکتے تو ناپسندیدہ چیزوں پر کیسے صبر کر سکتے ہیں (یعنی اللہ کی توفیق کا ہونا ضروری امر ہے)

ذوالنون فرماتے ہیں اللہ کے احکام کی مخالفت سے دور رہنے کا، اور مصائب کے گھونٹ پینے پر سکون و اطمینان اور زندگی کے میدان میں باوجود محتاجی کے اپنے آپ کو مالدار ظاہر کرنے کا نام صبر ہے۔

ابن عطاء فرماتے ہیں اچھی طرح ادب کو قائم رکھتے ہوئے مصیبت پر قائم رہنا صبر ہے۔

ابو عثمان فرماتے ہیں بہت صبر کرنے والا وہ شخص ہے جو مصیبت میں داخل ہونے کے ساتھ اپنے آپ کو عادی بنا لے۔

بعض کہتے ہیں کہ جس طرح انسان عافیت کے ہونے ہوئے اپنی حالت پر ثابت قدم رہتا ہے اسی طرح اچھے آداب کے ساتھ مصیبت پر ثابت قدم رہنا صبر کہلاتا ہے۔

ابو عثمان فرماتے ہیں کہ اگر کسی عبادت پر بہترین جزا ہو سکتی ہے تو وہ صبر ہے کیونکہ صبر کی جزا سے بڑھ کر کوئی جزا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ہم صبر کرنے والوں کو ان کے اعمال کی بہترین جزا دیں گے۔

عمرو بن عثمان فرماتے ہیں اللہ کے احکام پر ثابت قدم رہنا، اور اس کی آزمائش کو خندہ پیشانی اور سکون کے ساتھ قبول کرنا صبر ہے۔

خواص رح فرماتے ہیں کتاب و سنت کے احکام پر ثابت قدم رہنا صبر ہے۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ عاشقوں کا صبر زاہدوں کے صبر کے مقابلہ میں زیادہ سخت

ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ وہ کس طرح صبر کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔

اَلصَّبْرُ یَجْمُلُ فِی الْمَوَاطِنِ کُلِّھَا   اِلَّا عَلَیْکَ فَاِنَّہٗ لَا یَجْمُلُ

اے محبوب! تمام مواقع پر صبر اچھا معلوم ہوتا ہے۔ سوائے تمہارے کہ یہاں صبر کرنا اچھا نہیں ہے۔ رویم فرماتے ہیں۔ شکایت نہ کرنا صبر ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ صبر اپنے نام کی طرح سخت کڑوا اور مشکل ہے۔

مجھے ابو عبدالرحمٰن نے یہ شعر سناتے ہوئے فرمایا کہ انہیں ابو بکر رازی نے یہی شعر سناتے ہوئے فرمایا تھا کہ ابن عطا نے اپنا یہ شعر مجھے سنایا۔

سَاَصْبِرُ کَیْ تَرْضٰی وَاَتْلَفُ حَسْرَۃً   وَحَسْبِیَ اَنْ تَرْضٰی وَیَتْلَفُنِیْ صَبْرِیْ

تمہیں راضی کرنے کی خاطر میں صبر کروں گا۔ خواہ میں حسرت سے جان ہی کیوں نہ دیدوں۔ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں صبر کرتے ہوئے ہلاک ہو جاؤں اور تو مجھ سے راضی رہے۔

ابو عبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں کہ صابر کی تین قسمیں ہیں (۱) بناوٹی صابر (۲) صابر اور (۳) بہت زیادہ صبر کرنے والا۔

حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں صبر ایسی سواری ہے جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ علی بن عبداللہ بصری فرماتے تھے۔ ایک شخص نے شبلیؒ کے پاس آکر سوال کیا، صبر کرنیوالے کیلئے کونسا صبر مشکل ہے۔ کیا اللہ کی اطاعت میں صبر کرنا سخت مشکل ہے؟ فرمایا نہیں۔ اس نے پھر کہا۔ کیا وہ صبر جس میں وارداتِ الٰہیہ ہوتی ہیں مگر پھر بھی بندہ متادّب رہتا ہے۔ (صبر مع اللہ)؟ فرمایا نہیں۔ اس نے پھر پوچھا۔ پھر آخر کونسا صبر سخت ہے؟ کہا صبر عن اللہ۔ یعنی وہ صبر جس میں بندہ کو قربِ الٰہی حاصل ہو جانے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنے سے دور کر دے مگر وہ اس کا دروازہ نہ چھوڑے اور وہیں عاجزی سے پڑا رہے۔ علی بن عبداللہ بصری فرماتے ہیں یہ کہہ کر شبلیؒ نے اس قدر زور سے چیخ ماری، کہ معلوم ہوتا تھا۔ انہوں نے دم توڑ دیا۔

میں نے محمد بن عبداللہ بن شاذان کو فرماتے سنا کہ انہوں نے ابو محمد جریری کو فرماتے سنا۔ صبر یہ ہے کہ بندہ کیلئے آرام وراحت اور مصیبت کی حالتیں دونوں یکساں ہوں اور دونوں حالتوں میں اسے سکونِ قلب حاصل ہو۔ اور بناوٹی صبر یہ ہے کہ مصیبت پر سکونِ خاطر تو ہو مگر بندہ تکلیف کا احساس کرتا ہو۔

کسی نے کسی کا یہ شعر پڑھا۔

صَبَرْتُ وَلَمْ أُطْلِعْ هَوَاكَ عَلٰى صَبْرِي ۔۔۔ وَأَخْفَيْتُ مَا بِيْ مِنْكَ عَنْ مَوْضِعِ الصَّبْرِ

مَخَافَةَ اَنْ يَشْكُوْ ضَمِيْرِيْ صَبَابَتِيْ ۔۔۔ اِلٰى دَمْعَتِيْ سِرًّا فَتَجْرِيْ وَلَا اَدْرِيْ

میں نے صبر یہاں تک کیا کہ تیرے عشق کی خبر صبر تک کو نہ کی۔ اور عشق کو میں نے صبر کی جگہ یعنی دل میں بھی چھپائے رکھا۔

اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا دل گھبرا کر میرے عشق کی شکایت چپکے سے میرے آنسوؤں کے پاس کو دے اور میری دانست کے بغیر ہی میرے آنسو بہنے لگ جائیں۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو سنا۔ کہ وہ فرما رہے تھے کہ صبر کرنے والے دونوں جہانوں کی عزت حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں اللہ تعالٰی کی معیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔

اللہ تعالٰی کے فرمان۔ اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا کی تشریح یوں بھی کی گئی ہے کہ صبر مصابرہ سے کم درجہ رکھتا ہے۔ اور مصابرہ کا رتبہ مرابطہ سے کم تر ہے۔

ایک تشریح یوں کی گئی ہے کہ اصبروا کے معنی ہیں اللہ کی اطاعت پر اپنے نفسوں کو روکے رکھو۔ اور اللہ کی خاطر مصیبتوں پر اپنے دلوں کو لگائے رہو اور اپنے باطن کو اللہ تعالٰی کے شوق کی طرف لگائے رہو۔

بعض اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کی اطاعت میں صبر کرو۔ اللہ کی مدد کے ساتھ اپنے آپ کو روکے رکھو اور ہمیشہ اللہ تعالٰی کے ادب اور تعظیم کا لحاظ رکھو۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ میرا خلق اختیار کرو۔ میرا ایک خلق یہ ہے کہ میں صبور (بہت صبر کرنے والا) ہوں۔

کہتے ہیں کہ صبر کے گھونٹ بھرو۔ اگر اس نے تمہیں مار ڈالا۔ تو تم شہید ہو۔ اور اگر زندہ رکھا تو عمر بھر باعزت زندہ رہو گے۔

نیز کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کی خاطر صبر کرنا تکلیف کا سبب ہے (صبر اللہ) اور (صبر باللہ) اللہ کی مدد کے ساتھ صبر کرنا بقا کا سبب ہے۔

نیز صبر فی اللہ آزمائش ہے، صبر مع اللہ وفا ہے اور صبر من اللہ جفا ہے صوفیا یہ شعر پیش کرتے ہیں

وَالصَّبْرُ عَنْكَ فَمَذْمُوْمٌ عَوَاقِبُهُ   وَالصَّبْرُ فِيْ سَائِرِ الْاَشْيَاءِ مَحْمُوْدُ

اے (محبوب) تجھ سے صبر کر کے بیٹھ رہنے کا انجام بُرا ہے۔ حالانکہ دیگر اشیاء میں صبر قابل تعریف ہے۔ یہ شعر بھی پیش کیا جاتا ہے۔

وَكَيْفَ الصَّبْرُ عَمَّنْ حَلَّ مِنِّيْ   بِمَنْزِلَةِ الْيَمِيْنِ مِنَ الشِّمَالِ

اس محبوب) سے کسطرح صبر ہو سکتا ہے جسکی مجھ سے ایسی ہی نسبت ہے جیسی دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے۔

اِذَا لَعِبَ الرِّجَالُ بِكُلِّ شَيْءٍ   رَأَيْتُ الْحُبَّ يَلْعَبُ بِالرِّجَالِ

جب لوگ ہر چیز سے کھیلتے ہیں۔ تو میں دیکھتا ہوں کہ عشق لوگوں سے کھیلتا ہے"

نیز کہتے ہیں کہ بات کے مطالبہ میں صبر کرنا کامیابی کی علامت ہے۔ اور مصیبت پر صبر کرنا کشائش کی علامت ہے۔

میں نے منصور بن خلف مغربی کو فرماتے سنا۔ کہ کسی شخص کو کوڑے لگانے کے لئے ننگا کیا گیا۔ جب (کوڑے لگنے کے بعد) اُسے قید خانہ میں واپس لے جایا گیا تو اس نے ایک ساتھی کو بلا کر اس کے ہاتھ پر تھوکا۔ اور اپنے منہ سے چاندی کے ٹکڑے اس کے ہاتھ پر ڈال دیے۔ جب اس سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو جواب دیا کہ میرے منہ میں دو درہم تھے اور اس حلقہ میں میرا ایک محبوب تھا۔ جس کی وجہ سے مجھے مار پڑ رہی تھی اور وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ میں مار کی وجہ سے چیخوں۔ جب کہ میرا محبوب مجھے دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا جب مار پڑتی تو میں ان درہموں کو دانتوں سے کاٹتا۔ اس طرح وہ درہم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ جس حالت میں تو ہے۔ وہ ہی تمہارے لئے حفاظت گاہ ہے اور اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ سب تمہارا دشمن ہے۔ لہٰذا تمہیں اپنی حالت کی حفاظت گاہ میں خوب تیار رہنا چاہیئے۔

بعض کہتے ہیں کہ صبر میں اس قدر صبر کرنا کہ صبر کے اندر صبر مستغرق ہو جائے۔ اور صبر سے صبر عاجز آجائے۔ مصابرہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ اس نے صبر پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ صبر نے فریاد کرنا شروع کر دیا کہ صبر کرو۔

شبلیؒ کا صبر

کہتے ہیں کہ شبلیؒ کو پاگل خانے میں قید کر دیا گیا۔ تو کچھ لوگ ان کی عیادت کے لئے گئے۔ شبلیؒ نے پوچھا۔ تم کون ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہم تمہارے دوست ہیں۔ تمہاری زیارت کے لئے آئے ہیں۔ اس پر شبلیؒ نے انہیں پتھر مارنے شروع کر دئے اور وہ لوگ بھاگنے لگے یہ حالت دیکھ کر شبلیؒ نے کہا، ارے جھوٹو! اگر تم میرے دوست ہوتے تو میرے آزمانے پر صبر کرتے۔

بعض احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مصائب برداشت کرنے والے جو کچھ میری خاطر برداشت کرتے ہیں۔ وہ میری آنکھوں کے سامنے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا۔

آپ اللہ کے حکم پر صبر کریں۔ کیونکہ آپ ہماری نگاہوں میں ہیں۔

ایک صوفی کا بیان ہے۔ میں مکّہ معظمہ میں تھا۔ وہاں میں نے ایک فقیر کو دیکھا۔ کہ اس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اور جیب سے ایک رقعہ نکال کر اسے دیکھا اور چل دیا۔ جب دوسرا دن ہوا۔ تو اس نے پھر ایسا ہی کیا۔ وہ شخص کہتا ہے۔ کہ میں کئی دن تک اُسے تاڑتا رہا۔ چنانچہ ایک دن اس نے طواف کے بعد رقعہ کو دیکھا۔ اور کچھ دور ہٹ کر گرِا۔ اور مر گیا۔ میں نے اس رقعہ کو اس کی جیب سے نکالا۔ تو اس میں لکھا تھا۔

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا۔

ایک نوجوان اور ایک بوڑھا

کہتے ہیں کہ ایک نوجوان کو دیکھا گیا۔ کہ وہ ایک بوڑھے آدمی کے چہرے پر جُوتے مار رہا ہے۔ کسی نے اسے کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ تو ایسے بوڑھے کے چہرے کو جُوتے مار رہا ہے۔ نوجوان نے کہا کہ اس کا جُرم بہت ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ یہ بوڑھا میری محبّت کا دعویٰ کرتا ہے۔ مگر تین دن سے یہ مجھے دیکھنے کو نہیں آیا۔

ایک صوفی کہتا ہے کہ میں ہندوستان گیا اور ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی ایک آنکھ ہے اور لوگ اسے صبور کے نام سے پکارتے ہیں۔ میں نے ان کے متعلق دریافت کیا۔ تو مجھے بتایا گیا کہ ابتداء جوانی میں ان کے ایک دوست سفر کو نکلے اور یہ انہیں الوداع کہنے کو گئے۔ ان کی ایک آنکھ سے آنسو بہنے لگے۔ مگر دوسری آنکھ سے آنسو نہ نکلا۔ اس پر انہوں نے اس آنکھ کو جس سے آنسو نہ نکلے۔ کہا کہ تو نے میرے دوست کے فراق پر آنسو کیوں نہیں بہائے؛ لہٰذا اب میں تجھے دنیا کو دیکھنے سے محروم کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے آنکھ بند کر لی اور اب ساٹھ سال گزر گئے ہیں آنکھ نہیں کھولی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان، فاصْبِرْ صَبْراً جمیلاً کی یوں تشریح کی گئی ہے کہ صبر جمیل یہ ہے کہ مصیبت کے وقت قوم کے اندر کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ کون شخص مصیبت میں مبتلا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب فرماتے ہیں۔ اگر صبر و شکر دو اونٹ ہوتے تو مجھے قطعاً اس بات کی پرواہ نہ ہوتی کہ میں ان میں سے کس پر سوار ہوں۔

ابن شبرمہ پر جب کبھی کوئی مصیبت نازل ہوتی تو کہتے کہ یہ بادل عنقریب چھٹ جائیں گے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا، صبر و تحمل ایمان میں سے ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سے سنا کہ محمد بن طاہر صوفی نے کہا کہ ان سے محمد بن علی الیتجانی نے کہا۔ کہ ان سے محمد[۷۸] بن اسمٰعیل بخاری نے کہا۔ میں نے موسیٰ[۷۹] بن اسماعیل سے سنا کہ ان سے سُوَید[۸۰] بن حاتم نے کہا کہ ان سے عبید[۸۱] اللہ بن عبید نے کہا کہ انہوں نے اپنے باپ[۸۲] سے، اور انہوں نے اپنے دادا[۸۳] سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو فرمایا۔ ایمان صبر و تحمل کا نام ہے۔

سری رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا۔ تو آپ صبر پر گفتگو فرمانے لگے۔ اسی دوران میں ایک بچھو ان کی ٹانگ پر چڑھ گیا اور کئی ایک ڈنگ مارے مگر آپ نے قطعاً حرکت نہ کی۔

آپ سے کسی نے کہا کہ آپ نے اُسے ہٹا کیوں نہیں دیا۔ فرمایا مجھے اللہ سے شرم آگئی۔ کہ میں تو صبر کے متعلق گفتگو کروں۔ مگر خود صبر نہ کروں۔

ایک حدیث میں ہے کہ صبر کرنے والے فقیر قیامت کے دن اللہ کے ہمنشین ہوں گے۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے ایک نبی کی طرف وحی بھیجی۔ کہ میں نے اپنے بندے پر اپنی آزمائش ڈالی۔ اس پر اس نے مجھے پکارا۔ میں نے اس کی دعا قبول کرنے میں دیر کی۔ پھر اس نے مجھ سے شکایت کی۔ تو میں نے کہا۔ اے میرے بندے! میں ایسی چیز سے تجھ پر کیوں رحم کھاؤں۔ جس کی بدولت میں تجھ پر رحم کرتا ہوں؟

ابن عیینہ، اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا۔

(جب انہوں نے صبر کیا تو ہم نے ان کو امام بنا دیا۔ کہ لوگوں کو ہمارے حکم سے راہ راست دکھائیں۔) کی تشریح فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے امر دین کی جڑ کو پکڑ لیا۔ تو ہم نے بھی ان کو سردار بنا دیا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ صبر کی تعریف یہ ہے کہ تو تقدیر پر اعتراض نہ کرے۔ اپنی مصیبت کا اظہار اس طریق پر کرے کہ اس میں شکایت کا پہلو نہ پایا جاتا ہو اور یہ صبر کے منافی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ ایوب علیہ السلام کے قصے میں فرماتا ہے۔ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ (ہم نے اسے صابر پایا وہ بہت اچھا بندہ تھا) مگر ساتھ ہی اللہ تعالےٰ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ انہوں نے یہ الفاظ کہے۔ (مَسَّنِيَ الضُّرُّ) مجھے تکلیف پہنچی ہے۔

نیز انہی کو میں نے فرماتے سنا کہ اللہ تعالےٰ نے ایوب علیہ السلام کی زبان سے یہ الفاظ یعنی (مَسَّنِيَ الضُّرُّ)، اس لئے نکلوائے تاکہ اس امت کے کمزور آدمیوں کے لئے سانس لینے کی گنجائش نکل آئے۔

بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے، إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا فرمایا ہے۔ صبور کا لفظ جو مبالغہ

کے لیئے ہے نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ آپ ہر حال میں صابر نہ تھے بلکہ بعض حالات میں آپ اس آزمائش سے لذت حاصل کرتے تھے لہٰذا الذت حاصل کرنے کی صورت میں آپ صابر نہ تھے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے صبوراً انہیں فرمایا۔

میں نے استاد ابوعلی کو فرماتے سنا کہ صبر دراصل یہ ہے کہ انسان جب مصیبت سے نکلے تو اس کی وہی کیفیت ہو جو اس کی اس وقت تھی۔ جب وہ مصیبت میں مبتلا ہوا تھا۔ جس طرح حالت ایوب علیہ السلام کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مصیبت کے اختتام پر یہ الفاظ کہے مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ آپ نے گفتگو کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ کہا، تصریحاً اِرْحَمْنِی نہیں کہا۔

یاد رکھو، صبر کی دو قسمیں ہیں (۱) صبر عابدین (۲) اور صبر محبین ؛ عابد کا بہترین صبر یہ ہے کہ یہ دائمی ہو، اور محبین کا بہترین صبر یہ ہے کہ صبر کو ترک کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

تَبَیَّنَ یَوْمَ الْبَیْنِ اَنَّ اعْتِزَامَہٗ　　　عَلَی الصَّبْرِ مِنْ اِحْدَی الظُّنُوْنِ الْکَوَاذِبِ

عاشق صبر کے بڑے دعوے کیا کرتا تھا، مگر محبوب کی جدائی کے دن معلوم ہو گیا کہ اس کا صبر کرنے کا دعویٰ جھوٹا دعویٰ تھا کیوں کہ وہ اس کی جدائی کو برداشت نہیں کر سکا۔ او بے صبر ہو گیا۔

اسی قسم کی بات میں نے استاد ابوعلی سے سنی کہ یعقوب علیہ السلام صبح کو یہی وعدہ فرماتے ہیں کہ میں صبر کروں گا۔ چنانچہ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ" کہا، مگر رات آنے سے پہلے ہی پکار اٹھے۔ یَا اَسَفَا عَلٰی یُوْسُفَ۔

(یعنی وہ صبر نہ کر سکے)

۲۱۔ مراقبہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۔ ہر چیز اللہ تعالےٰ کی نگاہ میں ہے۔

ابونعیم عبدالملک بن الحسین بن محمد بن اسحق نے کہا کہ ان سے ابوعوانہ یعقوب بن اسحق نے کہا۔ ان سے یوسف(۴۸۶) بن سعید بن مسلم نے کہا ان سے خالد بن یزید(۴۸۷) نے کہا کہ ان سے اسماعیل بن ابی خالد(۴۸۸) نے قیس بن ابی حازم(۴۸۹) سے روایت کی کہ جریر بن عبداللہ البجلی فرماتے ہیں کہ جبرائیل ایک آدمی کی شکل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ اے محمدؐ! ایمان کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ پر، اللہ کے فرشتوں، اللہ کے رسولوں پر اچھی یا بُری یا میٹھی یا کڑوی تقدیر پر ایمان لانا ایمان ہے۔ یہ سُن کر اس نے کہا۔ آپ سچ کہتے ہیں، ہمیں تعجب ہوا کہ یہ شخص خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر رہا ہے اور خود ہی تصدیق کر رہا ہے۔ اس نے پھر کہا کہ اسلام کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ رمضان کے روزے رکھنا۔ بیت اللہ کا حج کرنا اسلام ہے۔ اس پر اُس شخص نے پھر کہا آپ سچ کہتے ہیں۔ اس نے پھر کہا۔ احسان کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ احسان ہے، کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اُسے نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اُس نے پھر کہا آپ نے سچ کہا۔ الحدیث۔ شیخ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا "اگر تو خدا کو نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے" اس میں مراقبہ کی حالت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ مراقبہ یہ ہے کہ بندے کو علم ہو کہ اللہ تعالےٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

مراقبہ کیا ہے؟ بندے کا اس حالت کو ہمیشہ قائم رکھنا مراقبہ ہے۔ مراقبہ ہر نیکی کی اصل ہے اور انسان اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک پہلے اپنے نفس کا محاسبہ نہ کرے۔ جب محاسبہ کر چکے جیسا کہ مذکور ہوا اور موجودہ وقت میں اپنی حالت کی اصلاح

کرے اور اللہ کے راستہ پر لگا رہے اور اپنے اور اللہ کے درمیان اپنے دل کی اچھی طرح سے نگہبانی کرے اور اپنے سانسوں کو اللہ کے احکام کے ساتھ محفوظ رکھے ۔ تو یہ شخص اپنے اکثر احوال میں اللہ کو دیکھتا رہے گا اور جان لے گا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کے دل کے قریب ہے اس کے حالات کو جانتا ہے ۔ اس کے افعال کو دیکھتا ہے اور اس کے افعال کو سنتا ہے ۔ اور جس شخص نے ان باتوں سے تغافل کیا وہ وصل کے ابتدائی مدارج تک بھی نہیں پہنچ سکتا ۔ چہ جائیکہ قربت کے حقائق تک ۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا انھوں نے کہا کہ ابوبکر الرازی فرماتے ہیں میں نے جریری کو فرماتے سنا کہ جس شخص نے اپنے اور اللہ کے درمیان تقویٰ اور مراقبہ کو مضبوط نہیں کیا وہ شخص کشف اور مشاہدہ تک نہیں پہنچ سکتا ۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ کسی ایک حاکم کا ایک وزیر تھا ۔ ایک روز وہ وزیر کے سامنے کھڑا تھا کہ اس نے نوکر کی طرف جو وہاں کھڑا تھا ۔ نگاہ کی ۔ مگر کسی بُری نظر سے نہیں صرف اس لئے کہ اس نے اس کی کوئی حرکت یا آواز محسوس کی تھی ۔ اتفاقاً حاکم نے اس وزیر کو اس حالت میں دیکھ لیا ۔ اس سے وزیر کو ڈر ہوا کہ کہیں حاکم یہ نہ سمجھے کہ اس نے اس کی طرف بُری نظر سے دیکھا ہے ۔ لہٰذا اس نے اسی طرز پر امیر کو بھی دیکھنا شروع کر دیا ۔ اس دن کے بعد جب کبھی بھی یہ وزیر حاکم کی خدمت میں آتا تو ایک طرف دیکھتا رہتا ۔ تا آنکہ حاکم کو خیال ہوا کہ وزیر کی عادت ہی اس طرح سے دیکھنا ہے اور حاکم کے دل سے وہ خیال جاتا رہا ۔

یہ تو اس مراقبہ کا حال ہے جو ایک مخلوق کا دوسری مخلوق کے لئے ہے ۔ لہٰذا اگر بندہ اپنے آقا کے لئے مراقبہ کرے تو پھر کتنی اچھی بات ہے ۔

میں نے ایک فقیر کو کہتے سنا کسی حاکم کا ایک غلام تھا جسکی طرف اسکی توجہ اوروں کی نسبت زیادہ تھی ۔ حالانکہ نہ تو اسکی قیمت ان کے مقابلے میں زیادہ تھی ۔ اور نہ ان کے مقابلہ میں وہ زیادہ خوبصورت تھا ۔ لوگوں نے اسے اس کے بارے میں کہا تو امیر نے انہیں تبلانا چاہا کہ خدمت گذاری میں وہ اوروں

کے مقابلہ میں کس طرح افضل ہے۔ چنانچہ ایک دن وہ اپنے نوکروں سمیت سواری کے لئے نکلا۔ کچھ فاصلہ پر پہاڑ تھا۔ جہاں برف پڑی ہوئی تھی۔ حاکم نے اس برف کی طرف نگاہ کر کے سر کو نیچے جھکا دیا۔ فوراً اس غلام نے گھوڑا دوڑایا اور کسی کو خبر نہ کی کہ اس نے گھوڑا کیوں دوڑایا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ برف لے کر حاضر ہوا۔ حاکم نے اس سے سوال کیا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں برف چاہتا ہوں؟ غلام نے جواب دیا:۔ آپ نے برف کی طرف دیکھا تھا اور بادشاہ کا کسی چیز کو دیکھنا، قصد صحیح کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس پر حاکم نے کہا کہ میری عنایت اور توجہ اس کی طرف اس لئے زیادہ ہے کہ ہر ایک اپنے کام میں مشغول رہتا ہے۔ مگر اس کا کام یہ ہے کہ وہ میری نگاہ کو دیکھتا ہے۔ اور میرے حالات پر نظر رکھتا ہے۔

ایک صوفی کا قول ہے۔ جس شخص نے خواطر قلبیہ میں اللہ تعالٰے کو اپنی نگاہ میں رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے اعضا کو گناہ سے بچا وے گا۔

ابوالحسین بن ہند سے کسی نے سوال کیا کہ چرواہا اپنی بکریوں کو ہلاکت کی چراگاہ سے کب اپنی لاٹھی کے ساتھ ہانک کر لے جاتا ہے۔ فرمایا:۔ جب اس کو علم ہوتا ہے کہ اس کو کوئی دیکھنے والا ہے۔

کہتے ہیں ایک بار ابن عمر سفر میں تھے تو انھوں نے ایک غلام کو بکریاں چراتے دیکھا۔ انھوں نے (آزمائش کے طور پر) اسے کہا۔ کیا تو اُن میں سے ایک بکری بیچے گا؟ غلام نے جواب دیا۔ یہ بکریاں میری نہیں ہیں۔ آپ نے پھر کہا۔ مالک سے کہنا کہ بھیڑیا ایک بکری لے گیا ہے۔ اس پر غلام نے جواب دیا۔ پھر اللہ کہاں ہے؟ اس واقعہ کے بعد مدت تک ابن عمر کہا کرتے تھے۔ اس غلام نے "اللہ کہاں ہے؟" کہا تھا،

جنیدؒ فرماتے ہیں۔ جو شخص مراقبہ میں ثابت قدم رہا اُسے صرف اللہ کے ہاں اپنے حظ کے فوت ہونے کا ڈر ہوگا۔ کسی اور کے ہاں نہیں۔

ایک استاد کے کچھ شاگرد تھے اور ان میں سے ایک کی طرف بمقابلہ دوسروں کے زیادہ توجہ دیتے تھے۔ لوگوں نے اس بارے میں ان سے ذکر کیا۔ فرمایا میں ابھی

واضح کردوں گا۔ چنانچہ اس نے ہر شاگرد کو ایک ایک پرندہ دیا۔ اور ہر ایک کو کہا کہ اُسے ایسی جگہ ذبح کرنا جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھے۔ اسی طرح اس شاگرد کو بھی ایک پرندہ دیا۔ سب ذبح کرنے کے لئے روانہ ہوگئے۔ اور ہر ایک جب واپس آیا تو اس کے پاس ذبح کیا ہوا پرندہ تھا۔ مگر جب یہ شاگرد آیا تو اس کے پاس وہی پرندہ زندہ موجود تھا۔ استاد نے پوچھا تُو نے اسے ذبح کیوں نہیں کیا؟ شاگرد نے جواب دیا۔ آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اسے ایسی جگہ پر ذبح کروں جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو مگر مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملی۔ یہ جواب سُن کر اُستاد نے فرمایا، یہی وجہ تھی کہ میں اس کی طرف اپنی خاص توجہ کرتا تھا۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں۔ مراقبہ کی علامت یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کو پسند کرے جنھیں اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا۔ ان چیزوں کی تعظیم کرے جن کی اللہ تعالےٰ نے تعظیم کی اور ان چیزوں کو حقیر جانے جنھیں اللہ تعالےٰ نے حقیر جانا۔

نصرآبادیؒ فرماتے ہیں اُمید تجھے اطاعت پر تحریک کرتی ہے اور خوف تجھے معصیت کے کام سے دُور لے جاتا ہے اور مراقبہ تجھے حقائق کی راہ تک پہنچا دیتا ہے۔

میں نے محمد بن حسین کو فرماتے سُنا۔ انھوں نے ابوالعباس بغدادی کو فرماتے سنا میں نے جعفر بن نصیر سے مراقبہ کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا۔ ہر خیال جو دل میں پیدا ہو اور بندہ اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالےٰ اسے دیکھ رہا ہے اپنے باطن کے واردات کا خیال رکھے تو یہی مراقبہ ہے۔

نیز انھیں کو فرماتے سُنا۔ انھوں نے ابوالحسین[۹۱] فارسی کو فرماتے سُنا۔ انھوں نے جریری کو فرماتے سنا کہ تصوف کے معاملہ کی بنا دو باتوں پر ہے۔ اول یہ کہ تو اپنے نفس پر لازم کرے کہ وہ ہمیشہ اللہ کو نگاہ میں رکھے اور اس علم کا اثر تمہارے ظاہر پر موجود ہو۔

انھیں کو فرماتے سنا کہ میں نے ابوالقاسم بغدادی[۹۲] کو فرماتے سنا کہ ہر لحظہ اور ہر لفظ کے ساتھ غیب کو دیکھتے ہوئے اپنے باطن کا دھیان رکھنا مراقبہ ہے۔

ابن عطا سے پوچھا گیا۔ کہ افضل ترین عبادت کون سی ہے؟ تو فرمایا ہر دم اللہ کو

نگاہ میں رکھتا۔

ابراہیم خواص فرماتے ہیں احکام خداوندی کا لحاظ رکھنے سے مراقبہ پیدا ہوتا ہے اور مراقبہ سے ظاہر و باطن میں خلوص پیدا ہوتا ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہ ابوعثمان مغربی فرماتے تھے۔ طریقت میں سب سے افضل چیز جس کو انسان اپنے اوپر لازم قرار دے یہ ہے کہ وہ اپنا محاسبہ کرے۔ اللہ کو نگاہ میں رکھے اور اپنے علم کے ذریعہ سے اپنے اعمال کی سیاست کرے۔

میں نے انھیں سے سنا کہ عبداللہ رازی نے ابوعثمان کو فرماتے سنا کہ ان سے ابوحفص نے کہا کہ جب تم لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کے لئے بیٹھو تو دل اور نفس کو نصیحت کرو۔ اپنے پاس لوگوں کا ہجوم دیکھ کر دھوکے میں نہ پڑو۔ کیونکہ لوگ تو صرف تمہارا ظاہر دیکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارا باطن دیکھتا ہے۔

میں نے انھیں سے سُنا کہ محمد بن عبداللہ نے کہا ابوجعفر صیدلانی نے کہا کہ ابوسعید خراز فرماتے تھے کہ میرے شیخ نے مجھے فرمایا۔ اپنے باطن اور مراقبہ کا ہر دم لحاظ رکھو۔ فرماتے ہیں کہ ایک بار جب میں جنگل میں جارہا تھا۔ یکایک میرے پیچھے سرسراہٹ سی آواز سنائی دی۔ جس سے میں ڈر گیا میں نے مڑکر دیکھنا چاہا۔ مگر نہ مُڑا۔ پھر دیکھا کہ کوئی چیز میرے کندھے پر کھڑی ہے۔ پھر وہ ہٹ گئی۔ مگر میں بدستور اپنے باطن کو نگاہ میں رکھے رہا۔ پھر جو مڑکر دیکھا تو وہ ایک ایک بڑا درندہ تھا۔

واسطی فرماتے ہیں کہ بہترین عبادت یہ ہے کہ تو اپنے اوقات کی حفاظت کرے اس طرح کہ اپنی حدود کے سوا کسی چیز کی طرف نہ جھانکے۔ نہ اپنے رب کے سوا کسی اور کو نگاہ میں رکھے اور اپنے وقت کے سوا کسی اور کا ساتھ نہ دے۔

(۹۳)

۲۲۔ رضا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ خدا اُن سے راضی ہُوا

اور وہ اس سے راضی ہوئے۔

علی بن احمد اہوازی نے کہا کہ اُن سے احمد بن عبید البصری نے، اُن سے الکریمی(۹۴) نے، ان سے یعقوب بن اسمٰعیل سلال نے، انھوں نے ابو العاصم عبادانی(۹۵) اور انھوں نے فضل بن(۹۶) عیسٰی رقاشی سے روایت کی کہ محمد بن منکدر نے کہا کہ جابر فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ایک بار جب اہل جنت اپنی ایک مجلس میں بیٹھے تھے۔ یکایک جنت کے دروازے پر نور ظاہر ہوا۔ اہل جنت نے سر اٹھا کر دیکھا تو اللہ تعالیٰ تشریف فرما تھے۔ اور فرمان جاری تھا اے اہل جنت مجھ سے کچھ مانگ لو۔ اہل جنت نے جواب دیا کہ ہم صرف یہی چاہتے ہیں کہ تو ہم سے راضی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:۔ میری رضا ہی کی بدولت تو تم میرے گھر میں آکر اترے ہو اور تمہیں میری طرف سے عزت حاصل ہوئی ہے۔ یہی وقت ہے۔ مانگ لو۔ اہل جنت نے عرض کیا: ہم اور رضا چاہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر اُن کے پاس سرخ یاقوت کی اونٹنیاں لائی جاتی ہیں۔ جن کی باگیں سبز رنگ کے زمرد اور سرخ رنگ کے یاقوت کی ہیں۔ چنانچہ وہ ان پر بیٹھ گئے ان کے پاؤں اس قدر دور پڑتے تھے۔ جس قدر کہ نگاہ پہنچ سکتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پھلدار درختوں کو حکم دیا۔ پھر موٹی آنکھوں والی لڑکیاں آئیں۔ اور کہنے لگیں۔ "ہم نازک اندام ہیں۔ ہمیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔" ہم ہمیشہ جنت میں رہنے والیاں ہیں۔ ہمیں موت نہ آئے گی۔ ہم مومنوں کی باعزت بیویاں ہیں۔" اللہ تعالیٰ حکم دیں گے اور سفید خوشبودار کستوری کے ٹیلے ان پر ایک ہوا اڑائیں گے۔ جس کا نام میثرہ ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ انہیں لے کر جنت عدن میں آجائیں گی۔ یہ جنت عدن جنت کا بہترین حصہ ہے۔ یہ دیکھ کر فرشتے کہیں گے، اے اللہ! یہ لوگ آگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مرحبا اے سچ بولنے والو! مرحبا۔ اے عبادت گذارو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ پھر ان کے لئے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھتے ہیں اور نور رحمٰن کو دیکھ کر اس قدر حظ حاصل کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ انہیں ان

تھنوں کے ساتھ محلوں کی طرف لوٹا دو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب واپس آئیں گے تو ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سی لئے اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :۔

نُزُلاً مِنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْم اللہ غفور رحیم کی طرف سے یہ ضیافت ہوگی۔

عراقیوں اور خراسانیوں میں اختلاف

عراقیوں اور خراسانیوں میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا رضا احوال میں سے ہے یا مقامات میں سے، چنانچہ اہلِ خراسان کہتے ہیں کہ رضا مقامات میں سے ایک مقام ہے اور یہ توکل کی انتہاہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رضا ایک ایسی چیز ہے جسے انسان کوشش کے ذریعہ سے حاصل کر سکتا ہے۔

مگر عراقی کہتے ہیں کہ رضا احوال میں سے ہے اور انسان اسے اپنی کوشش سے حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے بندے کے دل پر نازل ہوتی ہے۔ جس طرح دیگر احوال نازل ہوتے ہیں۔

ان دونوں اقوال کے درمیان مطابقت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ رضا کی ابتداء تو نسانی کوشش سے ہوتی ہے اور یہ ایک مقام ہے اور رضا کی انتہاء احوال میں سے ہے جو وشش سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

صوفیاء نے رضا پر بحث کی ہے چنانچہ ہر ایک نے اپنی حالت اور اپنے مشرب کا ظہار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی عبارات میں اسی طرح اختلاف ہے جس طرح رضا میں سے حصہ لینے میں کہ کسی کو کم ملا اور کسی کو زیادہ۔ اب رہی علم کی شرط تو اس کا ہونا ناگزیر ہے۔ جو شخص اللہ کے ساتھ راضی ہے وہ وہی ہو سکتا ہے جو اس کی تقدیر پر اعتراض کرے۔

میں نے استاذ ابو علی دقاق سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رضا یہ نہیں ہے کہ تم صیبت کا احساس نہ کرو۔ بلکہ رضا یہ ہے کہ تم اللہ کے حکم اور اسکی تقدیر پر اعتراض نہ کرو۔

یاد رکھو کہ بندے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قضا پر راضی رہے جس پر راضی رہنے کا

اُسے حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ بندے کے لئے ہر اس بات پر جو اس کی تقدیر میں ہے راضی رہنا جائز یا واجب نہیں۔ مثلاً معصیت پر یا مسلمانوں کی ایذا رسانی وغیرہ پر۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ رضاء اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا دروازہ ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ نے اپنی رضا سے نوازا ہو۔ اس پر اللہ کی بہت بڑی عنایت ہے۔

مَیں نے محمد بن حسین سے سنا۔ انھوں نے ابُو جعفر رازی سے سنا، انھوں نے عباس بن حمزہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ ابن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ عبد الواحد بن زید فرماتے ہیں کہ رضا اللہ کا بہت بڑا دروازہ ہے اور دنیا کی جنت ہے۔

یہ بھی یاد رکھو! کہ بندہ اُس وقت تک حق سبحانہٗ سے راضی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ حق سبحانہٗ اس سے راضی نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ: مَیں نے استاد ابو علی وقاق کو فرماتے سنا۔ جب کہ اُن سے ایک شاگرد نے پُوچھا:۔ کیا بندے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ اس پر راضی ہے؟ تو استاد نے کہا۔ نہیں اسے اس کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟ جب کہ اللہ کی رضا ہم سے پوشیدہ ہے۔ اس پر شاگرد نے کہا کہ ولی کو اس کا علم ہوتا ہے۔ استاد نے پُوچھا:۔ کیسے، شاگرد نے جواب دیا کہ جب میں اپنے دل کو اللہ پر راضی پاتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ اللہ بھی مجھ سے راضی ہے۔ استاد نے کہا: تو نے بہت اچھا جواب دیا۔

کہتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے اللہ! مجھے الیسا عمل بتا جس کے کرنے سے تو مجھ سے راضی رہے۔ اللہ تعالےٰ نے جواب دیا۔ تو وہ کام نہ کر سکے گا۔ یہ سُن کر موسیٰ علیہ السلام عاجزی سے سجدہ میں گر پڑے۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے وحی کی کہ اے عمران کے بیٹے! میری رضا تو اسی میں ہے کہ تو میری قضا پر راضی رہے۔

شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ نے کہا۔ ان سے ابو جعفر رازی نے کہا کہ عباس بن حمزہ نے کہا۔ کہ ابن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ مَیں نے ابو سلیمان دارانی سے سنا، فرماتے تھے کہ جب بندہ اپنی خواہشات کو ترک کر دے تو وہ اللہ سے راضی ہے۔

انہی کو فرماتے سُنا کہ نصر آبادی فرماتے تھے۔ جو شخص مقامِ رضا تک پہنچنا چاہے۔

اسے ان باتوں پر لگا رہنا چاہیئے۔ جن میں اللہ کی رضا ہے۔

محمد بن خفیف فرماتے ہیں رضا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رضا باللہ اور دوسرے رضا عن اللہ رضا باللہ یہ ہے کہ ہم اللہ سے بحیثیت مدبر کے راضی رہیں اور رضا عن اللہ یہ ہے کہ ہم اس کی قضا پر راضی رہیں۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ سالکین کا راستہ بہت لمبا ہے اور وہ ریاضت کا طریقہ ہے اور خواص کا طریقہ بہت قریب ہے۔ مگر زیادہ دشوار ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہارا عمل ان باتوں پر ہو جن سے اللہ راضی رہے اور تو اللہ کی قضا سے راضی رہے۔

رُویمؒ فرماتے ہیں رضا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جہنم کو کسی شخص کے دائیں ہاتھ پر رکھ دے۔ تو وہ یہ دُعا نہ کرے کہ اے خدا! اسے بائیں ہاتھ پر کر دے۔

ابوبکرؒ بن طاہر فرماتے ہیں :۔ دل سے کراہیت کو نکال دینے کا نام رضا ہے۔ یہاں تک کہ دل میں فرح و سرور کے سوا کچھ نہ رہے۔ واسطیؒ فرماتے ہیں جہاں تک تجھ سے بن سکے اللہ کی رضا کے مطابق عمل کرو۔ یہ نہ ہو کہ رضا تمہیں استعمال کرے۔ اگر ایسا کرو گے تو اس کی لذت اور اذیت کی وجہ سے حقیقت الٰہیہ سے محجوب ہو جاؤ گے۔

یاد رکھو کہ واسطیؒ کا یہ کلام بڑی عظمت رکھتا ہے اور اس میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ صوفیاء رضا کے اس معنی پر عمل کرتے ہوئے احساس کئے بغیر اللہ سے غافل نہ ہو جائیں اور ان کا تعلق خدا سے منقطع نہ ہو جائے۔ کیونکہ ایک حالت میں سکون و اطمینان سے رہنا حالات کے بدلنے والے خدا سے حجاب کا سبب ہے۔ لہٰذا جب بندہ اللہ کی رضا سے لذت پاتا ہے اور اپنے دل میں رضا کی راحت محسوس کرتا ہے تو اسی وقت مشاہدۂ حق سے محجوب ہو جاتا ہے۔

نیز واسطیؒ فرماتے ہیں :۔ عبادتِ خداوندی سے لطف اندوز ہونا زہر قاتل ہے

ابن خفیف فرماتے ہیں: اللہ کے احکام میں دل لگانا اور جن چیزوں سے اللہ راضی ہوتا ہے اور جنہیں وہ پسند کرتا ہے، دل کا اُن کی موافقت کرنا رضا کہلاتا ہے۔

رابعہ سے پوچھا گیا :۔ بندہ کب راضی برضا کہلانے کا حقدار ہوتا ہے ؟

فرمایا: جب وہ مصیبت میں بھی اس طرح خوش رہے، جس طرح آرام میں خوش تھا۔
کہتے ہیں جنیدؒ کی موجودگی میں شبلی نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا۔ جنیدؒ نے فرمایا تمہارے یہ الفاظ دل کی تنگی کی وجہ سے ہیں اور دل کی تنگی اس لئے ہے کہ تو نے قضا الٰہی پر راضی رہنا چھوڑ دیا ہے۔ یہ سن کر شبلیؒ خاموش رہے۔
ابو سلیمان فرماتے ہیں:۔ رضا تو یہ ہے کہ تو اللہ سے نہ جنت مانگے اور نہ دوزخ سے پناہ طلب کرے۔

مَیں نے محمد بن حسین سے سنا، انھوں نے عباس بغدادی سے سنا انھوں نے محمد بن احمد بن سہل سے سنا کہ سعید بن عثمان فرماتے تھے۔ میں نے ذوالنون مصری سے سنا فرماتے تھے تین چیزیں رضا کی علامت ہیں (۱) قضا سے پہلے اختیار کو چھوڑ دینا اور (۲) قضا کے (نازل ہونے کے بعد) اس کی تلخی کو محسوس نہ کرنا اور (۳) عین مصیبت میں محبت کا بھڑکنا اور میں نے سنا کہ انہوں نے محمد بن جعفر بغدادی سے سنا، انہوں نے اسمٰعیل[97] بن محمد الصفار سے سنا کہ محمد[98] بن یزید المبرد فرماتے تھے، کسی نے حسین بن علی بن ابی طالب سے کہا کہ ابوذر فرماتے تھے۔ مجھے محتاجی بہ نسبت مالداری کے اور بیماری بہ نسبت صحت کے زیادہ پسند ہے تو حسین بن علی نے فرمایا:۔ اللہ ابوذر پر رحم فرمائے۔ مگر میں تو یوں کہتا ہوں کہ جس شخص نے اللہ کی پسند پر بھروسہ کیا۔ پھر وہ انہی چیزوں کی تمنا کرے جنہیں اللہ نے اس کے لئے پسند کر رکھا ہے۔

فضیلؒ بن عیاض نے بشر حافیؒ سے کہا:۔ رضا زہد سے افضل ہے اس لئے کہ راضی رہنے والا اپنے مقام سے بڑھ کر کسی اور مقام کی تمنا نہیں کرتا۔
کسی نے ابو عثمان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: اَسألُكَ الرِّضا بعدَ القضاءِ (تجھ سے قضا کے بعد رضا کی درخواست کرتا ہوں) کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے فرمایا کہ قضا سے پہلے راضی برضا ہونا رضا پر عزم کرنا ہے اور حقیقی رضا قضا کے بعد ہوتی ہے۔

مَیں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا، ان سے عبداللہ رازی نے، ان سے ابن ابی حسان

الانماطی سے، اُن سے احمد بن ابی الحواری نے بیان کیا۔ کہ مَیں نے ابو سلیمان کو فرماتے سنا۔ اگر خدا مجھے دوزخ میں بھی ڈال دے اور مَیں اس پر راضی رہوں تو سمجھوں گا کہ رضا کو تھوڑا سا سمجھ سکا ہوں۔

ابو عمر و دمشقی فرماتے ہیں:۔ حکم خداوندی خواہ کسی قسم کا ہو اس میں اگر بے چینی نہ ہو تو رضا ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں:۔ اختیار کا اُٹھ جانا رضا ہے۔

ابن عطا فرماتے ہیں:۔ اللہ تعالےٰ نے بندے کے لئے جو کچھ ازل سے اختیار کر رکھا ہے۔ اس پر دل کی نگاہ کا رہنا رضا ہے۔ بالفاظ دیگر اختیار خداوندی پر ناراض نہ ہونا رضا ہے۔

رویمؒ فرماتے ہیں: اللہ کے احکام کے جاری ہونے پر دل کو سکون حاصل رہنا رضا ہے

محاسبی فرماتے ہیں: اللہ کے احکام کے جاری ہونے پر دل کو سکون حاصل رہنا رضا ہے۔

نوریؒ فرماتے ہیں: قضاء الٰہی کے گذرنے پر دل کا خوش ہونا رضا ہے۔

میں نے محمد بن حسین سے سنا انھوں نے کہا ابو الحسین الفارسی فرماتے تھے۔ کہ میں نے جریری کو فرماتے سنا: جو شخص اپنے مرتبہ سے کم چیز پر راضی ہو، اللہ تعالےٰ اسے اس کے مرتبہ سے زیادہ بلند مرتبہ دے گا۔

اور مَیں نے اُن سے سنا، فرماتے تھے، احمد بن علی[۷۹۹] نے کہا۔ حسن بن علویہ[۸۰۰] فرماتے تھے ابو تراب نخشبی نے فرمایا:۔ جس شخص کے دل میں دنیا کی قدر و منزلت ہو وہ رضا کا مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔

شیخ ابو عبد الرحمن سلمی نے کہا کہ ان سے ابو عمرو بن حمدان نے کہا ان سے عبداللہ بن شترویہ نے کہا۔ اُن سے بشر[۸۰۲] بن الحکم نے کہا۔ ان سے عبد العزیز[۸۰۳] بن محمد نے، انھوں نے یزید[۸۰۴] الہادی سے اور انھوں نے محمد[۸۰۵] ابراہیم سے، انھوں نے عامر بن سعد[۸۰۶] سے روایت کی کہ عباس بن عبد المطلب[۸۰۷] نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو اللہ کو اپنا رب سمجھ کر اس سے راضی رہا۔ اس نے ایمان کا مزا چکھ لیا۔

کہتے ہیں کہ عمر بن الخطاب نے ابو موسیٰ اشعری[۸۰۸] کو لکھا۔ سلام و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ بھلائی ہمہ تن رضا میں ہے۔ اگر تم راضی بقضاء الٰہی رہ سکتے ہو تو بہتر، ورنہ صبر کرو۔

کہتے ہیں، عتبہ الغلام[۸۰۹] ساری رات صبح تک یہ الفاظ کہتا رہا۔ اگر تو مجھے سزا بھی دے تب بھی تجھ سے محبت رکھتا ہوں اور اگر مجھ پر رحم کرے تب بھی تجھ سے محبت رکھتا ہوں۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا:۔ انسان تو ٹھیکری ہے اور ٹھیکری کی کیا بساط کہ وہ اللہ کے حکموں کا مقابلہ کرے۔

ابوعثمان حیری فرماتے ہیں مجھے چالیس سال ہوگئے، اللہ تعالےٰ نے مجھے جس مقام پر رکھ دیا۔ میں نے اسے ناپسند نہیں کیا۔ اور جس مقام کی طرف پھیر دیا۔ میں ناراض نہیں ہوا۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا۔ ایک شخص اپنے غلام پر غصہ ہوا۔ غلام کسی شخص کو سفارش کے لئے لے آیا۔ تو آقا نے اسے معاف کر دیا۔ اس پر غلام رونے لگ گیا۔ سفارش کرنے والے نے غلام سے پوچھا اب جب تمہارے آقا نے تمہیں معاف کر دیا تو تو کیوں رو رہا ہے؟ آقا نے کہا۔ یہ تو میری رضا چاہتا ہے اور میں راضی ہونے کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ رو رہا ہے۔

۲۳۔ عبودیت[۸۱۰]

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔ وَاعبد رَبّکَ حتّیٰ یَاتِیَکَ الیَقِین۔ (مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہ)

ابوالحسن ہوازی نے کہا، ان سے احمد بن عبید الصفار نے، اُن سے عبید[۸۱۱] بن شریک نے ان سے یحییٰ[۸۱۲] نے ان سے، مالک[۸۱۳] نے ان سے، حبیب بن عبدالرحمٰن[۸۱۴] نے ان سے حفص[۸۱۵] بن عاصم نے بیان کیا اور انھوں نے عمر بن الخطاب سے روایت کی۔ کہ ابوسعید خدری اور ابوہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اس دن جب کہ اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ کرنے والا نہ ہوگا۔ اللہ تعالےٰ سات آدمیوں کو اپنے سایہ میں لے گا۔ (۱) امام عادل کو (۲) اس نوجوان کو جس کی پرورش اللہ کی عبادت میں ہوئی ہو (۳) اس شخص کو جس کا دل مسجد سے نکلنے کے بعد مسجد کی طرف لگا رہتا ہو۔ یہاں تک کہ وہ مسجد میں پھر چلا آتا ہے (۴) ان دو شخصوں کو جنھوں نے اللہ کی

خاطر ایک دوسرے سے محبت کی اسی پر وہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور اسی پر جدا ہوتے ہیں (۵) اس شخص کو جو خلوت میں اللہ کی یاد کر کے آنسو بہاتا ہے (۶) اس شخص کو جسے ایک خوبصورت عورت دعوت دیتی ہے۔ مگر وہ کہتا ہے مجھے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے (۷) اس شخص کو جو اس قدر پوشیدہ طور پر خیرات کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو علم نہیں ہوتا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا۔

مَیں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سُنا۔ عبودیت عبادت سے زیادہ کامل ہے۔ چنانچہ پہلے عبادت آتی ہے پھر عبودیت اور پھر عبُودت۔ عبادت عام مومنین کا کام ہے عبودیت خواص کا اور عبودت خاص الخاص کا۔

مَیں نے انہی کو فرماتے سنا۔ علم الیقین والوں کے لئے عبادت ہے۔ عبودیت عین الیقین والوں کے لئے اور عبودت حق الیقین والوں کے لئے۔

انہی کو مَیں نے فرماتے سُنا۔ عبادت مجاہدہ کرنے والوں کے لئے ہے اور ارباب مکابدہ کے لئے عبودیت اور عبودت اہل مشاہدہ کا خاصہ ہے۔ لہٰذا جس نے اپنے نفس کو اللہ سے دُور نہیں رکھا۔ وہ صاحب عبادت ہے اور جس نے اپنے دل کے ساتھ اللہ پر بخل نہیں کیا وہ صاحبِ عبودیت ہے اور جس نے اپنے روح کے ساتھ اللہ کے معاملہ میں بخل نہیں کیا وہ صاحب عبودت ہے۔

نیز کہا جاتا ہے:۔ اللہ کی عبادت پر کامل طور پر پابند رہنا اور جو عبادت تم سے صادر ہوئی ہو اسے (باوجود کامل ہونے کے) ناقص سمجھتے رہنا اور جو نیک اعمال تم کرو انہیں تقدیر الہٰی جاننا عبودیت کہلاتا ہے۔

نیز کہتے ہیں:۔ جو تقدیر بھی معرضِ وجود میں آئے اس میں اختیار کو ترک کر دینا عبودیت ہے نیز کہتے ہیں کہ اپنی طاقت اور قوت سے بیزاری کا اظہار کرنا اور اللہ تعالےٰ جو مال و دولت اور انعامات تم پر کرے اُن کا اقرار کرنا، عبودیت کہلاتا ہے۔

نیز کہتے ہیں جن امور کے کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اُن کو گلے لگانا اور جن سے منع کیا گیا ہے اُن کو چھوڑ دینا عبودیت ہے۔

کسی نے محمد بن خفیف سے پوچھا، صحیح عبودیت کیا ہے؟ فرمایا: جب تو اپنا بوجھ اپنے آقا (خدا) پر ڈال دے اور اس کی لائی ہوئی مصیبتوں پر صبر کرے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا، انھوں نے ابوالعباس بغدادی سے انھوں نے جعفر بن محمد بن نصیر سے، انھوں نے ابن مسروق سے، انھوں نے سہل بن عبداللہ کو فرماتے سُنا جب تک انسان کی یہ حالت نہ ہو جائے کہ ان چار چیزوں یعنی بھوک (۱) ننگا رہنا (۲) فقر (۳) اور ذلت سے کوئی گھبراہٹ نہ ہو تب تک اسکی عبودیت بھی صحیح نہیں ہوتی۔

نیز کہتے ہیں عبودیت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ کے سپرد کر دے اور اپنا بوجھ اسی پر ڈال دے۔

نیز کہتے ہیں عبودیت کی ایک علامت یہ ہے کہ تو تدبیر کو چھوڑ دے اور تقدیر کا مشاہدہ کرے۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں عبودیت یہ ہے کہ تو ہر حال میں اس کا بندہ بنا رہے جس طرح کہ ہر حالت میں وہ تمہارا رب ہے۔

جریری فرماتے ہیں نعمتوں کے بندے تو بہت ہیں مگر انعام کرنے والے کے بندے بہت کمیاب ہیں۔

مَیں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا جس کی غلامی اور قید میں تو پھنسا ہو تو اُسی کا بندہ ہے اور اگر تو دنیا کی قید میں ہے تو تو دُنیا کا بندہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ درہموں کا بندہ ہلاک ہوا، دیناروں کا بندہ ہلاک ہوا، چادر کا بندہ ہلاک ہوا۔

ابُوزیدؒ نے ایک شخص کو دیکھا۔۔۔۔ اور پوچھا۔ تو کیا کام کرتا ہے۔ اس شخص نے جواب دیا ں خربندہ (گدھوں والا) ہوں اس پر ابوزید نے کہا۔ خدا کرے تیرا گدھا مر جائے۔ تجھے اللہ بندہ ہونا چاہیئے۔ نہ کہ خربندہ۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا۔ انھوں نے اپنے نانا ابوعمرو بن نجید کو فرماتے ا۔ کسی انسان کا عبودیت میں قدم اسی وقت پاک وصاف ہو سکتا ہے جب وہ اپنے اعمال ریا اور اپنے احوال کو محض دعویٰ خیال کرے۔

میں نے انہی کو فرماتے سنا کہ انھوں نے عبداللہ المعلم کو فرماتے سنا کہ عبداللہ بن منازل کوئی

فرماتے تھے۔ بندہ اسوقت تک بندہ ہے جب وہ اپنی ذات کیلئے خادم کی تلاش نہ کرے اور جب اس نے اپنی ذات کیلئے خادم تلاش کیا۔ تو عبودیت کی حد سے گذر گیا اور اس نے عبودیت کے آداب ترک کر دیئے۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ محمد بن الحسین[۸۱۷] نے کہا کہ جعفر بن نصیر نے کہا کہ ابن مسروق نے کہا، سہل بن عبداللہ فرماتے تھے۔ بندے کی عبادت گذاری اس وقت درست ہو سکتی ہے جب اس کی حالت ایسی ہو کہ اگر وہ مفلس ہو جائے تو ذلت کے آثار اس پر نہ پائے جائیں۔ اور اگر مالدار ہو جائے تب بھی دولت کا اس پر کوئی اثر نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں اللہ تعالےٰ کی ربوبیت کا مشاہدہ کرنا عبودیت ہے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ انھوں نے نصر آبادی کو فرماتے سنا:۔
عبادت گذاری کی قدر و منزلت معبود کی بدولت ہوتی ہے۔ جس طرح عارف کے لئے شرف اسی چیز کے ساتھ ہے جس کے ساتھ اس کے عرفان کا تعلق ہو۔

ابوحفص فرماتے ہیں۔ عبودیت بندے کے لئے زینت ہے۔ لہٰذا جس نے عبودیت ترک کر دی وہ زینت سے عاری ہو گیا۔

میں نے محمد بن حسین سے سنا کہ ابوجعفر رازی نے اُن سے کہا کہ عباس بن حمزہ نے کہا۔ احمد بن ابی الحواری فرماتے تھے۔ میں نے بناجی کو فرماتے سنا:۔
تین چیزیں عبادت کی اصل ہیں (۱) یہ کہ تو اللہ کے کسی ایک حکم کو بھی رد نہ کرے۔ (۲) اور نہ کوئی چیز اس سے بچا کر رکھے (۳) اور نہ ہی خدا یہ سُنے کہ تو اپنی حاجت غیر اللہ سے مانگ رہا ہے۔

اور میں نے ابوالحسین فارسی سے سُنا، فرماتے تھے:۔ کہ میں نے ابن عطا کو فرماتے سنا۔
چار باتوں میں عبودیت پائی جاتی ہے (۱) وعدہ پُورا کرنا (۲) حدود (اللہ) کی نگہداشت رکھنا۔ (۳) جو اپنے پاس موجود ہو اس پر راضی رہنا (۴) اور جو کچھ حاصل نہ ہو اس پر صبر کرنا۔

اور میں نے اس سے سُنا کہ محمد بن عبداللہ بن شاذان نے کہا کہ الکتانی نے کہا کہ عمر بن عثمان المکی فرماتے تھے۔ میں اگرچہ مکہ اور دیگر مقامات میں بہت سے عبادت گذاروں سے ملا ہوں نیز ان میں سے کئی ایک حج کے موقعہ بھی ہمارے پاس آئے۔ مگر میں نے مزنی[۸۱۸] سے بڑھ کر

کوشش کرنے والا اور عبادت میں ہمیشگی کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی اُن سے بڑھ کر کسی کو اللہ کے احکام کی تعظیم کرتے دیکھا اور نہ ہی کوئی ایسا شخص نظر آیا جو اُن سے بڑھ کر اپنی ذات پر تنگی کرتا ہو اور دوسروں پر وسعت کرتا ہو۔

مَیں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا:۔ عبودیت سے بڑھ کر کسی اور چیز میں شرف نہیں پایا جاتا اور نہ ہی مومن کے لئے عبودیت سے بڑھ کر کوئی اور نام زیادہ مکمل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں معراج کی رات یہ الفاظ کہے اور معراج کا وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دنیا میں اشرف ترین وقت تھا۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ نیز فرمایا:۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی۔ اگر کوئی اور نام عبودیت سے بڑھ کر بزرگی والا ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ اُسی نام سے آنحضرت کو پکارتے۔

اسی سلسلہ میں یہ شعر پیش کئے جاتے ہیں:۔

یَا عَمْرُو ثَارِیْ عِنْدَ زَہْرَائِیْ   یَعْرِفُہُ السَّامِعُ وَالرَّائِیْ
لَا تَدْعُنِیْ اِلَّا بِیَا عَبْدَھَا   فَاِنَّہٗ اَشْرَفُ اَسْمَائِیْ

اے عمرو! میرے خون کا بدلہ تو میری زہرا کے پاس ہے۔ اور اس بات کو سننے اور دیکھنے والے جانتے ہیں۔

مجھے اگر پکارنا ہے تو یا عبد زہرا کہہ کر پکارو۔ کیونکہ یہ نام میرے لئے بہت شرف والا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر تونے دو چیزوں کو ترک کر دیا تو عبودیت کا حق ادا کر دیا۔ ایک یہ کہ تو اللہ کے سوا کسی لذت سے سکون محسوس نہ کرے اور دوسرے یہ کہ اپنی کسی حرکت پر اعتماد نہ کرے۔ بعینہٖ اسی قسم کا قول واسطی کا ہے۔ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عطیوں سے لذت محسوس کرنے سے بچو کیونکہ اہل صفاء کے لئے یہ لذت سدِّ راہ بن جاتی ہے۔

ابو علی جوزجانی[۱۹۱] فرماتے ہیں رضا عبودیت کا خانہ ہے اور صبر اس کا دروازہ، اور تفویض گھر۔ آواز دروازہ پر ہوتی ہے۔ خانہ میں فراغت اور گھر میں راحت۔

مَیں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سُنا کہ جس طرح ربوبیت اللہ کی ایک ایسی صفت

ہے جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح عبودیت بندے کی ایسی صفت ہے جو اس سے کبھی جدا نہیں ہو سکتی۔

کسی کا شعر ہے:۔

فان تسئا، لونی قلت ھا انا عبدہٗ   وان سألوہ قال ھٰذا اثٗ مولا یا

اگر تم مجھ سے (اللہ کی نسبت) پوچھتے ہو تو کہوں گا میں تو اس کا بندہ ہوں۔ اور اگر لوگ اس سے پوچھیں تو وہ کہے گا یہ میرا غلام ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا کہ انھوں نے نصر آبادی کو فرماتے سنا عبادات بہ نسبت اس کے کہ ہم اُن کا معاوضہ اور جزا طلب کریں۔ اللہ سے اپنے گناہوں کو درگذر کرنے اور اپنی کوتاہیوں سے معافی چاہنے کے زیادہ قریب ہیں۔

انہی کو میں نے فرماتے سنا اور انھوں نے نصر آبادی سے سنا، فرماتے تھے۔ عبودیت یہ ہے کہ معبود کا مشاہدہ کرتے ہوئے تو اپنی عبادت گذاری کی طرف نہ دیکھے اور میں نے انہی سے سنا کہ ابوبکر محمد بن عبداللہ شاذان نے کہا کہ الجریری فرماتے ہیں۔ میں نے جنید کو فرماتے سنا کہ ہر قسم کے شغل کو چھوڑ کر ایسے کام میں جو فراغت کی اصل ہے مشغول ہونا عبودیت کہلاتا ہے۔

(۸۲۰)

۲۴۔ ارادت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔

جو لوگ اللہ کی خوشنودی کی خاطر رات دن اسے پکارتے رہتے ہیں۔ آپ انھیں اپنے پاس سے نہ ہٹائیں۔

علی ابن احمد بن عبدان نے اُن سے احمد بن عبید نے اُن سے ہشام بن علی نے ان سے الحکم بن اسلم نے[۸۲۱] کہا کہ اُن سے اسمٰعیل بن جعفر نے حمید[۸۲۲] سے اور انھوں نے انس سے روایت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کیساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس کو استعمال کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ اُسے کیسے استعمال کرتا ہے؟ فرمایا: موت سے پہلے اسے نیک عمل کی توفیق دے دیتا ہے

ارادت سلوک کی ابتدا ہے

ارادت، راہ طریقت کی ابتداء ہے اور یہ اللہ کی طرف جانے کا ارادہ کرنے والوں کی پہلی منزل کا نام ہے۔
اس صفت کو ارادت اس لئے کہا گیا کہ ارادہ ہر بات کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب تک بندہ کسی چیز کا ارادہ نہ کرے اسے کرتا ہی نہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی راہ پر چلیں، یہ ابتدا ٹھہری تو اس کا نام ارادت رکھ دیا گیا۔ کیونکہ اس میں ارادہ کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے جو تمام کاموں کا پیش خیمہ ہے۔

مُرید کون ہے؟

لہٰذا اشتقاق کے اعتبار سے مرید وہ ہے جس میں ارادہ پایا جائے جیسے علم والے کو عالم کہا جاتا ہے۔ مگر صوفیاء کی اصطلاح میں مرید وہ ہے جس کا اپنا کوئی ارادہ نہ ہو۔ لہٰذا جو شخص اپنے ارادہ سے علیٰحدگی اختیار نہیں کرتا، وہ مرید نہیں کہلا سکتا۔ حالانکہ اشتقاق کے اعتبار سے جس کا ارادہ نہ ہو وہ مرید نہیں کہلا سکتا۔

ارادت سے کیا مُراد ہے؟

صوفیاء نے ارادت کے معنی پر بحث کی ہے مگر ہر ایک نے اپنے قلبی واردات کے مطابق اس کی تشریح کی ہے۔ چنانچہ بیشتر مشائخ کا قول ہے کہ عام عادت پر چلنا چھوڑ دینا ارادت کہلاتا ہے اور بالعموم لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ غفلت کے عالم میں پڑے رہتے ہیں۔ خواہشات کی تابعداری کی طرف مائل ہوتے ہیں اور جس طرف انہیں اُن کی آرزوئیں لے جائیں ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں مگر مریدان تمام امور سے اپنے آپ کو نکال لیتا ہے۔ لہٰذا اسکا اسطرح نکلنا ہی اس امر کی علامت اور دلیل ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ صحیح ہے۔ لہٰذا اس حالت کا نام ارادت رکھ دیا گیا یعنی عام عادت سے نکل جانا اور عادت کا چھوڑ دینا ارادت کی علامت ہے۔

ارادت کی حقیقت

مگر حقیقت میں ارادت یہ ہے کہ دل طلبِ حق میں اُٹھ کھڑا ہو۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ارادت ایک ایسی جلن ہوتی ہے جو ہر قسم کی گھبراہٹ آسان کر دیتی ہے۔
میں نے اُستاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا اور وہ ممشاد دینوری سے نقل کر رہے تھے۔ کہ انھوں نے فرمایا کہ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ فقراء کے تمام حالات سنجیدگی کے حالات

ہوتے ہیں۔ میں نے کبھی بھی کسی فقیر سے مذاق نہیں کیا۔ قصہ یوں ہوا کہ ایک فقیر میرے پاس آیا اور کہا میں چاہتا ہوں کہ تو میرے لئے حلوہ تیار کرے۔ اس وقت میری زبان سے نکلا "صوفی اور حلوہ" یہ سن کر فقیر پیچھے ہٹ گیا۔ مگر مجھے معلوم نہ ہوا۔ میں نے حلوہ بنانے کا حکم دیا اور فقیر کو ڈھونڈا۔ مگر کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اسی وقت واپس چلا گیا تھا اور وہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا "صوفی اور حلوہ" "صوفی اور حلوہ" اور دیوانہ وار نکل کر جنگل میں چلا گیا اور یہی کہتا کہتا مر گیا۔

ایک صوفی کا واقعہ

ایک صوفی کا بیان ہے کہ میں جنگل میں تنہا تھا، جب دل تنگ ہوا تو میں نے پکارنا شروع کیا "اے انسانو! مجھ سے بات کرو۔ اے جنو! مجھ سے کلام کرو۔" غیب سے ندا آئی "کیا چاہتے ہو؟" میں نے جواب دیا "میں اللہ تعالیٰ کو چاہتا ہوں۔" ہاتف نے جواب دیا تو اللہ تعالیٰ کو کب چاہ سکتا ہے؟ اس کی مراد یہ تھی کہ جو شخص انسانوں اور جنوں کو کلام کرنے کے لئے بلا رہا ہو وہ اللہ کا چاہنے والا کب ہو سکتا ہے اور اللہ کا چاہنے والا کبھی بھی اس کی تلاش میں سست نہیں پڑتا۔ چنانچہ مرید ظاہر میں مجاہدہ کے وصف سے موصوف ہوتا ہے اور باطن میں تکالیف برداشت کرتا ہے۔ چنانچہ بستر سے الگ رہتا ہے اور ہر وقت مستعد رہتا ہے۔ دشوار کام کرتا ہے۔ اور تھکانے والے امور اختیار کرتا ہے۔ اپنے اخلاق سے کشتی لڑتا ہے۔ مشقتیں جھیلتا ہے۔ خطروں سے بغل گیر ہوتا ہے اور ہم جنسوں سے جدا ہوتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں

ثُمَّ قَطَعْتُ اللَّيْلَ فِي مَهْمَهٍ　　لَا أَسَدًا أَخْشَى وَلَا ذِيبًا
يَغْلِبُنِي شَوْقِي فَأَطْوِي السُّرَى　　وَلَمْ يَزَلْ ذُو الشَّوْقِ مَغْلُوبًا

پھر میں نے رات ایک بیابان میں گذاری جہاں مجھے نہ شیر کا خوف تھا نہ بھیڑیئے کا۔ شوق نے مجھ پر غلبہ پا لیا تھا اور میں اپنی رات کا سفر طے کرتا گیا۔ اور جس پر شوق غلبہ پاتا ہے۔ وہ مغلوب ہی رہتا ہے۔

میں نے استاد ابو علیؒ دقاق کو فرماتے کہ ارادت دل میں ایک قسم کی جلن ہے۔ دل میں دغدغہ ہے۔ ضمیر میں عشق، باطن میں بے چینی اور دل میں بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا، انھوں نے محمد بن عبداللہ سے سنا کہ ابوبحر الصباک (۸۲۴) نے کہا کہ یوسف بن الحسین فرماتے تھے کہ ابوسلیمان اور احمدؒ بن ابی الحواری کے مابین یہ معاہدہ تھا کہ احمد اُن کے کسی حکم کی مخالفت نہ کریں گے۔ ایک دن آئے تو وہ اپنی مجلس میں وعظ فرمارہے تھے۔ عرض کیا کہ تنور گرم ہوچکا ہے۔ اب کیا ارشاد ہے؟ ابوسلیمان نے کوئی جواب نہ دیا۔ احمد نے دوبارہ پھر سہ بارہ یہی عرض کیا۔ اس پر ابوسلیمان نے فرمایا۔ جاؤ تنور میں بیٹھ جاؤ۔ یُوں معلوم ہوتا تھا کہ اُن کے بار بار کہنے سے اُن کا دل تنگ ہو گیا تھا۔ ابوسلیمان نے تھوڑی دیر تک تو تغافل برتا۔ پھر فرمایا جاؤ جاکر احمد کو تنور سے نکالو کیونکہ اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ میری کسی بات میں مخالفت نہیں کریگا۔ دیکھا تو وہ واقعی تنور میں تھے مگر اُن کا بال بیکا نہ ہُوا تھا۔ مَیں نے اُستاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا: مَیں بچپن سے ارادت کی تلاش میں سخت کوشاں تھا اور کہا کرتا تھا کاش مجھے ارادت کا معنی معلوم ہوجائے۔ مجھے کہا گیا کہ مرید کی صفت یہ ہے کہ وہ نوافل کے ساتھ اللہ کی محبت کرے اور اُمت کی خیر خواہی میں خلوص پیدا کرے۔ خلوت میں اُسے اُنس محسوس ہو اور احکامِ خداوندی کے بر لانے میں تکلیف برداشت کرے اللہ کے حکم کو ترجیح دے۔ اللہ سے حیا کرے۔ مبادا کوئی ایسا کام نہ کر رہا ہو جو اللہ کو ناپسند ہو) اللہ کی محبوب باتوں پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرے۔ ہر ایسا ذریعہ اختیار کرے جو اللہ تک پہنچادے۔ گمنامی پر قانع رہے اور اپنے دل پر عدم اطمینان کا اظہار کرے۔ یہاں تک کہ وہ واصل باللہ ہوجائے۔

ابوبکر وّراق فرماتے ہیں تین چیزیں مُرید کے لئے آفت ہیں (۱) شادی (۲) حدیث لکھنا اور (۳) سفر کرنا۔ ان سے کسی نے کہا کہ آپ نے حدیث لکھنی کیوں چھوڑ دی؟ کہا: ارادت نے مجھے اس سے روک دیا۔

حاتم اصم فرماتے ہیں جب تو کسی مُرید کو دیکھے کہ وہ اپنی مراد" کے سوا کسی اور کو چاہ رہا ہے تو جان لے کہ اس نے اپنا کمینہ پن ظاہر کردیا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ انھوں نے کہا کہ ابوبکر الرازی نے اُن سے کہا کہ الکتانی فرما رہے تھے کہ مُرید کے لیئے یہی حکم ہے کہ اس میں تین چیزیں پائی جائیں (۱) وہ اس وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو (۲) اس وقت کھائے جب فاقہ کی حالت ہو۔ اور (۳) ضرورت کے بغیر کلام نہ کرے۔

میں نے انہی سے سنا کہ الحسین بن احمد بن جعفر نے کہا کہ جعفر بن نصیر فرماتے تھے مَیں نے جنیدؒ

کو فرماتے سنا: جب اللہ تعالیٰ کسی مُرید سے بھلائی چاہتا ہے تو اسے پاک باطن صوفیاء کے حوالے کر دیتا ہے اور قاریوں کی صحبت سے اسے روک دیتا ہے۔

مَیں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ بن علی نے کہا کہ الدقی فرماتے ہیں کہ میں نے وقاقؒ کو یوں فرماتے سُنا:۔ ارادت کی انتہا یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کرے اور معاً اس کو پالے بھی۔ مَیں نے عرض کیا،کس چیز میں ارادت پوری ہوتی ہے؟ فرمایا۔ اس میں کہ تو اللہ تعالیٰ کو بلا اشارہ پالے۔

مَیں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا کہ عباس بن ابوالصحو فرماتے تھے مَیں نے ابوبکر وقاق کو فرماتے سنا۔ مرید اس وقت تک مرید نہیں کہلا سکتا جب تک بائیں جانب والا فرشتہ بیس سال تک اس کا کوئی عمل نہ لکھے۔ (یعنی بیس سال وہ کوئی بُرا عمل نہ کرے)

ابوعثمانؒ حیری فرماتے ہیں: جس شخص کی ارادت ابتداہی میں درست نہ ہو تو جس قدر زمانہ بھی گذرتا جائے گا اس کی کم بختی بڑھتی جائے گی۔

نیز ابوعثمان فرماتے ہیں: جب کوئی مُرید صوفیاء کے علوم میں سے کچھ سُن لے اور پھر اس پر عمل کرے تو وہ علوم اس کے دل میں آخر عمر تک حکمت بن جائیں گے۔ جن سے وہ فائدہ اٹھائے گا۔ اور اگر وہ گفتگو کرے گا۔ تو سننے والا اس سے فائدہ حاصل کریں گے۔ مگر جس نے صوفیاء کے کچھ علوم سُن لیئے اور اُن پر عمل نہیں کیا تو یہ ایک قصہ ہو گا۔ جسے وہ کچھ عرصہ تو ذہن میں محفوظ رکھے گا۔ پھر بھُول جائے گا۔

واسطی فرماتے ہیں:۔ مرید کا پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے ارادہ کو ساقط کر کے حق تعالیٰ کا ارادہ اختیار کرے۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ مرید کے لئے سخت ترین چیز مخالفین سے میل جول ہے۔

مَیں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سُنا کہ ابوالقاسم الرازی نے کہا کہ یوسف بن الحسین فرماتے تھے۔ جب تو کسی مُرید کو دیکھے کہ وہ ان اُمور پر عمل کر رہا ہے۔ جو شریعت میں "رخصت" کہلاتے ہیں اور دنیاداری میں پھنسا رہتا ہے۔ تو اس سے (طریقت میں) کچھ بن سکیگا

اور مَیں نے انہی سے سنا: کہ محمد بن الحسین نے کہا کہ جعفر خلدی فرماتے تھے کہ کسی نے جنیدؒ سے

سوال کیا کہ حکایات (صالحین کے قصے بیان کرنے) میں مریدوں کے لئے کیا فائدہ ہے؟ فرمایا:۔ حکایات اللہ کے لشکر ہیں جن سے اللہ تعالیٰ مریدین کے دلوں کو مضبوط کرتا ہے۔ سوال کیا گیا کہ آپ کے پاس اس کی کیا شہادت ہے؟ فرمایا:۔ اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان:۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ

(اور یہ تمام رسولوں کی خبریں ہم آپ کے دل کو تقویت دینے کے لئے بیان کرتے ہیں) اور میں نے اُن سے سُنا کہ محمد بن خالد نے کہا کہ جعفر فرماتے تھے کہ میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا کہ مرید کو عالموں کے علم کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

مرید اور مراد میں فرق

اب رہا مرید اور مراد میں فرق تو درحقیقت ہر مرید مراد بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اللہ کا "مراد" نہ ہوتا، اس لئے کہ اللہ اسے چاہتا ہے تو وہ مرید بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے اور ہر "مراد" "مرید" بھی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ اسے چاہتا ہے تو اسے "ارادت" کی توفیق بھی دے دیتا ہے۔ مگر صوفیاء کے ہاں "مرید" اور "مراد" میں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اُن کے نزدیک مبتدی کو "مرید" کہتے ہیں اور منتہی کو "مراد"۔

(نیز یوں بھی تعریف کی جاتی ہے) کہ مرید وہ ہے جو تھکان اور مشقتیں برداشت کرنے میں پڑے اور مراد وہ ہے جسے مشقتوں سے بچا دیا گیا ہو۔ لہٰذا "مرید" تکلیف میں ہوتا ہے اور "مراد" آرام میں۔ جن کو اللہ کے ساتھ ارادت ہوتی ہے۔ اُن کے ساتھ اللہ کا برتاؤ مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ مجاہدات کی توفیق دیتا ہے وہ مختلف قسم کی تکالیف برداشت کرنے کے بعد بلند مقامات تک پہنچ جاتے ہیں اور بہتوں کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ ابتدا ہی میں بڑے بڑے معانی مکاشفے سے حل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ان مقامات تک پہنچ جاتے ہیں جہاں بہت سے اصحاب ریاضت نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن اس رفق و مہربانی کے بعد بہتوں کو پھر مجاہدات کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ جو ریاضتیں اُن سے چھوٹ گئی ہیں۔ ان کو وہ مکمل کر لیں۔

میں نے استاذ ابو علی دقاقؒ سے سنا۔ فرماتے تھے کہ مرید وہ ہے جو طریق ریاضت میں

مشقتیں جھیلیے اور "مراد" وہ ہے جس سے یہ مشقتیں اٹھا دی گئی ہیں۔

نیز انہی سے میں نے سنا۔ فرماتے تھے موسیٰ علیہ السلام "مرید" تھے۔ جبھی تو انھوں نے رَبِّ اشْرَحْ لِی صَدْرِیْ فرمایا۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم "مراد" تھے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟ اور کیا ہم نے آپ سے وہ بوجھ نہیں اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی؟ اور کیا ہم نے آپ کا نام بلند نہیں کیا؟) اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:۔

رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ قَالَ لَنْ تَرَانِیْ

(خدایا مجھے اپنی ذات دکھا دے تاکہ تجھے دیکھ لوں۔ اللہ تعالےٰ نے جواب دیا تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا) اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ

ابو علی فرمایا کرتے تھے کہ اس مذکورہ آیت میں اصل مقصود صرف یہ الفاظ ہیں: اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ اور اللہ تعالےٰ کا فرمان:۔ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ بات کو چھپانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کو محفوظ کرنے کے لئے ہے۔

جنیدؒ سے پوچھا گیا۔ مرید اور مراد میں کیا فرق ہے؟ فرمایا:۔ مرید کو اس کا علم چلاتا ہے اور "مراد" کی نگہبانی حق سبحانہ کرتا ہے۔ اس لئے کہ "مرید" پیدل چلتا ہے اور "مراد" اڑ کر جاتا ہے۔ لہٰذا پیدل چلنے والا اڑ کر جانے والے کے مرتبہ تک کب پہنچ سکتا ہے؟

ذوالنون اور بایزید

کہا جاتا ہے کہ ذوالنون نے ایک شخص کے ذریعہ سے بایزید کو کہلا بھیجا کہ قافلہ گذر چکا۔ پھر یہ نیند اور راحت کب تک؟

بایزید نے جواب دیا۔ میرے بھائی ذوالنون کو کہنا۔ کامل شخص وہ ہے جو رات بھر سویا رہے۔ مگر پھر بھی صبح کو قافلہ سے پہلے منزل پر پہنچ جائے۔

یہ سن کر ذوالنون نے کہا۔ انہیں مبارک ہو۔ یہ ایسا کلام ہے جہاں ہماری حالت نہیں پہنچ سکتی۔

۲۵- استقامت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :- اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا (الآیہ)

بیشک وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ پھر اس (قول پر) قائم رہتے ہیں۔

امام ابوبکر محمد بن الحسین بن فورک رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اُن سے عبداللہ بن جعفر بن احمد الاصبہانی نے کہا۔ ان سے ابوبشر[827] یونس بن حبیب نے ان سے ابوداؤد[828] الطیالسی نے کہا کہ شعبہ نے الاعمش سے اُنھوں نے سالم بن ابی جعد[829] سے اور انھوں نے ثوبان[830] مولا النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اپنے ایمان پر استقامت اختیار کرو مگر تم نہ کرسکو گے۔ (مگر اللہ کی مدد سے) یاد رکھو کہ نماز تمہارے دین کی بہترین چیز ہے اور وضو کی حفاظت مومن ہی کرتا ہے۔

استاد فرماتے ہیں :- استقامت ایک ایسا درجہ ہے جس سے امور کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسکی بدولت تمام نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اور اُن کا نظام قائم رہتا ہے۔ جو شخص اپنی حالت پر استقامت نہیں رکھے گا۔ اس کی کوشش ضائع اور اس کی سعی ناکام رہے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّتِیۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَہَا مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّۃٍ اَنۡکَاثًا۔

(تم اس عورت[831] کی طرح مت ہو جاؤ جس نے اپنا سُوت مضبوط کاتنے کے بعد تار تار کر دیا)

جو شخص اپنی صفات پر استقامت اختیار نہیں کرے گا وہ اپنے موجودہ مقام سے بلند مقام کو نہ جا سکے گا اور نہ ہی اپنے سلوک کی بنیاد صحیح چیز پر رکھ سکے گا۔ لہٰذا مبتدی کے لئے احکام میں استقامت رکھنا ضروری ہے۔ بعینہ اسی طرح کہ عارف کو انتہائی آداب پر پابند رہنا ضروری ہے۔ مبتدی کی استقامت کی علامت یہ ہے کہ اسکے معاملات میں سستی پیدا نہ ہو۔ متوسط درجہ کے لوگوں کی استقامت کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی منزل پر ہی نہ ٹھہر جائیں اور اہل نہایت کی علامت یہ ہے کہ ان کے اور اللہ کے ساتھ وصل میں کوئی پردہ حائل نہ ہو جائے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق رحمہ اللہ کو فرماتے سنا: استقامت کے تین مدارج ہیں۔ پہلا تقویم۔ پھر

اقامتؒ۔ پھر استقامتؒ۔ تقویم تونفس کی تادیب کے لئے ہے۔ اقامت دل کو مہذب کرنے کے لئے اور استقامت اسرار کو قریب لانے کے لئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اللہ تعالٰی کے فرمان ثُمَّ اسْتَقَامُوا کی تشریح لَمْ يُشْرِكُوا کرتے ہیں (یعنی کسی کو اللہ کا شریک نہیں بناتے) اور عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں لومڑی کی طرح نہ کھسک جائیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تشریح کی بنیاد اصولِ توحید کو مدِّ نظر رکھنے پر ہے اور حضرت عمر کی بنیاد اس بات پر ہے کہ تاویلات کو چھوڑ کر اپنے عہد کی شرائط پر کاربند رہے۔

ابن عطا فرماتے ہیں کہ (استقاموا کے معنی ہیں) دل کو صرف اللہ کے ساتھ لگائے۔ پھر اس پر قائم رہے۔

ابوعلی جوزجانیؒ فرماتے ہیں :۔ استقامت والا بن۔ طالبِ کرامت نہ بن۔ کیونکہ تمہارا النفس تو کرامت کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے اور اللہ عزوجل تجھ سے استقامت کا مطالبہ کرتا ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعلی[۲۲] شبتوی کو فرماتے سنا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے روایت کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا :۔ شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدٌ" (مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا) کس بات نے آپ کو بوڑھا کر دیا۔ آیا انبیاء کے واقعات نے اور اُمتوں کی ہلاکت نے فرمایا :۔ نہیں۔ اللہ کے فرمان :۔ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ نے۔

کہتے ہیں کہ اکابر کے سوا کسی میں استقامت کی طاقت نہیں پائی جاتی۔ اسلئے استقامت معہود چیزوں سے نکلنا۔ رسوم و عادات سے علیحدہ ہونا۔ اور حقیقتہً صدق دل سے اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کا نام ہے۔ اسی لئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ " اُسْتَقِيْمُوا وَلَنْ تُحْصُوا" (استقامت رکھو۔ مگر تم پورے طور پر نہ رکھ سکو گے۔)

واسطیؒ فرماتے ہیں : جس خصلت کے ساتھ خوبیاں مکمل ہوتی ہیں اور جس کے نہ ہونے سے خوبیاں قبیح معلوم ہوتی ہیں۔ وہ خصلت استقامت ہے۔

شبلیؒ فرماتے ہیں :۔ استقامت یہ ہے کہ تو موجودہ وقت کو قیامت سمجھے۔

کہا جاتا ہے کہ اقوال کی استقامت یہ ہے کہ غیبت نہ کی جائے۔ افعال کی استقامت یہ ہے کہ بدعت کی نفی ہو اور اعمال کی استقامت یہ ہے کہ سستی نہ پائی جائے اور احوال کی استقامت یہ ہے کہ حجاب

نہ آئے۔

مَیں نے استاد امام ابوبکر محمد بن حسین(۸۲۳) بن فورک کو فرماتے سنا کہ استقامت میں جو سین(۸۲۴) ہے وہ طلب کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالٰے سے اس بات کی درخواست کرتے ہیں۔ کہ اللہ انھیں توحید پر قائم رکھے تاکہ وہ اپنے عہدوں پر مداومت اور حدود کی محافظت کریں۔

استاد فرماتے ہیں: یاد رکھو! کہ استقامت سے کرامات کا دائم رہنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا (اگر وہ راہِ راست پر قائم رہتے تو ہم انھیں کثرت کے ساتھ سیراب کر دیتے) اللہ تعالٰی نے سقینا کہنے کی بجائے اسقینا کہا ہے۔ عربی زبان کا محاورہ ہے "اسقیتہ اذا جعلت لہ سقیا" (جب تو کسی کی سیرابی کے لئے پانی مقرر کر دے تو اسقیتہ کہا جاتا ہے) اس میں دوام پایا جاتا ہے۔

مَیں نے محمد بن حسین سے سنا۔ انھوں نے حسین بن احمد سے سنا۔ انھوں نے کہا۔ ابوالعباس(۸۲۵) فرغانی فرماتے ہیں کہ میں نے جنگل میں ایک نوجوان کو ببول کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ تو یہاں کیوں بیٹھا ہے۔ اس نے جواب دیا اس حالت کی وجہ سے جو مجھ سے گم ہو گئی ہے اُسے وہیں چھوڑ کر چل دیا۔ جب حج سے واپس آیا۔ دیکھا کہ وہ نوجوان درخت سے ہٹ کر ایک جگہ پر جو اسکے قریب ہی تھی چلا گیا۔ مَیں نے پھر پوچھا۔ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ اس نے جواب دیا جو حالت گم ہو گئی تھی اس مقام پر پھر مل گئی ہے۔ اسلئے میں پھر اس مقام سے چمٹ گیا ہوں۔ (کیونکہ یہیں مجھے میری پہلی حالت ملی ہے۔)

جنیدؒ فرماتے ہیں: مَیں نہیں سمجھ سکا کہ اسکی کونسی حالت زیادہ بلند تھی۔ کیا پہلی حالت میں جب وہ اپنی حالت کے گم ہونے پر درخت سے چمٹا رہا تھا یا دوسری حالت جبکہ وہ اس جگہ سے چمٹ گیا جہاں اسے اسکی مراد حاصل ہوئی۔

۲۶۔ اخلاص(۸۲۶)

اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (یاد رکھو خالص دین اللہ کے لئے ہے)

علی ابن احمد ہوازی نے کہا۔ ان سے احمد بن عبید البصری نے، ان سے جعفر(۸۲۷) بن محمد الفریابی نے اُن سے ابو طالوت نے اُن سے ہانی بن عبد الرحمٰن بن ابی عبلہ عقیلی نے بروایت ابراہیم(۸۲۹) بن

ابی عبلہ نے کہا کہ عطیہ بن[۸۲۰] وشاح نے بیان کیا کہ انس بن مالک رضؓ فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ایک مسلمان کے دل میں تین باتوں کی کھوٹ پیدا نہیں ہونی چاہیئے (۱) اللہ تعالےٰ کے لئے خلوص کے ساتھ عمل کرنا۔ (۲) اپنے حکام سے خلوص نیتی کا اظہار اور (۳) مسلمانوں کی جماعت کا ساتھ دینا۔

اخلاص کی تعریف

استادؒ فرماتے ہیں کہ صرف حق سبحانہٗ کے لئے بالارادہ عبادت گذاری کا نام اخلاص ہے اور وہ اسطرح کہ عبادت سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہو اور کوئی مقصد نہ ہو۔ مثلاً کسی مخلوق کیلئے تصنع کرنا یا لوگوں سے مدح کی خواہش کرنا، یا مخلوق سے تعریف کروانے کی محبت رکھنا یا اللہ کے قرب کے سوا کوئی اور خیال ذہن میں رکھنا۔

یوں کہنا بھی درست ہے کہ مخلوق کی نگاہوں سے اپنے فعل کو پاک رکھنے کا نام اخلاص ہے۔

یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کا نام اخلاص ہے۔

ایک مستند حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے اور انھوں نے اللہ تعالےٰ کی طرف سے فرمایا کہ اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ جسے میں اس بندے کے دل میں رکھ دیتا ہوں۔ جس سے میں محبت کرتا ہوں۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے اخلاص کے متعلق سوال کیا۔ تو فرمایا:۔ میں نے علی بن سعید[۸۲۱] اور احمد بن[۸۲۲] محمد بن زکریا دونوں سے دریافت کیا کہ اِخلاص کیا ہے؟ تو دونوں نے فرمایا:۔ ہم نے علی بن ابراہیم[۸۲۳] شقیقی سے اخلاص کے متعلق سوال کیا۔ تو اس نے فرمایا:۔ میں نے محمد بن جعفر خصاف سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے؟ تو فرمایا:۔ میں نے احمد بن بشار سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے؟ تو فرمایا: میں نے ابو یعقوب[۸۲۴] شریطی سے اخلاص کی نسبت سوال کیا۔ تو فرمایا:۔ میں نے احمد بن غسان سے اخلاص کے متعلق سوال کیا تو فرمایا:۔ میں نے عبدالواحد بن زید سے اخلاص کی نسبت سوال کیا تو انھوں نے فرمایا:۔ میں نے حسن سے اخلاص کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: میں نے حذیفہ سے اخلاص کے متعلق سوال کیا تو فرمایا:۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اخلاص کیا ہے تو انھوں نے فرمایا:۔ میں نے جبریل سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے تو فرمایا:۔ میں نے ربّ العزت سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے تو فرمایا: سِرٌّ مِنْ اَسْرَارِیْ اِسْتَوْدَعْتُہٗ قَلْبَ مَنْ اَحْبَبْتُہٗ مِنْ عِبَادِیْ۔

یہ میرے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ جسے میں اُس شخص کے دل میں رکھ دیتا ہوں جس سے میں محبت کرتا ہوں۔

مَیں نے استاد ابُو علی دقاق کو فرماتے سُنا کہ اخلاص لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کا نام ہے۔ اور صدق یہ ہے کہ تو اس بات سے پاک رہے کہ تمہارا نفس تمہارے اعمال کو نہ دیکھے۔ لہٰذا جو مخلص ہوگا اس میں ریا نہیں پایا جائے گا اور جو صادق ہوگا اس میں غرور نہ پایا جائے گا۔

ذوالنون فرماتے ہیں:۔ اخلاص صرف صدق اور اخلاص پر مداومت سے مکمل ہوتا ہے۔ اسی طرح صدق بھی اخلاص اور اس پر مداومت کے بغیر کامل نہیں ہوتا۔

ابویعقوب سوسی فرماتے ہیں: جب لوگ اپنے اخلاص میں اخلاص کا مشاہدہ کرتے ہوں تو سمجھو کہ اُن کے اخلاص کو ابھی اخلاص کی ضرورت ہے (یعنی ابھی اس میں ریا ہے)

ذوالنون فرماتے ہیں: تین چیزیں اخلاص کی نشانیاں ہیں۔ (۱) عوام کی مدح یا مذمت بندے کے نزدیک یکساں ہو (۲) اعمال میں اپنے اعمال کو دیکھنا بھول جائے (۳) اور یہ بھی بھول جائے کہ وہ آخرت میں اپنے اعمال کا ثواب چاہتا ہے۔

مَیں نے استاد ابُوعبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا۔ اُنھوں نے ابوعثمان مغربی کو فرماتے سنا کہ جس میں کسی حالت میں بھی حظِ نفس نہ پایا جائے وہ اخلاص ہے۔ یہ عوام کا اخلاص ہے۔ خواص کا اخلاص وہ ہے جو (اللہ کی طرف سے) اُن پر جاری ہو۔ اُن کے اپنے ذریعہ سے نہ ہو۔ اس صورت میں اُن سے جو عبادت ظہور میں آتی ہے اس سے اُن کا کوئی ذاتی تعلق نہیں ہوتا۔ اسی لئے نہ تو اُن کی نگاہ ان اعمال پر پڑتی ہے اور نہ وہ ان اعمال کو کسی شمار میں لاتے ہیں۔ یہ خواص کا اخلاص ہے۔

ابوبکر دقاق فرماتے ہیں:۔ اپنے اخلاص پر نظر رکھنا مخلص کے لئے نقصان دہ ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے اخلاص کو خالص بنانا چاہتا ہے تو اس کے اخلاص سے اپنے اخلاص کے دیکھنے کو نکال دیتا ہے۔ لہٰذا وہ مخلص (بفتح اللام) ہوتا ہے۔ نہ کہ مخلص (بکسر اللام)

سہلؒ فرماتے ہیں:۔ ریا کو مخلص ہی پہچانتا ہے۔ (کہ یہ کیا چیز ہے)

مَیں نے ابوحاتم سجستانی سے سنا۔ اُنھوں نے عبداللہ بن علی سے، اور انھوں نے وجیہی سے

سنا۔ ابوعلی رودباری نے کہا کہ ان سے رویمؒ نے بیان کیا کہ ابوسعید فرماتے تھے۔ عارفوں کی ریا مریدوں کے اخلاص سے افضل ہے۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں :۔ اخلاص وہ عمل ہے جو انسان کو دشمن (یعنی نفس یا شیطان) سے بچائے۔ تاکہ وہ اسے خراب نہ کردے۔

ابوعثمانؒ فرماتے ہیں کہ خالق کی طرف ہمیشہ نگاہ رکھنے کی وجہ سے مخلوق کی رویت کو بھلانے کا نام اخلاص ہے۔

حذیفہؒ مرعشی فرماتے ہیں اخلاص یہ ہے کہ بندے کے ظاہر و باطن اعمال میں یکسانیت ہو کہتے ہیں کہ اخلاص وہ ہے جس سے حق سبحانہ مقصود ہو اور اس سے صدق مطلوب ہو۔ نیز یوں بھی کہا گیا ہے کہ اپنے اعمال کو دیکھنے سے آنکھ کو بند کرلینا اخلاص کہلاتا ہے۔

میں نے محمد بن حسین سے سنا کہ ابوالحسین فارسی نے کہا کہ محمد بن حسین نے بیان کیا کہ علی بن عبدالحمید[۸۴۵] فرماتے تھے کہ میں نے سری کو یوں فرماتے سنا : جو شخص لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو ایسی چیزوں سے آراستہ کرکے دکھائے جو درحقیقت اس میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ وہ شخص اللہ کی نگاہ سے گر جاتا ہے۔ اور میں نے ان سے سنا کہ علی بن بندار صوفی نے ان سے کہا کہ عبداللہ بن محمود نے بیان کیا کہ محمد بن عبدربہ فرماتے تھے کہ میں نے فضیل کو فرماتے سنا : لوگوں کی خاطر عمل ترک کردینا ریا ہے اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں باتوں سے محفوظ رکھے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص بندے اور رب کے درمیان ایک راز ہے جسے نہ تو فرشتہ جان سکتا ہے کہ لکھ لے اور نہ شیطان کہ اسے خراب کرسکے اور نہ خواہشِ نفس کہ اسے اپنی طرف مائل کرسکے۔

رویمؒ فرماتے ہیں :۔ اعمال میں اخلاص یہ ہے کہ عمل کرنے والا اپنے عمل کے عوض دنیا اور آخرت میں کوئی چیز نہ چاہے اور نہ ہی دونوں فرشتوں (دائیں اور بائیں والے فرشتے) سے کوئی حصہ مانگے۔

کسی نے سہلؒ سے دریافت کیا کہ نفس پر کون سی چیز گراں ہے؟ فرمایا :۔ اخلاص۔ کیونکہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

کسی صوفی سے اخلاص کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ تو اپنے عمل پر اللہ کے سوا کسی اور کو گواہ نہ بنائے ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن نماز سے پہلے سہل بن عبداللہ کے پاس گیا۔ تو اُن کے گھر

میں سانپ دیکھا۔ میں نے ایک پاؤں آگے رکھا اور ایک پیچھے۔ تو انھوں نے فرمایا:۔ آندر آجاؤ۔ انسان اُس وقت تک ایمان کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ دنیا کی کسی چیز سے بھی ڈرتا رہے۔ پھر فرمایا:۔ کیا تو جمعہ کی نماز پڑھنا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ ہمارے اور مسجد کے درمیان تو ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے۔ اس پر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ مسجد دکھائی دی۔ ہم نے مسجد میں جاکر نماز پڑھی۔ پھر نکل آئے۔ سہلؒ لوگوں کی طرف دیکھنے کے لئے جب مسجد سے نکل رہے تھے۔ ٹھہر گئے۔ پھر فرمایا:۔ لا الٰہ الّا اللہ کہنے والے تو بہت ہیں۔ مگر مخلص ان میں سے بہت نادر ہیں۔

ہم سے حمزہ بن یوسف الجرجانی نے کہا کہ محمد بن محمد بن عبد الرحیم نے ان سے کہا کہ ابوطالب محمد بن زکریا المقدسی نے کہا کہ ابو قرصافہ محمد بن عبد الوہاب العسقلانی نے کہا کہ زکریا بن نافع نے کہا کہ محمد بن یزید الفراطیسی نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے روایت کی کہ مکحول نے فرمایا جو بندہ چالیس دن تک اخلاص سے عمل کرتا رہے گا۔ اس کے دل سے حکمت کے چشمے نکل کر زبان پر جاری ہو جائیں گے۔

میں نے شیخ عبد الرحمٰن السلمی سے سنا کہ انھوں نے محمد بن عبد اللہ بن شاذان سے سنا۔ انھوں نے عبد الرزاق سے کہ یوسف بن الحسین فرماتے تھے۔ دنیا میں نایاب ترین چیز اخلاص ہے میں نے کئی بار اپنے دل سے ریا کو نکالنے کی کوشش کی مگر پھر وہ کسی اور رنگ میں ظاہر ہو جاتی ہے۔
اور میں نے انہی سے سنا کہ نصر آبادی نے کہا کہ ابوجہم نے کہا کہ ابن ابی الحواری فرماتے تھے میں نے ابو سلیمان کو فرماتے سنا۔ جب بندے میں اخلاص پیدا ہو جاتا ہے تو وسوسوں کی کثرت اور ریا اس سے منقطع ہو جاتی ہے۔

(۸۴۷)

۲۷۔ صدق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔
مسلمانو! اللہ سے ڈرو۔ اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔
ہم سے امام ابوبکر محمد بن فورک رحمہ اللہ نے کہا کہ ان سے عبد اللہ بن جعفر بن احمد الاصبہانی

نے کہا۔ اُن سے ابو بشر یونس بن حبیب نے کہا۔ کہ اُن سے ابو داؤد الطیالسی نے کہا کہ اُن سے شعبہ نے اُن سے منصور[۴۲۸] اور انھوں نے ابو وائل[۴۲۹] سے روایت کی کہ عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

بندہ سچ بولتا اور سچ کا ارادہ کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے اللہ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے اور بندہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ کا ارادہ کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے ہاں اُسے کذّاب لکھا جاتا ہے۔

استاد فرماتے ہیں:۔ سچائی دین کا ستون ہے۔ اسی کے ساتھ دین مکمل ہوتا ہے۔ اور اُسی سے دین کا نظام ہے اور نبوت کے بعد دوسرا درجہ یہی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ (الآیۃ) یہ وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ جن کو اللہ نے انعام سے نوازا ہے مثلاً نبیّین و صدیقین (الآیۃ) اسی صدق سے لفظ صادق مشتق ہوا ہے اور لفظ صدیق اسی سے مبالغہ کا کلمہ ہے۔ یعنی وہ شخص جو بہت سچ بولتا ہو۔ اور جس پر سچ غالب ہو جس طرح لفظ سِکّیر اور خِمّیر وغیرہ۔

صدق کا ادنیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ انسان کا ظاہر اور باطن یکساں ہو۔

صادق وہ ہے جو اپنے اقوال میں سچا ہو اور صدیق وہ ہے جو اپنے تمام اقوال و افعال اور احوال میں سچا ہو۔

احمد بن خضرویہ فرماتے ہیں۔ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ کے ساتھ ہو تو اسے سچ بولنے کو اپنے لئے لازم قرار دینا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی سے سنا۔ کہ منصور بن عبد اللہ نے کہا کہ الفرغانی فرماتے تھے کہ میں نے جنیدؒ سے سنا کہ فرماتے تھے۔ صادق ایک دن میں لاتعداد حالتیں بدلتا ہے۔ (اور افضل سے افضل تر حالت کو جاتا ہے) اور ریاکار ایک ہی حالت پر چالیس سال تک قائم رہتا ہے۔

ابو سلیمانؒ دارانی فرماتے ہیں:۔ صادق اگر اپنے دل کی بات ظاہر بھی کرنا چاہے تب بھی اس کی زبان ظاہر نہ کر سکے گی۔

کہا گیا ہے کہ اِن مواقع پر حق بات کہنا، جہاں حق بات کہنے سے موت نظر آتی ہو، صدق کہلاتا ہے

نیز کہا گیا ہے، دل اور زبان میں موافقت پائے جانے کا نام صدق ہے۔

قنادؒ فرماتے ہیں:۔ حرام کو منہ تک لے جانے سے روکنا صدق ہے۔ میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ وہ فرماتے تھے میں نے ابوالعباس البغدادی سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے جعفر بن نصیر سے سنا، کہا میں نے الجریری سے سنا، کہا میں نے سہل بن عبداللہ سے سنا، وہ فرماتے تھے۔ جو شخص اپنے نفس یا کسی اور کے ساتھ دھوکہ بازی کرتا ہے۔ وہ صدق کی بُو بھی نہیں سونگھ سکتا۔

ابوسعید قرشی فرماتے ہیں کہ صادق وہ ہے جس کے لئے موت تیار ہو مگر پھر بھی اسے اپنے راز کے کھُل جانے کی شرم قطعاً محسوس نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۔ (اگر سچے ہو تو موت کی تمنا کرو)

عبداللہ بن منازل کی وفات کیسے ہوئی

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ ایک روز ابوعلی ثقفی وعظ فرما رہے تھے۔ ان سے (ابومحمدؒ) عبداللہ بن منازل نے کہا۔ اے ابوعلی! موت کی تیاری کر لو۔ کیونکہ اس سے چھٹکارا نہیں۔ ابوعلی ثقفی نے کہا:۔ اے عبداللہ بن منازل تو موت کی تیاری کر لے۔ کیونکہ اس سے چھٹکارا نہیں۔ یہ الفاظ سُن کر عبداللہ نے اپنے بازو کو تکیہ بنایا۔ اور اس پر اپنا سر رکھ کر فرمایا۔ لو میں مرا (اور مر گئے) یہ حال دیکھ کر ابوعلی کٹ گئے۔ کیونکہ ان میں عبداللہ کا مقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی۔ اس لئے کہ اُن کا اسباب دنیا سے دل لگا ہوا تھا۔ اور عبداللہ حالتِ تجرید میں تھے۔ اور اُن کا دل (اسباب دنیا سے) لگا ہُوا نہ تھا۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن کو فرماتے سنا:۔ کہ ایک بار ابوالعباس دینوری وعظ فرما رہے تھے۔ کہ ایک بڑھیا مجلس میں چیخ اُٹھی۔ آپ نے فرمایا:۔ تو مر سے۔ یہ سُن کر بڑھیا اُٹھی، اس نے چند قدم اُٹھائے۔ پھر اُن کی طرف متوجہ ہو کر کہا:۔ "میں تو مر گئی" اور گری تو مری ہوئی پڑی تھی۔

واسطیؒ فرماتے ہیں:۔ قصد کے ہوتے ہوئے۔ صحیح توحید صدق ہے۔

کہتے ہیں کہ عبدالواحد بن زید نے اپنے مریدوں میں سے ایک نوعمر کو دیکھا کہ اس کا بدن دُبلا

ہو رہا تھا۔ انھوں نے اس سے کہا۔ اے بچے! کیا تو ہمیشہ روزہ دار ہوتا ہے۔ اس نے جواب دیا:۔ میں ہمیشہ بے روزہ رہتا ہوں۔ انھوں نے پھر پوچھا:۔ پھر تو لاغر کیوں ہو گیا ہے؟ اس نے جواب دیا: عشق دائمی اور پھر اس کا دائمی چھپائے رکھنا، یہ سُن کر عبدالواحد نے کہا۔ خاموش ہو جاؤ۔ تو کس قدر گستاخ ہے۔ یہ سُن کر بچہ اٹھا اور اس نے دو قدم اٹھائے اور کہا۔ خدایا! اگر میں سچا ہوں تو مجھے لے لے، اور گرتے ہی مر گیا۔

ابو عمر زجاجی سے حکایت کی گئی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ فوت ہو گئیں۔ ان سے وراثت میں مجھے ایک مکان ملا جسے میں نے پچاس دینار میں بیچ ڈالا اور میں حج کیلئے نکل پڑا۔ جب بابل پہنچا تو مجھے ایک راہ دکھانے والا ملا اور اس نے مجھے کہا تمہارے پاس کیا ہے۔ میں نے دل میں کہا سچ بولنا بہتر ہے۔ لہٰذا میں نے اسے کہا کہ میرے پاس پچاس دینار ہیں۔ اس نے کہا لاؤ مجھے دو میں نے اسے تھیلی دیدی۔ اس نے جب انھیں گنا تو ٹھیک پچاس دینار تھے۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا:۔ یہ واپس لے لو۔ تمہارے سچ بولنے نے مجھے لے لیا ہے۔ وہ پھر اپنے جانور سے اترا اور مجھے اس پر سوار ہونے کو کہا۔ میں نے کہا۔ میں سوار ہونا نہیں چاہتا۔ اس نے کہا یہ نہ ہو سکے گا۔ جب اس نے اصرار کیا۔ تو میں سوار ہو گیا۔ اور اس نے کہا کہ میں تمہارے پیچھے پیچھے آتا ہوں۔ دوسرے سال وہ میرے پاس آیا اور مرتے دم تک میرے ساتھ رہا۔ میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے کہا۔ کہ جعفر خواص نے کہا۔ ابراہیم خواص فرماتے تھے صادق کو تو جب بھی دیکھے گا تو اسے یا فرض ادا کرتا ہوا پائے گا۔ یا کسی مستحب کام میں اپنے رب کے لئے مشغول پائے گا

میں نے انہی سے سُنا کہ ابوالحسین[۸۵۳] بن مقسم نے کہا جعفر خواص فرماتے تھے۔ میں نے جنید کو سنا، فرماتے تھے کہ صدق کی حقیقت یہ ہے کہ تو ان مواقع پر بھی سچ بولے۔ جن میں جھوٹ کے بغیر تمہاری نجات نہیں ہو سکتی۔

کہا جاتا ہے کہ صادق آدمی میں یہ تین باتیں ضرور پائی جاتی ہیں: حلاوتؔ۔ ہیبتؔ اور رونق۔
کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اسے داؤد! جو شخص اپنے دل میں مجھ سے سچ کہے گا میں اسے علانیہ طور پر مخلوق کے سامنے سچا کر دکھاؤں گا۔

کہتے ہیں۔ کہ ابراہیم بن دُوحہ[۸۵۴] کے ساتھ ابراہیم[۸۵۵] بن ستبنہ جنگل کو نکلے۔ ابراہیم بن ستبنہ نے کہا۔

تمہارے پاس دنیاوی علائق کی جو چیزیں ہیں ۔ پھینک دو ۔ ابراہیم بن دوحہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دینار کے علاوہ سب کچھ پھینک دیا ۔ انھوں نے پھر کہا ۔ اے ابراہیم! میرے دل کو ان چیزوں کے ساتھ مشغول نہ کرو ۔ دنیاوی تعلق کی جو چیزیں ہیں ۔ انھیں پھینک دو ۔ اس پر میں نے وہ دینار بھی پھینک دیا ۔ انھوں نے پھر کہا :۔ اے ابراہیم! علائق دنیا کی جو چیز بھی تمہارے پاس ہے ۔ اسے پھینک دو ۔ مجھے یاد آگیا کہ میرے پاس جوتے کے لئے کچھ تسمے ہیں ۔ چنانچہ میں نے انھیں بھی پھینک دیا ۔ راستہ میں جب بھی مجھے جوتے کے لئے تسمے کی ضرورت پڑتی مجھے مل جاتا ۔ اس پر ابراہیم بن ستنبہ نے فرمایا :۔ جو شخص صدق دل سے اللہ کے ساتھ معاملہ کرتا ہے ۔ اس کا یہی حال ہوتا ہے ۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں :۔ صدق اللہ کی تلوار ہے ۔ جس پر بھی رکھی جاتی ہے ۔ اُسے کاٹ دیتی ہے ۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں ۔ صدیقوں کی خیانت کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے ۔ جب وہ اپنے نفس سے باتیں کرنے لگتے ہیں ۔ داور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ میں کوتاہی کرنے لگتے ہیں ۔

فتحؒ موصلی سے صدق کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے لوہار کی بھٹی میں ہاتھ ڈال کر تپتا ہوا لوہا نکالا ۔ اور اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اور فرمایا :۔ یہ صدق ہے

یوسف بن اسباط فرماتے ہیں :۔ اگر میں ایک رات بھی صدق کے ساتھ اللہ سے معاملہ کر لوں تو یہ مجھے اللہ کی راہ میں جنگ کرنے سے بھی زیادہ محبوب ہے ۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ صدق یہ ہے کہ تو درحقیقت اسی طرح ہو جس طرح تو اپنے نفس کو دیکھتا ہے ۔ یا تو اپنے نفس کو اسی طرح دیکھے جس طرح تو حقیقت ہے ۔

حارث محاسبی سے پوچھا گیا کہ صدق کی کیا علامت ہے ؟ تو فرمایا :۔ صادق وہ شخص ہے جو اپنے دل کی اصلاح کی خاطر اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اس کی تمام قدر و منزلت جو مخلوق کے دل میں تھی نکل گئی ہے اور نہ یہ پسند کرے کہ لوگ اس کی ذرہ بھر نیکی پر بھی مطلع ہو جائیں اور نہ اس بات کو ناپسند کرے کہ لوگ اس کی برائی سے واقف ہو جائیں ۔ کیونکہ یہ ناپسند کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگوں سے اور قدر و منزلت چاہتا ہے ۔ اور یہ صدیقوں کا خلق نہیں ہے ۔

ایک صوفی نے کہا کہ جو شخص دائمی فرض ادا نہیں کرتا اس کا وقتی فرض قبول نہ ہوگا ۔ ان سے سوال کیا گیا کہ دائمی فرض کیا ہے ؟ جواب دیا :۔ صدق ۔

کہا جاتا ہے کہ جب تو اللہ تعالےٰ سے صدق کے ساتھ مانگتا ہے۔ تو وہ تجھے ایک ایسا آئینہ عطا کرے گا۔ جس میں تو دنیا اور آخرت کی ہر عجیب چیز کو دیکھ لے گا۔

کہا جاتا ہے کہ جہاں تجھے اس بات کا ڈر ہو کہ سچائی تجھے نقصان دے گی۔ وہاں بھی سچائی نہ چھوڑ۔ کیونکہ اس سے تجھے فائدہ حاصل ہوگا اور جھوٹ کو چھوڑ دے۔ جہاں تجھے یہ خیال ہو کہ یہ تجھے سود مند ہوگا۔ کیونکہ درحقیقت یہ تجھے نقصان پہنچائے گا۔

کہا جاتا ہے کہ ہر چیز ایک چیز ہے۔ مگر کذاب کی دوستی کوئی چیز نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جھوٹے آدمی کی علامت یہ ہے کہ وہ بغیر اس کے کہ اسے قسم کھانے کو کہا جائے۔ قسمیں کھائے۔

ابن سیرین فرماتے ہیں:۔ کلام اس قدر وسیع ہے کہ ظریف کے لئے جھوٹ بولنے کا موقعہ ہی نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ سچ بولنے والا سوداگر مفلس نہیں ہوتا۔

۲۸۔ حیاء

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی (کیا اُسے معلوم نہیں کہ تحقیق اللہ دیکھ رہا ہے)

ابوبکر محمد بن احمد بن عبدوس الحیری المزکی نے کہا کہ اُن سے ابوسہل احمد بن محمد بن زیاد النحوی نے اُن سے، ابراہیم[۸۵۸] بن محمد بن الہیثم نے اُن سے، موسیٰ بن حیان[۸۵۹] نے کہا کہ اُن سے المقدمی[۸۶۰] نے اور انھوں نے عبد اللہ[۸۶۱] بن عمر سے، اور انھوں نے نافع[۸۶۲] سے اور انھوں نے ابن عمر سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ (حیاء ایمان کا جزو ہے)

ابوسعید محمد بن ابراہیم الاسماعیلی نے ہم سے بیان کیا کہ ابوعثمان، عمر بن عبد اللہ البصری نے، ان سے ابو احمد محمد بن عبدالوہاب نے ان سے یعلی بن عبید نے، اُن سے ابان بن اسحٰق نے ان سے الصباح[۸۶۳] بن محمد نے، اُن سے مرۃ الہمدانی[۸۶۴] نے، ابن مسعود سے روایت کی کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ سے اس قدر حیا کرو جو حیا کرنے کا حق ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم حیا کرتے ہیں، الحمد للہ

آپ نے فرمایا: یہ حیا نہیں ہے۔ لیکن جو اللہ سے جیسا کہ حیا کرنے کا حق ہے۔ حیا کرنا چاہیے اسے اپنے اور سر کے اندر کی چیزوں، کان، آنکھ۔ زبان کو محفوظ رکھنا چاہیئے۔ پیٹ اور پیٹ میں جو چیزیں شامل ہیں (فرج وغیرہ) کو محفوظ رکھنا چاہیئے۔ موت اور بوسیدگی کو یاد رکھنا چاہیئے۔ اور جو شخص آخرت چاہتا ہے وہ دنیا کی زینت چھوڑ دیتا ہے۔ جس نے ایسا کیا اس نے اللہ سے حیا کیا۔ جیسا کہ حیا کرنے کا حق ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہ ابوالنصر الوزیری[۸۶۸] نے بیان کیا کہ محمد بن عبداللہ بن[۸۶۹] محمد نے کہا۔ کہ الغلابی[۸۷۰] نے کہا کہ محمد بن[۸۷۱] مخلد نے اپنے باپ سے روایت کی کہ ایک حکیم کا قول ہے۔ کہ تم ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر حیا کو زندہ رکھا کرو۔ جن سے انسان کو حیا آئے۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ ابوبکر الرازی فرماتے تھے کہ میں نے ابن عطا کو فرماتے سنا ہیبت اور حیا سب سے بڑا علم ہے جب ہیبت اور حیا جاتی رہے تو پھر کوئی بھلائی باقی نہیں رہتی۔

اور میں نے ان سے سنا کہ ابوالفرج الورثانی نے کہا۔ محمد بن احمد بن یعقوب نے بیان کیا کہ محمد بن عبدالملک[۸۷۲] فرماتے تھے کہ میں نے ذوالنون مصری سے سنا۔ فرماتے تھے کہ دل میں ہیبت کا پایا جانا اور اس کے ساتھ ان بداعمالیوں کی وجہ سے جو اللہ کی جانب سے تجھ سے سرزد ہو چکی ہیں۔ خوف کھانا حیا ہے۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں محبت گویا بناتی ہے۔ حیا خاموش کرتی ہے اور خوف بے چین کرتا ہے۔

ابوعثمانؒ فرماتے ہیں جو شخص حیا پر گفتگو کرے اور اسے اس بات سے شرم نہ آئے کہ کس بات پر گفتگو کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ شخص استدراج کی حالت میں ہے۔

میں نے ابوبکر اشکیب کو فرماتے سنا کہ حسن بن حداد، عبداللہ بن منازل کے پاس آئے۔ انھوں نے پوچھا۔ کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ ابوالقاسم مذکر کی مجلس سے۔ پھر پوچھا: کیا وعظ فرما رہے تھے؟ جواب دیا: حیا کے متعلق یہ سن کر عبداللہ نے کہا: تعجب کی بات ہے کہ جو شخص اللہ سے شرم نہیں کرتا وہ حیا کے متعلق وعظ کیوں کر کہتا ہے؟

میں نے محمد بن الحسین سے سنا، انھوں نے کہا کہ العباس البغدادی نے کہا کہ احمد بن صالح نے کہا کہ محمد بن عبدون نے کہا کہ ابو العباس المؤدب فرماتے تھے کہ سری نے فرمایا۔ حیا اور انس دل کے دروازہ پر دستک دیتے ہیں۔ اگر اس میں زہد و ورع پائے جاتے ہوں تو ڈیرہ ڈال دیتے ہیں۔ ورنہ کوچ کر جاتے ہیں۔

اور میں نے اُن سے سنا کہ محمد بن عبد اللہ بن شاذان فرماتے تھے کہ میں نے جریری کو یہ فرماتے سنا کہ قرن اول کا آپس میں معاملہ دین کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ دین کا معاملہ کمزور ہو گیا۔ پھر قرنِ ثانی کا معاملہ وفاء کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ وفا جاتی رہی۔ پھر قرن ثالث کا معاملہ مروت کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ مروت بھی جاتی رہی۔ پھر قرن چہارم کا معاملہ حیاء کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ حیا بھی جاتی رہی۔ پھر لوگ لالچ اور ڈر کے ساتھ معاملہ کرتے رہے۔

"برہان ربہٖ" کی تشریح

اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ میں بُرہان کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ گھر کے ایک کونہ میں بُت تھا۔ جس پر زلیخا نے کپڑا ڈال دیا تھا۔ یہ دیکھ کر یوسف علیہ السلام نے کہا کہ تُو یہ کیا کر رہی ہے؟ زلیخا نے جواب دیا کہ مجھے اس سے حیا آتی ہے۔ اس پر یوسف علیہ السلام نے کہا کہ میں تم سے بڑھ کر اللہ سے حیا کرنے کا حقدار ہوں۔

"تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْيَاءٍ" کی تشریح

اللہ تعالیٰ کا فرمان فَجَاءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْيَاءٍ کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ شعیب علیہ السلام کی بیٹی اس لئے شرمائی کہ وہ انھیں ضیافت کی دعوت دینے کو آئی تھی۔ اسے شرم آئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نہ مانیں۔ میزبان کا خاصہ ہے کہ وہ شرمائے اور یہ ان کی طرف سے حیاء کرم تھا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبد اللہ بن الحسین نے ان سے ابو محمد البلاذری نے اُن سے ابو عبد اللہ العمری نے، اُن سے احمد بن ابی الحواری نے فرمایا کہ میں نے ابو سلیمان دارانی سے سنا، فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے بندے! جب تک تو مجھ سے حیا کرتا رہے گا۔ میں تمہارے عیوب لوگوں کے (دلوں سے) بھلا دوں گا اور زمین کے حصوں سے تمہارے گناہ بھلا دوں گا اور ام الکتاب (لوح محفوظ) سے تمہاری لغزشیں مٹا دوں گا۔ اور قیامت

کے دن حساب کرنے میں تم سے سختی نہ کروں گا۔
کہتے ہیں کہ ایک شخص کو مسجد کے باہر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا۔ کسی نے اس سے کہا کہ مسجد کے اندر جاکر کیوں نہیں نماز پڑھتا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ باوجود اس کے کہ میں نے اس کی نافرمانی کی ہے میں اس کے گھر میں داخل ہوؤں۔
کہتے ہیں کہ حیاء کرنے والے کی نشانی یہ ہے کہ اُسے ایسی حالت میں نہ دیکھا جائے جس سے شرم آئے۔
ایک صوفی کہتے ہیں کہ ایک رات ہم نکلے اور ایک جنگل سے گذرے۔ دیکھا کہ ایک شخص سویا پڑا ہے اور اس کے سر کے پاس گھوڑا چر رہا ہے۔ ہم نے اسے جگایا اور کہا کہ تجھے ایسی خطرناک جگہ پر سونے سے ڈر نہیں لگتا۔ یہ مقام تو درندوں کا ہے؟ اس نے سر اُٹھایا اور کہا مجھے تو اس بات سے شرم آتی ہے کہ میں اس کے سوا کسی اور سے ڈروں اور پھر سر رکھ کر سو گیا۔
اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ پہلے اپنے نفس کو نصیحت کرو۔ اگر یہ قبول کر لے، پھر لوگوں کو نصیحت کرو۔ ورنہ مجھ سے شرم کرو۔ کہ تم لوگوں کو نصیحت کرتے ہو (اور خود عمل نہیں کرتے)
کہتے ہیں کہ حیاء کی کئی قسمیں ہیں (۱) قصور کی حیاء۔ جیسے آدم علیہ السلام کو جب انھیں کہا گیا کہ ہم سے بھاگ رہے ہو؟ تو انھوں نے عرض کیا۔ نہیں۔ بلکہ تم سے حیاء کر رہا ہوں (۲) کوتاہی کی حیاء جیسے ملائکہ کا یہ کہنا۔ سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ (تو پاک ہے اے خدا! ہم نے جو عبادت کا حق ہے وہ ادا نہیں کیا۔) (۳) تعظیم کی حیاء۔ جیسے اسرافیل، کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتے ہوئے اپنے پر کو اپنے اُوپر اوڑھ لیا۔ (۴) حیاء کرم۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے شرم کے مارے یہ نہ کہہ سکتے تھے کہ اب چلے جاؤ۔ جس پر اللہ تعالیٰ کو یہ حکم دینا پڑا۔ وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ (باتوں میں مگن نہ ہو جایا کرو، (۵) احترام کی حیاء جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ۔ انھوں نے مقداد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، تاکہ وہ آنحضرت سے مذی کے متعلق دریافت کریں کہ اس کا کیا حکم ہے (یعنی مقداد کو بھیجا۔ اور خود نہ پوچھا) کیونکہ آپ کے گھر میں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی) فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں (۶) حیاء استحقار۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا حال کہ انھوں نے عرض کیا کہ مجھے دنیا کی کوئی حاجت پیش آتی ہے تو خدایا مجھے شرم آتی ہے کہ میں تجھ سے (دنیا کی حاجت چاہوں) اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مانگ خواہ آٹے کا نمک

ہی کیوں نہ ہو۔ یا تمہاری بکری کا چارہ ہی کیوں نہ ہو (۷) حیاء انعام، اور یہ اللہ تعالےٰ کی حیاء ہے۔ قیامت کے دن جب بندہ صراط کو عبور کر چکے گا۔ تو اُسے سربمہر نامہ دیا جائے گا۔ اس میں لکھا ہو گا۔ کہ تو نے ایسا ایسا کیا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس کا اظہار تجھ سے کروں۔ جا میں نے تجھے معاف کر دیا۔

حیاء انعام کے سلسلہ میں میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ یحییٰ بن معاذ نے فرمایا پاک ہے وہ خدا کہ گناہ تو بندہ کرے اور وہ اس سے شرم کرے۔

میں نے محمد بن الحسین سے، انھوں نے عبداللہ بن احمد جعفر سے، انھوں نے زنجویہ اللباد(۸۸۱) سے انھوں نے علی بن الحسینؒ(۸۸۲) الہلالی سے، انھوں نے ابراہیمؒ(۸۸۳) بن الاشعث سے فرماتے تھے۔ میں نے فضیل بن عیاض کو فرماتے سنا۔ کہ پانچ چیزیں بدبختی کی علامت ہیں (۱) سنگ دلی (۲) آنکھوں کا آنسو نہ بہانا (۳) بے حیائی (۴) دنیا کی رغبت اور (۵) لمبی آرزوئیں کرنا۔

اللہ کی کسی الہامی کتاب میں ہے: مجھ سے میرے بندے نے انصاف نہیں کیا۔ کیونکہ وہ مجھے پکارتا ہے۔ تو مجھے اُسے رد کرنے سے شرم آتی ہے۔ مگر وہ میری نافرمانی کرتا ہے۔ اور پھر مجھ سے شرم نہیں کرتا۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں جس نے اطاعت گذاری کرتے ہوئے بھی اللہ سے حیاء کیا جب وہ گناہ کرتا ہو گا تو اللہ تعالےٰ بھی اس سے شرم کرے گا۔

اُستاد فرماتے ہیں کہ یاد رکھو کہ حیاء پگھلانے کا سبب بنتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حیاء یہ ہے کہ آقا کو اطلاع ہونے پر انتڑیاں پگھل جائیں۔

نیز کہا جاتا ہے کہ حیاء یہ ہے کہ اللہ کی تعظیم کے لئے دل سکڑ جائے۔

نیز کہا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص لوگوں کو وعظ کرنے کے لئے بیٹھتا ہے تو اس کے دونوں فرشتے اُسے پکار کر کہتے ہیں:۔ جو نصیحت تو اپنے بھائی کو کر رہا ہے۔ پہلے اپنے آپ کو کر ورنہ اپنے آقا سے شرم کر، کیونکہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

جنیدؒ سے حیاء کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا (ایک طرف) اللہ کی نعمتوں کو دیکھنا۔ اور (دوسری طرف) اپنی کوتاہی کو دیکھنا۔ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان جو حالت پیدا ہو گی وہی حیاء ہے۔

واسطیؒ فرماتے ہیں: جس کسی نے اللہ کی کسی حد کو توڑا۔ یا اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑا اس نے حیاء کا مزہ نہیں چکھا۔

نیز واسطیؒ فرماتے ہیں کہ حیاء کرنے والے سے ایک قسم کا پسینہ بہتا ہے اور یہ پسینہ وہ بیکار چیزیں ہیں جو اس کے اندر پائی جاتی ہیں اور جب تک ان میں سے کچھ بھی نفس کے اندر رہ جاتا ہے۔ وہ شخص کامل حیاء نہیں کرسکتا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سُنا: اللہ تعالیٰ کے سامنے دعوی کرنا حیاء کو ترک کر دیتا ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا، انھوں نے کہا کہ محمد بن عبد اللہ الصوفی نے کہا۔ کہ ابو العباس بن الولید الزوزنی نے کہا کہ محمد بن احمدؒ الجوزجانی فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابوبکر وراق کو فرماتے سنا، کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں مگر ختم کرتا ہوں تو حیاء کے سبب میری یہ کیفیت ہوتی ہے گویا میں نے (نماز نہیں پڑھی بلکہ) چوری کی ہے۔

۲۹۔ حرّیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَیُؤثِرُونَ عَلیٰٓ اَنْفُسِہِمْ وَ لَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ۔ یہ لوگ دوسروں کو اپنے اُوپر ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ انھیں خود اس کی حاجت ہی کیوں نہ ہو۔

استاد فرماتے ہیں کہ یہ اپنی ذات پر انھیں ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ اُن چیزوں سے علیحدگی اختیار کر چکے ہیں۔ جن سے یہ خود نکل آئے اور انھوں نے اوروں کو ان پر ترجیح دی۔

علی ابن احمد الاہوازی نے کہا ان سے احمد بن عبید البصری نے ان سے ابن ابی قماش نے ان سے محمد بن[884] صالح بن النطاح نے کہا، ان سے نعیم بن[885] مورع بن توبہ نے، اسمٰعیل[886] المکی سے ان سے عمرو بن دینار[887] نے، ان سے طاؤس[888] نے، اُن سے ابن عباس نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

تمہارے لئے تو صرف اسی قدر کافی ہے جس سے تمہارا نفس قناعت کرے۔ کیونکہ تم صرف چار ہاتھ اور ایک بالشت زمین میں جاؤ گے۔ اس لئے کہ فیصلہ تو انجام پر ٹھہرتا ہے۔

استاد فرماتے ہیں:۔ حرّیت یہ ہے کہ بندہ نہ مخلوق کی غلامی میں رہے اور نہ ہی دنیا کی

چیزوں کا اس پر تسلط ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے دل میں چیزوں کا امتیاز نہ رہے چنانچہ اعراضِ دنیا کی قدر و منزلت اس کے نزدیک ایک جیسی ہو۔

حارثہؓ (۸۹) نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا نفس دنیا سے اعراض کر چکا ہے۔ چنانچہ اَب پتھر اور سونا میرے نزدیک برابر ہے۔

مَیں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا۔ جو دنیا میں ایسی حالت میں داخل ہو کہ وہ دنیا سے آزاد ہے۔ وہ جب کوچ کر کے دنیا سے جائے گا تو اس سے بھی آزاد ہو گا۔

مَیں نے محمد بن الحسین سے انہوں نے ابو محمد المراعی (۹۰) سے سنا کہ اُن سے الدقی نے روایت کی کہ الدقاق فرمایا کرتے تھے کہ جو دنیا میں دنیا سے آزاد ہو گا وہ آخرت میں بھی آزاد ہو گا۔

استادؒ فرماتے ہیں:۔ یاد رکھو کہ حقیقی آزادی کامل عبودیت میں پائی جاتی ہے۔ لہٰذا جب کسی کی عبودیت خالصۃً للہ ہو تو اس کی حریت غیر اللہ کی غلامی سے نجات پا جائے گی۔

مگر جس شخص کا یہ خیال ہو کہ بندہ کے لئے بعض اوقات (۹۱) عبودیت کا پٹہ اتار دینے کی اجازت ہے۔ نیز یہ کہ وہ تھوڑے عرصہ کے لئے اللہ کے اوامر و نواہی سے بے تعلق ہو سکتا ہے۔ اور یہ کہ وہ اس دارِ تکلیف (دنیا) میں ایک ممتاز ہستی ہے۔ اس زعم کے ساتھ کہ وہ ربوبیت میں مشغول ہے تو جان لو کہ یہ دین سے نکلنے کے برابر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (مرتے دم تک اللہ کی عبادت کرتے رہیں) یقین کے معنی موت کے ہیں۔ اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔ اور یہ کہ جس حریت کی طرف صوفیاء نے اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے دل میں مخلوقات کی کسی چیز کی غلامی میں نہ پڑے خواہ وہ دنیا کی چیز ہو یا آخرت کی۔ تاکہ وہ خدائے یکتا کے لئے فردِ واحد ہو جائے نہ تو موجودہ دنیا اسے غلام بنا سکے نہ کوئی موجودہ خواہش، نہ آئندہ کی کوئی آرزو، نہ سوال، نہ حاجت اور نہ حظِ نفس۔

شبلیؒ سے کسی نے کہا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ رحمٰن ہے؟ فرمایا۔ کیوں نہیں۔ مگر جب سے مَیں نے اس کی رحمت کو پہچانا ہے، مَیں نے اس سے رحم کرنے کی درخواست ہی نہیں کی۔ (تاکہ مجھ پر غیر اللہ کی آرزو ہی نہ رہے) اور حریت کا مقام کمیاب ہے۔

میں نے شیخ ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ ابو عباس سیاری فرمایا کرتے تھے کہ اگر قرآن کے بغیر نماز درست ہو سکتی تو اس شعر سے ہوتی۔

اَتَمَنّٰی عَلَی الزَّمَانِ مُحَالاً اَنْ تَرٰی مُقْلَتَایَ طَلْعَۃَ حُرٍّ

میں زمانہ سے محال بات کی تمنا کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو دیکھوں جو غیر اللہ کی غلامی سے آزاد ہو۔

اب رہے حرّیت کے بارے میں صوفیاء کے اقوال تو حسین بن منصورؒ فرماتے ہیں جو شخص حرّیت کا ارادہ رکھتا ہے اسے لگاتار عبودیت میں لگا رہنا چاہیئے۔

جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس کا ( ) اسے صرف اتنا تعلق باقی رہ گیا ہو جتنا کہ کھجور کی گٹھلی کا چوسنا تو فرمایا۔ مکاتب غلام کے ذمہ جب ایک درہم بھی باقی ہو۔ وہ غلام ہے (لہٰذا یہ شخص بھی ابھی تک دنیاوی اشیاء کا غلام ہے۔)

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے ابو بکر الرازی سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ ابو عمر الانماطی فرماتے تھے کہ میں نے جنید سے سنا۔ فرماتے تھے۔ جب تک تم میں حقیقت عبودیت میں سے ذرہ بھر فرق باقی رہ گیا ہو تب تک تو خالص آزاد نہیں ہو سکتا۔

بشر حافی فرماتے ہیں جو شخص حرّیت کا ذائقہ چکھنا چاہے۔ اور (غیر اللہ کی) غلامی سے آرام پانا چاہے۔ اسے اپنے اور اللہ کے درمیان اپنا باطن پاک کر لینا چاہیئے (کہ کہیں درمیان میں غیر اللہ تو نہیں)

حسین بن منصورؒ فرماتے ہیں۔ جب بندہ عبودیت کے تمام مقامات طے کر لیتا ہے تو وہ عبودیت کی تکان سے آزاد ہو جاتا ہے اور بلا تکلیف کے وہ عبودیت کی صفت سے موسوم رہتا ہے اور یہ مقام انبیاءؑ و صدیقین کا مقام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ (حامل نہیں رہتا بلکہ) محمول ہو جاتا ہے۔ اس کے دل پر کوئی بار نہیں ہوتا۔ اگرچہ شرعی طور پر اس کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔

شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی نے مجھے یہ شعر سنایا اور کہا کہ مجھے یہ شعر ابوبکر رازی نے سنایا اور کہا منصور فقیہہ نے اپنا یہ شعر مجھے سنایا۔

مَا بَقِیَ فِی الْاِنْسِ حُرٌّ لَا وَلَا فِی الْجِنِّ حُرٌّ
قَدْ مَضٰی حُرُّ الْفَرِیْقَیْنِ فَحُلْوُ الْعَیْشِ مُرٌّ

نہ انسانوں میں کوئی آزاد باقی ہے نہ جنوں میں۔ دونوں گروہوں کے لوگ چل بسے۔ لہذا اب میٹھی زندگی کڑوی معلوم ہوتی ہے۔

یاد رکھیں! کہ حریت کے بیشتر اوصاف فقراء کی خدمت کرنے میں پائے جاتے ہیں۔

میں نے شیخ ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ جب تو ایسا شخص دیکھے جو میرا طالب ہو تو اس کا خادم بن جا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "سیّد القوم خادمھم" قوم کا سردار وہ ہوتا ہے جو ان کا خادم ہو۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ محمد بن ابراہیم بن الفضل نے کہا کہ محمد بن الرومی فرماتے تھے کہ میں نے یحییٰ بن معاذ کو یہ فرماتے سنا کہ دنیا کے لوگوں کی خدمت کرنے والے لونڈیاں اور غلام ہوتے ہیں مگر آخرت کے لوگوں کی خدمت کرنے والے آزاد اور نیک لوگ ہوتے ہیں۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ بن عثمان بن یحییٰ نے کہا کہ علی بن محمد المصری نے کہا کہ یوسف بن موسیٰ[۸۹۳] نے کہا کہ ابن خبیق نے کہا کہ محمد بن عبداللہ فرماتے تھے کہ میں نے ابراہیم بن ادہم کو فرماتے سنا کہ آزاد شریف انسان دنیا سے نکلنے سے پہلے دنیا سے نکل چکا ہوتا ہے۔

نیز ابراہیم بن ادہم نے فرمایا: آزاد اور شریف انسان جو بات سنے مگر کلام نہ کرے۔ اس کی صحبت کے سوا کسی کی صحبت میں نہ بیٹھ۔

۳۰۔ ذکر[۸۹۴]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔ مسلمانو! اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔

ابوالحسین علی بن محمد بن عبداللہ بن بشران نے بغداد میں کہا کہ ابوعلی الحسین بن صفوان البردعی[۸۹۵] نے ان سے کہا کہ ابومحمد[۸۹۶] عبداللہ بن ابی الدنیا نے ان سے، ہرون بن معروف[۸۹۷] نے کہا۔ ان سے انس بن

عیاض[۸۹۸] نے اُن سے عبداللہ بن سعید[۸۹۹] بن ابی ہند نے زیاد[۹۰۰] بن ابی زیاد سے روایت کی کہ ابی البحریہ[۹۰۱] نے بیان کیا کہ ابوالدرداء[۹۰۲] فرماتے تھے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا مَیں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ تمہارے کون سے اعمال اللہ کے نزدیک بہترین زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجات کو زیادہ بلند کرنے والے ہیں اور سونا اور چاندی خیرات کرنے سے بھی اعلیٰ و افضل ہیں۔ نیز اس سے بھی افضل کہ تم دشمن سے جہاد میں ملو، تم ان کی گردنیں اڑاؤ اور وہ تمہاری گردنیں اڑائیں۔؟ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ وہ کونسا عمل ہے؟ فرمایا: اللہ کا ذکر۔

ابونعیم عبدالملک بن الحسین نے بیان کیا کہ یعقوب[۹۰۳] بن اسحاق بن ابراہیم نے کہا کہ الدبری[۹۰۴] نے عبدالرزاق[۹۰۵] سے روایت کی کہ انہوں نے معمر سے۔ انہوں نے الزہری سے کہا کہ انہوں نے ثابت[۹۰۶] سے، اور انہوں نے انسؓ سے روایت کی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ اللہ کہنے والے کسی شخص پر قیامت نہ آئے گی۔ (یعنی قیامت جب آئے گی تو دنیا میں کوئی بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ ہوگا۔)

علی بن احمد بن عبدان نے ہم سے بیان کیا کہ اُن سے احمد بن عبید نے اور اُن سے معاذ[۹۰۷] نے بیان کیا کہ میرے باپ نے مجھے بتایا کہ حُمید[۹۰۸] نے کہا کہ اُن سے انس بن مالکؓ نے روایت کی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اُس وقت برپا ہوگی۔ جب دنیا میں اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ رہے گا۔

استادؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذکر ایک قوی رُکن ہے بلکہ اس پر سارا دارو مدار ہے اور ذکر دوام کے بغیر کوئی شخص اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

ذکر دو قسم پر منقسم ہے۔ زبان کا ذکر اور دل کا ذکر، زبان کے ذکر کے ذریعہ سے ہی انسان دل کے ذکر کو دائم رکھ سکتا ہے۔ مگر تاثیر دل کے ذکر کی ہے۔ لہٰذا جو بندہ زبان اور دل دونوں سے ذکر کرتا ہو وہ سلوک کی حالت میں اپنے وصف میں کامل ہے۔

مَیں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ ذکر ولایت کا پروانہ ہے لہٰذا جسے ذکر کرنے کی توفیق مل جائے اسے پروانہ مل گیا اور جس سے ذکر چھن گیا وہ معزول ہوگیا۔

کہتے ہیں کہ شبلیؒ ابتداء سلوک میں ہر روز ایک تہ خانہ میں چلے جاتے اور اپنے ساتھ چھڑیوں

کا مٹھالے جاتے۔ جب اُن کے دل میں غفلت طاری ہوتی تو اُن چھڑیوں سے اپنے آپ کو ملتے۔ یہاں تک کہ وہ لوٹ جاتیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ رات ہونے سے پہلے یہ چھڑیاں لوٹ جاتیں تو آپ اپنے ہاتھ اور پاؤں کو دیوار سے مارتے۔

کہا جاتا ہے کہ دِل کا ذکر مریدین کے لئے تلوار ہے۔ اس سے وہ اپنے دشمنوں سے لڑتے اور اُن آفتوں کو دُور کرتے ہیں جو اُن پر آتی ہیں اور جب بندے کا امتحان آپڑتا ہے تو اگر وہ اپنے دل سے اللہ کے ساتھ پناہ لیتے ہیں تو ہر بات جسے وہ ناپسند کرتے ہیں فوراً دُور ہوجاتی ہے۔

واسطیؒ سے ذکر کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا۔ غلبۂ خوف اور شدتِ محبت کے ہوتے ہوئے غفلت کے میدان سے نکل کر مشاہدہ کی فضا میں جانا، ذکر ہے۔

مَیں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا، انہوں نے عبداللہ بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے البلاذری سے سنا کہ عبدالرحمٰن بن بکر فرماتے تھے کہ مَیں نے ذوالنون مصری کو فرماتے سنا جس نے حقیقی طور پر اللہ کو یاد کیا وہ اس کے ذکر کے مقابلہ میں ہر چیز کو بھول جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی ہر چیز کی حفاظت کرے گا۔ اور یہ ذکر اس کے لئے ہر چیز کا نعم البدل ہوگا۔

اور مَیں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ المعلم نے کہا کہ احمد المسجدی فرماتے تھے کہ ابوعثمان سے کسی نے سوال کیا کہ ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں مگر اپنے دل میں حلاوت نہیں پاتے۔ فرمایا اللہ کی تعریف اور شکر کرو کہ اس نے تمہارے عضو کو اپنی عبادت سے مزّین کر رکھا ہے۔

ایک مشہور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کی کیاریاں دیکھو تو تم ان میں چرنے لگ جاؤ۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! ریاضِ جنت کیا چیز ہے؟ فرمایا۔ مجالسِ ذکر۔

ہم سے ابوالحسین بن بشران نے بغداد میں کہا کہ ان سے ابوعلی بن صفوان نے کہا کہ الحسین بن ابی الدنیا نے ان سے کہا کہ الہیثم بن خارجہ نے ان سے کہا کہ اسمٰعیل بن عیاش نے عمر بن عبداللہ سے روایت کی کہ خالد بن عبداللہ بن صفوان نے ان سے بیان کیا۔ جابر بن عبداللہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل کر ہمارے پاس آئے اور فرمایا:۔ لوگو! "ریاضِ جنت" میں چرلو۔ ہم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! "ریاضِ جنت" کیا چیز ہے؟ فرمایا: مجالسِ ذکر۔ فرمایا صبح کو کرو۔ یا شام کو ذکر کرتے رہو۔ جو شخص اللہ کے یہاں اپنی منزلت معلوم کرنا چاہے۔ اسے دیکھ لینا چاہیئے کہ اس کے

نزدیک اللہ کی کیا منزلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس مقام پر رکھتا ہے جہاں بندہ اپنے آپ کو رکھتا ہے۔

اور میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ محمد الفراء فرماتے تھے کہ میں نے شبلیؒ کو فرماتے سنا کیا اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا جو مجھے یاد کرے، میں اس کا ہم نشین ہو جاتا ہوں۔ بتاؤ تم نے حق تعالیٰ کی ہم نشینی سے کیا حاصل کیا۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ بن موسیٰ السلامی فرماتے تھے کہ میں نے شبلیؒ کو اپنی مجلس میں شعر پڑھتے ہوئے سنا۔

ذَکَرْتُکَ لَا اَنِّیْ نَسِیْتُکَ لَمْحَۃً ... وَاَیْسَرُ مَا فِی الذِّکْرِ ذِکْرُ لِسَانِیْ

وَکِدْتُ بِلَا وَجْدٍ اَمُوْتُ مِنَ الْھَوٰی ... وَھَامَ عَلَیَّ الْقَلْبُ بِالْخَفَقَانِ

فَلَمَّا اَرَانِی الْوَجْدُ اَنَّکَ حَاضِرِیْ ... شَھِدْتُکَ مَوْجُوْدًا بِکُلِّ مَکَانِ

فَخَاطَبْتُ مَوْجُوْدًا بِغَیْرِ تَکَلُّمٍ ... وَلَاحَظْتُ مَعْلُوْمًا بِغَیْرِ عِیَانِ

میں نے تمہیں یاد کیا۔ اس لئے نہیں کہ میں تمہیں ایک لمحہ کے لئے بھی بھول گیا تھا اور میری یاد میں سب سے معمولی بات زبان کی یاد ہے۔

میں عشق کی وجہ سے وجد کے بغیر ہی مرنے کو تھا اور میرا دل دھڑکنے کی وجہ سے پریشان رہا جب میرے وجد نے مجھے دکھا دیا کہ تو میرے پاس موجود ہے تو میں نے تمہیں ہر جگہ موجود پایا لہٰذا میں نے بغیر کلام کے موجود (محبوب) سے کلام کیا اور آنکھوں سے دیکھے بغیر معلوم کو دیکھ لیا۔

ذکر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا کوئی معین وقت نہیں بلکہ بندے کو ہر وقت اللہ کا ذکر کرنے کا حکم ہے۔ خواہ فرض کے طور پر، خواہ استحباب کے طور پر، نماز اگرچہ تمام عبادتوں سے اشرف ترین عبادت ہے۔ مگر بعض وقتوں میں اس کا ادا کرنا جائز نہیں اور ذکر بالقلب عام حالات میں ہمیشہ جاری رکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔ جو لوگ اٹھتے بیٹھتے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

میں نے امام ابوبکر بن فورک سے فرماتے سنا کہ یہاں مراد یہ ہے کہ وہ ذکر کو ایسا ادا کرتے ہیں جو ادا کرنے کا حق ہے مگر اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔

یَں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی کو استاد ابوعلی دقاق سے سوال کرتے ہوئے سنا کیا ذکر میں زیادہ کمال پایا جاتا ہے یا فکر میں؟ استاد ابوعلی دقاق نے فرمایا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں؟ شیخ ابوعبدالرحمٰن فرمانے لگے کہ میرے نزدیک تو ذکر فکر سے زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ذکر کی صفت بیان کی جاتی ہے مگر فکر کی نہیں۔ لہٰذا جو صفت اللہ تعالیٰ کے لئے ہو وہ اس صفت کے مقابلہ میں جو صرف مخلوق کے لئے مخصوص ہو زیادہ کامل ہو گی۔ اس جواب کو استاد ابوعلی نے پسند کیا۔

یَں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہ محمد بن عبداللہ فرماتے تھے کہ مَیں نے کتانی کو فرماتے سنا۔ اگر اللہ کا ذکر مجھ پر فرض نہ ہوتا تو مَیں اس کی تعظیم کی وجہ سے اس کا ذکر نہ کرتا۔ بھلا میرے جیسا انسان جس نے اپنا منہ ایک ہزار مقبول توبہ کے ساتھ نہ دھویا ہو اللہ کا ذکر کیسے کر سکتا ہے؟

مَیں نے استاد ابوعلی دقاق کو کسی کے یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا۔

مَا اِنْ ذَکَرْتُکَ اِلَّا ھَمَّ یَزْجُرُنِیْ قَلْبِیْ وَسِرِّیْ وَرُوْحِیْ عِنْدَ ذِکْرَاکَا
حَتّٰی کَاَنَّ رَقِیْبًا مِّنْکَ یَھْتِفُ بِیْ اِیَّاکَ وَیْحَکَ وَالتَّذْکَارَ اِیَّاکَا

مَیں جب بھی تجھے یاد کرتا ہوں تو اس وقت میرا دل، میرا باطن اور میری روح مجھے ڈانٹنے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ تمہارا محافظ پکار کر کہہ رہا ہے خبردار اس کا ذکر نہ کرنا۔ ذکر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کا تذکرہ ذکر کے مقابلہ میں ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ "تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔"

ایک حدیث میں ہے کہ جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ مَیں نے آپؐ کی امت کو جو کچھ دیا ہے۔ مَیں نے کسی امت کو نہیں دیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے جبرئیل! وہ کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس امت کے سوا کسی امت سے نہیں کہی۔

کہا جاتا ہے کہ ملک (الموت) ذکر کرنے والے سے اس کی روح کو قبض کرنے سے (پہلے) اس سے مشورہ کر لیتا ہے۔

ایک (الہامی) کتاب میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ اے رب! تو کہاں رہتا ہے؟ اللہ

تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتایا کہ میں اپنے مومن کے دل میں رہتا ہوں۔ اس رہنے سے مراد دل میں ذکر کا سکونت پذیر ہونا ہے۔ کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ ہر قسم کی سکونت اور حلول سے مبرا ہیں۔ یہاں محض ذکر اور حصولِ ذکر کو ثابت کرنا مقصود ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبداللہ بن علی نے کہا کہ فارسیؒ کہتے تھے۔ نوریؒ فرماتے تھے میں نے ذوالنون سے ذکر کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے کہا ذکر یہ ہے کہ ذاکر (اس قدر ذکر میں محو ہو جائے) کہ اسے ذکر کی خبر نہ ہو۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

لَا لِاَنِّیْ اَنْسَاکَ اُکْثِرُ ذِکْرَا   کَ وَلٰکِنْ بِذَاکَ یَجْرِیْ لِسَانِیْ

میں تمہارا ذکر کثرت سے کرتا ہوں۔ یہ اس لئے نہیں کرتا کہ میں تمہیں بھول جاتا ہوں۔ بلکہ اس لئے کہ میری زبان (کسی اور کی یاد میں یا کسی اور کام کے لئے نہیں چلتی) صرف تمہارے ہی ذکر میں چلتی ہے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ جو دن گزرتا ہے حق وسبحانہ، پکارتے ہیں۔ اے میرے بندے! تُو نے مجھ سے انصاف نہیں کیا۔ میں تمہیں یاد کرتا ہوں۔ مگر تو مجھے بھول جاتا ہے۔ میں تمہیں اپنی طرف بلاتا ہوں مگر تو دوسروں کی طرف جاتا ہے۔ میں تمہارے مصائب دور کرتا ہوں تو خطا کاری پر ڈٹا رہتا ہے۔ اے ابنِ آدم! کل قیامت کو جب تو میرے پاس آئے گا تو تو کیا کہے گا؟

سلیمان دارانی فرماتے ہیں۔ جنت کی زمین ہموار ہے۔ جب ذاکر ذکر کرنے لگتا ہے تو ملائکہ اس میں درخت لگاتے ہیں۔ جب کبھی کوئی فرشتہ ٹھہر جاتا ہے تو دوسرے پوچھتے ہیں کہ تو کیوں ٹھہر گیا؟ وہ کہتا ہے کہ میرا انسان (جس کے لئے میں درخت لگا رہا ہوں) سست ہو گیا ہے۔

حسنؒ[۹۸] فرماتے ہیں۔ تین چیزوں میں حلاوت ڈھونڈا کرو۔ نماز میں۔ ذکر میں اور تلاوتِ قرآن میں۔ اگر تمہیں حلاوت حاصل ہو فبہا۔ ورنہ سمجھ لو کہ (توفیق ایزدی کا) دروازہ بند ہے۔

حامد اسودؒ[۹۹] فرماتے ہیں۔ ایک سفر میں میں ابراہیم خواص کے ساتھ تھا۔ چلتے چلتے ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سانپوں کی کثرت تھی۔ آپ نے اپنا چھاگل (رکوہ۔ چمڑے کا بیگ) رکھا اور بیٹھ گئے۔ میں بھی بیٹھ گیا۔ جب رات ہوئی اور ہوا ٹھنڈی چلنے لگی تو سانپ نکل آئے میں نے چلا کر شیخ کو پکارا۔ آپ نے فرمایا:۔ اللہ کو یاد کرو، میں نے ایسا ہی کیا۔ سانپ لوٹ گئے پھر دوبارہ آگئے۔ میں نے پھر شیخ کو پکارا۔ آپ نے پھر وہی پہلی بات کہی۔ میں صبح تک اسی حالت میں رہا۔

جب صبح ہوئی۔ آپ اُٹھے اور چل دیئے میں بھی آپ کے ساتھ چل پڑا۔ یکایک آپ کی ٹوٹنک سے ایک بہت بڑا سانپ گر لجو آن سے لپٹا ہوا تھا۔ میں نے دریافت کیا۔ کیا آپکو اسکا لحاس نہیں ہوا؟ فرمایا: نہیں۔ مدت سے میں ایسی مزے کی نیند نہیں سویا تھا، جیسے آج رات سویا ہوں۔

ابو عثمان فرماتے ہیں جس نے (اللہ کے ذکر سے) غفلت کی وحشت کا مزہ نہیں چکھا وہ ذکر کا لطف نہیں پاسکتا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبدالرحمن بن عبداللہ الذیبانی نے کہا کہ الجریری نے کہا، جنیدؒ فرماتے تھے کہ میں نے سری کو فرماتے سنا کہ اللہ کی ایک الہامی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ جب میرے بندے پر میرا ذکر غالب ہوتا ہے تو وہ مجھ پر عاشق ہو جاتا ہے اور میں اس پر عاشق ہو جاتا ہوں۔

مذکورہ بالا سند سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی تم میرے ساتھ خوش رہو اور میرے ذکر کا مزہ لو۔

نوری فرماتے ہیں: ہر چیز کی سزا ہے، عارف کی سزا یہ ہے کہ وہ ذکرِ الٰہی سے بیگانہ ہو جائے۔

انجیل میں ہے: تو مجھے اس وقت یاد رکھ جب تو غصّے میں ہو۔ میں بھی تجھے اس وقت یاد رکھوں گا جب میں غصّے میں ہوں گا۔ اور میں جو تمہاری مدد کروں اس پر راضی رہ۔ کیونکہ میرا مدد کرنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنی مدد آپ کرے۔

کسی راہب سے پوچھا گیا: کیا تو روزہ دار ہے؟ کہا ہاں۔ اللہ کے ذکر کا روزہ رکھتا ہوں۔ اور جب کسی اور کا ذکر کرتا ہوں تو روزہ توڑتا ہوں۔

کہتے ہیں جب ذکر دِل میں جاگزیں ہو جاتا ہے اگر اس وقت شیطان اس کے قریب آئے تو بعینہٖ اسی طرح پچھاڑا جاتا ہے۔ جیسے شیطان انسان کے قریب آکر انسان کو پچھاڑ لیتا ہے پھر دوسرے شیاطین اکٹھے ہو کر پوچھتے ہیں اسے کیا ہوا ہے؟ جواب ملتا ہے اس شیطان کو انسان نے گرا دیا ہے۔

سہل فرماتے ہیں میرے نزدیک کوئی معصیت حق کو بھول جانے سے بدتر نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ذکرِ خفی کو فرشتہ اٹھا کر اللہ کے پاس نہیں لے جاتا اس لئے کہ اسے اس

کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ یہ تو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک راز ہے۔

کسی کا قول ہے کہ مجھے بتایا گیا کہ ایک جنگل میں ایک اللہ کا ذکر کرنے والا ہے۔ میں اس کے پاس گیا۔ جب وہ بیٹھا ہوا تھا تو ایک بہت بڑے درندے نے اسے مارا اور اس سے ایک ٹکڑا نوچ لیا۔ اس پر غشی طاری ہو گئی۔ اور مجھ پر بھی۔ جب اسے ہوش آیا تو میں نے کہا یہ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس درندے کو مجھ پر مسلط کر رکھا ہے۔ جب کبھی میں ذکر سے سستی کرتا ہوں تو یہ درندہ مجھے کاٹتا ہے۔ جیسا تم نے دیکھا۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سے سنا کہ الحسین بن یحییٰ نے کہا۔ جعفر بن نصیر فرماتے تھے میں نے جریری کو فرماتے سنا۔ ہمارے مریدوں میں ایک شخص کثرت سے اللہ اللہ کہا کرتا تھا ایک دن اس کے سر پر شہتیر آگرا جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا اور خون ٹپکا جس سے زمین پر اللہ اللہ لکھا ہوا تھا۔

۴۱۔ فتوت [920]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى۔ یہ ایک جماعت تھی جو اپنے رب پر ایمان لا چکی تھی اور ہم نے انہیں اور ہدایت کر دی تھی۔

فتوت کیا ہے؟

استاذ فرماتے ہیں کہ فتوت دراصل یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ اوروں کے کاموں میں لگا رہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

جب تک کوئی بندہ اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے۔ اللہ بھی اس کے کام میں لگا رہتا ہے۔

ہم سے علی بن احمد بن عبدان نے کہا کہ احمد بن عبید نے کہا، اسمٰعیل بن الفضل نے کہا کہ ان سے یعقوب بن حمید [921] بن کاسب نے کہا کہ ابن ابی [922] حازم نے عبداللہ بن [923] عامر الاسلمی سے روایت کی۔ عبدالرحمٰن بن [924] ہرمز الاعرج نے کہا کہ ابوہریرہؓ نے زید بن ثابت [925] ؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تک کوئی بندہ اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے اللہ بھی اس کے کام میں لگا رہتا ہے۔

مَیں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ یہ ایک ایسا خلق ہے جس میں کمال صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔ اس لئے کہ قیامت کے دن ہر شخص نفسی نفسی پکارے گا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "امتی امتی" پکاریں گے۔

مَیں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہ محمد بن الحسین نے کہا کہ ابو جعفر الفرغانی فرماتے ہیں کہ مَیں نے جنید کو یوں فرماتے سنا: فتوت شام میں ہے۔ زبان عراق میں اور صدق خراسان میں۔

اور مَیں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ بن محمد الرازی نے ان سے کہا کہ محمد بن نصیر بن منصور الصائغ نے کہا کہ ابن مردویہ[۹۲۷] الصائغ فرماتے ہیں مَیں نے فضل[۹۲۸] سے سنا فرماتے تھے۔

فتوت بھائیوں کی لغزشوں سے درگزر کرنے کا نام ہے۔

نیز کہا گیا ہے کہ فتوت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو دوسروں سے افضل نہ سمجھے۔

ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں: صاحبِ فتوت وہ آدمی ہے جو کسی سے نہ جھگڑے۔

محمد بن علی ترمذی فرماتے ہیں: فتوت یہ ہے کہ تو اپنے رب کی طرف سے اپنی ذات کے خلاف جھگڑے۔

نیز کہا جاتا ہے: صاحبِ فتوت وہ شخص ہے جو کسی سے نہ جھگڑے۔

مَیں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا، انہوں نے نصرآبادی کو فرماتے سنا کہ اصحابِ کہف کو فِتْیَۃٌ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ بلا واسطہ اللہ پر ایمان لے آئے تھے۔

نیز کہا گیا ہے کہ صاحبِ فتوت وہ شخص ہے جو بت توڑے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ـ

ہم نے ایک جوان مرد کو جس کا نام ابراہیم ہے۔ بتوں کا ذکر کرتے سنا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا اس نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور ہر شخص کا بت اس کا نفس ہے۔ لہٰذا جو اپنی خواہشات کی مخالفت کرے وہی درحقیقت صاحبِ فتوت ہے۔

حارث محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ فتوت یہ ہے کہ تو انصاف کرے مگر انصاف طلب نہ کرے۔

عمر بن عثمان مکیؒ فرماتے ہیں: فتوت اچھے اخلاق کو کہتے ہیں۔

جنیدؒ سے فتوت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا فتوت یہ ہے کہ تو نہ تو فقیر سے نفرت کرے اور نہ مالدار کی مخالفت کرے۔

نصر آبادیؒ فرماتے ہیں، مروت فتوت کی شاخ ہے اور فتوت دونوں جہانوں سے اعراض کرنے اور اُن سے نفرت کرنے کا نام ہے۔

محمد بن علی بن ترمذی فرماتے ہیں کہ فتوت یہ ہے کہ تیرے لئے موجودہ اور آنے والے یکساں ہوں۔

مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ علی بن عمر الحافظ[929] نے کہا کہ ابو سہل[930] بن زیاد نے کہا کہ عبداللہ[931] بن احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ والد بزرگوار (امام احمدؒ) سے کسی نے پوچھا کہ مروت کیا ہے؟ فرمایا، تو اپنی خواہش کو دوزخ کے ڈر کی وجہ سے چھوڑ دے۔

کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ فتوت کیا ہے؟ فرمایا کہ انسان اس بات میں قطعاً امتیاز نہ کرے کہ اسکے ہاں ولی کھانا کھا رہا ہے یا کافر۔

مَیں نے کسی عالم کو فرماتے سنا کہ ایک مجوسی نے ابراہیم خلیل اللہ کے ہاں ضیافت چاہی انہوں نے فرمایا۔ اس شرط پر ضیافت کرتا ہوں کہ تو مسلمان ہو جائے۔ یہ سن کر مجوسی چلا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی کی کہ ہم تو پچاس سال سے اسے باوجود کافر ہونے کے کھانا دے رہے ہیں۔ اگر تو اُسے ایک لقمہ دین کی تبدیلی کے بغیر دے دیتا تو بہتر ہوتا۔ یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام اس کی تلاش میں نکلے اور اس سے جا ملے اور معذرت چاہی۔ مجوسی نے اس معذرت خواہی کا سبب پوچھا۔ آپ نے تمام قصہ کہہ سنایا۔ اس پر مجوسی اسلام لے آیا۔

جنید فرماتے ہیں کسی کو ایذا نہ دینے اور مال خرچ کرنے کا نام فتوت ہے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں، فتوت اتباعِ سنت کو کہتے ہیں۔

۱۔ فتوت اللہ کے عہد کو پورا کرنے اور حفاظت کرنے کو کہتے ہیں۔

۲۔ فتوت ایک ایسی فضیلت ہے جو تو کرتا تو ہے مگر اپنے نفس کو اس میں نہیں دیکھتا۔

۳۔ فتوت یہ ہے کہ جب سائل آئے تو تو بھاگے نہیں۔

۴۔ فتوت یہ ہے کہ تو اُن لوگوں سے چھپ نہ جائے جو تمہارا قصد کر کے آئیں۔

۵۔ فتوت یہ ہے کہ تو نہ تو مال جمع کرے اور نہ عذر پیش کرے۔

۶۔ فتوت یہ ہے کہ تو آرام کو ظاہر کرے اور مصیبت کو چھپائے۔
۷۔ فتوت یہ ہے کہ تو دس آدمیوں کو دعوت دے لیکن اگر نو یا گیارہ آجائیں تو تجھ میں ناراضگی پیدا نہ ہو۔
۸۔ فتوت یہ ہے کہ امتیاز نہ کرے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا، فرماتے تھے کہ احمد بن خضرویہ نے اپنی بیوی ام علی سے کہا کہ میں ایک دعوت کرنا چاہتا ہوں جس میں اپنے شہر کے ایک عیار اور شاطر کو جو اپنے شہر کے نوجوانوں کا سردار ہے، بلاؤں گا۔ بیوی نے کہا کہ تو (صاحبِ فتوت) نوجوانوں کی دعوت نہیں کر سکے گا۔ مرد نے کہا۔ ضرور کروں گا۔ بیوی نے کہا اگر تو ایسا ہی کرنا چاہتا ہے تو بھیڑ، بکریوں، گایوں اور گدھوں کو ذبح کر کے اس آدمی کے گھر کے دروازے سے لے کر اپنے گھر کے دروازے تک ڈال دے (یہ سن کر) مرد نے کہا۔ بھیڑ بکریوں اور گایوں کے متعلق تو میں جانتا ہوں مگر گدھوں کو کیوں ذبح کیا جائے؟ بیوی نے کہا تو ایک بافتوت انسان کو اپنے گھر بلا رہا ہے۔ تو کم از کم محلہ کے کتوں کو بھی کچھ نہ کچھ خیر ملنی چاہیئے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے دعوت کی اور ان میں ایک شیرازی شیخ بھی تھے۔ جب کھانا کھا چکے تو انہیں سماع کی حالت میں نیند آگئی۔ شیخ شیرازی نے میزبان سے کہا۔ ہمارے سو جانے کی کیا وجہ ہے؟ میزبان نے جواب دیا۔ مجھے معلوم نہیں۔ میں نے آپ کو جو کھلایا ہے اسکی چھان بین میں میں نے پوری کوشش کی ہے۔ سوائے بیگن کے کہ اس کے متعلق میں نے دریافت نہیں کیا تھا۔ صبح ہوئی تو انہوں نے بیگن فروش سے دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ لہذا اس نے فلاں جگہ سے بیگن چرا لئے اور وہ بیچ دیئے۔ یہ لوگ اس بیگن فروش کو زمین کے مالک کے پاس لے گئے تاکہ وہ اسے معاف کر دے۔ زمین کے مالک نے کہا تم مجھ سے صرف ایک بیگن معاف کرانے آئے ہو؟ میں نے یہ زمین دو بیل ایک گدھا اور آلاتِ زراعت اسے دے دیئے تاکہ وہ پھر اس قسم کا فعل نہ کرے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی۔ مگر زفاف سے پہلے اس عورت کو چیچک ہو گئی۔ خاوند نے کہا کہ مجھے آنکھ میں تکلیف ہے۔ پھر کہا کہ آنکھ اندھی ہو گئی۔ اس کے

بعد عورت اس کے گھر آئی اور بیس سال کے بعد مر گئی۔ پھر جا کر کہیں اس شخص نے اپنی دونوں آنکھیں کھولیں۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو بتایا کہ میں اندھا نہیں ہوا تھا لیکن اس خیال سے کر وہ کہیں غم زدہ نہ ہو میں نے اپنے آپ کو اندھا ظاہر کیا تھا۔ لوگوں نے یہ سن کر کہا تو تو مروت والوں سے آگے بڑھ گیا۔

ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں۔ جو شخص (کمال، ظرافت (و فتوت) دیکھنا چاہے تو وہ بغداد کے پانی پلانے والوں کا دامن پکڑے۔ سوال کیا گیا کہ اُن کا کیا حال ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب مجھے بے دین (زندیق) ہونے کا الزام دیا گیا اور خلیفہ کے پاس لے جایا گیا تو وہاں میں نے ایک سقا کو دیکھا جس نے پگڑی باندھ رکھی تھی اور ایک مصری رومال اوڑھ رکھا تھا اور وہ ہاتھ میں مٹی کے باریک آبخورہ لئے ہوئے تھا۔ میں نے پوچھا یہ سلطان کا ساقی ہوگا؟ لوگوں نے کہا نہیں بلکہ یہ تو عام لوگوں کا سقا ہے۔ اس پر میں نے اس سے ایک کوزہ پانی لے کر پیا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ اسے ایک دینار دے دے مگر اس نے لینا قبول نہ کیا۔ اور کہا کہ تو قیدی ہے اور تجھ سے کچھ لینا فتوت نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ دوست سے نفع لینا فتوت نہیں۔ یہ قول ہمارے ایک دوست کا ہے جس کا نام احمد بن سہل تاجر تھا اس وقت میں نے اس سے کپڑے کا ایک سفید ٹکڑا خریدا تھا اور اس نے اس کی اصل قیمت لے لی تھی۔ میں نے جب اُسے نفع لینے کو کہا تو جواب دیا اصل قیمت تو لے لیتا ہوں۔ اور تجھ پر کوئی احسان نہیں کر رہا ہوں۔ کیوں کہ جو کچھ میں تمہارے ساتھ کر رہا ہوں یہ کونسی بڑی بات ہے، مگر نفع تم سے نہ لوں گا کیونکہ دوست سے نفع لینا فتوت نہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص جسے فتوت کا بہت دعویٰ تھا۔ نیشاپور سے نسا گیا۔ ایک شخص نے جس کے ساتھ صاحب فتوت لوگوں کی ایک جماعت تھی، اس سے درخواست کی کہ انکی ضیافت ضیافت کرے۔ جب کھانا کھا چکے تو ایک لڑکی اُن کے ہاتھ دھلانے کو آئی۔ نیشاپوری نے ہاتھ دھونے سے انکار کر دیا اور کہا یہ فتوت نہیں کہ عورت آدمیوں کے ہاتھ دھلانے کو پانی ڈالے اس پر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں کئی سال سے اس گھر میں آ رہا ہوں اور مجھے معلوم ہی نہیں کہ عورت ہمارے ہاتھوں پر پانی ڈالتی ہے یا مرد۔

میں نے منصور مغربی کو فرماتے سنا ایک شخص نے نوح عیار نیشاپوری کا امتحان لینا چاہا تو اس کے پاس لڑکے کے بھیس میں ایک لڑکی کو یہ کہہ کر بھیجا کہ یہ لڑکا ہے۔ لڑکی بہت خوبصورت اور چمکدار چہرے والی تھی۔ نوح نے اس خیال سے کہ وہ لڑکا ہے اُسے خرید لیا۔ وہ لڑکی کئی ماہ تک اس کے پاس رہی۔ جب لڑکی سے پوچھا گیا کہ اسے معلوم ہو گیا ہے کہ تو لڑکی ہے؟ تو کہا نہیں۔ اُس نے تو مجھے چھوا تک نہیں وہ تو یہی سمجھتا ہے کہ میں لڑکا ہوں۔

کہتے ہیں کہ ایک شاطر نے لسے کہا کہ جو لڑکا تمہاری خدمت کرتا ہے اُسے سلطان کے سپرد کر دو۔ مگر اس نے انکار کیا۔ اس پر اسے ایک ہزار کوڑے لگائے گئے اس نے پھر بھی نہ دیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اسی رات اسے احتلام ہو گیا اور یہ سخت سردی کا زمانہ تھا۔ صبح ہوئی تو اُس نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا۔ لوگوں نے اسے کہا۔ تم نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیا اُس نے جواب دیا۔ مجھے اس سے شرم آئی کہ مخلوق کی خاطر ہزار کوڑے لگنے پر تو صبر کر جاؤں اور اس کی خاطر غسل کرنے میں سردی برداشت کرنے پر صبر نہ کروں۔

کہا جاتا ہے کہ اصحاب فتوت کی ایک جماعت ایک شخص کی زیارت کے لئے آئی جو فتوت کا دعویٰ کرتا تھا۔ اُس آدمی نے نوکر سے دستر خوان لانے کو کہا مگر وہ نہ لایا۔ اُس آدمی نے دوبارہ سہ بارہ کہا وہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور انہوں نے کہا۔ یہ فتوت نہیں کہ انسان ایسے شخص سے خدمت لینا چاہے جو دستر خوان لانے میں اس قدر نافرمانی کرے۔ اس شخص نے نوکر سے پوچھا کہ تو نے دستر خوان لانے میں اتنی دیر کیوں کی؟ نوکر نے کہا۔ دستر خوان پر چیونٹیاں تھیں۔ لہٰذا یہ مناسب نہ سمجھا کہ چیونٹیوں والا دستر خوان لے آؤں اور یہ بھی فتوت نہ تھی کہ دستر خوان سے چیونٹیوں کو گرا دوں۔ لہٰذا میں ٹھہر گیا۔ یہاں تک کہ چیونٹیاں رینگ کر چلی گئیں۔ یہ سن کر سب نے کہا۔ اے لڑکے تو نے بڑی دقیق بات کہی ہے۔ ارباب فتوت کی خدمت کرنے والا تمہارے جیسا ہی ہونا چاہیئے۔

کہتے ہیں کہ ایک حاجی مدینہ میں سویا اور اسے خیال ہوا کہ اُس کی تھیلی چوری ہو گئی ہے وہ نکلا اور اُس نے جعفر صادقؑ کو دیکھا، ان سے لپٹ گیا۔ کہتا رہا۔ تو نے ہی میری تھیلی لی ہے۔ جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ اس میں کیا تھا؟ اُس نے کہا ایک ہزار دینار۔ آپ اسے گھر لے گئے

اور ایک ہزار دینار گن کر اسے دے دیئے۔ جب وہ شخص اپنے گھر گیا تو دیکھا کہ تھیلی گھر میں پڑی ہے اور اسے چوری کا وہم ہوا تھا۔ لہٰذا وہ عذر خواہی کے لئے جعفرؒ کے پاس آیا اور دینار واپس کرنا چاہے۔ مگر انہوں نے واپس لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا جو چیز میں اپنے ہاتھ سے نکال چکا ہوں اسے میں واپس نہ لوں گا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔؟ لوگوں نے کہا یہ تو امام جعفر صادقؒ ہیں۔

شقیق بلخیؒ اور امام جعفر صادقؒ

شقیق بلخیؒ نے جعفر بن محمد علیہ السلام سے فتوت کے متعلق سوال کیا، انہوں نے فرمایا، بتایئے آپ کیا کہتے ہیں؟ شقیق نے کہا اگر ہمیں کچھ مل جائے تو ہم شکر کرتے ہیں اور اگر نہ ملے تو صبر کرتے ہیں۔ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا۔ مدینہ میں ہمارے ہاں کتوں کا یہی شیوہ ہے۔ یہ سن کر شقیق نے کہا۔ اے رسول اللہ کے نواسے! آپؑ کے نزدیک فتوت کیا ہے؟ فرمایا۔ اگر ہمیں کچھ مل جائے تو دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ اور اگر نہ ملے تو شکر کرتے ہیں۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ ابوبکر رازی فرماتے تھے کہ میں نے جریری کو فرماتے سنا۔ ایک رات ابوالعباس بن مسروق نے ہمیں اپنے گھر بلایا۔ راستہ میں ایک دوست آتا ہوا مل گیا۔ ہم نے اسے کہا۔ ہم شیخ ابوالعباس کے ہاں ضیافت پر جا رہے ہیں۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ اس نے کہا مجھے تو انہوں نے بلایا نہیں۔ ہم نے کہا کہ ہم اجازت لے لیں گے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے اجازت مانگی تھی[۹۴۳]۔ لہٰذا ہم نے اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ جب شیخ کے دروازے پر پہنچے تو ہم نے ان سے بیان کیا کہ یہ دوست یوں کہتا تھا اور ہم نے یوں جواب دیا۔ شیخ نے فرمایا آپ نے بغیر دعوت کے یہاں تشریف لا کر اپنے دل میں ہمیں جگہ دی۔ اگر آپ اس جگہ سے جہاں آپ کھڑے ہیں۔ میرے رخسار کے سوا کسی اور چیز پر چلے تو مجھے (خدا کرے) ایسا ایسا ہو جائے اور اس پر اصرار کیا اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیا۔ اس دوست کو اٹھایا گیا اور اس نے اپنا پاؤں شیخ کے چہرے پر رکھا اس طرح کہ انہیں تکلیف نہ ہو۔ اور شیخ اپنا چہرہ زمین پر گھسیٹتے گئے یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں اسے بیٹھنا تھا۔

استاد فرماتے ہیں: یاد رکھو کہ دوستوں کے عیبوں کو چھپانا فتوت ہے۔ بالخصوص جب کہ اس میں شماتت اعدا پائی جائے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سلمی کو فرماتے سنا کہ نصر آبادی کو کسی بار کہا گیا کہ علی قوال[۹۳۳] رات کو شراب پیتا ہے اور دن کو آپ کی مجلس میں آجاتا ہے۔ آپ لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھرتے ایسا اتفاق ہوا کہ ایک دن آپ کہیں جا رہے تھے اور آپ کے ساتھ ایک ایسا شخص تھا جو علی کے متعلق یہ خبریں آپ کو دیا کرتا تھا۔ اس نے علی کو ایک جگہ گرا پڑا پایا اور اس پر مستی کے آثار بھی ظاہر تھے۔ وہ وہاں جا پہنچے۔ جہاں وہ منہ دھو رہا تھا اور کہا کب تک ہم شیخ سے کہے جائیں گے اور آپ نہ سنیں گے؟ یہ علی شراب کے نشے میں گرا پڑا ہے۔ نصر آبادی نے اس کی طرف دیکھا۔ اور ملامت کرنے والے سے کہا اسے اپنی گردن پر اٹھا کر اس کے گھر لے جاؤ اسے آپ کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔

میں نے انہی سے سنا کہ ابو علی فارسی[۹۳۴] فرماتے تھے کہ میں نے مرتعش کو فرماتے سنا کہ ہم ابو حفص کے ساتھ ایک مریض کی عیادت کے لئے گئے۔ ہم بہت سے لوگ تھے۔ ابو حفص نے مریض سے کہا۔ کیا تو تندرست ہونا چاہتا ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے اپنے مریدوں سے کہا۔ تم اس کی طرف سے بیماری اٹھالو۔ مریض اٹھ کر ہمارے ساتھ نکل آیا۔ اور ہم سب کے سب صاحب فراش ہو گئے۔

۳۲۔ فراست[۹۳۵]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اِنَّ فِی ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ (ان میں صاحب فراست لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔)

ہم سے شیخ ابو عبدالرحمن سلمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ان سے احمد بن علی بن الحسین الرازی[۹۳۶] نے ان سے محمد بن[۹۳۷] احمد بن السکن نے، ان سے موسیٰ[۹۳۸] بن داؤد نے کہا کہ محمد بن[۹۳۹] کثیر الکوفی نے کہا کہ عمرو بن قیس[۹۴۰] نے عطیہ[۹۴۱] سے روایت کی کہ ابو سعید فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن

کی فراست سے بچو۔ کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

فراست کیا ہے؟

استاد فرماتے تھے کہ فراست ایک خیال ہے۔ جو دل پہ طاری ہوتا ہے اور ہر متضاد خیال کو نکال دیتا ہے۔ اور دل پر اُسی کا حکم ہوتا ہے اور یہ لفظ فریسۃ السبع (درندے کا شکار) سے مشتق ہے۔ فراست کے مقابلہ میں نفس کوئی خیال و شبہات تجویز نہیں کرسکتا۔ فراست ہر شخص کی قوتِ ایمانیہ کے مطابق ہوتی ہے۔ لہٰذا جس کا جس قدر زیادہ قوی ایمان ہوگا اسی قدر زیادہ تیز اس کی فراست ہوگی۔ ابو سعیدؒ خراز فرماتے ہیں۔ جس نے نورِ فراست سے دیکھا اُس نے نورِ حق سے دیکھا۔ اور اس کے علم کا مواد حق کی طرف سے ہے۔ اس میں کسی قسم کا سہو یا غفلت نہ ہوگی۔ بلکہ یہ حق تعالیٰ کا فیصلہ ہے جو بندے کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ یہاں نورِ حق سے مراد وہ خاص نور ہے جس کے ساتھ اللہ نے اسے مخصوص کیا ہے۔

واسطیؒ فرماتے ہیں۔ فراست وہ اُٹھتے ہوئے انوار ہیں جو دلوں میں چمکتے ہیں اور ایسی متمکن معرفت ہے جو غیبوں میں ایک غیب سے دوسرے غیب تک رازوں کو اٹھاتے ہوتی ہے یہاں تک کہ صاحبِ فراست اشیاء کو اس طرح دیکھتا ہے جس طرح حق سبحانہ اُسے دکھاتا ہے۔ اس طرح وہ مخلوق کے ضمیر کی باتیں بتلانے لگتا ہے۔

ابوالحسن دیلمی سے حکایت کی جاتی ہے کہ وہ ایک حبشی سے ملنے کیلئے انطاکیہ گئے۔ اس شخص کے متعلق انہیں بتایا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے راز کی باتیں بتاتا ہے۔ میں نے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا یہاں تک کہ وہ لکام پہاڑ سے نکل کر آیا۔ اس کے پاس کچھ جائز اشیاء تھیں جنھیں وہ بیچ رہا تھا۔ اور اس وقت میں دو دنوں سے بھوکا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ یہ کتنے کو بیچتے ہو؟ اور میں نے یہ ظاہر کیا کہ میں اس کی تمام اشیاء خرید لوں گا۔ جو اس کے سامنے پڑی تھیں۔ اس نے کہا ہاں بیٹھ جاؤ۔ جب ہم انہیں بیچ لیں گے تو تمہیں بھی کچھ پیسے دے دیں گے۔ جن سے تو کچھ خرید سکے گا۔ میں اسے چھوڑ کر ایک اور شخص کے پاس چلا گیا۔ اور یہ ظاہر کیا کہ میں اس سے سودا کر رہا ہوں۔ میں لوٹ کر پھر اُسی کے پاس آگیا۔ اور کہا اگر بیچتے ہو تو بتاؤ۔ کتنے میں بیچو گے؟ کہنے لگا تو تو دو دن کا بھوکا ہے وہاں بیٹھ جا۔ جب ہم بیچ لیں گے تو تمہیں کچھ دیں گے جس سے تو کچھ خرید سکے گا۔

یَں بیٹھ گیا۔ جب اُس نے بیچ دیا، تو اس نے مجھے کچھ دیا اور چلا گیا۔ مَیں نے اس کا پیچھا کیا۔ اُس نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا۔ جب تجھے کوئی ضرورت پیش آئے تو اللہ کے سامنے پیش کرو، ہاں اگر اس میں تیرے حظِ نفس کا دخل ہے۔ پھر اللہ کے سامنے پیش نہ کرنا ورنہ تم اللہ سے محجوب ہو جاؤ گے۔

مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ محمد بن عبداللہ فرماتے تھے کہ مَیں نے کتانی کو فرماتے سنا کہ فراست ایک یقین کا مکاشفہ اور غیب کا معائنہ ہے اور یہ ایمان کے مقامات میں سے ہے

امام شافعی اور امام محمد کہتے ہیں کہ امام شافعی[۶۴۲] اور امام محمد بن الحسن[۶۴۳] رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں مسجد حرام میں تھے کہ ایک شخص آیا تو محمد بن الحسن نے کہا کہ مَیں اپنی فراست سے کہتا ہوں کہ یہ بڑھئی ہے۔ امام شافعی نے کہا کہ میرے نزدیک تو یہ لوہار ہے۔ اس پر انہوں نے اس شخص سے پوچھا تو اُس نے کہا۔ مَیں پہلے لوہار کا کام کرتا تھا مگر اب بڑھئی کا کام کرتا ہوں۔

ابو سعید خراز فرماتے ہیں کہ مستنبط وہ ہے جو ہمیشہ غیب کو دیکھتا ہے اور اُس سے نہ کوئی چیز غائب ہو اور نہ مخفی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ سے یہی مراد ہے۔ اور متوسّم وہ ہے جو وسم (علامت) کو پہچانتا ہو۔ اور وہ ایسا شخص ہے جو استدلال اور علامات کے ذریعے سے لوگوں کے دلوں کی باتوں کو معلوم کر لیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو ایسے علامات کے ذریعہ سے معلوم کر لیتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں اور دشمنوں دونوں کے لئے ظاہر کر دیتا ہے۔ مگر متفرس اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ (یعنی وہ اللہ کا دشمن نہیں ہو سکتا) اور یہ نور اٹھنے والے نور ہیں۔ جو اس بندے کے دل میں چمکتے ہیں۔ جن کے ذریعے سے وہ معانی کو سمجھ جاتا ہے اور یہ ایمان کے خواص میں سے ہے۔ ان سے بھی بڑھ کر ربانیین ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ یعنی عالم اور حکیم اور اخلاقِ خداوندی اختیار کر لو۔ ظاہر میں بھی اور اخلاق میں بھی اور یہ مخلوق کے متعلق خبر دینے اور ان کی طرف دیکھنے اور اُن کے ساتھ مشغول ہونے سے مبرا ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ابوالقاسم منادی بیمار پڑ گئے اور یہ نیشا پور کے مشائخ میں بڑی شان والے تھے۔ ابوالحسن بوشنجی اور حسن حداد اُن کی عیادت کو آئے اور راستہ میں انہوں نے ایک سیب آدھے درہم کا ادھار خریدا اور لے آئے۔ جب بیٹھ گئے۔ تو ابوالقاسم نے کہا۔ یہ تاریکی کیسی ہے؟ اس پر دونوں نکل آئے اور کہنے لگے۔ ہم نے کیا کیا ہے اور سوچنے لگ گئے پھر کہا کہ شاید ہم نے سیب کی قیمت ادا نہیں کی ہے انہوں نے قیمت ادا کر دی اور پھر دوبارہ گئے اب جب اُنکی نگاہ اُن دونوں پر پڑی تو کہا۔ کیا انسان کے لئے ممکن ہے کہ اتنی سرعت سے ظلمت سے نکل جائے؟ صحیح صحیح بات کہہ دو۔ اس پر انہوں نے تمام قصہ کہہ سنایا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی پر اعتماد کرتا تھا کہ وہ قیمت ادا کر دے گا۔ اور بیچنے والا تم دونوں سے تقاضا کرنے سے شرماتا تھا۔ (اس طرح (قیمت ادا کرنے میں دیر ہو جاتی اور) اس کی گرفت تم پر باقی رہتی اور اس (ادھار خریدنے کا) سبب میں تھا۔ اور میں نے یہ بات تم میں دیکھ لی۔

اور یہ ابوالقاسم منادی ہر روز بازار میں جا کر پکارتے۔ اُن کے ہاتھ میں ایک دانق (دانگ) سے لے کر نصف درہم تک جس قدر رقم انہیں کفالت کرتی۔ لے کر اپنی حالت اور اپنے وقت کی نگہداشت میں لگ جاتے۔

حسین بن منصور فرماتے ہیں جب کسی دل پر غلبہ حق ہو جاتا ہے تو اللہ اسے اسرار کا مالک بنا دیتا ہے۔ چنانچہ وہ ان اسرار کا معائنہ کرتا ہے اور اُن کی خبر دیتا ہے۔

کسی صوفی سے فراست کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو فرمایا کہ یہ ارواح ہیں جو عالمِ ملکوت میں گھومتے رہتے ہیں اور غیب کے امور سے باخبر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مخلوق کے اسرار اس طرح بتاتے ہیں گویا اُن کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور گمان وقیاس سے نہیں بتاتے۔

کہتے ہیں کہ توبہ سے پہلے ذکر یا شختنی اور ایک عورت کے درمیان تعلقات تھے ابوعثمان حیری کے خاص مرید بننے کے بعد یہ ایک دن اُن کے سر کے پاس کھڑے تھے کہ انہیں اس عورت کا خیال آیا۔ ابوعثمان نے فوراً سر اٹھا کر کہا۔ کیا تجھے شرم نہیں آتی۔

استاد امام (قشیری) رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ ابھی میرا استاد ابوعلی کے ساتھ تعلق شروع ہی ہوا تھا اور میں مسجد مطرز میں مجلسِ وعظ منعقد کیا کرتا تھا۔ میں نے آپ سے نسا جانے کی اجازت

چاہی۔ آپ نے مجھے اجازت دے دی ایک روز میں آپ کے ساتھ آپ کی مجلس کی طرف جا رہا تھا کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کاش میری عدم موجودگی میں میری مجلس میں میری نیابت کریں۔ آپ نے فوراً میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ میں تمہاری غیر حاضری میں تمہاری مجلس میں تمہاری نیابت کروں گا۔ میں تھوڑا اور چلا تو میرے دل میں خیال آیا کہ آپ بیمار ہیں۔ آپ سے ہفتہ میں دو بار نیابت نہ ہو سکے گی۔ اس لئے آپ ہفتہ میں ایک دن نیابت کریں تو بہتر ہوگا آپ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اگر میں ہفتہ میں دو دن نیابت نہ کر سکوں گا تو ایک ہی دن کر لوں گا۔ میں آپ کے ساتھ تھوڑا چلا تو ایک تیسرا خیال میرے دل میں آیا۔ آپ نے پھر میری طرف متوجہ ہو کر صراحتہً اس کا ذکر کر دیا۔

میں نے ابوعبدالرحمن سلمیؒ کو فرماتے سنا کہ انہوں نے اپنے نانا ابوعمر دین نجید کو فرماتے سنا کہ شاہ کرمانی بڑی تیز فراست والے تھے اور اس میں کبھی غلطی نہ کرتے اور فرمایا کرتے کہ جس شخص نے حرام سے اپنی نگاہ نیچی رکھی اور اپنے آپ کو شہوات سے روکے رکھا اور اپنے باطن کو مراقبہ کے ساتھ اور ظاہر کو سنت کی تابعداری کے ساتھ ہمیشہ آباد رکھا اور رزق حلال کھانے کا عادی ہوا۔ اس کی فراست میں خطا نہیں ہو گی۔

ابوالحسن[۹۴۶] نوری سے دریافت کیا گیا کہ فراست والوں میں فراست کہاں سے پیدا ہو جاتی ہے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی لہٰذا جس شخص کو اس نور میں سے پورا حصہ ملا ہو اس کا مشاہدہ مضبوط اور اس کی فراست کی بات سچی ہو گی۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس میں روح کے پھونکنے سے اُسے سجدہ کرنا کیسے واجب قرار دیا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ

جب اسے ٹھیک ٹھاک کر کے بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سجدہ میں گر پڑنا۔

استاد فرماتے ہیں کہ ابوالحسن نوری کے اس کلام میں کچھ ابہام پایا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہاں روح کے پھونکنے کا ذکر کیا ہے۔ مگر ان کی مراد اس سے ان لوگوں کی رائے کو صحیح قرار

دینا نہیں ہے۔ جو روحوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ حالانکہ درحقیقت امر ایسا نہیں جیسا کہ کمزور دلوں کو بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جس چیز کے متعلق نفخ اتصال اور انفصال کی صفات وارد ہوں وہ تاثیر و تغییر کے قابل ہے اور تاثیر اور تغییر حادث ہونے کی علامتیں ہیں (لہذا روح قدیم نہ ہوئی) اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مومنین کو بصیرت اور انوار سے مخصوص کر رکھا ہے جن کے ذریعے سے وہ فراست کی بات کہہ جاتے ہیں اور یہ درحقیقت معرفت کی باتیں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ کی تشریح بھی یہی ہے۔ یعنی نور اللہ سے مراد وہ علم اور بصیرت ہے جسے اللہ تعالیٰ اس انسان کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے اور اپنے ہم جنسوں میں سے اسے ممتاز کر دیتا ہے۔ علوم بصیرت کی باتوں کو انوار کہنا کوئی عجیب بات نہیں ہے اس کے لئے نفخ کا لفظ استعمال کرنا بھی کوئی بعید نہیں۔ جبکہ نفخ سے مراد "خلق" یعنی پیدا کرنا ہے۔

حسینؒ بن منصور فرماتے ہیں کہ متفرس وہ شخص ہے جو پہلی ہی نگاہ سے اپنے صحیح مقصد کو پہنچ جائے اور اسے تاویل یا کمال یا خیال کی حاجت نہ رہے۔

کہتے ہیں کہ مریدین کی فراست ایسا ظن ہے جو تحقیق کو واجب قرار دیتا ہے اور عارفین کی فراست ایسی تحقیق ہے۔ جو درحقیقت حقیقی ہوتی ہے۔

احمد بن عاصم انطاکی فرماتے ہیں جب اہلِ صدق کی مجلس میں بیٹھو تو نیک نیتی سے بیٹھو اس لئے کہ یہ لوگ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں۔ یہ لوگ تمہارے دلوں میں اس طرح داخل ہوتے اور نکلتے ہیں کہ تم محسوس بھی نہیں کر پاتے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے کہا کہ الخلدی فرماتے تھے کہ میں نے ابو جعفر حداد کو فرماتے سنا:۔ پہلا خیال جس میں کوئی تعارض نہ پایا جائے فراست کہلاتا ہے اگر اسی قسم کا کوئی معارض خیال ہو تو وہ خاطر اور حدیثِ نفس کہلائے گا۔

ابو عبداللہ رازی سے جو نیشاپور میں آباد ہو گئے تھے حکایت ہے وہ فرماتے ہیں ابن الانباری نے مجھے صوف پہننے کو دیا اور میں نے اپنے شیخ شبلیؒ کے سر پر ایک عمدہ ٹوپی دیکھی جس کی مناسبت اس صوف کے ساتھ تھی۔ میں نے دِل میں خواہش کی کہ یہ دونوں چیزیں میرے پاس ہونی چاہئیں جب شبلیؒ اپنی مجلس سے اٹھے تو میری طرف متوجہ ہوئے۔ لہذا میں آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ کی عادت

تھی کہ جب آپ کی یہ خواہش ہوتی کہ میں آپ کے پیچھے پیچھے آؤں تو میری طرف متوجہ ہوتے جب آپ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو میں بھی داخل ہوا۔ پھر آپ نے مجھے صوف اتارنے کو کہا میں نے اتار لیا۔ آپ نے اسے لپیٹا اور اس کے اوپر ٹوپی رکھ کر سب کو آگ لگا دی۔

ابو حفص نیشاپوری فرماتے ہیں۔ فراست کا دعویٰ کرنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے مگر لئے دوسروں کی فراست سے بچنا چاہیئے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ، مگر یہ نہیں فرمایا تَفَرَّسُوا تو وہ شخص جسے دوسروں کی فراست سے بچنا چاہیئے اس کی زبان سے فراست کا دعویٰ کیسے درست ہو سکتا ہے۔

ابو العباس بن مسروق فرماتے ہیں میں اپنے ساتھیوں میں سے ایک شیخ کو بلانے گیا تو اُسے بُرے حال میں پایا۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ کہاں سے کھاتا ہوگا۔ اُس نے فوراً کہا اے ابو العباس ان کمینہ خیالات کو دل سے نکال دو۔ کیونکہ اللہ کی عنایات لوگوں سے چھپی ہوئی ہیں۔

زبیدی سے حکایت کی جاتی ہے کہ میں بغداد کی مسجد میں فقراء کی ایک جماعت کے ساتھ تھا اور کئی دن سے کوئی چیز ہمیں نہ ملی تھی۔ میں خواص سے کچھ مانگنے کے لئے آیا جب آپ کی نظر مجھ پڑی تو فرمایا جس حاجت کے لئے تو آیا ہے کیا اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے یا نہیں میں نے عرض کیا، کیوں نہیں جانتا؟ آپ نے فرمایا۔ پھر خاموش رہو اور کسی مخلوق کے سامنے اُس کا ذکر مت کرو۔ اس پر میں واپس چلا آیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ کافی سے زیادہ چیزیں آگئیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دن سہل بن عبداللہ جامع مسجد میں تھے تو سخت گرمی اور مشقت کی وجہ سے ایک کبوتری گر پڑی۔ اس پر سہل نے فرمایا کہ اس وقت شاہ کرمانی نے وفات پائی ہے لوگوں نے لکھ کر دریافت کیا تو ایسا ہی پایا۔

کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ تروغبذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ طوس کو روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر گر پڑے۔ اپنے مرید سے کہا کہ روٹی خرید لے۔ اس نے اس قدر خرید لی جو دونوں کے لئے کافی ہوتی۔ آپ نے فرمایا زیادہ خرید لو۔ مرید نے ارادۃً اس قدر خرید لی کہ دس آدمیوں کے لئے کافی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اپنے پیر کی بات کو سچا نہیں سمجھا۔ جب پہاڑ پر چڑھے تو دیکھا کہ کچھ لوگوں کو چوروں نے قید کر رکھا ہے۔ کئی دنوں سے انہوں

نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ انہوں نے ہم سے کھانا مانگا۔ تروغبدی نے فرمایا ان کیلئے دستر خوان لگاؤ
استاد امام فرماتے ہیں کہ ایک دن میں استاد ابوعلی کے پاس تھا کہ شیخ عبدالرحمٰن سلمی کا ذکر چھڑ
گیا کہ سماع کی مجلس[۹۴۸] میں فقراء کی موافقت کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ استاد ابوعلی نے فرمایا
کیا اس جیسا آدمی جس کی یہ حالت اور مرتبہ ہو۔ کیا وہ قیام کرتا ہے؟ شاید ان کے لئے سکون
زیادہ بہتر ہوتا۔ پھر اسی وقت فرمایا۔ اسکے پاس جاؤ تم اسے اپنے کتب خانہ میں بیٹھا پاؤ گے۔
کتابوں کے اوپر ایک سرخ رنگ کی چھوٹی سی کتاب ہوگی۔ جس میں حسین بن منصور کے اشعار
ہوں گے یہ کتاب اٹھا لینا اور انہیں کچھ نہیں کہنا اور کتاب میرے پاس لے آنا۔ اس وقت
دوپہر کا وقت تھا۔ میں ان کے پاس گیا۔ دیکھا تو وہ اپنے کتب خانہ میں تھے اور کتاب وہیں پڑی
تھی جہاں انہوں نے ذکر کیا تھا۔ جب میں بیٹھ گیا تو شیخ ابوعبدالرحمٰن باتیں کرنے لگے اور فرمایا
ایک شخص ایک عالم پر اس لئے اعتراض کرتا تھا کہ وہ سماع میں حرکت کرتا تھا۔ اس عالم نے اس
شخص کو اپنے گھر میں خلوت میں دیکھا کہ اس طرح چکر لگا رہا ہے جس طرح کوئی وجد میں چکر لگا رہا
ہو۔ اس سے اسکا سبب پوچھا گیا تو بتایا کہ ایک مشکل مسئلہ تھا۔ جو حل نہ ہوتا تھا۔ پھر حل ہو گیا۔
خوشی کے مارے میں اپنے پر قابو نہ پا سکا۔ اس لئے میں نے اٹھ کر چکر لگانا شروع کر دیا۔ اس شخص
کو بتایا گیا کہ علماء اور صوفیاء کا بھی یہی حال ہوتا ہے (جس پر تو اعتراض کرتا ہے) جب میں نے وہی
کیفیت دیکھی جس کا استاد ابوعلی نے ذکر فرمایا تھا۔ اور شیخ ابوعبدالرحمٰن کی زبان پر یہ قصہ جاری ہوا
جس کا انہوں نے ذکر کیا تو میں حیرت زدہ رہ گیا اور کہا کہ اب کیا طریقہ اختیار کروں اور (دل میں)
کہا کہ اب سچ کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ لہذا میں نے عرض کیا۔ استاد ابوعلی نے مجھ سے اس کتاب
کا ذکر کیا تھا اور فرمایا تھا۔ کہ شیخ کی اجازت کے بغیر میرے پاس لے آنا۔ مجھے آپ کا ڈر ہے اور
میں استاد ابوعلی کے حکم کے خلاف بھی نہیں کر سکتا۔ اب آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے ایک
اور کتاب نکالی جو حسین (بن منصور) کی مسدس تھی اور اس جلد کے اندر انکی ایک اپنی تصنیف
تھی جس کا نام کتاب الصیہور[۹۴۹] فی نقض الدہور تھا اور فرمایا اسکے پاس یہ کتاب لے جاؤ اور کہو کہ میں اس
کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں۔ اور اسکے اشعار اپنی تصنیفات میں نقل کرتا ہوں۔ اسکے بعد میں چلا آیا۔
حسن حداد سے حکایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ابوالقاسم منادی کے پاس تھا اور آپ

کے پاس فقراء کی ایک جماعت تھی۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ جا کر اُن فقراء کے لئے کچھ لے آؤ۔ مجھے اس بات سے بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ آپ نے فقراء کے لئے کچھ کرنے کو مجھ سے کہا اور باوجود اسکے کہ آپ کو علم تھا کہ میں خود محتاج ہوں۔ مجھے ان کے لئے لانے کو فرمایا۔ حسن کہتے ہیں کہ میں نے ایک زنبیل لی۔ اور نکل آیا۔ جب سیار کے محلہ میں پہنچا تو ایک بارونق بوڑھے کو دیکھا۔ میں نے اسے سلام کیا اور کہا کہ فقراء کی ایک جماعت فلاں جگہ پر ہے کیا آپ ان سے کچھ مروت کریں گے اس نے مجھے روٹیاں اور کچھ گوشت اور انگور دیئے۔ ابھی میں دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ ابوالقاسم منادی نے دروازے کے پیچھے سے پکارا جہاں سے چیزیں لائے ہو وہیں واپس لے جاؤ۔ لہٰذا میں نے واپس جا کر بوڑھے کے سامنے عذر پیش کیا اور کہا کہ وہ منتشر ہو چکے تھے اس لئے مجھے نہیں ملے۔ لہٰذا میں نے چیزیں واپس دے دیں اس کے بعد میں بازار آیا اور اللہ نے مجھے کوئی چیز دے دی جسے میں لے آیا۔ آپ نے مجھے داخل ہونے کو کہا۔ میں نے سارا قصہ کہہ سنایا آپ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے یہ شخص ابن سیار شاہی نوکروں میں سے ہے۔ جب تم درویشوں کے لئے کوئی چیز لاؤ تو اس قسم کی چیز لایا کرو جو اب لائے تھے۔ پہلی قسم کی چیز مت لایا کرو۔

ابوالحسین قرافی[(۹۵۰)] فرماتے ہیں: میں الخیر تنیانی[(۹۵۱)] کی زیارت کو گیا۔ جب میں آپ کے پاس سے روانہ ہونے لگا تو آپ میرے ساتھ مسجد کے دروازہ تک نکل کر آئے۔ اور فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ آپ اپنے ساتھ کوئی چیز نہیں رکھتے۔ مگر یہ دو سیب اپنے ساتھ لے جایئے۔ میں نے لے کر انہیں اپنی جیب میں ڈال لیا اور چل پڑا۔ جب تین دن تک مجھے کوئی چیز نہ ملی تو میں نے ایک سیب کو نکال کر کھا لیا۔ پھر (کچھ دیر بعد) دوسرے کو نکالنا چاہا تو دیکھا۔ دونوں میری جیب میں موجود تھے۔ موصل کے دروازہ تک پہنچنے تک میں ان دونوں سیبوں میں سے کھاتا اور دونوں ویسے کے ویسے رہتے۔ اس پر میں نے دل میں کہا کہ یہ سیب تو میری توکل کی حالت کو خراب کردیں گے۔ کیونکہ مجھے ان کا حال معلوم ہو چکا ہے میں نے دونوں کو جیب سے نکال دیا اور اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک فقیر چادر میں لپٹا ہوا دکھائی دیا جو یہ کہہ رہا تھا کہ میں سیب کھانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے دونوں سیب اُسے دے دیئے۔ جب میں آگے نکل گیا تو دل میں خیال

آیا کہ شیخ نے یہ سیب تو اسی آدمی کے لئے بھیجے تھے۔ اس وقت میرے ساتھ اور ساتھی بھی تھے میں جو لوٹ کر اس کی طرف آیا تو اُسے نہ پایا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبداللہ بن علی فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عمرو بن علوان کو فرماتے سنا کہ ایک نوجوان جنید کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ اور لوگوں کے دلوں کی باتیں بتایا کرتا تھا۔ میں نے اس کا ذکر جنید سے کر دیا۔ جنید نے اس سے پوچھا کہ یہ لوگ تمہارے متعلق کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا۔ آپ کوئی بات دل میں رکھ لیں۔ جنید نے فرمایا میں نے رکھ لی۔ جوان نے کہا آپ نے یہ بات دل میں رکھی ہے۔ جنید نے کہا نہیں۔ اس نے پھر کہا پھر ایک بار اور دل میں رکھ لیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ جوان نے کہا آپ نے یہ بات دل میں رکھی ہے۔ جنید نے کہا نہیں۔ جوان نے اب تیسری بار پھر کہا دل میں کوئی بات رکھ لیں۔ اور انہوں نے پھر کہا نہیں اس پر نوجوان نے کہا یہ عجیب بات ہے۔ آپ بھی سچے آدمی ہیں اور میں بھی اپنے دل کو جانتا ہوں۔ پھر جنید نے کہا تو نے تینوں بار سچ کہا مگر میں تمہارا امتحان کرنا چاہتا تھا کہ (آیا میرے انکار سے) تمہارے دل میں کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔

میں نے انہی کو سنا فرماتے تھے کہ میں نے ابو عبداللہ رازی کو سنا کہ ابن الرقی بیمار ہو گئے ایک پیالے میں آپ کے پاس دوا لائی گئی۔ آپ نے اسے لے لیا۔ پھر فرمایا آج سلطنت میں کوئی حادثہ رونما ہوا ہے۔ جب تک معلوم نہ ہو جائے کہ وہ کیا حادثہ ہے۔ میں نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا۔ چند دنوں کے بعد خبر آئی کہ اسی دن قرمطی مکہ میں داخل ہوا اور ایک بہت بڑی جماعت کو اس نے قتل کر دیا۔

میں نے ابو عبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا کہ انہوں نے ابو عثمان مغربی کو فرماتے سنا کہ کسی نے اس حکایت کا ذکر ابن الکاتب سے کیا تو انہوں نے فرمایا۔ یہ عجیب بات ہے۔ میں نے جواب دیا یہ تو کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ یہ بات سن کر ابو علی بن الکاتب نے کہا۔ اب مکہ کی کیا خبر ہے؟ میں نے جواب دیا۔ طلیون (بنو طلحہ) اور بنو الحسن آپس میں لڑ رہے ہیں اور طلیون کا قائد ایک سیاہ رنگ کا آدمی ہے۔ جس نے پگڑی باندھ رکھی ہے اور اس وقت مکہ کے اوپر بادل چھایا ہوا ہے جس نے سارے حرم کو گھیر رکھا ہے۔ ابو علی نے یہ بات مکہ لکھ بھیجی اور واقعہ ایسا ہی تھا۔

انس بن مالک اور حضرت عثمان

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ وہ حضرت عثمان کے پاس گئے۔ راستہ میں انہوں نے ایک عورت دیکھی جس کے حسن کو انہوں نے غور سے دیکھا۔ حضرت عثمان نے فرمایا: تم میں سے کچھ لوگ میرے پاس آتے ہیں اور زنا کے آثار اُن کی آنکھوں سے واضح ہوتے ہیں۔ میں نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نازل ہوئی ہے۔ فرمایا نہیں، مگر یہ بصیرت، برہان اور سچی فراست ہے۔

ابوسعید خراز فرماتے ہیں: میں مسجد حرم میں گیا تو ایک فقیر کو دیکھا۔ جس نے دو گدڑیاں پہن رکھی تھیں اور لوگوں سے مانگ رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ اس قسم کا آدمی لوگوں پر بوجھ ہوتا ہے اس نے میری طرف دیکھا اور کہا۔ وَاعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ یاد رکھو اللہ تمہارے دل کی بات جانتا ہے۔ لہٰذا اس سے ڈرو۔ ابوسعید فرماتے ہیں کہ میں نے دل ہی دل میں استغفار کیا تو اس نے مجھے پکار کر کہا وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ۔ اور خدا وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

ابراہیم خواص سے حکایت کی گئی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں بغداد میں جامع مدینہ میں تھا اور وہاں فقراء کی جماعت بھی تھی۔ ایک ظریف خوشبو میں مہکتا ہوا جاہ والا خوبصورت نوجوان آیا میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے تو یہ یہودی معلوم ہوتا ہے۔ سب نے میری بات کو ناپسند کیا میں بھی نکل گیا اور وہ نوجوان بھی نکل گیا۔ پھر لوٹ کر اُن کے پاس آیا۔ پوچھا کہ میرے متعلق اس بوڑھے نے کیا کہا تھا؟ انہیں کہتے ہوئے شرم آئی۔ اس نے اصرار کیا تو انہوں نے کہا کہ شیخ نے کہا کہ تم یہودی ہو۔ ابراہیم فرماتے ہیں کہ وہ شخص میرے پاس آیا۔ میرے ہاتھوں کو چومنے لگا اور اسلام لے آیا۔ اس سے اسکا سبب پوچھا گیا تو بتایا کہ ہم اپنی کتابوں میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ صدیق کی فراست میں خطا نہیں ہوتی۔ اس پر میں نے کہا کہ میں مسلمانوں کو آزماؤں گا۔ میں نے ان میں غور کیا تو کہا اگر مسلمانوں میں کوئی صدیق ہوگا تو اس جماعت میں ہوگا۔ کیونکہ یہ لوگ حق سبحانہٗ کا کلام پڑھتے ہیں لہٰذا میں نے اپنا معاملہ تم سے چھپائے رکھا۔ مگر جب اس شیخ کو میری حالت کی اطلاع ہوگئی۔ اور فراست کی بات کہی تو میں سمجھ گیا کہ یہ صدیق ہیں۔ یہ نوجوان کبار صوفیا میں سے ہوا۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ سے سنا انہوں نے عبداللہ بن ابراہیم بن العلاء سے سنا

انہوں نے کہا محمد بن داود سے فرماتے تھے کہ ہم جریری کے پاس بیٹھے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سلطنت میں کوئی واقعہ پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے وقوع سے پہلے اسے اس کی اطلاع دے دیں؟ ہم نے کہا کہ ہم میں تو ایسا کوئی نہیں ہے یہ سن کر فرمایا۔ ان دلوں پر روؤ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی نہیں پایا۔

ابو موسیٰ دیلمی فرماتے تھے کہ میں نے عبدالرحمٰن بن یحییٰ سے توکل کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ توکل یہ ہے کہ اگر تو اپنا ہاتھ اژدھا کے منہ میں پہنچوں تک ڈال دے پھر بھی تو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے تو یہ توکل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر میں ابو یزید کے پاس توکل کے متعلق پوچھنے کے لئے گیا جب میں نے دستک دی تو انہوں نے فرمایا؛ کیا عبدالرحمٰن کا قول تمہارے لئے کافی نہ تھا وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ دروازہ تو کھولیں۔ انہوں نے جواب دیا تم میری زیارت کے لئے نہیں آئے۔ تمہیں دروازے کے پیچھے سے جواب مل گیا۔ مگر دروازہ نہ کھولا فرماتے ہیں کہ میں چلا گیا اور ایک سال بعد ان کی زیارت کا قصد کیا تو آپ نے خوش آمدید کہہ کر کہا اب تم میری زیارت کو آئے ہو۔ میں ایک ماہ تک ان کے پاس ٹھہرا رہا۔ میرے دل میں جو خیال بھی گزرتا وہ اسے (خود بخود) بیان کر دیتے۔ جب میں ان سے رخصت ہونے لگا تو میں نے عرض کیا کہ کوئی مفید بات فرمایئے۔ فرمایا میری والدہ نے مجھے بتلایا کہ میں ان کے پیٹ میں تھا تو جو کھانا انہیں پیش کیا جاتا۔ اگر حلال ہوتا تو اُن کا ہاتھ اس طرف بڑھتا اور اگر کھانا مشکوک ہوتا تو ہاتھ آگے نہ بڑھتا۔

ابراہیم خواص فرماتے ہیں میں جنگل میں گیا تو مجھے بہت تکلیف ہوئی اور جب مکہ میں داخل ہوا تو میرے دل میں تھوڑا سا غرور آ گیا۔ اس پر ایک بڑھیا نے مجھے پکار کر کہا اے ابراہیم جنگل میں تمہارے ساتھ میں تھی، مگر میں نے تمہیں اس لئے نہیں بلایا کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ تمہارے باطن کو کسی اور کی طرف مشغول کروں۔ یہ وسواس (جو تمہارے دل میں پیدا ہوا ہے اسے) نکال دو۔

حکایت کی جاتی ہے کہ فرغانی ہر سال حج کے لئے جاتے اور نیشاپور سے ابو عثمان حیری سے ملے بغیر گزر جاتے۔ فرغانی فرماتے ہیں کہ ایک بار میں اُن کے پاس گیا اور سلام کیا تو انہوں نے سلام

کا جواب نہ دیا۔ میں نے دل میں کہا کہ ایک مسلمان اس کے پاس آکر سلام کرتا ہے اور یہ سلام کا جواب نہیں دیتا۔ ابوعثمان نے فوراً کہا کہ اس قسم کا آدمی حج کو جاتا ہے اور اپنی والدہ سے نیک برتاؤ نہیں کرتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں فرغانہ واپس چلا گیا۔ اور مرتے دم تک والدہ کے پاس رہا ان کی وفات کے بعد ابوعثمان کے پاس گیا تو انہوں نے میرا استقبال کیا اور مجھے بٹھایا پھر فرغانی نے ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے جانوروں کی نگہداشت پر مقرر کر دیں آپ نے انہیں ان پر مقرر کر دیا۔ یہاں تک کہ ابوعثمان وفات پا گئے۔

خیر النساج فرماتے ہیں۔ میں اپنے گھر میں تھا کہ دل میں خیال پیدا ہوا کہ جنید دروازے پر ہیں مگر میں نے اس خیال کو دل سے دور کر دیا مگر پھر دوبارہ اور سہ بارہ خیال آیا، نکلا تو جنید دروازے پر تھے انہوں نے فرمایا پہلے خیال پر کیوں نہیں نکلے؟

محمد بن حسین بسطامی فرماتے ہیں: میں ابوعثمان مغربی کے پاس گیا اور دل میں خیال کیا کہ شاید وہ مجھ سے کوئی چیز چاہیں گے۔ اس پر ابوعثمان نے فرمایا: کیا لوگوں کے لئے کافی نہیں کہ میں اُن کی چیز قبول کر لیتا ہوں کہ اب مجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ ان سے مانگوں؟

ایک فقیر کا بیان ہے میں بغداد میں تھا کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مرتعش مجھے پندرہ درہم لا کر دیں تاکہ میں ایک چھاگل، رسی اور جوتا خریدوں اور جنگل کو چلا جاؤں۔ اتنے میں کسی نے دستک دی۔ جب میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ مرتعش ہیں۔ اور ان کے پاس پرانے کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے۔ مجھے فرمایا کہ یہ لے لو۔ میں نے عرض کیا: اے میرے آقا! مجھے ضرورت نہیں۔ فرمایا: تو پھر تم ہمیں کیوں ایذا پہنچاتے ہو۔ تم نے کتنے درہم چاہے تھے؟ میں نے عرض کیا: پندرہ۔ فرمایا: یہ پندرہ درہم ہی تو ہیں۔

کسی صوفی کے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَوَمَنْ کَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ (بھلا وہ شخص جو مردہ ہو اور ہم نے اسے زندہ کر دیا ہو) کی تشریح میں فرمایا ہے کہ میت سے مراد وہ شخص ہے جس کا ذہن مر چکا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے نورِ فراست سے زندہ کر دیتا ہے۔ اور اسے نورِ تجلی اور مشاہدہ عطا کرتا ہے۔ یہ شخص ان لوگوں کی طرح نہیں ہو سکتا جو اہلِ غفلت کے ساتھ غافل ہو کر چلتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جب کسی کو صحیح فراست حاصل ہو جائے تو فراست والا انسان بلند ہو کر مشاہدہ تک پہنچ جاتا ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سے سنا کہ محمد بن الحسین[۹۵۶] بغدادی نے کہا کہ جعفر بن محمد بن نصیر فرماتے تھے کہ میں نے ابو العباس بن مسروق سے سنا کہ فرماتے تھے۔ ایک بوڑھا ہمارے پاس آیا وہ صوفیاء کی طرز میں باتیں کرتا تھا۔ اور عمدہ باتیں کرتا تھا۔ اس کی گفتار شیریں اور اچھی طبیعت تھی۔ اس نے گفتگو کے دوران کہا۔ کچھ بھی تمہارے دل میں آئے مجھے کہہ دو۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ یہودی ہے۔ خیال قوی تر ہوتا گیا اور زائل نہ ہوا۔ میں نے اس کا ذکر جریری سے کیا تو انہیں برا محسوس ہوا۔ میں نے کہا کچھ بھی ہو میں تو ضرور اس شخص کو بتلا دوں گا۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا تم کہتے ہو کہ جو خیال میرے دل میں آئے کہہ دو۔ میرے خیال میں تو یہ ہے کہ تم یہودی ہو۔ اس نے تھوڑی دیر سر نیچے رکھا۔ پھر سر اٹھا کر کہا تم سچ کہتے ہو۔ پھر کلمۂ شہادت پڑھا اور کہا۔ میں نے تمام مذاہب کا تجربہ کیا مگر دل میں کہا کرتا تھا کہ اگر کسی قوم میں کوئی چیز ہے تو ان کے پاس ہو گی۔ لہذا میں تمہارے اندر گھس گیا تا کہ تمہیں آزماؤں۔ تم حق پر ہو اور وہ پھر اچھا مسلمان رہا۔

جنید سے حکایت ہے فرماتے تھے کہ سریؒ مجھے لوگوں کو وعظ کرنے کا حکم کرتے تھے۔ نیز فرماتے تھے کہ وعظ کرنے میں مجھ میں جھجک پائی جاتی تھی اور میں اپنے آپ کو اہل نہ سمجھتا تھا ایک رات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ یہ جمعہ کی رات تھی۔ انھوں نے مجھے فرمایا لوگوں کو وعظ کرو۔ میں اٹھ کر صبح ہونے سے پہلے ہی سری کے دروازے پر پہنچا اور دستک دی انہوں نے مجھے فرمایا۔ تو نے میری بات نہیں مانی۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تجھ سے فرمایا۔ دوسرے دن جنیدؒ جامع مسجد میں لوگوں کو وعظ کرنے کے لئے بیٹھے۔ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ جنیدؒ لوگوں کو وعظ فرمانے لگے ہیں۔ ایک عیسائی لڑکا بھیس بدل کر آیا اور کہا اے شیخ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ کا کیا مطلب ہے؟ جنیدؒ نے اس پر پہلے سر جھکایا پھر سر اٹھایا۔ اور کہا مسلمان ہو جا۔ کیونکہ تمہارے اسلام لانے کا وقت آ گیا ہے۔ اس پر وہ لڑکا مسلمان ہو گیا۔

۳۳۔ خُلق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيم ۔ آپ کے اخلاق بڑے ہیں
ہم سے علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ ہم سے ہشام بن محمد بن غالب نے ، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے معلیٰ بن مہدی[۹۰] نے ، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے بشار[۹۱] بن ابراہیم النمیری نے ، غیلان بن جریر[۹۲] سے اور انھوں نے انسؓ سے روایت کی : یہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ! کون افضل ایمان والا ہے ؟ آپ نے فرمایا جو اخلاق میں سب سے بہتر ہو۔
استاد فرماتے ہیں کہ اچھے اخلاق انسان کی بہترین خوبیاں ہیں۔ اس سے انسانوں کا جوہر ظاہر ہوتا ہے ۔ اپنے افعال کی وجہ سے تو چھپا رہتا ہے۔ مگر اخلاق کی وجہ سے مشہور ہوتا ہے۔
میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو خاص خصوصیتوں کے ساتھ مخصوص کیا۔ مگر جس قدر تعریف آپ کی صفات میں سے آپ کے اخلاق کی ہے۔ اس قدر کسی اور صفت کی نہیں۔ چنانچہ فرمایا ۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيم ۔
واسطیؒ[۹۳] فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کی صفت خلق عظیم کے ساتھ اس لئے بیان فرمائی کہ آپ نے دونوں جہانوں کی جملہ اشیاء کو دے کر اللہ تعالےٰ کے ساتھ اکتفا کیا۔
واسطیؒ فرماتے ہیں۔ خلق عظیم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی شدید معرفت کی وجہ سے نہ تو خود کسی سے جھگڑے اور نہ کوئی ان سے جھگڑ سکے ۔
حسین بن منصورؒ فرماتے ہیں۔ خلق عظیم کے معنی یہ ہیں کہ مخلوق کی جفا کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جبکہ آپ حق کا مطالعہ کر چکے ہیں۔
ابوسعید خراز فرماتے ہیں :۔ کہ آپ کو اللہ کے سوا کسی چیز کی خواہش نہ تھی۔
میں نے شیخ ابوعبدالرحمن سلمی سے سنا کہ انھوں نے الحسین[۹۴] بن احمد بن جعفر سے سنا کہ الکتانی فرما رہے تھے :۔ تصوف نام ہی اخلاق کا ہے لہٰذا جو شخص تم سے اخلاق میں بلند ہو گا۔ وہ تصوف میں بھی تم سے بلند ہوگا۔

مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:۔ اگر تم نے مجھے اپنے غلام کو اخزاہ اللہ (خدا اسے رسوا کرے) کے الفاظ کہتے ہوئے سن لو تو تم گواہ رہنا کہ وہ آزاد ہے۔

فضیل فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص کلیتہ نیکی کرتا ہے اور اس کی ایک مرغی ہے جس سے وہ بُرا برتاؤ کرتا ہے۔ تو وہ نیک کام کرنے والا نہیں کہلا پائے گا۔

کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اگر اپنے کسی غلام کو اچھی طرح نماز پڑھتے دیکھتے تو اُسے آزاد کر دیتے۔ غلاموں کو اس بات کا پتہ چل گیا تو دکھاوے کے طور پر اچھی طرح نماز پڑھا کرتے۔ آپ پھر بھی انھیں آزاد کر دیتے۔ آپ سے اس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا:۔ جو شخص اللہ کے بارے میں ہمیں دھوکہ دیتا ہے تو ہم دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ محمد بن عبد اللہ الرازی سے سنا کہ ابو محمد الجریری نے کہا کہ جنیدؒ فرماتے تھے کہ میں نے حارث محاسبیؒ کو فرماتے سنا: تین چیزیں (دنیا سے) مفقود ہو چکیں۔ (۱) خوبصورتی جس کے ساتھ کمال خلق پایا جاتا ہو (۲) سچائی جس کے ساتھ امانت پائی جاتی ہو۔ (۳) اچھا بھائی چارہ جس کے ساتھ وفاداری بھی ہو۔

میں نے انہی کو فرماتے سنا کہ میں نے عبد اللہ[۹۶۵] محمد رازی کو فرماتے سُنا۔ خلق یہ ہے کہ جو نیک اعمال تجھ سے سرزد ہوں تو اُن کو حقیر سمجھے اور جو عنایات اللہ کی طرف سے تجھ پر ہوں اُن کو تو بڑا سمجھے۔

احنف[۹۶۶] سے کسی نے پوچھا کہ تم نے اخلاق کس سے سیکھا۔ فرمایا: قیس بن عاصم[۹۶۷] منقری سے کسی نے سوال کیا: ان کے اخلاق کس حد تک پہنچ چکے تھے؟ فرمایا۔ ایک بار وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ ان کی خادمہ سیخ لے کر آئی۔ جس پر بھُنا ہوا گوشت تھا۔ سیخ اُس کے ہاتھ سے گر پڑی اور قیس کے بیٹے کو لگی۔ جس سے وہ بچہ مر گیا۔ لونڈی وحشت زدہ ہو گئی۔ تو اس نے اُسے کہا: تجھے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ تو اللہ کی ذات کے لئے آزاد ہے۔

شاہ کرمانی فرماتے ہیں: لوگوں کی ایذارسانی سے اپنے آپ کو روکنا اور لوگوں کی تکالیف برداشت کرنا حسنِ خلق کی علامت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے مال کے ذریعہ لوگوں کو خوش نہیں کر سکتے۔ لہٰذا

خندہ پیشانی اور حسنِ خلق کے ذریعہ سے انھیں خوش رکھا کرو۔

ذوالنونؒ مصری سے کسی نے پوچھا لوگوں میں سب سے زیادہ غمزدہ کون شخص ہے ؟ فرمایا:۔ جو لوگوں میں سب سے زیادہ بد اخلاق ہے۔

وہب فرماتے ہیں:۔ بندہ جس کسی بات کو چالیس دن تک اپنا خلق بنا لے تو وہ خلق اس کی طبیعت بن جاتا ہے۔

حسن بصریؒ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں اپنے اخلاق کو اچھا بناؤ۔

کہتے ہیں کہ ایک ناسک کی ایک بکری تھی جسے اس نے تین ٹانگوں پر کھڑا دیکھا۔ تو کہا بکری سے یہ فعل کس نے کیا ؟ ان کے ایک غلام نے کہا:۔ میں نے کیا ہے۔ اس نے پوچھا کیوں ؟ اس نے جواب دیا تاکہ تمہیں اس سے غم زدہ کروں۔ ناسک نے کہا:۔ نہیں بلکہ میں تمہیں اس بات کا حکم کرنے والے (یعنی شیطان) کو اس سے غم زدہ کروں گا۔ جا! تو آزاد ہے

کسی نے ابراہیم بن ادھم سے پوچھا:۔ کیا تو دنیا میں کبھی خوش ہوا ہے ؟ جواب دیا ہاں۔ دوبار۔ ایک دن میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انسان نے آکر مجھ پر پیشاب کر دیا۔ اور دوسری بار اس طرح کہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انسان نے آکر مجھے تھپڑ مارا۔

کہتے ہیں کہ جب بچے اویس قرنیؒ[(۹۶۸)] کو دیکھتے تو انھیں پتھر مارتے۔ یہ اُن سے کہتے اگر تم کو پتھر مارنا ہی ہے تو چھوٹے پتھر مارو۔ تاکہ تم میری پنڈلی نہ توڑ ڈالو۔ اور اس طرح مجھے نماز سے نہ روک دو۔

ایک شخص نے احنف بن قیس کو گالی دی، وہ آپ کے پیچھے آرہا تھا۔ جب احنف قبیلہ کے قریب پہنچنے لگے۔ تو ٹھہر گئے اور کہا:۔ اے جوان! اگر کوئی اور بات تمہارے دل میں رہ گئی ہے تو ابھی کہہ ڈالو۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قبیلہ کا کوئی بے وقوف تمہاری گالیوں کو سن کر تمہیں جواب دے۔

کسی نے حاتم اصمؒ سے پوچھا:۔ کیا انسان ہر کسی کی خطا کو برداشت کرے ؟ فرمایا:۔ ہاں، سوائے اپنی خطا کے (کہ اسے برداشت نہ کرے بلکہ اسے درست کرے)

روایت کی گئی ہے کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو بلایا مگر اُس نے جواب نہ دیا۔ آپ نے دوبارہ سہ بارہ بلایا۔ اُس نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔ آپ خود اُٹھ کر اُس کے پاس تشریف لے گئے اور اُسے لیٹا ہوا پایا۔ فرمایا:۔ اے غلام! کیا تو میری آواز نہیں سُن رہا ہے؟ جواب دیا: ہاں سُن رہا ہوں۔ پھر پوچھا تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ اس نے جواب دیا: مجھے یقین تھا کہ آپ مجھے سزا نہیں دیں گے۔ لہٰذا میں نے سُستی کی۔ یہ جواب سُن کر حضرت علی نے فرمایا:۔ جا تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔

کہتے ہیں کہ معروف کرخیؒ دجلہ میں وضو کرنے کے لئے اُترے اور اپنا قرآن اور لحاف رکھ دیا۔ ایک عورت آئی اور دونوں کو اٹھا کر لے گئی۔ معروف نے اس عورت کا پیچھا کیا اور کہا۔ اے بہن میں معروف ہوں اور میں تجھے کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ کیا تیرا کوئی بیٹا پڑھنا جانتا ہے؟ اس عورت نے جواب دیا نہیں۔ پھر فرمایا:۔ خاوند؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے فرمایا: مصحف (قرآن) مجھے دے دو اور کپڑا لے لو۔

ایک بار چور زبردستی ابو عبد الرحمٰن سلمی کے گھر میں گھس گئے اور جو کچھ انہیں وہاں ملا، اُٹھا کر لے گئے پھر میں نے اپنے ایک ساتھی کو کہتے سُنا کہ اُس نے شیخ ابو عبد الرحمٰن کو فرماتے سنا کہ میں بازار میں سے گذرا تو میں نے اپنا جبہ ایک شخص کو پہنے ہوئے دیکھا اور وہ اس کی بیع کر رہا تھا۔ (نیلام کر رہا تھا) میں نے اس سے منہ موڑ لیا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہُوا۔

میں نے شیخ ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابُونصر السراج الطوسی نے کہا کہ ابو جہمی فرماتے تھے کہ جریری فرماتے ہیں۔ میں جب مکّہ سے آیا۔ تو اس خیال سے کہ کہیں جنیدؒ تکلیف نہ فرمائیں۔ میں پہلے انہی کے پاس گیا اور انھیں سلام عرض کر کے پھر گھر گیا۔ جب میں نے مسجد میں صبح کی نماز پڑھی۔ دیکھا تو وہ میرے پیچھے صف میں تھے۔ میں نے عرض کیا کہ میں کل آپ کی خدمت میں صرف اس غرض سے حاضر ہوا تھا کہ آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: تو تمہاری مہربانی تھی مگر (جو میں نے کیا ہے) یہ تمہارا حق ہے۔

کسی نے ابوحفص سے خُلق کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا۔ خُلق تو وہی ہے جسے اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اختیار فرما کر کہا ہے:۔ خُذِ الْعَفْوَ (آیت)

کہاجاتا ہے کہ خلق یہ ہے کہ تو (بدن کے اعتبار سے) لوگوں کے قریب ہو۔ مگر اُن کے درمیان ایسا ہو جیسے ایک اجنبی شخص۔

نیز کہا گیا ہے کہ خلق یہ ہے کہ تو لوگوں کی بدخلقی اور اللہ تعالےٰ کی قضا کو بغیر ملال اور اظہار بے چینی کے قبول کرے۔

کہاجاتا ہے کہ ابُوذرؓ حوض پر اپنے اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے جلد بازی کی اور حوض ٹوٹ گیا۔ یہ دیکھ کر ابوذرؓ پہلے بیٹھ گئے۔ پھر لیٹ گئے۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب کسی انسان کو غصّہ آ جائے تو اسے بیٹھ جانا چاہیئے۔ اگر اس طرح غصّہ جاتا رہے تو بہتر ہے ورنہ لیٹ جائے۔

کہتے ہیں کہ انجیل میں ہے:۔ اے میرے بندے جب تجھے غصہ آجائے تو مجھے یاد کرو۔ جب مجھے غصّہ آئے گا تو میں تمہیں یاد کروں گا۔

ایک عورت نے مالک بن دینار سے کہا۔ اسے ریاکار! یہ سُن کر مالک نے کہا: تم نے تو میرا وہ نام پالیا ہے جس سے اہل بصرہ ناواقف ہیں۔

لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا۔ تین شخص تین صورتوں میں پہچانے جاتے ہیں حلیم الطبع انسان غصے کے وقت۔ بہادر جنگ کے وقت۔ بھائی جب کہ ضرورت پڑ جائے۔

موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں خدایا! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ لوگ میرے متعلق وہ بات نہ کہیں جو مجھ میں نہیں پائی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ تو نے یہ خواہش میری خاطر نہیں کی۔ لہٰذا یہ بات میں تمہاری خاطر کیوں کروں۔

کہتے ہیں کہ یحییٰ بن زیاد کا ایک غلام تھا۔ جو بڑا بد اخلاق تھا۔ لوگوں نے انھیں کہا کہ آپ نے اسے اپنے پاس کیوں رکھ رکھا ہے۔ تو فرمایا:۔ میں نے اسے اپنے پاس اس لئے رکھا ہے کہ اس کے ذریعے سے میں حلم سیکھوں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً (اللہ تعالےٰ نے تمہیں اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل طور پہ دیں) کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ ظاہری نعمتوں سے مراد پاک اخلاق ہیں۔

فضیل فرماتے ہیں کہ ایک فاجر اچھے اخلاق والے کی صحبت کو میں ایک عابد بُرے اخلاق والے کی صحبت سے بہتر سمجھتا ہوں۔

نیز کہا گیا ہے کہ اچھی مدارات کے ساتھ لوگوں کی ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنا اچھا خلق کہلاتا ہے۔

حکایت کی گئی ہے کہ ابراہیم بن ادھم کسی جنگل کو نکل گئے۔ راستہ میں انھیں ایک فوجی سپاہی ملا۔ جس نے اُن سے پوچھا کہ آبادی کدھر کو ہے؟ آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے آپ کے سر پر مار کر ایسا زخمی کیا کہ ہڈی ظاہر ہوگئی۔ جب سپاہی آگے چلا گیا تو اُسے کسی نے بتلایا کہ ابراہیم بن ادھم تو خراسان کا بہت بڑا زاہد ہے۔ وہ اُن سے معافی مانگنے کو آیا۔ آپ نے فرمایا:۔ جب تو نے مجھے مارا تھا تو میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ تجھے جنت عطا کرے۔ سپاہی نے پوچھا یہ کیوں؟

انہوں نے فرمایا: مجھے معلوم تھا کہ اس تکلیف پر اللہ تعالیٰ مجھے اجر دے گا۔ لہٰذا میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ تمہاری وجہ سے مجھے نیکی ملے اور میری وجہ سے تمہیں شر۔

حکایت کی جاتی ہے کہ کسی شخص نے ابوعثمان حیری کی دعوت کی۔ جب آپ اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو اس شخص نے کہا: اے اُستاد! ابھی تمہارے داخل ہونے کا وقت نہیں ہے۔ میں تو دعوت دینے سے نادم ہوں۔ لہٰذا آپ واپس چلے جائیں۔ چنانچہ ابوعثمان واپس چلے آئے۔ مگر جب گھر پہنچے تو وہ شخص پھر آگیا اور کہا:۔ ابھی چلئے۔ ابوعثمان اُٹھ کر اُسکے ساتھ ہو لئے۔ مگر جب پھر گھر کے دروازے پر آئے تو اس نے پھر وہی پہلے کی سی بات کہی۔ تیسری اور چوتھی بار بھی ایسا ہی کیا۔ ابوعثمان واپس آئے اور پھر ساتھ ہو لئے جب کئی بار ایسا ہو چکا۔ تو اس شخص کہا: اے استاد: میں تو آپ کو آزمانا چاہتا تھا اور معافی مانگنے لگا اور ان کی تعریف کرنے لگا۔ ابوعثمان نے فرمایا: ایسے اخلاق پر میری تعریف نہ کر جو کُتوں میں بھی پلئے جاتے ہیں۔ کتے کو جب بلایا جائے تو آجاتا ہے اور دھتکارا جائے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ابوعثمان دوپہر کے وقت کسی کوچے میں سے گذرے تو کسی نے چھت پر سے راکھ کی طشت پھینک دی۔ آپ کے مُرید بڑے ناراض ہوئے اور پھینکنے والے کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ ابوعثمان نے فرمایا:۔ اسے کچھ مت کہو جو شخص اس بات کا مستحق ہو کہ اسکے سر پر آگ پھینکی

جائے۔ اور (بجائے آگ کے) راکھ پر ہی اکتفا کیا جائے۔ تو اس کے لئے ناراض ہونا روا نہیں
کہتے ہیں کہ ایک درویش جعفر بن حنظلہ کے پاس مہمان بن کر آیا۔ جعفر اس کی بہت خدمت کرتا۔ اور درویش کہتا کہ تو آدمی تو بہت اچھا ہے۔ اگر یہودی نہ ہوتا۔ جعفر نے کہا میرے عقیدہ سے تو اس خدمت گذاری میں جس کی ضرورت ہے۔ کوئی عیب نہیں آتا۔ تجھے چاہیئے کہ تو اپنے لئے شفاء کی دعا کرے اور میرے لئے ہدایت کی۔

کہتے ہیں کہ عبد اللہ[۹۶۱] خیاط کا ایک مجوسی گاہک تھا۔ آپ اس کے کپڑے سیتے اور وہ آپ کو کھوٹے درہم دیتا۔ عبد اللہ انھیں لے لیا کرتے۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کسی کام کے لئے دکان سے اٹھ کر چلے گئے۔ مجوسی کھوٹے درہم لے کر آیا اور آپ کے شاگرد کو دیئے۔ اس نے قبول نہ کئے۔ پھر اس نے کھرے درہم ادا کئے۔ جب عبد اللہ واپس آئے تو آپ نے پوچھا کہ مجوسی کی قمیص کہاں ہے؟ شاگرد نے سارا قصہ سنا دیا۔
آپ نے کہا کہ تو نے بہت برا کیا ہے۔ وہ مدت سے میرے ساتھ اس قسم کا معاملہ کیا کرتا تھا اور میں صبر کرتا اور درہموں کو ایک کنوئیں میں ڈال دیتا۔ تاکہ کسی اور کو دھوکا نہ دے سکے۔

کہتے ہیں کہ برا خلق برے اخلاق والے انسان کے دل کو تنگ کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ اپنے مطلب کے بغیر کوئی اور بات اس میں سما ہی نہیں سکتی۔ جس طرح تنگ جگہ میں کوئی دوسرا نہیں سما سکتا۔
کہتے ہیں کہ اچھا خلق یہ ہے کہ تو ان لوگوں سے ناراض نہ ہو جو صف میں تمہارے پہلو میں کھڑے ہوں۔
کہا جاتا ہے کہ دوسرے کے برے اخلاق پر تمہاری نگاہ کا پڑنا بھی برا خلق ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شوم کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا۔ بد خلقی شوم ہے۔

ہم سے ابو الحسن علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ ان سے ابو الحسن الصفار بصری نے کہا کہ ان سے معاذ بن المثنیٰ[۹۶۲] نے کہا کہ ان سے یحییٰ بن معین[۹۶۳] نے کہا۔ ان سے مروان الفزاری[۹۶۴] نے، ان سے یزید بن کیسان[۹۶۵] نے، ابو حازم سے روایت کی کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مشرکوں کے لئے بد دعا کیجیے۔ تو آپ نے فرمایا:۔ میں رحمت بن کر آیا ہوں۔ عذاب بن کر نہیں آیا۔

۳۴۔ جود و سخاء

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ انہیں خواہ اپنی حاجت کیوں نہ ہو۔ دوسروں کو اپنے اُوپر ترجیح دیتے ہیں۔

ہم سے علی بن احمدؒ بن عبدان نے کہا کہ احمد بن عبید نے ان سے کہا کہ حسن بن العباسؒ[977] نے ان سے کہا کہ سہلؒ[978] نے ان سے کہا کہ سعیدؒ[979] بن مسلم نے یحیی بن سعیدؒ[980] سے روایت کی اور انھوں نے محمدؒ[981] بن ابراہیم سے اور انھوں نے علقمہؒ[982] سے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سخی اللہ کے بھی قریب ہوتا ہے۔ لوگوں کے بھی اور جنت کے بھی اور دوزخ سے دُور ہوتا ہے۔ اور بخیل اللہ سے بھی دُور ہوتا ہے، لوگوں سے اور جنت سے بھی۔ مگر دوزخ کے قریب ہوتا ہے اور جاہل سخی اللہ تعالےٰ کو عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔

استاد فرماتے ہیں۔ علمی زبان میں جود و سخا میں کوئی فرق نہیں۔ مگر سخا اور ساحت کا لفظ اللہ تعالےٰ کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ان دونوں لفظوں سے ہمیں واقف نہیں کیا۔

درحقیقت جود یہ ہے کہ انسان کے لئے خرچ کرنا مشکل نہ ہو اور صوفیاء کے ہاں سخاء پہلا مرتبہ ہے۔ پھر جود کا مرتبہ آتا ہے۔ پھر ایثار کا۔ جس نے اپنے مال کا کچھ حصہ دیا اور کچھ باقی رکھ لیا۔ وہ صاحب الجود ہے۔ مگر جس نے تکلیف برداشت کی پھر اپنی روزی کو دوسروں کے لئے قربان کر دیا۔ وہ صاحب ایثار ہے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ اسماء بن خارجہؒ[983] کہتے تھے۔ میں کسی شخص کی حاجت کو رد کرنا نہیں چاہتا۔ کیوں کہ اگر وہ شریف انسان ہے تو اُس کی عزت بچاؤں گا اور اگر کوئی کمینہ ہے تو اپنی عزت داس سے بچاؤں گا۔

کہا جاتا ہے کہ مورق عجلیؒ[984] اپنے بھائیوں پر لطیف پیرایہ میں مہربانی کیا کرتے۔ پہلے اُن کے پاس ایک ہزار درہم رکھ دیتے۔ اور کہتے۔ انھیں میرے واپس آنے تک اپنے پاس رکھو۔ پھر انھیں پیغام بھیجتے کہ تمہیں انھیں خرچ کرنے کی اجازت ہے۔

کہتے ہیں کہ اہلِ منبج(۵۸۵) میں سے ایک شخص اہلِ مدینہ کے ایک شخص سے ملا۔ اس سے پوچھا۔ تم کن لوگوں میں سے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ میں اہلِ مدینہ میں سے ہوں۔ پہلے شخص نے کہا تم میں سے ایک شخص جس کا نام حکم بن مطلب(۵۸۶) ہے۔ ہمارے ہاں آیا تھا اور اُس نے ہمیں مالدار بنا دیا تھا۔ اس پر مدنی نے کہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے ہاں صوف کا ایک جبّہ پہن کر آیا تھا۔ منبجی نے کہا کہ اس نے ہمیں مال و دولت سے مالدار نہیں بنایا بلکہ اس نے سخاوت کا ہمیں عادی بنایا۔ ہم نے یہ طریقہ آپس میں اختیار کیا۔ یہاں تک کہ ہم مالدار ہو گئے۔

استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں احب غلام خلیل(۵۸۷) نے خلیفہ کے پاس صوفیہ کی چغلی کھائی تو خلیفہ نے ان کی گردنیں اڑا دینے کا حکم دیا۔ جنید نے فقہ کے ذریعے سے اپنے حال کو چھپائے رکھا کیونکہ وہ ابو ثور(۵۸۸) کے مذاہب کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے لیکن خلیفہ نے شحام، رقام نوری اور دیگر لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ اور اُن کی گردنیں اڑانے کے لئے چمڑا بچھا دیا۔ نوری آگے بڑھے۔ جلاد نے کہا۔ کیا جانتے ہو کس چیز کی طرف قدم رکھ رہے ہو، انہوں نے کہا ہاں جانتا ہوں۔ جلاد نے پھر پوچھا۔ پھر اتنی جلدی کیوں کر رہے ہو؟ جواب دیا میں اپنے ساتھیوں کو ایک ساعت کی زندگی کے لئے اپنے اوپر ترجیح دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر جلاد حیران ہو گیا اور اس نے خلیفہ کو اس بات کی خبر دی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ ان کو پھر قاضی کے پاس لے جاؤ۔ تاکہ وہ ان کے حال کی چھان بین کرے۔ قاضی نے ابو الحسن نوریؒ سے فقہ کے چند مسئلے پوچھے۔ نوری نے سب کا جواب دے کر فرمایا۔ اس سوال و جواب کے بعد واضح رہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جب کھڑے ہوں گے تو اللہ کے حکم کے ساتھ کھڑے ہوں گے اور بولیں گے تو اللہ کے حکم سے بولیں گے اور ایسے الفاظ میں گفتگو کی کہ قاضی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ قاضی نے خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ اگر یہ لوگ زندیق ہیں تو دنیا بھر میں کوئی شخص مسلمان نہیں۔

کہتے ہیں کہ علی بن فضیل(۵۸۹) اپنے محلہ کے دکانداروں سے اشیاء خریدا کرتے۔ کسی نے ان سے کہا کہ اگر آپ بازار میں جا کر خریدیں تو سستا ملے۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ نفع کی امید میں ہمارے پڑوس میں آ کر اترے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک لونڈی بطور تحفہ جبلہ(۵۹۰) (ابن سحیم) کے پاس بھیجی۔ اس وقت وہ

اپنے ساتھیوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ تو بہت بُری بات ہے کہ تمہاری موجودگی میں میں اسے اپنے لئے لے لوں اور میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ کسی خاص ایک شخص کو دوں جبکہ تم میں سے ہر ایک کا حق اور احترام ہے۔ مگر لونڈی تو تقسیم نہیں ہو سکتی۔ وہ سب اسّی آدمی تھے۔ لہذا انہوں نے ہر ایک کو لونڈی یا خادم دینے کا حکم دیا۔

کہتے ہیں عبداللہ بن ابی بکرۃ[۹۱] کو ایک دن راستے میں پیاس لگی تو اس نے ایک عورت کے گھر سے پانی مانگا۔ عورت نے ایک کوزہ نکالا اور دروازے کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور کہا دروازے سے ہٹ جاؤ اور تمہارا کوئی بچہ اسے اٹھالے۔ کیونکہ میں عرب نژاد عورت ہوں۔ اور میرا خادم کئی دن ہوئے مر چکا ہے۔ عبداللہ نے پانی پی کر اپنے غلام سے کہا، اسے دس ہزار درہم دے آؤ۔ عورت نے کہا سبحان اللہ! تو مجھ سے مذاق کرتا ہے۔ اس نے کہا، اچھا بیس ہزار درہم دے آؤ۔ عورت نے کہا میں اللہ سے عافیت چاہتی ہوں۔ عبداللہ نے پھر غلام سے کہا اسے تیس ہزار درہم دے آؤ۔ اس عورت نے دروازہ بند کر دیا اور کہا۔ حیف ہے تم پر غلام اس کے پاس تیس ہزار درہم لے گیا اور اس نے قبول کر لئے۔ رات ہونے سے پہلے ہی کئی لوگوں نے اسے شادی کا پیغام بھیجا۔

کہتے ہیں کہ پہلے خیال کے آتے ہی اس کے مطابق عمل کرنا جُود کہلاتا ہے۔

میں نے ابوالحسن بوشنجی کے ایک مرید کو فرماتے سنا کہ ابوالحسن بوشنجی بیت الخلاء میں تھے (کہ انہیں خیال آیا کہ فلاں فقیر کو قمیص کی ضرورت ہے) لہذا انہوں نے اپنے مرید کو بلا کر کہا کہ یہ قمیص اتار لو اور فلاں شخص کو دے آؤ۔ کسی نے کہا۔ آپ نے قضا حاجت سے فارغ ہونے تک صبر کر لیا ہوتا؟ فرمایا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر میں اس وقت اسے قمیص نہ دیتا تو ہو سکتا تھا کہ میری نیت بدل جاتی۔

کسی نے قیس بن سعد بن عبادۃ[۹۲] سے کہا۔ کیا تو نے کسی کو اپنے سے زیادہ سخی دیکھا ہے اس نے کہا ہاں۔ ہم جنگل میں ایک عورت کے پاس اترے۔ تھوڑی دیر بعد اس کا خاوند بھی آگیا۔ عورت نے کہا کہ تمہارے ہاں مہمان آئے ہیں۔ خاوند نے اونٹنی ذبح کر ڈالی اور کہا۔ کھاؤ۔ جب دوسرا دن ہوا تو ایک اور اونٹنی لے آیا اور اسے بھی ذبح کر ڈالا۔ اور کہا۔ کھاؤ۔ ہم نے

کہا آپ نے کل جو اونٹنی ذبح کی تھی۔ اس میں سے ہم نے تھوڑا سا حصہ ہی کھایا تھا۔ اُس نے جواب دیا۔ میں اپنے مہمانوں کو باسی چیز کھانے کو نہیں دیا کرتا۔ ہم دو یا تین دن اسی کے ہاں رہے۔ بارش لگاتار ہو رہی تھی۔ اور وہ اسی طرح کئے جاتا تھا۔ جب ہم نے کوچ کا ارادہ کیا تو ہم نے اس کے لئے اس کے گھر میں ایک سو دینار رکھ دیئے۔ اور اس کی بیوی سے کہا۔ ہماری طرف سے اس کے پاس عذر کر دینا اور ہم چل دیئے۔ جب دن اونچا ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص پیچھے سے آواز دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ ارے کمینو ٹھہر جاؤ۔ کیا تم مجھے میری ضیافت کی قیمت دینا چاہتے ہو۔ اور وہ ہمارے پاس پہنچ گیا۔ اور کہا تمہیں یہ رقم واپس لینی پڑے گی۔ ورنہ اس نیزے سے تمہیں چھید ڈالوں گا۔ ہم نے وہ رقم لے لی اور وہ یہ شعر پڑھتا ہوا واپس چلا گیا۔

وَاِذَا اَخَذْتُ ثَوَابَ مَا اَعْطَیْتُہٗ فَکَفٰی بِذَالِکَ لِلنَّائِلِ تَکْدِیْرًا

"جو کچھ میں نے دیا ہے۔ اگر میں اس کا ثواب لے لوں تو یہ بات احسان کو مکدّر کر دینے کے لئے کافی ہے۔"

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن کو فرماتے سنا کہ ابوعبداللہ رودباری اپنے ایک مرید کے گھر گئے اور اسے وہاں نہ پایا۔ اس کے گھر کا دروازہ مقفل تھا۔ ابوعبداللہ نے فرمایا۔ صوفی اور دروازے پر تالا۔ تالا توڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے تالا توڑ دیا۔ اور حکم دیا کہ جو کچھ بھی گھر میں ہے بازار لے جا کر بیچ دیا جائے اور اس کی قیمت کام میں لائی جائے اور وہ گھر میں بیٹھ گئے۔ مالک مکان آیا، مگر دیکھ کر انہیں کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کے بعد مالک مکان کی بیوی آئی۔ اس نے کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ گھر میں داخل ہو کر اس نے کمبل بھی پھینک دیا اور کہا اس کا شمار بھی تو سامان میں ہوتا ہے اسے بھی بیچ دو خاوند نے اسے کہا۔ تُو نے اپنے اختیار سے اتنی تکلیف کیوں کی؟ بیوی نے کہا۔ خاموش رہو۔ اس قسم کا پیر ہم سے بے تکلفی کرتا ہے اور حکم کرتا ہے اور ہم اس سے بچا کر کوئی چیز اپنے پاس رکھ لیں۔ بشر بن الحارث فرماتے ہیں۔ بخیل آدمی کو دیکھنا دل کو سخت کر دیتا ہے۔

کہتے ہیں کہ قیس بن سعد بن عبادہ بیمار پڑ گئے۔ اس کی برادری کے لوگ اسے ملنے نہ آئے انہوں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس قرض کی وجہ سے جو اس کا اُنکے ذمہ ہے شرماتے ہیں۔ آپ نے کہا۔ خدا اس مال کو رسوا کرے جو بھائیوں کو ملنے سے روکتا ہے۔ پھر ایک شخص سے کہا

کہ اعلان کر دو کہ جس شخص کے ذمے قیس کا قرض ہے وہ اسے معاف ہے۔ اس اعلان کے ہوتے ہی عیادت کرنے والوں کی اس قدر بھیڑ ہوئی کہ اس کے دروازے کی چوکھٹ ٹوٹ گئی۔

کسی نے عبداللہ بن جعفر[۹۹۳] سے کہا کہ جب تجھ سے کوئی کچھ مانگتا ہے تو تو بہت سا دے دیتا ہے مگر جب تجھ سے کوئی جھگڑا کرتا ہے تو تو تھوڑی سی چیز دینے میں بھی بخل کرتا ہے۔ کہا کہ میں مال خرچ کرتا ہوں اور عقل کے ساتھ بخل کرتا ہوں۔

کہتے ہیں عبداللہ بن جعفر اپنی جاگیر کی طرف گئے تو (راستہ میں) کسی کے نخلستان میں قیام کیا۔ وہاں ایک حبشی غلام ہوتا تھا۔ غلام کا کھانا آیا تو ایک کتا باغ میں گھس کر غلام کے قریب آ گیا غلام نے پہلے ایک روٹی اسے ڈالی۔ جسے کتے نے کھا لیا۔ پھر دوسری اور پھر تیسری بھی ڈال دی۔ کتے نے انہیں بھی کھا لیا۔ عبداللہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ عبداللہ نے غلام سے پوچھا کہ تیری یومیہ خوراک کتنی ہے؟ غلام نے کہا۔ جتنی آپ نے دیکھی ہے۔ عبداللہ نے کہا آپ نے کتے کو کیوں دے دی؟ غلام نے کہا کہ یہ کتوں کا علاقہ نہیں ہے۔ یہ کتا دور مسافت طے کر کے آیا تھا اور بھوکا تھا۔ اس لئے میں نے اسے مایوس کرنا پسند نہ کیا۔ عبداللہ نے پوچھا آج تو کیا کرے گا؟ جواب دیا کہ آج بھوکا رہوں گا۔ یہ جواب سن کر عبداللہ بن جعفر نے کہا: کیا مجھے سخاوت کرنے پر ملامت کی جاتی ہے؟ یہ تو مجھ سے بھی زیادہ سخی ہے۔ پھر اس باغ اور غلام کو بمعہ تمام آلات کے خرید لیا اور غلام کو آزاد کر کے سب کچھ اسے دے دیا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے دوست کے گھر آ کر دستک دی جب دوست باہر نکلا تو اس نے پوچھا۔ کس لئے آئے ہو۔؟ اس نے جواب دیا مجھ پر چار سو درہموں کا قرض ہے۔ دوست گھر میں داخل ہوا اور چار سو درہم لے آیا اور روتا ہوا گھر کے اندر چلا گیا۔ اسکی بیوی نے اسے روتا دیکھ کر کہا۔ اگر تجھے اتنا روپیہ دینا اس قدر ناگوار تھا تو کوئی بہانہ کر دیا ہوتا۔ خاوند نے جواب دیا کہ میں روپوں کے لئے نہیں رو رہا ہوں۔ بلکہ اس کے لئے رو رہا ہوں کہ میں نے پہلے ہی اسکی خبر گیری کیوں نہیں کی۔ تاکہ اسے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

مطرف بن شخیر[۹۹۴] فرماتے ہیں۔ جب کبھی تم میں سے کسی شخص کو میرے پاس کوئی حاجت ہو

تو اسے تحریراً پیش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ حاجت مند کے چہرے پر حاجت کی وجہ سے خفت کے آثار دیکھوں۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عباس کی مخالفت کرنا چاہی۔ لہٰذا وہ عمائدین شہر کے پاس گیا اور انہیں کہا کہ تمہیں عبداللہ بن عباس کہتا ہے کہ آج میرے ہاں صبح کا کھانا کھائیں۔ وہ آ گئے اور آن سے گھر بھر گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بتلایا گیا کہ بات یہ ہے۔ آپ نے فوراً حکم دیا کہ پھل خرید کر لائے جائیں اور روٹی وغیرہ پکانے کا حکم دیا اور سب کچھ ٹھیک ٹھاک کر لیا۔ جب وہ کھا چکے تو عبداللہ نے اپنے ایجنٹوں سے کہا۔ کیا یہ چیزیں روزانہ مہیا ہو سکتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں۔ عبداللہ نے کہا۔ ان لوگوں کو روزانہ ہمارے ہاں صبح کا کھانا کھانا چاہیئے۔

میں نے استاد ابوعبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا کہ ایک دن استاد ابوسہل[۹۹۵] صعلوکی اپنے گھر کے صحن میں وضو فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور اُس نے آپ سے کوئی چیز مانگی۔ مگر اس وقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے فارغ ہونے تک صبر کرو۔ جب آپ وضو کر چکے تو فرمایا: یہ قمقمہ ہی لے لو اور چلے جاؤ۔ وہ شخص لے کر چل دیا۔ آپ نے اتنی دیر صبر کیا جتنی دیر میں وہ دور نکل گیا۔ آپ نے شور مچانا شروع کر دیا کہ ایک شخص آیا اور قمقمہ لے گیا۔ لوگ اس کے پیچھے بھاگے مگر اُسے نہ پکڑ سکے۔ صعلوکیؒ نے ایسا صرف اس لئے کیا کہ گھر والے اسے زیادہ سخاوت کرنے پر ملامت کیا کرتے تھے۔

مَیں نے انہی کو فرماتے سنا کہ استاد ابوسہلؒ نے اپنا جبہ جاڑے میں ایک انسان کو دے دیا۔ لہٰذا جب آپ درس کے لئے نکلتے تو عورتوں کا جبہ پہن کر نکلتے۔ کیونکہ ان کے پاس کوئی اور جبہ نہ تھا۔ ایک بار فارس سے ایک مشہور وفد آیا۔ جس میں ہر قسم کے امام تھے۔ فقیہہ بھی تھے۔ متکلم بھی تھے اور نحوی بھی۔ فوج کے کمانڈر ابوالحسن نے انہیں پیغام بھیجا۔ کہ وہ ان کے استقبال کے لئے سوار ہو کر آئیں۔ انہوں نے عورتوں کے جبہ کے اوپر ایک اور جبہ پہن لیا اور سوار ہو کر گئے۔ فوج کے کمانڈر نے کہا اس نے میری بے عزتی کی ہے یہ شہر کا امام ہوتے ہوئے عورتوں کا جبہ پہن کر آیا ہے اور اسکے بعد اس نے ان سے مناظرہ کیا تو ہر فن میں انہیں ان پر غلبہ حاصل ہوا۔

انہی کو فرماتے سنا کہ استاد ابو سہل کسی کو اپنے ہاتھ سے کوئی چیز نہ دیتے تھے۔ آپ زمین پر پھینک دیتے اور لینے والا اسے زمین پر سے اٹھا لیتا اور فرمایا کرتے کہ دنیا کی منزلت اس سے بھی کم ہے کہ اس وجہ سے میں اپنا ہاتھ کسی ہاتھ سے اونچا دیکھوں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، الید العلیا خیر من الید السفلیٰ۔ اوپر کا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

کہتے ہیں کہ ابو مرشد علی شرفاء میں سے تھے۔ ایک شاعر نے اُن کی مدح کی۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس تمہیں دینے کو کچھ بھی نہیں۔ لیکن مجھے قاضی کے سامنے لے جا کر پیش کر دو۔ اور کہو کہ اس کے ذمے دس ہزار درہم ہیں اور میں اقرار کر لوں گا۔ پھر مجھے اپنے پاس قید کر لو۔ کیوں کہ میرے گھر والے مجھے قید میں نہیں رہنے دیں گے۔ اُس نے ایسا ہی کیا اور رات ہونے سے پہلے اس کو دس ہزار درہم دیئے گئے اور یہ قید خانہ سے نکل آئے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالبؓ سے کچھ مانگا تو آپ نے اسے پچاس ہزار درہم اور پانچسو دینار دیئے۔ اور فرمایا کسی مزدور کو لے آؤ تاکہ وہ یہ اٹھا لے جائے وہ شخص مزدور لے آیا۔ آپؓ نے اپنی چادر اسے دے دی اور فرمایا۔ مزدور کی اُجرت میری طرف سے ہوگی۔

ایک عورت نے لیث بن سعد(۹۹۶) سے شہد کا پیالہ مانگا۔ آپ نے اسے شہد کی مشک دینے کو کہا۔ کسی نے اُن سے اس کے متعلق کہا۔ تو فرمایا: اس نے اپنی ضرورت کے مطابق مانگا ہے۔ اور میں اسے اس انعام کے مطابق دوں گا جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیا ہے۔

ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے صبح کی نماز کوفہ میں اشعث(۹۹۷) کی مسجد میں پڑھی۔ مجھے ایک شخص کی تلاش تھی۔ جس کے ذمے میرا قرض تھا۔ جب میں نے سلام پھیرا تو جس طرح دوسروں کے سامنے ایک جوڑا کپڑوں کا اور ایک جوتا رکھا گیا۔ اسی طرح میرے سامنے بھی رکھا گیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیسا ہے تو جواب میں کہا کہ یہ اشعث مکہ سے آیا ہے۔ اس لئے اس نے ان سب لوگوں کو جنہوں نے اس کی مسجد میں نماز پڑھی ہے۔ یہ دینے کا حکم دیا ہے۔ میں نے کہا میں تو اپنے مقروض کی تلاش میں آیا تھا اور میں اسکی جماعت میں سے نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا یہ ہر اُس شخص کے لئے ہے جو مسجد میں حاضر تھا۔

کہتے ہیں کہ جب امام شافعیؒ کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا: فلاں کو کہنا کہ مجھے غسل دے۔ اس وقت وہ شخص وہاں موجود نہ تھا۔ جب آیا تو لوگوں نے اسے بتلایا۔ اس نے امام شافعیؒ کی یادداشت کی کاپی منگوائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے ذمہ ستر ہزار درہم قرض تھا اس شخص نے وہ سارا قرض ادا کر دیا اور کہا۔ یہی میرا غسل ہے جو مجھے اُسے دینا تھا۔

کہتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ صنعاء سے مکہ آئے تو ان کے پاس دس ہزار دینار تھے کسی نے آپ سے کہا کہ ان سے جائیداد خرید لیں۔ آپ نے مکہ کے باہر خیمہ لگا دیا اور دیناروں کو انڈیل دیا۔ جو بھی آپ کے پاس آتا آپ اُسے ایک ایک مٹھی دینار دیتے جاتے جب ظہر کا وقت آیا تو آپ اُٹھے اور کپڑا جھاڑا تو اس میں کچھ باقی نہ تھا۔

کہتے ہیں کہ سریؒ عید کے دن نکلے۔ سامنے سے انہیں ایک بڑی شان والا آدمی ملا۔ سریؒ نے اسے ناقص سلام کیا۔ کسی نے کہا یہ بڑی شان والا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں اسے پہچانتا ہوں۔ لیکن مرفوع حدیث میں ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو ان دونوں کے درمیان ایک سو رحمتیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ جن میں نوّے اس شخص کے لئے ہوتی ہیں جو زیادہ خندہ پیشانی سے ملے۔ لہٰذا میں نے چاہا کہ رحمت کا بیشتر حصہ اسے ملے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن امیرالمومنین علی بن ابی طالبؓ روئے۔ آپؓ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا۔ سات دن سے میرے ہاں کوئی مہمان نہیں آیا۔ اور مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ نے مجھے ذلیل تو نہیں کر دیا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ گھر کی زکوٰۃ یہی ہے کہ اس میں ایک کمرہ ضیافت کے لئے رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان "ھَلْ اَتَاکَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرَاھِیْمَ الْمُکْرَمِیْنَ" (کیا تمہیں ابراہیم علیہ السلام کے ذی عزت مہمانوں کا قصہ معلوم ہے) کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ انہیں مکرمین اس لئے کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بنفسِ نفیس ان کی خدمت گزاری میں کھڑے رہتے۔ بعض کہتے ہیں کہ انہیں مکرمین اس لئے کہا گیا ہے کہ کریم کا مہمان بھی کریم ہی ہوتا ہے۔

ابراہیم بن جنید فرماتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ شریف آدمی کو چار باتوں سے ہچکچانا نہ چاہیئے۔

خواہ وہ خود حاکم ہی کیوں نہ ہو۔

(۱) باپ کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہونا۔ (۲) مہمان کی خدمت کرنا (۳) اس عالم کی خدمت کرنا جس سے وہ تعلیم حاصل کرتا ہو۔ (۴) اس چیز کی نسبت سوال کرنا جس کا اسے علم نہیں۔

ابن عباس اللہ تعالیٰ کے فرمان۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا (خواہ تم اکٹھے کھاؤ خواہ علیحدہ تمہیں کوئی حرج نہیں) کی تشریح فرماتے ہیں کہ صحابہ اکیلے کھانا کھانے کو گناہ سمجھا کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔

کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عامر بن کریز[۹۹۹] نے ایک شخص کی ضیافت کی اور اس کی خوب آؤ بھگت کی جب وہ شخص چلنے لگا تو اس کے غلاموں نے (اس کا سامان باندھنے میں) کوئی مدد نہ کی۔ اسکے متعلق کسی نے ان سے ذکر کیا تو کہا کہ یہ لوگ کوچ کرنیوالے کی مدد نہیں کیا کرتے۔

عبداللہ بن باکو یہ صوفی کہتے ہیں کہ اس قسم کا ایک شعر متنبی نے مجھے سنایا:۔

إِذَا تَرَحَّلْتَ عَنْ قَوْمٍ وَقَدْ قَدَرُوا أَنْ لَا تُفَارِقَهُمْ فَالرَّاحِلُونَ هُمْ

جب تم کسی قوم سے کوچ کر کے چلے جاتے ہو۔ حالانکہ اگر وہ چاہتے تو تم اُن سے جُدا ہو کر نہ جاتے تو درحقیقت (تم کوچ کر کے نہیں جا رہے ہو۔ بلکہ) وہ جا رہے ہیں۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔ نفس کا ان چیزوں کی سخاوت کرنا جو لوگوں کے پاس ہیں بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ نفس مال خرچ کر کے سخاوت کرے۔

ایک صوفی کا کہنا ہے کہ میں سخت سردی کے دن بشر بن الحارث کے پاس گیا تو انہوں نے کپڑے اتار رکھے تھے اور کانپ رہے تھے۔ میں نے کہا اے ابو نصر! لوگ تو اس قسم کے دن میں اور کپڑے پہن لیتے ہیں اور آپ نے (بجائے زیادہ کرنے کے) کم کر دیئے۔ آپ نے فرمایا میں نے فقراء اور ان کی تکلیف کو یاد کیا۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ ان کی غمخواری کرتا لہذا میں نے چاہا کہ سردی برداشت کر کے میں ان کی موافقت کروں۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سے سنا کہ ابوبکر رازی فرماتے ہیں کہ میں نے دقاق کو فرماتے سنا کہ یہ سخاوت نہیں ہے کہ مالدار محتاج کو دے۔ سخاوت تو یہ ہے کہ محتاج مالدار کو دے۔

۳۵۔ غیرت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (اللہ تعالیٰ نے فاحشات کو خواہ ظاہری ہوں، خواہ باطنی حرام قرار دیا ہے۔)

ہم سے ابوبکر محمد بن احمد بن عبدوس المزکی نے کہا کہ ان سے ابو احمد حمزہ بن العباس البزار بغدادی نے ان سے محمد بن حرب نے، ان سے عبداللہ بن مسلم نے، ان سے محمد بن الفرات نے ان سے ابراہیم الہجری نے روایت کی کہ ابو الاحوص نے کہا کہ عبداللہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں ہے۔ اسی غیرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام فواحش کو خواہ ظاہری ہوں یا باطنی حرام قرار دیا ہے۔

ہم سے علی بن احمد الاہوازی نے کہا: ان سے احمد بن عبید الصفار نے، ان سے علی بن الحسن بن بنان نے، ان سے عبداللہ بن رجاء نے ان سے حرب بن شداد نے ان سے یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا کہ ابوسلمہ فرماتے تھے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے اور مومن کو بھی غیرت آتی ہے۔ اللہ کو غیرت اس وقت آتی ہے جب مومن ایسے کام کرتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

غیرت کی تعریف استاد فرماتے ہیں کہ غیر کی شراکت کو برا ماننا غیرت ہے اور جب اللہ تعالیٰ کو غیرت سے موصوف کیا جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان امور میں جو محض اللہ کے حقوق ہیں۔ مثلاً اطاعت و عبادت کسی اور کی شرکت کو پسند نہیں فرماتا۔

حکایت کی گئی ہے کہ سریؒ کے سامنے کسی نے یہ آیت پڑھی۔ وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا (جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایسا حجاب رکھ دیتے ہیں جو ان کی نگاہوں سے چھپا ہوتا ہے۔) تو سریؒ نے اپنے مریدوں سے کہا۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ حجاب کیسا حجاب ہے؟ یہ غیرت کا حجاب ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں

سریؒ کا فرمانا کہ یہ غیرت کا حجاب ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو دین کی حقانیت معلوم کرنے کا اہل نہیں بنایا۔

استاد ابو علی دقاقؒ فرمایا کرتے تھے وہ لوگ جو اللہ کی عبادت میں سستی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے قدموں کو بھاری رسوائی سے باندھ دیتا ہے۔ اور اللہ نے اُن کے لئے اپنے سے دُور رکھنا اختیار کیا ہے۔ اور اپنی قربت کے مقام سے انہیں پیچھے ہٹا رکھا ہے۔ اسی لئے تو وہ پیچھے رہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔

أُنَاصِبُ لِمَنْ هَوِيتُ وَلٰكِنْ مَا احْتِيَالِي بِسُوءِ رَأْيِ الْمَوَالِي

میں تو اپنے محبوب (خدا) کا عاشق ہوں۔ مگر موالی (آقاؤں یعنی خواہشات نفسانی) کی بدظنی کا کیا کروں۔ اس معنی میں یہ قول ہے (عبادت سے سستی کرنے والا شخص) ایسا بیمار ہے جس کی عیادت نہیں کی جاتی اور وہ ایسا شخص ہے کہ بلند منازل کی خواہش کرتا ہے مگر (اللہ اسے) بلند منازل کے لئے نہیں چاہتا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا اور انہوں نے عباس زوزنی[۱] کو فرماتے سنا کہ میری معرفت میں اچھی ابتداء ہوئی اور میں جانتا تھا کہ اب میرے اور میرے مقصود یعنی اپنی مراد کو پانے میں کس قدر مدت باقی رہ گئی ہے۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک بلند پہاڑ سے لڑھک رہا ہوں۔ پھر میں نے اس کی چوٹی تک پہنچنا چاہا (جب بیدار ہوا تو) مجھے اس کا بہت غم ہوا۔ مجھے پھر نیند آ گئی تو میں نے کہنے والے کو سنا کہ کہہ رہا ہے۔ اے عباس! اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تو اس درجہ تک پہنچ جائے جہاں تو پہنچنا چاہتا ہے۔ لیکن (اس کے عوض) اللہ تعالیٰ نے تمہاری زبان پر حکمت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ عباس فرماتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو مجھے بذریعہ الہام کلماتِ حکمت عطا کئے گئے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ ایک شیخ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک کیفیت اور حالت حاصل تھی۔ ایک مدت تک وہ لوگوں سے مخفی رہے اور فقراء میں کہیں دکھائی نہیں دیئے۔ پھر ظاہر ہوئے تو پہلی سی بات نہ تھی۔ آپ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آہ بھر کر فرمایا۔ حجاب واقع ہو گیا ہے۔

جب کبھی استاد ابو علی کی مجلس میں کوئی ایسی بات واقع ہو جاتی جس سے حاضرین کے دل پراگندہ ہو جاتے تو فرماتے:۔ یہ حق سبحانہ کی غیرت کی وجہ سے ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالے چاہتا ہے کہ وقت کی صفائی بدستور جاری نہ رہے (اور مکدر ہو جائے)

اسی معنی میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

هَمَّتْ بِاِتْيَانِنَا حَتّٰى اِذَا نَظَرَتْ اِلَى الْمِرْاٰةِ نَهَاهَا وَجْهُهَا الْحَسَنُ

اس (محبوبہ) نے ہمارے پاس آنے کا ارادہ کیا جب اس نے آئینہ دیکھ لیا تو اس کے خوبصورت چہرے نے اسے ہمارے پاس آنے سے روک دیا۔

کسی صوفی سے کہا گیا: کیا تو اسے دیکھنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ نہیں پھر پوچھا کیوں جواب دیا۔ میں اس کے جمال کو اپنے جیسے کی نگاہ سے پاک رکھنا چاہتا ہوں۔

اسی سلسلہ میں یہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

اِنِّيْ لَاَحْسُدُ نَاظِرَيَّ عَلَيْكَا حَتّٰى اُغَضُّ اِذَا نَظَرْتُ اِلَيْكَا

وَاَرَاكَ تَخْطِرُ فِيْ شَمَائِلِكَ الَّتِيْ هِيَ فِتْنَتِيْ فَاَغَارُ مِنْكَ عَلَيْكَا

میں تمہاری وجہ سے اپنی دونوں آنکھوں سے حسد کرتا ہوں۔ چنانچہ جب تمہاری طرف نظر کرتا ہوں تو آنکھیں بند کر لیتا ہوں۔

تجھے دیکھتا ہوں کہ تو اپنی ان خوبیوں میں مٹک کر چل رہا ہے۔ جو مجھے فریفتہ کئے دیتی ہیں لہذا مجھے تمہاری ہی وجہ سے تم پر غیرت آتی ہے۔

کسی نے شبلی سے پوچھا: تو کب تک آرام پائے گا؟ جواب دیا۔ جب مجھے اس کی یاد تازہ کرنے والا دکھائی نہ دے۔ (اور یہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اللہ کی نعمتیں اور قدرتیں ہر وقت ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ جو اس کی یاد تازہ کرتی رہتی ہیں۔ لہذا آرام کا کوئی موقعہ نہیں مل سکتا۔)

ایک بار نبی صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدوی کے پاس ایک گھوڑا بیچا اور اس بدوی نے بیع کو فسخ کرنا چاہا۔ آپ نے اسے فسخ کر دیا۔ اس پر بدوی نے کہا۔ خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ تو کن لوگوں میں سے ہے؟ آپ نے فرمایا: قریش میں سے۔ آپ کے ان اصحاب میں سے جو وہاں موجود تھے کسی ایک نے بدوی سے کہا۔ اے بدوی تمہارے لئے یہی بدخلقی کافی ہے کہ تو

اپنے نبی کو نہیں پہچانتا۔ اس واقعہ کے متعلق استاد ابوعلی سے سوال کیا گیا تو فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض غیرت کی وجہ سے یہ کہا تھا کہ میں قریش کا ایک آدمی ہوں۔ ورنہ آپؐ کے لئے ضروری تھا کہ آپؐ ہر شخص کو بتلاتیں کہ آپ کون ہیں ؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اس صحابی کی زبانی بدوی کو تبلا دیا کہ آپؐ نبی ہیں۔ کیونکہ اس نے یہ لفظ کہے تھے کہ تمہارے لئے یہی بدخلقی کافی ہے کہ تو اپنے نبی کو نہیں جانتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غیرت مبتدیوں کی صفت ہے۔ موحد میں نہ تو غیرت ہوتی ہے اور نہ کوئی اختیار اور نہ ہی ان امور میں جو سلطنت میں جاری ہوتے ہیں۔ کوئی حکم چل سکتا ہے بلکہ حق تعالیٰ کو زیادہ حق ہے کہ جو چاہے، جیسا چاہے حکم دے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا کہ میں نے ابوعثمان مغربی کو فرماتے سنا کہ غیرت مریدین کا کام ہے۔ اہلِ حقائق کا نہیں۔ (کیونکہ اہلِ حقائق اور واصلین میں تمام صفات کی نفی ہو چکی ہوتی ہے۔)

انہی کو میں نے فرماتے سنا کہ انہوں نے ابونصر اصبہانی کو فرماتے سنا کہ انہوں نے شبلی کو فرماتے سنا کہ غیرت دو قسم کی ہے۔ غیرت بشریہ جو لوگوں کے نفسوں پر ہوتی ہے اور غیرتِ الٰہیہ جو دلوں پر ہوتی ہے۔

نیز شبلی فرماتے ہیں کہ انفاس پر غیرت الٰہیہ یہ ہے کہ انفاس کو ما سوی اللہ میں ضائع کیا جائے (اس طرح کہ انسان کا میلان غیر اللہ کی طرف ہو ہی نہیں)

(قشیری فرماتے ہیں) کہ یوں کہنا مناسب ہے کہ غیرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حق سبحانہٗ کا بندے پر غیرت کھانا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اسے مخلوق کی طرف جانے نہ دے۔ اور اس کے معاملے میں مخلوق بخل کرے اور دوسری بندے کی غیرت حق تعالیٰ کے لئے اس طرح کہ وہ حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی طرف اپنے انفاس و خیالات کو جانے نہ دے۔ لہٰذا یوں کہنا روا نہیں کہ مجھے حق تعالیٰ پر غیرت آتی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مجھے حق تعالیٰ کے لئے غیرت آتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر غیرت آنی جہل ہے۔ اور بعض اوقات یہ بات شرک کی طرف لے جاتی ہے۔ مگر غیرت اللہ حقوق اللہ کی تعظیم اور اللہ کے لئے اعمال کے تصفیہ کی موجب بنتی ہے۔

نکتہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے اولیاء کے ساتھ یہ طریقہ رہا ہے کہ جب غیر اللہ کے ساتھ انہیں سکون ملے یا غیر اللہ کا لحاظ کرتے ہوں۔ یا دل سے غیر اللہ کے ساتھ مشغول ہوں تو اُن کی اس حالت کو پریشان کر دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو غیرت کے مارے خاص اپنے لیئے بنا لیتا ہے۔ اور ان امور سے ان کے دلوں کو بالکل خالی کر دیتا ہے جن کے ساتھ انہیں سکون اور آرام ملتا ہے۔ مثلاً آدم علیہ السلام نے جنت میں ہمیشہ رہنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کر لیا تو اللہ نے انہیں جنت سے نکال دیا۔ اور جب ابراہیم علیہ السلام کو اسمٰعیل علیہ السلام پسند آئے تو انہیں اسمٰعیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے دل سے اسمٰعیل علیہ السلام کو نکال دیا۔ مگر جب دونوں نے اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جھکا دیا اور حضرت ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کو پیشانی کے بل گرا دیا اور ان کا باطن ان سے پاک ہو گیا تو اسمٰعیل کی بجائے جانور کی قربانی کا حکم دیا۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہ ابو زید الفقیہ[(۱۰۱۴)] المروزی نے ان سے کہا کہ ابراہیم بن شیبان نے کہا کہ محمد بن[(۱۰۱۵)] حسان فرماتے تھے کہ میں جبل لبنان[(۱۰۱۶)] میں چکر لگا رہا تھا کہ ایک نوجوان نکلا جسے بادِ سموم اور ہواؤں نے جلا دیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بھاگ گیا۔ میں اس کے پیچھے گیا اور کہا۔ مجھے کچھ نصیحت کرو۔ تو اس نے کہا۔ ڈرو۔ کیونکہ (اللہ) غیور ہے۔ وہ اپنے بندے کے دل میں اپنے سوا کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن کو فرماتے سنا کہ نصر آبادی فرماتے تھے:۔ حق تعالیٰ غیور ہے اور غیرت ہی کی وجہ سے اس نے اپنی طرف جانے کا کوئی دوسرا طریقہ مقرر نہیں کیا۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کی طرف وحی کی کہ فلاں شخص میرے پاس حاجت لایا ہے اور میری بھی ایک حاجت اس کے پاس ہے اگر وہ میری حاجت پوری کر دے تو میں بھی اس کی حاجت پوری کر دوں گا۔ اس نبی نے اپنی مناجات میں کہا۔ خدایا تجھے اس کے پاس کیونکر کوئی حاجت ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسکے دل میں کوئی بس رہا ہے۔ لہذا اسے چاہیئے کہ اس سے اپنے دل کو خالی کر دے تو میں اس کی حاجت پوری کر دوں گا۔

کہتے ہیں کہ ابو یزید بسطامی نے خواب میں حوروں کی ایک جماعت دیکھی اور انہوں نے انہیں

نظر بھر کر دیکھ لیا۔ لہٰذا ان کی کیفیت کئی دنوں تک سلب رہی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک اور عورتوں کی جماعت دیکھی تو انہوں نے اُن کی طرف توجہ نہ دی اور فرمایا۔ تم تو دلوں کو اللہ سے ہٹا دینے والیاں ہو۔

کہتے ہیں کہ رابعہ عدویہ بیمار پڑ گئیں۔ کسی نے اُن سے بیماری کی وجہ پوچھی تو فرمایا: مَیں نے دل کی آنکھ سے جنت کی طرف نگاہ کی تھی۔ لہٰذا اللہ نے مجھے سزا دی ہے۔ اب راضی ہونا اس کی طرف سے ہے۔ مَیں پھر ایسا نہ کروں گی۔

سریؒ سے حکایت کی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مَیں ایک مدت تک اپنے ایک دوست کی تلاش میں تھا۔ مَیں ایک پہاڑ سے گزرا تو دیکھا کہ ایک گروہ ہے جن میں کچھ اپاہج، کچھ اندھے اور کچھ مریض ہیں۔ مَیں نے اُن کے متعلق دریافت کیا تو مجھے بتلایا گیا کہ یہاں ایک شخص ہے جو سال بھر میں ایک بار باہر نکلتا ہے۔ وہ ان لوگوں کے لئے دعا کرتا ہے اور یہ شفا پاتے ہیں۔ مَیں نے اس کے نکلنے کا انتظار کیا۔ وہ آیا اور اس نے ان کے لئے دعا کی اور وہ شفایاب ہو گئے۔ مَیں اس کے پیچھے ہو لیا اور اس سے چمٹ گیا اور عرض کیا کہ مجھ میں ایک باطنی بیماری ہے اس کا کیا علاج ہے؟ اس نے جواب دیا۔ اے سری! مجھے چھوڑ دے۔ کیونکہ وہ (اللہ) غیور ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے کسی اور کے ساتھ سکون پکڑتے دیکھ لے۔ اگر ایسا کیا تو تو اس کی نظروں سے گر جائے گا۔

استاد فرماتے ہیں کہ بعض صوفیا ایسے ہیں کہ انہیں اس وقت غیرت آتی ہے جب وہ لوگوں کو غفلت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے دیکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ یہ دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔

مَیں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ جب بدوی نے مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر پیشاب کر دیا اور صحابہ اسے مسجد سے نکالنے کے لئے لپکے۔ یہ اس بدوی کی گستاخی تھی۔ مگر صحابہ شرمندہ ہوئے اور انہیں یہ دیکھ کر تکلیف ہوئی کہ ایک شخص نے احترام کرنا ترک کر دیا۔ یہی حال بندے کا ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی کو معلوم کر لیتا ہے تو اسے اس شخص کے ذکر کو سننا جو اللہ تعالیٰ کا ذکر غفلت سے کرتا ہے شاق گزرتا ہے۔ اور ان لوگوں کی عبادت بھی اس پر شاق گزرتی ہے۔ جو پورے احترام کے ساتھ اللہ کی عبادت

نہیں کرتے۔

حکایت کی گئی ہے کہ شبلیؒ کا ایک بیٹا جس کا نام ابوالحسن تھا فوت ہو گیا۔ اس کی والدہ کو اس کا بہت قلق ہوا۔ اور اس نے اپنے سر کے بال کاٹ ڈالے۔ یہ دیکھ کر شبلی نے حمام میں جا کر داڑھی چونے سے مونڈ ڈالی۔ ہر وہ شخص جو تعزیت کے لئے آتا، ان سے پوچھتا۔ اے ابوبکر! یہ کیا بات ہے؟ آپ فرماتے: میں نے یہ کام اپنی بیوی کی موافقت میں کیا ہے۔ ایک نے آپ سے کہا: اے ابوبکر! آپ صحیح صحیح بتائیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: مجھے معلوم تھا کہ لوگ غفلت کے ساتھ تعزیت کریں گے اور کہیں گے کہ خدا تجھے اس کا اجر دے۔ لہٰذا ان کا غفلت کے ساتھ ذکر کرنے کا فدیہ میں نے اپنی داڑھی سے ادا کر دیا۔

نوری نے ایک شخص کو اذان دیتے سنا تو فرمایا: خدا تجھے نیزہ مارے اور موت کا زہر بھی دے اور ایک کتے کو بھونکتے سنا تو لبیک کہا۔ آپ سے کسی نے اعتراض کیا کہ یہ تو دین کو ترک کرنا ہے کیونکہ یہ مومن کو شہادتین ادا کرنے پر ایسا کہتا ہے۔ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: مومن نے اللہ کا ذکر غفلت سے کیا تھا۔ مگر کتے کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ۔ (ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے)

ایک بار شبلیؒ نے اذان دی اور جب شہادتین پر پہنچے تو کہا اے اللہ اگر تیرا حکم نہ ہوتا تو میں تمہارے نام کے ساتھ کسی اور کا ذکر نہ کرتا۔

شبلی نے ایک شخص کو جلّ اللہ کہتے سنا تو فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ تو اللہ کو اس سے زیادہ بزرگ سمجھے۔

میں نے ایک فقیر کو کہتے سنا کہ میں نے ابوالحسنؒ خرقانی کو سنا فرما رہے تھے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے وہ تو دل سے کہتا ہے اور جو محمد رسول اللہ کہتا ہے وہ کان کی بالی سے یعنی غفلت سے کہتا ہے۔

جو شخص ان الفاظ کی ظاہری عبارت کو دیکھے گا وہ یہی سمجھے گا کہ خرقانی نے شریعت کی تحقیر کی ہے مگر درحقیقت بات ایسی نہیں ہے کیوں کہ غیر اللہ کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت کے مقابلہ میں یقیناً حقیر اور معمولی ہے۔

(۱۰۱۹)
۳۶- ولایت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔یاد رکھو! اللہ کے ولیوں کے لئے نہ خوف ہے نہ غم۔

ہم سے حمزہ بن یوسف السہمی نے، ان سے عبد اللہ بن عدی الحافظ[۱۰۲۰] نے کہا کہ ان سے ابوبکر[۱۰۲۱] محمد بن ہرون بن حمید نے ان سے محمد بن ہارون[۱۰۲۲] المقری نے، ان سے حماد الخیاط[۱۰۲۳] نے کہا کہ عبد اللہ[۱۰۲۴] بن میمون مولیٰ عروۃ سے روایت کی کہ عروہ[۱۰۲۵] نے کہا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ جس نے میرے ولی کو اذیت پہنچائی اس نے مجھ سے جنگ کرنا جائز سمجھا۔ کوئی بندہ اس قدر میرے قریب نہیں آسکتا جس قدر کہ وہ فرائض کے ادا کرنے کے ذریعہ سے میرے قریب آسکتا ہے۔ اور بندہ نوافل کے ذریعے سے مجھ سے قریب سے قریب تر آتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جو چیز بھی کرنا چاہتا ہوں اس میں کبھی اتنا پس و پیش نہیں کرتا جتنا کہ اپنے مومن بندے کی روح کو قبض کرنے میں کرتا ہوں اس لئے کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے دکھ دینا نہیں چاہتا۔ حالانکہ موت سے چھٹکارا نہیں ہے۔

لفظ ولی کا اشتقاق استاد ابوالقاسم فرماتے ہیں کہ لفظ ولی کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ لفظ ولی فعیل کے وزن پر ہے۔ جس کے معنی مفعول کے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ولی وہ شخص ہے جس کے کاموں کا اللہ والی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (اللہ تعالیٰ صالحین کا والی ہے) لہٰذا اللہ تعالیٰ اس بندے کو ایک لحظہ کے لئے اس کی ذات پر نہیں چھوڑ دیتے۔ بلکہ حق سبحانہ خود اس کی نگہبانی کرتا ہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ لفظ فعیل مبالغہ کا صیغہ بمعنی فاعل کے ہے۔ یعنی وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنا اپنے ذمے لے لیتا ہے۔ لہٰذا اس کی عبادت لگاتار چلی

جاتی ہے۔ اور درمیان میں کوئی نافرمانی حائل نہیں ہوتی۔

ولی میں ان دونوں وصفوں کا پایا جانا ضروری ہے تاکہ ولی ایسا ولی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کلی طور پر ادا کرنا پسند کرے۔ اور ساتھ ہی اللہ اس کی خوشی اور غمی ہر دو حالت میں ہمیشہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔

ولی کی شرط

ولی کی شرائط میں ایک شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے گناہ سے محفوظ رکھے۔ جس طرح نبی کی شرط ہے کہ وہ معصوم ہو۔ لہٰذا جس شخص میں شریعت کی رو سے اعتراض پایا جاتا ہو سمجھ لو کہ اسے شیطان نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ ابو یزید بسطامی ایک ایسے شخص سے ملنے کے ارادہ سے گئے جو لوگوں میں ولی مشہور تھا۔ جب آپ اس کی مسجد میں پہنچے تو اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ اس شخص نے نکلتے ہی مسجد کے اندر گلا صاف کیا اور بلغم پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر ابو یزید اسے سلام کئے بغیر واپس چلے آئے اور فرمایا: یہ شخص تو شریعت کے آداب میں سے ایک ادب کا بھی امین نہیں تو پھر اسرار خداوندی کا یہ شخص امین کیسے ہو سکتا ہے؟

ولی کیلئے اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری ہے یا نہیں

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ولی تو اپنے آپ کو بنظر استحقار دیکھتا ہے اور اگر اس کے ہاتھوں کوئی کرامت ظاہر ہو تو اسے اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ کہیں یہ چال نہ ہو۔ اسی لئے اسے ہمیشہ ڈر رہتا ہے۔ اسے ڈر تو صرف اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں وہ اپنے مرتبے سے گر نہ جائے۔ اور کہیں اس کا انجام اس کی حالت کے خلاف نہ ہو جائے۔ یہ لوگ ولی کی شرائط میں اس بات کو گنتے ہیں کہ اس کا انجام ٹھیک ٹھاک ہو مگر انجام کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اس سلسلہ میں صوفیاء سے بہت سی حکایات بیان کی جاتی ہیں۔ صوفیاء کی ایک جماعت کا یہی عقیدہ ہے اور اگر ہم ان کے اقوال نقل کرنے لگ جائیں تو قصہ طولانی ہو گا جن شیوخ سے ہماری ملاقات رہی ہے اُن میں سے امام ابو بکر فورک کا یہی عقیدہ تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہو۔ انجام کا درست ہونا ولایت کی

کی تحقیق میں شرط نہیں۔ پھر اگر یہ بات شرط بھی ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس ولی کو اس کرامت کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے بتلا دیا ہو کہ اس کا انجام محفوظ ہے۔ کیونکہ اولیا اللہ کی کرامت کا جائز ہونا ایک ضروری امر ہے۔ ولی کو اگرچہ اپنے انجام کا خوف لاحق رہتا ہے پھر بھی موجودہ حالت میں جو ہیبت تعظیم اور اجلال (خدا کو بزرگ جاننا) اس کے دل میں ہے وہ اس خوف سے زیادہ کامل اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تعظیم وہیبت خواہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ پھر بھی بہت سے خوف کے مقابلہ میں دل کے لئے زیادہ سکون کا باعث ہوتی۔ نیز اس لئے بھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے صحابہ میں سے دس آدمی جنت میں ہوں گے۔ لہٰذا یہ تو یقینی ہے کہ دس صحابیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور انہوں نے اپنے نیک انجام کو معلوم کر لیا۔ مگر پھر بھی ان کی حالت کی تبدیلی سے ان کی حالت میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا۔ نیز اس لئے بھی کہ نبوت کی صحیح معرفت کی شرط یہ ہے کہ انسان معجزہ کی تعریف جانتا ہو (کہ معجزہ کیا چیز ہے) اور اس میں کرامات کی حقیقت کو جاننا بھی شامل ہے۔ لہٰذا جب ولی یہ دیکھے کہ اس سے کرامات ظاہر ہو رہی ہیں تو اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کرامات اور غیر کرامات میں امتیاز نہ کر سکے۔ چنانچہ جب اسے کچھ کرامات دکھائی دیں گی تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ اس وقت حق پر ہے۔ پھر یہ بھی جائز ہے کہ اسے اس بات کا علم ہو کہ اس کا انجام بھی اسی حالت پر رہے گا۔ حق تعالیٰ کا اسے یہ بتلا دینا کہ وہ انجام کار میں بھی حق پر رہے گا۔ اس کے لئے کرامت ہے۔

اولیا کی کرامات برحق ہیں

اولیا کی کرامات کا قائل ہونا صحیح عقیدہ ہے اور اولیاء اللہ کی بہت سی حکایتوں سے کرامات کے برحق ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ کراماتِ اولیاء کے باب میں چند کرامات کا ذکر کریں گے اور ہمارے ان استادوں میں سے جن سے ہماری ملاقات ہوئی۔ استاد ابوعلی دقاق کا یہی عقیدہ تھا کہ یہ بات جائز ہے کہ ولی کو اپنے ولی ہونے کا علم بھی ہو۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم بن ادھم نے ایک شخص سے کہا۔ کیا تو اللہ کا ولی بننا چاہتا ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ تو آپ نے فرمایا۔ پھر تجھے دنیا وآخرت کی کسی چیز کی طرف رغبت نہیں ہونی چاہیئے

اور اپنے آپ کو صرف اللہ کے لئے فارغ کرے اور ہمہ تن اس کی طرف توجہ دے تاکہ وہ بھی تمہاری طرف توجہ دے اور تجھے اپنا دوست بنائے۔

یحییٰ بن معاذ اولیاء اللہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مقام ولایت کو پہنچنے کی وجہ سے تکالیف برداشت کرنے کے بعد اللہ کے ساتھ انس حاصل کر لینے کا لباس پہن لیا ہے اور مجاہدہ کے بعد انہوں نے راحت پالی ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سلمی سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے ان سے کہا کہ عمی البسطامی نے کہا کہ میرے والد فرماتے تھے کہ میں نے ابویزید کو فرماتے سنا کہ اولیاء اللہ کی دلہنیں ہیں اور محرموں کے سوا کوئی ان دلہنوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ لہذا یہ لوگ حجاب انس میں پوشیدہ رہتے ہیں۔ نہ دنیا میں انہیں کوئی دیکھ سکتا ہے اور نہ آخرت میں (سوائے ان محرموں کے)

میں نے ابوبکر صیدلانی کو جو ایک صالح آدمی تھا فرماتے ہوئے سنا کہ میں ابوبکر طمستانی کی قبر کی لوح کو درست کر رہا تھا اور حیرہ کے قبرستان میں اس کا نام اس میں کھود رہا تھا جب کبھی اس لوح کو قبر پر نصب کیا جاتا تھا تو یہ چرالی جاتی وہاں کسی اور قبر کی لوحوں سے ایسا معاملہ نہ ہوتا تھا۔ اور مجھے اس سے حیرت ہوتی۔ ایک دن میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا۔ ابوبکر طمستانی نے دنیا میں اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا تھا اور تو اس لوح کے ذریعے سے ان کی قبر کو مشہور کرانا چاہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ جس طرح انہوں نے اپنے آپ کو چھپائے رکھا تھا۔ اسی طرح ان کی قبر کو چھپائے رکھے۔

ابوعثمان مغربی فرماتے ہیں کبھی ولی مشہور ہوتا ہے (مگر اس کی شہرت اس کے لئے) فتنہ کا باعث نہیں بنتی۔

میں نے استاد ابوعبدالرحمن سلمی کو فرماتے سنا کہ میں نے نصر آبادی کو فرماتے سنا کہ ولی اپنی زبان سے سوال نہیں کرتا (ان کا سوال) عاجزی اور انکساری ہوتا ہے۔

نیز فرمایا کہ جہاں اولیاء اللہ کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے نبوت کی ابتدا ہوتی ہے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ ولی وہ ہے جس کے افعال لگاتار سنت و شریعت کی موافقت میں ہوں۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ ولی نہ تو ریاکار ہوتا ہے اور نہ منافق، لہٰذا جس کا یہ خلق ہو اس کے دوست کس قدر کم ہوں گے۔

ابو علی جوزجانی فرماتے ہیں: ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فنا ہو چکا ہو اور مشاہدہ حق میں باقی ہو۔ اس کے انتظام کی ذمہ داری اللہ نے لے رکھی ہے اور ذمہ داری کے انوار اس پر لگاتار ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ نہ تو وہ اپنی طرف سے کوئی بات کہتا ہے اور نہ اسے غیر اللہ کے ساتھ قرار حاصل ہوتا ہے۔

ابو یزید فرماتے ہیں، اگرچہ اولیأ اللہ میں باہم فرق ہوتا ہے۔ مگر انہیں حصہ اللہ تعالیٰ کے صرف چار ناموں سے ملا ہوتا ہے اور ہر گروہ ان چار ناموں میں سے ایک نہ ایک نام پر دارو مدار رکھتا ہے۔ اور یہ چار نام الاول۔ الآخر۔ الظاہر۔ الباطن ہیں۔ لہٰذا ان اسمار کی کثرت مزاولت کے بعد جو ان سے فنا ہو جائے وہ کامل اور تام ہو گیا۔ چنانچہ جسے اللہ کے نام الظاہر سے حصہ ملے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے عجیب و غریب نمونے دیکھے گا اور جس کا حصہ اللہ تعالیٰ کے نام الباطن سے ہو وہ ان انوار کو دیکھے گا جو ان کے دل میں جاری ہوتے ہیں اور جس کا حصہ اللہ کے نام الاول سے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات میں مشغول ہو گا جو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کئے جا چکے ہیں۔ اور جسے اللہ کے نام الآخر سے حصہ ملے گا۔ اس کا تعلق آئندہ قیامت میں ہونے والے امور کے ساتھ ہو گا۔ ہر ولی کے لئے اسی قدر مکاشفہ ہوتا ہے جس قدر اسکی طاقت ہوتی ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے خود ان کا ولی بنتا ہے اور خود اس کی کفالت کرتا ہے۔

ابو یزید کے اس قول سے اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ان چار قسموں سے بھی بلند ہو جاتے ہیں اور انہیں نہ تو انجام کا خیال ہوتا ہے اور نہ گزشتہ کی فکر ہوتی ہے اور نہ ہی وہ حوادث کی قید میں ہوتے ہیں۔ یہی حال اصحاب حقائق کا ہوتا ہے کہ وہ مخلوق کی صفات سے مٹ چکے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ (تو انہیں بیدار سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔)

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں: ولی دنیا میں اللہ تعالیٰ کا ریحان کا پودا ہے۔ جسے صدیق لوگ سونگھتے ہیں۔ اور اس کی خوشبو ان تک پہنچ جاتی ہے جس کی وجہ سے انہیں اپنے مولا کا اشتیاق ہوتا ہے اور وہ اپنے اخلاق کے مطابق زیادہ عبادت کرنے لگتے ہیں۔

کسی نے واسطی سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ ولی کی کس طرح تربیت کرتا ہے؟ فرمایا ابتدا میں عبادت کے ساتھ اور آخر عمر میں مہربانیوں سے ڈھانپ دینے سے اس کے بعد اسے اپنی صفاتِ ازلیہ کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ پھر اسے اس کے اوقات میں اپنے ساتھ مناجات کی لذت کا مزہ چکھاتا ہے۔

ولی کی علامات کہتے ہیں کہ ولی کی تین نشانیاں ہیں:۔

(۱) وہ اللہ کے ساتھ عبادات اور اوراد کے ساتھ مشغول رہے۔

(۲) اپنی خواہشات اور کاموں سے بھاگ کر اللہ کی طرف جائے۔

(۳) اسے اللہ ہی کا خیال دامن گیر رہے۔

خراز فرماتے ہیں: جب اللہ اپنے کسی بندے کو دوست بنانا چاہتا ہے تو اس کے لئے اپنے ذکر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ جب وہ اللہ کے ذکر سے لذت پانے لگتا ہے تو پھر اس کے لئے اپنی قربت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اس کے بعد اسے مجلس انس تک پہنچا دیتا ہے۔ (پھر جب انس بھی پورے طور پر حاصل ہو جاتا ہے) تو اسے توحید کی کرسی پر بٹھا دیتا ہے۔ اس کے بعد اس سے تمام پردے ہٹا کر فردانیت کے گھر میں اسے داخل کر دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا جلال و عظمت اس کے سامنے کھل جاتے ہیں۔ جب اس کی نگاہ جلال و عظمت خداوندی پر پڑتی ہے تو وہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ اس وقت بندہ بالکل اپاہج اور فانی ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کی حفاظت کے اندر آجاتا ہے اور اپنے نفسانی دعووں سے بیزار ہوتا ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے کہا کہ ابو علی الرودباری فرماتے تھے کہ ابوتراب بخشی نے فرمایا: جب کسی کا دل اللہ سے اعراض کرنے کا عادی ہو جائے تو وہ اولیاء اللہ پر نکتہ چینی کرنا شروع کر دیتا ہے۔

نیز کہا جاتا ہے کہ ولی کی تعریف یہ ہے کہ اسے کوئی خوف نہ ہو۔ اس لئے کہ خوف یہ ہے کہ آئندہ آنے والی ناپسند چیز کا انتظار ہو یا کسی محبوب چیز کا انتظار ہو۔ جو آئندہ ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ اور ولی تو اپنے وقت کا بندہ ہوتا ہے۔ اس کے لئے مستقبل کوئی چیز نہیں۔ کہ وہ کسی چیز سے ڈرے۔ اور جس سے اسے کوئی خوف نہیں ہوتا اسے کسی قسم کی اُمید بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ رجاء کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کو کسی محبوب چیز کے حاصل ہونے کا انتظار ہو یا مکروہ چیز کے دور ہو جانے کا انتظار ہو اور یہ دونوں مستقبل کی باتیں ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ولی کو کوئی غم نہیں ہوتا۔ کیونکہ غم دل کی درشتی کی وجہ سے ہوتا ہے اور جو شخص اللہ کی رضامندی کی روشنی اور اللہ کے ساتھ موافقت کی ٹھنڈک میں ہو اسے غم کیسے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔

۴۷۔ دُعا[1028]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً (اپنے رب کو عاجزی سے اور چھپ کر پکارو۔) نیز فرمایا: اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ تم مجھے پکارو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا۔

ہم سے علی بن احمد بن عبدان نے، ان سے ابوالحسن الصفار البصری نے، ان سے محمد بن احمد العودی[1029] نے، اُن سے کامل[1030] نے، ان سے ابن لہیعہ[1031] نے کہا، ان سے خالد بن یزید[1032] نے سعید بن ابی ہلال[1033] سے روایت کی کہ انس بن مالکؓ نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (دعا عبادت کا مغز ہے)

استاد فرماتے ہیں:۔ دعا قضاء حاجات کی چابی ہے اور فاقہ مستوں کے لئے راحت کا سبب ہے۔ مجبوروں کے لئے جائے پناہ ہے اور حاجت مندوں کے لئے آرام کرنے کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو دُعا نہیں کرتے۔ چنانچہ فرمایا: وَیَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَهُمْ (وہ اپنے ہاتھوں کو سکیڑ لیتے ہیں) کہا جاتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ

کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے کہا: مجھ سے باتیں کرو۔ اگر یہ نہ کرسکو تو میری طرف دیکھو۔ اگر یہ بھی نہ کرسکو تو میری بات کو سنو۔ اگر یہ بھی نہ کرسکو تو میرے دروازے پر رہو۔ اور اگر یہ بھی نہ کرسکو تو میرے پاس اپنی ضرورتوں کو لاؤ۔

مَیں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ سہل بن عبداللہ فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ مقبولیت کے قریب وہ دعا ہے جو صاحبِ حال بندے کی ہو۔ اور دُعائے حال وہ دُعا ہے کہ بندہ اس قدر مجبور ہو کہ جو کچھ مانگ رہا ہے اس کے سوا اسے چارہ نہ ہو۔

ہم سے حمزہ بن یوسف السہمی نے کہا کہ ابوعبداللہ المکانسی فرماتے تھے کہ ایک بار مَیں جنیدؒ کے پاس تھا کہ ایک عورت نے آکر عرض کی کہ میرا بیٹا گم ہو گیا ہے آپ دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ صبر کرو۔ وہ چلی گئی۔ اور پھر آئی اور اپنے مطلب کو دوبارہ بیان کیا۔ جنیدؒ نے پھر بھی جواب دیا کہ جاؤ صبر کرو۔ عورت چلی گئی۔ مگر پھر واپس آگئی۔ اس طرح اس نے کئی بار ایسا اور جنیدؒ اس سے یہی کہتے جاتے کہ صبر کرو۔ پھر اس نے کہا:۔ اَب میرے صبر کا پیمانہ چھلک چکا ہے۔ اور مزید صبر کی طاقت نہیں ہے۔ لہٰذا میرے لئے دعا فرمائیں۔ جنیدؒ نے فرمایا اگر ایسا معاملہ ہے تو جاؤ تمہارا بیٹا واپس آچکا ہے۔ وہ چلی گئی۔ اور شکریہ ادا کرنے کے لئے لوٹ آئی۔ جنیدؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کیسے معلوم کر لیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْءَ بے چین آدمی کی کون سنتا، اور اس کی تکلیف کون دور کرتا ہے؟

دُعا افضل ہے یا سکوت و رضا۔ صوفیاء کا اس میں اختلاف ہے۔ کہ آیا دعا افضل ہے یا سکوت و رضا۔ بعض کہتے ہیں کہ دُعا تو دراصل عبادت ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دُعا عبادت کا مغز ہے۔ لہٰذا جو بات عبادت ہو اس کا ذکر کرنا اس کے ترک کر دینے سے افضل ہے۔ مزید برآں یہ حق سبحانہ کا حق ہے لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دُعا کو قبول نہ کرے اور بندے کی آرزو پوری نہ ہو

تو بھی بندے نے اپنے رب کا حق ادا کر دیا۔ کیونکہ دُعا عبودیت کے احتیاج کا اظہار ہے۔
ابوحازم فرماتے ہیں، ۔ اگر میں دُعا سے محروم کر دیا جاؤں تو یہ میرے لئے زیادہ ناگوار ہوگا۔ بہ نسبت اس کے کہ میں مقبولیت سے محروم کر دیا جاؤں۔
دوسرا گروہ کہتا ہے کہ خاموش رہنا اور اللہ کے حکم کے تحت عاجزی کرنا اصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے جو کچھ پہلے سے اختیار کر رکھا ہے اس پر راضی رہنا بہتر ہے۔ اسی لئے واسطیؒ فرماتے ہیں کہ احکام ازل سے تجھ پر جاری ہو چکے ہیں۔ ان پر راضی رہنا وقت کا مقابلہ کرنے سے بہتر ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" جو شخص میرے ذکر میں مشغولیت کے سبب مجھ سے کچھ نہیں مانگتا میں اسے سوال کرنے والے سے بہتر چیز دوں گا۔
ایک اور گروہ کہتا ہے کہ بندے کو زبان سے دعا کرنی چاہیئے اور دل میں رضا ہونی چاہیئے تاکہ اس کا عمل دونوں پر ہو۔
مگر بہتر یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ وقت وقت کی بات ہے۔ چنانچہ بعض حالات میں دعا سکوت سے افضل ہے اور یہی صحیح ادب ہے اور مگر یہ بات تو اسی خاص حالت میں معلوم کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ کسی خاص وقت کا علم اسی وقت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ لہذا جب دل میں دُعا کی طرف اشارہ پایا جائے تو دُعا بہتر ہے اور جب سکوت کی طرف اشارہ ہو تو سکوت افضل ہے۔ یوں بھی کہنا درست ہے کہ دعا کے وقت بندہ کو اپنے رب کے مشاہدہ سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ پھر اسے اپنی حالت کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے اگر دُعا سے اس کی حالت میں بسط پیدا ہو تو دعا بہتر ہوگی۔ اور اگر دعا کے وقت اس کا دل اسے زجر کرے اور اس میں قبض پیدا ہو تو اس وقت اس کے لئے دُعا نہ کرنا بہتر ہے۔ اور اگر اپنے دِل میں نہ زیادہ بسط اور نہ ہی زجر محسوس ہو تو پھر دعا کرنا اور نہ کرنا یکساں ہوگا۔ مگر اگر ایسی حالت میں علم غالب ہو تو دُعا بہتر ہے۔ کیونکہ یہ عبادت ہے اور اگر اس حالت میں معرفت، حال اور سکوت غالب ہو تو سکوت بہتر ہے۔
یوں بھی کہنا درست ہے کہ اگر کسی بات میں عام مسلمانوں کا حق پایا جائے یا اس میں

اللہ تعالیٰ کا حق پایا جاتا ہے تو دُعا بہتر ہے اور اگر تمہارا ذاتی فائدہ پایا جائے توسکوت بہتر ہے۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی دُعا کو پسند فرماتا ہے اور جبرائیل کو حکم دیتا ہے کہ اس کی دُعا کی مقبولیت میں دیر کردو کیونکہ میں اسکی آواز سننا پسند کرتا ہوں اور ایک بندہ دُعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرتا ہے تو جبرئیل کو حکم دیتا ہے کہ اسکی حاجت پوری کر دو۔ کیونکہ میں اس کی آواز کو سننا پسند نہیں کرتا۔

حکایت ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا عرض کیا۔ یا الہیٰ! میں کب تک تجھے پکارتا رہوں گا۔ اور تو میری پکار سنے گا۔ جواب ملا۔ اے یحییٰ! یہ اس لئے ہے کہ مجھے تمہاری آواز پسند ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہونے کی وجہ سے اس سے منہ موڑ لیتا ہے۔ وہ پھر پکارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پھر منہ موڑ لیتا ہے۔ وہ پھر پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے میرے بندے نے میرے سوا کسی اور کو پکارنے سے انکار کر دیا ہے لہٰذا میں نے اس کی دعا منظور کر لی۔

ہم سے ابوالحسین علی بن محمد بن عبداللہ بن بشران بغدادی نے کہا کہ ابو عمرو عثمان بن احمد المعروف ابن السماک نے ان سے کہا کہ محمد بن عبدربہ الحضرمی نے کہا کہ بشر بن عبدالمالک[۱۲۵] نے بتایا کہ موسیٰ بن الحجاج نے کہا کہ مالک بن دینار نے الحسن سے روایت کی کہ انس بن مالکؓ فرماتے تھے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شام سے مدینہ تجارت کیلئے آیا کرتا تھا۔ اور پھر مدینہ سے شام جاتا مگر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے وہ قافلہ والوں کے ساتھ نہ جاتا۔ ایک بار جب وہ شام سے مدینہ آرہا تھا تو ایک ڈاکو ملا جو گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے سوداگر کو پکار کر کہا۔ ٹھہر جاؤ۔ سوداگر ٹھہر گیا اور کہا یہ مال لے لے اور مجھے چھوڑ دے ڈاکو نے کہا مال تو اب میرا ہے ہی۔ میں تو تیری جان لینا چاہتا ہوں۔ سوداگر نے کہا میری جان سے تجھے کیا غرض؟ مال لے لے اور مجھے چھوڑ دے۔ ڈاکو نے پھر وہی جواب دیا اس پر

سوداگر نے کہا! مجھے اتنی مہلت دو کہ میں وضو کر کے نماز پڑھ لوں اور اپنے رب کو پکار لوں ڈاکو نے کہا جو تمہارا جی چاہے کر۔

انس فرماتے ہیں! سوداگر نے اٹھ کر وضو کیا۔ اور چار رکعت نماز ادا کر کے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی۔ یَاوَدُوْدُ یَاوَدُوْد۔ یَاذَا الْعَرْشِ الْمَجِیْدِ یَامُبْدِئُ یَامُعِیْدِ یَافَعَّالَ لِمَا یُرِیْدُ اَسْأَلُكَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ مَلَأَ اَرْكَانَ عَرْشِكَ وَ اَسْأَلُكَ بِقُدْرَتِكَ الَّتِیْ قَدَرْتَ بِهَا عَلٰی خَلْقِكَ وَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ لَا اِلٰهَ اَنْتَ یَامُغِیْثُ اَغِثْنِیْ اور یہ دعا اس نے تین بار پڑھی۔

جب دعا سے فارغ ہوا تو یکا یک ایک شخص سفید گھوڑے پر سوار سبز رنگ کے کپڑے پہنے نور کا حربہ ہاتھ میں لئے ہوئے آموجود ہوا۔ جب ڈاکو نے سوار کو دیکھا تو سوداگر کو چھوڑ کر سوار کی طرف لپکا۔ جب اس کے قریب پہنچا۔ تو سوار نے ڈاکو پر حملہ کر دیا اور ایسا نیزہ مارا کہ اسے گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔ پھر سوار کے پاس آکر کہا۔ اٹھو اور اسے قتل کر دو۔ سوداگر نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا اور میرا دل تو نہیں چاہتا کہ اسے قتل کروں۔ انس فرماتے ہیں کہ سوار ڈاکو کی طرف لوٹ گیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا۔ پھر سوداگر کے پاس آکر کہا کہ میں آسمان کا فرشتہ ہوں جب تو نے پہلی بار دعا کی تو ہم نے تیسرے آسمان کے کواڑ کھڑکھڑانے کی آواز سنی تو کہا کہ کوئی حادثہ واقع ہوا ہے پھر تو نے دوسری بار دعا کی تو آسمان کے دروازے کھل گئے اور وہ آگ کے شعلوں کی طرح تھا۔ پھر تو نے تیسری بار دعا کی تو آسمان سے جبرئیل اتر کر ہمارے پاس آئے اور وہ اس مصیبت زدہ کے لئے پکار رہے تھے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ یہ کام میرے سپرد کر دیں۔ اے اللہ کے بندے! یاد رکھو جو شخص کسی مصیبت یا سختی کے وقت یہ دعا مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکل حل کر دے گا اور اس کی مدد کرے گا۔ انس فرماتے ہیں کہ سوداگر صحیح سلامت چلا آیا۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا قصہ سنایا۔ اور اپنی دعا کا بھی ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے وہ اسماء حسنیٰ تلقین کئے ہیں کہ جب ان کے ذریعے سے دعا کی جائے تو اللہ قبول کرتا ہے۔ اور ان کے ذریعہ سے کوئی چیز مانگی جائے

تو اللہ اسے دے دیتا ہے۔

آدابِ دُعا دُعا کے آداب میں سے ایک بات یہ ہے کہ انسان حضورِ قلب کے ساتھ دُعا کرے۔ اور یہ کہ وہ غافل ہو کر دُعا نہ کرے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ ایسے بندے کی دعا قبول نہیں فرماتا جو غافل دل سے دُعا کر رہا ہو۔

شرائطِ دعا دُعا کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس کا کھانا حلال کی کمائی سے ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کو فرمایا! اپنی کمائی پاک رکھو۔ تمہاری دعا مقبول ہوگی۔

کہا گیا ہے کہ دعا حاجت کی کنجی ہے۔ جس کے دندانے حلال کے لقمے ہیں۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں: اے اللہ! میں تجھے کیسے پکاروں جبکہ میں نافرمان ہوں اور تمہیں کیونکر نہ پکاروں جبکہ تو کریم ہے۔

کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام ایک شخص کے پاس سے گزرے جو دعا کرتا تھا اور گڑگڑاتا تھا یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ یا الٰہی اگر میرے پاس اس کی حاجت ہوتی تو میں پوری کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اے موسیٰ! میں تم سے زیادہ اس پر رحم کرنے والا ہوں۔ مگر وہ مجھے پکارتا ہے اور اس کا دِل اپنی بکریوں کے پاس ہے۔ اور میں کسی ایسے بندے کی دعا قبول نہیں کرتا جسکا دِل میرے سوا کسی اور کے پاس ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات اس شخص سے کہہ دی پھر اس نے خالص اللہ کی طرف متوجہ ہو کر دِل سے دعا کی اور اُس کی دعا مقبول ہوئی۔

کسی نے جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا بات ہے کہ ہم دعا مانگتے ہیں۔ مگر ہماری دعا قبول نہیں ہوتی؟ فرمایا۔ اس لئے کہ تم ایسے خدا کو پکارتے ہو جسے تم پہچانتے ہی نہیں ہو۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ یعقوب بن لیثؒ کو ایک ایسی بیماری لگ گئی جس کا علاج کرنے سے تمام طبیب عاجز آ گئے۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تمہاری سلطنت کے اندر ایک نیک آدمی ہے۔ جس کا نام سہل بن عبداللہ ہے۔ اگر وہ تمہارے لئے دعا کرے تو

ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی قبول دعا فرمائے ۔ اس نے سہل کو بلا بھیجا اور کہا کہ میرے لئے اللہ سے دعا کریں ۔ سہل نے کہا اے اللہ جس طرح تو نے معصیت کاری کی ذلت دکھادی ہے اسی طرح اسے اطاعت گزاری کی عزت بھی دکھادے اور اس کی تکلیف دور کردے اللہ نے اسے شفا دے دی ۔ اس نے سہل کو مال دینا چاہا مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ۔ لوگوں نے کہا اگر آپ قبول کر لیتے اور فقراء کو دے دیتے (تو بہتر ہوتا) آپ نے جنگل کی کنکریوں کی طرف نگاہ کی تو وہ سب جواہر بن گئیں ۔ اور اپنے اصحاب سے کہا وہ خدا جو اس قدر دیتا ہے کیا اسے یعقوب بن لیث کے مال کی حاجت ہے ۔

کہتے ہیں کہ صالح مری[۱۳۳۰] اکثر کہا کرتے جو شخص متواتر ایک در پر دستک دیتا رہتا ہے عنقریب وہ دروازہ اس کے لئے کھول دیا جائے گا ۔ یہ سن کر رابعہ نے اس سے کہا تو کب تک یہ بات کہے جائے گا ۔ وہ دروازہ بند ہی کب ہوا ہے ؟ کہ کھلوانے کی ضرورت ہو ؟ یہ جواب سُن کر صالح نے کہا ۔ ایک بوڑھا (یعنی خود صالح) بے خبر ہے اور ایک عورت باخبر ہے ۔

میں نے شیخ عبدالرحمٰن سے سنا کہ انہوں نے ابوبکر الرازی سے سنا ۔ انہوں نے ابوبکر الحربی سے سنا کہ السری فرماتے تھے کہ میں معروف کرخیؒ کی مجلس میں گیا ۔ ایک شخص نے اُٹھ کر درخواست کی کہ اے ابومحفوظ ! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری تھیلی مجھے لوٹا دے ۔ یہ تھیلی کسی نے چرالی ہے اور اس میں ایک ہزار دینار تھے ۔ مگر آپ خاموش رہے ۔ اس شخص نے پھر وہی بات دہرائی ۔ آپ پھر خاموش رہے ۔ اس نے پھر کہا تو معروف نے کہا میں کیا کہوں ؟ کیا یہ کہوں کہ جو چیز تو نے اپنے انبیاء اور اصفیاء کو نہیں دی وہ اسے لوٹا دے ۔ اس نے یہ سن کر کہا پھر میرے لئے دعا کیجئے ۔ تو آپ نے کہا ۔ اے اللہ ! جو چیز اس شخص کے لئے بہتر ہو اسے اس شخص کیلئے منتخب کر لو ۔

لیث سے حکایت ہے ۔ کہا میں نے ابن نافع[۱۳۳۹] کو نابینا دیکھا ۔ پھر اسکے بعد دیکھا تو وہ بینا تھے ۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بینائی کیونکر تمہیں لوٹا دی ۔ انہوں نے فرمایا خواب میں کوئی میرے پاس آیا تو اس نے مجھے کہا کہ یوں دعا کر ۔ یا قریب یا مجیب یا سمیع الدعاء یا لطیفاً لما یشاء ردّ علی بصری ۔ چنانچہ میں نے یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے میری بینائی مجھے لوٹا دی ۔

مَیں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ جب مَیں ابتداء میں مرو سے نیشا پور لوٹ کر آیا تو مجھے آنکھ کے درد کی تکلیف تھی۔ چنانچہ اس تکلیف کی وجہ سے مَیں کئی دن تک سو نہ سکا۔ ایک صبح میری آنکھ لگ گئی تو مَیں نے ایک شخص کو کہتے سنا۔ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟ جب بیدار ہوا تو تکلیف غائب تھی۔ اور سارا درد اسی وقت جاتا رہا۔ اس کے بعد مجھے کبھی آنکھ میں درد نہیں ہوا۔

محمد بن خزیمہ سے حکایت ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ جب احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی وفات ہوئی مَیں اسکندریہ میں تھا۔ مجھے اُن کی وفات کا غم ہوا۔ تو خواب میں احمد بن حنبل دکھائی دیئے۔ وہ مٹک مٹک کر چل رہے تھے۔ مَیں نے کہا اے ابو عبداللہ! یہ کیسی چال ہے؟ فرمایا جنت میں خادموں کی چال ہے۔ مَیں نے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا برتاؤ فرمایا۔ مجھے معاف کر دیا۔ مجھے تاج پہنایا۔ اور سونے کے جوتے کا جوڑا پہنایا اور کہا اے احمد! یہ اس بات کی جزا ہے کہ تم نے کہا تھا قرآن اللہ کا کلام ہے۔ پھر فرمایا اے احمد! مجھے ان دعاؤں کے ذریعہ سے پکارو جو مَیں نے سفیان ثوری کے ذریعہ سے تم تک پہنچائی تھیں۔ اور تم دنیا میں ان دعاؤں کو پڑھا کرتے تھے۔ میں نے عرض کی۔ اے ہر چیز کے خالق! ہر چیز پر تمہاری قدرت کی قسم مجھے میرے تمام گناہ معاف کر دے اور مجھے کسی بات کے متعلق نہ پوچھ۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اے احمد! یہ جنت ہے۔ اس میں داخل ہو جاؤ اور مَیں داخل ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ ایک نوجوان نے کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر کہا۔ خدایا تمہارا کوئی شریک نہیں کہ ہم اسے لا سکتے۔ اور نہ کوئی وزیر ہے جسے ہم رشوت دے سکیں۔ اگر مَیں تمہاری عبادت کروں تو یہ تمہاری عنایت ہو گی جس کے لئے مَیں شکر گزار ہوں۔ اور اگر نافرمانی کروں تو ایسا میری جہالت کی وجہ سے ہو گا اور تمہاری حجت مجھ پر قائم ہو گی۔ اس حجت کی قسم جو تمہارے ہاں میری طرف سے منقطع ہو چکی ہے تو مجھے بخش دے۔ اس پر اس نے ہاتف کو کہتے سنا یہ نوجوان دوزخ سے آزاد ہے۔

کہتے ہیں کہ دعا کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ کے سامنے اپنی حاجت کا اظہار کیا جائے ورنہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عوام کی دعا اقوال و الفاظ میں ہوتی ہے اور زاہدوں کی دعا افعال سے اور

عارفین کی احوال سے۔

نیز کہا گیا ہے کہ بہترین دعا وہ ہے جسے غموں کے ہجوم سے مجبور ہو کر کیا جائے۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ جب تو اللہ سے کوئی حاجت مانگے اور اللہ اسے آسان کر دے تو اللہ سے جنت مانگ ہو سکتا ہے یہ تمہاری اجابت کا دن ہو۔

کہا جاتا ہے کہ مبتدیوں کی زبانیں دعا کے ساتھ چلتی ہیں مگر محققین کی زبانیں دعا کرنے سے گونگی ہو جاتی ہیں۔

واسطی سے کسی نے دعا کرنے کی درخواست کی تو فرمایا مجھے ڈر لگتا ہے کہ اگر میں دعا کروں تو مجھے یوں جواب ملے کہ اگر تم نے ہم سے وہ چیز مانگی جو تمہاری ہمارے پاس ہے تو تم نے ہم پر تہمت لگا دی۔ (اس خیال سے کہ شاید ہم تمہیں نہ دیں گے) اور اگر ایسی چیز مانگتا ہے جو تمہارے لئے ہمارے پاس نہیں ہے تو تم نے ہماری بڑی تعریف کی اور اگر تم راضی برضا رہو تو ہم تیرے لئے وہ باتیں جاری کر دینگے کہ ایک عرصہ تک تمہاری حاجتیں پوری ہوتی رہیں۔

عبداللہ بن منازل سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے پچاس سال سے دعا نہیں کی اور نہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی میرے لئے دعا کرے۔

کہتے ہیں کہ دعا ایک قسم کی باہمی پیغام رسانی ہے اور جب تک مراسلت قائم رہے معاملہ ٹھیک ٹھاک رہتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ گنہگاروں کی دعا ان کی زبان ہوتی ہے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ جب گنہگار روتا ہے تو یوں سمجھو کہ اس نے اللہ کو اپنا پیغام پہنچا دیا۔ اس سلسلہ میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

دُمُوعُ الْفَتیٰ عَمَّا یجنُّ تُتَرجِمُ وَأَنفَاسُهٗ یُبْدِیْنَ مَا الْقَلْبُ یَکْتُمُ

انسان کے آنسو اسکے دل کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اور اسکے سانس دل کے راز ظاہر کر دیتے ہیں۔

کسی کا قول ہے دعا گناہوں کو ترک کر دینے کا نام ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ دعا محبوب کی طرف اشتیاق کی ترجمانی ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ دعا کرنے کی اجازت دینا مقصود کو عطا کرنے سے بہتر ہے۔

کتانی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عذر خواہی کے لئے جب مومن کی زبان کھول دیتا ہے تو صرف اس لئے کہ اس کے لئے مغفرت کا دروازہ کھول دیا جائے۔

کہتے ہیں کہ دعا بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے در پہ حاضر ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اور عطا اس در سے واپس جانے کا اور اللہ کے دروازے پر کھڑا رہنا جزا حاصل کر کے واپس چلے جانے سے افضل ہے۔

کہتے ہیں کہ حیا کی زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے آنے کا نام دعا ہے۔

کہتے ہیں کہ دعا کی شرط یہ ہے کہ انسان (دعا کے بعد) اس فیصلہ پر جو اللہ تعالیٰ کرے راضی رہے۔

نیز کہا گیا ہے کہ تو اپنی دعا کی مقبولیت کا انتظار کیسے کر رہا ہے۔ حالانکہ گناہوں سے تو نے اس کا راستہ بند کر رکھا ہے۔

کسی نے ایک درویش کو کہا کہ میرے لئے دعا کرو تو کہا۔ جو بیگانگی تیرے اور اللہ کے درمیان ہے اس کیلئے صرف وسیلہ پیدا کر لینا ہی کافی ہے (اور وہ وسیلہ عجز و انکساری ہے)

میں نے حمزہ بن یوسف السہمی سے سنا کہ ابو الفتح نصر بن احمد بن عبد الملک نے کہا کہ عبد الرحمٰن بن احمد فرماتے تھے کہ میں نے اپنے باپ کو فرماتے سنا کہ ایک عورت تقی بن مخلد کے پاس آئی اور کہا کہ میرے بیٹے کو رومیوں نے قید کر لیا ہے۔ اور میرے پاس صرف ایک چھوٹا سا گھر ہے جسے بیچ نہیں سکتی (کہ اس کا فدیہ ادا کر سکوں) اگر آپ چاہیں تو کسی کو حکم دیں کہ اس کا فدیہ ادا کر دے۔ کیونکہ میرے لئے نہ دن ہے نہ رات۔ اور نہ نیند ہے نہ قرار۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت چلی جاؤ تا کہ میں اس کے معاملہ میں غور کر سکوں۔ انشا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیخ تقی بن مخلد نے سر نیچا کر کے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی اور ہم دیر تک منتظر رہے پھر وہی عورت اپنے بیٹے کو لئے آئی اور انہیں دعائیں دینے لگی۔ اور کہا یہ صحیح و سلامت آگیا ہے اور اپنا قصہ خود سنائے گا۔ اس پر نوجوان نے بتلایا کہ میں قیدیوں کی ایک جماعت کے ساتھ رومی بادشاہ کے قبضہ میں تھا۔ اور ایک آدمی ہماری خدمت پہ مامور تھا۔ جو ہر روز ہمیں خدمت کے لئے جنگل میں لے جاتا اور پھر ہمیں واپس لے آتا۔ بیڑیاں اسی طرح ہمارے پاؤں میں پڑی ہوتی تھیں۔ ایک

دِن مغرب کے بعد ہم کام کر کے اس خادم کے ساتھ جو ہماری حفاظت کیا کرتا تھا واپس آ رہے تھے۔ کہ بیڑی میری ٹانگوں سے کھل کر زمین پر گر پڑی اور اس نے وہ دن اور وقت جس میں یہ واقعہ پیش آیا تھا ذکر کیا۔ یہ وہی وقت تھا۔ جب وہ عورت شیخ تقی بن مخلد کے پاس آئی تھی اور شیخ نے دعا کی تھی۔ محافظ اٹھ کر میری طرف آیا اور کہا تو نے بیڑی توڑ ڈالی ہے؟ میں نے کہا: میں تو نہیں توڑی۔ بلکہ خود بخود گر گئی ہے۔ نوجوان کہتا ہے کہ محافظ کو حیرت ہوئی اور اس نے اپنے مالک سے اس کا ذکر کیا انہوں نے لوہار کو بلا کر پھر مجھے بیڑیوں میں جکڑ دیا ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ بیڑیاں پھر پاؤں سے گر گئیں۔ انہیں اس سے بہت حیرت ہوئی۔ اور اپنے راہبوں کو بلایا۔ راہبوں نے مجھے کہا۔ کیا تمہاری والدہ زندہ ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ انہوں نے کہا اس کی دعا مقبول ہوئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تجھے رہا کیا ہے۔ لہٰذا اب ہمارے لئے تمہیں قید میں رکھنا ممکن نہیں۔ پھر انہوں نے مجھے زاد راہ دیا۔ اور ایک آدمی ساتھ کر دیا۔ جو مجھے مسلمانوں کے علاقہ تک پہنچا گیا۔

۳۸۔ فقر [۱۰۴۳]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ الآية۔

(تمہارے صدقات) ان فقراء کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں رکے ہوئے ہیں اور وہ زمین میں تجارت وغیرہ کے لئے آمد و رفت نہیں کر سکتے۔

ہم سے ابو عبداللہ الحسین بن شجاع بن الحسن بن موسیٰ البزار نے بغداد میں کہا کہ ان سے ابوبکر محمد بن جعفر [۱۰۴۴] بن محمد بن الہیثم الانباری نے کہا کہ ابوبکر جعفر [۱۰۴۵] بن محمد الصائغ نے اور ان سے قبیصۃ [۱۰۴۶] نے بیان کیا کہ ان سے سفیان [۱۰۴۷] نے محمد بن عمرو [۱۰۴۸] بن علقمہ سے روایت کی کہ ابوسلمہ نے ان سے کہا کہ ابوہریرہ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فقراء مالداروں سے پانچسو سال پہلے جنت میں جائیں گے (اور پانچ سو سال) آخرت کا آدھا دن ہوگا۔

اور ہم سے ابوبکر محمد بن احمد بن عبدوس الحیری بغدادی نے کہا کہ ابو احمد حمزہ بن عباس

البزار بغدادی نے کہا کہ محمد بن غالب بن حرب نے ان سے کہا کہ عبداللہ بن مسلمہ نے کہا کہ محمد بن ابی الفرات نے ابراہیم الہجری سے روایت کی کہ ابو الاحوص نے کہا کہ عبداللہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسکین وہ شخص نہیں جو چکر لگاتا رہتا ہے۔ لو اسے ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں مل جاتی ہیں۔ صحابہ عرض پرواز ہوئے: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! پھر مسکین کون ہے؟ مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس اتنا پیسہ نہ ہو کہ مالدار کہلائے۔ مگر لوگوں سے سوال کرنے سے اللہ کے حضور شرماتا ہے۔ اور نہ ہی لوگوں کو اس کا پتہ ہوتا ہے کہ اسے بطورِ صدقہ دیں۔

استاد فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ وہ لوگوں سے مانگنے سے شرماتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ سے حیا کرتے ہوئے لوگوں سے سوال نہیں کرتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگوں سے شرماتا ہے۔

فقر اللہ کے ولیوں کا شعار اور خواص کا زیور ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں مثلاً اتقیاء اور انبیاء کے لئے پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اور فقراء وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر رکھا ہے۔ اور یہ لوگ مخلوق میں اللہ کے راز کے محمل ہوتے ہیں انہیں کی بدولت اللہ تعالیٰ مخلوق کی حفاظت کرتا ہے۔ اور انہی کی برکت سے اللہ انہیں رزق میں وسعت دیتا ہے۔ اور صابر فقیر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے۔

ہم سے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی نے کہا کہ ابراہیم بن[1049] احمد بن محمد بن رجاء الفزاری نے ان سے بیان کیا کہ عبداللہ بن[1050] جعفر بن احمد بن خشیش البغدادی نے کہا کہ عثمان بن[1051] معبد نے بیان کیا کہ عمر بن[1052] راشد نے مالک سے، انہوں نے نافع سے، انہوں نے ابن عمر سے روایت کی کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کی کنجی ہوتی ہے اور جنت کی کنجی مسکینوں کی محبت ہے اور صابر فقیر قیامت کے دن اللہ کے ہمنشین ہوں گے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک شخص ابراہیم بن ادھم کے پاس دس ہزار درہم لایا۔ مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کیا اور فرمایا تو دس ہزار درہم دے کر میرا نام فقراء کے دیوان سے

مٹانا چاہتا ہے۔ میں ایسا نہ کروں گا۔

معاذ نسفی فرماتے ہیں، لوگ خواہ کسی قسم کے اعمال بھی کرتے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ جب وہ فقرا کی تذلیل واہانت کرتے ہیں (تب اللہ انہیں ہلاک کرتا ہے)۔

کہا جاتا ہے فقیر کے لئے صرف یہی فضیلت کافی ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے وسعت چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے نرخ کم ہوں کیونکہ فقیر کو خریدنے کی ضرورت ہوتی ہے اور امیر کو بیچنے کی۔ یہ تو عام فقیروں کا حال ہے۔ خاص فقیروں کی اور ہی بات ہے۔

میں نے شیخ ابو عبداللہ السلمی سے سنا۔ انہوں نے عبدالواحد بن بکر سے سنا۔ انہوں نے ابو بکر بن سمعان[۱۰۵۳] سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ ابو بکر بن مسعود فرماتے ہیں کہ کسی نے یحییٰ بن معاذ سے فقر کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا۔ اس کی حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے ساتھ استغنا نہ کرے۔ اور فقر کی تعریف یہ ہے کہ دنیا کے کسی قسم کے اسباب وذرائع پر اعتماد نہ کیا جائے۔

میں نے انہی سے سنا کہ منصور بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ابراہیم[۱۰۵۴] القصار فرماتے تھے کہ جب بندہ درحقیقت فقر میں داخل ہوتا ہے تو یہ اس کے لئے ایسا لباس بن جاتا ہے جس سے رضا پیدا ہوتی ہے۔

استاد ابو علی دقاق کے پاس ۳۹۴ھ یا ۳۹۵ھ میں ایک فقیر زوزن سے آیا جس نے ٹاٹ کا کرتہ اور ٹاٹ کی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک نے تفریح کے طور پر کہا کہ یہ ٹاٹ کتنے میں خریدا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے یہ ٹاٹ دنیا دے کر خریدا ہے اور بیچنے والے نے مجھ سے کہا کہ اسے میرے پاس بیچ دو اور آخرت لے لو۔ مگر میں نے نہیں بیچا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ ایک فقیر نے ایک مجلس میں کھڑے ہو کر کچھ مانگا اور کہا کہ میں تین دن سے بھوکا ہوں۔ اس وقت وہاں ایک شیخ موجود تھا انہوں نے بلند آواز سے کہا تو جھوٹ کہتا ہے کیونکہ فقر تو اللہ کا راز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنا راز اس شخص کے پاس نہیں رکھتا جو اس راز کو جہاں چاہے لئے پھرے۔

مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے محمد بن الفرا سے سنا کہ زکریا بخشی فرماتے تھے کہ مَیں نے حمدون قصار کو فرماتے سنا کہ جب شیطان اور اس کی فوج اکٹھی ہوتی ہے تو انہیں کسی بات پر اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی کہ تین چیزوں پر ہوتی ہے (۱) اس مومن پر جو مومن کو قتل کرے (۲) اس شخص پر جو کفر کی حالت میں مرے (۳) اور اس دل پر جسے فقر کا ڈر ہو۔

اور مَیں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ بن عطا نے کہا کہ ابوجعفر الفرغانی فرماتے تھے مَیں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا کہ اے فقراء کی قوم! تمہیں لوگ اللہ کی اطاعت کی وجہ سے جانتے ہیں اور اللہ ہی کی خاطر تمہاری عزت کی جاتی ہے۔ لہٰذا جب تم اللہ کے ساتھ خلوت میں ہو تو تمہیں سوچ لینا چاہیئے کہ تمہیں کیسا ہونا چاہیئے

مَیں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ محمد بن الحسن البغدادی نے ان سے بیان کیا کہ محمد بن عبداللہ الفرغانی فرماتے تھے کہ کسی نے جنیدؒ سے سوال کیا کہ آیا افتقار الی اللہ (اللہ کی طرف حاجت لے جانا) بہتر ہے یا استغنا باللہ تو جنیدؒ نے فرمایا جب صحیح معنوں میں افتقار الی اللہ ہو تو استغناء باللہ بھی صحیح معنوں میں پایا جاتا ہے اور جب استغنا باللہ صحیح معنوں میں پایا گیا تو غنی باللہ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے کونسا افضل ہے۔ افتقار یا غنا کیوں کہ یہ دونوں ایسی حالتیں ہیں جو ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتیں۔

مَیں نے انہیں سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے کہا کہ جعفر نے بیان کیا کہ رویم سے کسی نے یہ سوال کیا کہ فقیر کی کیا تعریف ہے تو فرمایا۔ نفس کو احکامِ الٰہیہ میں چھوڑ دینا۔

کہتے ہیں کہ فقیر کی تین صفتیں ہیں (۱) رازِ خداوندی کو محفوظ رکھنا (۲) اللہ کے فرضوں کو ادا کرنا (۳) اور اپنے فقر کی حفاظت کرنا۔

کسی نے ابوسعید خراز سے پوچھا۔ امیروں کی مدد فقراء کو کیوں نہیں پہنچتی؟ فرمایا تین وجہ سے (۱) امیروں کا مال حلال طیب نہیں ہوتا (۲) توفیق ایزدی امیروں کے شامل نہیں ہوتی (۳) فقراء کو اللہ تعالیٰ آزمائش میں ڈالے رکھنا چاہتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جب تم فقراء کو دیکھو تو ان سے اسی طرح کی باتیں کرو جس طرح مالداروں سے کہتے ہو اگر ایسا نہیں کرتے تو جو علم بھی مَیں نے

تہیں دیا ہے۔ اسے مٹی کے نیچے ڈال دو۔

ابوالدرداء سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ محل سے گر کر چور چور ہو جاؤں۔ بجائے اس کے کہ میں مالداروں کی مجلس میں بیٹھوں۔ اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

مُردوں کی ہمنشینی سے بچا کرو۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! مُردے کون ہیں؟ فرمایا مالدار لوگ۔

کسی نے ربیع بن خیثم سے کہا کہ بھاؤ چڑھ گئے ہیں۔ فرمایا: ہم اللہ کے ہاں اس سے زیادہ حقیر ہیں کہ ہمیں بھوکا رکھے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے دوستوں کو بھوکا رکھتا ہے۔

ابراہیم بن ادھم فرماتے ہیں: ہم نے فقر مانگا تو مالداری نے ہمارا استقبال کیا لوگوں نے مالداری مانگی تو فقر نے اُن کا استقبال کیا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ احمد بن علی نے ان سے کہا کہ حسن بن علویہ فرماتے تھے کہ یحییٰ بن معاذ سے کسی نے کہا کہ فقر کیا ہے؟ فرمایا فقر کا ڈر۔ پھر پوچھا کہ مالداری کیا ہے؟ فرمایا اللہ کے پاس امن حاصل کرنا۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ ابوبکر الرازی نے کہا کہ الجریری فرماتے تھے کہ میں نے ابن الکرینی کو فرماتے سنا۔ سچا فقیر مالداری سے پرہیز کرتا ہے۔ اس ڈر سے کہ کہیں مالداری داخل ہو کر اس کے فقر کو خراب نہ کر دے۔

کسی نے ابوحفص سے پوچھا: فقیر اپنے رب کے پاس کیا لے کر جائے؟ فرمایا: فقیر کو اپنے رب کے پاس فقر کے سوا اور کون سی چیز لے کر جانا چاہیئے؟

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی، کیا تو یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن تمہاری نیکیاں تمام لوگوں کی نیکیوں جتنی ہوں؟ عرض کیا: ہاں چاہتا ہوں۔ حکم ہوا مریض کی عیادت کیا کرو۔ فقراء کے کپڑوں سے جوئیں نکالا کرو۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ہر ماہ میں سات دن مقرر کر دیئے۔ جن میں وہ فقراء کے ہاں چکر لگاتے۔ اُن کے کپڑوں سے جوئیں نکالتے اور مریضوں کی عیادت کرتے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ پانچ باتیں نفس کے جوہر ہیں۔ (۱) محتاج جو اظہار مالداری کرتا ہو (۲) بھوکا جو ظاہر کرتا ہو کہ وہ سیر شکم ہے (۳) غمزدہ جو خوشی کا اظہار کرتا ہو۔ (۴) وہ شخص جس کی کسی سے عداوت ہے۔ مگر اس سے محبت کا اظہار کرتا ہو (۵) وہ شخص جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور نماز میں کھڑے کھڑے رات گذار دیتا ہے۔ مگر کمزوری ظاہر نہیں ہونے دیتا۔

بشر بن حارث فرماتے ہیں:۔ سب سے افضل مقام یہ ہے کہ انسان قبر تک فقر پر صبر کرنے کا عزم بالجزم کر لے۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں: بندے پر اللہ کی ناراضگی کی علامت یہ ہے کہ بندہ فقر سے ڈرتا ہو۔

شبلیؒ فرماتے ہیں۔ فقر الی اللہ کی ادنیٰ علامت یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس ساری دنیا ہو اور پھر وہ اسے ایک دن میں خرچ کر ڈالے۔ اس کے بعد اگر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر وہ ایک دن کی خوراک رکھ لیتا۔ (تو بہتر ہوتا) تو یہ فقر نہیں۔

میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا: لوگوں نے اس بات پر بحث کی کہ فقر و غنی میں کون سا افضل ہے۔ مگر میرے نزدیک افضل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس قدر عطا کرے جس سے اس کی گذر ہو سکے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے اس روزی پر قائم رکھے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ ابوعبداللہ الرازی نے بیان کیا کہ ابومحمد یسین فرماتے تھے کہ میں نے ابن جلا سے فقر کے متعلق سوال کیا تو پہلے تو آپ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ لوگ چلے گئے۔ پھر آپ اپنی جگہ پر جا کر تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے۔ اور فرمایا کہ میرے پاس چار وانگ (وانگ ۱/۶ درہم) تھے۔ اس لئے مجھے اللہ سے شرم آئی کہ میں فقر کی بات کروں۔ آپ نے جا کر کسی کو وہ درہم دیدیئے۔ اس کے بعد بیٹھ گئے اور فقر پر گفتگو فرمائی۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ بن محمد الدمشقی[۱۰۵۹] نے کہا کہ ابراہیم بن المولد[۱۰۶۰] فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابن الجلاء سے پوچھا کہ فقیر کب فقیر کہلانے کا حقدار ہوتا ہے؟ فرمایا جب فقر میں سے کچھ بھی اس پر باقی نہ رہے۔ (یعنی فقر کا وہم و گمان بھی اسے نہ آئے) میں نے عرض کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

فرمایا: جب وہ یہ خیال کرے کہ اسے مقام فقر حاصل ہے تو درحقیقت اسے یہ حاصل نہیں ہے۔ اور جب وہ یہ خیال کرتا ہے کہ فقر اسے حاصل نہیں تو درحقیقت اسے یہ حاصل ہے۔

کہا گیا ہے کہ صحیح فقر یہی ہے کہ فقیر اپنے فقر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے ساتھ مستغنی نہ ہو۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں فقر کے ہوتے ہوئے مالداری کا اظہار کرنا فقر سے بہتر ہے۔

مَیں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا کہ ہلال (۱۰۱) بن احمد نے کہا: النقاش (۱۰۲) فرماتے تھے کہ مَیں نے بنان مصری کو فرماتے سنا: میں مکہ میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک نوجوان میرے سامنے تھا کہ ایک شخص نے درہموں کی ایک تھیلی لا کر اس کے سامنے رکھ دی۔ نوجوان نے کہا۔ مجھے اسکی ضرورت نہیں۔ اس شخص نے کہا: اسے مسکینوں میں بانٹ دو۔ جب رات ہوئی تو مَیں نے اسے وادی میں اپنے لئے کچھ ڈھونڈتے دیکھا۔ مَیں نے کہا جو کچھ تمہارے پاس تھا۔ اگر تو اس میں سے اپنے لئے کچھ رکھ لیتا (تو اچھا تھا) کہنے لگا مجھے معلوم نہ تھا کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا۔

مَیں نے شیخ عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ علی بن بندار الصیرفی نے ان سے بیان کیا کہ محفوظ (۱۰۳) نے کہا۔ کہ ابو حفص فرماتے تھے: بہترین چیز جس سے انسان اپنے مولیٰ تک پہنچ سکتا ہے یہ ہے کہ ہر حالت میں اور ہر وقت بندہ اپنی حاجات اللہ کے پاس لے جائے۔ ہر حالت میں سنت پر کاربند رہے اور حلال ذریعہ سے روزی حاصل کرے۔

اور مَیں نے انہی سے سنا کہ حسین بن احمد فرماتے تھے۔ کہ میں نے مرتعش کو فرماتے سنا کہ فقیر کے لئے مناسب نہیں کہ اس کی ہمت اس کی موجودہ حالت سے آگے نکل جائے۔

مَیں نے انہی سے سنا کہ ابو الفرج الورثانی نے ان سے کہا کہ ابو علی الرودباری کی بہن فاطمہ نے کہا کہ ابو علی الرودباری فرماتے تھے کہ چار آدمی اپنے اپنے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ ان میں ایک نہ تو اپنے بھائی بندوں سے کوئی چیز لیتا اور نہ بادشاہ سے اور وہ یوسف بن اسباط ہیں۔ انھیں اپنے والد کی وراثت سے سترہ ہزار درہم ملے تھے۔ مگر انھوں نے اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا۔ اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتوں کی چٹائی بنا کر روزی کماتے تھے۔ دوسرا شخص اپنے بھائیوں اور سلطان دونوں سے لے لیا کرتا تھا۔ اور وہ ابو اسحٰق (۱۰۴) فزاری ہیں۔ جو کچھ وہ اپنے بھائیوں سے

لیتے۔ اسے وہ ان لوگوں پر خرچ کیا کرتے۔ جن کا لوگوں کو علم نہ ہوتا۔ اور وہ عبادت میں لگے رہنے کی وجہ سے حرکت نہ کر سکتے تھے اور جو کچھ بادشاہ سے لیتے اسے اہل طرسوس کی طرف بھیج دیتے اور تیسرا شخص اپنے بھائیوں سے تو لیتا مگر بادشاہ سے نہ لیتا تھا۔ اور وہ عبداللہ بن مبارک تھے۔ اپنے بھائیوں سے کچھ لے کر اسکے بدلے میں انھیں بھی کچھ دیتے۔ اور چوتھا شخص بادشاہ سے لے لیتا۔ اور بھائیوں سے نہ لیتا تھا۔ اور وہ مخلد بن حسین[۱۱] تھے۔ وہ فرمایا کرتے۔ بادشاہ احسان تو نہیں جتلاتا اور بھائی احسان جتلاتے ہیں۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو حدیث مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِیٍّ لِاَجْلِ غِنَاہُ ذَھَبَ ثُلُثَا دِیْنِہٖ (جس شخص نے کسی مالدار کے سامنے اس کے مال کی وجہ سے تواضع کی۔ اس کا دو تہائی دین جاتا رہا) کے متعلق فرماتے سنا کہ یہ اس لئے ہے کہ انسان نام ہے دل زبان اور اپنے نفس کا۔ لہذا جب وہ اپنی زبان اور نفس سے اس کے سامنے تواضع کرتا ہے تو اس کا دو تہائی دین جاتا رہتا ہے اور اگر دل سے اس کی فضیلت کو مانتا ہے۔ جس طرح زبان اور نفس سے تو پھر اس کا سارا دین چلا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ فقیر کے لئے فقر میں کم از کم چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے (۱) علم جو اس کی تدبیر کرے (۲) پرہیزگاری جو اسے (برے کاموں سے) روکے (۳) یقین جو اسے عمل کرنے پر اکسائے اور (۴) ذکر جس سے اسے انس محسوس ہو۔

کہا جاتا ہے کہ جس نے فقر کا ارادہ فقر کے شرف کی وجہ سے کیا وہ فقیر مرا۔ (اور اسے کچھ حاصل نہ ہوا۔ کیونکہ وہ لوگوں میں فقیر مشہور ہونا چاہتا تھا۔) اور جس نے فقر کو اس لئے اختیار کیا کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ مشغول نہ ہو، وہ غنی مرا۔

مزین[۱۲] فرماتے ہیں: اللہ کی طرف جانے کے طریقے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ تھے مگر طریق فقر کے سوا کوئی اور طریقہ باقی نہ رہا اور یہی صحیح ترین طریقہ ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ حسین بن یوسف قزوینی نے کہا کہ ابراہیم بن مولد نساں سے کہا کہ حسن بن علی فرماتے تھے کہ میں نے نوری کو فرماتے سنا کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ محتاجی کے وقت اسے سکون ہو اور جب اس کے پاس کچھ ہو تو وہ دوسروں کو دے دے۔

میں نے انہی سے سنا کہ منصور بن عبداللہ فرماتے تھے کہ کسی نے شبلیؒ سے فقر کی حقیقت کے متعلق سوال کیا۔ تو فرمایا: اس کی حقیقت یہ ہے کہ فقیر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ استغنا محسوس نہ کرے۔

اور میں نے انہی سے سنا کہہ رہے تھے کہ منصور بن خلف المغربی فرماتے تھے کہ ابوسہل خشاب کبیر نے مجھ سے کہا کہ فقر محتاجی اور ذلت کا نام ہے۔ میں نے کہا نہیں بلکہ محتاجی اور عزت ہے۔ پھر کہا کہ فقر محتاجی اور تواضع ہے۔ میں نے پھر کہا نہیں۔ بلکہ محتاجی اور بلندی ہے

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ کسی نے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَکُوْنَ کُفْرًا (محتاجی قریب ہے کہ کفر بن جائے) کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کسی چیز کی آفت اور اس کی ضد اس چیز کی فضیلت اور قدر کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ جو چیز فی نفسہٖ افضل و بہتر ہے اس کی ضد اور آفت اس قدر ناقص درجہ کی ہوتی ہے۔ مثلاً ایمان اشرف ترین خصلت ہے۔ اس لئے اس کی ضد کفر ہے۔ لہٰذا جب فقر پر کفر کا خطرہ قرار پایا تو معلوم ہوا کہ فقر اشرف ترین خصلت ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ ابو النصر الہروی نے کہا کہ المرتعش فرماتے تھے کہ میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا کہ جب تو کسی فقیر سے ملے تو اس سے عاجزی کے ساتھ مل۔ کیوں کہ وہ اس سے انس محسوس کرے گا۔ اسے علم کے ساتھ نہ مل (یعنی اپنی علمیت جتاتے ہوئے اسے سوالات نہ کر) کیونکہ اس سے اسے وحشت ہوگی۔ میں نے عرض کیا۔ اے ابوالقاسم! کیا کسی فقیر کو علم سے وحشت ہوتی ہے؟ فرمایا:۔ ہاں جب فقیر صحیح معنوں میں فقیر ہو اور تو اپنا علم اس پر پھینکنا چاہے تو وہ اس طرح پگھل جاتا ہے جس طرح سکہ آگ میں پگھل جاتا ہے۔

میں نے انہی سے سنا کہ ابوعبداللہ الرازی نے کہا کہ مظفر القرمیسینی فرماتے تھے کہ فقیر وہ ہے جس کی اللہ کے پاس کوئی حاجت نہ ہو۔

استاد ابوالقاسمؒ فرماتے ہیں کہ اس عبارت میں ان لوگوں کے لئے جو بظاہر ان الفاظ کو سنیں اور صوفیاء کے معانی سے خبر نہ رکھتے ہوں۔ تھوڑا سا اشکال ہو سکتا ہے البتہ اس عبارت میں قائل کا اشارہ اس بات کی طرف موجود ہے کہ فقیر اس حالت کو پہنچ جاتا ہے کہ ہر قسم

کا مطالبہ اور سوال ساقط ہو جاتا ہے اور فقیر کے اپنے اختیار کی کلیتہً نفی ہو کر وہ ان امور پر راضی ہوتا ہے۔ جن کو حق سبحانہ اس پر جاری کرتا ہے۔

ابن خفیف فرماتے ہیں: اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک نہ قرار دینا اور کسی صفت کو اپنی طرف منسوب نہ کرنا فقر ہے۔

ابو حفص فرماتے ہیں۔ کسی شخص کا فقر اس وقت تک حقیقی فقر نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نزدیک دینا لینے سے زیادہ محبوب نہ ہو اور سخاوت یہ نہیں ہے کہ مالدار مفلس کو دے بلکہ سخاوت یہ ہے کہ مفلس مالدار کو دے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبد الواحد بن بکر نے ان سے کہا کہ الدقی فرماتے تھے کہ میں نے ابن الجلاءؒ کو فرماتے سنا کہ اگر تواضع شرف والی چیز نہ ہوتی تو فقیر کو یہ حکم دیا جاتا کہ چلتے ہوئے اکڑ کر چلو۔

یوسف بن اسباط فرماتے ہیں چالیس سال ہو گئے ہیں اور آج تک میرے پاس ایک سے زائد قمیص نہیں رہی۔

ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ قیامت بپا ہے کسی نے کہا کہ مالک بن دینار اور محمد بن واسع (۱۰۷۸) کو جنت میں داخل کرو۔ اب میں دیکھنے لگا کہ ان میں کون سا شخص پہلے داخل ہوتا ہے۔ دیکھا کہ محمد بن واسع پہلے داخل ہوئے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو جواب ملا کہ اس کے پاس صرف ایک قمیص تھی اور مالک بن دینار کے پاس دو قمیضیں تھیں۔

محمد مسوحیؒ فرماتے ہیں: فقیر وہ ہے جسے اپنی ذات کے لئے کسی سبب کی ضرورت نہ ہو کسی نے سہل بن عبد اللہ سے پوچھا کہ فقیر کب راحت پاتا ہے؟ فرمایا: جب وہ اپنے موجودہ حال کے سوا کسی اور چیز کو نہ دیکھے۔

یحییٰ بن معاذؒ کی موجودگی میں فقر اور غنیٰ کا ذکر چھڑا تو فرمایا: قیامت کے دن نہ فقر کا وزن ہو گا نہ غنیٰ کا، صرف صبر و شکر کا وزن ہو گا اور کہا جائے گا کہ اس شخص نے شکر اور صبر کیا۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اگر تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ میں تم سے کہاں تک راضی ہوں۔ تو تمہیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ تم سے فقرا، کہاں تک راضی ہیں۔

زقاقؒ فرماتے ہیں۔ جو فقر میں صاحب تقویٰ نہیں وہ حرام خور ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ سفیان ثوری کی مجلس میں فقراء (استغنا باللہ کے سبب) یوں معلوم ہوتے تھے جیسے امراء ہوں۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ محمد بن احمد الفراء فرماتے تھے کہ میں نے ابوبکر طاہر کو فرماتے سنا، فقیر کے لئے یہ حکم ہے کہ اسے کسی چیز کی رغبت نہ ہو اور اگر مجبوری ہی رغبت کرنی پڑ جائے تو کفایت سے زیادہ اسے کسی چیز کی رغبت نہیں ہونی چاہیئے۔

شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی نے کہا کہ عبداللہ بن ابراہیم بن العلاء فرماتے تھے کہ احمد بن عطار نے کسی صوفی کے یہ اشعار پڑھے:۔

قالوا اغدٍ العید ماذا انت لابسه — فقلت خلعة ساقٍ حبه جرعا
فقرٌ و صبرٌ هما ثوبای تحتهما — قلبٌ یری الفه الاعیاد والجمعا
احری الملابس ان تلقی الحبیب به — یوم التزاور فی الثوب الذی خلعا
الدهر لی مأتم ان غبت یا املی — والعید ما کنت لی مرأیً و مستمعا

لوگ کہتے ہیں کہ کل عید ہے لہٰذا تو کیا پہنے گا۔ میں نے کہا اس محبوب کی خلعت پہنوں گا۔ جو اپنی محبت کے گھونٹ پلاتا ہے۔

فقر اور صبر میرے وہ کپڑے ہیں۔ جن کے نیچے ایک ایسا دل ہے جو اپنے محبوب کو اپنے لیئے عیدین اور جمعے سمجھتا ہے۔ زیارت کے دن مناسب ترین لباس جسے تو پہن کر محبوب سے ملے وہ لباس ہے کو محبوب نے تمہیں عطا کیا ہے۔

اے میری آرزو! اگر تو غائب ہو جائے تو زمانہ میرے لئے ماتم کدہ ہے اور جب تک تو مجھے دکھائی دیتا ہے تو میرے لئے عید ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ اشعار ابوعلی رودباری کے ہیں۔

کسی نے ابوبکر مصری[۱۰۶۹] سے سچے فقیر کے متعلق پوچھا۔ فرمایا:۔ فقیر وہ ہے جو نہ کسی چیز کا مالک ہو اور نہ مالک ہونے کی خواہش کرتا ہو۔

ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ تخلیط (کچھ نیک اعمال اور کچھ برے) کے ہوتے ہوئے

ہمیشہ اللہ کی طرف حاجت لے جانا مجھے زیادہ پسند ہے۔ بجائے اس کے کہ میں ہمیشہ پاکباز ہوں اور متکبر بنوں۔

مَیں نے ابوعبداللہ الشیرازی سے سُنا کہ عبدالواحد بن[1] احمد نے کہا کہ ابوبکر الجوال فرماتے تھے کہ مَیں نے ابوعبداللہ[1] الحصری کو فرماتے سنا کہ ابوجعفر[2] حداد نے بیس سال اسی طرح گذار دیئے کہ ہر روز ایک دینار کماتے اور فقراء پر خرچ کر دیتے، اور روزے رکھتے اور شام اور عشاء کی نماز کے درمیان نکلتے اور لوگ اپنے دروازوں سے اُن کو کچھ خیرات دیتے۔

مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ ابوعلی الحسین بن یوسف القزوینی نے کہا کہ ابراہیم بن المولد نے بیان کیا کہ الحسن بن علی فرماتے تھے کہ میں نے نوری کو فرماتے سنا کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اسے سکون ہو اور جب ہو تو وہ خرچ کر ڈالے اور اوروں کو اپنے اُوپر ترجیح دے۔

مَیں نے انہی سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے اُن سے کہا کہ محمد بن علی الکتانی فرماتے تھے۔ کہ مکہ میں ہمارے پاس ایک شخص تھا۔ جس نے چیتھڑے پہن رکھے تھے۔ اور وہ ہم سے میل جول بھی نہ رکھتا تھا۔ میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی۔ مجھے اللہ تعالےٰ نے حلال طریقے سے دو سو درہم دیئے۔ جنھیں مَیں لے کر اس کے پاس گیا۔ اور اس کی جائے نماز کے کنارے پر رکھ دیئے اور کہا کہ یہ حلال ذریعہ سے مجھے حاصل ہوئے ہیں۔ آپ انھیں اپنے کام میں لائیں۔ اس نے ترچھی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ پھر جو بات وہ مجھ سے چھپا رہا تھا اس کو ظاہر کیا اور کہا۔ مَیں نے اللہ کے ساتھ مجلس کو قناعت کے ساتھ ستر ہزار دینار سے خریدا ہے۔ علاوہ جاگیر اور غلّے کے تو اُن چند درہموں کے ساتھ مجھے دھوکا دینا چاہتا ہے؟ اور اس نے اُٹھ کر ان کو بکھیر دیا۔ اور مَیں اُٹھ کر چننے لگا اور جب وہ جا رہا تھا۔ تو میں نے ایسی عزت نہیں دیکھی اور نہ اپنے جیسی ذلت دیکھی۔ جب مَیں انھیں چن رہا تھا۔

ابوعبداللہ بن خفیف فرماتے تھے۔ چالیس سال تک مجھ پر صدقہ فطر واجب نہیں ہوا۔ حالانکہ خاص و عام میں میری بہت مقبولیت تھی۔

مَیں نے شیخ ابوعبداللہ بن باکویۃ الصوفی سے سنا کہ میں نے ابوعبداللہ خفیف کو ایسا کہتے سنا

میں نے انہی سے سنا کہ ابو احمد الصیغر فرماتے تھے کہ میں نے ابو عبداللہ بن خفیف سے سوال کیا کہ ایک فقیر تین دن کا بھوکا ہے۔ وہ نکل کر جاتا ہے اور لوگوں سے اس قدر خوراک مانگ لیتا ہے۔ جو سے کفایت کرے۔ اس فقیر کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ فرمایا۔ یہی کہا جائے گا کہ وہ گداگر ہے۔ کھاؤ اور چپ رہو۔ اگر اس دروازہ سے کوئی فقیر آجائے تو تم سب کو رسوا کر ڈالے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبداللہ بن علی الصوفی فرماتے تھے کہ کسی نے رقی سے سوال کیا اور میں سن رہا تھا کہ فقرا جب اپنے احوال میں ہوتے ہیں تو بارگاہ رب العزت میں گستاخی کر جاتے ہیں، یہ کیسا ہے؟ فرمایا: ایسا کرنا اُن کیلئے حقیقت سے علم کیطرف تنزل ہے۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ محمد بن عبداللہ الطبری فرماتے تھے کہ میں نے خیر النساج کو فرماتے سنا کہ میں ایک مسجد میں گیا۔ وہاں ایک فقیر تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو مجھ سے چمٹ گیا۔ اور کہا اے شیخ! میں سخت مصیبت میں ہوں۔ کیا تو مجھ پر مہربانی کرے گا؟ میں نے پوچھا وہ مصیبت کیا ہے؟ کہا کہ میری (فقر کے ساتھ) آزمائش نہیں ہوتی اور میں عافیت (دنیا) کے ساتھ قوت پکڑ چکا ہوں۔ میں نے جو دیکھا تو اُسے دنیا میں سے کچھ حصہ ملا تھا۔

میں انہی سے سنا کہ محمد بن محمد بن احمد فرماتے تھے کہ میں نے ابوبکر وراق کو فرماتے سنا کہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں فقیر کے لئے خوشخبری ہے۔ لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، فرمایا: اس لئے کہ دنیا میں بادشاہ اس سے خراج نہیں لیتا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس سے حساب نہیں مانگے گا۔

۳۹۔ تصوّف (۱۰۷۴)

استاد فرماتے ہیں کہ ہر زبان میں صفائی قابل تعریف ہے اور گدلاپن جو اس کی ضد ہے قابل مذمت ہے۔

ہم سے عبداللہ بن یوسف الاصبہانی نے کہا کہ اُن سے عبداللہ بن یحیٰی الطلحی نے، ان سے الحسین (۱۰۷۵) بن جعفر نے، ان سے عبداللہ بن نوفل نے، اُن سے ابوبکر بن عیاش (۱۰۷۶) نے، ان سے ابن ابی زیاد سے روایت کی کہ ابو جحیفہ (۱۰۷۸) فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک

باز نکل کر آئے۔ تو آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ فرمایا دنیا کی صفائی جاتی رہی۔ (ذَهَبَ صَفْوُ الدُّنْيَا) اور کدورت باقی رہ گئی، لہٰذا اب ہر مسلمان کے لئے موت ایک تحفہ ہے۔

استادؒ فرماتے ہیں کہ یہ نام صوفیاء کے گروہ پر غالب آگیا۔ چنانچہ ایک آدمی کے لئے کہا جاتا ہے۔ رَجلُ صُوفِیّ اور جماعت کے لئے صُوفِیَة۔ اور اس شخص کو جو اپنے آپ کو اس جماعت کے ساتھ ملانا چاہتا ہے۔ اسے متصوف کہا جاتا ہے (صوفی نہیں کہا جاتا) اور جماعت کے لئے متصوفہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

لفظ تصوّف کا ماخذ عربی زبان کی رُو سے اس نام کی اصل کی شہادت نہ قیاس سے ملتی ہے، نہ اشتقاق سے، واضح امر تو یہی ہے کہ یہ نام لقب کی طرح ہے۔ اب رہے وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ "صوف" سے اور "تصوف" سے نکلا ہے۔ کیونکہ عربی میں جب کوئی صوف کا لباس پہنے تو اس کے لئے تصوف کا لفظ بولتے ہیں جس طرح قمیض پہننے کے لئے تقمص کا لفظ بولا جاتا ہے۔ تو یہ اس کے اشتقاق کی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ مگر ان لوگوں کا مخصوص لباس صوف نہ تھا۔ (البتہ اکثر یہی پہنا کرتے تھے)

دُوسرا قول جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ صوفی کا لفظ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفّہ کی طرف منسوب ہے (تو یہ درست نہیں) کیونکہ صفہ کا اسم نسبت (صُفّی آتا ہے) صوفی نہیں آتا۔

تیسرا قول ان لوگوں کا قول جو اسے صفاء سے مشتق بتاتے ہیں۔ یہ لغت کے لحاظ سے بعید از قیاس ہے۔

چوتھا قول جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ صف سے مشتق ہے۔ بایں معنی کہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے باعث یہ لوگ اپنے دلوں کی وجہ سے صفِ اول میں ہیں تو یہ معنی تو درست ہیں مگر لغوی طور پر صف کا اسم نسبت (صفی آتا ہے) صوفی نہیں آتا۔ مزید برآں یہ لوگ (اس نام سے) اس قدر مشہور ہو چکے ہیں کہ اُن کے تعین کرنے میں نہ قیاس کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ اشتقاق کی۔

تصوف کے معنی لوگوں نے تصوّف کے معنی سے بحث کی ہے کہ اس کا کیا مفہوم ہے۔

اور اس پر بھی کہ صوفی کون ہے؟ ہر ایک نے اس کی تشریح اپنے خیال اور ذوق کے مطابق کی ہے اور چونکہ ہمارا مقصد اختصار سے کام لینا ہے اس لئے اگر ان تمام اقوال کا ذکر کریں جو اس سلسلہ میں کہے گئے ہیں۔ تو ہم اصل مقصد سے دور ہو جائیں گے۔ البتہ ہم چند اقوال کا ذکر اشارہ کے طور پر انشاء اللہ کریں گے۔

ابو محمد جریری کا قول | میں نے محمد بن احمد بن یحییٰ الصوفی سے سنا کہ عبداللہ بن علی التمیمی فرماتے تھے کہ کسی نے ابو محمد جریری سے تصوف کے متعلق سوال کیا، تو فرمایا: یہ ہر اعلیٰ خلق میں داخل ہونے اور ہر ذلیل خلق سے نکلنے کا نام ہے۔

جنیدؒ کا قول | میں نے عبدالرحمٰن بن یوسف الاصبہانی سے سنا۔ انھوں نے کہا کہ میرے والد نے ابوعبداللہ محمد بن عمار الہمدانی سے سنا کہ ابو محمد المرعشی نے کہا کہ میرے شیخ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ کسی نے جنیدؒ سے تصوف کے متعلق سوال کیا۔ تو میں نے انھیں یوں فرماتے سنا کہ تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے۔

حسین بن منصورؒ کا قول | میں نے ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ عبدالواحد[(۱۰۹)] بن محمد الفارسی نے کہا کہ انھوں نے ابوالفاتک سے سنا کہ الحسین بن منصور سے کسی صوفی کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا۔ صوفی کی ذات یکتا ہوتی ہے۔ نہ کوئی (اللہ کے سوا) اسے قبول کرتا ہے اور نہ یہ اللہ کے سوا کسی کو قبول کرتا ہے۔

ابو حمزہ بغدادی کا قول | اور ہم نے انہی سے سنا کہتے تھے کہ میں نے عبداللہ بن محمدؒ سے سنا کہ جعفر بن محمد نصیر نے اُن سے کہا کہ ابوعلی[(۱۰۸)] الوراق فرماتے تھے کہ میں نے ابو حمزہ بغدادی کو فرماتے سنا کہ سچے صوفی کی علامت یہ ہے کہ باوجود مالدار ہونے کے وہ فقیر بن جائے اور باوجود ذی عزت ہونے کے حقیر بنے۔ اور باوجود شہرت کے اپنے آپ کو چھپائے اور جھوٹے صوفی کی علامت یہ ہے کہ وہ محتاجی کے بعد مالدار بنے۔ حقیر ہونے کے بعد عزت والا بنے اور گمنام ہونے کے بعد شہرت والا ہو۔

عمر بن عثمان مکی کا قول | عمر بن عثمان مکی سے تصوف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: تصوف

یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اس حالت میں رہے جو اس کے لئے وقت کے مطابق بہتر ہو۔

محمد بن علی قصاب کا قول محمد بن علی[(۸۱)] قصاب فرماتے ہیں: تصوّف وہ کریمانہ اخلاق ہیں جو کریم زمانہ میں کریم آدمی سے کریم لوگوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

سمنون کا قول سمنون سے کسی نے تصوّف کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ تصوف یہ ہے کہ تو کسی چیز کا مالک نہ بنے اور نہ کوئی چیز تمہاری مالک بنے۔

رویم کا قول رویم سے تصوّف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا۔ نفس کو اللہ کے ساتھ چھوڑ دینا کہ جیسا چاہے کرے۔

جنیدؒ کا ایک اور قول جنیدؒ سے پوچھا گیا تصوّف کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے تجھے کسی (اور) چیز کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔

رویم بن احمد لبغدادی کا قول میں نے عبداللہ بن یوسف الاصبہانی سے سنا کہ ابونصر السراج الطوسی نے بیان کیا کہ محمد بن الفضل نے کہا کہ علی بن عبدالرحیم[(۸۲)] الواسطی فرماتے تھے کہ میں نے رویم بن احمد لبغدادی کو فرماتے سنا۔ کہ تصوّف کی بنا تین چیزوں پر ہے جو یہ ہیں:۔ (۱) فقر و افتقار کو مضبوط پکڑنا (۲) بذل و ایثار کے ساتھ متصف ہونا اور (۳) کسی چیز سے تعرّض کرنے یا کسی چیز کے اختیار کرنے کو ترک کر دینا۔

معروف کرخی کا قول معروف کرخی فرماتے ہیں کہ تصوّف حقائق پر عمل کرنے اور لوگوں کی چیزوں سے ناامیدی کا نام ہے۔

حمدون قصار کا قول حمدون قصار فرماتے ہیں صوفیاء کی صحبت میں رہو۔ کیونکہ اُن کے نزدیک برائی[(۸۳)] باتوں کا عذر پیش کرنے کیلئے کئی طریقے ہیں اور اُن کے ہاں نیکی کی کوئی بڑی قدر و منزلت نہیں کہ اس کی وجہ سے وہ تمہاری تعظیم کریں۔

خراز سے اہلِ تصوّف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے اپنے انعام سے سرفراز کیا۔ اور وسیع پیمانہ پر انعامات دیئے۔ اور دجب امکیم ھنہ اللہ

کی طرف توجہ کرنے سے) روکا گیا۔ (تو اس قدر رکے) کہ خود سے بھی گم ہو گئے۔ پھر (جب ان کی حق تعالٰی سے مشغولیت کمال کو پہنچ گئی) تو انھیں اُن کے باطن نے پکار کر کہا۔ کہ لوگوں سے کہو کہ اب تم ہم پر رو لو۔ (کیونکہ اب بھی ہم اپنے مقصود کو نہیں پہنچے۔)

جنیدؒ فرماتے ہیں: تصوّف جبر و قہر ہے۔ اس میں کوئی صلح نہیں ہوئی۔

نیز فرماتے ہیں کہ اہل تصوف ایسے گھرانے کے لوگ ہوتے ہیں جن میں غیر داخل نہیں ہو سکتا۔

نیز فرماتے ہیں تصوف حضورِ قلب سے ذکر کرنے اور سُن کر وجد میں آنے اور اتباع سنت کرتے ہوئے عمل کرنے کا نام ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ صوفی کی مثال زمین کی سی ہے کہ ہر بُری چیز اس پر پھینکی جاتی ہے۔ مگر اس میں سے ہر قسم کی خوبصورت چیز نکلتی ہے۔

نیز فرمایا کہ صوفی کی مثال زمین کی سی ہے جسے نیک اور بدکار دونوں روندتے ہیں۔ بادل کی سی ہے جو ہر چیز کو سیراب کرتی ہے۔

نیز فرمایا۔ جب تم کسی صوفی کو دیکھو کہ وہ اپنے ظاہر کو درست کرنے میں بڑا اہتمام کرتا ہے۔ تو سمجھ لو کہ اس کا باطن خراب ہے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں: صوفی وہ ہے جو اپنے خون کو رائیگاں سمجھے اور اپنی ملکیّت کی چیزوں کو لوگوں کے لئے مباح سمجھے۔

نُوری کا قول نوری فرماتے ہیں کہ صوفی کی تعریف یہ ہے کہ اسے محتاجی کے وقت سکون ہو۔ اور اگر کچھ پاس ہو تو ایثار کر دے۔

کتانی کا قول کتانی فرماتے ہیں کہ تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے جس کے اخلاق تم سے بہتر ہوں گے وہ صوفی ہونے میں بھی تم سے بہتر ہو گا۔

ابوعلی رودباری کا قول ابوعلی رودباری فرماتے ہیں کہ محبوب کے در پر ڈیرہ ڈال دینے کا نام تصوف ہے۔ خواہ وہ دھکے ہی کیوں نہ دے۔

نیز فرمایا کہ بعد کی کدورت کے بعد قرب (خداوندی) کی صفائی کا نام تصوف ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بدترین شخص بخیل صوفی ہے۔

نیز کہا جاتا ہے کہ خالی ہاتھ دل کی خوشی کا نام تصوّف ہے۔

شبلیؒ فرماتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ غم کے بغیر بیٹھنا تصوّف کہلاتا ہے۔

ابو منصورؒ فرماتے ہیں کہ صوفی اللہ کی طرف سے اشارہ کرنے والا ہوتا ہے اور مخلوق تو ساری اللہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

شبلیؒ فرماتے ہیں صوفی مخلوق سے کٹ کر حق تعالٰے کے ساتھ متصل ہو گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ واصطنعتك لنفسى (میں نے تمہیں خاص اپنے لئے منتخب کر لیا ہے) (یہ الفاظ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو) ہر غیر سے منقطع کر دیا۔ مگر پھر (جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی درخواست کی تو) فرمایا لن ترانی تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ (تاکہ اس کا اشتیاق بڑھے)

نیز فرماتے ہیں کہ صوفیاء حق تعالٰے کی گود میں بچوں کی طرح ہیں (کیونکہ حق تعالٰے اُن کی تربیت بچوں کی طرح کرتا ہے۔)

نیز فرمایا: تصوف جلا دینے والی بجلی ہے۔

نیز فرمایا: کائنات کو دیکھنے سے محفوظ رہنے کا نام تصوّف ہے۔

رویمؒ فرماتے ہیں: جب تک صوفیاء (ایک دوسرے کو اس کے عیوب پر تنبیہ کر کے) آپس میں نفرت پیدا کرتے رہیں گے۔ تو ٹھیک رہیں گے۔ مگر جونہی انھوں نے آپس میں صلح کر لی (اور تنبیہہ چھوڑ دی) تو ان میں کوئی بھلائی نہیں رہے گی۔

جریریؒ فرماتے ہیں۔ اپنے احوال کی نگہداشت اور پاس ادب رکھنے کا نام تصوّف ہے۔

مزینؒ فرماتے ہیں، حق تعالٰے کی اطاعت کرنے کا نام تصوّف ہے۔

ابو تراب نخشبی فرماتے ہیں، صوفی کے دل کو کوئی چیز میلا نہیں کر سکتی۔ مگر اس سے ہر چیز کو صفائی حاصل ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ صوفی کو طلب (حق) نہیں تھکاتی۔ اور نہ ہی سبب اسے بے چین کر سکتا ہے۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج فرماتے تھے کہ کسی نے ابو نصر السراج سے تصوف کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالٰے کو ہر چیز پر ترجیح

دی ہے ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے ۔

واسطی فرماتے ہیں کہ صوفیاء کے اشارے ہوا کرتے تھے ۔ پھر حرکات بنے مگر اب تو یہ حسرت بن کر رہ گئے ہیں ۔

نوریؒ سے کسی نے صوفی کے متعلق پوچھا تو فرمایا صوفی وہ ہے جس نے سماع سنا اور ان ذرائع کو پسند کیا ۔ (جو اللہ تک لے جائیں)

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج فرماتے تھے کہ میں نے حصری سے کہا کہ آپ کے نزدیک صوفی کون ہے ؟ فرمایا جسے نہ زمین اٹھائے ہو اور نہ اس پر آسمان سایہ کئے ہو ۔ (یعنی اس قدر محویت کا عالم ہو)

استاد ابو القاسم فرماتے ہیں : حصری کا اشارہ محویت کی حالت کی طرف ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ جب صوفی کے سامنے دو حالتیں یا دو خلق آئیں اور دونوں اچھے ہوں تو وہ بہتر کو اختیار کرتا ہے ۔

شبلیؒ سے پوچھا گیا کہ صوفیاء کا نام صوفیاء کیوں پڑا ؟ فرمایا : اس لئے کہ اُن میں اُن کے نفسوں کا حصہ باقی رہ گیا تھا اور اگر ایسا نہ ہوتا ۔ تو یہ نام ان کے ساتھ نہ چمٹتا ۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا انھوں نے کہا ابو نصر السراج فرماتے تھے کہ ابن جلاء سے پوچھا گیا کہ صوفی کا کیا مطلب ہے ؟ فرمایا کسی علم میں اس کے معنے نہیں پائے جاتے ۔ مگر اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے ۔ صوفی ایسا فقیر ہوتا ہے جو کسی قسم کے اسباب پر اعتماد نہ کرتا ہو ۔ مکانیت کی قید کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے ۔ حق سبحانہ، وتعالےٰ اسے ہر مکان و ہر حالت کے علم سے غافل نہیں رہنے دیتا ۔ اس لئے اُسے صوفی کہا جاتا ہے ۔

کسی کا قول ہے کہ تصوّف جاہ و جلال کے ساقط کرنے اور دنیا و آخرت میں رسوائی پانے کا نام ہے ۔ (یعنی انھیں اللہ کے سوا کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ۔ لہٰذا دنیا و آخرت کی کسی چیز میں کامیابی نہیں چاہتے ۔)

ابو یعقوب مزایلی فرماتے ہیں : تصوّف ایسی حالت کا نام ہے جس میں انسانی علامتیں فنا ہو جاتی ہیں ۔

ابوالحسن سیروانی فرماتے ہیں: صوفی واردات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اوراد کے ساتھ نہیں۔

مَیں نے اُستاد ابُوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ اس سلسلہ میں بہترین قول یہ ہے کہ یہ ایک ایسا طریقہ ہے جو صرف اُن لوگوں کے لئے موزوں ہے۔ جن کی ارواح کے ذریعہ سے اللہ نے گندگیوں کو صاف کردیا۔

ایک روز انھوں نے فرمایا کہ اگر فقیر کے پاس سوائے روح کے کچھ بھی نہ ہو اور وہ اپنی روح کو اس سلسلہ کے کتوں یعنی مخالفین کے سامنے پیش کرے۔ تو بھی کوئی کتا اسے قبول کرنا تو درکنار) دیکھے گا بھی نہیں (کیونکہ اللہ تعالےٰ اُن کا حال مخالفین سے چھپائے رکھتا ہے۔ اور مخالفین کے نزدیک ان کی رُوح نہایت حقیر ہوتی ہے)

استاد ابوسہل صعلوکی فرماتے ہیں: تصوّف (اللہ کی قضا پر) اعتراض نہ کرنے کا نام ہے۔

حصری فرماتے ہیں: صوفی معدوم ہونے کے بعد وجود میں نہیں آتا۔ اور وجود میں آنے کے بعد معدوم نہیں ہوتا۔

استاد ابوالقاسمؒ قشیری فرماتے ہیں: حصری کے مذکورہ بالا قول میں اشکال پایا جاتا ہے ان کا یہ کہنا کہ معدوم ہونے کے بعد وجود میں نہیں آتا" اس کے معنی یہ ہیں کہ جب اس کی آفات فنا ہو جاتی ہیں۔ تو پھر واپس نہیں لوٹتیں اور اُن کا یہ کہنا کہ وجود میں آنے کے بعد معلوم نہیں ہوتا" اس کا یہ مطلب ہے کہ جب وہ حق تعالےٰ کے ساتھ مشغول ہوتا ہے تو مخلوق کے ساقط ہونے سے ساقط نہیں ہوتا۔ لہٰذا حادثات اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتے۔

کہا جاتا ہے کہ صوفی وہ ہے جو ان احوال کی وجہ سے جو حق تعالےٰ کی طرف سے اس پر ظاہر ہوں۔ اپنی ذات سے مستغنی اور بے خبر ہوتا ہے۔

نیز کہا جاتا ہے کہ صوفی اللہ تعالیٰ کی تدبیر و تصرف کے سامنے مقہور ہوتا ہے اور عبودیت کے تصرفات کی وجہ سے مستور ہوتا ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ صوفی میں تغیر نہیں آتا اور اگر آبھی جائے تو اسمیں میل نہیں ہوتا (پھر دل بھی صاف رہتا ہے)

مَیں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سے سنا کہ حسین بن احمدؒ الرازی نے کہا کہ ابوبکر المصری فرماتے ہیں کہ میں نے خرازؒ کو فرماتے سنا کہ میں جمعہ کے دن قیروان کی جامع مسجد میں تھا، ایک شخص کو دیکھا کہ صفوں میں

چکر لگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مجھے کچھ خیرات کے طور پر دو۔ میں ایک صوفی تھا۔ اب کمزور ہو چکا ہوں (یعنی اپنی اصلی حالت کو کھو چکا ہوں) میں نے اسے کچھ دینا چاہا تو اس نے کہا: جاؤ! میں اس قسم کی خیرات نہیں مانگتا (بلکہ اللہ کی راہ میں ایسی خیرات مانگتا ہوں جو مجھے پھر اپنی حالت پہ لے جائے) اور اس نے وہ خیرات قبول نہیں کی۔

۴۰۔ ادب (۱۰۸۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغیٰ (آپ کی نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ کسی اور طرف کو ہٹی۔)

کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد بارگاہِ رب العزۃ کے آداب کا لحاظ رکھنا ہے۔

نیز فرمایا: قوا انفسکم واھلیکم نارا۔ (اپنے آپ کو اور گھر والوں کو آگ سے بچاؤ)

ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے۔ کہ انھیں عقل مند اور سمجھ دار بناؤ اور انھیں ادب سکھاؤ۔

ہم سے علی بن احمدؒ الاہوازی نے کہا کہ ان سے ابوالحسن صفار البصری نے کہا کہ غنامؒ(۱۰۸۵) نے ان سے بیان کیا کہ عبدالصمد بن النعمانؒ(۱۰۸۶) نے ان سے کہا کہ عبدالملک بن الحسینؒ(۱۰۸۷) نے عبدالملکؒ(۱۰۸۸) بن عمیر سے اور انھوں نے مصعب بن شیبہؒ(۱۰۸۹) سے روایت کی۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

بچے کا اپنے باپ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے۔ اچھی دایہ مقرر کرے اور اس کا ادب بہتر بنائے۔

حکایت کی جاتی ہے کہ سعید بن المسیب نے فرمایا جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ اُس پر اللہ تعالیٰ کے کیا حقوق ہیں اور اللہ کے اوامر ونواہی پر کاربند نہ رہا تو وہ شخص ادب سے بے بہرہ ہے۔

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا ہے۔

ادب کیا ہے؟ ادب درحقیقت نیک خصلتوں کے اجتماع کا نام ہے اور ادیب وہ شخص

ہے جس میں نیک خصلتیں جمع ہوں۔ اسی سے لفظ "مادبۃ" نکلا ہے۔ جس کے معنی کھانے کے لیئے جمع ہونے کے ہیں۔ (یعنی دعوت)

میں نے اُستاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ بندہ اللہ کی عبادت کرنے سے جنت تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اللہ کی اطاعت میں ادب بجالانے سے اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔

انہی کو میں نے فرماتے سنا کہ میں نے ایسے شخص کو دیکھا جس نے نماز میں اپنا ہاتھ ناک تک لے جانا چاہا۔ مگر اس شخص نے اپنا ہاتھ پکڑ لیا (اور اسے ناک تک نہ جانے دیا)

استادؒ فرماتے ہیں کہ ابوعلی دقاقؒ کا اشارہ اپنی طرف ہے۔ اس لئے کہ یہ ممکن نہیں کہ انسان اور کے متعلق یہ معلوم کرلے کہ اس نے نماز میں اپنا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔

استاد ابوعلیؒ کسی چیز کے ساتھ سہارا نہ لگایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ مجمع کے اندر تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے سہارے کے لئے کوئی چیز نہیں۔ میں نے آپ کی پیٹھ کے پیچھے تکیہ رکھنا چاہا۔ مگر آپ تکیہ سے تھوڑا سا ہٹ گئے۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ اس لئے ہٹ گئے ہیں کہ تکیہ کے اوپر کوئی کپڑا یا جائے نماز نہیں ہے۔ تو آپ نے خود ہی فرمایا کہ میں تکیہ لگانا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد جب میں نے حالت پر غور کیا تو دیکھا کہ آپ کسی چیز کا سہارا نہیں لیتے۔

میں نے ابوحاتم السجستانی سے سنا کہ ابونصر السراج نے کہا کہ احمد بن محمد البصریؒ (۱۰۹۱) نے بیان کیا کہ الجلاجلی البصریؒ (۱۰۹۲) فرماتے تھے کہ توحید ایسا موجب ہے جس سے ایمان (بالرسالۃ) واجب ہوجاتا ہے۔ لہٰذا جس کا ایمان نہیں، اس کی توحید بھی نہیں۔ اور ایمان ایسا موجب ہے جو شریعت کو واجب قرار دیتا ہے۔ لہٰذا جس کی شریعت نہیں اس کا نہ ایمان ہے نہ توحید اور شریعت ایسا موجب ہے جس سے ادب واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا جس کے پاس ادب نہیں۔ اس کی نہ شریعت ہے نہ ایمان اور نہ توحید۔

ابن عطاءؒ کہتے ہیں: ادب یہ ہے کہ تو اچھے کاموں پر لگا رہے۔ کسی نے پُوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: یہ کہ تو اللہ کے ساتھ ظاہر و باطن میں ادب سے پیش آئے۔ جب تو ایسا ہوگا تو خواہ تو عجمی کیوں نہ ہو۔ ادیب کہلائے گا۔ پھر یہ شعر پڑھا:۔ ؎

اذا نطقت جاءت بکل ملاحۃ　　　وان سکتت جاءت بکل ملیح

(جب بولتی ہے تو ہر طرح کی نمکین باتیں کرتی ہے اور جب چپ رہتی ہے تو بھی ہر طرح کی ملاحت ظاہر ہوتی ہے۔

ہم سے محمد بن الحسین نے کہا کہ عبداللہ الرازی نے کہا کہ عبداللہ الجریری فرماتے تھے کہ خلوت میں بیٹھتے وقت میں نے بیس سال اپنے پاؤں نہیں پھیلائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اچھے آداب کا لحاظ رکھنا بہتر ہے۔

مَیں نے اُستاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا: جو شخص ادب کا لحاظ رکھے بغیر بادشاہ کی صحبت میں بیٹھے گا تو اس کی جہالت اسے قتل کروا دے گی۔

کسی نے ابن سیرین سے پوچھا کہ کون سے آداب بندے کو اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب کر دیتے ہیں۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت کو جاننا۔ اس کی اطاعت گذاری کرنا۔ خوشی پر اس کا شکریہ ادا کرنا، اور مصیبت پر صبر کرنا۔

یحیٰی بن معاذؒ فرماتے ہیں:۔ جب عارف باللہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ ادب کا لحاظ نہ رکھے تو سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا:۔ ادب کے ترک کر دینے سے انسان دھتکارا جاتا ہے۔ لہٰذا جس نے بساطِ ادب پر سوء ادبی کی اسے دروازے کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے۔ اور جس نے دروازے پر بے ادبی کی اسے دھکیل کر جانوروں کی دیکھ بھال پر مقرر کر دیا جاتا ہے۔

کسی نے حسن بصریؒ سے کہا کہ لوگ علم و ادب حاصل کرنے کی طرف کثرت سے راغب ہو رہے ہیں۔ ان میں سے دنیا میں کون سا علم زیادہ نفع رساں ہے اور آخرت میں کون سا علم اللہ تک زیادہ پہنچا دینے والا ہے؟ فرمایا: تفقہ فی الدین۔ دنیا سے کنارہ کشی اور یہ جاننا کہ اللہ کا تم پر کیا حق ہے۔

یحیٰی بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ جس نے آدابِ خداوندی کا لحاظ رکھا وہ ان لوگوں میں سے ہو گیا جن سے اللہ کو محبت ہے۔

سہل فرماتے ہیں: صوفیاء نے اللہ تعالےٰ کے احکام پر کاربند رہنے کے لئے اللہ ہی سے

مرد طلب کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے آدابِ خداوندی پر ثابت قدم رہے ہیں۔

ابنِ مبارکؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہمیں زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلہ میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ محمد بن احمد بن سعید نے کہا کہ عباس بن حمزہ نے ان سے بیان کیا کہ احمد بن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ ولید بن[۹۲] عقبہ نے بیان کیا کہ ابن مبارک کہتے تھے۔ ہم نے ادب کی تلاش اس وقت کی جب سکھانے والے گذر چکے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ تین خصلتوں کے ہوتے ہوئے انسان اجنبی نہیں معلوم ہوتا۔ (۱) مشکوک لوگوں سے کنارہ کشی (۲) حسن ادب (۳) کسی کو ایذا نہ پہنچانا۔

اسی سلسلے میں شیخ ابو عبد اللہ مغربی نے ہمیں یہ اشعار سنائے:۔

یَزِینُ الْغَرِیبَ اِذَا مَا اغْتَرَبْ ثَلَاثٌ فَمِنْهُنَّ حُسْنُ الْاَدَبْ

وَ ثَانِیهِ حُسْنُ اَخْلَاقِهٖ وَ ثَالِثُهٗ اِجْتِنَابُ الرِّیَبْ

جب کوئی مسافر سفر میں جائے تو تین چیزیں اس کی زینت ہوتی ہیں (۱) حسن ادب (۲) حسن اخلاق (۳) شکوک اور تہمت کی باتوں سے بچنا۔

جب ابو حفص بغداد میں آئے۔ تو جنیدؒ نے اُن سے کہا: آپ نے اپنے مریدوں کو شاہی آداب سکھا رکھے ہیں۔ اس پر ابو حفص نے جواب دیا۔ ظاہری حسن ادب باطنی حسن ادب کا آئینہ دار ہے۔

عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں: عارف باللہ کے لئے پاس ادب اسی طرح ضروری ہے جس طرح مبتدی کے لئے توبہ۔

میں نے منصور بن خلف مغربی کو فرماتے سنا کہ کسی صوفی کو کسی نے بے ادب کہا۔ اس پر اُس نے جواب دیا: میں بے ادب نہیں ہوں۔ اس پر سوال ہوا کہ تجھے کس نے ادب سکھایا؟ جواب دیا: صوفیاء نے۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر الطوسی السراج فرماتے تھے۔ ادب کے اعتبار سے لوگ تین قسم کے[۹۳] ہیں۔ (۱) اہل دنیا۔ اُن کے بیشتر آداب۔ فصاحت و بلاغت۔ علوم اور

بادشاہوں کے ناموں اور عربوں کے اشعار کا یاد رکھنا ہیں۔(۲) اہل دین۔ ان کے بیشتر آداب، ریاضتِ نفس تادیبِ جوارح حدود اللہ کی محافظت اور ترک الشہوات ہیں۔ (۳) اہلِ خصوصیت۔ اُن کے بیشتر آداب دلوں کو پاک رکھنا، رازہائے الٰہیہ کا لحاظ، عہد کی وفا حفظ وقت، خواطر کی طرف عدم توجہ طلب اور التجا کے مواقع اوقاتِ حضور، (بدرگاہِ رب العزت) اور قربت کے مقامات پر حسنِ ادب۔

سہل بن عبداللہ سے حکایت کی جاتی ہے کہ انھوں نے فرمایا: جس شخص نے اپنے نفس کو ادب کے ساتھ مغلوب کرلیا۔ وہ شخص اخلاص کے ساتھ اللہ کا عبادت گذار ہوگیا۔

کہا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کے سوا کسی کو کمال ادب حاصل نہیں۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔ لوگ ادب کے متعلق بہت کچھ کہتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ ادب نفس کی معرفت کا نام ہے۔

شبلیؒ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ بات کرتے ہوئے شرم و حیا کو ترک کر دینا بے ادبی ہے۔

ذوالنون فرماتے ہیں کہ عارف باللہ کا ادب ہر قسم کے ادب سے بلند ہے۔ کیونکہ جس سے اس کی جان پہچان ہے یعنی حق تعالےٰ، وہی اس کے دل کو ادب سکھانے والا ہے۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ حق سبحانہ، فرماتا ہے: جس شخص کو میں نے اپنے اسماء و صفات میں غور و فکر کرنے پر لگائے رکھا، اسے میں نے ادب کا لحاظ رکھنے کا بھی حکم دیا۔ مگر جس کے لئے میں نے اپنی ذات کی حقیقت کھول دی۔ میں نے اس کے لئے ہلاکت لازم قرار دے دی۔ اب تم ان میں سے جو چاہو اختیار کرو۔ خواہ ادب یا عطب (ہلاکت)

کہتے ہیں کہ ایک دن ابن عطاء نے اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں پاؤں پھیلا دیئے اور فرمایا کہ اہل ادب کے درمیان ہوتے ہوئے ادب ترک کر دینا بھی ادب ہے۔ اس حکایت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جس میں روایت کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابوبکرؓ و عمرؓ بیٹھے تھے۔ کہ عثمانؓ آ گئے تو آپ نے اپنی ران ڈھانپ لی۔ اور فرمایا کہ جس شخص سے فرشتے حیاء کرتے ہیں۔ کیا میں اس سے حیاء نہ کروں؟ اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس بات کی تنبیہہ کر دی کہ اگرچہ عثمانؓ کا احترام بڑا تھا مگر آپ کی جو کیفیت ابوبکر و عمر کے ساتھ تھی اس میں زیادہ دوستی اور بے تکلفی پائی جاتی ہے۔

یہ اشعار تقریباً اسی مفہوم کے ہیں۔

فِیْ اَنْقِبَاضٌ وَحِشْمَۃٌ فَاِذَا　　صَادَفْتُ اَھْلَ الْوَفَاءِ وَالْکَرَمِ

اَرْسَلْتُ نَفْسِیْ عَلٰی سَجِیَّتِہَا　　وَقُلْتُ مَاقُلْتُ غَیْرُ مُحْتَشِمِ

مجھ میں انقباض و احترام پایا جاتا ہے۔ مگر جب اہلِ وفاء و کرم سے صحبت ہوتی ہے۔ تو اپنے نفس کو اس کی طبیعت پر چھوڑ دیتا ہوں۔ اور پھر جو بھی کہنا ہوتا ہے بے دھڑک کہہ دیتا ہوں۔

جنیدؒ فرماتے ہیں کہ جب آپس میں صحیح محبت ہو جاتی ہے تو ادب کے شرو ط ساقط ہو جاتے ہیں۔

ابو عثمانؒ فرماتے ہیں: جب آپس میں صحیح محبت پیدا ہو جاتی ہے تو محب پر پاسِ ادب رکھنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

نوریؒ فرماتے ہیں: جس نے غلبہ احوال کے وقت ادب کا لحاظ نہ رکھا اس کی حالت (وقت نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ کی مقت یعنی ناراضگی کا سبب ہے۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں: جب کوئی مرید (جو مبتدی ہے) ادب کا خیال نہیں رکھتا تو وہ لوٹ کر وہیں پہنچ جاتا ہے جہاں سے چلا تھا۔

میں نے اُستاد ابو علیؒ دقاق کو اللہ تعالےٰ کے فرمان :۔" وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ" کی تشریح فرماتے ہوئے سنا کہ ایوب علیہ السلام نے "ارحمنی" اس لئے نہیں کہا کہ انھوں نے اللہ تعالےٰ کو خطاب کرتے ہوئے پاسِ ادب رکھا۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ جب گذارش کی۔ اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ (اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں) نیز عرض کیا۔ " اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ" (اگر میں نے کہا ہوگا۔ تو اے اللہ تجھے اس کا علم ہے) حضرت عیسیٰؑ نے پاس ادب رکھتے ہوئے "لم اقل" (میں نے نہیں کہا) نہیں کہا۔

مَیں نے محمد بن عبد اللہ الصوفی سے سنا کہ ابو الطیب بن فرحان(۱۰۹۶) فرماتے تھے کہ مَیں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا:۔ صالحین میں سے ایک شخص جمعہ کے دن میرے پاس آئے اور کہا کہ میرے ساتھ ایسے فقیر کو بھیجئے۔ جو مجھے خوش کرے۔ اور میرے ساتھ کچھ کھائے۔ مَیں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو ایک فقیر کو مَیں نے فاقہ کی حالت میں دیکھا۔ اور اُسے بُلا کر کہا اس شیخ کے ساتھ جاؤ اور اُسے خوش کرو۔ وہ چلا گیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ وہ شخص آگیا۔ اور کہا اے ابو القاسم! اس فقیر نے تو صرف ایک لقمہ کھایا اور نکل گیا۔ میں نے کہا تم نے کوئی گستاخی کا کلمہ کہا ہوگا۔ اس نے جواب دیا: مَیں نے تو اسے کچھ نہیں کہا۔ میں نے جو نظر دوڑائی تو فقیر وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ مَیں نے اسے کہا تم نے اس کی خوشی پوری کیوں نہیں کی؟ فقیر نے کہا۔ اے میرے آقا! مَیں کوفہ سے نکل کر بغداد پہنچا۔ اور اس عرصہ میں مَیں نے کچھ نہیں کھایا۔ مَیں نہیں چاہتا تھا کہ فاقہ کی وجہ سے مجھ سے آپ کی موجودگی میں کوئی بے ادبی ہو جائے۔ جب آپ نے خود ہی مجھے بلایا تو مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے ہی پہل کی۔ لہٰذا میں چلا گیا۔ حالانکہ میں اپنی فاقہ کی حالت کے بدلے جنت پر بھی راضی نہ تھا۔ جب میں اس کے دسترخوان پر بیٹھا تو اُس نے ایک لقمہ میرے لئے بنایا۔ اور کہا۔ کھاؤ یہ ایک لقمہ میرے نزدیک دس ہزار درہم سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ جب میں نے اس کے یہ الفاظ سنے تو میں سمجھ گیا کہ وہ دُون ہمت انسان ہے۔ اس لئے میں نے اس کے ساتھ کھانا کھانے سے اجتناب کیا۔ یہ سُن کر جنیدؒ نے کہا:۔ مَیں نے تو تجھے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم نے اس کے ساتھ بے ادبی کی ہو گی۔ اُس شخص نے اس پر کہا کہ اے ابو القاسم! مَیں توبہ کرتا ہوں۔ اس پر ابو القاسم نے اسی فقیر کو پھر اس کے ساتھ جانے اور اسے خوش کرنے کو کہا۔

۴۱۔ صوفیاء کے سفر کے احکام(۱۰۹۷)

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ: خدا ہی ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں سیر کراتا ہے۔

ہم سے علی بن احمد بن عبد اللہ نے، اُن سے احمد بن عبید البصری نے، ان سے محمد بن

الفرج[1098] الازرق نے، اُن سے حجاج[1099] نے، اُن سے ابن جریج[1100] نے، اُن سے ابوالزبیر نے اُن سے علی الازدی[1101] نے بیان کیا کہ ابن عمر نے انھیں سکھایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کے لئے نکلتے وقت اُونٹ پر بیٹھ جاتے تو تین بار تکبیر کہتے۔ پھر یہ پڑھتے۔ سُبْحَانَ الَّذِی سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ (پاک ہے وہ خدا جس نے اُن جانوروں کو ہمارے لئے مسخر کر دیا۔ حالانکہ ہم میں اس کی طاقت نہ تھی۔ اور ہم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں) پھر فرماتے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْأَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَ التَّقْوٰی وَ مِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی وَھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَ الْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ وَ الْمَالِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَآبَۃِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ (اے اللہ! ہم اس سفر میں تم سے نیکی اور پرہیزگاری مانگتے ہیں۔ اور ایسے عمل کی درخواست کرتے ہیں جسے تو پسند کرے۔ اے اللہ! ہمارے سفر کو آسان کر دے۔ اے اللہ! سفر میں تو ہی ہمارا ساتھی ہے اور گھر اور مال میں تو ہی ہمارا جانشین ہے۔ اے اللہ! میں تم سے سفر کی تکالیف اور واپسی کے اندوہ اور مال اور اہل میں بُرے منظر سے تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں) اور جب سفر سے واپس آتے تو بھی یہی الفاظ کہتے۔ اور اُن پر ان الفاظ کا اضافہ کرتے۔

"آئبون تائبون لربنا حامدون"۔ ہم واپس آنے اور تائب ہونے پر اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔

استاد فرماتے ہیں کہ چونکہ صوفیاء کے گروہ میں سے بہتوں کی یہی رائے ہے کہ سفر اختیار کرنا چاہیئے۔ اس لئے ہم نے اس کے لئے الگ باب باندھا ہے۔ صرف اس لئے کہ سفر کی اُن کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے۔

صوفیاء سفر کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ بعض لوگ ایک جگہ پر مقیم رہنے کو سفر پر ترجیح دیتے ہیں اور اُن لوگوں نے سوائے فرض مثلاً حج کے کسی اور کام کے لئے سفر اختیار نہیں کیا۔ یہ لوگ بالعموم مقیم ہی رہے۔ مثلاً جنیدؒ۔ سہل بن عبداللہ۔ ابویزید بسطامی اور ابوحفص وغیرہ۔

بعض نے سفر کو ترجیح دی اور مرتے دم تک سفر میں رہے ۔ مثلاً ابو عبد اللہ مغربی ابراہیم بن ادہم وغیرہ بہت سے ایسے بھی ہیں جنھوں نے ابتدا میں اور حالتِ شباب میں بہت سفر کیا مگر بعد میں سفر ترک کر دیا۔ مثلاً ابو عثمان حیری اور شبلی وغیرہ ۔ ان سب کے الگ الگ اصول تھے ۔ جن پر انھوں نے اپنے طریقہ کی بنا رکھی۔

سفر کی قسمیں

یاد رکھیں کہ سفر کی دو قسمیں ہیں ۔ (۱) بدن کا سفر یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ (۲) دل کا سفر یعنی ایک صفت سے دوسری صفت کو منتقل ہونا۔ بدن کا سفر کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں ہیں ۔ دل کا سفر کرنے والے بہت کم ہیں۔

میں نے استاد ابو علی دقاق رح کو فرماتے سنا کہ نیشاپور کے باہر ایک بستی ہے ۔ جس کا نام فرنک ہے ۔ وہاں صوفیاء کے ایک شیخ رہا کرتے تھے ۔ اس علم میں اُن کی تصانیف بھی ہیں ۔ اُن سے کسی نے پوچھا۔ شیخ صاحب! کیا آپ نے سفر بھی کیا ہے ؟ فرمایا :"کیا تم زمین کے سفر کے متعلق پوچھتے ہو یا آسمان کے سفر کے متعلق ؟ زمین کا سفر تو میں نے نہیں کیا ۔ البتہ آسمان کا کیا ہے ۔"

انہی کو میں نے فرماتے سنا کہ ایک روز ایک فقیر میرے پاس آیا ۔ اس وقت میں مرو میں تھا اور کہا میں دور دراز کا سفر طے کر کے آپ کے پاس آیا ہوں ۔ اور میرا مقصد صرف آپ کی ملاقات ہے ۔ میں نے کہا : تمہارے لئے تو صرف ایک قدم کافی تھا ۔ اگر اپنے نفس سے سفر کر لیتا۔

جسطرح اُن کے حالات مختلف ہیں اسی طرح سفر کے متعلق اُن کی حکایتیں بھی مختلف ہیں ۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی سے انھوں نے محمد بن علی العلوی سے سنا کہ جعفر بن محمد نے اُن سے کہا کہ احنف الہمدانی فرماتے تھے کہ میں جنگل میں اکیلا تھا اور میں تھک گیا تھا میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا ۔ اے رب! میں کمزور اور اپاہج ہوں اور تمہارے پاس ضیافت کے لئے حاضر ہوا ہوں ۔ فوراً میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں یہ جواب نہ ملے کہ تجھے کس نے بلایا تھا ۔ اس پر میں نے کہا : اے رب ! تمہاری سلطنت ایسی ہے جہاں طفیلی کو برداشت کر لیا جاتا ہے ۔ فوراً کسی نے پیچھے سے آواز دی ، جب ادھر مڑا تو ایک بدوی سواری پر سوار تھا ۔ اس نے مجھے کہا : اے عجمی ! کہاں کا ارادہ ہے ؟ میں نے کہا : مکہ کا اس نے پھر

کہا۔ کیا اُس نے تمہیں بلایا ہے؟ مَیں نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ اُس نے پھر کہا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا: من استطاع الیہ سبیلا؟ (جو سفر کی طاقت رکھے) مَیں نے کہا اس کی سلطنت وسیع ہے۔ طفیلی کی اس میں گنجائش ہے۔ اس نے کہا کیا تو طفیلی ہے؟ کیا تو اُونٹ کی خدمت کرسکتا ہے میں نے کہا، ہاں۔ اس پر وہ اپنے جانور سے نیچے اُتر آیا۔ اور مجھے دے کر کہنے لگا۔ اس پر سفر کرو۔

مَیں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا کہ محمد بن احمد النجار فرماتے تھے کہ کسی فقیر نے کتانی سے درخواست کی کہ اسے وصیت کریں تو فرمایا: کوشش کرو کہ ہر رات کسی مسجد کے مہمان بنو۔ نیز اگر مرو تو دو منزلوں کے درمیان ہی مرو۔

حکایت کی جاتی ہے کہ حصری فرمایا کرتے تھے ایک بار بیٹھنا ایک ہزار حج سے بہتر ہے۔ آپ کی مراد صرف یہ تھی کہ اللہ کو حاضر سمجھتے ہوئے ایک بار اس طرح بیٹھنا کہ ہمت جمع ہو جائے۔ قسم ہے کہ یہ ایسے ایک حج سے بہتر ہے جس میں انسان اللہ سے غائب رہے۔

مَیں نے محمد بن احمد الصوفی سے سنا کہ عبداللہ بن علی التمیمی نے بیان کیا محمد بن[۱۱۰۲] اسمٰعیل فرغانی فرماتے تھے کہ مَیں اور ابوبکر زقاق اور کتانی تقریباً بیس سال سفر کرتے رہے۔ نہ تو ہم کسی سے غلاملا کرتے اور نہ کسی سے میل جول رکھتے۔ جب کسی شہر میں پہنچتے اور وہاں کوئی بزرگ ہوتا۔ تو اس کے سلام کو چلے جاتے۔ رات تک اس کے پاس بیٹھتے اور پھر مسجد میں چلے جاتے۔ کتانی ابتداء رات سے لے کر آخر تک نماز پڑھتے رہتے۔ اور قرآن ختم کرتے اور زقاق قبلہ رو ہو کر بیٹھ جاتے اور مَیں لیٹ کر سوچتا رہتا۔ پھر جب صبح ہوتی تو نماز عشاء کے وضو سے ہی صبح کی نماز ادا کرتے۔ اور جب ہمارے درمیان کوئی اور انسان آجاتا اور سویا رہتا تو ہم اس کو اپنے سے افضل سمجھتے۔

مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبداللہ بن علی نے کہا کہ عیسیٰ[۱۱۰۳] القصار فرماتے تھے کہ کسی نے رویم سے سفر کے آداب کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: سفر کا ادب یہ ہے کہ اس کا قدم، اس کی ہمت سے آگے نہ پڑے۔ اور جہاں اس کا دل ٹھہر جائے وہی اس کی منزل ہو جائے۔

مالک بن دینار سے حکایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ لوہے کے جوتے اور لوہے کی لاٹھی بناؤ پھر دنیا کی سیاحت کرو۔ اور آثار

اور عبرت کی باتیں تلاش کرو۔ یہاں تک کہ جوتا پھٹ جائے اور لاٹھی ٹوٹ جائے۔

کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ مغربی ہمیشہ سفر میں رہا کرتے اور آپ کے مرید آپ کے ساتھ ہوتے۔ اور احرام میں ہوتے، جب احرام ٹوٹ جاتا تو دوبارہ احرام باندھ لیتے۔ اُن کے لئے نہ تو کپڑا بنا جاتا اور نہ اُن کے ناخن اور بال لمبے ہوتے اور رات کے وقت اُن کے مرید اُن کے پیچھے چلا کرتے اور جب اُن میں سے کوئی راستہ سے ایک طرف ہٹ جاتا تو آپ فرماتے۔ اے فلانے! دائیں طرف ہو جا۔ اے فلانے! بائیں طرف ہو جا۔ آپ اپنا ہاتھ کسی ایسے کھانے کی طرف نہ بڑھاتے تھے جس کی طرف کسی انسان کا ہاتھ بڑھا ہو۔ آپ کی خوراک کسی بوٹی کی جڑ ہوتی۔ جسے اُن کے لئے مہیا کیا جاتا۔

کہتے ہیں کہ ہر وہ دوست جسے تو کہے "اُٹھو چلیں" اور وہ پوچھے کہاں" وہ دوست نہیں۔ اس کے ہم معنی یہ شعر پڑھا جاتا ہے:۔

إِذَا اسْتُنْجِدُوا الْمَرِيضَا لَوَاهُنْ دَعَاهُم   لَا يَبْتَغِي حَرْبٍ أُمْ لِأَيِّ مَكَانِ

(جب کوئی شخص اُن سے مدد مانگتا ہے تو وہ پکارنے والے سے یہ سوال نہیں کرتے۔ کہ کس جنگ کے لئے اور کس جگہ جانے کو، تو ہمیں بلا رہا ہے؟

ابوعلیؒ رباطی سے حکایت ہے انھوں نے کہا کہ میں عبداللہ مروزی[(۱۱۰۵)] کی صحبت میں رہا۔ اُن کی صحبت میں میرے آنے سے پہلے اُن کا دستور تھا کہ وہ زادِ راہ اور سواری کے بغیر جنگل کو نکل جاتے۔ جب میں ان کی صحبت میں آگیا تو مجھے فرمایا۔ "تو حاکم بننا پسند کرے گا یا میں حاکم رہوں" میں نے عرض کیا۔ آپ ہی حاکم رہیں۔ فرمایا: پھر تمہیں اطاعت کرنی ہوگی۔ میں نے کہا جی ہاں۔ پھر آپ نے ایک تھیلا لیا۔ اس میں زادِ راہ رکھا۔ اور اُسے اپنی پُشت پر اُٹھایا۔ جب میں یہ کہتا کہ یہ تھیلا مجھے دیجئے تاکہ میں اسے اٹھاؤں۔ فرماتے: میں حاکم ہُوں۔ اور تمہیں میری اطاعت کرنی چاہیئے۔ رباطیؒ فرماتے ہیں: ایک رات بارش ہوئی اور آپ چادر لئے صبح تک میرے اُوپر سایہ کرتے رہے۔ تاکہ میں بارش سے بچا رہوں۔ میں دل میں کہتا: کاش میں مرجاتا۔ اور یہ نہ کہتا کہ آپ حاکم ہیں۔ پھر مروزی نے فرمایا۔ جب تو کسی انسان کی صحبت اختیار کرے۔ تو اس کی صحبت میں اسی طرح رہ جس طرح میں تمہاری صحبت میں رہتا ہوں۔

ایک نوجوان ابو علی رودباریؒ کے پاس آیا۔ جب وہ جانے لگا تو کہا: کیا شیخ کچھ فرمانا چاہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: اے نوجوان! صوفیا نہ تو وعدے سے اکٹھے ہوتے ہیں اور نہ مشورہ کر کے جُدا ہوتے ہیں۔

مزین کبیرؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں ایک دن ابراہیم خواص کے ساتھ سفر میں جا رہا تھا۔ کہ ایک بچھو کو اُن کی ران پر دوڑتا دیکھا۔ میں نے اُٹھ کر اسے مارنا چاہا۔ مگر آپ نے مجھے منع کر دیا۔ اور فرمایا: اسے رہنے دو۔ کیونکہ ہر چیز ہماری محتاج ہے اور ہم کسی چیز کے محتاج نہیں۔

ابو عبد اللہ نصیبی فرماتے ہیں: میں نے تیس سال سفر کیا۔ اور میں نے نہ کبھی اپنی گدڑی پر پیوند لگایا اور نہ میں کسی ایسی جگہ گیا جہاں مجھے معلوم ہو کہ میرا کوئی رفیق ہے اور نہ کسی کو اس بات کی اجازت دی کہ میرے ساتھ چلتے ہوئے کوئی چیز ساتھ لے۔

یاد رکھیں کہ صوفیاء اللہ اور اس کی مخلوق کے ساتھ حاضری کے تمام آداب مجاہدہ سے حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر بھی اُن کی کوشش ہوتی ہے کہ کچھ اور متنزاد حاصل کریں۔ لہٰذا انھوں نے اپنے نفسوں کو سُدھارنے کے لئے احکامِ سفر کو شامل کر لیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفسوں کو اُن چیزوں سے نکال کر لے گئے۔ جن کے وہ روزمرّہ کے عادی تھے۔ اور انھیں معروف چیزوں کے چھوڑنے پر مجبور کیا تاکہ وہ اللہ کے ساتھ ایسی حالت میں زندگی گذاریں کہ اُن کا دنیا کی کسی چیز کے ساتھ نہ کوئی تعلق ہو اور نہ کوئی واسطہ ہو۔ بایں ہمہ انہوں نے سفر میں چلتے ہوئے بھی اپنے کسی ورد کو ترک نہیں کیا۔ کیونکہ اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ رخصت (مثلاً سفر میں قصر کرنا) صرف ان لوگوں کے لئے ہے جن کا سفر کسی حاجت یا ضرورت کی وجہ سے ہو اور ہمیں اپنے سفر میں نہ تو کوئی کام ہے اور نہ کوئی مجبوری (لہٰذا رخصت کیسی؟)

میں نے ابو صادق بن حبیب کو فرماتے سنا کہ انھوں نے نصر آبادی کو فرماتے سنا: ایک بار میں جنگل میں گذرتے ہوئے کمزور ہو گیا اور اپنی جان سے مایوس ہو گیا کہ یکایک میری نگاہ چاند پر پڑی۔ حالانکہ اُس وقت دن تھا۔ پھر بھی میں نے چاند پر یہ الفاظ لکھے ہوئے دیکھے:۔ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہ۔ لہٰذا میں نے اس تکلیف کو معمولی سمجھا۔ اور اسی وقت سے یہ بات (یعنی

خرق عادات وکرامات) میرے لئے واضح ہوگئی۔

ابویعقوب سوسیؒ فرماتے ہیں۔ مسافر کو سفر میں چار چیزوں کی ضرورت ہوئی ہے۔ (۱) علم جو اس کی رہنمائی کرے۔ (۲) پرہیزگاری جو اسے ہر بُری بات سے روکے (۳) شوق جو اسے مطلوب تک پہنچنے پر اکساتا رہے۔ (۴) خلق جو اسے (ادنیٰ درجہ کے اخلاق سے) بچاتا رہے۔

کہتے ہیں کہ سفر کو اس لئے سفر کہا گیا ہے کہ اس سے آدمی کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔

کتانی کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی فقیر یمن کو سفر کے لئے جاتا۔ پھر دوبارہ وہاں لوٹ کر جاتا تو وہ اپنے مریدوں کو حکم دیتے کہ اس سے الگ رہیں۔ آپ یہ اس لئے کیا کرتے کہ لوگ اس زمانہ میں دنیاوی مال و دولت کی خاطر یمن کا سفر اختیار کیا کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم خواصؒ سفر میں اپنے ساتھ کوئی چیز نہ لے جاتے تھے۔ مگر پھر بھی اُن کے ساتھ سوئی اور مشکیزہ ہمیشہ رہتا۔ سوئی تو کپڑوں کو سینے اور پیوند لگانے کے لئے کہ اگر کپڑا پھٹ جائے۔ تو کہیں ستر نہ کھل جائے اور مشکیزہ طہارت کے لئے۔ آپ اُن چیزوں کو دنیاوی تعلق کی چیزیں خیال نہ کرتے تھے۔

ابوعبد اللہ رازیؒ سے حکایت کی گئی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں طرسوس سے ننگے پاؤں نکلا، میرے ساتھ ایک رفیق تھا۔ ہم چلتے چلتے ملک شام کی بستی میں پہنچے تو ایک شخص میرے پاس جوتا لے کر آیا۔ مگر میں نے اسے قبول نہ کیا۔ میرے ساتھی نے مجھے کہا۔ جوتا پہن لیں۔ کیونکہ آپ تھک چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ جوتا آپ کو میری وجہ سے عطا کیا ہے۔ میں نے پوچھا: وہ کیسے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنا جوتا آپ کی موافقت اور آپ کے حق صحبت کا لحاظ رکھتے ہوئے اتارا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ابراہیم خواص سفر میں جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ تین اور آدمی بھی تھے۔ آپ جنگل میں کسی مسجد میں پہنچے۔ اور وہاں رات گذاری۔ مسجد کا کوئی دروازہ نہ تھا۔ اور سردی شدت کی پڑ رہی تھی۔ وہ سب سو گئے۔ جب صبح ہوئی تو خواص کو دروازے پر کھڑا دیکھا۔ انھوں نے آپ سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں تمہیں سردی نہ لگے۔ اس

لئے وہ رات بھر وہاں کھڑے رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ کتانی نے ایک بار اپنی والدہ سے حج کے لئے جانے کی اجازت چاہی۔ انھوں نے اجازت دے دی اور روانہ ہو گئے۔ جنگل میں آپ کے کپڑے میں پیشاب لگ گیا۔ فرمایا: اس کا سبب یقیناً یہ ہے کہ میری حالت میں خلل پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا آپ واپس روانہ ہو گئے۔ جب انھوں نے گھر پہنچ کر دستک دی تو اُن کی والدہ نے جواب دیا اور دروازہ کھولا۔ دیکھا تو وہ دروازہ پر بیٹھی تھیں۔ آپ نے والدہ سے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب سے تو گیا ہے میں نے عہد کر لیا تھا۔ کہ جب تک تمہیں نہ دیکھ لوں گی۔ میں یہاں سے نہ جاؤں گی۔

میں نے محمدؒ بن الحسین سے سنا کہ عبداللہ بن محمدؒ الدمشقی سے سنا کہ ابراہیم بن المولد نے اُن سے بیان کیا کہ انھوں نے ابراہیم القصار سے سنا فرماتے تھے: میں تیس سال تک لوگوں کے دلوں کی اصلاح کے لئے سفر کرتا رہا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص، داؤدؒ طائی کی ملاقات کے لئے گیا۔ اور کہا۔ اُبو سلیمان! مدت سے میرا دل چاہتا تھا کہ آپ سے ملوں۔ انھوں نے فرمایا کہ جب بدنوں اور دلوں دونوں میں سکون ہو تو ملاقات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیوں کہ اس صورت میں ملاقات آسان ہو جاتی ہے۔

میں نے اُبو نصر صوفی کو جو نصر آبادی کے مریدوں میں سے تھے۔ فرماتے سنا۔ میں عمان کی بندرگاہ پر سمندر سے اُترا تو بھوک نے مجھے نڈھال کر رکھا تھا۔ پھر میں بازار سے گذر رہا تھا اور حلوائی کی دکان کے پاس سے گذرا۔ جس میں پہلے کا بھنا ہوا گوشت اور مٹھائیاں تھیں۔ میں نے ایک شخص کو پکڑ کر کہا کہ مجھے کچھ خرید کر دو۔ اس نے جواب دیا کیوں خرید کر دوں؟ کیا میرے ذمے کوئی چیز ہے یا مجھے تمہارا قرض ادا کرنا ہے۔؟ میں نے کہا ضرور خریدنا پڑے گا۔ ایک شخص نے مجھے باتیں کرتے دیکھ لیا۔ اور کہا۔ ارے۔ اِسے چھوڑ دو۔ میں وہ شخص ہوں جس پر تمہارے لئے مٹھائی کا خریدنا واجب ہے۔ مجھ سے مطالبہ کرو اور جو چاہو حکم کرو۔ پھر اُس نے مجھے جو کچھ میں چاہتا تھا۔ خرید کر دیا اور وہ چلا گیا۔

حکایت ہے کہ ابوالحسن مصری نے فرمایا: مجھے طرابلس سے شجری کے ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ ہم کئی دنوں تک بغیر کچھ کھائے چلتے رہے۔ میں نے زمین پر پڑا ہوا[۱۰۸] ایک کدو دیکھا۔ اور میں کھانے لگا۔ شجری نے میری طرف دیکھا مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ لہٰذا میں سمجھ گیا کہ انھوں نے اسے بُرا سمجھا ہے۔ میں نے اسے پھینک دیا۔ پھر ہمیں اللہ تعالےٰ نے پانچ دینار دلوائے اور ہم شہر میں آگئے۔ میں نے دل میں کہا کہ آپ ہمارے لئے ضرور کچھ نہ کچھ خریدیں گے۔ مگر آپ وہاں سے گذر گئے۔ اور کچھ نہ خریدا۔ پھر آپ یہودیہ پہنچے۔ یہ راستہ میں ایک گاؤں کا نام ہے تو فرمایا: وہاں ایک عیال دار آدمی ہے۔ جب ہم اس کے پاس جائیں گے تو وہ ہماری خدمت میں مشغول ہو جائے گا۔ میں یہ پانچ دینار اسے دوں گا تاکہ وہ انھیں ہمارے اور اپنے عیال کے لئے خرچ کرے۔ چنانچہ ہم وہاں پہنچ گئے اور آپ نے وہ دینار اسے دے دیئے اور اس نے خرچ کر دیئے۔ اب جب وہاں سے چلنے لگے تو فرمایا: اے ابوالحسین کہاں جاتے ہو؟ میں نے عرض کیا۔ کہ آپ کے ساتھ چلوں گا۔ فرمایا نہیں تم تو ایک کدو کی خاطر مجھ سے خیانت کرتے ہو۔ اور پھر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو۔ ایسا نہ ہوگا۔ اور انھوں نے مجھے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا۔

میں نے محمد بن عبداللہ الشیرازی سے سنا کہ ابواحمد الصغیر فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابوعبداللہ بن خفیف کو فرماتے سنا: میں ابھی نوعمر ہی تھا کہ ایک فقیر مجھے ملا۔ اس نے مجھے دیکھا کہ بھوک نے مجھے نڈھال کر رکھا ہے۔ لہٰذا وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اور گوشت پیش کیا۔ جو آب جو ز کشک کے ساتھ پکایا گیا تھا اور گوشت کا ذائقہ بدلا ہوا تھا۔ میں ثرید کھاتا اور گوشت نہ کھاتا۔ کیونکہ اس کا ذائقہ بدلا ہوا تھا۔ اس نے مجھے ایک لقمہ دیا۔ جسے میں نے بڑی مشکل سے کھایا۔ اور اس نے پھر ایک اور لقمہ دیا۔ جس سے مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ فقیر میرے چہرے سے پہچان گیا اور شرمندہ ہوا۔ اس کی وجہ سے مجھے بھی شرمندگی ہوئی۔ لہٰذا میں وہاں سے چل پڑا۔ اور فوراً سفر کو روانہ ہو گیا۔ میں نے اپنی والدہ کے پاس ایک آدمی کو بھیج کر اپنی گدڑی منگوالی۔ میری والدہ نے میری مخالفت نہ

کی۔ اور میرے سفر کو جانے پر رضامند ہوگئی۔ چنانچہ میں فقیروں کی ایک جماعت کے ساتھ قادسیہ سے نکلا۔ مگر ہم راستہ سے بھٹک گئے اور جو کچھ بھی زادِ راہ ہمارے پاس تھا ختم ہوگیا اور ہم مرنے کے قریب ہوگئے۔ ہم ایک عرب قبیلہ کے پاس گئے مگر وہاں بھی کچھ نہ ملا۔ ہم نے مجبور ہو کر ان سے چند دیناروں میں ایک کتا خریدا۔ انہوں نے اُسے بھونا اور مجھے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا دیا۔ جب میں کھانے لگا تو میں نے اپنے حال پر غور کیا تو مجھے خیال آیا کہ یہ اُس فقیر کو شرمندہ کرنے کی سزا ملی ہے۔ لہٰذا میں نے دل میں توبہ کی اور چپ رہا۔ پھر انہوں نے ہمیں راستہ بتلا دیا۔ اور جا کر حج ادا کیا۔ اس کے بعد میں اسی فقیر کے پاس واپس آیا اور اس سے معذرت چاہی۔

۴۲۔ صحبت (۱۰۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا:۔ آپ جب غار میں تھے۔ تو دو میں سے ایک آپ تھے۔ اور اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے۔ غم نہ کھاؤ، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

استاد امام ابوالقاسم فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیقؓ کے لئے صحبت ثابت کر دی تو یہ بیان کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر شفقت کا اظہار کیا۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا
شریف آدمی اپنے ساتھی پر شفیق ہوتا ہے۔

ہم سے علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید البصری نے اُن سے کہا کہ یحییٰ بن محمد الحیانی نے کہا کہ عثمان بن عبداللہ القرشی نے نعیم بن سالم سے روایت کی کہ انس بن مالک فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں کب اپنے دوستوں سے ملوں گا؟ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہمارے والدین آپ پر قربان ہوں۔ کیا ہم آپ کے احباب نہیں ہیں؟ فرمایا: تم میرے اصحاب ہو۔ میرے احباب تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا مگر مجھ پر ایمان لائے سب مجھے

اُن لوگوں سے ملنے کا بہت شوق ہے۔

صحبت کی اقسام صحبت کی تین قسمیں ہیں (۱) اپنے سے اونچے درجے والے کی صحبت، درحقیقت یہ خدمت گزاری ہوتی ہے (۲) اپنے سے کم درجے والے کی صحبت اس صحبت کا تقاضا یہ ہے کہ متبوع (بڑے رتبے والا) اپنے ماتحتی کے ساتھ شفقت اور رحمت کے ساتھ پیش آئے اور تابع کو چاہیئے کہ وہ بڑے کی موافقت کرے اور اس کا احترام کرے (۳) ہم پلہ اور ایک جیسے رتبہ کے لوگوں کی صحبت، اس کی بنا ایثار اور فتوت پر ہوتی ہے۔

لہٰذا جو شخص اپنے رتبہ سے بڑے رتبہ والے شیخ کی صحبت میں رہے تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ ان پر کسی بات میں اعتراض نہ کرے اور جو بات ان سے ظاہر ہو اس کی اچھی توجیہہ نکالے۔ اور اُن کے احوال پر ایمان رکھتے ہوئے انہیں قبول کرے۔

میں نے منصور بن خلف مغربی کو دیکھا جب کسی نے اُن سے یہ سوال کیا کہ آپ کتنے سال ابو عثمان مغربی کی صحبت میں رہے؟ آپ نے ناراضگی سے ان کی طرف دیکھکر فرمایا؛ میں تو اُن کی صحبت میں نہیں رہا۔ بلکہ ایک مدت تک اُن کا خادم رہا ہوں۔

اور جب تم سے کوئی کم درجہ والا تمہاری صحبت میں رہے تو اس کی صحبت کے لحاظ سے تمہاری طرف سے خیانت ہوگی۔ اگر تم اسکی حالت میں کسی حالت میں کسی قسم کی کمی پر اس کو تنبیہہ نہ کرو۔

ابوالخیر تنیاتی نے جعفر بن محمد بن نصیر کو لکھا: فقراء کی جہالت کا بار تم پر ہے۔ کیونکہ تم نے اُن کو ادب سکھانے کی بجائے اپنے نفسوں کی طرف توجہ دی۔ جس کی وجہ سے وہ غافل رہ گئے۔ اور جب کوئی تمہارا ہم مرتبہ انسان تمہاری صحبت میں رہے تو تمہارے لئے صحیح راہ یہ ہے کہ تم اس کے عیوب سے آنکھیں بند کرلو۔ اور جو کام اس سے سرزد ہوں۔ جہاں تک ممکن ہو سکے ان کی تم اچھی تاویل کرو۔ اور اگر تمہیں کوئی تاویل نہ ملے تو تم اپنے نفس کی طرف نگاہ کرو۔ اسی کو تہمت دو اور اسی کو ملامت کرو۔

میں نے ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ احمد بن ابی الحواری فرماتے تھے کہ میں نے ابو سلیمان دارانی سے کہا فلاں شخص میرے دل میں جچتا نہیں۔ ابو سلیمان نے فرمایا میرے دل میں بھی وہ نہیں جچتا۔ مگر اے احمد ہو سکتا

ہے کہ یہ تمہارے نفس کی چال ہو۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم چونکہ خود صالحین میں سے نہیں۔ اس لئے ہم ان سے محبت نہیں کرتے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک شخص ابراہیم بن ادہم کی صحبت میں رہا۔ جب وہ جدا ہونے لگا تو کہا اگر آپ نے مجھ میں کوئی عیب دیکھا ہو تو مجھے تنبیہہ کر دیجئے۔ ابراہیم نے فرمایا: میں نے تو تم میں کوئی عیب نہیں دیکھا۔ کیونکہ میں نے تمہیں دوستی کی نگاہ سے دیکھا اور میں نے تمہاری جو چیز دیکھی اُسے اچھا جانا۔ لہذا اپنے عیب کے متعلق کسی اور سے پوچھو۔

اسی معنی میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

وَعَیْنُ الرِّضَا عَنْ کُلِّ عَیْبٍ کَلِیْلَۃٌ　　وَلٰکِنَّ عَیْنَ السُّخْطِ تُبْدِی الْمَسَاوِیَا

دوستی کی نگاہیں (تمہارے) ہر عیب سے بند ہوتی ہیں۔ مگر دشمنی کی نگاہ برائیوں کو ظاہر کرتی ہے۔

حکایت ہے کہ ابراہیم بن شیبان نے فرمایا کہ ہم اس شخص کی صحبت میں نہ بیٹھا کرتے تھے جو یہ کہتا کہ یہ جوتا میرا ہے۔ (کیونکہ وہ فقیر ہی کیا ؟ جو کسی چیز کو اپنی ملکیت بنائے۔)

میں نے ابوحاتم الصوفی سے سنا کہ ابونصر السراج نے کہا کہ ابواحمد القلانسی جو جنیدؒ کے استادوں میں سے تھے، فرماتے تھے کہ میں بصرہ میں کچھ لوگوں کی صحبت میں رہا ایک بار میں نے ان میں سے کسی سے کہا۔ میرا تہبند کہاں ہے؟ اس پر میں انکی نگاہوں سے گر گیا۔

میں نے ابوحاتم سے سنا کہ ابونصر السراج نے کہا کہ الدقی فرماتے تھے کہ میں نے زقاق کو فرماتے سنا کہ میں چالیس سال سے اُن لوگوں کی صحبت میں ہوں۔ میں نے اُن کے پاس کوئی استعمال کی چیز نہیں دیکھی۔ سوائے اس کے جسے وہ ایک دوسرے سے لیتے یا اس سے لیتے جو اُن سے محبت رکھتا ہو اور تصوف میں جس شخص کے پاس تقویٰ اور پرہیزگاری نہیں۔ اس کے لئے تو صریح حکم یہی ہے کہ وہ حرام کھاتا ہے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ ایک شخص نے سہل بن عبداللہ سے کہا کہ اے ابومحمد! میں آپ کی صحبت میں رہنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب ہم میں سے کوئی مر جائے گا تو باقی رہنے والے کس کی صحبت میں رہیں گے۔؟ اس نے کہا: اللہ کی۔ آپ نے

فرمایا: تو پھر اُسے ابھی سے اس کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے۔

ایک شخص مدت تک دوسرے کی صحبت میں رہا۔ پھر ایک کے دل میں وہاں سے جانے کا خیال آیا اور اس نے اپنے ساتھی سے اجازت چاہی تو اس نے کہا کہ اس شرط پر اجازت دیتا ہوں کہ تو ہم سے اونچے درجے والے کے سوا کسی اور کی صحبت اختیار نہ کرے گا اور وہ خواہ ہم سے بلند مرتبہ ہی کیوں نہ رکھتا ہو پھر بھی تو اس کی صحبت میں نہ جا۔ کیونکہ تو پہلے میری صحبت میں رہ چکا ہے۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ میرے دل سے جدائی کا خیال زائل ہوگیا ہے۔

میں نے ابو حاتم الصوفی سے سنا کہ ابو نصر السراج سے سنا کہ الدقی فرماتے ہیں کہ میں نے کتانی کو فرماتے سنا کہ ایک شخص میری صحبت میں رہا۔ اور اس کی صحبت میرے لئے ناگواری کا باعث تھی۔ میں نے اُسے کوئی چیز تحفہ کے طور پر دی۔ تاکہ جو بوجھ میرے دل پر ہے زائل ہو جائے۔ مگر بوجھ بدستور رہا۔ اس پر میں اسے اپنے گھر لے گیا اور کہا: اپنا پاؤں میرے رخسارے پر رکھو۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ میں نے کہا تم کو کرنا پڑے گا اور میں نے عہد کر لیا کہ جب تک جو بوجھ میرے دل پر ہے رفع نہیں ہوگا وہ اپنا پاؤں میرے رخسارے سے نہیں اٹھائے گا۔ جب بوجھ زائل ہوگیا تو میں نے اس سے کہا۔ اب اپنا پاؤں اٹھالو۔

ابراہیم بن ادھم فصلوں کی کٹائی اور باغوں کی نگہبانی وغیرہ کاموں میں نوکری کر لیا کرتے اور جو رقم مل جاتی اسے اپنے ساتھیوں پر خرچ کر دیتے۔

کہا جاتا ہے کہ ابراہیم اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ تھے۔ آپ دن کو کام کرتے اور جو کچھ کماتے اپنے ساتھیوں پر خرچ کر دیتے۔ رات ہوتی تو ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے سب روزہ رکھا کرتے تھے۔ ابراہیم اپنے کام سے دیر میں آیا کرتے۔ ایک رات ساتھیوں نے کہا۔ آؤ ہم اپنی افطاری اس کے بغیر ہی کھالیں تاکہ آئندہ سے وہ جلدی واپس آیا کرے۔ لہٰذا وہ روزہ افطار کر کے سو گئے۔ جب ابراہیم واپس آئے تو انہیں سویا ہوا پایا۔ کہنے لگے شاید ان مسکینوں کو کھانا نہیں ملا۔ گھر میں آٹا تھا۔ ابراہیم نے لے کر گوندھا اور آگ جلائی اور کوئلے جلائے۔ اس پر وہ جاگ اٹھے دیکھا کہ ابراہیم چولہا پھونک

رہے ہیں اور آپ کا رخسار زمین سے لگ رہا تھا۔ انہوں نے جب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نے سمجھا کہ تمہیں افطاری کے لئے کوئی چیز نہیں ملی۔ اس لئے تم سو گئے ہو اور خیال کیا جب انگارے روشن ہو جائیں تو تم لوگوں کو بیدار کروں۔ اس پر وہ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے ذرا غور کرو کہ ہم نے ان سے کیا برتاؤ کیا اور یہ ہم سے کیا برتاؤ کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص ابراہیم بن ادھم کی صحبت میں آتا تو آپ اسے تین شرطیں پیش کرتے (۱) خدمت وہی کریں گے (۲) اذان وہی دیں گے (۳) وہ تمام چیزیں جو اللہ تعالےٰ انہیں دے ان میں ان کا اسی قدر دخل ہو گا جس قدر کسی اور کا۔ ایک دن ان کے ایک ساتھی نے کہا: میں ان شرائط پر پابند نہیں رہ سکتا تو فرمایا۔ تمہارا سچ کہنا مجھے بہت پسند آیا ہے۔

یوسف بن حسین فرماتے ہیں کہ میں نے ذوالنون سے پوچھا کہ میں کس شخص کی صحبت اختیار کروں۔ فرمایا اس شخص کی صحبت اختیار کرو جس سے تم کسی ایسی بات کو نہ چھپاؤ جس کا تمہارے متعلق اللہ کو علم ہے۔

سہل بن عبداللہ نے ایک شخص سے کہا: اگر تو درندوں سے ڈرتا ہے تو میری صحبت میں نہ بیٹھ۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ محمد بن الحسن العلوی نے ان سے کہا کہ عبدالرحمٰن بن حمدان نے کہا کہ ابوالقاسم بن منبہ نے بیان کیا۔ بشر بن الحارث فرماتے تھے۔

بروں کی صحبت سے نیکوں کے متعلق سوءِ ظن پیدا ہوتا ہے۔

جنید فرماتے ہیں کہ جب ابوحفص بغداد میں آئے تو آپ کے ساتھ ایک گنجا شخص تھا جو ہمیشہ خاموش رہتا۔ میں نے ابوحفص کے مریدوں سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ اس شخص نے ابوحفص پر ایک لاکھ درہم خرچ کئے ہیں پھر ایک لاکھ درہم قرض لے کر خرچ کئے۔ اس کے باوجود ابوحفص نے اسے ایک کلمہ کہنے کی اجازت نہیں دی۔

ذوالنون فرماتے ہیں جب تو اللہ کی صحبت اختیار کرے تو تجھے اس کے اوامر ونواہی کی موافقت کرنی چاہیئے اور خلق کی صحبت میں ان سے خیر خواہی کرنی چاہیئے اور نفس کی صحبت میں اس کی

مخالفت کرنی چاہیئے۔ اور شیطان کی صحبت میں اس سے عداوت کرنی چاہیئے۔

کسی شخص نے ذوالنون سے پوچھا کہ میں کس کی صحبت اختیار کروں ؟ فرمایا: ایسے شخص کی صحبت اختیار کر کہ اگر تو بیمار پڑے تو وہ تیری عیادت کرے۔ اور اگر تو گناہ کرے تو تجھے معاف کرے۔ (یعنی اللہ)

میں نے استاد ابوعلی کو فرماتے سنا کہ اگر درخت خود رَو ہو اور کسی نے اُسے لگایا نہ ہو تو اُس کے پتے تو نکلیں گے مگر پھل نہ دے گا۔ یہی حال مرید کا ہے کہ اگر کوئی اس کا استاد (پیر) نہ ہوگا جو اس کی تربیت کرے۔ اس سے کوئی بات بن نہ آئے گی۔

استاد ابوعلیؒ فرمایا کرتے تھے میں نے طریقت کی راہ نصرآبادی سے لی۔ نصرآبادیؒ نے شبلیؒ سے شبلیؒ نے جنیدؒ سے۔ جنیدؒ نے سریؒ سے سریؒ نے معروف کرخیؒ سے معروف کرخیؒ نے داؤد طائیؒ سے اور داؤد طائیؒ کی ملاقات تابعین سے ہوئی۔

انہیں کو میں نے فرماتے سنا کہ میں جب بھی نصرآبادی کی مجلس میں گیا تو پہلے غسل کر لیا پھر مجلس میں حاضر ہوا۔

مرشد کا احترام

استاد ابوالقاسم فرماتے ہیں، میں بھی ابتداء میں جب کبھی استاد ابوعلی کی خدمت میں حاضر ہوا تو روزہ رکھ کر گیا اور جانے سے پہلے غسل کر لیا کرتا تھا۔ کئی بار ان کے مدرسہ کے دروازہ پر حاضر ہوتا۔ مگر دروازہ سے واپس چلا آتا۔ کیونکہ میں ان کے پاس جانے سے شرماتا تھا۔ اور اگر جرأت کر کے اندر چلا جاتا تو مدرسہ کے وسط میں پہنچتے ہی سنسنی چھا جاتی۔ یہاں تک کہ اگر مجھے سوئی بھی چبھو دی جاتی تو شاید میں اسے محسوس نہ کرتا۔ پھر اگر کسی واقعہ کے لئے جو مجھ سے سرزد ہوتا میں بیٹھ جاتا تو مجھے اپنی زبان سے سوال کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ ابھی بیٹھنے لگا ہوتا کہ خود بخود میرا واقعہ بیان کرنے لگ جاتے ہیں۔ میں نے کئی بار یہ بات اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ میں اپنے دل میں سوچا کرتا کہ اگر میرے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مخلوق کی طرف رسول بنا کر معبوث کرتا تو کیا ممکن تھا کہ میں اس رسول کی اس سے زیادہ دل سے عزت و احترام کرتا۔ جس قدر کہ میں ان کی عزت کرتا تھا۔ میرے تصور میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ باوجود اُن کی

مجلس میں کثرت سے آمد ورفت رکھنے کے، پھر اُن کے ساتھ تعلقات قائم ہو جانے کے بعد میرے دل پر یہ بات گزری ہو یا خیال ہی آیا ہو کہ میں اُن پر اعتراض کروں تاآنکہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ہم سے حمزہ بن یوسف السہمی الجرجانی نے کہا۔ اُن سے محمد بن احمد العبدی (۱۱۱۳) نے کہا ان سے ابو عوانہ (۱۱۱۴) نے کہا، اُن سے یونس (۱۱۱۵) نے کہا اُن سے خلف بن تمیم (۱۱۱۶) ابوالاحوص نے کہا کہ محمد بن النضر الحارثی (۱۱۱۷) فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ ہمیشہ بیدار و ہوشیار رہو۔ اور اپنے لئے دوست طلب کرو اور جو دوست تمہاری خوشی میں تمہارے ساتھ موافقت نہیں کرتا اسے اپنے سے دُور ہٹا دو۔ اور اس کی صحبت میں نہ رہو۔ کیونکہ وہ تمہارے دل کو سخت بنا دے گا اور وہ تمہارا دشمن ہے۔ میرا کثرت سے ذکر کرو اس سے میں تمہارا شکر کروں گا اور مزید مہربانی کروں گا۔

میں نے ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا عبداللہ بن المعلم نے کہا ابوبکر الطمستانی فرماتے تھے کہ اللہ کی صحبت اختیار کرو۔ اگر یہ نہ کر سکو تو پھر اس شخص کی صحبت اختیار کرو جسے اللہ کی صحبت حاصل ہے۔ تاکہ اسکی صحبت کی برکت سے تم اللہ عزوجل کی صحبت تک پہنچ جاؤ۔

۴۳۔ توحید (۱۱۱۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ تمہارا اللہ ایک ہی ہے ہم سے امام ابوبکر محمد بن الحسین بن فورک رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا۔ ان سے احمد بن محمود بن خرزاذ نے، ان سے مسیح بن حاتم العکلی نے، اُن سے الحجبی (۱۱۱۹) عبداللہ بن عبدالوہاب نے کہا حماد (۱۱۲۰) بن یزید نے، سعید بن حاتم العتکی سے روایت کی اور انہوں نے ابن ابی صدقہ سے سنا کہ محمد بن (۱۱۲۱) سیرین نے کہا کہ ابوہریرہ (۱۱۲۲) فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ہم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی۔ سوائے اللہ کو ایک جاننے کے اس نے اپنے گھر والوں کو کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا پھر

پیس کر آدھا حصہ خشکی میں اڑا دینا اور آدھا سمندر میں۔ ایسے دن میں جب ہوا تیز چل رہی ہو۔ گھر والوں نے اس کے مرنے کے بعد ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ جو کچھ تونے لیا ہے نکالو۔ چنانچہ وہ شخص اللہ کے سامنے پیش تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا کہ یہ جو کچھ تونے کیا، کس لئے کیا؟ اُس نے عرض کی، تم سے شرماتے ہوئے اس پر اللہ نے اسے بخش دیا۔

توحید کے معنی استاد فرماتے ہیں کہ یہ حکم لگانا کہ اللہ ایک ہے، توحید ہے۔ نیز یہ جاننا کہ کوئی چیز ایک ہے۔ یہ بھی توحید ہے۔ چنانچہ عربی کا محاورہ "وحدت" اس وقت بولا جاتا ہے جب تو کسی کو وحدانیت کی صفت کے ساتھ موصوف کرے۔ جس طرح کہتے ہیں "شجعتہ" جب تو کسی کو شجاعت کی طرف نسبت دے۔ عربی زبان میں اس کی گردان یوں ہوتی ہے۔ وَحَدَ یَحِدُ فھو واحِدٌ۔ وَاحِدٌ وَوَحِیْدٌ۔ اسی طرح جس طرح کہتے ہیں" فرد فھو فارد و فرد و فرید۔ اُحدٌ دراصل "وحدٌ" تھا۔ واؤ کو ہمزہ (الف) سے بدل دیا گیا۔ بعض اوقات واؤ مفتوحہ کو ہمزہ سے بدل دیا جاتا ہے جس طرح واؤ مکسورہ اور واؤ مضمومہ کو ہمزہ سے بدل دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اِمرأۃٌ اسماءُ بمعنی وسماءُ ہے جو وسامہ سے نکلا ہے۔

اہلِ علم کی زبان میں حق تعالیٰ سبحانہٗ کے واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس کی تعریف میں وضع و رفع نہ پایا جائے۔ یعنی وہ اشیاء کو مرکب کر کے نہ بنا ہو۔ چنانچہ جب ہم انسان کو واحد کہتے ہیں تو اس میں وضع و رفع دونوں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ہم یہ کہہ سکتے کہ وہ انسان جو ہاتھ اور پاؤں کے بغیر (۱۱۲۲) ہے۔ لہٰذا یہاں انسان سے کسی چیز کا رفع (نفی) پا یا گیا۔ لیکن جل سبحانہٗ تو یکتا ہے۔ برخلاف اس نام کے جو کسی ایسی چیز کے لئے وضع کیا گیا ہو جو چند اشیاء سے مرکب ہو۔

بعض اہلِ تحقیق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو اس کی ذات کی تقسیم ہو سکتی ہے۔ نہ اس کی ذات کی مثال ہے۔ نہ صفات کی۔ اور نہ ہی اس کے افعال اور مصنوعات میں اس کا کوئی شریک ہے۔

توحید کے اقسام

توحید کی تین اقسام ہیں (۱) توحید الحق للحق یعنی اللہ تعالیٰ کو واحد جاننا اور اوروں کو تبلانا کہ وہ واحد ہے۔

(۲) حق سبحانہ کا مخلوق کو توحید کی طرف نسبت دینا (توحید الحق سبحانہ للخلق یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اس کا فلاں بندہ موحد ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کی توحید کا خالق ہے۔

(۳) توحید الخلق للحق سبحانہ بایں معنی کہ بندے کو اس بات کا علم ہے کہ اللہ ایک ہے اور بندے کا حکم لگانا اور تبلانا کہ اللہ ایک ہے۔ توحید کی تعریف و معنی کے متعلق ہم نے یہ مختصر ذکر کر دیا ہے۔

اس تیسری قسم کی توحید کے مفہوم کے متعلق صوفیاء کے مختلف اقوال ہیں۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ محمد بن عبداللہ بن شاذان نے کہا کہ یوسف بن الحسین فرماتے تھے۔ میں نے ذوالنون مصری کو فرماتے سنا۔ اور ان سے کسی نے توحید کے متعلق سوال کیا تو فرمایا۔

توحید یہ ہے کہ تو یہ جانے کہ اشیاء میں اللہ تعالیٰ کی قدرت جاری و ساری ہے مگر طبیعت کے طور پر نہیں (بلکہ اختیار کے طور پر) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کو پیدا کرتا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کو کوئی کوشش یا زور نہیں لگانا پڑتا۔ (بلکہ جو چاہا ہو گیا) ہر چیز کی علت و سبب اس چیز کا بنانا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کاموں کی کوئی علت نہیں۔ اور تمہارے ذہن میں خواہ کسی چیز کا بھی تصور آ جائے۔ وہ اللہ کا تصور نہیں ہو گیا۔

اور میں نے انہیں سے سنا کہ احمد بن محمد بن زکریا[۱۴۳] نے ان سے احمد بن عطا نے کہا کہ عبداللہ[۱۴۴] بن صالح فرماتے تھے۔ جریری کا قول ہے۔

علمِ توحید کو بیان کرنے کے لئے وہ زبان چاہیئے جو توحید کی زبان ہو۔

توحید کے متعلق جنیدؒ کا قول

کسی نے جنیدؒ سے توحید کے متعلق پوچھا تو فرمایا:۔ جس کو تم ایک قرار دے رہے ہو (موحَّد) کمال احدیت کے ہونے ہوئے اس کی وحدانیت کی تحقیق کی وجہ سے اُسے یکتا سمجھنا توحید ہے، بایں معنی کہ وہ ایسا واحد ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا۔ نہ اسکی کوئی ضد ہے اور نہ مثال اور نہ

تشبیہ۔ یہ سب بغیر تشبیہ بغیر تکییف اور بغیر تصویر و تمثیل کے ہے۔ کوئی چیز اس جیسی نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے۔

نیز جنید فرماتے ہیں: جب عقلمندوں کی عقلیں توحید کے متعلق انتہا تک پہنچ جائیں تو ان کی انتہا حیرت پر ہوتی ہے۔

میں نے محمد بن الحسن سے سنا کہ ابوالحسین بن مقسم نے کہا، ان سے جعفر بن محمد نے کہا کہ میں نے سنا جنید سے کسی شخص نے توحید کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: کہ یہ ایک عارف باللہ کے دل کی کیفیت ہے جس میں تمام آثار مٹ جاتے ہیں اور اس میں لاتعداد معلومات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ویسا ہی رہتا ہے جیسا ازل میں تھا۔

حصری فرماتے ہیں:۔ توحید کے متعلق ہمارے پانچ اصول ہیں (۱) ہر حادث شئے کی نفی کرنا (۲) صرف خدائے قدیم کے ساتھ ہو لینا (۳) بھائی بندوں سے علیحدگی اختیار کرنا (۴) اپنے مقام و منزل سے جدا ہونا (۵) ہر معلوم و مجہول کو بھول جانا۔

میں نے منصور بن خلفؒ مغربی سے سنا وہ فرماتے تھے. میں بغداد کی جامع مسجد یعنی جامع منصور کے صحن میں تھا۔ اس وقت حصری توحید پر گفتگو کر رہے تھے کیا دیکھتا ہوں کہ دو فرشتے آسمان کی طرف لے گئے۔ ایک فرشتے نے دوسرے فرشتے سے کہا جسے یہ شخص علمِ توحید کہہ رہا ہے۔ وہ علمِ توحید نہیں۔ توحید کچھ اور ہی ہے۔ منصور مغربی فرماتے ہیں کہ میں اس وقت بیداری اور خواب کے درمیانی حالت میں تھا۔

فارسؒ[۴۲۱] فرماتے ہیں: غلبۂ حال کے وقت تمام وسائط یعنی حادث اشیاء کو ساقط کر دینا اور احکامِ خداوندی (کی بجا آوری) کے وقت پھر ان وسائط کی طرف رجوع کرنا اور یہ جاننا کہ نیکیاں کسی قسم کی قسمت کو خواہ نیک ہو، خواہ بد تبدیل نہیں کر سکتیں توحید ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ ابوبکر بن شاذان فرماتے تھے کہ میں نے شبلی سے سنا وہ فرماتے تھے۔ توحید درحقیقت موحد (اللہ) کی صفت ہے اور یہی طور پر موحد کا زیور ہے۔

جنیدؒ سے توحیدِ خاص کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا:۔ توحیدِ خاص یہ ہے کہ بندہ حق تعالےٰ کے سامنے ایک جسمِ مردہ کی طرح ہو۔ اللہ تعالیٰ کے احکام قدرت اور اس کی تدبیروں کا

تصرف اس میں جاری ہو اس کا سبب یہ ہو کہ وہ اپنے نفس سے فنا ہو چکا ہے۔ نہ اُسے یہ خبر ہو کہ مخلوق اسے پکار رہی ہے اور نہ ان کی دعوت کے قبول کرنے کا خیال پیدا ہو۔ یہ فنا نفس اس لئے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی قرب میں ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت کی حقیقت کا اسے علم ہو جائے اور فنا نفس یہ ہے کہ اس کے تمام حس و حرکت ختم ہو چکے ہوں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ ان تمام امور میں جو اس بندے سے چاہتا ہے۔ خود اس کا ضامن و کفیل ہو۔ بایں طور کہ بندے کی انتہا لوٹ کر ابتداء کی طرف آجائے اور وہ ایسا ہو جائے جیسا کہ وہ وجود میں آنے سے پہلے تھا۔

بوشنجی سے توحید کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: نہ تو اس کی ذات کسی سے مشابہ ہے اور نہ اس سے اس کی صفات کی نفی کی جا سکتی ہے۔

مَیں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے کہا کہ ابوالحسن العنبری فرماتے ہیں کہ مَیں سن رہا تھا کہ ایک شخص نے سہل بن عبداللہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات علم سے موصوف ہے۔ اسکی ذات کو کوئی اس طرح نہیں سمجھ سکتا۔ کہ اسے اس پر احاطہ حاصل ہو۔ اور نہ کوئی اسے اس دار دنیا میں آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور اسکی ذات بغیر حد بغیر احاطہ اور بغیر حلول کے حقائق ایمان کے اندر موجود ہے۔ قیامت کے دن مخلوق کی نگاہیں اللہ تعالیٰ کو اپنے ملک اور قدرت میں ظاہری طور پر دیکھیں گی۔ اور مخلوق اس کی ذات کی حقیقت معلوم کرنے سے عاجز ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کے ساتھ اپنی ذات کا پتہ بتا دیا ہے۔ چنانچہ دل اسے پہچانتے ہیں۔ مگر عقلیں اسکا ادراک نہیں کر سکتیں۔ مومنین اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ مگر نہ تو اس کی ذات کا احاطہ کر سکیں گے اور نہ اس کی انتہا کو پا سکیں گے۔

جنید فرماتے ہیں کہ توحید کے متعلق بہترین قول وہ ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو اپنے جاننے کی صرف ایک راہ بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اس کی معرفت سے عاجز ہے۔

استاد ابوالقاسم فرماتے ہیں (مذکورہ بالا مقولہ میں) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ محققین کے نزدیک انسان کا

عجز موجود چیز کے متعلق ہوتا ہے نہ کہ معدوم چیز کے متعلق۔ مثلاً اپاہج بیٹھنے کی صفت سے (جو موجود تو ہے مگر) اسے بطور کسب اور فعل کے حاصل نہیں عاجز ہوتا ہے۔ حالانکہ بیٹھنے کی صفت اس میں موجود ہوتی ہے۔ یہی حال عارف (باللہ) کا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی معرفت سے عاجز ہوتا ہے۔ حالانکہ معرفت اس میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ (عارف) کے لئے معرفت کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا اُن لوگوں کے نزدیک آخر کار معرفت الٰہی کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور معرفت کسبیہ جو ابتداء میں حاصل ہوتی ہے اگرچہ وہ بھی درحقیقت معرفت ہی ہوتی ہے مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معرفت ضروریہ کے مقابلہ میں کوئی شئے شمار نہیں کیا۔ بعینہٖ اس چراغ کی طرح جس پر سورج طلوع ہو کر اپنی روشنی ملا لے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ احمد بن سعید[۱۲۷] البصری الکوفی نے کہا کہ ابن الاعرابی فرماتے تھے کہ جنید نے فرمایا کہ وہ توحید جو صوفیاء کا طرۂ امتیاز ہے۔ تمام اشیاء حادث کو چھوڑ کر خدائے قدیم کے ساتھ مشغول ہونا، وطن (خواہ حسی ہو جیسے مکان خواہ معنوی مثلاً مقام و مرتبہ) سے نکلنا۔ نفس کی محبوب اشیاء سے منقطع ہو جانا اور معلوم و مجہول شئے کا ترک کر دینا اور حق تعالیٰ کا ان تمام کی جگہ لے لینا۔

یوسف بن حسین فرماتے ہیں جو بحر توحید میں پڑ جاتا ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے اس کی پیاس بڑھتی جاتی ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں۔ علمِ توحید کچھ اور چیز ہے اور وجودِ توحید کچھ اور نیز وجود توحید علمِ توحید سے جدا ہوتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں:۔ علمِ توحید کی بساط تو بیس سال سے لپیٹی جا چکی ہے اور اب لوگ تو اس کے (بیرونی) کناروں کے متعلق بحث کر رہے ہیں۔

مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ محمد بن احمد[۱۲۸] الاصبہانی فرماتے تھے کہ ایک آدمی نے حسین بن منصور کے پاس آکر سوال کیا:۔ وہ حق (تعالیٰ) کون ہے جس کی طرف لوگ اشارہ کرتے ہیں؟ فرمایا:۔ جو سب کی علت ہے مگر اس کی علت کوئی نہیں۔

انہیں کو میں نے فرماتے سنا کہ منصور بن عبداللہ فرمانے تھے کہ میں نے شبلی کو فرماتے سنا کہ جو علم توحید کے ایک ذرہ سے بھی باخبر ہو گیا۔ اس پر اس قدر بوجھ پڑ گیا کہ اب وہ ایک مچھر کا بوجھ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

میں نے ابوحاتم السجستانی سے سنا کہ ابونصر السراج فرماتے تھے کہ شبلی سے کسی نے سوال کیا۔ حق مفرد کی زبان میں توحید مجرد کیا ہے؟ فرمایا تجھ پر افسوس ہے۔ جس شخص نے توحید مجرد کو عبادت والفاظ میں بیان کیا وہ ملحد ہے جس نے توحید مجرد کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ثنوی (دو خداؤں کا ماننے والا) ہے اور جس نے ایما و اشارہ سے کام لیا وہ بت پرست ہے اور جس نے توحید کے بارے میں گفتگو کی وہ غافل ہے اور جو خاموش رہا وہ جاہل ہے جس نے یہ خیال کیا کہ وہ توحید تک پہنچ چکا ہے تو سمجھ لو کہ اُسے کچھ حاصل نہیں ہوا جس نے وجد کا اظہار کیا وہ استغراق کو کھو چکا ہے۔ ہر چیز جس کا تم اپنے وہم وگمان سے امتیاز کر سکو اور اپنے عقلوں کے ذریعہ سے پورے معانی کے ساتھ تم اُسے پالو وہ درحقیقت اللہ سے الگ ہے اس کا تعلق تمہارے ساتھ ہے وہ تمہاری طرح محدث اور مصنوع چیز ہے۔

یوسف بن حسین فرماتے ہیں: خاص لوگوں کی توحید یہ ہے کہ بندہ اپنے باطن وجد اور دل میں اپنے آپ کو ایسا سمجھے جیسے وہ حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے تصرفات اور قدرت کے احکام جاری ہیں۔ وہ بحرِ توحید میں مستغرق ہے اس لئے وہ اپنے نفس سے فانی ہو چکا ہے اور اس کا احساس جاتا رہا ہے۔ کیونکہ حق سبحانہٗ اس کے متعلق جو ارادہ رکھتا ہے (اس کو پورا کرنے کا) خود ضامن ہے۔ اس طرح بندے کی وہی حالت ہو گی جو حق سبحانہ کے حکم کے جاری ہونے سے پہلی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ توحید حقیقی تو حق سبحانہ وتعالیٰ کا حق ہے اور مخلوق کی حیثیت تو ایک طفیلی کی سی ہے۔

نیز کہا جاتا ہے کہ "ی" کا نفی کر دینا توحید ہے۔ لہٰذا یوں مت کہو "لی" (میرا) "بی" (میری وجہ سے) "منی" (مجھ سے) اور "الی" (میری طرف)

کسی نے ابوبکر طمستانی سے سوال کیا کہ توحید کیا ہے؟ فرمایا تین چیزیں ہیں۔ توحید

مُوَحَّد اور مُوَحِّد۔

رویم فرماتے ہیں۔ دِل سے بشریت کے آثار کا مٹا دینا اور دل کا اُلوہیت کے ساتھ مشغول ہونا توحید ہے۔

مَیں نے استاد ابو علی دقاق کو آخر عمر میں فرماتے سنا۔ اس وقت ان کی بیماری شدت اختیار کر چکی تھی۔ جب کسی بندے پر احکام خداوندی کی تقدیر جاری ہو رہی ہو۔ اس وقت اگر وہ توحید پر ثابت قدم رہے تو یہ اس کی علامت ہے کہ تائیدِ ایزدی اس بندے کو حاصل ہے۔ پھر انہوں نے اس کی مزید تشریح فرماتے ہوئے اپنی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی قینچی سے احکام کے جاری کرنے میں تجھے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دے اور تو اس پر بھی حامد و ثنا کر رہے تو یہ توحید ہے۔

شبلی فرماتے ہیں جس شخص کو اس بات کا تصور بھی آجائے کہ اس کے پاس توحید ہے اس نے توحید کی بُو نہیں سُونگھی۔

ابو سعید خراز فرماتے ہیں جس شخص نے علمِ توحید کو پا لیا اور یہ مقام اُسے حاصل ہو گیا تو اُس کے لئے پہلا مقام یہ ہے کہ تمام اشیاء کا ذکر اس کے دِل سے فنا ہو جائے اور وہ یک سو ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جائے۔

شبلیؒ نے ایک شخص سے فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے کہ تمہاری توحید صحیح کیوں نہیں ہوئی؟ اس نے عرض کیا: مجھے تو معلوم نہیں۔ فرمایا: اس لئے کہ تو توحید کو اپنی ذات کے ذریعہ اور اپنی قوت سے طلب کرنا چاہتا ہے۔

ابنِ عطاؒ فرماتے ہیں: حقیقی توحید کی علامت یہ ہے کہ بندہ توحید کو بھول جائے اس طرح کہ دِل میں صرف ایک خدا ہی خدا بس رہا ہو۔ (نہ توحید کا خیال ہو۔ نہ کسی اور چیز کا)

کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کی توحید میں یہ حالت ہوتی ہے کہ تمام افعال اس پر منکشف ہو جاتے ہیں اور وہ تمام حادثات کو دیکھتا رہتا ہے کہ یہ اللہ کے حکم سے کس طرح صادر ہوتے ہیں اور بعض لوگوں پر حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ اور اللہ کے سوا ہر چیز کے لئے اس کے

احساسات مضمحل ہو جاتے ہیں۔ یہ شخص باطن میں تو "جمع" کے طور پر مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے اور ظاہر میں "تفرقہ" کے طور پر۔

میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا کہ علی بن (۱۱۲۹) محمد القزوینی نے کہا کہ القنا د فرماتے تھے۔ کہ کسی نے جنیدؒ سے توحید کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: میں نے کسی کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا

وغنی لی مُنیٰ قلبی ۔۔۔ وغنیت کما غنیٰ
وکُنا حیثُما کانوا ۔۔۔ وکانوا حیثُما کنا

میرے دل نے گا کر میری آرزوؤں کا ذکر کیا۔ میں نے بھی اسی طرح الاپنا شروع کر دیا۔ جہاں وہ تھے۔ میں بھی وہاں ہو لیا۔ اور جہاں ہم تھے وہ بھی وہاں ہو لئے۔

یہ سن کر سائل نے کہا:۔ کیا قرآن و حدیث مٹ چکی ہیں؟ (کہ تو ان اشعار سے استدلال کر رہا ہے) شبلیؒ نے جواب دیا۔ نہیں۔ مگر موحد کی یہ حالت ہوتی ہے کہ معمولی سے خطاب سے بھی اعلیٰ درجہ کی توحید حاصل کر لیتا ہے۔

۴۴۔ دنیا سے (۱۱۳۰) جاتے ہوئے صوفیائی حالت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اَلَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيۡنَ۔ جن کی روح فرشتے قبض کرتے ہیں۔ اور وہ خوش ہوتے ہیں۔

یعنی اُن کے نفس اپنی جانوں کو دے دینے پر خوش ہوتے ہیں۔ انھیں اپنے مولیٰ کیطرف لوٹ کر جانا ناگوار محسوس نہیں ہوتا۔

ہم نے عبداللہ بن یوسف اصبہانی سے سنا کہ ابوالحسن علی بن (۱۱۳۱) محمد بن عقبہ الشیبانی الکوفی نے کہا کہ ہم سے خضر بن آبان الہاشمی نے بیان کیا کہ ابوہدبہ نے انس بن مالک سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ موت اور سکرات کی تکلیف جھیلتا رہتا ہے۔ اور اس کے جوڑ ایک ایک کر کے ایک دوسرے کو سلام کہتے ہوتے ہیں کہ قیامت تک تم میں اور مجھ میں اب جدائی ہے۔

ہم سے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی نے کہا کہ ابوالعباس الاصم[۱۲۲] نے کہا کہ خضر بن آبان الہاشمی نے بتایا کہ سوار[۱۲۳] نے کہا کہ جعفر[۱۲۴] نے بیان کیا کہ ثابت[۱۲۵] نے انس سے روایت کی :۔

ایک نوجوان نزع کی حالت میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ۔ آپ نے پوچھا :۔ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو ؟ اس نے جواب دیا :۔ اللہ سے امید بھی ہے اور اپنے گناہوں کا خوف بھی۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ اس موقعہ پر جس مومن کے دل میں یہ دونوں باتیں (خوف ورجا) جمع ہو جائیں۔ اللہ اسے اس کی خواہش دے دیتا ہے۔ اور اُسے خوف سے محفوظ کر دیتا ہے۔

استادؒ فرماتے ہیں کہ یاد رکھیں کہ نزع کے وقت صوفیاء کے مختلف حالات ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض پر ہیبت اور خوف کا غلبہ ہوتا ہے اور بعض پر رجاء کا۔ بعض پر ایسی حالت میں وہ حالات منکشف ہو جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے اُسے سکون حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اللہ پر خوب بھروسہ کرتا ہے۔

ابو محمد جریریؒ حکایت کرتے ہیں کہ میں جنید کے پاس موجود تھا۔ جبکہ وہ نزع کی حالت میں تھے۔ یہ دن جمعہ اور نوروز کا دن تھا۔ جنید اس وقت بھی قرآن پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ انھوں نے قرآن ختم کیا۔ میں نے عرض کی اے ابوالقاسم ! اس حالت میں بھی ! فرمایا :۔ مجھ سے بڑھ کر کون اس کا حقدار ہو سکتا ہے ؟ جب کہ میرا صحیفۂ اعمال لپٹیا جا رہا ہے۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابونصر السراج فرماتے ہیں کہ مجھے ابو محمد ہرویؒ سے یہ روایت پہنچی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس رات شبلیؒ کی وفات ہوئی۔ میں اُن کے پاس تھا۔ آپ رات بھر یہی دو شعر پڑھتے رہے۔

كُلُّ بَيْتٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ ۔۔۔ غَيْرُ مُحْتَاجٍ إِلَى السُّرُجِ

وَجْهُكَ الْمَأْمُولُ حُجَّتُنَا ۔۔۔ يَوْمَ يَأْتِي النَّاسُ بِالْحُجَجِ

اے باری تعالےٰ ! جس گھر (دل) میں تو ساکن ہو اس گھر کو کسی اور روشنی کی ضرورت نہیں۔ اس دن جب کہ لوگ اپنی اپنی حجت لے کر آئیں گے۔ تمہارا چہرہ (جس کے دیکھنے کی ہیں) اُمید ہے ہماری حجت ہو گی۔

عبداللہ بن منازلؒ سے حکایت کی گئی ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ حمدون قصار نے اپنے مریدوں کو حکم دیا تھا کہ موت کے وقت انھیں عورتوں میں نہ چھوڑا جائے۔

جب بشر حافیؒ کی وفات کا وقت آگیا تو کسی نے عرض کیا: اے ابونصر! شاید آپ زندگی کو پسند کرتے ہیں؟ تو فرمایا:۔ اللہ عزوجل کے حضور میں جانا بہت سخت ہے۔

کہتے ہیں کہ جب کبھی سفیان ثوری کا کوئی شاگرد سفر کو جاتے وقت آپ سے عرض کرتا کہ حضرت کوئی کام فرمایئے، تو فرماتے۔ اگر تمہیں کہیں موت مل جائے تو میرے لئے خرید لانا۔ جب اُن کی وفات کا وقت آگیا تو فرمایا:۔ ہم اس کی تمنا کیا کرتے تھے۔ دیکھا تو یہ بہت سخت چیز ہے۔

کہتے ہیں کہ جب حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب کی وفات کا وقت آگیا تو آپ رو پڑے۔ آپ سے کسی نے پوچھا:۔ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا میں ایسے آقا کے حضور میں جا رہا ہوں جسے میں نے کبھی دیکھا نہیں ہے۔

جب بلالؓ کی وفات کا وقت آگیا تو ان کی بیوی نے کہا:۔ "واحزناہُ" (ہائے غم) بلال نے کہا: نہیں بلکہ "وَاطرَباہُ" (ہائے خوشی)

غداً نلقی الاحبّہ محمّداً وحزبہٗ

میں کل ہی دوستوں سے ملوں گا۔ یعنی محمدؐ اور آپ کی جماعت سے۔

کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک نے موت کے وقت آنکھیں کھولیں اور ہنسے اور فرمایا:۔ لِمثلِ ھٰذا فَلیَعْمَلِ العامِلوْنَ (عمل کرنے والوں کو ایسے عمل کرنے چاہئیں۔)

کہتے ہیں کہ مکحول شامی پر حزن کی کیفیت غالب تھی۔ لوگ مرض موت میں اُن کے پاس گئے تو وہ ہنس رہے تھے۔ کسی نے ہنسی کا سبب پوچھا تو فرمایا:۔ میں اب کیوں نہ ہنسوں جبکہ اب اس شخص (شیطان یا ہوا نفس) سے جدائی کا وقت آگیا ہے۔ اور جس خدا سے میری اُمیدیں وابستہ تھیں اس کے پاس عنقریب پہنچ رہا ہوں۔

رویمؒ فرماتے ہیں:۔ میں ابوسعید خرازؒ کی وفات کے وقت موجود تھا۔ وہ اپنے آخری دموں میں کہہ رہے تھے:۔

حَنِیْنَ قُلُوْبِ الْعَارِفِیْنَ اِلَی الذِّکْرِ ۔۔۔ وَتِذْکَارُھُمْ وَقْتَ الْمُنَاجَاۃِ بِالسِّرِّ

اُدِیْرَتْ کُؤُوْسٌ لِلْمَنَایَا عَلَیْھِمِ ۔۔۔ فَاَعْفَوْا عَنِ الدُّنْیَا کَاِغْفَاءِ ذِی السُّکْرِ

ھُمُوْمُھُمْ جَوَّالَۃٌ بِمُعَسْکَرِ ۔۔۔ بِہٖ اَھْلُ وَدِّ اللّٰہِ کَالْاَنْجُمِ الزُّھْرِ

فَاَجْسَامُھُمْ فِی الْاَرْضِ قَتْلٰی بِحُبِّہٖ ۔۔۔ وَاَرْوَاحُھُمْ فِی الْحُجْبِ نَحْوَ الْعُلَا تَسْرِیْ

فَمَا عَرَّسُوْا اِلَّا بِقُرْبِ حَبِیْبِھِمْ ۔۔۔ وَمَا عَرَّجُوْا عَنْ مَسِّ بُؤْسٍ وَّلَا ضُرٍّ

عاشقوں کے دل اپنے محبوب کے ذکر کے مشتاق ہوتے ہیں۔ اور مناجات کے وقت بھی اُن کی یاد اسی راز کے لئے ہے۔ جو اُن کے محبوب کے درمیان ہوتا ہے۔

موت کے پیالے کا دَور جب اُن پر چلا تو وہ دنیا سے اس طرح غافل ہوتے جس طرح کہ ایک مست اپنے نشے میں غافل ہوتا ہے۔

اُن کے افکار ایسے لشکرگاہ میں جولانی کرتے رہتے ہیں جہاں اللہ سے دوستی رکھنے والے روشن ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔

اُن کے جسم زمین میں اس کی محبت میں مشغول ہو چکے ہیں۔ مگر اُن کی رُوحیں پردوں میں بلندی کی طرف جاتی ہیں۔ یہ لوگ محبوب کے قریب پہنچ کر ہی ڈیرہ ڈالتے ہیں۔ اور کسی قسم کی تکلیف یا مصیبت سے ڈر کر یہ راستہ میں قیام نہیں کرتے۔

کسی نے جنیدؒ سے کہا کہ ابوسعید خراز موت کے وقت بہت وجد میں تھے۔ جنیدؒ نے فرمایا:۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ کہ اُن کی رُوح شوق سے اڑنے لگی ہو۔

کسی صوفی کی وفات کا وقت قریب آیا تو کہا:۔ لڑکے! میرے کندھے باندھ دو۔ اور میرے رخساروں کو خاک آلود کر دو۔ اس کے بعد کہا:۔ کوچ کا وقت آگیا ہے اور میں گناہ سے پاک نہیں ہوں۔ اور نہ ہی کوئی عذر ہے کہ پیش کر سکوں۔ اور . . . . نہ طاقت ہے کہ مقابلہ کر سکوں۔ اے خدا! تو ہی میرے لئے ہے۔ اس کے بعد ایک چیخ ماری۔ اور مر گیا۔ پھر ایک آواز سنائی دی کہ اس بندے نے اپنے آقا کے سامنے عاجزی کی اور آقا نے قبول کر لیا۔

ذوالنون مصریؒ سے موت کے وقت کہا گیا کہ آپ کی کیا خواہش ہے؟ تو فرمایا:۔

میری خواہش یہ ہے کہ مرنے سے پہلے ایک لحظہ کے لئے میں اسے پہچان لوں۔

کسی صوفی کو نزع کی حالت میں کہا گیا کہ کہیں "اللہ"۔ انھوں نے جواب دیا تم کب تک مجھے یہ بات کہے جاؤ گے۔ حالانکہ میں تو اللہ کی خاطر جل رہا ہوں۔

ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں ممشاد دینوری کے پاس تھا کہ ایک فقیر آیا اور اس نے السلام علیکم کہا۔ سب نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہنے لگا۔ کیا کوئی پاک و صاف جگہ یہاں ہے۔ جہاں انسان مر سکے۔ لوگوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں ایک پانی کا چشمہ تھا۔ فقیر نے از سر نو وضو کیا اور جتنی دیر تک چاہا نماز پڑھتا رہا۔ پھر جس جگہ کی طرف اشارہ کیا تھا کہ وہ جگہ پاک و صاف ہے۔ وہاں جاکر اس نے اپنی ٹانگیں پھیلائیں اور مر گیا۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک دن ابو العباس[۲۳۶] دینوری اپنی مجلس میں گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک عورت نے وجد میں آکر چیخ ماری۔ آپ نے فرمایا: مرجا۔ دینوری کے یہ الفاظ سن کر عورت اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب گھر کے دروازہ پر پہنچی تو اس نے مڑ کر دیکھا اور کہا۔ میں تو مری۔ یہ کہہ کر گری اور مر گئی۔

ایک صوفی فرماتے ہیں کہ میں ممشاد دینوری کی وفات کے وقت اُن کے پاس تھا۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ بیماری کو کیسا پاتے ہیں۔؟ پھر کسی نے کہا " لا الٰہ الّا اللہ"، کہیئے اس پر آپ نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف کر دیا۔ اور کہا: میں نے اپنے آپ کو ہمہ تن تمہاری خاطر فنا کر دیا۔ کیا تم سے محبت رکھنے والوں کی یہی جزاء ہے؟

جب ابو محمد دبیلی کی وفات کا وقت آگیا تو کسی نے آپ سے کہا: " لا اِلٰہ اِلّا اللہ"، کہیئے تو فرمایا: اسی چیز کو تو ہم نے پہچانا ہے اور اسی پر ہم فنا ہوں گے۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا:

تَسَرْبَلَ ثَوبَ التِیهِ لمّا هَوِيتُهُ — وَصَدَّ ولَمْ يَرْضَىٰ بانْ أَكُ عَبدَهُ

جب میں محبوب پر عاشق ہو گیا۔ تو وہ اکڑ گیا۔ اور اس نے مجھ سے منہ موڑ لیا۔ اور مجھے اپنا غلام بنانے پر بھی راضی نہ ہوا۔

قال سُلطانُ حُبّهِ — أَنا لا أَقبَلُ الرُّشا

فَسَلُوهُ بِحَقِّهِ — لِمْ بِقَتْلِي تَحَرَّشا

محبوب کے عشق کے بادشاہ نے کہاکہ میں رشوت قبول نہیں کیا کرتا۔ اس کو جان کی قسم دے کر پوچھو کہ وہ میرے قتل کے کیوں درپے ہے۔

مَیں نے محمد بن احمد بن محمد الصوفی سے سُنا کہ انھوں نے عبد اللہ بن علی التیمی سے سنا کہ احمد بن عطاء نے کہا کہ بعض فقراء فرما رہے تھے۔ کہ جب یحییٰ اصطخری کی وفات ہوئی۔ تو ہم اُن کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ ہم میں سے ایک شخص نے انھیں کہا "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ" کہیے۔ اس پر سیدھے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور ایک کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ" کہو۔ یہاں تک کہ ایک ایک کر کے تمام حاضرین کو کلمۂ شہادت پڑھایا۔ اور پھر وفات پائی۔

اُبو علی رودباریؒ کی ہمشیرہ فاطمہ سے حکایت کی گئی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب میرے بھائی ابو علی رودباری کی وفات کا قریب آیا۔ اور اُن کا سر میری گود میں تھا کہ انھوں نے آنکھیں کھولیں اور کہا: یہ لو آسمان کے دروازے کھل گئے۔ اور جنت کو آراستہ کر دیا گیا اور اب کہنے والا مجھے کہہ رہا ہے۔

اُبو علی ہم نے تجھے انتہائی رتبہ تک پہنچا دیا۔ اگر چہ تم یہ نہیں چاہتے تھے۔ اُس کے بعد یہ اشعار پڑھے :۔

وَحَقِّكَ لا نظرتُ الیٰ سِوَاکا ۔۔۔ بِعَیْنِ مَوَدَّۃٍ حَتّیٰ اَرَاکَا

اَرَاکَ مُعَذِّبِیْ بِفُتُوْرِ لَحْظٍ ۔۔۔ وَبِالْخَدِّ الْمُوَرَّدِ مِنْ جَنَاکَا

تمہاری جان کی قسم مَیں نے تمہارے سوا کسی کی طرف محبت بھری نگاہ سے نہیں دیکھا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ تو مجھے اپنی مست نگاہوں اور گلاب جیسے رخساروں کے ساتھ عذاب دے رہا ہے۔ اس کے بعد فرمایا :۔ فاطمہ! پہلا شعر تو ظاہر ہے مگر دوسرے شعر میں اشکال ہے۔

مَیں نے ایک فقیر کو کہتے سُنا کہ جب احمد بن نصر رحمۃ اللہ کی وفات کا وقت قریب آ گیا۔ تو کسی نے اُن سے کہا: "اشھد لا الٰہ الا اللہ کہیے۔ احمد بن نصر نے اس شخص کی طرف دیکھا۔ اور کہا: "بے حرمتی مکن"۔ بزرگوں کی بے ادبی نہ کرو۔

ایک صوفی کہتا ہے کہ مَیں نے ایک فقیر کو مسافرت کی حالت میں مرتے دیکھا اور مکھیاں

اُس کے چہرہ پر پڑی ہوئی تھیں۔ مَیں بیٹھ کر مکھیوں کو ہٹانے لگ گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کہا کون ہے؟ مَیں اتنے سالوں سے ایسے وقت کی تلاش میں تھا کہ مجھے خالص اللہ کے ساتھ وقت مل جائے۔ اب کہیں جا کر وہ وقت ملا ہے اور تو آ کر درمیان میں گھس رہا ہے۔ جا اپنا کام کر۔ خدا تجھے عافیت دے۔

ابو عمران اصطخری فرماتے ہیں: مَیں نے ابو تراب کو جنگل میں مردہ اور کھڑا دیکھا۔ کسی چیز کا آپ کو سہارا نہیں تھا۔

مَیں نے ابو حاتم السجستانی کو فرماتے سنا کہ انھوں نے ابو نصر سراج کو فرماتے سنا کہ ابو الحسن نوری کی وفات کا سبب یہ ہُوا کہ انھوں نے یہ شعر سُنا۔

لَا زِلْتُ اَنْزِلُ مِنْ وِدَادِكَ مَنْزِلاً　　تَتَحَيَّرُ الْاَلْبَابُ عِنْدَ نُزُوْلِهِ

(مَیں ہمیشہ تمہاری محبت میں ایسے مقام پر اُترتا رہا ہوں جہاں اُترتے ہوئے عقلیں متحیر ہو جاتی ہیں) اور انھیں وجد آ گیا اور جنگل کو نکل گئے۔ وہاں ایک نیستان تھا۔ جو ابھی ابھی کاٹا گیا تھا۔ اور اُن پودوں کی جڑیں تلوار کی طرح کھڑی تھیں۔ آپ اُن پر چلتے گئے اور یہ شعر صبح تک دہراتے گئے۔ خون آپ کے پاؤں سے جاری تھا۔ پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آپ کے پاؤں سورج گئے اور پھر مر گئے۔

حکایت کی گئی ہے کہ اُنھیں نزع کے وقت کہا گیا لاالٰہ الّا اللہ" پڑھئے۔ تو فرمایا۔ کیا میں اسی کی طرف نہیں لوٹ رہا ہوں۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم خواص رے کی جامع مسجد میں بیمار پڑے۔ انھیں اسہال کی شکایت تھی۔ وہ جب بھی قضاء ضروری کے لئے جاتے تو پانی میں جاتے اور وضو کرتے۔ ایک بار پانی میں داخل ہوئے تو اُن کی رُوح پرواز کر گئی۔

مَیں نے منصور مغربیؒ کو فرماتے سنا کہ یوسف بن حسین خواص کی عیادت کو آئے۔ اس سے پہلے کئی دنوں تک وہ اُن کی عیادت کو نہ آئے تھے اور نہ اُن کی خبر گیری کی تھی۔ خواص کو دیکھ کر پوچھا۔ کیا آپ کو کسی چیز کی خواہش ہے؟ خواص نے جواب دیا ہاں بھنے ہوئے جگر کا ٹکڑا چاہتا ہوں۔

اُستاد ابوالقاسم فرماتے ہیں :۔ شاید ابراہیم خواص کا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُن کا مقصد یہ تھا کہ مَیں ایک ایسا دل چاہتا ہوں جو کسی فقیر پر ترس کھائے اور ایسا جگر چاہتا ہوں جو کسی اجنبی کے لئے بھنے اور جلے۔ کیوں کہ وہ یوسف بن حسین کو بے وفا سمجھے کہ انھوں نے اُن کی خبر نہ لی۔

کہتے ہیں کہ ابنِ عطا کی موت کا سبب یہ ہوا کہ وہ وزیر کے پاس گئے۔ تو وزیر نے اُن سے درشت کلامی کی۔ اس پر ابن عطاء نے کہا۔ ارے۔ آرام سے بات کر۔ اس پر وزیر نے حکم دیا کہ اس کے جُوتے اُن کے سر پر مارے جائیں۔ اس سے ان کی وفات ہوگئی۔

میں نے محمد بن احمد الصوفی سے سنا کہ عبداللہ بن علی التیمی نے کہا کہ ابوبکر الدقی فرماتے تھے کہ ہم صبح کے وقت ابوبکر وقاق کے پاس تھے۔ تو انھوں نے فرمایا۔ تو مجھے یہاں کب تک رکھے گا۔ ابھی دوسرا دن نہ ہوا تھا کہ اُن کی وفات ہوگئی۔

ابوعلی رودباری سے حکایت کی گئی کہ انھوں نے جنگل میں ایک نوجوان کو دیکھا۔ جب اُس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا :۔ کیا اس کے لئے اتنا کافی نہیں۔ کہ اس نے مجھے اپنے عشق میں مبتلا کر رکھا ہے۔ پھر اب مزید یہ کہ اس نے مجھے بیمار بھی کر دیا ہے۔ اس کے بعد مَیں نے دیکھا کہ اُس کی جان نکل رہی تھی۔ تو مَیں نے اسے کہا۔ لاالٰہ الاّ اللہ کہو۔ اس نے اس پر یہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے۔

أیا مَن لیس لی عنہ   وَاِن عذّبنی بُدٌّ
ویا من نال من قلبی   منا لا مالہ حَدٌّ

اے وہ محبوب جس سے مجھے کوئی چھٹکارا نہیں۔ خواہ وہ مجھے دُکھ ہی کیوں نہ دے۔ اور اے وہ جس نے میرے دل سے اپنا مقصد اس قدر حاصل کر لیا ہے۔ جس کی کوئی حد نہیں۔

جنیدؒ سے کہا گیا: لاالٰہ الاّ اللہ کہیئے۔ تو فرمایا :۔ میں اُسے بھولا نہیں ہوں کہ اُسے یاد کروں اور کہا :۔

حاضر فی القلب یعمرہ   لست انساہ فاذکرہ
فھو مولای و معتمدی   ونصیبی منہ اوفرہ

وہ تو دل میں حاضر ہے اور دل کو آباد کر رہا ہے ۔ میں اُسے بھولتا نہیں ہوں کہ یاد کروں ۔ وہ میرا آقا اور سہارا ہے اور مجھے اس سے وافر حصہ ملتا ہے ۔

مَیں نے محمد بن احمد الصوفی سے سنا کہ عبد اللہ ابن علی التمیمی فرماتے تھے کہ جعفر بن نصیر نے بکران الدینوی سے پوچھا اور یہ شبلیؒ کی خدمت کیا کرتے تھے ۔ تم نے ان میں کون سی بات دیکھی ؟ تو فرمایا : شبلیؒ نے مجھے بتایا کہ میرے ذمے ایک درہم تھا ۔ جو ناحق اور ناجائز طور پر میرے پاس تھا ۔ (مگر مجھے اس کا مالک نہ ملا) اور مَیں نے اس کے مالک کی طرف سے ہزاروں درہم خیرات کر دیئے ۔ بس اس سے بڑھ کر کوئی فکر مجھے لاحق نہیں ہو سکتی ۔ اُس کے بعد فرمایا : مجھے نماز کے لئے وضو کرا دو ۔ مَیں نے ایسا ہی کیا ۔ مگر داڑھی کا خلال کرنا بھول گیا ۔ اس وقت اُن کی زبان بند ہو چکی تھی ۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا ۔ اور اسے اپنی داڑھی میں داخل کیا ۔ پھر مر گئے ۔ یہ کہہ کر جعفر رو پڑے اور کہا ۔ تم ایسے شخص کے متعلق کیا کہتے ہو ۔ جس سے آخر وقت میں بھی شریعت کا کوئی ادب نہیں چھوٹا ۔

مَیں نے عبد اللہ بن یوسف الاصبہانی سے سنا کہ ابو الحسین بن عبد اللہ الطرسوسی نے کہا کہ علوش الدینوری فرماتے تھے کہ مَیں نے مزین کبیر کو فرماتے سنا کہ وہ مکہ میں تھے کہ مجھے سخت بیقراری لاحق ہوئی ۔ مَیں وہاں سے نکل کر مدینہ کو روانہ ہو گیا ۔ جب بئر میمونہ[۳۸۱] پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان گرا پڑا ہے ۔ میں اس کی طرف گیا ۔ دیکھا تو وہ نزع کی حالت میں تھا ۔ میں نے اُسے کہا : ۔ لا الٰہ الا اللہ کہو ۔ اس پر اُس نے آنکھیں کھولیں اور یہ شعر پڑھنے لگا : ۔

أَنَا اِنْ مِتُّ فَالْهَوىٰ حَشْوُ قَلْبِيْ   وَبِدَاءِ الْهَوىٰ يَمُوْتُ الْكِرَامُ

مَیں اگر مر بھی جاؤں (تو کوئی بات نہیں) کیونکہ عشق دل کو پُر کر چکا ہے اور شرفاء مرض عشق سے ہی وفات پاتے ہیں ۔ اس کے بعد اس نے چیخ ماری اور مر گیا ۔ مَیں نے اسے غسل دیا اور کفن پہنایا ۔ اور اس کی نماز جنازہ پڑھی ۔ جب اسے دفن کر چکا تو سفر کا ارادہ جو دل کو بے قرار کئے ہوئے تھا ۔ ساکن ہو گیا ۔ لہٰذا میں مکہ کو واپس چلا آیا ۔

ایک صوفی سے پوچھا گیا : ۔ تو موت کو پسند کرتا ہے ۔ تو اُس نے جواب دیا : ایسے خدا کے پاس آنا جس کی نیکی کی اُمید ہو سکتی ہے ۔ ان لوگوں کے پاس رہنے سے بہتر ہے ۔ جن

لگے شرکا ہر وقت خطرہ رہے۔
جنیدؒ سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے استاد ابن الکرنبی کے پاس تھا۔
اُن کی رُوح قبض ہو رہی تھی۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ تو انھوں نے فرمایا: بہت بعد
ہے۔ پھر میں نے زمین کی طرف دیکھا۔ تو انھوں نے فرمایا: بہت بُعد ہے۔ اُن کی مراد یہ تھی کہ
اللہ تعالیٰ بجائے اسکے کہ تو آسمان یا زمین کی طرف دیکھے۔ تمہارے بہت قریب ہے۔ بلکہ
اللہ تعالیٰ تو کون و مکان کے وجود سے بھی پہلے سے ہے۔
میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابونصر الطوسی نے کہا کہ ہمارے بعض دوست فرماتے
تھے کہ ابویزید نے اپنی وفات کے وقت یہ الفاظ کہے:۔

مَاذَکَرْتُکَ اِلَّا عَنْ غَفْلَۃ وَلَا تَبَضْتَنِیْ اِلَّا عَلیٰ فَتْرَۃ

اے خدا! میں نے جب بھی تم کو یاد کیا تو غفلت پیدا ہو جانے کی وجہ سے (ورنہ تمہاری یاد
تو ہر دم ہر لحظہ رہتی ہے) اور تو نے جب بھی مجھ سے گرفت کی تو سستی کی وجہ سے۔
میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابونصر السراج نے کہا کہ وجیہی نے اُن سے کہا کہ ابوعلی
الرّودباری فرماتے تھے کہ میں مصر گیا تو وہاں لوگوں کا ایک جمگھٹا دیکھا۔ انھوں نے بتایا کہ ہم ایک
نوجوان کے جنازہ میں تھے جس نے کسی کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا:۔

کبرت ھمۃ عبد طمعت فی ان تراکا

اس بندے کی ہمت کتنی بڑی ہے جو تمہیں دیکھنے کی خواہش کرتا ہے۔ یہ سُن کر اُس نے
ایک چیخ ماری اور مر گیا۔
کہتے ہیں کہ کچھ لوگ ممشاد دینوری کے پاس اُن کی مرض الموت میں آئے۔ اور پوچھا:۔ اللہ تعالیٰ
نے تم سے کیا سلوک کیا؟ فرمایا: تیس سال سے جنت مجھے پیش کی جاتی ہے۔ مگر میں نے ایک لحظہ
کے لئے بھی اس کی طرف نگاہ نہیں کی۔ اس کے بعد نزع کے وقت انھوں نے اُن سے پوچھا آپ
اپنے دل کو کیسا پاتے ہیں۔ فرمایا:۔ میں تو تیس سال سے اپنا دل کھو چکا ہوں۔
میں نے محمد بن احمد الصوفی سے سنا کہ عبداللہ بن علی التیمی فرماتے تھے۔ کہ وجیہی نے بتلایا
کہ ابن بنان کی موت کا سبب یہ ہوا کہ اُن کے دل پر کوئی بات وارد ہوئی تو دیوانہ وار

نکل پڑے۔ لوگوں نے آپ کا پیچھا کیا۔ اور بنی اسرائیل کے تیہ (جنگل) میں آپ کے پاس پہنچے۔ آپ نے آنکھیں کھولیں اور کہا یہاں مزہ لے لو۔ یہ احباب کے مزہ لینے کا مقام ہے۔ اس کے بعد آپ کی روح نکل گئی۔

ابو یعقوب نہر جوری فرماتے ہیں:۔ میں مکہ معظمہ میں تھا کہ ایک فقیر میرے پاس آیا اس کے پاس ایک دینار تھا۔ اس فقیر نے کہا کل میں مر جاؤں گا۔ آدھے دینار سے میری قبر بنوانا اور آدھا دینار میری تجہیز و تکفین کے لئے ہے۔ میں نے دل میں کہا شاید حجاز میں فاقوں کی وجہ سے اس نوجوان کی عقل میں فتور آ گیا ہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو اس نوجوان نے آکر طواف کیا، پھر جا کر زمین پر لیٹ گیا۔ میں نے دل میں کہا یہ بناوٹی طور پر مردہ بن رہا ہے۔ میں اس کے پاس گیا۔ اسے حرکت دی۔ مگر وہ مردہ پڑا تھا۔ چنانچہ اس کے کہنے کے مطابق میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی۔

کہتے ہیں کہ جب ابو عثمان حیریؒ کی حالت بدل گئی۔ تو ان کے بیٹے ابو بکر نے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی۔ اس پر ابو عثمان نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا! ظاہر میں سنت کی مخالفت کرنا باطن میں ریاکاری ہے۔

کہتے ہیں کہ ابن عطاء جنیدؒ کے پاس اس وقت آئے جب وہ نزع کی حالت میں تھے۔ ابن عطاء نے سلام کیا۔ تو جنیدؒ نے جواب میں دیر کی۔ پھر سلام کا جواب دیا اور کہا مجھے معذور رکھیں۔ کیونکہ میں اپنے ورد میں مشغول تھا۔ اس کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔

ابو علی رودباری حکایت کرتے ہیں کہ ایک فقیر آیا اور مر گیا۔ میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی۔ جب قبر میں رکھنے کے لئے میں نے اس کا چہرہ کھولا۔ دل میں یہ خیال کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی غریب الوطنی پر رحم کھائے۔ اس پر اس نے آنکھیں کھولیں اور کہا۔ ابو علی! کیا تو مجھے اس خدا کے سامنے ذلیل کرنا چاہتا ہے جس نے مجھے ناز کی عادت ڈال رکھی ہے۔ میں نے کہا۔ اے میرے آقا کیا موت کے بعد بھی زندگی؟ اس نے جواب دیا: میں تو یقیناً زندہ ہوں اور اللہ عزوجل کا ہر محب زندہ ہوتا ہے۔ اپنی جاہ کی قسم میں قیامت کے دن تمہاری مدد کروں گا۔

ابن سہلؒ اصفہانی سے حکایت ہے کہ انھوں نے فرمایا :۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ میں بھی اسی طرح مروں گا۔ جس طرح اور لوگ مرتے ہیں ؟ اس طرح کہ میں بیمار پڑوں اور لوگ عیادت کو آئیں۔ بلکہ مجھے بلایا جائے گا کہ اے علی اور میں دعوت قبول کروں گا۔ چنانچہ ایک روز وہ چل رہے تھے کہ انھوں نے لبیک کہا اور مر گئے۔

میں نے محمدؒ بن عبداللہ الصوفی سے سنا کہ انھوں نے ابوعبداللہ بن خفیف سے سنا۔ کہ ابوالحسن المزین فرماتے تھے کہ جب ابویعقوب نہرجوری مرض موت میں تھے تو نزع کی حالت میں میں نے اُن سے کہا :۔ لا الٰہ الا اللہ کہیئے۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور کہا کیا تمہاری مراد مجھ سے ہے۔ اس ربُّ العزۃ کی عزت کی قسم کہ میرے اور اس کے درمیان صرف حجاب عزت ہی حائل ہے اور وہ اسی وقت ٹھنڈے ہو گئے۔ مزین اپنی داڑھی پکڑ کر کہا کرتے، اے حجام ! کیا میرے جیسا آدمی اولیاء کو شہادت کی تلقین کر سکتا ہے تجھے شرم آنی چاہیئے۔ آپ جب یہ حکایت بیان فرماتے تو رو پڑے۔

ابوالحسین مالکی فرماتے ہیں میں کئی سال تک خیر النساج کی صحبت میں رہا۔ آپ نے مجھے اپنی موت سے آٹھ دن پہلے فرمایا کہ میں جمعرات کے دن مغرب کے وقت وفات پاؤں گا۔ اور جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے دفن ہوؤں گا۔ اور تو یہ بات بھول جائے گا۔ بھولنا نہیں۔

ابوالحسین فرماتے ہیں کہ جمعہ کے آنے تک میں یہ بات بھول گیا۔ ایک شخص مجھے ملا جس نے آپ کی وفات کی خبر دی۔ میں آپ کے جنازہ کے ساتھ جانے کے لئے حاضر ہُوا۔ دیکھا تو لوگ واپس آ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ نماز کے بعد دفن کیا جائے گا۔ میں واپس نہ آیا۔ اور وہاں پہنچا۔ لوگ جنازہ لے کر نماز جمعہ سے پہلے نکلے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ ابوالحسین کہتے ہیں۔ میں نے ان لوگوں سے جو اُن کی وفات کے وقت موجود تھے۔ پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ آپ پر غشی طاری ہوئی۔ پھر ہوش میں آئے۔ پھر گھر کی ایک جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ ٹھہر جا خدا تجھے عافیت دے۔ تو بھی اللہ کے حکم کے ماتحت ہے اور میں بھی اللہ کے حکم کے ماتحت ہوں۔ جس بات کا تجھے حکم دیا گیا ہے۔ وہ تو تم سے چھوٹ نہیں سکتی۔ مگر جس بات کا مجھے حکم ہے وہ فوت ہو رہی ہے۔ اس پر آپ نے پانی منگوا کر وضو کیا۔ اور نماز پڑھی پھر لیٹ گئے۔

اور آنکھیں بند کر لیں۔ موت کے بعد انہیں خواب میں دیکھا گیا پوچھا کہ کیا حال ہے؟ جواب دیا کچھ نہ پوچھو لیکن میں اس تمہاری گندی دنیا سے خلاص پا گیا ہوں۔

ابوالحسینؒ حصی مصنف کتاب بہجۃ الاسرار نے ذکر کیا ہے کہ جب سہل بن عبداللہ کی وفات ہوئی تو لوگ ان کے جنازہ پر ٹوٹ پڑے۔ شہر میں ایک یہودی تھا۔ جس کی عمر تقریباً ستر سال تھی جب اس نے شور سنا تو نکل کر دیکھنے کے لئے آیا کہ کیا واقعہ ہے۔ جب اس نے جنازہ دیکھا تو چلّا کر کہا کیا تم بھی وہی کچھ دیکھ رہے ہو جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا۔ تو کیا دیکھ رہا ہے اور اس نے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ کچھ لوگ آسمان سے اتر کر اس کے جنازہ کو ہاتھ لگا کر چوم رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ یہودی اسلام لے آیا اور پکا مسلمان بن گیا۔

اور میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے کہا کہ ابوجعفر بن قیس مصری نے کہا کہ ابوسعید الخراز فرماتے تھے کہ میں مکہ میں تھا ایک دن باب بنی شیبہ سے گزرا تو ایک خوبصورت نوجوان کو مردہ دیکھا۔ میں نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا تو وہ مسکرایا اور مجھ سے کہا اے ابوسعید! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کے دوست زندہ رہتے ہیں۔ خواہ وہ مر چکے ہوں؟ وہ تو صرف ایک گھر سے دوسرے گھر کو منتقل ہو جاتے ہیں۔

میں نے انہی سے سنا کہ ابوبکر الرازی نے کہا کہ الجریری فرماتے تھے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ذوالنون مصری کو نزع کے وقت کہا گیا کہ وصیت کیجئے تو فرمایا مجھے کسی اور چیز میں مشغول نہ کیجئے میں تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی پر تعجب کرتا ہوں۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ بن محمد الرازی نے ان سے کہا کہ ابوعثمان حیری فرماتے تھے کہ ابوحفص سے نزع کی حالت میں کہا گیا کہ آپ ہمیں کیا نصیحت کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا مجھ میں بات کرنے کی طاقت نہیں۔ پھر انہوں نے اپنے اندر قوت محسوس کی تو میں نے کہا کچھ فرمایئے تاکہ میں آپ سے حکایت کر سکوں۔ تو فرمایا: دل سے ہمہ تن انکساری کرتے ہوئے بھی یہ خیال کرو کہ تم سے کوتاہی ہوئی ہے۔

(۱۱۴۲)

۴۵۔ معرفت باللہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو جیسا کہ حق ہے نہیں پہچانا۔

ہم سے عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ العدل نے کہا کہ محمد بن القاسم العتکی نے بیان کیا کہ محمد بن اشرس نے کہا کہ سلیمان بن عیسیٰ السّجزی نے عباد بن کثیر[۱۱۴۴] سے اور انھوں نے حنظلہ[۱۱۴۴] بن ابی سفیان سے، انھوں نے القاسم[۱۱۴۵] بن محمد سے روایت کی کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

گھر کا تمام تر دارو مدار اُس کی (بنیاد) پر ہوتا ہے۔ اور دین کا دارو مدار معرفتِ باللہ یقین اور ایسی عقل پر ہوتا ہے جو برائیوں سے روکے۔ میں نے عرض کیا آپ پر میرے والدین قربان ہوں عقلِ قامع کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا:۔ اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے روکنا اور اللہ کی اطاعت کی خواہش کرنا۔

صوفیائے کے نزدیک معرفت کیا ہے

استاد فرماتے ہیں کہ علماء کی زبان میں معرفت علم کو کہتے ہیں لہذا ہر علم معرفت ہے اور ہر معرفت علم اور ہر شخص جو عالم باللہ ہے عارفِ باللہ ہے۔ ہر عارف عالم، مگر صوفیاء کے نزدیک ایک ایسے شخص کی صفت ہے جو حق تعالیٰ کو اس کے اسماء اور صفات کے ساتھ پہچانے۔ اس کے بعد اللہ کے ساتھ تمام معاملات میں سچا اور اخلاص والا ہو۔ پھر اپنے ردی اخلاق اور آفاتِ نفس سے پاک ہو۔ اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے دروازے پر ایک طویل عرصہ کے لئے ٹھہرا رہے۔ اور وہ اپنے دل سے (اسی دروازے) پر معتکف رہے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر اُسے یہ خوش بختی حاصل ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اُس کی طرف اپنی توجہ دے گا۔ اور وہ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ سے خلوص و صدق دل سے عمل پیرا ہو گا۔ اور اس سے خواطرِ نفس پیش آنے بند ہو جائیں گے۔ اور وہ اپنے دل کے کسی ایسے خاطر (خیال) کی طرف توجہ نہ دے گا جو غیر اللہ کی طرف دعوت دے۔ چنانچہ جب بندہ مخلوق سے اجنبی ہو جاتا ہے اور آفاتِ نفس سے بری اور ساکنات اور ملاحظات سے پاک رہے اور رازمیں وہ ہمیشہ حق تعالیٰ کے ساتھ مناجات میں ہو اور ہر لحظہ اللہ کی طرف اس کا رجوع کرنا ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ باتیں کرے۔ اس طرح کہ اُن تمام تقدیروں کے ردو بدل

کاراز جو اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے۔ وہ اُسے بتا دے۔ تب جا کر بندہ عارف کہلاتا ہے اور اُس کی حالت معرفت کہلاتی ہے۔ مختصر یہ کہ جس قدر انسان اپنے نفس سے بیگانہ بنے گا۔ اسی قدر اُسے اپنے رب کی معرفت حاصل ہو گی۔

مشائخ نے معرفت پر بہت گفتگو کی ہے۔ ہر شخص نے وہ بات بیان کی جو اُسے پیش آئی اور اُس نے اُس حالت کی طرف اشارہ کیا جو اس نے اپنے وقت میں حاصل کی۔

مَیں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا: معرفت باللہ کی علامت یہ ہے کہ دل میں اللہ کی ہیبت پائی جائے۔ لہٰذا جس قدر زیادہ کسی کو اللہ کی معرفت حاصل ہو گی اسی قدر زیادہ اسے اسکی ہیبت ہو گی۔

نیز انہی کو فرماتے سنا کہ معرفت سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے جس طرح علم سے سکون حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا جس قدر کسی میں معرفت زیادہ ہو گی اسی قدر اس کا سکون زیادہ ہو گا۔

مَیں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ احمد بن محمدؒ بن[۱۱۴۶] زید فرماتے ہیں کہ مَیں نے شبلیؒ کو فرماتے سنا: کہ عارف باللہ کا غیر اللہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہوتا۔ اور نہ محب اللہ کو (اللہ سے) کسی قسم کی شکایت ہوتی ہے۔ اور نہ کسی بندے کو کسی قسم کا دعویٰ ہوتا ہے۔ اور نہ ڈرنے والے کو قرار ہوتا ہے۔ اور نہ ہی کسی کو اللہ سے فرار ہو سکتا ہے۔

اور مَیں نے انہی سے سنا کہ میرے باپ نے کہا کہ محمدؒ بن[۱۱۴۷] محمد عبدالوہاب فرماتے تھے کہ مَیں نے شبلیؒ کو فرماتے سنا۔ اُن سے کسی نے معرفت کے متعلق سوال کیا تھا تو فرمایا: اس کی ابتدا (دل اور زبان سے) اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے۔ اور اس کی انتہا کوئی انتہا نہیں۔

اور مَیں نے انہی سے سنا کہ میرے باپ نے کہا کہ ابو العباس دینوری فرماتے تھے کہ ابو الحفص نے فرمایا: جب سے مَیں نے اللہ کو پہچانا، میرے دل میں اور کوئی چیز داخل نہیں ہو سکی۔ خواہ حق ہو خواہ باطل۔ اُسس ابو القاسم فرماتے ہیں کہ ابو حفص نے ایک بات تو کہہ دی مگر اس میں قدرے اشکال پایا جاتا ہے زیادہ سے زیادہ اس میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ صوفیائے کے نزدیک چونکہ صوفی پر ذکرِ حق کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے معرفت سے بندے کا اپنے نفس سے غالب ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا بندہ نہ تو غیر اللہ کا مشاہدہ کرتا ہے اور نہ کسی اور کی طرف رجوع کرتا ہے چنانچہ جس طرح عاقل ان تمام معاملات اور حالات میں جو بعض پیش آئیں۔ اپنے دل فکر اور یاد کی طرف رجوع کرتا ہے۔ لہٰذا جب وہ صرف اپنے رب کے ساتھ مشغول ہوتا ہے تو اپنے دل کی طرف رجوع نہیں کرتا تو کوئی خیال اس شخص کے دل

میں کیسے داخل ہو سکتا ہے، جس کا دِل ہی نہ ہو، ایک وہ شخص جو اپنے دِل کے ساتھ زندہ ہو اور ایک وہ جو اپنے رب کے ساتھ زندہ ہو، دونوں میں بڑا فرق ہے۔

ابویزید کا قول ابویزید سے معرفت کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا۔
اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً (۱۱۴۸) بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل بنا دیتے ہیں۔

استادؒ فرماتے ہیں۔ یہ وہی بات ہے جس کی طرف ابوحفص نے اشارہ کیا ہے۔

ابویزید فرماتے ہیں:۔ مخلوق کے مختلف حالات ہونتے۔ مگر عارف باللہ کا کوئی حال نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس کے تمام نشانات مٹ چکے ہوتے ہیں۔ اور اس کی اپنی حقیقت غیر کی حقیقت میں فنا ہو چکی ہوتی ہے اور اس کے اپنے آثار غیر کے آثار میں غائب ہو چکے ہوتے ہیں۔

واسطیؒ فرماتے ہیں:۔ جب تک بندہ کے اندر استغناء باللہ اور افتقار الی اللہ موجود ہو اُس وقت تک معرفت صحیح طور پہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ استادؒ فرماتے ہیں کہ واسطیؒ کی مراد یہ ہے کہ استغناء اور افتقار بندے کے ہوش میں ہونے کی اور اس کے نشانات کے باقی رہنے کی علامتیں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں بندے کی صفتیں ہیں۔ اور عارف اس ذات میں محو ہوتا ہے جس کی معرفت اسے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کا ایسا کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کیونکہ وجود الٰہی میں فنا ہو جانے یا شہود میں استغراق کی وجہ سے اگر وہ وجودِ الٰہی کو نہ پہچان سکا ہو وہ اپنے احساس سے غائب اور ان تمام اوصاف کو جو اسے حاصل ہوتے ہیں کھو چکا ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ واسطیؒ نے ایک بار یوں فرمایا:۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا وہ غیر اللہ سے منقطع ہو گیا۔ نہیں بلکہ گونگا اور مطیع ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ لَا اُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ اے خدا میں تمہاری پوری طرح ثنا ادا نہیں کر سکتا۔ یہ اُن لوگوں کی صفات ہیں جن کا مطمح نظر بہت بعید ہے۔ اب یہ ہے وہ لوگ جو اس حد سے کم درجہ پر ہیں۔ انھوں نے معرفت پر گفتگو کی ہے اور خوب کی ہے۔

ہم سے محمد بن الحسین نے کہا کہ ابوجعفر محمد بن احمد بن سعید الرازی نے اُن سے کہا کہ عباس بن حمزہ نے کہا کہ احمد بن ابی الحواری نے کہا کہ احمد بن عاصم الانطاکی فرماتے تھے کہ جس قدر زیادہ کسی کو عرفان باللہ حاصل ہو گا اسی قدر زیادہ اللہ سے خوف ہو گا۔

کسی صوفی کا قول ہے: جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ دُنیا میں زندہ رہنے سے تنگ آجاتا ہے اور دُنیا باوجود اس قدر وسعت کے اس کے لیے تنگ معلوم ہوتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اس کی زندگی پاک ہو جاتی ہے۔ اور اُسے زندگی میں مزہ حاصل ہوتا ہے۔ ہر چیز اس سے ہیبت کھاتی ہے اور مخلوق کا خوف اس سے جاتا رہتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس محسوس کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا اُسے دنیا کی چیزوں کی کوئی خواہش نہیں رہتی۔ اور اُس کیلئے جدائی اور وصل کوئی چیز نہیں ہوتے۔

کہا گیا ہے کہ معرفت سے حیا، اور تعظیم پیدا ہوتی ہے جس طرح توحید سے رضا اور تسلیم پیدا ہوتی ہے۔

رویم فرماتے ہیں:۔ معرفت عارف کے لئے آئینہ ہوتا ہے۔ جب عارف اس میں دیکھتا ہے۔ اُسے اس میں اپنا مولیٰ دکھائی دیتا ہے۔

ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں:۔ ارواحِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے معرفت کے میدان میں گھوڑے دوڑائے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح انبیاء کی روحوں پر سبقت لے گئی۔ اور روضۂ وصال تک جا پہنچی۔

ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں:۔ عارف کے ساتھ میل جول رکھنا اسی طرح ہے جس طرح اللہ کے ساتھ میل جول رکھنا۔ وہ تمہاری باتوں کو برداشت کرتا ہے اور حلم اختیار کرتا ہے کیونکہ وہ اخلاقِ خداوندی سے موصوف ہونا چاہتا ہے۔

ابن یزدانیار (یزدان یار) سے کسی نے سوال کیا:۔ عارف حق سبحانہ کا کب مشاہدہ کرتا ہے؟ تو فرمایا: جب شاہد (اللہ تعالیٰ) ظاہر ہو اور شواہد فنا ہو جائیں۔ حواس جاتے رہیں۔ اور اخلاص مضمحل ہو جائے۔

حسین بن منصور فرماتے ہیں:۔ جب بندہ مقامِ معرفت پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف خواطر بذریعہ وحی نازل فرماتے ہیں۔ (چنانچہ بُرے خیالات اس کے) قریب نہیں آتے۔ اور اس کے باطن کی نگہداشت کرتے ہیں تاکہ اس میں اللہ کی طرف سے آنے والے خیالات کے سوا کوئی اور خیال نہ آئے۔

نیز فرماتے ہیں،کہ عارف کی علامت یہ ہے کہ وہ دنیا و آخرت سے فارغ ہو۔

سہلؒ بن عبداللہ فرماتے ہیں، معرفت کی انتہا دو چیزوں پر ہے۔ وحشت اور حیرت پر۔

مَیں نے محمدؒ بن الحسین سے سنا کہ انھوں نے محمدؒ بن احمدؒ بن سعید سے سنا کہ محمدؒ بن احمد بن سہل نے کہا کہ سعید بن عثمان فرماتے تھے۔ کہ مَیں نے ذوالنون مصریؒ کو سنا وہ فرماتے تھے،

کیا عارف ترکِ اعمال کرسکتا ہے؟

جو شخص سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوگا وہ سب سے زیادہ حیرت زدہ ہوگا۔" اور مَیں نے انہی سے سنا کہتے تھے کہ ابوبکر الرازی نے کہا کہ ابوعمر الانطاکی[(۱۱۴۹)] فرماتے تھے کہ ایک شخص نے جنید سے کہا، بعض اہلِ معرفت کہتے ہیں کہ حرکات و اعمال کا ترک کر دینا نیک کام اور تقویٰ ہے۔

جنید نے فرمایا: ان لوگوں نے اعمال کو ساقط کر دینے کو کہا ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اور ایک شخص جو چوری بھی کرتا ہو اور زنا بھی کرتا ہو میرے نزدیک اس قائل سے بہتر حالت میں ہے۔ کیونکہ عارفوں نے تو اعمال کو اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے اور ان اعمال میں وہ اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر مَیں دنیا میں ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں تب بھی مَیں اپنے نیک اعمال میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں کروں گا۔

کسی نے ابویزید کو کہا کہ آپ نے یہ معرفت کیسے حاصل کی؟ تو فرمایا: بھوکے پیٹ اور ننگے بدن کے ساتھ۔

ابو یعقوبؒ نہر جوری فرماتے ہیں:۔ مَیں نے ابو یعقوب سوسی سے پوچھا! کیا کوئی عارف اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور چیز پر بھی تاسف کرتا ہے؟ انھوں نے فرمایا! کیا اُسے اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی دیتی ہے کہ وہ اس پر افسوس کرے؟ مَیں نے عرض کیا: پھر اُسے دنیا کی اشیاء کو کس نگاہ سے دیکھنا چاہیئے؟ فرمایا، زوال اور فنا کی نگاہ سے۔

ابویزید فرماتے ہیں: عارف کی مثال اڑنے والے کی ہے اور زاہد کی مثال پیدل چلنے والے کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عارف کی آنکھ روتی ہے اور دِل ہنستا ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں کہ کوئی عارف اُس وقت تک عارف نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہ زمین کی طرح نہ ہو جائے کہ نیک و بد اُسے روندتے ہیں اور بادلوں کی طرح نہ ہو جائے جو ہر چیز پر سایہ کرتا ہے۔

اور نہ بارش کی طرح ہو جو ہر چیز کو سیراب کرتی ہے، اُسے بھی جسے وہ پسند کرتی ہے اور اُسے بھی جسے وہ ناپسند کرتی۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں: عارف دنیا سے اُن دو باتوں سے اپنی آرزو پوری کئے بغیر چلا جاتا ہے، ایک اپنی ذات پر رونے سے اور دوسری اپنے رب کی ثناء بیان کرنے سے۔

ابو یزید فرماتے ہیں: صوفیاء نے جو معرفت حاصل کی ہے تو صرف اس طرح کہ جو کچھ اُن کے لئے ہے اسے ضائع کر دیں اور ان چیزوں پر پہرہ دیں جو اللہ کے لئے ہیں (یعنی خواہشات کو ضائع کرنے اور اوامر و نواہی پر کاربند رہنے سے)

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی سے سنا کہ ابوالحسین الفارسی نے اُن سے کہا کہ یوسف بن علی فرماتے تھے، کہ کوئی شخص اُس وقت تک صحیح معنوں میں عارف نہیں کہلا سکتا، جب تک کہ اُس کی یہ کیفیت نہ ہو جائے کہ اگر اُسے سلیمان علیہ السلام جتنی حکومت عطا کر دی جائے تب بھی یہ سلطنت اُسے ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ سے غافل نہ کر سکے۔

اور میں نے انہی سے سُنا کہ ابوالحسین الفارسی نے کہا کہ ابن عطاء فرماتے تھے کہ معرفت کی بنیاد تین ارکان پر ہے (۱) ہیبت (۲) حیا اور (۳) اُنس۔

اور میں نے انہی سے سُنا کہتے تھے کہ محمد بن عبداللہ بن شاذان نے اُن سے کہا کہ یوسف بن الحسین فرماتے تھے کہ کسی نے ذوالنون سے پوچھا کہ آپ نے اپنے رب کو کیسے پہچانا؟ تو فرمایا: میں نے اپنے رب کو اپنے رب کے ذریعہ اور اُس کی مدد سے پہچانا ہے۔ اور اگر میرا رب نہ ہوتا تو میں اپنے رب کو نہ پہچان سکتا۔

کہتے ہیں کہ عالم کی پیروی کی جاتی ہے اور عارف سے ہدایت پائی جاتی ہے۔

شبلیؒ فرماتے ہیں: عارف غیر اللہ کی طرف نگاہ کرتا ہی نہیں۔ اور نہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام بولتا ہے اور نہ اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا محافظ جانتا ہے۔

کہتے ہیں کہ عارف چونکہ ذکر اللہ کے ساتھ اُنس حاصل کر چکا ہوتا ہے اس لئے اللہ (یا اللہ کا اُنس) اُس کو مخلوق سے مستغنی کر دیتا ہے۔ اور وہ اللہ کے سامنے ذلیل رہتا ہے۔ اس لئے اللہ اسے مخلوق میں طاقتور بنا دیتا ہے۔

ابوالطیب سامری فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا انسان کے باطن پر مسلسل انوار کے ساتھ طلوع ہونا معرفت کہلاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عارف جو کچھ کہتا ہے درحقیقت وہ اس سے بلند ہوتا ہے اور عالم جو کچھ کہتا ہے وہ اس سے کم درجے کا ہوتا ہے۔

ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ عارف کے لئے اس کے بستر پر وہ باتیں کھول دیتے ہیں جو اور اس کے لئے کھڑے نماز پڑھتے ہوئے بھی نہیں کھولتے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں: عارف وہ شخص ہے جو خود تو خاموش رہے اور حق تعالیٰ اس کے اسرار بیان کرے۔

ذوالنون فرماتے ہیں: ہر چیز کے لئے سزا ہے اور عارف کی سزا یہ ہے کہ وہ ذکر اللہ سے منقطع ہو جاتے۔

میں نے ابوحاتم السجستانی سے سنا کہ ابونصر السراج نے کہا کہ الوجیہی نے کہا کہ ابوعلی الرودباری فرماتے تھے کہ میں نے رویم کو فرماتے سنا کہ عارفین کا ریا، مریدین کے اخلاص سے افضل ہے۔

ابوبکر وراق فرماتے ہیں: عارف کا سکوت زیادہ نفع رساں ہے اس کا کلام زیادہ پسندیدہ اور عمدہ ہوتا ہے۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں، زہّاد آخرت کے بادشاہ ہیں اور وہ عارفوں کے محتاج ہیں۔

کسی نے جنیدؒ سے عارف کے متعلق سوال کیا تو فرمایا، پانی کا رنگ وہی ہوتا ہے جو اُس کے برتن کا ہو۔ اُن کی مراد یہ ہے کہ عارف اپنے وقت کے حکم کے ماتحت ہوتا ہے۔

ابویزیدؒ سے عارف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، عارف کو نہ نیند میں اللہ کے سوا کوئی اور دکھائی دیتا ہے نہ بیداری میں، وہ نہ غیر اللہ کی موافقت کرتا ہے اور نہ غیر اللہ کا مطالعہ کرتا ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا، انھوں نے کہا کہ عبداللہ بن محمد الدمشقی فرماتے ہیں کہ کسی شیخ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیسے پہچانا؟ فرمایا،

ذکرِ الٰہی کے اُس نور کی چمک سے جو میرے دِل پر پڑی۔ جسے ایسے شخص کی زبانی حاصل کیا گیا جس کی عقل معہود کھو چکی ہو اور اُن الفاظ سے جو ایسے شخص کی زبان پر وارد ہوتے ہوں جو شہود حق میں مستغرق ہو۔ یہ قائل وجد ظاہر کی طرف اشارہ کرتا ہو۔ اور ایسے باطن کی خبر دے رہا ہو۔ جو اس

کی پردہ پوشی کر رہا ہو۔ وہ شخص اپنے ظاہری جسم و شکل کے اعتبار سے تو وہی انسان معلوم ہوتا ہے مگر اپنے باطن کے اعتبار سے کچھ اور ہی ہوتا ہے۔

اُس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے:

نَطَقْتُ بِلَا نُطْقٍ هُوَ النُّطْقُ اِنَّهٗ — لَكَ النُّطْقُ لَفْظًا اَوْ يُبِيْنَ عَنِ النُّطْقِ

تَرَائَيْتُ كَيْ اَخْفٰى وَقَدْ كُنْتُ خَافِيًا — وَاَلْمَعْتَ لِيْ بَرْقًا فَاَنْطَقْتَ بِالْبَرْقِ

مَیں نے بغیر نطق کے گفتگو کی اور دراصل حقیقی نطق بھی یہی ہے۔ اے مولیٰ! تو لفظوں میں گفتگو کرتا ہے۔ یا تو اپنی گفتگو کو خود ہی واضح کر دیتا ہے۔

اے خدا تو نے اپنی ذات کا جلوہ مجھے دکھایا تاکہ مَیں مخفی ہو جاؤں۔ حالانکہ تو خود بھی مخفی تھا۔ مگر تو نے نورِ عرفان کی بجلی میرے لئے چمکائی تو بجلی کے ذریعہ سے تو نے مجھے گویا کر دیا۔

اور مَیں نے انہی سے سُنا کہ علی بن بندار الصیرفی نے اُن سے کہا کہ جریری فرماتے تھے کہ کسی نے ابُوتراب سے پوچھا کہ عارف کی کیا صفت ہوتی ہے؟ فرمایا:۔

جسے کوئی چیز مکدر نہ کر سکے۔ لیکن ہر چیز اس سے صفائی حاصل کرے۔

انہی کو مَیں نے فرماتے سنا کہ انھوں نے ابو عثمان مغربیؒ کو فرماتے سنا کہ عارف کے لئے علم کے انوار روشن ہو جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ غیب کی عجیب غریب باتیں دیکھ لیتا ہے۔

مَیں نے اُستاد ابُو علیؒ دقاق کو فرماتے سنا کہ عارف تحقیق کے سمندروں میں مستغرق ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ معرفت ایسی موجیں ہیں جو کبھی نیچے ڈبو دیتی ہیں کبھی اُوپر لے آتی ہیں اور کبھی نیچے کر دیتی ہیں۔

کسی نے یحییٰ بن معاذؒ سے عارف کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: وہ بظاہر مخلوق کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی اُن سے الگ ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ یوں فرمایا: عارف کبھی مخلوق کے ساتھ تھا مگر پھر اُن سے جُدا ہو گیا۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں: عارف کی تین نشانیاں ہیں (۱) اس کا نورِ معرفت ورع کے نور کو نہیں بجھاتا۔ (۲) باطنی طور پر اپنے علم کی وجہ سے وہ کسی ایسی بات کا اعتقاد نہیں رکھتا جس سے ظاہری طور پر کوئی حکم ٹوٹتا ہو۔ (۳) اس پر اللہ کے جو انعامات کثرت سے ہوتے ہیں وہ اسے محارم اللہ کے پردے

پھاڑنے پر نہیں اکسانے۔

کہا جاتا ہے کہ وہ شخص جو عقبیٰ والوں کے لئے معرفت بیان کرتا ہو۔ عارف نہیں کہلا سکتا۔ چہ جائیکہ وہ دنیا والوں کے سامنے بیان کرے۔

ابو سعید خرازؒ کہتے ہیں، معرفت سخاوت ایزدی کے سرچشے اور پوری کوشش صرف کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ (یعنی اپنی طرف سے پوری کوشش کرنے اور پھر عنایتِ الٰہی کے شاملِ حال ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ محض کسبی چیز نہیں وہبی ہے)

مَیں نے محمدؒ بن الحسین سے سنا انھوں۔ نے کہا کہ محمدؒ بن عبداللہ نے اُن سے کہا جعفر فرماتے ہیں کہ کسی نے جنیدؒ سے ذوالنونؒ مصری کے اس قول کے متعلق پوچھا تھا جو انھوں نے عارف کے بارے میں کہا تھا کہ کَانَ ھٰہُنَا فَذَھَبَ" ابھی یہاں تھا مگر اب چلا گیا" تو فرمایا؛ عارف باللہ کو کوئی حالت محصور نہیں کر سکتی۔ اور نہ ایک منزل سے دوسری منزل کو منتقل ہونے سے کوئی منزل اسے روک سکتی ہے۔ لہٰذا عارف ہر مقام والوں کے ساتھ اسی قسم کی حالت پر ہوگا جس پر وہ خود ہے۔ وہ اس قسم کی واردات حاصل کرتا ہے جس قسم کے وہ حاصل کرتے ہیں اور اُن کے اشارات کی ترجمانی کرتا ہے کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

اور مَیں نے انہی سے سنا کہ احمد بن علی بن جعفر فرماتے ہیں کہ مَیں نے کتانیؒ کو فرماتے سنا کہ کسی نے ابو سعید خرازؒ سے سوال کیا؛ کبھی عارف کی ایسی حالت بھی ہو جاتی ہے کہ اُسے رونا نہ آتا ہو؟ فرمایا؛ ہاں، کیوں کہ رونا ان کو اس وقت آتا ہے جب وہ "سیر الی اللہ" کے مقام پر ہوتے ہیں مگر جب قربتِ خداوندی کے حقائق اسکے پاس اترتے ہیں اور اللہ کے فضل و کرم سے وہ وصل الی اللہ کا ذائقہ چکھ لیتے ہیں تو پھر یہ حال اُن سے زائل ہو جاتا ہے۔

اور مَیں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ الرازی نے اُن سے کہا کہ محمدؒ بن الفضل فرماتے تھے؛

" المعرفۃ حیات للقلب مع اللہ تبارک وتعالیٰ" اللہ کے ساتھ دل کی زندگی کا نام معرفت ہے۔

(۱۱۵۰)

محبت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ

وَیُحِبُّوْنَہٗ۔

تم میں سے جو کوئی دین سے پھر جائے۔ (تو کوئی بات نہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آئیں گے جنھیں اللہ تعالیٰ پسند کرے گا۔ اور وہ اُسے پسند کریں گے۔

ہم سے ابونعیم عبدالملک بن الحسین نے کہا کہ ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق نے کہا کہ السلمی نے اُن سے کہا کہ عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے ہمام بن منبہ سے روایت کی کہ ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ کی ملاقات کی خواہش کرتا ہے اللہ بھی اُس کی ملاقات کی خواہش کرتا ہے، اور جو اللہ کی ملاقات کی خواہش نہیں کرتا اللہ بھی اُس کی ملاقات کی خواہش نہیں کرتا۔

ہم سے ابوالحسین علی بن احمد بن عبدان نے کہا کہ اُن سے احمد بن عبید الصفار البصری نے کہا، اُن سے عبداللہ بن[52] ایوب نے، ان سے الحکم بن موسیٰ نے کہا کہ الہیثم بن خارجہ نے بیان کیا کہ الحسین[53] بن یحییٰ نے صدقہ[54] الدمشقی سے روایت کی کہ ہشام الکنانی نے انس بن ملک سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ جبرئیل علیہ السلام نے اپنے رب سبحانہٗ و تعالیٰ سے سنا اور فرمایا[55]:

جس کسی نے میرے دوست کی بے عزتی کی اُس نے مجھ سے اعلانِ جنگ کر دیا۔ میں نے اتنا تردد کسی چیز میں نہیں کیا جتنا کہ میں نے اس مومن بندے کی روح کو قبض کرنے میں کیا ہے جو موت کو پسند نہیں کرتا ہو۔ اور میں اُسے دکھ نہیں پہنچانا چاہتا مگر موت کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ میرا کوئی بندہ میرے نزدیک فرائض کی ادائیگی سے زیادہ محبوب . . . .
چیز سے میرے قریب نہیں آتا۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرے قریب آتا رہتا ہے تا آنکہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جس سے میں محبت کروں میں اُس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور مؤید بن جاتا ہوں۔

ہم سے علی ابن احمد بن عبدان نے کہا کہ احمد بن عبید نے کہا کہ عبید بن شریک نے اُن سے بیان کیا کہ یحییٰ[56] نے اُن سے کہا کہ مالک[57] نے سہل[58] بن ابی صالح سے سنا انھوں نے کہا کہ اُن کے والد[59] نے ابوہریرہؓ سے سُنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت رکھتا ہے تو جبرئیل سے فرماتا ہے۔ میں فلاں سے محبت

رکھتا ہوں لہذا تو بھی اس سے محبت رکھ چنانچہ جبریل بھی اُن سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر وہ دنیا میں مقبول ہو جاتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو مالک فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کے بارے میں اسی طرح کی بات کہی۔ جس طرح محبت کے بارے میں کہی تھی۔

استاد فرماتے ہیں کہ محبت ایک شریف حالت ہے جس کی گواہی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے لئے دی ہے۔ اور ہمیں بتایا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندے سے محبت رکھتا ہے۔ لہذا حق تعالیٰ کی صفت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے بندے سے محبت رکھتا ہے۔ اور بندے کی صفت میں بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ حق سبحانہ سے محبت رکھتا ہے۔

محبت کیا ہے؟ علماء کی اصطلاح میں محبت کے معنی ارادہ کے ہیں۔ مگر صوفیا کے ہاں محبت سے ارادہ مراد نہیں۔ کیونکہ کسی انسان کے ارادے کا تعلق (حق تعالیٰ کے ساتھ جو) قدیم ہے نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ اگر اللہ کے قرب حاصل کرنے اور اس کی تعظیم کرنے کا ارادہ مراد کیا جائے تو صحیح ہو سکتا ہے۔ ہم اس مسئلہ کی تحقیق کے متعلق کچھ تھوڑا سا یہاں ذکر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کسی بندے سے محبت کرنے سے مراد اس بندے پر کوئی مخصوص انعام کرنے کا ارادہ کرنا ہے اور رحمتِ خداوندی سے مراد اللہ کا بندے پر انعام کرنا ہے۔ لہذا رحمت ارادہ کے مقابلہ میں خاص چیز ہے اور محبت رحمت سے بھی خاص تر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا کسی بندے پر ثواب و انعام کرنے کا ارادہ کرنا رحمت کہلاتے گا اور یہ ارادہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اُسے اپنے قرب اور بلندی احوال سے مخصوص کرے۔ محبت کہلاتا ہے۔ (یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی صفت دراصل ایک ہی صفت ہے مگر اس کے نام اس کے متعلقات کے اعتبار سے بدل جاتے ہیں۔ لہذا جب ارادہ کسی کو سزا دینے کے ساتھ متعلق ہو تو اُسے غضب کہا جاتے گا اور جب عام قسم کی نعمتیں عطا کرنے کے متعلق ہو تو اسے رحمت کہا جاتا ہے اور جب مخصوص قسم کی رحمت کے ساتھ متعلق ہو تو محبت کہلاتا ہے۔

دوسرا قول بعض لوگ کہتے ہیں کہ حق سبحانہٗ کا کسی بندے سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حق سبحانہ اس کی اچھی مدح و ثنا کرتا ہے۔ لہٰذا اس قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کا کسی سے محبت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے۔

تیسرا قول کچھ اور لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کسی سے محبت کرنا اس کے فعل کی صفت ہے۔ لہٰذا یہ ایک مخصوص خداوندی احسان ہے جو اللہ تعالیٰ بندے پر کرتا ہے اور ایک مخصوص حالت ہے جس تک اللہ تعالیٰ اُسے رفعت و بلندی دیتا ہے جس طرح کہ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندے پر رحمت جب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا انعام ساتھ ہی ہوتا ہے۔

چوتھا قول سلف کی ایک جماعت کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ان صفات میں سے ہے جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے لہٰذا یہ لوگ اس لفظ کو مطلق طور پر استعمال کرتے ہیں مگر اس سے کی تفسیر سے توقف کرتے ہیں۔

ان چاروں قسموں کے علاوہ بندگانِ خدا کی صفت محبت سے جو کچھ بھی سمجھ آسکتا ہے مثلاً کسی چیز کی طرف میلان یا کسی چیز سے انس حاصل کرنا۔ یا ایسی حالت جسے ایک عاشق اس محبوب کے ساتھ پاتا ہے، جو مخلوق میں سے ہو ان تمام سے اللہ تعالیٰ جو قدیم ہے بالا ہے۔

اَب رہا بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا تو یہ ایک حالت ہوتی ہے جسے بندہ اپنے دل میں پاتا ہے۔ مگر اُسے عبارت اور الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ بعض اوقات یہ حالت انسان کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی رضا کو ترجیح دینے پر مجبور کرتی ہے اور اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ اس کی جدائی پر صبر نہ کر سکے اور اس کی طرف جانے کا جوش پایا جاتا ہے اور اس کے بغیر قرار حاصل نہ ہو اور دل سے ہمیشہ اس کا ذکر کر کے اُنس حاصل کیا جائے۔

بندہ کے دل میں حق سبحانہ کی جو محبت ہوتی ہے اس میں جسمانی میلان مقصود نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے حدود متعین ہوتے ہیں۔ کیونکہ حق سبحانہ اس بات سے منزہ ہے کہ جسمانی طور پر کوئی اس تک پہنچ سکے یا اسے پا سکے۔ یا اُس کا احاطہ کر سکے۔ عاشق جو اپنے محبوب کی محبت میں مر مٹا ہو وہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کے متعلق کہا جائے کہ وہ کسی خط یا احاطہ کے اندر آسکتا ہے۔ محبت

کی نہ تو کوئی ایسی تعریف کی جا سکتی ہے اور نہ کوئی ایسی حد مقرر کی جا سکتی ہے جو لفظ محبت سے زیادہ واضح اور فہم کے زیادہ قریب ہو۔ کسی بحث کو شرح و بسیط سے بیان کرنے کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب اس میں کوئی اشکال ہو۔ لیکن جب ابہام ہی اُٹھ گیا تو بحث کی تشریح میں مبالغہ کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔

۱۔ صوفیاء نے محبت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ لوگوں نے اس بات سے بھی بحث کی ہے کہ اس کا لغوی مفہوم کیا ہے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ پاکیزہ اور صاف محبت کا نام حب ہے کیونکہ عرب حب الانسان بولتے ہیں اور ان کی مراد دانتوں کی سفیدی اور تروتازگی ہوتی ہے۔

۲۔ بعض کہتے ہیں کہ سخت بارش کے وقت جو بلبلے اُٹھتے ہیں۔ انھیں حباب الماء کہا جاتا ہے۔ اس بناء پر محبوب کی ملاقات کے جوش اور پیاس کے بھڑکنے کا نام محبت ہے۔

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حباب (بفتح الحاء) الماء سے ماخوذ ہے یعنی وہ مقام جہاں پانی زیادہ ہو لہٰذا اسے محبت اس لئے کہا گیا کہ دل میں جتنی اہم چیزیں ہیں۔ ان میں سب سے بڑا حصہ اسی کا ہوتا ہے۔

۴۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ لازم ہونے اور ثابت قدم رہنے کے معنوں میں آتا ہے۔ کیونکہ عربی کا محاورہ ہے۔ "احب البعیر" جب وہ بیٹھ جائے اور پھر نہ اُٹھے اس صورت میں معنی یہ ہوئے کہ عاشق کا دل کسی وقت بھی معشوق کے ذکر سے نہیں ہٹتا۔

۵۔ یہ لفظ حُب بمعنی بالی سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

تبیت الحیۃ النضناض منہ ۔۔۔ مکان الحب یستمع السرارا

(شکاری رات بھر ایک گڑھے میں بیٹھا رہتا ہے، اور وہاں زہریلے سانپ اس کے اتنے قریب پھرتے رہتے ہیں جتنی کان کی بالی ہو اور وہ رازسن رہی ہو۔ کی باتیں سنتا رہتا ہے اور بالی کو حب یا تو اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ کان سے چمٹی رہتی ہے۔ یا اس لئے کہ ہر وقت مضطرب رہتی ہے۔ یہ دونوں معنی محبت پر صحیح طور پر چسپاں ہوتے ہیں۔

۶۔ لفظ محبت 'حَبّ' سے ماخوذ ہے جو حبہ کی جمع ہے۔ اور حبۃ القلب دل کا وہ مقام ہے جس پر دل کا دارومدار ہے۔ لہٰذا محبت کا نام اپنے محل کے نام پر رکھا گیا ہے۔

۷۔ حَبّ اور حُبّ ایک ہی چیز ہے۔ جس طرح عُمر اور عَمر۔

۸۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لفظ "حِبّۃ" (کسر حاء کے ساتھ) سے ماخوذ ہے جس کے معنی "جنگلی بیج" کے ہیں چنانچہ جس طرح بیج نباتات کا مغز ہے اسی طرح محبت بھی زندگی کا مغز ہے اس لئے اس کا نام حُب رکھا گیا ہے۔

۹۔ کہتے ہیں کہ حُب اُن چار لکڑیوں کو کہتے ہیں جن پہ مٹکا رکھا جاتا ہے۔ محبت کو حُب اس لئے کہا گیا (جس طرح یہ لکڑیاں مٹکے کو برداشت کرتی ہیں) اسی طرح محبت محبوب کی طرف سے ہر عزت و ذلت کو برداشت کرتی ہے۔

۱۰۔ اس لفظ کی اصل وہ مٹکا (حُب) ہے جس میں پانی ہوتا ہے۔ مٹکا اُسے روکے رکھتا ہے۔ اس میں صرف اس قدر پانی سما سکتا ہے جس سے وہ بھر جائے۔ (یعنی اس میں مزید پانی نہیں سما سکتا) اِسی طرح جب کسی کی محبت سے دِل بھر جاتا ہے تو پھر اس دِل میں محبوب کے سوا کسی اور کے داخل ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

محبّت کی تعریف میں شیوخ صوفیاء کے اقوال

۱۔ ایک صوفی کا قول ہے کہ مشتاق دِل کے ساتھ دائمی میلان کا نام محبت ہے۔

۲۔ نیز کہا گیا ہے کہ محبوب کی خاطر تمام مال و دولت کو قربان کر دینا محبت ہے۔

۳۔ محبوب کی موجودگی اور عدم موجودگی میں محبوب کی موافقت کرنا محبت ہے۔

۴۔ عاشق کا مع اپنی تمام صفات کے مٹ جانا اور محبوب کو اس کی ذات کے ساتھ ثابت کرنا محبت ہے۔

۵۔ دِل کا اللہ تعالیٰ کی مراد کے موافق ہونا محبت ہے۔

۶۔ اس بات سے ڈرتے رہنا کہ کہیں احترام میں کمی نہ ہو، محبت کہلاتا ہے۔

۷۔ ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اپنی کثیر چیز کو قلیل سمجھنا اور محبوب کی قلیل چیز کو کثیر سمجھنا محبت ہے۔

۸۔ سہل فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ تو اطاعت گذاری پر قائم رہے۔ اور (محبوب کی) مخالفت سے دُور رہے۔

۹۔ جنیدؒ سے محبت کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا: عاشق کا اپنی صفات کو اپنانا محبت ہے۔ اُن کا اشارہ اِس بات کی طرف ہے کہ محبوب کے ذکر کا غلبہ یہاں تک ہو کہ عاشق کے دِل

پر محبوب کے ذکر کے سوا کچھ نہ ہو اور اپنی صفات اور اُن کے احساس سے کلیتۂ غفلت ہو۔

۱۰۔ ابو علی رودباری فرماتے ہیں محبت کیا ہے ؟ ایک موافقت (یعنی محبوب کی)

۱۱۔ ابو عبداللہ قرشی فرماتے ہیں کہ حقیقی محبت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو کلیتۂ محبوب کے حوالے کر دے۔ یہاں تک کہ تیرے پاس اپنی ذات میں سے کچھ بھی نہ رہے۔

۱۲۔ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کو محبت اس لئے کہا گیا کہ یہ دل سے محبوب کے سوا تمام چیزوں کو محو کر دیتی ہے۔

۱۳۔ ابنِ عطاء فرماتے ہیں محبت یہ ہے کہ تو محبت میں اپنے آپ کو ہمیشہ عتاب کرتا رہے۔

۱۴۔ مَیں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ محبت مکمل لذت ہے۔ جبکہ حقیقت کے مقامات دہشت ناک ہیں۔

۱۵۔ انہی کو مَیں نے فرماتے سنا، محبت میں حد سے تجاوز کرنا عشق کہلاتا ہے۔ حق سبحانہ کی تعریف میں یہ کہنا روا نہیں کہ وہ حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا بھی روا نہ ہوگا کہ حق سبحانہ کو کسی سے عشق ہے اور نہ ہی بندے کے متعلق کہنا روا ہے کہ وہ حق سبحانہ پر عاشق۔ اس طرح دونوں طرف سے عشق کی نفی ہو جاتی ہے۔ اور حق سبحانہ کے وصف میں اس لفظ کے استعمال کی کوئی صورت نہیں نہ حق کی طرف سے بندے کے عشق کے لئے اور نہ بندے کی طرف سے حق کے عشق کے لئے۔

۱۶۔ مَیں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے کہا کہ شبلیؒ فرماتے تھے کہ محبت یہ ہے کہ اگر کوئی اور تمہارے جیسا انسان محبوب سے محبت کرے تو تجھے غیرت آئے۔

۱۷۔ اور مَیں نے انہی سے سنا کہ ابوالحسین الفارسی نے کہا کہ ابنِ عطاء نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ محبت وہ ٹہنیاں ہیں جنھیں دلوں میں لگایا جاتا ہے اور اُن پر ان کی عقلوں کے مطابق پھل آتا ہے۔

۱۸۔ مَیں نے انہی کو فرماتے سنا کہ انھوں نے نصر آبادی کو سنا فرما رہے تھے ایک قسم کی محبت ہوتی ہے کہ اس سے خون بہنے سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور ایک قسم کی محبت سے خون کا بہانا واجب ہو جاتا ہے۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ انھوں نے محمد بن علی العلوی سے سنا کہ جعفر نے کہا کہ شمعون فرماتے ہیں کہ محبت کرنے والے دنیا اور آخرت کا شرف حاصل کر گئے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المرء مع من احب،

انسان اس شخص کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اُسے محبت ہو۔ لہٰذا وہ اللہ کے ساتھ ہوئے۔

۱۹۔ یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں حقیقی محبت وہ ہے جو جفاء پر بھی کم نہ ہو۔

نیز فرمایا، اور محبت نیک برتاؤ اور احسان سے بڑھتی ہے۔

نیز فرمایا، جو شخص محبت کا دعویٰ کرے مگر محبت کی حدود کا لحاظ نہ رکھے وہ سچا محب نہیں ہے۔

۲۰۔ جنیدؒ فرماتے ہیں، جب سچی اور صحیح محبت پیدا ہو جاتے تو پھر آداب کے شرائط ساقط ہو جاتے ہیں۔

اسی مفہوم کا ایک شعر میں نے استاد ابو علی کو پڑھتے سنا:

اذا صَفَتِ المودّۃُ بَیْنَ قومٍ　　　وَدَامَ وِدادُھُمْ سَمُجَ الثَّنَاءُ

جب کسی قوم میں محبت پاک وصاف ہوتی ہے اور پھر یہ محبت . . . . . .

. . . . دائم رہے تو ایک دوسرے کی تعریف کرنا نامناسب معلوم ہوتا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ تو کسی مشفق باپ کو اپنے بیٹے سے کلام کرنے میں بخل کرتے نہ دیکھے گا یہاں تک کہ جب لوگ اس سے مخاطب ہو کر کلام کرتے ہوں باپ کہہ اٹھے گا اے فلاں!

۲۱۔ کتانی فرماتے ہیں، محبوب کی خاطر ایثار کرنے کا نام محبت ہے۔

۲۲۔ میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ ابو سعید[۱۹۰] الارجانی نے کہا کہ بندار بن الحسین فرماتے تھے کہ کسی نے مجنوں بن عامر کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ اللہ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا کہ اللہ نے مجھے معاف کر دیا۔ اور مجھے محبت کرنے والوں کے لئے حجت قرار دیا۔

۲۳۔ ابو یعقوب سوسی فرماتے ہیں، حقیقی محبت یہ ہے کہ انسان یہ بات بھول جاتے کہ اللہ کے ہاں اس کا کتنا حصہ ہے۔ اور اللہ کی طرف اس کی کتنی حاجتیں ہیں۔

۲۴۔ حسین بن منصورؒ فرماتے ہیں، حقیقی محب یہ ہے کہ تو اپنے تمام اوصاف کو بالائے طاق

رکھ کر اپنے محبوب کے ساتھ قائم رہے۔

۲۵۔ میں نے ابو عبد الرحمٰن السلمیؒ کو فرماتے سُنا کہ نصر آبادیؒ سے کسی نے کہا کہ آپ کو محبت میں سے حصہ نہیں ملا۔ تو فرمایا، لوگ سچ کہتے ہیں۔ مگر مجھ میں محبت کرنیوالوں کی حسرتیں پائی جاتی ہیں اور انہیں میں مَیں جل رہا ہوں۔

انہی کو مَیں نے فرماتے سنا کہ نصر آبادیؒ فرماتے تھے محبت یہ ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو تو محبت کو ترک نہ کرے۔ اس کے بعد شعر پڑھنے لگے۔

وَ مَنْ كَانَ فِي طُولِ الْهَوىٰ ذَاقَ سَلْوَةً ÷ فَإِنِّيْ مِنْ لَيْلىٰ لَهَا غَيْرُ ذَائِقِ

وَ اَكْثَرُ شَيْئٍ نِلْتَهٗ مِنْ وِصَالِهَا ÷ اَمَانِيْ لَمْ تَصْدُقْ كَلَمْحَةِ بَارِقٍ

جو شخص عشق کے طول پکڑ جانے کی وجہ سے عشق کو ترک کر دیتا ہے (اور ترک کرتا رہے) میں تو لیلیٰ کے عشق کو ترک کرنے والا نہیں ہوں۔

مجھے اس وصال میں زیادہ سے زیادہ جو چیز ملی ہے۔ وہ صرف وہ امیدیں ہیں جو ایک لمحہ کے لئے بھی پوری نہیں ہوتیں۔

۲۶۔ محمدؐ بن فضل فرماتے ہیں، محبت یہ ہے محبوب کی محبت کے سوا ہر قسم کی محبت دل سے دور ہو جائے۔

۲۷۔ جنیدؒ فرماتے ہیں، محبت یہ ہے کہ خواہ تجھے محبوب سے کچھ بھی نہ ملے۔ پھر بھی تمہارا میلان اسی کی طرف رہے۔

۲۸۔ کہا جاتا ہے کہ محبوب کی طرف سے دل میں جو تشویش پیدا ہوتی ہے اسے محبت کہتے ہیں۔

۲۹۔ نیز کہا جاتا ہے کہ محبت ایک آزمائش ہے جو دل میں محبوب کی طرف سے واقع ہوتی ہے۔

۳۰۔ ابنِ عطاء نے یہ اشعار پڑھے۔

غَرَسْتُ لِاَهْلِ الْحُبِّ غُصْنًا مِنَ الْهَوىٰ ÷ وَلَمْ يَكُ يَدْرِيْ مَا الْهَوىٰ اَحَدٌ قَبْلِيْ

فَاَوْرَقَ اَغْصَانًا وَ اَيْنَعَ صَبْوَةً ÷ وَاَعْقَبَ لِيْ مُرًّا مِنَ الثَّمَرِ الْمُحْلِيْ

وَكُلُّ جَمِيْعِ الْعَاشِقِيْنَ هَوَاهُمُ ÷ اِذَا نَسَبُوْهُ كَانَ مِنْ ذَالِكَ الْاَصْلِ

مَیں نے محبت والوں کے لئے عشق کی ٹہنی لگادی۔ مجھ سے پہلے کسی کو عشق کا پتہ نہ تھا۔ اس

ٹہنی کو پتے لگے اور عشق کا پھل پکا۔ مگر مجھے میٹھے پھل میں سے کڑوا پن ہی ملا۔ اب تمام عشاق جب اپنے عشق کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی اصل اسی ٹہنی سے ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ محبت کی ابتداء دھوکا اور انتہا قتل ہے۔

محبت کا اثر میں نے استاد ابو علی دقاق کو حبک الشیٔ یعمی و یصم کی تشریح کرتے ہوئے سنا کہ محبت اور دل سے تو غیرت کی وجہ سے اندھا کر دیتی ہے۔ اور محبوب سے اس کی ہیبت کی وجہ سے۔

اس کے بعد انھوں نے یہ شعر پڑھا۔

اِذَا مَا بَدَا لِیْ تَعَاظَمْتُہٗ فَاَصْدُرُ فِیْ حَالِ مَنْ لَمْ یَرِدْ

جب محبوب میرے سامنے ظاہر ہوتا ہے تو میں اسے بہت عظیم خیال کرتا ہوں اور جب لوٹتا ہوں تو پہلی سی حالت ہوتی ہے (یعنی ہیبت کی وجہ سے مبہوت ہو جاتا ہوں اور محبوب کی ملاقات اور عدم ملاقات برابر ہوتی۔)

۴۱۔ میں نے شیخ ابو عبدالرحمن السلمیؒ سے سنا کہ احمد بن علی نے کہا کہ ابراہیم بن فاتک نے ان سے کہا کہ جنیدؒ کہتے ہیں کہ الحارث المحاسبی فرماتے تھے کہ محبت یہ ہے کہ تو ہمہ تن کسی چیز کی طرف مائل ہو جائے۔ پھر اپنا نفس روح اور مال سب اس پر قربان کر دے۔ پھر ضروری ہے کہ ظاہر و باطن میں تو اس کی موافقت کرے۔ با این ہمہ تو یہ خیال کرے کہ تو نے اس کی محبت میں کوتاہی کی ہے۔

۴۲۔ اور میں نے انہی سے سنا کہ احمد بن علی نے ان سے کہا عباس بن عصام نے کہا کہ جنیدؒ کا بیان ہے۔ سریؒ فرماتے تھے کہ دو شخصوں کے درمیان اس وقت تک صحیح محبت نہیں ہو سکتی جب تک وہ ایک دوسرے کو "یا انا" کہہ کر نہ پکار سکیں۔

۴۳۔ شبلیؒ فرماتے ہیں، محب اگر خاموش ہو جائے تو ہلاک ہو جائے گا۔ اور عارف اگر خاموش نہیں رہے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔

۴۴۔ کہا گیا ہے کہ محبت دل میں ایک آگ ہوتی ہے جو محبوب کی مراد کے سوا سب کچھ جلا دیتی ہے۔

۴۵۔ نیز کہا گیا ہے کہ محبت یہ ہے کہ تو (اپنے محبوب کے لئے) اپنی پوری کوشش صرف کر دے اور پھر محبوب کا جو دل چاہے کرتا رہے۔

۴۶۔ نوری فرماتے ہیں:۔ محبت میں پردے پھٹتے اور راز کھلتے ہیں۔

۴۷۔ ابو یعقوب سوسی فرماتے ہیں: محبت صرف اسی وقت درست ہو سکتی ہے۔ جب محبّ اپنی محبت کی طرف نہ دیکھے بلکہ اپنی محبت کا علم مٹا کر اپنے محبوب کے دیدار کی طرف لگا رہے۔

۴۸۔ جعفرؒ فرماتے ہیں کہ سریؒ نے انھیں ایک رقعہ دیا اور فرمایا کہ یہ تمہارے لئے سات سو قصوں یا کہانیوں سے بہتر ہے۔ جب کھولا تو اس میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔

وَلَمَّا ادَّعَيْتُ الْحُبَّ قَالَتْ كَذَبْتَنِي	فَمَا لِي أَرَى الْأَعْضَاءَ مِنْكَ كَوَاسِيَا
وَمَا الْحُبُّ حَتَّى يَلْصَقَ الْقَلْبُ بِالْحَشَا	وَتَذْبُلَ حَتَّى لَا تُجِيبَ الْمُنَادِيَا
وَتَنْحُلَ حَتَّى لَا يُبْقِي لَكَ الْهَوَى	سِوَى مُقْلَةٍ تَبْكِي بِهَا وَتُنَاجِيَا

جب میں نے محبت کا دعویٰ کیا تو محبوبہ کہنے لگی تو جھوٹ بول رہا ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو تمہارے اعضا اسے چھپا نہ سکتے۔

محبت میں تو دل انتڑیوں کے ساتھ چپک جاتا ہے اور اتنا مرجھا جاتا ہے کہ پکارنے والے کو جواب تک نہیں دے سکتا۔

اور پھر تو اس قدر لاغر ہو جائے کہ محبت تمہارے لئے تمہاری آنکھوں کے سوا نہ چھوڑے۔ اسی کے ذریعہ تو روئے اسی کے ذریعے سے تو بات کرے۔

ابن مسروقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سمنون کو محبت پر گفتگو کرتے سنا تو اس کے اثر سے مسجد کی تمام قندیلیں ٹوٹ گئیں۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا انھوں نے احمد بن علی سے سنا کہ ابراہیم بن فاتک فرماتے تھے کہ سمنون مسجد میں بیٹھے محبت پر گفتگو کر رہے تھے اور میں سن رہا تھا کہ ایک چھوٹا پرندہ آیا اور ان کے قریب ہو گیا اور قریب ہوتے ہوتے ان کے ہاتھ پر جا بیٹھا۔ اس کے بعد اس نے زمین پر اپنی چونچ مارنی شروع کی تا آنکہ اس سے خون بہنے لگا۔ اس کے بعد وہ مر گیا۔

۴۹۔ جنیدؒ فرماتے ہیں:۔ ہر وہ محبت جو کسی غرض کے لئے ہے جب وہ غرض جاتی رہے گی تو

محبت بھی جاتی رہے گی۔

شبلیؒ پاگل خانہ میں

کہتے ہیں شبلیؒ کو پاگل خانہ میں بند کر دیا گیا تو کچھ لوگ اُن کے پاس آئے شبلیؒ نے پوچھا، تم کون لوگ ہو؟ جواب دیا ہم تمہارے محب ہیں اس پر شبلیؒ نے اُن پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے اور وہ بھاگ گئے۔ یہ حال دیکھ کر شبلیؒ نے کہا: اگر تم میری محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میری تکلیف پر بھی صبر کرو۔ شبلیؒ نے یہ قطعہ پڑھا۔

يَا اَيُّهَا السَّيِّدُ الْكَرِيْمُ   حُبُّكَ بَيْنَ الْحَشَا مُقِيْمُ
يَا رَافِعَ النَّوْمِ عَنْ جُفُوْنِيْ   اَنْتَ بِمَا مَرَّ بِيْ عَلِيْمُ

اے سید اور کریم تیری محبت میرے تن دھن میں مقیم ہے۔
اے محبوب! جس نے میری آنکھوں سے نیند اڑا دی ہے تجھے معلوم ہے کہ مجھ پر کیا گزری۔

یحییٰ اور ابو یزید

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی سے سنا، انھوں نے منصور بن عبد اللہ سے سنا کہ النہرجوری نے کہا کہ علی بن عبید فرماتے تھے کہ یحییٰ بن معاذؒ نے ابو یزید کو لکھا کہ میں اللہ کی محبت کے بہت سے پیالے پینے سے نشہ میں ہوں۔ اس کے جواب میں ابو یزید نے لکھا: تمہارے سوا کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے آسمانوں اور زمینوں کے سمندر پی لئے مگر پھر بھی سیر نہیں ہوئے اور ان کی زبان (پیاس کے مارے) باہر نکلی ہوئی ہے۔ ھل من مزید کہہ رہے ہیں

صوفیاء محبت کے متعلق یہ اشعار بھی پڑھتے ہیں:

عَجِبْتُ لِمَنْ يَقُوْلُ ذَكَرْتُ اِلْفِيْ   وَهَلْ اَنْسٰى فَاَذْكُرَ مَا نَسِيْتُ
اَمُوْتُ اِذَا ذَكَرْتُكَ ثُمَّ اَحْيَا   وَلَوْلَا حُسْنُ ظَنِّيْ مَا حَيِيْتُ
فَاَحْيٰى بِالْمُنٰى وَ اَمُوْتُ شَوْقًا   فَكَمْ اَحْيَا عَلَيْكَ وَكَمْ اَمُوْتُ
شَرِبْتُ الْحُبَّ كَاْسًا بَعْدَ كَاْسٍ   فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَمَا رَوِيْتُ

مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے محبوب کو یاد کیا۔ اور میں تو اسے کبھی بھولتا ہی نہیں ہوں کہ یاد کرنے کی ضرورت پڑے۔

اے محبوب! جب تمہارا ذکر کرتا ہوں تو مر جاتا ہوں اور پھر زندہ ہو جاتا ہوں اگر میرا حسن ظن نہ ہوتا تو زندہ بھی نہ ہوتا۔

میں آرزو سے زندہ ہوتا ہوں اور شوق سے مرتا ہوں۔ میں کب تک مرتا اور زندہ ہوتا رہوں
میں نے محبت کے پیالے پر پیالے پیئے مگر نہ شراب ختم ہوئی اور نہ میں سیر ہوا۔

وحیِ عیسیٰ | کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جب میں کسی بندے کے دل کی طرف دیکھتا ہوں اور اس میں دنیا اور آخرت کی محبت نہیں پاتا تو اسے اپنی محبت سے بھر دیتا ہوں۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ عبارت دیکھی: کسی ایک آسمانی کتاب میں ہے۔ "اے میرے بندے! تمہاری قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تجھے میری قسم تو بھی مجھ سے محبت کر۔"

۴۰۔ جسے محبت میں سے کچھ حصّہ ملا ہو اور اُسے خوف خدا میں سے اسی قدر حصّہ نہ ملا ہو تو وہ شخص دھوکا کھائے گا۔

کہا جاتا ہے کہ محبت تمہارا نشان مٹا دیتی ہے۔

۴۱۔ کہا جاتا ہے کہ محبت میں ایک ایسی مستی ہے جس سے انسان محبوب کے مشاہدہ کے بغیر ہوش میں نہیں آتا۔ پھر محبوب کے مشاہدہ سے جو مستی حاصل ہوتی ہے اس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔

یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

فَاَسْکَرَ الْقَوْمَ دَوْرُ کَاْسٍ وَکَانَ سُکْرِیْ مِنَ الْمُدِیْرِ

لوگ تو پیالے کے دور سے مست ہونے لگے مگر میری مستی دور دینے والے کی وجہ سے تھی۔

استاد ابو علی دقاقؒ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

لِیْ سَکْرَتَانِ وَلِلنَّدْمَانِ وَاحِدَۃٌ شَیْءٌ خُصِصْتُ بِہٖ مِنْ بَیْنِھِمْ وَحْدِیْ

مجھے دو مستیاں حاصل ہیں (ایک شراب محبت کی اور ایک محبوب کی) جبکہ اور ندیموں کو ایک ہی مستی ہے۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو صرف مجھے ہی حاصل ہے۔

۴۲۔ ابنِ عطار کہتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ تو ہمیشہ اپنے آپ کو عتاب کرتا رہے۔

ایک لونڈی کا قصہ استاد ابوعلی دقاق کی ایک لونڈی تھی جس کا نام فیروز تھا۔ انھیں اس سے محبت تھی۔ کیونکہ اس نے اُن کی بڑی خدمت کی تھی۔ میں نے استاد کو فرماتے سنا کہ ایک روز فیروز نے مجھے دکھ دے رہی تھی اور زبان درازی کر رہی تھی تو ابوالحسین قاری نے اسے کہا، تو اس بوڑھے آدمی کو کیوں دکھ دے رہی ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا اس لئے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔

۴۴۔ یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں محبت اگر رائی بھر بھی ہو تو مجھے وہ ستر سال ایسی عبادت سے جو بغیر محبت کے ہو زیادہ محبوب ہے۔

ایک نوجوان کا قصہ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان نے عید کے دن لوگوں کو کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اور کہا۔

من مات عشقاً فلیمت ھکذا لاخیر فی عشق بلا موت

جو عشق سے مرنا چاہتا ہے وہ اس طرح مرے۔ عشق بغیر موت کے بے سود ہے۔ اور اس نے ایک بلند چھت سے اپنے آپ کو گرا دیا اور گر کر مر گیا۔

ایک ہندی کا عشق کہتے ہیں کہ ایک ہندی کسی لڑکی پر عاشق ہو گیا۔ لڑکی نے کوچ کا ارادہ کیا تو وہ شخص اس کی مشایعت کے لئے نکلا۔ اس وقت اس کی ایک آنکھ سے آنسو نکلے اور دوسری سے نہ نکلے۔ . . . .

جس آنکھ سے آنسو نہیں نکلے تھے اس نے اس آنکھ کو چوراسی سال تک بند رکھا اور سزا کے طور پر اسے نہیں کھولا۔ کیونکہ اس نے اس کی محبوبہ پر آنسو نہیں بہائے تھے۔

اسی مفہوم کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

بَکَتْ عَیْنِی غَدَاۃَ الْبَیْنِ دَمْعاً وَاُخْرٰی بِالْبُکَا بَخِلَتْ عَلَیْنَا

فَعَاقَبْتُ الَّتِی بَخِلَتْ بِدَمْعٍ بِاَنْ غَمَّضْتُھَا یَوْمَ الْتَقَیْنَا

محبوب کی جدائی کے دن میری ایک آنکھ نے آنسو بہائے اور دوسری نے کوئی آنسو نہیں بہایا۔ لہٰذا جس آنکھ نے کوئی آنسو نہیں بہایا تھا۔ میں نے اسے یہ سزا دی کہ محبوب کی ملاقات کے دن میں نے اسے بند رکھا۔

ایک صوفی بیان کرتے ہیں کہ ہم ذوالنون مصریؒ کے پاس تھے تو محبت کا ذکر چھڑ گیا۔ ذوالنونؒ نے فرمایا: اس مسئلہ کا ذکر مت کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ سن کر اس کا دعویٰ کر بیٹھیں۔ پھر یہ قطعہ پڑھا:

اَلْخَوْفُ اَوْلٰی بِالْمُسِیْءِ ، اِذَا تَاَلَّہٗ وَالْحَزَنْ
وَالْحُبُّ یَجْمُلُ بِالتَّقِیْ ، وَبِالنَّقِیِّ مِنَ الدَّرَنْ

جب بدکردار انسان عبادت گزار ہو جاتے تو اس کے لئے خوف و غم بہتر ہے۔ محبت تو اُن لوگوں کو اچھی لگتی ہے جو پرہیزگار ہوں اور ہر قسم کی میل کچیل سے پاک ہوں۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں، جو شخص نااہل لوگوں میں محبت کا ذکر کرے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

ایک شخص کی محبت کا قصہ

کہتے ہیں کہ ایک شخص کہا کرتا تھا کہ وہ فلاں کی محبت میں مر رہا ہے تو اُس نوجوان نے (جس کی محبت میں وہ مرنے کا دعویٰ کرتا تھا) کہا یہ کیسے؟ حالانکہ یہ میرا بھائی مجھ سے زیادہ خوبرو ہے اور خوبصورت ہے۔ یہ سن کر اُس شخص نے اس کے بھائی کو دیکھنے کے لئے سر اٹھایا۔ اس وقت عاشق و معشوق دونوں چھت پر تھے۔ محبوب نے عاشق کو چھت پر سے نیچے پھینک دیا اور کہا کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو دعویٰ تو میری محبت کا کرے مگر کسی اور کی طرف دیکھے۔

معرفت افضل ہے یا محبت

سمنون محبت کو معرفت سے افضل سمجھتے تھے۔ لیکن اکثر مشائخ معرفت کو محبت پر فضیلت دیتے ہیں۔

معرفت کی تعریف

محققین کے نزدیک محبت اپنے آپ کو لذت سے ہلاک کرنے کا نام ہے اور معرفت یہ ہے کہ حیرت کی حالت میں محبوب کا مشاہدہ اور ہیبت میں فنا ہو جاتے۔

جنیدؒ کا حج کے موقعہ پر محبت کی تشریح

ابوبکر کتانیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ میں حج کے موسم میں محبت پر بحث چھڑ گئی۔ شیوخ صوفیاء نے اس پر تقریریں کیں۔ جنیدؒ سب سے چھوٹی عمر کے تھے۔ مشائخ نے جنیدؒ سے کہا اے عراقی! تو بھی بیان کر۔ اس پر جنیدؒ نے سر جھکایا اور رونے لگ گئے۔ پھر یوں کہا۔

جو تمہاری بیوی کے ساتھ بُرا فعل کرنے کا ارادہ رکھے اُس کی یہی سزا ہے کہ یا تو قید کر دیا جائے یا سخت سزا دی جائے۔

زلیخا نے پہلے تو جُرم یوسفؑ کے ذمے لگایا مگر بالآخر اُس نے اپنے آپ کو خائن قرار دیا۔ مَیں نے یہ تشریح استاد ابو علی دقاقؒ سے سُنی ہے۔

ابو سعید خرازؒ سے حکایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: مَیں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ مَیں نے عرض کیا: یا رسول اللہ مجھے معاف کیجئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت نے مجھے اس قدر مشغول کر رکھا ہے کہ آپ کی محبت کی طرف دھیان نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا: اے برکت والے انسان! جس نے اللہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔

رابعہ کی مناجات کہتے ہیں کہ رابعہ نے مناجات میں کہا: یا الٰہی! تو کیا اس دل کو دوزخ کی آگ میں جلائے گا جو تجھ سے محبت کرتا ہو؟ ہاتف نے جواب دیا: ہم ایسا نہیں کرتے۔ تو ہم پر بد گمانی نہ کر۔

کہتے ہیں حُب میں دو حرف ہیں۔ ح اور ب جن میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ جو شخص محبت کرے اسے اپنی روح اور بدن دونوں سے نکل آنا چاہیئے۔

لفظ محبت کے استعمال میں صوفیاء کا گویا اس بات پر اجماع ہے کہ محبت محبوب سے موافقت کرنے کو کہتے ہیں اور سب سے زوردار موافقت وہ ہے جو دِل سے ہو۔ نیز یہ ہے کہ محبت سے مباینت کی نفی ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ محبّ تو ہر لحظہ اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے۔ حدیث میں اسی طرح آیا ہے۔

ہم سے امام ابو بکر بن فورک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہم سے قاضی احمد بن محمود بن خرزاذ نے کہا کہ الحسین بن حماد بن فضالۃ نے کہا کہ یحییٰ بن حُبیب[۱۱۶۶] نے بتایا کہ مرحوم ابن عبدالعزیز[۱۱۶۷] نے سفیان ثوری سے روایت کی کہ الاعمش نے ابی وائل سے اور انھوں نے ابو موسیٰ الاشعری سے سنا کہ:

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ایک شخص کچھ ایسے لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔ جن سے ابھی اُس کی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ (ایسے کے متعلق کیا حکم ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المرءُ مع احبَّ۔ انسان انہی لوگوں کے ساتھ ہے، جن سے اس کی محبت ہو۔

ایک بندہ ہے جو اپنے آپ کو کھو چکا ہے۔ اپنے رب کا لگاتار ذکر کرتا ہے اور اُس کے حقوق برابر ادا کئے جا رہا ہے اور دِل کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ رہا ہے۔ ذاتِ خداوند کے انوار نے اُسے جلا دیا ہے اور اس کی محبت کے پیالوں سے اُس نے صاف شراب پی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی غیب سے اس کے لئے پردے اُٹھا دیئے ہیں۔ لہٰذا یہ شخص جب گفتگو کرے گا تو اللہ کی مدد سے گفتگو کرے گا اور اگر حرکت کرے گا تو اسی کے حکم سے اور اگر ساکن ہوگا تو اللہ کے حکم سے، لہٰذا یہ شخص اللہ کے لئے اور اللہ کی معیت میں ہوگا۔

یہ سُن کر تمام شیوخ رو پڑے اور کہا کہ اس پر کچھ اضافہ نہیں ہو سکتا؛ خدا تیری حالت درست کرے اے تاج العارفین!

وحی داوٗد علیہ السلام کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داوٗد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے داوٗد جب تک کسی اور کی محبت کسی دِل میں پائی جاتی ہو اس وقت تک نے اِس بات کو حرام قرار دے دیا ہے کہ میری محبت اس دِل میں داخل ہو۔

ہم سے حمزہ ابنِ یوسف السہمی نے کہا کہ محمد بن احمد[1161] بن القاسم نے ان سے کہا ہیم بن[1162] ہ نے انھیں بتایا کہ ابراہیم ابنِ[1163] الحرث نے اُن سے کہا کہ عبدالرحمٰن بن[1164] عفان نے بیان کیا کہ محمد بن[1165] ا نے کہا: مجھ سے ابوالعباس خادم الفضیل بن عیاض نے کہا کہ فضیل کو احتباسِ بول کی بیماری لگ گ تو انھوں نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی:۔

اے اللہ! تجھے میری محبت کی قسم کہ میرا پیشاب کھول دے۔ ابوالعباس کہتے ہیں کہ ابھی وہیں تھے کہ انھیں شفا ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ محبت میں ایسی جان نثاری ہونی چاہیئے جیسی عزیزِ مصر کی بیوی (زلیخا) میں کیونکہ جب یوسفؑ کی محبت انتہا کو پہنچ گئی تو بول اُٹھی۔

اَنَا رَاوَدْتُّہٗ عَنْ نَّفْسِہٖ وَاِنَّہٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا تھا اور سچ کہتا ہے۔)

حالانکہ شروع میں اُسی نے یوں کہا تھا:

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَھْلِکَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ عبداللہ الرازی نے اُن سے کہا کہ ابوعثمان الحیری نے کہا کہ ابوحفص فرماتے تھے احوال صوفیہ کی اکثر خرابی کا باعث تین چیزیں ہیں۔ (۱) عارفین کا فسق (۲) محبین کی کی خیانت (۳) مریدین کا کذب۔

ابوعثمان فرماتے ہیں، عارف کا فسق یہ ہے کہ عارف اپنی نگاہ زبان اور کانوں کو دنیا کے اسباب اور منافع کی طرف لگائے۔ محبین کی خیانت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو آئندہ آنے والے حالات کے متعلق اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر ترجیح دیں۔ اور مریدین کا کذب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دیدار پر مخلوق کا ذکر اور ان کا دیدار غالب آگیا ہو۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ ابوبکر الرازی نے اُن سے کہا کہ ابوالقاسم الجوہری نے اُن سے کہا کہ ابوعلی ممشاد بن سعید العکبری فرماتے تھے کہ ایک نر ابابیل نے مادہ ابابیل کو پھانسنا چاہا۔ دونوں سلیمان علیہ السلام کے گنبد میں تھے۔ مادہ نے بات نہ مانی تو کہنے لگا تو میرا کہنا کیوں نہیں مانتی؛ میں اگر چاہوں تو گنبد کو تہ و بالا کر دوں۔ سلیمان علیہ السلام نے اُسے بلا کر پوچھا یہ بات تو نے کیوں کہی؟ تو اس نے جواب دیا یا نبی اللہ! عشاق کو اُن کی بات پر مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ اس پر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: تو سچ کہتا ہے۔

۴۷۔ شوق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللّٰهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ لَآتٍ جو شخص اللہ سے ملنے کی اُمید رکھتا ہے (اُسے معلوم ہونا چاہیئے) کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آنے والا ہے۔

دعا

ہم سے علی ابن احمد بن عبدان الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید البصری نے اُن سے، ابن ابی قماش نے، اُن سے اسمٰعیل بن زرارہ نے کہا کہ میں نے حماد بن یزید[۱۱۴۹] سے سنا کہ عطاء بن السائب[۹۰۰] نے، اور اُن سے اُن کے باپ نے کہا کہ عمار بن یاسر[۸۰] نے نماز پڑھائی اور اس میں اختصار کیا تو میں نے کہا اے ابوالیقظان! تو نے نماز میں تخفیف کر دی؟ انھوں نے جواب دیا کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ میں نے نماز میں وہ دعا مانگی ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ جب وہ اُٹھ کر روانہ ہوئے تو ایک آدمی اُن کے پیچھے ہو لیا۔ اور اس نے عمار سے پوچھا کہ وہ دُعا کون سی ہے؟ عمار نے بتایا وہ دعا یہ ہے؛

اَللّٰھُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَیْبِ وَ قُدْرَتِكَ عَلَی الْخَلْقِ اَحْیِنِیْ مَا عَلِمْتَ الْحَیَاۃَ خَیْرًا لِّیْ وَ تَوَفَّنِیْ مَا عَلِمْتَ الْوَفَاۃَ خَیْرًا لِّیْ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَشْیَتَكَ فِی الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ وَ اَسْأَلُكَ كَلِمَۃَ الْحَقِّ فِی الرِّضَا وَ الْغَضَبِ وَ اَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِی الْغِنٰی وَ الْفَقْرِ وَ اَسْأَلُكَ نَعِیْمًا لَا یَبِیْدُ وَ قُرَّۃَ عَیْنٍ لَا یَنْقَطِعُ وَ اَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَ بَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ اَسْأَلُكَ النَّظَرَ اِلٰی وَجْھِكَ الْكَرِیْمِ شَوْقًا اِلٰی لِقَائِكَ فِیْ غَیْرِ ضَرَّاءَ وَ لَا فِتْنَۃٍ مُضِلَّۃٍ اَللّٰھُمَّ زَیِّنَّا بِزِیْنَۃِ الْاِیْمَانِ۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا ھُدَاۃً مُّھْتَدِیْنَ۔

ترجمہ:۔ خدایا! تجھے تیرے علمِ غیب اور اس قدرت کا واسطہ جو مخلوق پر ہے کہ تو مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک تو زندگی کو میرے لئے بہتر خیال کرے اور جب یہ خیال کرے کہ اب وفات میرے لئے بہتر ہے، تو مجھے موت دے۔ خدایا! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنا خوف عطا کر، خواہ میں لوگوں سے غائب ہوں یا حاضر۔ نیز یہ کہ مجھے خوشی اور غضب دونوں حالتوں میں حق بات کہنے کی توفیق عطا کر۔ نیز یہ کہ مالداری اور فقر میں تو مجھے درمیانہ روی کی توفیق دے۔ خدایا! میں تجھ سے ایسی نعمتیں مانگتا ہوں جو ہلاک نہ کر ڈالیں۔ اور ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک چاہتا ہوں جو منقطع ہونے والی نہ ہو۔ قضا کے بعد رضا چاہتا ہوں اور موت کے بعد ٹھنڈی زندگی۔ خدایا! تو مجھے اپنا دیدار نصیب کر۔ اور اپنی ملاقات کا شوق عطا کر کہ اس میں نہ کوئی مضرت ہو۔ اور نہ گمراہ کرنے والا فتنہ۔ خدایا! ہمیں ایمان کی زینت سے مزین کر دے اور ہمیں ایسا راہنما بنا کہ ہم خود بھی ہدایت یافتہ ہوں۔

شوق کی تعریف

۱۔ استاد فرماتے ہیں: محبوب کی ملاقات کے لئے دل کا جوش مارنا شوق کہلاتا ہے۔ چنانچہ جس قدر محبت ہوگی اسی قدر شوق بھی ہوگا۔

۲۔ میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو سنا وہ فرماتے تھے کہ شوق اور اشتیاق میں فرق ہے۔ کیونکہ شوق تو محبوب کی ملاقات اور دیدار سے مدھم پڑ جاتا ہے مگر اشتیاق ملاقات سے زائل نہیں ہوتا۔ اس کی تائید میں یہ شعر پیش کیا گیا ہے۔

مَا یَرْجِعُ الطَّرْفُ عَنْہُ عِنْدَ رُؤْیَتِہٖ   حَتّٰی یَعُوْدَ اِلَیْہِ الطَّرْفُ مُشْتَاقًا

اشتیاق کی وجہ سے محبوب کے دیدار کے وقت نگاہ اس سے ہٹتی ہی نہیں کہ اس کے دوبارہ لوٹنے کا سوال پیدا ہو۔

۳۔ میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ نصر آبادی فرماتے تھے کہ مقامِ شوق تو تمام مخلوق کو حاصل ہے مگر انھیں مقامِ اشتیاق حاصل نہیں جو اشتیاق کی حالت میں داخل ہو گیا پھر وہ اسی میں سرگرداں رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا نہ کوئی نشان ملتا ہے اور نہ قرار۔

۴۔ کہتے ہیں کہ احمد بن حامد الاسود نے عبداللہ بن مبارک کے پاس آکر کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ ایک سال تک مرجائیں گے۔ اب آپ اس کے لئے تیاری کرلیں۔ اس پر عبداللہ بن مبارک نے جواب دیا: تو نے تو مجھے لمبی مہلت دے دی کہ میں ایک سال تک زندہ رہوں گا مجھے تو اس شعر سے انس ہے جو میں نے ابو علی ثقفی سے سنا تھا۔

یَا مَنْ شَکَا شَوْقَهٗ مِنْ طُولِ فُرْقَتِهٖ اصْبِرْ لَعَلَّکَ تَلْقٰی مَنْ تُحِبُّ غَدًا

اے وہ شخص جو اپنی طویل جدائی کی وجہ سے شوق کی شکایت کرنے والا ہے۔ صبر کر، ہو سکتا ہے کہ کل ہی تمہارے محبوب سے تمہاری ملاقات ہو جائے۔

۵۔ ابو عثمان فرماتے ہیں، شوق کی نشانی یہ ہے کہ انسان راحت کے ہوتے ہوئے موت سے محبت رکھے۔

۶۔ یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں شوق کی علامت یہ ہے کہ انسان کے اعضا اپنی خواہشات چھوڑ دیں۔

داؤد علیہ السلام کا واقعہ

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ ایک دن داؤد علیہ السلام اکیلے کسی جنگل کو نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بذریعہ وحی فرمایا: اے داؤد تو اکیلا کیوں ہے؟ انھوں نے عرض کیا، یا الٰہی! میں دل سے تمہاری ملاقات کا مشتاق ہوں۔ مگر مخلوق اس میں حائل ہو جاتی ہے۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اُن کی طرف لَوٹ جا۔ کیونکہ اگر تو کسی نافرمان بندے کو میری طرف لے آئے گا تو لوح محفوظ میں تمہارا نام جہبذ (پرکھنے والا) لکھا جائے گا۔

ایک اور واقعہ کہتے ہیں کہ ایک بڑھیا کا کوئی رشتہ دار سفر سے آیا تو اُس کی قوم نے بہت خوشی منائی۔ مگر بڑھیا روتی رہی۔ لوگوں نے اُس سے رونے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگی اس آدمی کی آمد نے مجھے وہ دن یاد دلایا ہے جس دن ہم اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے۔

۷۔ ابنِ عطاؒ سے شوق کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: شوق یہ ہے کہ انتڑیاں جلیں، دل شعلہ زن ہو اور جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

ایک بار پھر اُن سے شوق کے متعلق سوال کیا گیا کہ آیا شوق زیادہ بلند چیز ہے یا محبت ؟ تو فرمایا محبت اعلیٰ ہے کیونکہ شوق اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

۸۔ ایک صوفی کا قول ہے کہ شوق ایک شعلہ ہے جو انتڑیوں میں جدائی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور جب ملاقات ہو جاتی ہے تو بجھ جاتی ہے اور جب محبوب کا مشاہدہ باطن پر غالب آ جاتا ہے تو پھر باطن میں شوق داخل نہیں ہوتا۔

۹۔ کسی صوفی سے پوچھا گیا: کیا تجھے اشتیاق ہے ؟ اس نے جواب دیا: نہیں کیوں کہ شوق تو غائب کی طرف ہوتا ہے اور اللہ تو حاضر ہے۔

میں نے استاد ابُو علی کو اللہ تعالیٰ کے فرمان وَعَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى یا الٰہی! میں نے تیری طرف آنے میں جلدی کی تاکہ تو مجھ سے راضی ہو جائے، کے متعلق فرماتے سنا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شوق کی وجہ سے میں نے تمہاری طرف آنے میں جلدی کی۔ مگر لِتَرضٰی کا لفظ لا کر اس پر پردہ ڈالنا چاہا ہے۔

انہی کو میں نے فرماتے سنا کہ باوجود عافیت کے موت کی تمنا کرنا شوق کی علامات میں سے ہے جس طرح یوسف علیہ السلام کہ جب آن کو کنویں میں ڈالا گیا تو انھوں نے موت کی درخواست نہیں کی قیدخانے میں گئے تب بھی موت کی درخواست نہیں کی مگر جب اُن کے والدین آن کے پاس آئے بھائی سجدے میں گر گئے اور اُن کی حکومت اور خداوندی نعمتیں مکمل ہو گئیں تو کہا تَوَفَّنِی مُسْلِمًا مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں موت دے۔ اسی سلسلہ میں یہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

نَحْنُ فِی اَکْمَلِ السُّرُوْرِ وَلٰکِنْ — لَیْسَ اِلَّا بِکُمْ یَتِمُّ السُّرُوْرُ
عَیْبُ مَا نَحْنُ فِیْهِ یَا اَهْلَ وُدِّیْ — اَنَّکُمْ غُیَّبٌ وَنَحْنُ حُضُوْرُ

ہمیں کامل ترین خوشی حاصل ہے مگر اس کی تکمیل تمہارے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اے میرے دوست ہماری موجودہ کیفیت میں جو کمی ہے وہ صرف اس بات کی ہے کہ تم غیر حاضر ہو اور ہم حاضر ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ دو شعر بھی پیش کئے جاتے ہیں۔

مَنْ سَرَّهُ الْعِیْدُ الْجَدِیْدُ فَقَدْ عَدِمْتُ بِهِ السُّرُوْرَا

کَانَ السُّرُوْرُ یَتِمُّ لِیْ لَوْ کَانَ اَحْبَابِیْ حُضُوْرًا

کسی کو نئی عید آنے سے خوشی ہوتی ہے لیکن میں نے تو اس کی وجہ سے خوشی کو معدوم پایا ہے۔ میری خوشی تو اُس وقت پوری ہوتی جب میرے احباب بھی موجود ہوتے ہیں۔

ابنِ خفیف کا قول

ابن خفیف کہتے ہیں: وجد کے ساتھ دل کی خوشی اور محبوب کی ملاقات کے قرب کی محبّت کا نام شوق ہے۔

ابو یزید کا قول

ابو یزید فرماتے ہیں: اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر جنت میں اللہ تعالیٰ انھیں اپنے دیدار سے محجوب رکھے تو وہ جنت سے بچنے کی اسی طرح فریاد کریں گے جس طرح دوزخی دوزخ سے بچنے کی کریں گے۔

ہم سے محمد بن عبداللہ الصوفی نے کہا کہ اُن سے ابوالعباس الہاشمی نے بیضا میں کہا کہ محمدؐ بن عبداللہ الخزاعی[۴] نے اُن سے کہا کہ عبداللہ الانصاری[۵] نے کہا کہ میں نے الحسین الانصاری سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت برپا ہے اور ایک شخص عرش کے نیچے کھڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے یہ کون ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: اللہ کو بہتر معلوم ہے۔ اللہ فرماتا ہے: یہ معروف کرخی ہے۔ یہ میری محبت میں مدہوش ہے۔ اب وہ میری ملاقات کے بغیر ہوش میں نہیں آسکتا۔

ایک اور حکایت میں اسی قسم کا خواب مذکور ہے۔ البتہ وہاں یوں ذکر ہے کہ یہ معروف کرخی ہے۔ یہ دنیا سے اللہ کے اشتیاق میں نکل آیا۔ لہٰذا اللہ نے بھی اُسے اجازت دے دی کہ وہ اُس کو دیکھ لے۔

۱۰۔ فارس کہتے ہیں: مشتاقوں کے دل اللہ کے نور سے منوّر ہوتے ہیں اور جب اُن کا اشتیاق حرکت میں آتا ہے تو اُن کے نور سے زمین اور آسمان کے درمیان تمام فضا روشن ہو جاتی ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے فرماتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنھیں میرا اشتیاق ہے۔ میں تمہیں گواہ رکھتا ہوں کہ مجھے اُن کا اُن سے بھی زیادہ شوق ہے۔

۱۱۔ میں نے استاد ابو علی وقاقؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان، اَسْأَلُكَ الشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِكَ (میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنی ملاقات کا شوق عطا کر) کی تشریح میں فرماتے سنا کہ شوق کے ایک سو اجزا ہیں۔ ان میں سے ننانوے اللہ کے لئے ہیں اور ایک جزو تمام لوگوں میں بٹا ہوا ہے۔ اللہ نے چاہا کہ یہ جزو بھی اسی کے لئے ہو لہٰذا اسے غیرت آئی کہ کہیں شوق کا شمہ بھر بھی کسی اور کے لئے نہ رہے۔

کہا گیا ہے کہ اہلِ قربت کا شوق محجوبین کے شوق سے زیادہ تام ہوتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے:

وَاَبْرَحُ مَا یَکُوْنُ الشَّوْقُ یَوْمًا ۔۔۔ اِذَا دَنَتِ الْخِیَامُ مِنَ الْخِیَامِ

جس دن ہمارے خیمے محبوب کے خیموں کے قریب آ جائیں تو اس وقت شوق اور زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

۱۲۔ کہا جاتا ہے کہ جب موت وارد ہوتی ہے تو مشتاق لوگ اس کی حلاوت کے گھونٹ بھرتے ہیں کیونکہ یہ بات اُن کے لئے منکشف کر دی گئی ہے کہ محبوب کے وصل کی خوشی شہد سے بھی زیادہ میٹھی ہوتی ہے۔

۱۳۔ میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبداللہ بن علی نے کہا جعفر نے کہا: جنیدؒ فرماتے تھے کہ میں نے سریؒ کو فرماتے سنا کہ شوق عارف کے لئے ایک جلیل القدر مقام ہے۔ بشرطیکہ وہ اس میں راسخ ہو چکا ہو۔ اور جب وہ شوق میں راسخ ہو جاتا ہے تو اس وقت اُن تمام اشیاء سے غافل ہو جاتا ہے جو اُسے اپنے محبوب سے ہٹاتے رکھیں۔

۱۴۔ ابو عثمان حیری اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ" (اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ مدت آکر رہے گی) کے متعلق فرماتے ہیں اس آیت میں مشتاقوں کو تسلی دی گئی ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ تم پر میرا اشتیاق غالب آ چکا ہے۔ اور میں نے تمہاری ملاقات کے لئے ایک مدت مقرر کر رکھی ہے۔ تم عنقریب اس خدا کے پاس پہنچ جاؤ گے۔ جس کی ملاقات کا تمہیں اشتیاق ہے۔
کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ بنی اسرائیل کے نوجوانوں کو کہہ دو کہ تم

مجھے چھوڑ کر اوروں کی طرف کیوں مشغول ہوتے ہو۔ حالانکہ میں تمہارا مشتاق ہوں۔ یہ جفا کیسی؟

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اگر وہ لوگ جو مجھ سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ یہ جان لیں کہ میں اُن کا کیسے انتظار کر رہا ہوں اور ان پر کیسے مہربانی کرنے والا ہوں اور اُن کی معصیت کاریوں کو کیسے چھوڑ دیتا ہوں تو وہ میرے شوق سے مر جائیں اور اُن کے جوڑ میری محبت کی وجہ سے منقطع ہو جائیں۔ اے داؤد! یہ میرا ارادہ اُن لوگوں کے متعلق ہے جو مجھ سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ جو لوگ میری طرف آتے ہیں اُن کے ساتھ میرا ارادہ کیسا ہوگا؟

کہتے ہیں کہ تورات میں لکھا ہے، ہم نے تمہیں شوق دلایا مگر تم مشتاق نہ ہوئے۔ ہم نے تمہیں ڈرایا مگر تم نہ ڈرے۔ ہم نے تمہاری خاطر نوحہ کیا مگر تم نے نہ کیا۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا: شعیب علیہ السلام اس قدر روئے کہ انکی بینائی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی انھیں پھر واپس دے دی۔ پھر روتے رہے یہاں تک کہ پھر بینائی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ بینائی دے دی۔ پھر روئے یہاں تک کہ پھر بینائی چلی گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی کی کہ اگر یہ رونا جنت کی خاطر ہے تو میں نے تم کو جنت دے دی۔ اور اگر دوزخ کی وجہ سے ہے تو میں نے تم کو پناہ دے دی۔ شعیب علیہ السلام نے عرض کیا، نہیں بلکہ میرا رونا تو آپ کے اشتیاق میں ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کہا: اسی لئے تو میں نے اپنے نبی اور کلیم سے دس سال آپ کی خدمت کرائی۔

کہتے ہیں جسے اللہ کا شوق ہو ہر چیز اس کی مشتاق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جنت کو تین شخصوں کا اشتیاق ہوا۔ علیؓ۔ عمارؓ۔ اور سلمانؓ کا۔[۴۷۶]

میں نے استاد ابو علی کو فرماتے سنا کہ ایک صوفی کا قول ہے کہ میں شوق میں داخل ہوتا ہوں تو اشیاء میری مشتاق ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ میں ان سے آزاد ہونا چاہتا ہوں۔[۴۷۷] سنا کہ عبداللہ بن جعفرؒ[۴۷۸] نے کہا کہ محمد بن عمر الرملی نے ان سے کہا کہ میں نے سنا شیخ ابو عبدالرحمٰن سے محمد بن جعفر الامام نے کہا کہ میں نے اسحٰق بن ابراہیم سے سنا کہ مرحوم[۴۷۹] نے کہا کہ انھوں نے مالک بن دینار سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے تورات میں یوں پڑھا ہے۔ ہم نے تمہیں شوق دلایا مگر تم مشتاق نہ ہوئے۔ ہم نے تمہارے لئے بانسری بجائی مگر تمہارے اندر حرکت پیدا نہ ہوئی۔

میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا کہ محمد بن فرحان نے کہا کہ کسی نے جنیدؒ سے سوال کیا کہ عاشق معشوق سے ملتے وقت کیوں روتا ہے؟ جنیدؒ نے جواب دیا: محبوب کی ملاقات کی خوشی اور شدت کی وجہ سے جو وجد طاری ہوتا ہے اس کی وجہ سے رونا آجاتا ہے

مجھے یہ خبر ملی ہے کہ دو بھائی بغلگیر ہوئے تو ایک نے کہا: واشوقاہ! (ہائے شوق!) اور دوسرے نے کہا: واوجداہ! (ہائے وجد!)

۴۸۔ مشائخ کا پاس خاطر اور اُن کی مخالفت نہ کرنا۔ (۱۱۸۰)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور خضر علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ہے: "هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا"

کیا میں آپ کی اس شرط پہ تابعداری کروں کہ آپ وہ ہدایت مجھے سکھا دیں گے جو آپ کو سکھائی گئی ہے۔

امام فرماتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام نے خضر کی صحبت میں رہنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے ادب کی شرائط کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ پہلے انھوں نے صحبت میں رہنے . . . کی اجازت چاہی۔ اس پر خضر نے یہ شرط لگا دی کہ موسیٰ علیہ السلام نہ تو اُن کی مخالفت کریں گے اور نہ کسی بات پر اعتراض کریں گے اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے اُن کی مخالفت کی تو پہلی اور دوسری بار تو انھوں نے معاف کر دیا۔ مگر جب تیسری بار ایسا کیا اور تین قلت اور کثرت کے درمیان حد فاصل ہے تو انھیں حکم دیا کہ وہ اُن سے جدا ہو جائیں اور کہا:

ہٰذا فراق بینی و بینک۔ اَب مجھ میں اور تم میں جدائی ہے۔

ہم سے ابو الحسین الاہوازی نے اُن سے احمد بن عبید البصری نے اُن سے ابو سالم القزاز نے اُن سے یزید بن بیان نے اُن سے ابو الرجاء نے کہا کہ انس بن مالک فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللهُ تَعَالَىٰ لَهُ مَنْ يُكْرِمُهُ عِنْدَ سِنِّهِ

جب کوئی نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی وجہ سے عزت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو

مقرر کر دیتے ہیں جو اس کے بڑھاپے میں اس کی عزت کریں گے۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ ہر فرقہ نے مخالفت کی ابتدا کی ہے۔ اُن کی مراد اس سے یہ ہے کہ جس نے اپنے شیخ کی مخالفت کی وہ اس کے طریقہ پر نہیں رہا۔ اور اُن کے درمیان تعلق منقطع ہو گیا۔ خواہ دونوں ایک جگہ رہیں۔ لہٰذا جو کسی شیخ کی صحبت میں رہا۔ پھر دل سے اس پر اعتراض کیا تو اس نے صحبت کے معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ اور اس پر توبہ کرنا واجب ہو گیا مگر مشائخ کا قول ہے کہ استادوں کے حقوق کی کوئی توبہ نہیں ہو سکتی (یعنی اگر کوئی شخص استادوں کے حقوق کو ملحوظ نہ رکھے اور پھر اس سے توبہ کرنا چاہے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی)۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی کو فرماتے سنا کہ میں اپنے شیخ اور استاد ابو سہل صعلوکی کی زندگی میں مرو گیا۔ میرے وہاں سے (اپنے شہر سے) نکلنے سے پہلے ہر جمعہ کی صبح کو اُن کے ہاں قرآن کے دور اور ختم کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ جب میں واپس آیا تو وہ مجلس بند ہو چکی تھی۔ اور اسی وقت میں ایک اور مجلس قائم ہو گئی تھی۔ جسے ابو الغفانی قائم کرتے اور وہ قول کی مجلس ہوتی۔ اس سے میرے دل میں خلش پیدا ہوئی اور میں دل میں کہتا کہ ختم قرآن کی مجلس کو بدل کر مجلسِ قول قائم کی گئی ہے۔ ایک دن انھوں نے مجھ سے کہا اے عبدالرحمٰن! لوگ میرے متعلق کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا: کہتے ہیں کہ قرآن کی مجلس تو بند کر دی گئی اور قول کی مجلس قائم کی گئی۔ اس پر انھوں نے فرمایا:

جس نے استاد پر اعتراض کیا وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔

یہ ایک مشہور بات ہے کہ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن سری کے پاس گیا۔ انھوں نے مجھے کسی بات کا حکم دیا، اور میں نے فوراً کر دی۔ جب میں کام پورا کر کے واپس آیا تو انھوں نے مجھے ایک رقعہ دے کر کہا۔ یہ تمہارے فوراً کام کرنے کے عوض میں ہے۔ میں نے رقعہ پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ میں نے ایک شتربان کو جنگل میں یہ شعر پڑھتے سنا:

اَبْکِیْ حِذَارًا اَنْ تُفَارِقَنِیْ ۔۔۔ اَبْکِیْ وَھَلْ یُدْرِیْکَ مَا یُبْکِیْنِیْ

وَتَقْطَعِیْ حَبْلِیْ وَتَھْجُرِیْنِیْ

"میں رو رہا ہوں اور تمہیں کیا معلوم کہ میں کیوں رو رہا ہوں۔ میں اس لئے رو رہا ہوں کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تو مجھ سے جدا نہ ہو جائے۔ تعلقات منقطع کر کے چلی نہ جائے۔"

ابوالحسین ہمدانی علوی سے حکایت کی گئی ہے وہ کہتے تھے کہ میں ایک رات جعفر خلدی کے پاس تھا اور میں نے گھر میں حکم دیا تھا کہ پرندہ کو تنور میں لٹکا دیا جائے؛ میرا دل اس پرندہ کی طرف لگا ہوا تھا کہ جعفر نے مجھ سے کہا کہ آج رات یہیں ٹھہرو۔ میں کوئی بہانہ بنا کر گھر واپس چلا آیا۔ پرندے کو تنور میں سے نکالا گیا اور میرے سامنے رکھ دیا گیا۔ اچانک گھر کے دروازے سے ایک کتا اندر آیا اور حاضرین کی نظر بچا کر پرندے کو لے اڑا۔ پھر جو شوربا بچ گیا تھا، اسے لایا گیا۔ خادم کے کپڑے کا دامن اس سے الجھ گیا اور وہ سب کا سب گر گیا۔ جب صبح ہوئی تو جعفر کے پاس گیا۔ انھوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا:

جو شخص مشائخ کے دلوں کا پاس نہیں رکھتا اسے ایذا پہنچانے کے لئے کتا مسلط کر دیا جاتا ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا۔ انھوں نے عبداللہ بن علی الطوسی سے سنا ابو عبداللہ الدینوری[۱۱۸۴] نے ان سے کہا کہ الحسین الدامغانی[۱۱۸۵] نے کہا کہ عمیّ البسطامی[۱۱۸۶] اپنے باپ سے حکایت کرتے تھے کہ شقیق بلخی اور ابوتراب نخشبی دونوں ابویزید کے پاس آئے۔ دسترخوان لایا گیا۔ ایک نوجوان ابویزید کی خدمت گزاری کر رہا تھا۔ شقیق بلخی اور ابوتراب نخشبی نے اس نوجوان سے کہا کہ ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ میں آج روزے سے ہوں۔ ابوتراب نے کہا کھاؤ اور تمہیں اللہ ایک ماہ کے روزوں کا ثواب دے گا۔ اس نے پھر بھی انکار کیا۔ پھر شقیق نے کہا: کھاؤ اور تمہیں ایک سال کے روزوں کا ثواب ملے گا۔ اس نے پھر بھی انکار کیا۔ اس پر ابویزید نے کہا جو خدا کی نگاہ میں گر چکا ہو اسے چھوڑ دو۔ ایک سال کے بعد اس نوجوان نے چوری کرنا شروع کر دی۔ اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ سہل بن عبداللہ نے بصرہ کے ایک نان بائی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ ولی ہے۔ سہل کے مریدین میں سے ایک شخص نے یہ بات سن لی اور اسے اس کی ملاقات کا اشتیاق ہوا اور وہ بصرہ کو روانہ ہوگیا۔ جب نان بائی کی دکان پر پہنچا تو وہ روٹیاں پکا رہا تھا اور اس نے نان بائیوں کے طریقہ پر اپنی داڑھی وغیرہ پر نقاب پہن رکھی تھی۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ شخص ولی ہوتا تو نقاب نہ پہنتا تب بھی اس کے بال نہ جلتے۔ اس

کے بعد اس نے سلام کیا۔ اور کوئی سوال کیا۔ نان بائی نے کہا کہ تو نے مجھے حقیر سمجھا ہے اس لئے تو میری باتوں سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ پھر اس سے بات کرنے سے انکار کر دیا۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ عبداللہ رازی[۱۸۸] نے ابو عثمان حیری کو محمد بن فضل بلخی کی تعریف کرتے ہوئے سنا۔ لہٰذا عبداللہ رازی کو اُن کی ملاقات کا اشتیاق ہوا اور وہ اُن کی زیارت کے لئے نکل پڑے مگر جو اعتقاد لے کر گئے تھے اس کے مطابق محمد بن فضل نے اُن کے دل پر اثر نہ کیا۔ لہٰذا لوٹ کر ابو عثمان کے پاس پہنچے اور اُن سے دریافت کیا۔ انھوں نے پوچھا کہ تو نے انھیں کیسا پایا؟ انھوں نے جواب دیا: میں نے انھیں اپنے گمان کے مطابق نہیں پایا اس پر ابو عثمان نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے انھیں حقیر خیال کیا اور جو شخص کسی کو حقیر سمجھتا ہے وہ اس کے فائدے سے محروم رہتا ہے۔ اب احترام کے ساتھ اُن کے پاس پھر سے جاؤ۔ عبداللہ پھر گئے اور انھیں محمد بن فضل کی زیارت سے فائدہ حاصل ہوا۔

عمر بن عثمان مکیؒ اور حسین بن منصور

یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ عمر بن عثمان مکیؒ نے حسین بن منصور کو دیکھا کہ کچھ لکھ رہے ہیں۔ انھوں نے پوچھا کہ کیا لکھ رہے ہو؟ فرمایا کہ قرآن کے مقابلہ میں لکھ رہا ہوں۔ مکیؒ نے بد دعا دی اور چلے آئے۔ مشائخ صوفیہ کا کہنا ہے کہ مدت کے بعد جو واقعہ حسین بن منصور کے ساتھ پیش آیا وہ اسی بد دعا کا نتیجہ تھا۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ جب بلخ والوں نے محمد بن فضل کو شہر بدر کر دیا تو انھوں نے بد دعا کی اور کہا اے اللہ انھیں صدق سے روک دے۔ اس واقعہ کے بعد بلخ سے کوئی صدیق نہیں نکلا۔

میں نے احمد بن یحییٰ ابیوردی کو فرماتے سنا کہ جس شخص سے اس کا شیخ راضی ہو اسے اس شیخ کی زندگی میں اس کی جزا نہیں دی جاتی تاکہ کہیں اس کے دل سے شیخ کی تعظیم زائل نہ ہو جائے۔ اور جب شیخ کی وفات ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر وہ چیزیں ظاہر کرتا ہے جو شیخ کی رضامندی کی جزا ہوتی ہیں۔ اور جس شخص سے اس کا شیخ ناراض ہو اسے بھی شیخ کی زندگی میں سزا نہیں دی جاتی۔ تاکہ کہیں شیخ کا دل نہ پسیج جائے۔ کیونکہ شیوخ کی فطرت میں مہربانی ہوتی ہے اور جب شیخ مر جاتا ہے تو اس کے بعد اسے اس کی سزا ملتی ہے۔

۴۹- سماع[۱۱۸۸]

۴۹- سماع[۱۱۸۸]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَبَشِّرْ عِبَادِیَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ...... میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دو جو بات سن کر اس میں سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔

”القول“ میں جو لام ہے وہ تعمیم اور استغراق کا معنی دیتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس بات پر تعریف کی ہے کہ وہ صرف احسن بات کی پیروی کرتے ہیں۔ (یعنی ہر بات کی پیروی نہیں کرتے)

نیز اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ”فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ“ (انھیں جنت میں خوش کیا جائے گا) تفسیر میں آیا ہے کہ اس سے مراد سماع ہے۔

سماع جائز ہے

یاد رکھیں عمدہ الحان اور پسند آنے والے نغموں کے ساتھ اشعار کا سننا جائز ہے۔ بشرطیکہ سننے والا کسی ممنوع بات کا معتقد نہ ہو۔ اور نہ ہی وہ کوئی ایسی بات سنتا ہو جو شرعاً مذموم ہے۔ اور نہ وہ اپنی خواہشات کی رو میں بہہ جاتا ہو۔ اور نہ فضول چیز کی طرف مائل ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اشعار سنتے تھے

اس بات میں کسی قسم کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے اشعار پڑھے گئے۔ اور آپ نے انھیں سنا اور آپ نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جب عمدہ الحان کے بغیر اشعار کا سننا جائز قرار دیا تو الحان کے ساتھ سننے سے اس کے حکم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ یہ تو ظاہری حال ہے۔

مزید براں جو الحان سننے والے کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی پوری رغبت دلائیں اور اسے یاد دلائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کے لئے کیا کیا درجات مہیا کر رکھے ہیں۔ اور اسے لغزشوں سے بچنے پر مجبور کریں اور اس کے دل پر نیک و پاک واردات کا موجب بنیں وہ دین میں مستحب سمجھے جاتے ہیں اور شرع میں پسندیدہ کہلاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے الفاظ میں ایسا کلام آیا ہے جو شعر کے قریب قریب[۱۱۸۹] ہے۔ اگرچہ آپ کا یہ ارادہ نہ تھا کہ وہ شعر کی صورت اختیار کر جائے۔

ہم سے ابو الحسن علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید الصفار نے کہا کہ حارث بن[۱۱۹۰] ابی اسامہ

نے کہا کہ ابوالنضرؒ نے بیان کیا کہ شعبہ نے کہا۔ کہ حمید فرماتے تھے کہ میں نے انس کو فرماتے سنا کہ انصار خندق کھود رہے تھے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدَا عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدَا

" ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی ہے کہ جب تک ہم زندہ ہیں جہاد کرتے رہیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

اَللّٰهُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃ فَاَکْرِمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَہ

(خدایا! آخرت کی زندگی کے سوا کوئی زندگی نہیں۔ لہٰذا تو انصار اور مہاجرین کو عزت بخش۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ کسی شعری وزن پر نہیں ہیں۔ مگر قریب قریب ضرور ہیں۔

سلف اشعار سنتے تھے

سلف اور اکابر نے الحان کے ساتھ شعر سنے ہیں۔ سلف میں سے جنھوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے اُن میں مالک بن انس بھی ہیں اور اہلِ حجاز تو سب کے سب گانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

حُدی کے جائز ہونے پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ اس کے متعلق احادیث اور آثار کثرت سے آئے ہیں۔

ابنِ جریجؒ کا فتویٰ

ابن جریجؒ سے مروی ہے کہ وہ سماع کو جائز قرار دیتے تھے۔ اس پر سوال کیا گیا کہ قیامت کے دن جب آپ کو لایا جائے گا اور آپ کی نیکیاں اور برائیاں دونوں لائی جائیں گی تو آپ کا سماع کس جانب ہوگا؟ فرمایا: نہ نیکیوں میں اور نہ برائیوں میں۔ اُن کی مراد یہ تھی کہ یہ ایک مباح (جائز) امر ہے۔

امام شافعیؒ کا فتویٰ

امام شافعیؒ سماع کو حرام قرار نہیں دیتے۔ مگر عوام کے لئے اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص گانے کا پیشہ اختیار کرلے یا لہو ولعب کے طور پر متواتر سماع میں لگا رہے تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ امام شافعیؒ اسے ان چیزوں میں شمار کرتے ہیں جن سے مروّت ساقط ہو جاتی ہے۔ مگر آپ اسے محرمات میں شامل نہیں کرتے۔ مگر یہاں تو ہماری بحث اس قسم کے سماع سے نہیں کیونکہ صوفیاء کا رتبہ اس سے بلند ہے کہ وہ کوئی لہو کی بات سنیں یا سہواً سماع کے لئے

بیٹھ جائیں۔یا دل میں کسی لغو مضمون کا خیال ہو۔یا ایسے طریقے سے نہیں جو آن کے شایانِ شان نہ ہو۔

ابنِ عمر سے کچھ آثار مروی ہیں جن میں انھوں نے سماع کو جائز قرار دیا ہے۔

اسی طرح عبداللہ بن جعفر[۱۱۹۲] بن ابی طالب و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اسی طرح حُدیٰ وغیرہ کے متعلق مروی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھے گئے آپ نے ان سے منع نہیں فرمایا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ انھوں نے شعر پڑھنے کی فرمائش کی۔یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں دو لڑکیاں گا نا گا رہی تھیں۔اور آپ نے انھیں منع نہیں فرمایا۔

ہم سے شیخ ابوعبدالرحمٰن اسلمی نے کہا کہ ان سے محمد بن جعفر بن محمد بن مطر نے کہا کہ حباب بن محمد التستری نے اُن سے کہا کہ ابوالاشعث نے کہا کہ محمد بن بکر البرسانی[۱۱۹۳] شعبہ سے وہ ہشام بن عروہ[۱۱۹۴] سے، وہ اپنے باپ[۱۱۹۵] سے، وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُن کے ہاں آئے تو اُن کے پاس دو گانے والیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے بعاث[۱۱۹۶] کی جنگ میں ایک دوسرے کے خلاف کہے تھے۔یہ دیکھ کر ابوبکر صدیق نے دو بار کہا" شیطان کی بانسری" اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ ابوبکر انھیں گانے دو۔کیونکہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج کا دن ہماری عید کا دن ہے۔

ہم نے علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید نے اُن سے کہا کہ عثمان بن عمر ضبی نے کہا کہ ابوکامل نے ان سے کہا کہ ابوعوانہ نے الاجلح[۱۱۹۷] سے روایت کی کہ انہوں نے ابو الزبیر[۱۱۹۸] سے اور انھوں نے جابر سے روایت کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ انھوں نے اپنی کسی رشتہ دار لڑکی کی شادی کسی انصاری سے کر دی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کیا کسی گانے والے کو بھی بلایا ہے؟ میں نے عرض کیا،نہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصار کے ہاں دستور ہے کہ وہ بلند آواز سے دلہن کی خوبیاں بیان کیا کرتے ہیں۔اگر تم کسی کو بلوالیتیں جو صرف اتنا ہی کہتا

" اُتیناکم اُتیناکم فحیّانا وحیّاکم "

ہم سے استاد امام ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اُن سے احمد بن محمود بن خرزاد نے کہا کہ اُن سے حسین بن حارث الاہوازی نے کہا کہ ان سے مسلم بن سعید[199] نے صدقہ بنت ابی عمران سے روایت کیا کہ اُن سے علقمہ بن مرثد[200] بن زاذان[201] نے کہا کہ البراء[202] بن عازب کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا "حسّنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا" قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ خوشنما بنایا کرو کیونکہ اچھی آواز سے قرآن کی خوبی بڑھتی ہے۔

اس حدیث میں اچھی آواز کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

ہم سے علی ابن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید نے اُن سے کہا کہ عثمان بن عمر الضبیؒ نے اُن سے کہا کہ ابو ربیع[203] نے کہا کہ عبد السلام[204] بن ہاشم نے اُن سے کہا کہ عبد اللہ[205] بن محرز نے قتادہ سے، انھوں نے انس بن مالک سے روایت کی۔ انس فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر چیز کا زیور ہوتا ہے اور قرآن کا زیور عمدہ آواز ہے۔

ہم سے علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید نے اُن سے کہا کہ محمد بن یونس[206] الکریمی نے اُن سے کہا کہ الضحاک[207] بن مخلد ابو عاصم نے کہا کہ شبیب بن[208] بشر البجلی نے کہا کہ انس بن مالک سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[209]:

دو آوازیں ملعون ہیں۔ ایک وہ آواز جو مصیبت کے وقت آہ و زاری کی آواز ہو اور دوسری آسائش کے وقت بانسری کی آواز۔

اس خطاب کے مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ ان احوال کے سوا دیگر قسم کے گانے جائز ہوں۔ ورنہ ان گانوں کے مخصوص کرنے کا کچھ معنی نہیں رہتا۔

اس سلسلہ میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ اور اگر ہم اس سے زیادہ روایات ذکر کریں تو ہم اختصار کی حد سے نکل جائیں گے۔

یہ بھی روایت ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ اشعار پڑھے:

أَقْبَلَتْ فَلَاحَ لَهَا ۔۔۔ عَارِضَانِ كَالسَّبَجِ

أَدْبَرَتْ فَقُلْتُ لَهَا ۔۔۔ وَالْفُؤَادُ فِي وَهَجِ

هَلْ عَلَيَّ وَيْحَكُمَا ۔۔۔ إِنْ عَشِقْتُ مِنْ حَرَجِ

محبوبہ میری طرف آئی تو مجھے اس کے موتیوں جیسے رخسار دکھائی دیئے۔ پھر واپس گئی تو میں نے جلتے ہوئے دل سے کہا اگر میں تم پہ عاشق ہو جاؤں تو کیا کوئی حرج ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ

اللہ تعالیٰ کسی شخص کی خلقت میں جس چیز کا چاہتا ہے اضافہ کر دیتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اچھی آواز اس میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بری آواز کی مذمت کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ۔

بدترین آواز گدھے کی آواز ہے۔

اچھی آواز سے دل کا لذت حاصل کرنا اور عمدہ آواز کا مشتاق ہونا اور اس سے راحت حاصل کرنا ایسی بات ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ اچھی آواز سے سکون محسوس کرتا ہے اور اونٹ چلنے کی تھکان اور بوجھ کی مشقت برداشت کرتا ہے مگر حدی خوانی سے یہ سب کچھ اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ"

کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے پیدا کیا گیا؟

امام شافعیؒ اور حسن صوت

اسمٰعیل بن علیۃ[۱۲۱۰] حکایت کرتے ہیں کہ میں دوپہر کے وقت امام شافعیؒ کے ساتھ چل رہا تھا ہم ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں کوئی شخص گیت گا رہا تھا۔

امام شافعی نے کہا: چلو ادھر چلیں (وہاں پہنچ کر) آپ نے اس شخص سے کہا۔ کیا تجھے اس سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس شخص نے جواب دیا: نہیں شافعیؒ نے کہا (پھر) تجھ میں حس ہی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس قدر غور سے نہیں سنتا جس قدر کہ قرآن کو سنتا ہے۔ جب کوئی نبی الحان سے اسے پڑھ رہا ہو۔[۱۲۱۱]

ہم سے علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید نے اُن سے کہا کہ ابن ملحان[۱۲۱۲] نے کہا کہ یحییٰ

بن بکیر[۱۲۱۳] نے کہا کہ اللیث[۱۲۱۴] نے عقیل[۱۲۱۵] سے روایت کی کہ ابنِ شہاب[۱۲۱۶] نے کہا کہ مجھے ابو سلمہ[۱۲۱۷] نے بتایا کہ ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اس قدر غور سے نہیں سنا جس قدر وہ قرآن کو سنتا ہے جبکہ کوئی نبی الحان سے اُسے پڑھ رہا ہو۔

کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھا کرتے تو جن وانس پرندے اور وحشی جانور آپ کی قرأت سنا کرتے اور اُن کی مجلس سے چار سو جنازے اُن لوگوں کے اٹھتے جو آپ کی قرأت سن کر جان جانِ آفریں کے سپرد کر دیتے۔

ابو موسیٰ اشعری کی آواز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعری کے متعلق فرمایا کہ انھیں آلِ داؤد کی مزامیر میں سے ایک مزمار دی گئی ہے (یعنی انھیں خدا نے عمدہ آواز دی ہے)

معاذؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی:

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سنیں گے تو میں اسے خوب عمدہ طریقہ پر کہتا۔"

ایک خوش الحان غلام کا قصہ

ہم سے ابو حاتم السجستانی نے کہا، کہ عبداللہ بن علی السراج نے کہا کہ ابوبکر محمد بن داؤد الدینوری الرقی فرماتے تھے کہ میں جنگل میں تھا۔ پھر ایک عرب قبیلہ کے ہاں آیا اور ان میں سے ایک شخص نے مجھے اپنے ہاں مہمان ٹھہرا لیا۔ وہاں میں نے ایک سیاہ فام غلام کو مقید دیکھا اور دیکھا کہ گھر کے صحن میں کچھ اونٹ مرے پڑے ہیں۔ غلام نے مجھ سے کہا: آپ آج رات یہاں مہمان ہیں۔ اور میرا آقا آپ کی عزت کرتا ہے۔ لہذا آپ میری سفارش کیجئے۔ کیونکہ وہ آپ کی سفارش رد نہیں کرے گا۔ میں نے اپنے میزبان سے کہا: میں آپ کا کھانا اس وقت تک نہ کھاؤں گا جب تک کہ آپ اس غلام کو کھول نہ دیں گے۔ میزبان نے کہا: اس غلام نے مجھے فقیر کر دیا ہے اور میرا مال تباہ کر دیا ہے: میں نے پوچھا: اس نے کیا کیا ہے؟ میزبان نے جواب دیا: اس کی آواز بہت عمدہ ہے اور میں ان اونٹوں کی بار برداری پر زندگی بسر کرتا تھا اس نے ان پر بھاری بوجھ لاد دیا۔ اور حُدی گاتا رہا۔ یہاں تک کہ ان اونٹوں نے ایک دن میں تین دن کی مسافت طے کر لی اور جب بوجھ اتارے گئے تو سب کے سب اونٹ

مر گئے۔ مگر آپ کی خاطر میں نے اسے معاف کر دیا۔ اس نے اس کی بیڑیاں اتار دیں۔

جب صبح ہوئی تو خواہش ہوئی کہ اس کی آواز سنوں۔ میزبان سے اس کی درخواست نے غلام سے کہا کہ اس اونٹ کی حدی خوانی کرے جو کنوئیں سے پانی نکالنے کے لئے رہٹ تھا۔ جب غلام نے حدّی گایا تو اونٹ نے سر گرداں ہو کر رسیاں کاٹ ڈالیں۔ مجھے خیال میں نے اس سے بہتر آواز کبھی سنی ہو اور میں منہ کے بل گر گیا۔ میزبان نے غلام کو چپ جانے کو کہا۔

میں نے شیخ عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ محمد بن عبدالعزیز نے کہا کہ ابو عمر الانماطی فرما کسی نے جنیدؒ سے سوال کیا کہ کیا بات ہے؟ کہ انسان پرسکون ہوتا ہے۔ مگر جب سماع سنے بے قرار ہو جاتا ہے؟

جنیدؒ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے پہلے میثاق کے وقت ذریت آدم کو مخاطب ک الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) اور انھوں نے جواب میں " بلیٰ" (کیوں نہیں اللہ کے کلام کی مٹھاس نے تمام ارواح کو نکال لیا اور جب انھوں نے سماع سنا تو ا ذکر نے انھیں حرکت دی۔

سماع عوام کے لئے حرام ہے

میں نے اُستاد ابو علی دقاقؒ کو سنا کہ فرماتے تھے، ا کے لئے سماع حرام ہے۔ اس لئے کہ ان کے نفوس پر قائم رہتے ہیں۔ زاہدوں کے لئے مباح (جائز ہے) کیوں کہ انھیں مجاہدات حاصل ہیں ہمارے مریدوں کے لئے مستحب ہے تاکہ ان کے دل زندہ ہوں۔

سماع کے متعلق صوفیاء کا قول

۱۔ میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر الع اُن سے کہا کہ ابو حبیبی نے کہا کہ ابو علی الرودباری د تھے کہ حارث بن اسد محاسبی فرمایا کرتے تھے۔ تین چیزیں اگر حاصل ہو جائیں تو ان سے رہتا ہے۔ مگر ہمیں نہیں ملیں۔ (۱) خوبصورت چہرہ جس کے ساتھ پاک دامنی بھی ہو۔ (۲) اچھ جس کے ساتھ دینداری بھی ہو۔ اور (۳) اچھی دوستی جس کے ساتھ وفاداری بھی ہو۔

۲۔ کسی نے ذوالنون مصریؒ سے اچھی آواز کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: یہ تو مخاطبات ا

ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ہر طیب مرد اور ہر طیب عورت میں ودیعت کر دیتا ہے۔

ایک بار ان سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: حق تعالیٰ کی طرف سے ایک وارد ہونے والی کیفیت ہے جو دلوں کو بے چین کر کے حق تعالیٰ کی طرف لے جاتی ہے۔ چنانچہ جو حق طریقہ پر اس کی طرف کان لگاتا ہے وہ حقیقت کو پالیتا ہے۔ اور جو اپنے نفس سے اس کی طرف کان لگاتا ہے وہ زندیق ہو جاتا ہے۔

۳۔ جعفر بن نصیرؒ نے جنیدؒ سے حکایت کی۔ انھوں نے فرمایا، فقراء پر تین موقعوں پر رحمت نازل ہوتی ہے:۔

(۱) سماع کے وقت اس لئے کہ وہ حق طریقہ سے سنتے ہیں اور وجد ہی میں بولتے ہیں (۲) کھانا کھاتے وقت کیونکہ یہ بغیر فاقہ کے نہیں کھاتے (۳) اور علمی مقابلہ کے وقت کیونکہ (وہ اللہ اور رسول کی صفات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ) صرف اولیاء اللہ کی صفات بیان کرتے ہیں۔

۴۔ میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ الحسین بن احمد بن جعفر نے کہا کہ ابوبکر بن ممشاد الدینوری فرماتے تھے کہ میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا:

جس نے تکلفاً سماع کو چاہا اس کے لئے یہ فتنہ ہوگا، مگر جسے خود بخود یہ چیز حاصل ہو اس کے لئے سماع راحت ہے۔

یہ بھی حکایت کی گئی ہے کہ جنیدؒ نے کہا کہ سماع کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ زبان، مکان اور اخوان (دوست)۔

۵۔ شبلیؒ سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: ظاہر میں تو یہ فتنہ ہے اور باطن میں عبرت۔ لہٰذا جو اس اشارہ کو پالے اس کے لئے عبرت کا سننا جائز ہے ورنہ اس نے فتنہ کو دعوت دی اور مصیبت کو مول لیا۔

۶۔ کہتے ہیں سماع صرف اس شخص کے لئے مناسب ہے جس کا نفس مر چکا ہو۔ اور دل زندہ ہو۔ لہٰذا اس کا دل تو مجاہدہ کی تلوار سے ذبح ہو چکا ہوگا اور موافقت احکام کے نور سے زندہ۔

۷۔ ابو یعقوب نہر جوریؒ سے سماع کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا، یہ ایک ایسی حالت ہے جو جلن کی وجہ سے اسرار کا دل کی طرف لوٹ کر آنا ظاہر کرتی ہے۔

۸۔ کہا گیا ہے کہ اہل معرفت کے لئے سماع ارواح کو لطف اندوز کرتا ہے۔

۹۔ میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا: سماع اگر شریعت کے مطابق نہ ہو تو زنگ ہے۔ اور اگر حق کی طرف سے نہ ہو تو بے وقوفی ہے اور اگر عبرت کی وجہ سے نہ ہو تو فتنہ ہے۔

۱۰۔ کہا جاتا ہے کہ سماع کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس میں علم اور ثبات ہوش دونوں کی شرط ضروری ہے۔ لہذا اس قسم کے شخص کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اسماء و صفات کو جانتا ہو۔ ورنہ وہ کفر محض میں مبتلا ہو جائے گا۔

اور دوسری قسم حال اور کیفیت کی شرط کے ساتھ سماع کی ہے۔ اس قسم کے شخص کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ حالتِ بشری سے فنا ہو چکا ہو۔ اور احکامِ حقیقت کے ظاہر ہونے کی وجہ سے وہ حظوظِ (نفس) کے آثار سے پاک ہو۔

۱۱۔ احمد بن ابی الحواری سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے ابو سلیمان سے سماع کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: کہ میں زیادہ پسند کرتا ہوں کہ گانے والے ایک کی بجائے دو ہوں۔

۱۲۔ ابو الحسن نوریؒ سے پوچھا گیا کہ صوفی کون ہے؟ فرمایا: جو سماع سنے اور اسباب (سماع) کو پسند کرے۔

۱۳۔ ایک دن ابو علی رودباری سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: کاش کہ ہم اس سے کلیتہً نجات پا جاتے۔

۱۴۔ میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ ابو عثمان المغربی فرماتے تھے جس نے سماع کا دعویٰ کیا اور پھر پرندوں کی آواز یا دروازے کے چرچرانے کی آواز یا ہوا چلنے کی آواز کو نہ سنا وہ فقر کا محض مدعی ہے۔ (یعنی حقیقی فقیر نہیں)

۱۵۔ میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج الطوسی نے کہا کہ ابو الطیب احمد بن مقاتل عکی فرماتے تھے کہ جعفر نے بیان کیا کہ جنید کے مریدوں میں سے ابن زیری ایک فاضل شیخ تھے کبھی کبھی سماع کی مجلس میں حاضر ہو جاتے اگر انھیں اچھا لگتا تو اپنی چادر بچھا کر بیٹھ جاتے۔ اور کہتے صوفی اپنے دل کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر انہیں سماع اچھا نہ لگتا تو کہتے: سماع تو دل والوں کے لئے ہے یہ کہہ کر گزر جاتے اور اپنا جوتا لے لیتے۔

۱۶۔ مَیں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا کہ عبدالواحد بن بکر نے اُن سے کہا کہ عبداللہ بن عبدالمجید الصوفی فرماتے تھے کہ کسی نے رویم سے سماع کے وقت صوفیا پر وجد کے طاری ہونے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: یہ لوگ ان کیفیات کا مشاہدہ کرتے ہیں جو اوروں سے بعید اور مخفی ہوتی ہیں۔ اور ان کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتی ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ خوشی کے مارے اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پھر حجاب اس سرور کو منقطع کر دیتا ہے۔ تو یہ خوشی رونے میں بدل جاتی ہے۔ چنانچہ بعض اپنے کپڑے پھاڑنے لگ جاتے ہیں۔ بعض چیختے ہیں۔ بعض روتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے مرتبے کے مطابق اس کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔

۱۷۔ مَیں نے محمد بن احمد بن محمد التمیمی سے سنا کہ عبداللہ بن علی نے کہا کہ حصری اپنے ایک وعظ میں فرما رہے تھے۔ مَیں اس سماع کا کیا کروں جو سنانے والے کا سماع منقطع کرنے پر منقطع ہو جائے تمہارا سماع تو مسلسل و متصل ہونا چاہیئے۔ جو منقطع نہ ہو۔

راوی کہتا ہے کہ حصری نے فرمایا: دائمی پیاس اور دائمی پینا ہونا چاہیئے۔ جس قدر زیادہ پیتے جاؤ گے اسی قدر پیاس بڑھتی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ" کی تفسیر میں مجاہد سے مروی ہے کہ اس سے مراد سماع ہے جو حورعین لذیذ آوازوں کے ساتھ سنائیں گی۔

نحن الخالدات فلا نموت ابداً نحن الناعمات فلا نبؤس ابداً (ہم ہمیشہ زندہ رہنے والیاں ہیں۔ ہمیں کبھی موت نہ آئے گی۔ ہم نرم و نازک ہیں۔ ہم پر کبھی سختی نہ آئے گی۔)

۱۸۔ کہا جاتا ہے کہ سماع (اللہ کی طرف سے) ندا ہوتی ہے اور وجد میں (بندہ کی طرف سے) ارادۃً (اس ندا کی) اجابت ہوتی ہے۔

مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ ابوعثمان المغربی فرماتے تھے کہ اہلِ حق کے دل حاضر ہوتے ہیں اور اُن کے کان کھلے ہوتے ہیں۔

انہی کو مَیں نے فرماتے سنا کہ انھوں نے استاد ابوسہلؒ صعلوکی کو فرماتے سنا کہ سماع سننے والا دو کیفیتوں کے درمیان ہوتا ہے۔ استتار اور تجلّی کے درمیان۔ استتار یعنی پردے میں آجانے سے دل میں شعلے اٹھتے ہیں اور تجلّی سے راحت ہوتی ہے۔ استتار سے مریدوں کی سی حرکات پیدا ہوتی

ہیں اور یہ کمزوری اور عاجزی کا مقام ہے اور تجلی سے واصلین کا سکون پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ استقامت اور تمکین کا مقام ہے اور بارگاہِ رب العزت کی صفت ہے۔ اور یہاں موارد ہیبت کے تحت مرجھانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا ۔ جب وہاں پہنچے تو کہا چپ رہو۔

سماع کی تین قسمیں ہیں

ابوعثمان حیریؒ فرماتے ہیں سماع کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم مریدوں اور مبتدیوں کے لئے ہے وہ سماع کے ذریعہ احوالِ شریفہ کو دعوت دیتے ہیں۔ مگر اس میں فتنہ اور ریاکاری کا خطرہ ہوتا ہے۔ دوسرے قسم صادقین کے لئے ہے۔ وہ اس کے ذریعہ اپنے احوال میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں اور اس سے ایسا کلام سنتے ہیں جو اُن کے وقت کیمطابق ہو۔ اور تیسری قسم اہلِ استقامت عارفوں کے لئے ہے یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اُن حرکات و سکون کو جو اُنکے دلوں پر وارد ہوتے ہیں۔ اللہ پر ترجیح نہیں دیتے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سُنا انھوں نے ابوالفرج الشیرازی سے سنا کہ ابوعلی رودباری فرماتے تھے کہ ابوسعید خراز فرماتے تھے: جس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ سماع میں سماع کو سمجھنے کی وجہ سے اپنے اختیار سے باہر ہوجاتا ہے اور حرکات اس پر قابو پالیتی ہیں۔ تو اس کی علامت یہ ہے کہ جس مجلس میں وہ وجد میں ہے وہ خوبصورت بن جائے۔ (چنانچہ سب حاضرین پر اس کے وجد کا اثر ہو۔)

شیخ ابوعبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں نے اس حکایت کا ذکر ابوعثمان مغربی سے کیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ تو کمترین درجہ ہے۔ اس کی صحیح نشانی یہ ہے کہ مجلس میں جو صاحبِ حق باقی رہے اسے اس کے ساتھ انس محسوس ہو اور جو باطل پرست ہو اُس سے اسے وحشت پیدا ہو۔

بندار بن حسین فرماتے ہیں۔ سماع کی تین قسمیں ہیں۔ بعض اپنی طبیعت کی مناسبت سے سنتے ہیں بعض حال اور کیفیت کی مناسبت سے سنتے ہیں اور بعض حق کی مناسبت سے سنتے ہیں جو اپنی طبیعت کے موافق سنتے ہیں اس میں خاص و عام سب شریک ہیں اس لئے کہ یہ انسانی فطرت میں ہے کہ وہ اچھی آواز سے لذت حاصل کرے۔

جو حال و کیفیت کے موافق سنتا ہے۔ وہ ان کیفیات میں جو اس پر وارد ہوتی ہیں غور کرتا ہے۔

مثلاً عتاب کا ذکر۔ خطاب۔ وصل۔ جدائی۔ قرب و بعد یا کسی ایسی چیز پر افسوس جو ہاتھ سے نکل گئی ہو۔ یا آنے والی چیز کا اشتیاق۔ یا عہد کو پورا کرنا وعدہ کی تصدیق یا عہد توڑنا یا بے قراری کا ذکر یا اشتیاق یا جدائی کا خوف یا وصال کی خوشی یا بچھڑنے کا ڈر وغیرہ وغیرہ۔

اور جو حق کے مطابق سنتا ہے وہ (بلاواسطہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے لئے سنتا ہے اور اُن کے سماع میں حصولِ لذت بشری کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ تو اپنی برائیوں سمیت باقی رہتے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ از روی صفاءِ توحیدِ حق کے ساتھ سماع کرتے ہیں۔ حظ (نفسانی) کے ساتھ نہیں کرتے۔

کہا جاتا ہے کہ اہلِ سماع کے تین طبقے ہیں (۱) ابناء حقائق؛ اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے سماع میں حق سبحانہ سے مخاطب ہوتے ہیں۔ دوسری قسم اُن لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنے سے مخاطب ہوتے ہیں۔ ان معانی کی وجہ سے جنھیں وہ سنتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ان باتوں کا جن کا اشارہ وہ اللہ کی طرف کرتے ہیں سچائی کے ساتھ مطالبہ کرتے ہیں۔

ایک تیسری قسم ہے اور وہ فقیر مجرّد ہے جس نے دُنیا اور آفات سے تعلقات منقطع کر لیا ہے یہ لوگ پاک دلوں سے سماع کرتے ہیں اور یہ لوگ سلامتی کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ ابو بکر الرازی فرماتے تھے کہ کسی نے محمد علی رودباری سے سماع کے متعلق سوال کیا تو فرمایا؛ محبوب کے مشاہدہ کی طرف اسرار کا کھل جانا سماع ہے۔

قرآن کے سننے سے انسان میں کیوں حرکت نہیں ہوتی؟ کسی نے خواص سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ انسان قرآن کے علاوہ اور کلام کے سننے سے حرکت میں آتا ہے مگر قرآن کے سننے سے وہ یہ کیفیت نہیں پاتا؟ جواب دیا قرآن کا سننا ایسی ٹھوکر ہے جس کے شدت غلبہ کی وجہ سے کسی کے لئے حرکت کرنا ممکن نہیں اور دوسرے اقوال کے سننے میں راحت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں انسان حرکت کرتا ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبداللہ[۱۲۱۹] بن محمد عبدالرحمٰن الرازی فرماتے تھے، میں نے جنیدؒ کو فرماتے سُنا: جب تم کسی مُرید[۱۲۲۰] کو دیکھو کہ اسے سماع سے محبت ہے تو سمجھ لو کہ ابھی اس میں باطل کا کچھ حصہ باقی ہے۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ علی ابن عبداللہ البغدادی[۲۲۲] نے ان سے کہا کہ ابوسعید الرملی نے بیان کیا کہ سہل بن عبداللہ نے فرمایا کہ سماع ایک ایسا علم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے رکھا ہے۔ اس کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں۔

احمد بن مقاتل عکی حکایت کرتے ہیں کہ جب ذوالنون مصریؒ بغداد آئے تو صوفیاء اکٹھے ہو کر ان کے پاس آئے۔ ان کے ساتھ ایک قوال بھی تھا۔ انھوں نے ذوالنون سے کہا کہ وہ قوال کو کچھ گیت گانے کی اجازت دیں۔ آپ نے اجازت دے دی اور اس نے یہ گیت گانا شروع کیا:

صَغِیرُ هَوَاکَ عَذَّبَنِي فَکَیْفَ بِهٖ إِذَا احْتَنَکَا

وَأَنْتَ جَمَعْتَ مِنْ قَلْبِي هَوًی قَدْ کَانَ مُشْتَرَکًا

أَمَا تَرْثِي لِمُکْتَئِبٍ إِذَا ضَحِكَ الْخَلِيُّ بَکٰی

تمہاری معمولی سی محبت نے مجھے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اگر مجھ پر غالب آ جائے تو پھر کیا کیفیت ہو گی؟

تو نے میرے دل کی محبت کو جو دوسروں کے لئے بھی مشترک تھی اپنے لئے اکٹھا کر لیا۔ کیا تجھے اس غمناک پر رحم نہیں آتا۔ جو روتا ہے۔ جبکہ وہ لوگ جو عشق میں مبتلا نہیں ہیں۔ ہنس رہے ہیں۔

احمدؔ کہتے ہیں کہ یہ سُن کر ذوالنون اٹھ کھڑے ہوئے اور منہ کے بل گر پڑے خون ان کے سر سے ٹپک رہا تھا مگر زمین پر نہ گرتا تھا۔ اس کے بعد صوفیاء میں سے ایک شخص نے اٹھ کر بناوٹ کے طور پر وجد کا اظہار کیا۔ ذوالنون نے کہا: اَلَّذِیْ یَرَاكَ حِیْنَ تَقُوْمُ (اس خدا کو یاد رکھ۔ جب تو کھڑا ہوتا ہے تو خدا تجھے دیکھتا ہے۔) یہ سن کر وہ شخص بیٹھ گیا۔

میں نے اس حکایت کے متعلق استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ ذوالنونؒ اس شخص سے بلند مرتبہ تھے اور اسے دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اسے تنبیہ کر دی کہ یہ اس کا مقام نہیں۔ اور وہ شخص بھی انصاف پسند تھا کہ اس نے ان کی بات مان لی اور اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔

میں نے محمد بن احمد التیمی سے سنا کہ عبداللہ بن الصوفی نے ان سے کہا کہ الرقی نے کہا کہ ابن الجلا فرماتے تھے کہ[۲۲۳] مغرب میں دو شیخ تھے۔ دونوں کے مرید اور شاگرد تھے۔ ان میں سے ایک کا نام جبلہ اور دوسرے کا رزیق تھا۔ ایک بار رزیق اپنے مریدوں سمیت جبلہ کی زیارت کو آیا اور

اُن کے کسی مرید نے کوئی چیز پڑھی، جسے سُن کر جبلہ کے ایک مُرید نے چیخ ماری اور مر گیا۔ جب صبح ہوئی تو جبلہ نے رزیق سے کہا جس شخص نے کل پڑھا تھا وہ کہاں ہے۔ اُسے کچھ پڑھنا چاہیئے اُس نے کوئی آیت پڑھی تو جبلہ نے چیخ ماری جس سے پڑھنے والا مر گیا۔ اس پر جبلہ نے کہا: ایک کے بدلے ایک اور ابتدا کرنے والا زیادہ ظالم ہے۔

کسی نے ابراہیم مارستانی سے سماع کے وقت حرکت کرنے کے متعلق سوال کیا تو اُنھوں نے فرمایا: مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں قصہ بیان کیا تو بنی اسرائیل کے ایک شخص نے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اس شخص سے کہو کہ میرے لئے اپنے دِل کو پھاڑو اور کپڑوں کو نہ پھاڑو۔

ابوعلی مغازلیؒ نے شبلیؒ سے سوال کیا:

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے کانوں میں قرآنِ مجید کی کوئی آیت سنائی دیتی ہے تو اس کے اثر سے میں چیزیں چھوڑ دیتا ہوں اور دُنیا سے منہ موڑ لیتا ہوں مگر پھر اپنی پہلی حالت اور لوگوں کی طرف لوٹ آتا ہوں۔

شبلیؒ نے جواب دیا جب اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف کھینچتا ہے تو یہ اُس کی تجھ پر مہربانی اور لطف ہے اور جب تجھے تمہاری پہلی حالت کو لوٹاتا ہے تو یہ اُس کی تم پر شفقت ہوتی ہے اس لئے کہ اللہ کی طرف توجہ کرنے میں تم صحیح طور پر اپنی قوت وطاقت سے بری نہیں ہوتے۔

مَیں نے ابوحاتم السجستانی سے سُنا کہ ابونصر السراج نے اُن سے کہا کہ احمد بن مقاتل العکی فرماتے تھے کہ رمضان میں ایک رات مَیں شبلیؒ کے ساتھ مسجد میں تھا کہ اور وہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ مَیں بھی پہلو میں تھا۔ امام نے یہ آیت پڑھی: ”وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ“ (اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے تم کو بھیجی ہے اسے واپس لے جائیں۔) یہ آیت سُن کر اُنھوں نے چیخ ماری جس سے مَیں نے خیال کیا کہ اُن کی روح پرواز کر گئی۔ وہ کانپ رہے تھے اور کہہ رہے تھے: کیا احباب کو اسی طرح خطاب کیا جاتا ہے۔ یہی الفاظ بار بار لوٹا رہے تھے۔

جنیدؒ سے حکایت کی گئی ہے وہ فرماتے تھے کہ مَیں ایک دِن سری کے پاس گیا تو اُن کے پاس ایک شخص کو غشی کی حالت میں دیکھا۔ مَیں نے اس کا مطلب پوچھا تو اُنھوں نے فرمایا کہ اس

نے قرآنِ مجید کی ایک آیت سنی ہے میں نے کہا کہ وہی آیت دوبارہ پڑھی جائے۔ جب آیت دوبارہ پڑھی گئی تو وہ شخص ہوش میں آگیا۔ سریؒ نے مجھ سے پوچھا تمہیں یہ کیسے معلوم تھا کہ اس طرح وہ ہوش میں آجائے گا۔ میں نے جواب دیا کہ یعقوب علیہ السلام کی بینائی یوسف علیہ السلام کی قمیص کی وجہ سے جاتی رہی تھی۔ مگر پھر انہی کی قمیص کی وجہ سے لوٹ آئی۔ سریؒ کو میرا یہ جواب پسند آیا۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سُنا کہ ابو نصر السراج نے اُن سے کہا کہ عبدالواحد بن علوان (۱۲۲۳) فرماتے تھے کہ ایک نوجوان جنیدؒ کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ جب بھی وہ قرآن سنتا چیخ مارتا۔ ایک دن جنیدؒ نے اس سے کہا۔ اگر تو نے پھر ایسا کیا تو تو میری صحبت میں نہ رہ سکے گا۔ اب اگر کچھ سنتا تو اس کی حالت بدل جاتی اور اپنے آپ پر قابو رکھتا۔ یہاں تک کہ اُس کے بدن کے ہر روئیں سے قطرہ ٹپکتا تھا۔ پھر ایک دن اس نے ایسی چیخ ماری کہ جان دے دی۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو السراج فرماتے تھے کہ میرے ایک دوست نے مجھے ابوالحسین وراج (۱۲۲۴) سے روایت کرتے ہوئے ایک حکایت بیان کی۔ وہ کہتے تھے کہ میں بغداد سے یوسف بن حسین رازی کی ملاقات کے لئے روانہ ہوا۔ جب ری پہنچا تو لوگوں سے اُن کا گھر دریافت کیا۔ جس کسی سے پوچھا وہ یہی کہتا کہ تیرا اس زندیق سے کیا کام؟ لوگوں نے میرا سینہ اس قدر تنگ کر دیا کہ میں نے واپسی کی ٹھان لی۔ اور میں نے رات ایک مسجد میں گزاری۔ پھر میں نے دل میں کہا کہ میں یہاں تو آگیا ہوں۔ اب کم از کم ان کی زیارت تو کر لینی چاہیئے۔ میں لوگوں سے دریافت کرتا رہا یہاں تک کہ اُن کی مسجد کے پاس پہنچ گیا۔ وہ محراب میں بیٹھے اپنے سامنے رحل پر قرآن رکھے پڑھ رہے تھے۔ دیکھا تو بہت خوشنما اور خوش رو النسان تھے۔ میں نے ان کے قریب پہنچ کر سلام عرض کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا بغداد سے آپ کی زیارت کے لئے آیا ہوں۔ کہنے لگے کسی شہر میں اگر کوئی شخص تمہیں یہ کہتا کہ میرے ہاں ٹھہرو۔ میں تمہیں گھر یا لونڈی خرید دوں گا تو کیا تم میری زیارت سے رُک جاتے؟ میں نے عرض کیا: حضرت! اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش میں ڈالا ہی نہیں۔ اور اگر ایسا واقعہ پیش آجاتا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میرا کیا حال ہوتا؟ پھر فرمایا! کیا تو کوئی قول اچھی طرح ادا کر سکتا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ اور میں نے یہ شعر پڑھا:

رأیتُکَ تَبنِی دَائِماً فِی قَطِیعَتِی ۔۔۔ وَلَو کُنتَ ذَا حَزمٍ لَهَدَّمتَ مَا تَبنِی

مَیں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تو مسلسل مجھ سے تعلقات منقطع کرنے کی بنا ڈال رہا ہے۔ اگر تو دانشمند ہوتا تو اس بنا کو گرا دیتا۔

یہ سُن کر یوسف بن حسین نے قرآن بند کر دیا اور رونے لگ گئے یہاں تک کہ ان کی داڑھی اور کپڑے تر ہو گئے۔ مجھے اُن کے زیادہ رونے پر رحم آیا۔ پھر فرمایا: بیٹا! رَے والوں کو یہ کہنے پر ملامت نہ کر کہ یوسف بن حسین زندیق ہے۔ مَیں نماز کے وقت سے قرآن پڑھ رہا ہوں مگر میری آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا۔ لیکن اس شعر کے پڑھنے سے میرے لئے قیامت بپا ہو گئی۔

مَیں نے محمد بن احمد بن محمد الصوفی سے سُنا کہ عبداللہ بن علی الطوسی نے کہا کہ الرقی فرماتے تھے کہ مَیں نے دراج کو فرماتے سنا۔[۱،۳۴] میں اور ابن الفوطی دونوں بصرہ اور ابلہ کے درمیان دجلہ پر سے گزر رہے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوبصورت محل ہے اور اُس کا ایک جھروکا (کھڑکی) ہے جہاں ایک آدمی بیٹھا ہے اور سامنے ایک لڑکی گا رہی ہے اور کہہ رہی ہے۔

فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَدٌّ　　　کَانَ مِنِّیْ لَکَ یَبْذَلُ
کُلَّ یَوْمٍ تَتَلَوَّنَ　　　غَیْرُ ھٰذَا بِکَ اَجْمَلُ

میری محبت اللہ کی راہ میں تمہارے لئے صرف کی جاتی ہے۔ مگر تو ہر روز رنگ بدل رہا ہے، تو اگر کوئی اور طرز اختیار کرتا تو بہتر ہوتا۔

پھر دیکھا تو ایک نوجوان کھڑکی کے نیچے ہاتھ میں چھاگل (لوٹا) لئے اور چیتھڑے پہنے سُن رہا ہے پھر کہنے لگا اری لونڈی! تجھے تمہارے آقا کی زندگی کی قسم یہ شعر دہراؤ:

کُل یوم تتلون　　　غیر ھٰذا بِکَ اَجْمَلَ

نوجوان نے پھر کہا: پھر کہو۔ لونڈی نے شعر دہرایا۔ فقیر نے کہا: اللہ کی قسم مَیں اسی طرح اللہ کے ساتھ رنگ بدلتا ہوں۔ اس پر اس نے ایک آہ بھری اور اُس کی روح نکل گئی۔ محل کے مالک نے لونڈی سے کہا مَیں تجھے اللہ کی خاطر آزاد کرتا ہوں۔ بصرہ کے لوگ نکل کر آئے اور اُس کی نماز جنازہ ادا کر کے اسے دفن کر دیا۔ محل کے مالک نے اُٹھ کر کہا: کیا تم لوگ مجھے نہیں جانتے، مَیں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ ہر وہ چیز جو میری ملکیت ہے اللہ کی راہ میں دیتا ہوں۔ اور میرے تمام غلام آزاد ہیں۔ اُس کے بعد اُس نے ایک تہ بند باندھا اور ایک چادر اوڑھلی اور محل کو صدقہ میں دے کر چلا گیا۔ اُس کے بعد

نہ اُس کی شکل دکھائی دی اور نہ کہیں اس کا نشان ملا۔

مَیں نے محمدؒ بن احمدؒ بن محمدؒ الصوفی سے سنا کہ عبداللہ بن علی الطوسی نے اُن سے کہا کہ یحییٰ بن الرضا العلوی کہتے تھے کہ ابوسلیمانؒ(۱۲۲۶) دمشقی نے ایک گردش کرنے والے کو یہ الفاظ کہتے ہوئے سُنا کہ اے جنگلی شاہترہ (یا سعتر بری) اور وہ غش کھا کر گر گئے۔ جب وہ ہوش میں آئے تو ان سے اس کا سبب پوچھا گیا۔ انھوں نے کہا مَیں نے یہ سمجھا کہ یہ کہہ رہا ہے ": اسع تو بری" (کوشش کرو تو تم میرے احسان کو دیکھ لوگے۔)

عتبۃ الغلام نے کسی شخص کو یہ شعر پڑھتے سنا۔

سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاء　　اِنَّ المحبَّ لفی عناء

(پاک ہے آسمان کا رب ، بیشک محبت والا رنج میں ہے)

تو کہا: تو سچ کہہ رہا ہے۔

ایک اور شخص نے یہی شعر سنا تو کہا: تو جھوٹ کہہ رہا ہے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے مقام سے یہ شعر سنا۔

مَیں نے ابوحاتم السجستانی سے سنا کہ ابونصر السراج نے ان سے کہا کہ ابوالحسنؒ(۱۲۲۸) علی بن محمدؒ الصوفی فرماتے تھے کہ کسی نے رویم سے ان مشائخ کے متعلق سوال کیا جن سے اُن کی ملاقات سماع میں ہوئی۔ تو فرمایا: اُن کی مثال اس ریوڑ کی سی ہے جس میں بھیڑیا گھس جائے۔

ابوسعید خراز سے حکایت ہے کہا مَیں نے علی بن موفقؒ(۱۲۲۹) کو ایک سماع میں دیکھا وہ کہہ رہے تھے کھڑا کر دو۔ لوگوں نے انھیں کھڑا کر دیا۔ انھوں نے اٹھ کر وجد کا اظہار کیا۔ پھر کہا۔ میں پھرتیلا بوڑھا ہوں۔

کہا جاتا ہے کہ رقیؒ نے ایک بار ساری رات اس طرح گزاری کہ وہ شعر پڑھتے اور لوٹتے اور گر پڑتے اور لوگ کھڑے رو رہے تھے۔

بِاللّٰہِ فارددفؤادَ مُکتئِبٍ　　لَیسَ لہ من حَبِیبِہٖ خَلَفَ

خدا کے لئے اس غمزدہ کا دل واپس کر دو۔ جس کے لئے محبوب کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔

مَیں نے محمدؒ بن احمدؒ التیمی سے سنا عبداللہ بن علی الصوفی نے اُن سے کہا کہ علی بن الحسین بن محمدؒ بن احمدؒ بصری فرماتے تھے کہ مَیں نے اپنے باپ کو فرماتے سنا کہ مَیں نے کئی سال سہل بن عبداللہ

یمت کی، مگر میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ذکرِ قرآن یا کسی اور چیز کے سننے سے ان میں کوئی تغیر پیدا
و۔ جب آن کا آخری وقت آیا تو کسی نے اُن کے سامنے پڑھا۔
الیوم لا یوخذ منکم فدیة (آج تم سے کسی قسم کا تاوان قبول نہ کیا جائے گا۔) تو میں نے دیکھا کہ ان
بڑا گیا اور کانپنے لگ گئے۔ اور قریب تھا کہ گر جائیں۔ جب ہوش میں آئے تو میں نے اس کے
دریافت کیا تو فرمایا: دوست! ہم کمزور ہو گئے ہیں۔
ابنِ سالم نے بیان کیا کہ ایک بار میں نے انھیں دیکھا کہ کسی نے اُن کے سامنے یہ آیت پڑھی۔
یومئذ الحق للرحمٰن (فی الحقیقت اس دن حکومت اللہ کی ہوگی۔) تو ان کا رنگ بدل گیا اور وہ
گے جب میں نے اس کا ذکر کیا تو فرمایا ... کمزور ہو گیا ہوں۔
یہ اکابر صوفیاء کی حالت تھی کہ اُن پر خواہ کس قدر قوی وارد کیوں نہ آتا۔ وہ خود اس سے زیادہ
وستے۔
میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی کو فرماتے سنا کہ میں نے ابوعثمان مغربیؒ کے ہاں گیا تو ایک شخص
، کی چرخی پر کنوئیں سے پانی نکال رہا تھا۔ ابوعثمان نے فرمایا:
اے ابوعبدالرحمٰن کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ چرخی کیا کہہ رہی ہے؟ میں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا
رہی ہے اللہ اللہ۔
میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا کہ علی بن طاہر[۲۳] نے کہا کہ عبداللہ بن سہل[۲۳] فرماتے ہیں رویم
رماتے تھے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ناقوس
رسنی تو اپنے ساتھیوں سے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں۔ فرمایا
ہا ہے: سبحان اللہ حقاً حقاً ان المولیٰ صمد یبقیٰ
میں نے محمد بن احمد التمیمی سے سنا . . . . کہ عبداللہ بن علی نے اُن سے کہا کہ احمد بن علی
سے کہا کہ احمد بن علی الکرخی الوجیہی فرماتے تھے کہ صوفیاء کی ایک جماعت حسن قزازؒ کے گھر میں
۔ اور آن کے ساتھ قوال بھی تھے۔ قوال لے سے بولتا اور وہ وجد میں آتے، ممشاد دینوری
ں آگئے اور وہ خاموش ہو گئے۔ ممشاد نے فرمایا: اپنا کام جاری رکھو۔ اگر دنیا بھر کے ملاہی بھی
کانوں میں جمع کر دیئے جائیں تب بھی وہ میرے ارادوں کو اپنی طرف نہیں پھیر سکتے اور نہ

بھے کچھ تسکین دے سکتے ہیں۔

اسی اسناد سے وجہیؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے ابوعلی رودباری کو فرماتے سنا: اس معاملہ میں ہم ایسی جگہ پہنچ چکے ہیں جو تلوار کی دھار کی طرح ہے اگر اس طرف جھکے تو دوزخ میں گئے۔

خیرالنساج فرماتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو ایک قصہ سنایا تو ایک نے چیخ ماری۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُسے ڈانٹا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اے موسیٰ یہ لوگ میری خوشبو سے مہکتے ہیں۔ میری محبت کا اظہار کرتے ہیں اور میرے وجد سے چلاتے ہیں۔ لہٰذا تو میرے بندوں کی بات کو بُرا کیوں مانتا ہے؟

کہتے ہیں کہ شبلیؒ نے کسی کہنے والے کو سنا کہ کہہ رہا ہے: ایک دانق (دانگ) دس ککڑیاں (خیار) یہ سن کر آپ نے چیخ ماری اور فرمایا: جب ایک دانگ کے دس "خیار" ہوں تو "شرار" کا کیا حال ہوگا۔

کہتے ہیں کہ جب جنت میں حورعین گانا گائیں گی تو اُس کے اثر سے درختوں میں پھول آجائیں گے۔

کہتے ہیں کہ عون بن عبداللہ[۲۳۲] کی ایک لونڈی تھی جس کی سُریلی آواز تھی۔ وہ اسے حکم دیتا تو وہ پُرسوز آواز سے گاتی جس سے سب لوگ رونے لگ جاتے۔

ابوسلیمان دارانی سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ ہر وہ دل جو عمدہ آواز کی خواہش رکھتا ہے کمزور دل ہے اور وہ اپنے دل کا علاج کرنا چاہتا ہے۔ جس طرح بچے کو جب سلانا چاہتے ہیں تو اُس کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ابوسلیمان نے کہا کہ سُریلی آواز دل میں کچھ ڈال نہیں دیتی۔ وہ تو دل میں جو کچھ ہوتا ہے اسے حرکت میں لے آتی ہے۔

ابن ابی الحواری فرماتے ہیں: اللہ کی قسم ابوسلیمانؒ سچ کہتے ہیں۔

جریریؒ فرماتے ہیں: تم ربانی بنو۔ یعنی اللہ کی طرف سے سنو اور اللہ کی مدد کے ساتھ کہو۔

ایک صوفی سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: یہ بجلیاں ہیں جو چمک کر بجھ جاتی ہیں اور نور ہیں جو ظاہر ہوتے ہیں اور پھر چھپ جاتے ہیں اگر نور والے کے ساتھ ایک لمحہ کے لئے بھی رہ جائیں تو کس قدر عمدہ ہوں گے۔ پھر یہ شعر کہنے لگے۔

خَطْرَةٌ فِي السِّرِّ مِنْهُ خَطَرَتْ　　خَطْرَةُ البَرْقِ ابْتَدَى ثُمَّ اضْمَحَلَّ

أَيُّ زَوْرٍ لَكَ لَوْ قَصْدًا سَرَى　　وَمُلِمٍّ بِكَ لَوْ حَقًّا فَعَلَ

رازنہی رازنہ میں محبوب کا خیال اس طرح آیا جس طرح بجلی چمک کر مدھم پڑ جائے۔
اگر یہ خیال قصداً آیا تھا تو پھر یہ کس قسم کی زیارت تھی کہ ٹھہرا بھی نہیں اور چل دیا۔ اور یہ آنے والا کون تھا اگر اس نے درحقیقت ایسا کیا۔

کہتے ہیں کہ سماع میں ہر عنصر اپنا حصہ حاصل کرتا ہے۔ آنکھ کو جو حصہ ملتا ہے اس سے آنکھ رونے لگ جاتی ہے۔ جو زبان کو ملتا ہے اس سے زبان چلانے لگ جاتی ہے۔ جو ہاتھ کو ملتا ہے تو ہاتھ اس کی وجہ سے کپڑے پھاڑنے اور تھپڑ مارنے لگتے ہیں اور جو پاؤں کو ملتا ہے اس سے پاؤں ناچنے لگ جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک ایرانی بادشاہ مر گیا اور اس کے مرنے کے بعد ایک چھوٹا بچہ رہ گیا لوگوں نے اُسی کو جانشین بنانا چاہا۔ اور کہنے لگے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ اُسے کچھ سمجھ بوجھ بھی ہے یا نہیں۔ اور سب نے بالاتفاق یہی فیصلہ کیا کہ ایک قوال کو بلا کر اس سے گیت گوائے جائیں۔ اگر اس نے خوب کان لگا کر سنا تو سمجھ لیں گے کہ یہ بچہ دانشمند ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ جب قوال نے گیت گایا تو بچہ ہنس پڑا۔ یہ سُن کر سب نے زمین بوسی کی اور اس کی بیعت کی۔

میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ ابوعمرو بن نجید اور نصر آبادیؒ اور اس طبقہ کے اور لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوئے تو نصر آبادی نے کہا کہ جب لوگ اکٹھے ہوں گے تو میں کچھ کہوں گا یہ بہتر ہے کہ ایک شخص بولے اور باقی خاموش رہیں۔ بہ نسبت اس کے کوئی کسی کی غیبت کرے۔ اس پر ابوعمرو نے کہا: تیس سال غیبت کرتے رہنا اس سے بہتر ہے کہ تو سماع میں ایسی حالت کا اظہار کرے جو تمہاری حقیقی کیفیت نہیں۔

میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ لوگوں کی سماع میں تین قسمیں ہیں (۱) متسمع (۲) مستمع (۳) سامع۔

متسمع تو اپنے وقت کے ساتھ سنتا ہے اور مستمع "حال" کے ساتھ اور سامع حق کے ساتھ۔

قشیری اور سماع

میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ سے کئی بار اس سماع کے سننے کے لئے اجازت کی درخواست کی۔ آپ ہر دفعہ مجھے ٹال دیتے اور اس میں یہ اشارہ ہوتا کہ اس سے باز رہنا ہی اچھا ہے۔ پھر جب میں کافی عرصہ تک بار بار کہتا رہا۔ تو فرمایا:

مشائخ فرماتے ہیں کہ وہ سماع جو تمہارے دِل کو جمع کر کے اللہ کی طرف لے آئے۔ اس کے سننے میں کوئی حرج نہیں۔

ہم سے ابوالحسن علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید البصری نے اس سے کہا کہ اسمٰعیل بن الفضل البلخی نے ان سے یحییٰ بن یعلی الرازی نے ان سے حفص بن عمر العمری (۱۲۳۳) نے ان سے ابوعمر عثمان بن بدر نے اُن سے ہارون (۱۲۳۴) ابوحمزہ العذا (۱۲۳۵) فرنے روایت کی۔ انھوں نے سعید بن جبیر سے سنا انھوں نے کہا ابنِ عباس فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں نے تجھ میں دس ہزار کان بنائے تب جاکر تو میرا کلام سن سکا ہے اور دس ہزار زبان دی تب کہیں جاکر تو مجھے جواب دے سکا۔ مگر تو میرا زیادہ محبوب اور مجھ سے زیادہ قریب اُس وقت ہو سکتا ہے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درُود بھیجے۔

کہتے ہیں کہ کسی صوفی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپؐ نے فرمایا: بیشتر لوگوں کو اس میں غلطی ہو جاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سماع سے تھی۔

سماع سے بچنا بہتر ہے

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ محمدؐ بن عبداللہ بن شاذان نے اُن سے کہا کہ ابوبکر النہاوندی نے اُن سے کہا کہ علی السائح نے کہا کہ ابوالحارث (۱۲۳۶) الاولاسی فرماتے تھے کہ میں نے ابلیس کو خواب میں دیکھا کہ وہ اولاس میں کسی مکان کی چھت پر ہے اور ایک چھت پر میں ہوں۔ اور ابلیس کے دائیں اور بائیں لوگ ہیں۔ جنھوں نے صاف ستھرے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ ابلیس نے اُن میں سے ایک جماعت کو کہا گانا گا۔ انھوں نے گانے گائے اور گانا اتنا عمدہ تھا کہ میں بہک گیا۔ اور چاہا کہ اپنے آپ کو چھت پر سے پھینک دوں۔ اس کے بعد شیطان نے کہا۔ ناچو۔ سب نے نہایت عمدہ ناچ ناچا۔ اس کے بعد ابلیس نے مجھے کہا:۔ اے ابوالحارث مجھے تو صرف یہی ایک چیز ملی ہے جس کے ذریعہ سے میں تم لوگوں کے اندر گھس سکتا ہوں۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا انھوں نے کہا عبداللہ بن علی فرماتے تھے کہ ایک رات میں شبلیؒ کے ساتھ تھا۔ قوال نے کوئی گانا گایا جس کے سننے سے شبلیؒ نے چیخ ماری اور بیٹھے بیٹھے وجد میں آگئے۔ لوگوں نے آپ سے کہا اے ابوبکر جب باقی سب لوگ کھڑے ہیں تو آپ اکیلے کیوں بیٹھے ہوئے ہیں اس پر شبلیؒ کھڑے ہو کر وجد میں کہنے لگے۔

لی سکرتان وللندمان واحدۃ
شئ خسصت بہ من بینھم وحدی

ندیم کو ایک مستی ہے اور مجھے دو۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو صرف مجھ ہی کو حاصل ہے۔

اور انہی سے سُنا کہ منصور بن عبداللہ اصبہانی نے اُن سے کہا: کہ ابوعلی رودباری فرماتے تھے کہ میں ایک محل سے گزرا تو دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان پڑا ہوا ہے۔ اور اُس کے گرد لوگ جمع ہیں۔ میں نے حبیب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نوجوان اِس محل کے پاس سے گزر رہا تھا اور ایک لونڈی یہ گا رہی تھی۔

کَبُرَتْ هِمَّةُ عَبْدٍ طَمِعَتْ فِی اَنْ تَرَاکَا
اَوَمَا حَسْبُ لِعَیْنٍ اَنْ تَرَیٰ مَنْ قَدْ رَآکَا

اس بندے کی ہمت کس قدر بلند ہے۔ جو تجھے دیکھنے کی خواہش کرتا ہے۔ کیا آنکھ کے لئے اس قدر کافی نہیں کہ وہ اُن لوگوں کو دیکھ لے جنھوں نے تجھے دیکھا ہے۔

یہ سُن کر اُس نے آہ بھری اور مر گیا۔

۵۰۔ اولیاء اللہ کی کرامتیں

استاد ابوالقاسم فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ سے کرامت کا ظاہر ہونا جائز ہے۔ اس کے جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک امر ہے کہ جس کا واقع ہونا عقل میں آتا ہے اور اس سے کوئی شرعی اصول نہیں ٹوٹتا۔ لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی یہ صفت اس طرح بیان کریں کہ اسے کرامت کے پیدا کرنے کی قدرت ہے۔ لہٰذا جب یہ واضح ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے تو اس کے جائز ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔

اور کرامت کا ظاہر ہونا اُس شخص کی سچائی کی علامت ہے جس کے احوال میں یہ ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا جو سچا نہ ہوگا . . . . اس سے اس قسم کی کرامت کا ظاہر ہونا بھی جائز نہیں اس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کرامت کی جو شناخت ہمیں بتلائی ہے تاکہ ہم سچے اور جھوٹے میں فرق

کر سکیں وہ استدلال کے طور پر ایسا امر ہے جو عقل میں آسکتا ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ولی کو ایسے امور کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے جو مفتری کذاب میں نہیں پائے جاسکتے اور یہی وہ امر ہے جسے ہم کرامت کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ کرامت ایام تکلیف میں (یعنی اسی دنیا میں) ایک خارق عادت فعل ہو۔ اور ایسے شخص سے صادر ہو۔ جو ولایت کے ساتھ موصوف ہو۔ تاکہ اس کی حالت کی اس سے تصدیق ہو سکے۔

کرامت اور معجزہ میں فرق

اہل حق نے کرامت اور معجزہ میں فرق کرنے پر بحث کی ہے۔ چنانچہ امام ابو اسحٰق[1338] اسفرائینی فرمایا کرتے تھے کہ معجزات انبیاء کے سچے ہونے کی دلیل ہیں۔ اور وہ چیز جو نبوت کی دلیل ہو۔ غیر نبی کے پاس نہیں ہو سکتی۔ جس طرح کہ عقل محکم عالم کے عالم ہونے کی دلیل ہے اور وہ غیر عالم میں نہیں پائی جاتی۔ وہ یہ بھی فرمایا کرتے کہ اولیاء اللہ کیلئے کرامات ہیں۔ مثلاً دعا کا قبول ہونا، مگر انبیاء کے معجزہ کی سی چیز کا ان سے واقع ہونا جائز نہیں۔

مگر امام ابوبکر بن فورک فرمایا کرتے معجزات سچائی کی دلیلیں ہوتی ہیں۔ پھر اگر معجزہ دکھانے والا نبوت کا دعویٰ کرے تو معجزہ اس کے قول کے سچے ہونے کی دلیل ہے اور اگر وہ ولایت کی طرف اشارہ کرتا ہے تو معجزہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص کی حالت سچی ہے۔ مگر اس صورت میں اسے کرامت کہا جائے گا معجزہ نہیں۔ خواہ یہ معجزات کی جنس میں سے ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ نبی اور ولی کے فعل میں فرق ہے۔

ابن فورک بھی فرمایا کرتے کہ معجزہ اور کرامت میں یہ فرق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معجزہ کو ظاہر کرنے کا اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے مگر ولی پر یہ واجب ہوتا ہے کہ وہ کرامت کو چھپائے اور اسے پوشیدہ رکھے۔ نبی معجزہ ظاہر کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور قطعی طور پر اس کا ذکر کرتا ہے (کہ یہ اس کا معجزہ ہے) مگر ولی نہ تو دعویٰ کرتا ہے اور نہ قطعی طور پر اس کا ذکر کرتا ہے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ صرف دھوکا ہو۔

قاضی ابوبکر اشعریؒ کا بیان

قاضی ابوبکر اشعریؒ[1339] جو اپنے زمانہ میں اپنے فن میں یکتا تھے فرماتے تھے معجزات انبیاءؑ کے ساتھ مخصوص ہیں اور کرامات اولیاء کے لئے بھی اسی طرح ہوتی ہیں جس طرح انبیاء کے لئے، اولیاء اللہ کے لئے معجزات نہیں ہوتے۔ اس لئے

کہ معجزہ کی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ نبوت کا دعویٰ بھی ہو۔ معجزہ خود بخود معجزہ نہیں کہلا سکتا اسے معجزہ صرف اُس وقت کہا جائے گا جب اس میں بہت سی صفات پائی جائیں۔ اور اگر کسی ایک شرط میں بھی کوئی خلل پڑ گیا، تو یہ معجزہ نہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ معجزہ ظاہر کرنے والا نبوت کا دعویٰ بھی کرے۔

اور ولی مدعی نبوت نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو بات اس سے ظاہر ہو گی وہ معجزہ نہ ہو گی۔ اسی قول پر ہمارا اعتماد ہے بلکہ یہی ہمارا دین ہے۔ معجزہ کی تمام یا اکثر شرطیں کرامت میں پائی جاتی ہیں صرف یہی ایک شرط نہیں پائی جاتی۔ (یعنی دعوتِ نبوت) اور کرامت یقیناً ایک" حادث فعل ہے۔ اس لئے جو فعل قدیم ہوتا ہے وہ کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا۔ (۲) کرامت خارق عادت ہوتی ہے (۳) اور تکلیف کے وقت ہوتی ہے (۴) اور کسی بندے سے اس لئے ظاہر ہوتی ہے کہ اس کی خصوصیت یا فضیلت ظاہر ہو جائے۔ کبھی تو کرامت ولی کے اختیار اور مطالبہ پر ظاہر ہوتی ہے اور کبھی اختیار سے ظاہر نہیں ہوتی۔ اور بعض اوقات بغیر اختیار کے ظاہر ہو جاتی ہے۔

ولی لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت نہیں دیتا

ولی کو اس بات کا حکم نہیں دیا جاتا کہ وہ لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دے لیکن اگر وہ ان لوگوں کے سامنے جو اس کے اہل ہوں اس قسم کا اظہار کرے تو جائز ہے۔

کیا ولی کو اس کا علم ہونا ضروری ہے کہ وہ ولی ہے

اہلِ حق کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ولی کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ ولی ہے یا نہیں۔

ابنِ فورکؒ کا قول

امام ابوبکر بن فورکؒ فرمایا کرتے تھے کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ اگر اُسے اپنی ولایت کا علم ہو جائے تو اس سے خوف جاتا رہے گا۔ اور وہ بے فکر ہو جائے گا۔

ابو علی دقاقؒ کا قول

استاد ابو علی دقاقؒ فرمایا کرتے تھے کہ ولایت کا علم ہونا جائز ہے۔ ہم اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہی ہمارا اعتقاد ہے۔ مگر یہ تمام اولیاء کے لئے ضروری نہیں کہ ہر ولی کو اس بات کا علم ہو کہ وہ ولی ہے۔ چنانچہ بعض کو علم ہو سکتا ہے اور بعض کو

نہیں۔ چنانچہ جن کو اس بات کا علم ہو جائے کہ وہ ولی ہیں۔ یہ ان کی مخصوص کرامت ہو گی۔

یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کرامت ایک ولی سے ظاہر ہو وہی کرامت ہر ولی سے ظاہر ہو۔ بلکہ اگر دنیا میں ولی سے کوئی کرامت ظاہر نہ ہو تو اس سے اس کی ولایت میں کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا۔

انبیاء کا یہ حال نہیں۔ ان کے لئے معجزات کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ نبی کو لوگوں کی طرف بھیجا جاتا ہے اور لوگوں کو اس کی سچائی معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ سچائی معجزہ کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتی۔ ولی کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔ کیونکہ نہ لوگوں کے لئے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ وہ ولی ہے اور نہ خود ولی کے لئے اپنی ولایت کا علم ضروری ہے

اور وہ دس صحابی جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان خبروں کے متعلق تصدیق کی۔ جو آپ نے انہیں تبلائیں۔ ان کے متعلق رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جنتی ہیں[ت]۔

جن لوگوں نے اس امر کو جائز قرار نہیں دیا کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہو۔ اس خیال سے کہ وہ بیخوف ہو جائیں گے (تو اس میں کوئی بات نہیں) کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنی عافیت کے بدل جانے سے ڈرتے رہیں۔ لیکن وہ ہیبتِ خداوندی عظمت و جلال باری جن کو وہ اپنے دلوں کے اندر پاتے ہیں وہ خوف سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں۔

ولی کو اپنی کرامت سے مطمئن نہیں ہونا چاہیئے

یاد رکھیں کہ ولی کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنی کرامت پر نظر رکھے بعض اوقات اس قسم کی کرامتوں کے ظاہر ہونے سے ان کے یقین میں قوت اور بصیرت زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ انہیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ یہ کرامت (درحقیقت) اللہ کا فعل ہے اور اس سے انہیں اپنے عقائد کے صحیح ہونے کی دلیل مل جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ ولی کے ہاتھوں کرامت کا ظاہر ہونا جائز ہے۔ واجب ہے، وہ یہی عقیدہ جمہور اہلِ معرفت کا ہے اور چونکہ اس قسم کی روایتیں اور حکایتیں کثرت اور تواتر کے ساتھ منقول ہیں

ت: جب ان صحابیوں کو اپنے جنتی ہونے کا علم ہو گیا۔ وہ بے خوف نہیں ہوئے۔ اسی طرح اگر ولی کو اپنی ولایت کا علم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔"

اس لئے اولیاء سے فی الجملہ ان کے ظاہر ہونے کا علم اس قدر قوی ہو جاتا ہے کہ اس سے تمام شکوک اُٹھ جاتے ہیں۔ جو شخص ان لوگوں کے درمیان ہے اور انکی روایات و حکایات متواتر اسے پہنچتی رہیں اسے اس بات میں قطعاً شبہ نہیں رہتا۔

کرامت پر قرآن مجید سے استدلال

اس کی دلیل قرآن مجید کی وہ نص ہے جس کا ذکر سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ اَنَا آتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ۔

(میں اسے تمہارے پاس تمہارے آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے لے آؤں گا) حالانکہ ان الفاظ کا کہنے والا نبی نہ تھا۔

حضرت عمرؓ کی کرامت

اور یہ صحیح اثر ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران یاساریۃ الجبل (اے ساریہ پہاڑ پر چڑھ جا) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی یہ آواز اسی وقت ساریہ کو پہنچا دی۔ یہاں تک کہ انھوں نے اسی وقت پہاڑ کے اُن مقامات سے اپنا بچاؤ کر لیا جہاں دشمن چھپے ہوئے تھے۔

ایک اعتراض

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان کرامات کا اظہار کیسے جائز ہو سکتا ہے جن میں رسولوں کے معجزات سے بھی بڑھ کر کرامتیں پائی جاتی ہیں۔؟ اور کیا اولیاء کو انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دینا جائز ہے۔؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کرامتیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار ہوں گی کیونکہ جو صادق السلام نہ ہوگا اس سے کرامت ظاہر نہ ہوگی۔ اور جس نبی کے اُمتی سے کوئی کرامت ظاہر ہوگی وہ اس نبی کے معجزات میں شمار ہوگی۔ کیونکہ اگر وہ رسول سچا نہ ہوتا تو اس کے تابعداروں سے کرامت ظاہر نہ ہوتی۔

لیکن اولیاء کا مرتبہ انبیاء کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اسی پر سب کا اتفاق ہے۔

ابو یزید بسطامیؒ کا قول

چنانچہ ابو یزید بسطامیؒ سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا جو کچھ انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوا ہے۔ اس کی مثال ایک شہید کے مشکیزہ کی ہے۔ جس سے ایک قطرہ ٹپک جائے۔ یہ ایک قطرہ اس مرتبہ (اور علم) کی مثال ہے جو تمام اولیاء کو حاصل ہوا۔

اور جو کچھ برزخ کے اندر ہے وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہے۔

فصل

یہ کرامتیں کبھی تو اس صورت میں ظاہر ہوتی ہیں کہ کسی ولی کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ کبھی اس طرح کہ فاقہ کے وقت بغیر کسی ظاہری سبب کے کھانا موجود ہو جائے یا پیاس کے وقت پانی حاصل ہو جائے یا تھوڑی سی مدت میں لمبی مسافت کا طے کرنا آسان ہو جائے، یا دشمن سے نجات مل جائے یا کسی ہاتف کے ذریعہ خطاب کیا جائے وغیرہ وغیرہ ایسے امور خلاف عادت ہیں۔

یاد رکھیں کہ آجکل اللہ کی بہت سی قدرتیں جو ظاہر ہوتی ہیں۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولی کی کرامت کے طور پر ظاہر نہیں ہو سکتیں اور اُن کا علم ہمیں ضروری طور پہ یا بطریق شبہ ضروری حاصل ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ہیں کہ کوئی انسان بغیر والدین کے پیدا ہو جائے۔ یا جمادات میں سے کوئی چیز چوپایہ بن جائے وغیرہ۔ وغیرہ۔

ولی کے معنی

اگر کوئی سوال کرے کہ ولی کے کیا معنی ہیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) یہ کہ یہ لفظ ولی فعیل کا وزن ہو جو فاعل میں مبالغہ کے معنی پیدا کرنے کے لئے مستعمل ہے۔ جیسے علیم و قدیر وغیرہ اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ولی وہ شخص ہے جو لگاتار اطاعتِ خداوندی میں مشغول رہے اور اس دوران میں کسی قسم کی معصیت اس سے سرزد نہ ہو۔

(۲) (۲) یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ جیسے قتیل بمعنی مقتول اور جریح معنی مجروح اس صورت میں ولی وہ شخص ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ ہمیشہ کیلئے ولی بن چکا ہے کہ اس کی حفاظت اور نگہبانی کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس کے لئے "خذلان" یعنی معصیت کاری کی قدرت پیدا ہی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنی توفیق ہمیشہ کے لئے عطا کر دیتا ہے۔ توفیق یہ ہے کہ اسے اطاعت گذاری پر قدرت ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصَّالِحِیْنَ وہ صالحین کا ولی بنتا ہے۔

فصل

کیا ولی معصوم ہوتا ہے؟

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ولی معصوم ہے یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ولی انبیاء کی طرح لازمی طور پر معصوم نہیں۔ ہاں یوں ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ولیوں کو گناہ سے محفوظ رکھے۔ یہاں تک کہ ان سے کوئی کمزوری یا غلطی یا لغزش سرزد ہو جائے تو اس پر ڈٹے نہ رہیں۔ اس طرح ان کو محفوظ کہنے میں کوئی ہرج نہیں۔

کسی نے جنیدؒ سے سوال کیا تھا کہ آیا عارف زنا کا مرتکب ہو سکتا ہے یا نہیں۔ آپ نے تھوڑی دیر سر جھکایا اور پھر سر اٹھا کر کہا۔ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا " اللہ کا حکم تقدیر میں لکھا ہوا ہے"۔

فصل

کیا ولی کا خوف جاتا رہتا ہے

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا ولی سے خوف ساقط ہو جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکابرین اولیاء پر خوف غالب رہتا ہے۔ اور پیشتر جو ذکر کیا گیا کہ شاذ و نادر خوف زائل ہو جاتا ہے۔ تو اس کا بھی امکان ہے۔ چنانچہ سریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی باغ میں جائے۔ جس میں کثرت سے درخت لگے ہوں اور ہر درخت پر پرندے بیٹھے ہوئے واضح الفاظ میں یہ کہہ رہے ہوں۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَلِيَّ اللّٰهِ تو اس وقت اگر وہ اس بات سے نہیں ڈرے گا کہ یہ مکر ہے تو یقیناً یہ دھوکا کھا جائے گا۔ اولیاء اللہ کے متعلق اس کی بہت سی حکایتیں ہیں

فصل

کیا دنیا کے اندر دیدار الٰہی کرامت کے طور پر ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا اس دنیا میں ظاہری آنکھوں سے کرامت کے طور پر دیدار خداوندی ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں قوی فیصلہ یہی ہے کہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر سب کا اتفاق ہو چکا ہے میں نے امام ابوبکر بن فورک سے سنا وہ فرماتے تھے۔

کہ اس مسئلہ میں ابوالحسن[۱۲۴] اشعریؒ نے کتاب الرویۃ الکبیر میں دو قوال نقل کئے ہیں۔

فصل

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اس وقت تو ولی ہو مگر بعد میں وہ ایسا نہ رہے

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص وقت تو ولی ہو۔ مگر انجام کار وہ بدل جائے اور وہ

جواب: جن لوگوں نے ولایت کے لئے حسن (اچھی طرح حق پورا کرنا) کی شرط لگائی ہے۔ وہ اسے جائز قرار نہیں دیتے کہ ولی کی عاقبت بدل مگر جو یہ کہتے ہیں کہ ولی اس وقت حقیقی مومن ہے اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ بعد میں اس کی حالت بد تو کوئی بعید نہیں کہ ایک شخص اس وقت تو سچا ولی ہو اور پھر بدل جائے۔ ہم نے ایسی بات اختیار کیا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ولی کو کرامت کے طور پر اس بات کا علم دیا گیا ہو کہ اس کا انجام بخیر اور وہ انجام کار نہیں بدلے گا۔ اس صورت میں یہ مسئلہ اسی قسم کا ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں یہ جائز ہے کہ ولی کو اپنے ولی ہونے کا علم ہو جائے۔

فصل

کیا ولی سے مکر کا خوف زائل ہو جاتا ہے

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا ولی سے مکر کا خوف زائل جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ولی اپنے مشا میں مستغرق ہو اور اپنی حالت کی وجہ سے اپنے احساس کھو بیٹھا ہو۔ تو یہ شخص تو غلبۂ حال کی وجہ اپنے آپ سے کھویا ہوا ہے۔ اور خوف تو ان لوگوں کی صفت ہے۔ جن کے احساسات حاضر ہوا

فصل

ہوش کی حالت میں ولی پر کیا کیفیت غالب ہوتی ہے

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ہوش میں رہتے ہوئے ولی پر کیا کیفیت غالب ہوتی

جواب ۱۔ ولی ہوش میں ہونے کی حالت میں صدق دل سے حق سبحانہٗ کے حقوق ادا کرتا ہے۔ نیز ہر حالت میں وہ مخلوق کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آتا ہے۔ تمام مخلوق پر وہ اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے اور اچھے اخلاق کے ساتھ ان کی باتوں وغیرہ وغیرہ کو برداشت کرتا ہے۔ اور بغیر اس کے کہ لوگ اس سے درخواست کریں وہ خود ہی اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہے کہ ان پر اپنا احسان کرے اور اپنی تمام ہمت اس میں لگائے رکھتا ہے کہ مخلوق کو نجات حاصل ہو۔ وہ لوگوں سے انتقام نہیں لیتا۔ اور اس بات سے بچتا ہے کہ کہیں اس میں ان سے کینہ رکھنے کا احساس نہ پیدا ہو جائے باایں ہمہ وہ اپنا ہاتھ لوگوں کا مال لینے کے لئے نہیں بڑھاتا اور ہر طریقہ سے لالچ کو ترک کرتا ہے اپنی زبان پر قابو رکھتا ہے۔ کہ کہیں انہیں برا نہ کہے اور اپنے نفس کو ان کی برائیاں دیکھنے سے بچاتا ہے اور وہ اس دنیا میں اور آخرت میں کسی سے کسی قسم کا جھگڑا نہیں کرتا۔

سب سے بڑی کرامت اللہ کی فرمانبرداری اور گناہ سے بچنا ہے

یاد رکھو کہ اولیاء کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی اطاعت گزاری کی ہمیشہ توفیق دیتا رہے اور معصیت اور خدا کے احکام کی مخالفت سے بچاتا ہے۔

قرآن مجید سے کرامت کی دلیل

دلیوں سے کرامت کے اظہار کے متعلق جو گواہی قرآن مجید میں پائی جاتی ہے یہ ہے کہ حق سبحانہٗ نے مریم علیہا السلام کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ نہ نبی تھیں نہ رسول۔ کُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا۔ (زکریا علیہ السلام جب بھی ان کے پاس بالاخانے میں جاتے تو ان کے پاس رزق پاتے۔ زکریا ان سے کہتے ہیں اَنّٰی لَكِ هٰذَا (یہ تمہارے پاس کیسے آیا۔) تو مریم کہتی ہیں هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰه (یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے)

کرامت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا کھجور کے تنے کو اپنی طرف حرکت دو۔ تر و تازہ کھجوریں گریں گی۔ حالانکہ یہ تازہ کھجوروں کا زمانہ نہ تھا۔

اسی طرح اصحاب کہف کے قصہ میں بھی کرامت کی دلیل پائی جاتی ہے۔ عجیب و غریب واقعات ان کو پیش آئے۔ مثلاً کتے کا ان سے کلام کرنا وغیرہ۔

کرامت ہی میں سے "ذوالقرنین" کا قصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کام کے کرنے کی قدرت

دی جن کو اور لوگ نہ کر سکے۔

قرآنی دلائل میں سے وہ کرامات بھی ہیں جو الکھی باتیں خضر علیہ السلام سے ظاہر ہوئیں مثلاً دیوار کا کھڑا کر دینا اور عجیب و غریب امور اور یہ کہ وہ ان باتوں کو جانتے تھے جو موسیٰ علیہ السلام سے پوشیدہ تھیں یہ سب باتیں خارق عادت باتیں ہیں جن کے ساتھ خضر علیہ السلام کو خصوصیت حاصل تھی۔ حالانکہ وہ نبی نہ تھے صرف ولی تھے۔

کرامات کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان میں ایک حدیث جریج راہب کی ہے۔

ہم سے ابونعیم عبدالملک بن الحسن الاسفرائینی نے بیان کیا کہ ابوعوانہ یعقوب بن ابراہیم بن اسحٰق نے ہم سے کہا عماد بن رجاء[۱۲۴۲] نے ان سے کہا کہ۔ وھب[۱۲۴۳] بن جریر بن حازم نے کہا۔ میرے والد[۱۲۴۴] نے کہا کہ میں نے محمد بن سیرین سے سنا انہوں نے کہا کہ ابوہریرہؓ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ابوعوانہ کی روایت ہے کہ ان سے الصغانی اور ابوامیہ[۱۲۴۵] نے کہا کہ ان سے الحسین[۱۲۴۶] بن محمد المروزی نے کہا کہ ہم سے جریر بن حازم[۱۲۴۷] نے محمد بن سیرین سے روایت کی کہ ابوہریرہؓ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخصوں نے اس وقت بات کی، جب کہ وہ ابھی گود میں تھے۔ عیسیٰؑ بن مریم، اور جریج کے عہد میں ایک بچے نے، نیز اور ایک بچے نے، عیسیٰؑ کو تو تم لوگ جانتے ہی ہو۔

جریج کا قصہ یہ ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں بڑا عبادت گذار تھا۔ اس کی ایک والدہ موجود تھی۔ ایک دن یہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی والدہ کو اس کا اشتیاق ہوا اس نے اسے آواز دی۔ اے جریج! اس نے کہا، خدایا کیا نماز بہتر ہے یا یہ بہتر ہے کہ میں ان کے پاس جاؤں، پھر نماز پڑھنے لگا۔ والدہ نے پھر بلایا۔ اس نے پھر وہی الفاظ کہے اور پھر نماز پڑھتا رہا۔ اس کی والدہ کو یہ بات ناگوار گذری اور ان نے بد دعا کی اے اللہ! اسے مرنے سے پہلے زانیہ عورتوں کے چہرے دکھا دینا۔ بنی اسرائیل میں ایک زانیہ عورت تھی۔ اس نے کہا اسے گمراہ کردوں گی۔ یہاں تک کہ یہ زنا کرے۔ چنانچہ وہ آئی۔ مگر اس کو گمراہ نہ کر سکی۔ ایک چرواہا رات کو جریج کے حجرہ کے پاس پناہ لیا کرتا تھا۔ جب جریج کو گمراہ کرنے سے تھک گئی تو اس نے چرواہے کو پھسلا لیا اور اس نے اس کے ساتھ زنا کیا جس سے ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس عورت نے کہا کہ یہ بچہ جریج کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔ یہ سن کر بنی اسرائیل جریج کے

ے۔اس کا عبادت خانہ توڑ دیا اور اسے گالیاں دیں۔اس کے بعد جریج نے نماز پڑھی اور دُعا
ِ بچے کو حرکت دی۔ محمد کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں مَیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اب بھی دیکھ
ِ جب آپ نے اپنے ہاتھ سے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ تمہارا باپ کون ہے؟ بچے نے
دیا چرواہا۔اس پر بنی اسرائیل کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور انہوں نے جریج سے معافی
اور کہا تمہارا عبادت خانہ سونے اور چاندی سے بنا دیتے ہیں۔مگر جریج نے قبول نہ کیا۔ اور
پہلے تھا ویسا ہی بنا لیا۔

دوسرے بچے کا یہ واقعہ ہے کہ ایک عورت ایک شیر خوار بچہ لئے کھڑی تھی کہ ایک خوبصورت
چھی وضع قطع کا نوجوان ادھر سے گزرا۔عورت نے کہا۔ یا اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا کر دینا۔
لا۔ خدایا! مجھے اس جیسا نہ کرنا۔

محمدؒ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ نے فرمایا۔ مَیں اب بھی گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں۔ جبکہ
ہ کی بات بیان فرما رہے تھے اور وہ دودھ پی رہا تھا۔

اس واقعہ کے بعد اس عورت کے پاس سے ایک عورت گذری جس کے متعلق لوگ کہتے تھے کہ
نے زنا اور چوری کا ارتکاب کیا اور اسے اس کی سزا دی گئی۔بچے والی عورت نے کہا۔ میرے
و اس عورت جیسا نہ کرنا۔مگر جھٹ سے بچہ بولا۔ خدایا مجھے اس جیسا بنانا۔والدہ نے اس کی
ریافت کی تو کہا کہ خوبرو نوجوان ایک جابر بادشاہ ہے۔اور اس عورت کے متعلق لوگ کہتے ہیں
ں نے زنا اور چوری کی ہے۔مگر اس نے نہ تو زنا کیا ہے اور نہ چوری، اور وہ کہتی ہے۔"میرے لئے
نی ہے۔"

یہ روایت حدیث کی صحیح کتابوں میں پائی جاتی ہے۔غار والی حدیث میں بھی کرامت کا ذکر ہے
یہ ایک مشہور حدیث ہے جس کا ذکر حدیث کی صحیح کتابوں میں آیا ہے۔

ریثِ غار

ہم سے ابونعیم عبدالملک بن الحسن الاسفرئینی نے بیان کیا کہ ابوعوانہ یعقوب بن
ابراہیم بن اسحٰق نے ان سے کہا کہ محمد بن عوف[1247] اور یزید بن عبدالصمد الدمشقی[1248] اور
لکریم بن القاسم[1249] الدیرعاقولی وابوالحصیب بن المستنیر المصیصی نے ان سے کہا کہ ابوالیمان[1250] نے
سے کہا کہ شعیب[1251] نے زہری سے اور انہوں نے سالم[1252] اور انہوں نے اپنے باپ سے سنا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تم سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں ان میں سے تین آدمی چلے۔ اور رات کو انہوں نے ایک غار میں پناہ لی اور اس کے اندر چلے گئے۔ قضا کار پہاڑ سے ایک پتھر لڑھک کر غار کے منہ پر آگیا جس سے غار کا منہ بند ہو گیا۔ اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ تم اس پتھر سے صرف اس طرح نجات پا سکتے ہو کہ تم اپنے صالح اعمال کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے بیان کیا۔

میرے بوڑھے والدین تھے۔ میں ان سے پہلے کسی کو دودھ پینے کو نہ دیتا تھا۔ نہ گھر والوں کو اور نہ مال کو، ایک دن درختوں کی تلاش میں مجھے دیر ہو گئی اور شام کو گھر واپس آیا تو وہ دونوں سو چکے تھے۔ میں نے ان کے لئے دودھ دوھا۔ اور جب لے کر ان کے پاس آیا تو انہیں سویا ہوا پایا۔ میں نے ان کو جگانا پسند نہ کیا اور یہ بھی نہ چاہا کہ ان سے پہلے اپنے بیوی بچوں کو دوں۔ میں پیالہ لئے کھڑا رہا اور ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ حتیٰ کہ صبح طلوع ہوئی اور وہ بیدار ہوئے اور انہوں نے دودھ پیا۔ یا اللہ اگر میں نے یہ فعل تمہاری رضامندی کی خاطر کیا ہے تو جس مصیبت میں ہم گرفتار ہیں اسے دُور کر دے۔ اس سے پتھر اس قدر کھل گیا کہ وہ اس سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوسرے نے کہا۔ خدایا! میری ایک چچازاد بہن تھی۔ جس سے مجھے بہت محبت تھی۔ میں نے اسے مائل کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ نہ مانی۔ یہاں تک کہ وہ قحط سالی میں مبتلا ہو گئی۔ اور وہ میرے پاس آئی تو میں نے اسے اس شرط پر ایک سو بیس دینار دینے کا وعدہ کیا کہ وہ اپنا نفس میرے حوالے کر دے گی۔ وہ اس پر راضی ہو گئی۔ چنانچہ میں اس پر پورا قادر ہو گیا تو کہنے لگی تمہارے لئے جائز نہیں کہ تو حق کے بغیر میری مہر توڑے۔ اس پر میں اس سے جماع کرنے سے باز آگیا اور اسے چھوڑ دیا۔ حالانکہ مجھے اس سے محبت بھی تھی اور جو دینار میں نے اسے دیئے تھے وہ بھی اس کے پاس رہنے دیئے یا اللہ اگر میں نے یہ فعل تمہاری رضامندی کی خاطر کیا ہے تو جس مصیبت میں ہم مبتلا ہیں۔ اس کو دُور کر دے۔ پتھر اور کھل گیا مگر اب بھی وہ اس سے نکل نہ سکتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر تیسرے نے کہنا شروع کیا۔

خدایا! میں نے چند مزدوروں سے مزدوری پر کام کروایا اور میں نے اُن کی مزدوری انہیں دے دی۔ صرف ایک شخص رہ گیا۔ وہ اپنا حق چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کی اُجرت میرے پاس بڑھتی گئی کچھ مدت کے بعد وہ میرے پاس آیا اور اپنی اُجرت کا مطالبہ کیا۔ میں نے کہا یہ سب اونٹ، بھیڑ، بکریاں، گائے اور غلام جو تمہیں نظر آرہے ہیں، تمہارے ہیں۔ اس پر اس نے کہا اے اللہ کے بندے! مجھ سے خوش طبعی نہ کرو۔ میں نے کہا، میں تم سے خوش طبعی نہیں کر رہا ہوں۔ چنانچہ وہ سب مال ہانک کر لے گیا اور کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔ خدایا! اگر میں نے یہ کام تمہاری خوشنودی کی خاطر کیا ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے اور اس پر پتھر ہٹ گیا اور وہ غار سے نکل کر چل پڑے۔

یہ ایک صحیح حدیث ہے۔ جس پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔

ان کرامات میں سے وہ حدیث بھی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے کہ گائے نے ان سے کلام کیا۔

ہم سے ابونعیم الاسفرائینی نے کہا کہ ابوعوانۃ نے ان سے بیان کیا کہ یونس[1752] بن عبدالاعلیٰ نے ان سے کہا کہ ابن وھب[1753] نے ان سے کہا۔ ان سے یونس بن یزید نے ابن شہاب[1754] سے روایت کی کہ سعید بن المسیب نے کہا کہ ابی ہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایک بار ایک شخص اپنی گائے لئے جارہا تھا اور اس پر بوجھ لادے ہوئے تھا۔ یکایک گائے نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا میں اس کام کے لئے پیدا نہیں کی گئی۔ میں تو کھیتی باڑی کے لئے پیدا کی گئی ہوں۔ یہ سن کر لوگوں نے سبحان اللہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

میں، ابوبکر اور عمر سب اس پر ایمان لاتے ہیں۔

اسی طرح اویس قرنی والی حدیث ہے اور پھر جو کچھ حضرت عمر بن الخطاب نے ان کے حالات کا مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد اویسؒ کا ھرم بن حیان[1755] سے ملاقات کرنا اور ایک دوسرے کو سلام کہنا، باوجودیکہ اس سے پہلے وہ ایک دوسرے کو جانتے نہ تھے۔ یہ تمام واقعات عادت کے خلاف ہیں۔ ہم نے اویسؒ والی حدیث اس لئے چھوڑ دی کہ یہ بہت مشہور حدیث ہے۔ صحابہ تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں سے اس قدر کرامتیں ظاہر ہوئیں کہ یہ شہرت کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔

کرامات کے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ ہم چند کرامتوں کا مختصر طور پر ذکر کریں گے۔

انشاء اللہ عزوجل۔

پہلی کرامت ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابن عمرؓ سفر میں جا رہے تھے۔ راستہ میں انہیں کچھ لوگ ملے جو شیر کے ڈر سے راستہ میں ٹھہر گئے تھے۔ ابن عمر نے درندے شیر کو راستہ سے ہٹا دیا۔ اور فرمایا:۔

ابنِ آدم پر ان چیزوں کو مسلّط کیا جاتا ہے جن سے وہ خوف کھاتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے تو اس پر کوئی چیز مسلّط نہ ہو۔ یہ ایک مشہور روایت ہے۔

۲۔ علاء بن حضرمی کی کرامت روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے علاء بن حضرمیؓ کو ایک جنگ کے لئے روانہ کیا۔ راستہ میں سمندر کا ایک حصّہ آگیا۔ علاء نے اسمِ اعظم کے وسیلہ سے دعا کی اور پانی پر چل کر پار ہو گئے۔

۳۔ عتاب بن بشر اور اُسید بن حضَیر کی کرامت روایت کی گئی ہے کہ عتاب بن بشرؓ اور اسید بن حضیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس سے نکل کر گئے تو راستہ میں ان کی لاٹھی کا سر چراغ کی سی روشنی دینے لگا۔

۴۔ سلمان اور ابوالدرداء کی کرامت روایت کی گئی ہے کہ سلمان اور ابوالدرداء کے سامنے ایک پیالہ تھا جس نے اللہ کی تسبیح بیان کرنی شروع کر دی اور ان دونوں نے اسے سنا۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔ بہت سے پراگندہ بالوں اور گرد آلود جسم والے لوگ جنہوں نے چیتھڑے پہن رکھے ہیں۔ اور جن کو لوگ کسی شمار میں نہیں لاتے۔ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر یہ قسم کھا کر کوئی بات کہہ دیں تو اللہ تعالیٰ اسے پوری کر دے گا۔

چونکہ یہ روایات مشہور ہیں۔ اس لئے ہم نے ان کی سندیں نقل نہیں کیں۔

کرامت کے متعلق سہل بن عبداللہ کا قول حکایت کی گئی ہے کہ سہل بن عبداللہ نے فرمایا۔

جو شخص صدقِ دل سے دنیا سے روگردانی کرے۔ اس سے کرامت ظاہر ہونے لگتی ہے۔ اور اگر کسی سے ظاہر نہ ہو تو سمجھ لو کہ اس نے صدقِ دل سے زہد اختیار نہیں کیا۔

کسی نے سہل سے کہا کہ کرامت کیسی ہوتی ہے؟

فرمایا:۔ جو چاہے، جیسا چاہے، جہاں سے چاہے۔ لے لے۔

۵۔کرامت ہم سے علی بن احمد بن عبدان نے کہا کہ ان سے احمد بن عبید الصفار نے بیان کیا کہ ابومسلم[۱۲۶۲] نے ان سے کہا کہ عمرو بن مرزوق نے ان سے کہا کہ عبدالعزیز بن ابی سلمۃ[۱۲۶۳] الماجشون نے ن سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

ایک بار ایک شخص نے کوئی بات کہی تو اسے بادلوں کی گرج سنائی دی اور بادلوں سے ایک آواز سنائی دی۔ کہ "فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو۔" چنانچہ یہ بادل ایک کھلے میدان میں جاکر برسا شخص بادلوں کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص کھڑا باغ میں نماز پڑھ رہا ہے اس نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ میرا فلاں نام ہے اور اپنا صحیح نام بتایا۔ اس شخص نے پھر سوال ا۔ جب تو باغ کا پھل کاٹتا ہے۔ تو کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا تو یہ سوال کیوں کر رہا ہے؟ اس نے اب دیا کہ میں نے بادلوں میں سے کسی کو یہ کہتے سنا تھا کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دو۔ اس پر اس نے کہا اب جب تو نے یہ بات بتائی ہے تو سن لو کہ میں اس باغ کی فصل کے تین حصے کرتا ہوں اس سے ایک تہائی اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے رکھتا ہوں، ایک تہائی باغ کے لئے اور یک تہائی مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔

۔سہل بن عبداللہ کی کرامت میں نے ابوحاتم السجستانیؒ کو فرماتا سنا۔ کہ انہوں نے ابونصر السراج سے سنا۔ فرماتے تھے ہم تستر گئے اور وہاں سہل بن بداللہ کے محل میں ایک مکان دیکھا۔ جسے لوگ "درندوں کا گھر" کہا کرتے تھے ہم نے جب اس کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ درندے سہلؒ کے پاس آیا کرتے تھے اور وہ انہیں گھر لاکر ان کی ضیافت گوشت سے کرتے اور پھر انہیں چھوڑ دیتے۔

ابونصر فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کی سچائی پر تمام اہلِ تستر کا اتفاق ہے اور کوئی بھی اس سے ر نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ ان کی بہت بڑی تعداد ہے۔

۔ابوالخیر تیناتی کی کرامت میں نے محمد بن احمد بن محمد التیمی سے سنا کہ عبداللہ بن علی الصوفی نے ان سے کہا کہ حمزہ بن عبداللہ العلوی فرماتے تھے کہ میں ابوالخیر تیناتی

کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے دل میں یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ میں صرف سلام کر کے چلا آؤں گا۔ اور ان کے ہاں کھانا نہ کھاؤں گا۔ جب میں ان کے پاس سے چلا آیا۔ اور ابھی تھوڑا سا چلا تھا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میرے پیچھے کھانے کا طبق لئے آرہے ہیں۔ فرمایا: اب جب تم اپنے ارادہ کو پورا کر چکے ہو تو کھانا کھالو۔

ابوالخیر تیناتی کرامات ظاہر کرنے میں مشہور ہیں۔

۸۔ ابوالخیر کی ایک اور کرامت

ابراہیم رقیؒ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں سلام کرنے کے لئے ان کے پاس گیا۔ آپ نے مغرب کی نماز ادا کی۔ مگر سورۃ فاتحہ بھی صحیح طور پر نہ پڑھ سکے۔ میں نے دل میں کہا کہ سارا سفر بے سُود ہو گیا۔ جب میں نے سلام پھیرا۔ تو میں قضاءِ حاجت کے لئے نکلا۔ ایک شیر میری طرف لپکا۔ تو میں ان کے پاس واپس چلا گیا۔ اور عرض کی کہ ایک شیر میری طرف آرہا ہے آپ نے نکل کر شیر کو آواز دی اور فرمایا، کیا میں نے تجھے یہ کہہ نہیں رکھا ہے کہ میرے مہمانوں کو چھیڑا نہ کر؟ یہ سن کر شیر چلا گیا۔ اور میں نے نجاست دُور کر لی۔ جب ان کے پاس آیا تو فرمایا۔ تم لوگ اپنے ظاہر کو درست کرنے میں مشغول ہو۔ لہٰذا تم شیر سے ڈرتے ہو اور ہم اپنے دلوں کو درست کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس لئے شیر ہم سے ڈرتا ہے۔

۹۔ جعفر خلدی کی کرامت

کہتے ہیں کہ جعفر خلدی کے پاس ایک نگینہ تھا ایک دن یہ نگینہ دجلہ میں گر پڑا۔ ان کو ایک دعا یاد تھی۔ جو گم شدہ چیز کو لوٹانے میں تجربہ میں آچکی تھی۔ انہوں نے دعا پڑھی۔ بالآخر اوراق کو تلاش کرتے کرتے نگینہ ان کو مل گیا۔

گم شدہ چیز کو لوٹانے کی دُعا

میں نے ابو حاتم السجستانی کو فرماتے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابو نصر السراج کو فرماتے سنا کہ وہ دعا یہ ہے:۔

"یَاجَامِعَ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَا رَیْبَ فِیْہِ اِجْمَعْ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ"

(اے خدا! جو لوگوں کو اس دن جمع کرے گا۔ جس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ میری گمشدہ چیز مجھے دے دے۔)

ابو نصرؒ فرماتے ہیں کہ ابو الطیب عکی نے مجھے ایک رسالہ دکھایا جس میں ان لوگوں کے نام درج تھے جنہوں نے اس دعا کو کسی گم شدہ چیز کے لئے پڑھا۔ اور وہ چیز انہیں مل گئی۔ یہ رسالہ کئی اوراق

پر مشتمل تھا۔

۱۰۔ احمد طابرانی سرخسی کی کرامت

میں نے احمد طابرانی سرخسی سے پوچھا کیا۔ کیا آپ سے کوئی کرامت ظاہر ہوئی ؟

فرمایا۔ جس زمانے میں میں مرید ہوا۔ اور میرا ابھی ابتدائی زمانہ تھا تو میں استنجا کے لئے پتھر تلاش کرتا۔ جب مجھے کچھ نہ ملتا تو میں ہوا میں سے کچھ پکڑ لیتا جو ٹھوس چیز بن جاتی اور میں اس سے استنجا کر کے اسے پھینک دیتا۔ پھر فرمایا۔

کرامت میں کون سی بزرگی پائی جاتی ہے ؟ کرامت سے مقصود صرف یہ ہے کہ توحید کے متعلق انسان کا یقین قوی ہو جائے۔ لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو موجد نہیں مانتا۔ اس کے لئے ایک ہی بات ہے۔ خواہ روز مرہ کی بات لوگوں کو کر کے دکھائے یا خارق عادت دکھائے

۱۱۔ عبادان کے ایک درویش کی کرامت

میں نے محمد بن احمد الصوفی سے سنا کہ عبداللہ بن علی نے کہا کہ ابوالحسین البصری فرماتے تھے کہ عبادان میں ایک سیاہ رنگ کا فقیر تھا جو کسی ویرانے میں رہا کرتا تھا میں نے اس کے لئے کچھ لیا اور اس کی تلاش میں نکلا جب اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو مسکرایا۔ اور زمین کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ میں نے جو دیکھا تو تمام زمین سونے سے چمک رہی ہے۔ پھر فرمایا۔ لاؤ۔ کیا لائے ہو۔ میں نے وہ چیز اسے دے دی۔ اور میں ڈر کے مارے بھاگ آیا۔

۱۲۔ احمد بن عطاء رودباری کی کرامت

میں نے منصور مغربی کو فرماتے سنا اور انہوں نے احمد بن عطاءؒ رودباری سے سنا۔ فرماتے تھے میں پاکیزہ رہنے میں مبالغہ سے کام لیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے بہت پانی بہایا اور دل میں بے چینی پیدا ہوئی۔ بے چینی کی وجہ سے دل کو قرار نہ آتا تھا۔ میں نے کہا۔ خدایا ! مجھے معاف کر دو۔ اس پر میں نے غیب سے کسی کو کہتے سنا کہ معافی تو علم میں پائی جاتی ہے۔ (یعنی یہ بزرگ عالم نہ تھے) یہ سن کر میری بے چینی جاتی رہی۔

میں نے منصور مغربیؒ کو فرماتے سنا کہ اس کے بعد ایک دن میں نے انہیں صحرا میں زمین پر بیٹھے دیکھا جہاں بھیڑ بکریوں کے نشان تھے اور آپ مصلیٰ کے بغیر بیٹھے ہوئے تھے۔ عرض کیا۔ جناب ! یہاں تو بھیڑ بکریوں کے نشانات ہیں۔ جواب دیا اس کے متعلق فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (یعنی اب اللہ تعالیٰ

نے انہیں علم دے دیا تھا۔ کیونکہ فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جہاں بھیڑ بکریاں پھرتی رہی ہوں آیا وہ جگہ پاک ہے یا ناپاک)

۱۳۔ ابوسلیمان خواص کی کرامت میں نے ابوحاتم السجستانی سے سنا کہ ابونصر السراج نے ان سے کہا حسین بن احمد الرازی فرماتے تھے کہ میں نے ابوسلیمان[۲۶۵] خواص کو فرماتے سنا کہ ایک دن میں گدھے پر سوار تھا۔ مکھیاں اسے تنگ کر رہی تھیں۔ مکھیوں کی وجہ سے وہ سر نیچا کر لیتا۔ اس پر میں نے اُسے ایک لکڑی سے جو میرے ہاتھ میں تھی، مارنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر گدھے نے اپنا سر اٹھایا۔ اور کہا، مارے جاؤ۔ تم اپنے ہی سر کو مار رہے ہو۔

حسینؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسلیمان سے پوچھا کیا یہ واقعہ تمہارے ساتھ پیش آیا۔ جواب دیا۔ ہاں۔ بات اسی طرح ہے، جس طرح تم مجھ سے سُن رہے ہو۔

۱۴۔ ابوالحسن نوری کی کرامت ابن عطاء سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ میں نے ابوالحسن نوری کو فرماتے سنا کہ میرے دل میں کرامت کے متعلق کچھ شبہ تھا لہٰذا میں نے بچوں سے ایک بانسری (رنے) لی۔ جو دو کشتیوں کے درمیان پڑی ہوئی تھی اور کہا تمہاری عزت و جلال کی قسم، اگر میرے لئے ایک مچھلی جس کا تین رطل وزن ہو نہ نکلے گی تو میں اپنے آپ کو ڈبو دوں گا۔ نوری کہتے ہیں ایک مچھلی نکلی، جس کا تین رطل وزن تھا۔

یہ خبر جب جنیدؒ کو پہنچی تو فرمایا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ سانپ نکلتا اور اسے ڈستا۔

۱۵۔ ابوجعفر حداد اور حجام میں نے شیخ عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ ابوالفتح یوسف[۲۶۶] بن عمر الزاہد القواس نے بغداد میں کہا کہ اُن سے محمد بن عطیہ[۲۶۷] نے بیان کیا کہ عبدالکبیر بن احمدؒ نے کہا کہ ابوبکر الصائغ فرماتے تھے میں نے جنیدؒ کے استاد ابوجعفر حداد سے سنا۔ فرماتے تھے کہ میں مکہ میں تھا اور میرے بال لمبے ہو گئے تھے۔ میرے پاس قینچی نہ تھی کہ اس سے میں بال کاٹ لیتا۔ لہٰذا میں ایک حجام کے پاس آیا جس کے متعلق مجھے خیال تھا کہ وہ نیک آدمی ہے اور کہا اللہ تعالیٰ کے لئے میرے بال چھوٹے کر دو۔ اس نے کہا۔ بڑی خوشی سے، اس وقت اس کے سامنے ایک دنیادار شخص بیٹھا تھا اس نے اسے ہٹا کر مجھے بٹھالیا۔ اور سر مونڈ دیا۔ اس کے بعد مجھے ایک کاغذ دیا جس میں چند درہم تھے اور کہا۔ انہیں اپنی ضرورت کے کاموں میں صرف کرو۔ میں نے یہ درہم

لے گئے۔ اور پختہ ارادہ کر لیا کہ اب جو رقم مجھے ملے گی سب سے پہلے میں اسے دوں گا۔ حداد کہتے ہیں کہ میں خانہ کعبہ میں گیا تو میرا ایک دوست مجھے ملا اور مجھے کہا۔ تمہارا ایک بھائی تمہارے لئے بصرہ سے ایک تھیلی لایا ہے۔ یہ تھیلی تمہارے کسی دوست نے بھیجی ہے اور اس میں تین سو دینار ہیں۔ حداد کہتے ہیں کہ میں تھیلی لے کر حجام کے پاس گیا اور کہا یہ تین سو دینار ہیں آپ لے لیں۔ اپنے کام میں لائیں۔ اس نے جواب میں کہا اے شیخ! تجھے شرم نہیں آتی؟ تو مجھ سے کہتا ہے کہ اللہ کی خاطر میرے بال مونڈ دو۔ اور پھر میں اس کی اجرت لے لوں۔ واپس چلے جاؤ۔ خدا تمہیں معاف کرے۔

۱۹۔ اسحاق بن احمد کی کرامت

میں نے ابوحاتم السجستانی سے سنا کہ ابونصر السراج نے کہا کہ ابن سالم فرماتے تھے کہ جب اسحٰق بن احمد فوت ہوئے۔ تو سہل بن عبداللہ ان کے عبادت خانہ میں گئے اور وہاں ایک ٹوکرا پایا جس میں دو بوتلیں تھیں۔ ایک بوتل میں کوئی سرخ رنگ کی چیز تھی اور دوسری میں سفید رنگ کی۔ اور وہاں ایک ٹکڑا سونے کا اور ایک چاندی کا پایا۔ ابن سالم کہتے ہیں کہ سہل نے دونوں ٹکڑے دجلہ میں پھینک دیئے اور بوتلوں میں جو کچھ تھا اس میں مٹی ملا دی۔ حالانکہ اسحٰق کے ذمہ قرض تھا۔ ابن سالم فرماتے ہیں کہ میں نے سہل سے پوچھا کہ ان بوتلوں میں کیا تھا؟ فرمایا۔ ایک تو ایسی چیز تھی کہ اس میں سے ایک درہم بھر تانبے کے کئی مثقالوں پر ڈال دیا جاتا تو چاندی بن جاتی۔ میں نے سہل سے کہا۔ کیا حرج تھا اگر اسحٰق اس سے اپنا قرض ادا کر دیتا؟ سہل نے جواب دیا اے دوست! اسے اپنے ایمان کا ڈر تھا۔

۱۷۔ نوری کی کرامت

حکایت ہے کہ ایک رات نوری نکل کر دریائے دجلہ کے کنارے گئے۔ دیکھا کہ دونوں کنارے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ واپس چلے آئے اور کہا۔

تمہاری عزت و جلال کی قسم، کہ میں دریا کو کشتی کے بغیر عبور نہ کروں گا۔

۱۸۔ ابوتراب نخشبی کی کرامت

میں نے ابوحاتم السجستانی سے سنا کہ ابونصر السراج فرماتے ہیں کہ وجیہی نے محمد بن یوسف بناء سے حکایت کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھا کہ ابوتراب نخشبی صاحب کرامات تھے۔ ایک سال میں نے ان کے ساتھ سفر کیا۔ اس وقت ان کے ہمراہ چالیس آدمی تھے۔ ایک بار فاقہ کی نوبت آئی تو ابوتراب راستہ سے ہٹ کر ایک

طرف کو گئے اور کیلوں کا ایک خوشہ لے آئے۔ ہم نے اُسے کھالیا۔ ہم میں سے ایک نوجوان تھا۔ اس نہ کھایا۔ ابوتراب نے اسے بھی کھانے کو کہا۔ اس نے کہا میں نے عہد کر لیا ہے کہ میں معلوم چیز وں کر دوں گا اور وہ بھی اب میرے لئے معلوم بن گیا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد میں آپ کی صحبت میں نہ رہ ابوتراب نے کہا جو تمہاری مرضی ہو کرو۔

۱۹۔ ابویزید کے استاد ابوعلی سدی کی کرامت

ابونصر سراج نے ابویزید سے حکایت کی ہے کہ ان کے استاد ابو سدی ان کے پاس آئے۔ ابوعلی کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا۔ جب انہوں نے اسے انڈیلا تو اس میں سے جواہرات نکلے۔ ابویزید ہیں کہ میں نے اُن سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے؟ فرمایا۔ میں یہاں ایک وادی میں پہنچا تو وہ چراغ طرح چمک رہے تھے۔ لہٰذا میں نے یہ وہاں سے اٹھا لئے۔ میں نے عرض کیا۔ جب آپ وادی میں آ تھے تو اس وقت آپ کی حالت کیا تھی؟ فرمایا اس وقت تھوڑی دیر کے لئے میری اپنی حالت منقط ہو چکی تھی۔

کسی نے ابویزید سے کہا کہ فلاں شخص ایک رات میں مکہ پہنچ جاتا ہے تو فرمایا۔ شیطان اللہ کی لعنۃ میں ہوتے ہوئے بھی ایک گھڑی میں مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے۔

انہی سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا اور ہوا میں اڑتا ہے۔ تو فرمایا۔ پرندے ہوا میں اُڑتے ہیں اور مچھلی پانی پر چلتی ہے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں سب سے بڑی کرامت تو یہ ہے کہ تو اپنے مذموم اخلاق کو بدل دے۔

۲۰۔ عبدالرحمٰن کی کرامت

میں نے محمد بن احمد بن محمد التمیمی سے سُنا کہ عبداللہ بن علی الصوفی نے کہا کہ ابن سالم فرماتے تھے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ عبدالرحمٰن بن احمد نامی ایک شخص سہل بن عبداللہ کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ ایک دن ان سے کہنے لگا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نماز کے لئے وضو کرتا ہوں تو پانی سونے اور چاندی کی سلاخیں بن کر میرے سامنے بہتا ہے۔ یہ سن کر سہل نے کہا تجھے معلوم نہیں کہ جب بچے روتے ہیں تو انہیں جھنجھنا دیا جاتا ہے تاکہ اس میں مشغول رہیں۔

۲۱۔ سری سقطی کی کرامت

میں نے ابوحاتم السجستانی سے سنا کہ ابونصر السراج نے بتایا کہ جعفر بن محمدؒ نے کہا کہ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں سری کے پاس گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک چڑیا روزانہ آیا کرتی ہے۔ میں اس کے لئے روٹی کے ریزے کرتا ہوں۔ وہ میرے ہاتھ سے کھایا کرتی۔ ایک بار چڑیا آئی اور میرے ہاتھ پر نہ اتری۔ میں نے اپنے دل میں یاد کیا کہ اس کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟ مجھے یاد آگیا کہ میں نے نمک مسالوں کے ساتھ کھایا ہے اور دل میں کہا کہ آئندہ نہ کھاؤں گا اور میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ اس پر وہ چڑیا میرے ہاتھ پر آگئی۔ اور روٹی کھاتی رہی۔

۲۲۔ ابوعمر انماطی کے استاد کی کرامت

ابوعمرو انماطیؒ حکایت کرتے ہیں کہ میں جنگل میں اپنے استاد کے ساتھ تھا کہ بارش آگئی۔ ہم چھپنے کے لئے ایک مسجد میں چلے گئے۔ اس کی چھت ٹپک رہی تھی ہم ایک لکڑی لے کر چھت پر چڑھ گئے تاکہ چھت کو درست کریں مگر لکڑی چھوٹی ہونے کے سبب سے دیوار تک نہ جاتی تھی۔ میرے استاد نے مجھے کہا اسے کھینچو۔ میں نے کھینچا تو ادھر سے ادھر تک دیوار پر چڑھ گئی۔

شریعت کے بغیر حقیقت کوئی چیز نہیں

میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا کہ محمد احمد النجار نے کہا کہ میں نے رقی سے سنا کہ ابوبکر الدقاق فرماتے تھے کہ میں بنی اسرائیل کے جنگل میں سے گزر رہا تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ علمِ حقیقت کچھ اور ہے اور شریعت کچھ اور۔ اس پر ایک درخت کے نیچے سے آواز آئی۔ ہر وہ حقیقت جس کی تائید شریعت سے نہیں ہوتی، کفر ہے۔

۲۳۔ خیر نساج کی کرامت

ایک شخص کا بیان ہے کہ میں خیر نساج کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ اے شیخ! میں نے کل آپ کو دیکھا کہ آپ نے سوت بیچ کر دو درہم حاصل کئے ہیں اور میں آپ کے پیچھے ہو لیا۔ اور آپ کے تہمد سے کھول کر لے گیا۔ اب میرا ہاتھ سکڑ گیا ہے یہ سن کر نساج ہنسے اور اس کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا تو وہ کھل گیا۔ پھر فرمایا۔ جا، جا کر اپنے عیال کے لئے ان درہموں سے کچھ خرید لے اور پھر ایسا نہ کرنا۔

۲۴۔ ذوالنونؒ کی کرامت

احمد بن محمد سلمی سے حکایت کی گئی ہے کہ میں ایک دن ذوالنونؒ کے پاس آیا تو دیکھا کہ ان کے سامنے سونے کا طشت ہے اور اس کے گرد ند (کافور اور کستوری ملی ہوئی خوشبو) اور عنبر کی دھونی دی جا رہی ہے اور مجھے فرمایا۔ تو بادشاہوں

کی خوشی کے وقت ان کے پاس جاتا ہے۔ پھر انہوں نے مجھے ایک درہم دیا۔ جسے میں بلخ پہنچنے تک خرچ کرتا رہا۔

۲۵۔ ابوسعید خراز کی کرامت ابوسعید خراز سے حکایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں سفر میں تھا اور ہر تین دن کے بعد کوئی نہ کوئی چیز مجھے مل جایا کرتی اور میں اسے کھا لیا کرتا اور کچھ طاقت پا لیتا۔ ایک بار تین دن گزر گئے اور کوئی چیز ظاہر نہ ہوئی جس کی وجہ سے میں کمزور ہو گیا اور بیٹھ گیا۔ اس پر غیب سے آواز آئی کیا پسند کرتے ہو؟ اسباب یا قوت؟ میں نے کہا قوت چاہتا ہوں۔ پھر میں اسی وقت اٹھا اور بارہ دن متواتر چلتا رہا۔ نہ کوئی چیز کھائی نہ کمزور ہوا۔

۲۶۔ خواص کی کرامت مرتعش سے روایت ہے کہ انہوں نے خواص کو فرماتے سنا کہ میں کئی دن جنگل میں حیران و پریشان پھرتا رہا۔ پھر ایک شخص نے آکر سلام کیا اور کہا۔ کیا آپ راستہ گم کر چکے ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے پھر کہا کیا میں آپکو راستہ بتا دوں؟ یہ کہہ کر وہ میرے آگے آگے چند قدم چل کر آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ دیکھا تو میں شاہراہ پر تھا۔ اس کے بعد نہ تو میں راستہ سے بھٹکا اور نہ مجھے سفر میں بھوک اور پیاس لگی۔

۲۷۔ ابن جلاء کی کرامت میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا۔ کہ عمر بن یحییٰ الاردبیلی نے ان سے کہا کہ الرقی کہتے تھے کہ ابن جلاء فرماتے تھے کہ جب میرے والد فوت ہوئے تو تختے پہ پڑے پڑے مسکرائے۔ لہذا کسی کو انہیں غسل دینے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ کہتے کہ یہ تو زندہ ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے ہم مرتبہ لوگوں میں سے ایک شخص نے آکر انہیں غسل دیا۔

۲۸۔ سہل بن عبداللہ کی کرامت میں نے محمد بن احمد التیمی سے سنا۔ انہوں نے عبداللہ بن علی سے سنا کہ طلحہ قصائری کہتے تھے کہ المفتاح صاحب سہل بن عبداللہ فرماتے تھے کہ سہل بن عبداللہ ستر دن تک بغیر کھانے کے رہ سکتے تھے اور ان کی یہ حالت تھی کہ جب کھانا کھاتے تو کمزور ہو جاتے اور جب بھوکے رہتے تو طاقتور ہو جاتے۔

۲۹۔ ابو عبید بُسری کی کرامت ابو عبید بُسری کا یہ طریقہ تھا کہ جب رمضان شروع ہوتا تو ایک کمرہ میں گھس جاتے اور اپنی بیوی کو کہتے کہ دروازے پر پلستر کر دو۔ اور ہر رات کھڑکی سے ایک روٹی ڈال دیا کر۔ جب عید کا دن ہوتا تو دروازہ کھولتے اور اسی

بیوی کمرہ میں جاتی تو دیکھتیں کہ تیس کی تیس روٹیاں ویسی کی ویسی ہی ایک کونہ میں پڑی ہیں انہوں نے نہ کھایا ہوتا نہ پیا ہوتا اور نہ سوئے ہوتے اور نہ کوئی رکعت فوت ہوئی ہوتی۔

۳۰۔ ابوالحرث اولاسی کی کرامت

ابوالحرث اولاسی فرماتے ہیں کہ تین سال گزر گئے اور اس عرصہ میں میری زبان جو کچھ بھی سنتی میرے باطن سے سنتی۔ اس کے بعد حالت بدلی تو تیس سال تک میری یہ حالت رہی کہ میرا باطن جو کچھ بھی سنتا میرے رب کی طرف سے سنتا۔

۳۱۔ سہل بن عبداللہ کی اور کرامت

ہم سے محمد بن عبداللہ الصوفی نے کہا کہ ان سے ابوالحسن نامی شہ انہ کے غلام نے کہا کہ علی بن سالم فرماتے تھے کہ سہل بن عبداللہ آخر عمر میں اپاہج ہو گئے مگر جب نماز کا وقت آتا تو ان کے ہاتھ اور پاؤں کھل جاتے تھے اور جب نماز فرض سے فارغ ہوتے تو پھر اسی طرح اپاہج ہو جاتے۔

۳۲۔ ابوعمرانؒ واسطی کی کرامت

ابوعمرانؒ سے حکایت کی گئی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ایک بار کشتی ٹوٹ گئی۔ اور میں اور میری بیوی ایک تختہ پر رہ گئے اور میری بیوی کے ہاں اسی حالت میں ایک بچی پیدا ہوئی۔ میری بیوی نے چلا کر کہا کہ میں پیاس سے مری جاتی ہوں۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہماری حالت کو دیکھ رہا ہے۔ میں نے جو سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ہوا میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ میں سونے کی ایک زنجیر ہے اور اس میں سرخ یاقوت کا ایک آبخورہ ہے۔ اس نے کہا یہ لو، پیو۔ ابوعمران کہتے ہیں کہ میں نے آبخورہ لیا۔ اور ہم نے پانی پیا۔ یہ کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے۔ اس نے جواب دیا تمہارے مولا کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ میں نے پھر پوچھا کہ تو اس مرتبہ تک کیسے پہنچا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کی رضامندی کی خاطر اپنی خواہشات کو ترک کیا۔ لہٰذا اس نے مجھے ہوا میں بٹھلا دیا۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گیا اور میں نے پھر اسے نہیں دیکھا۔

۳۳۔ ایک نوجوان کی کرامت

ہم سے محمد بن عبداللہ الصوفی نے کہا کہ بکران بن احمد الجبلی نے کہا کہ یوسف بن حسین نے بیان کیا کہ میں نے ذوالنون المصری کو فرماتے

سنا کہ میں نے ایک نوجوان کو کعبہ کے پاس دیکھا کہ بہت رکوع و سجود کر رہا ہے۔ میں نے اس کے قریب جا کر پوچھا کہ تو بہت نمازیں پڑھتا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ میں اپنے رب سے واپس جانے کی اجازت ملنے کا منتظر ہوں۔ ذوالنونؒ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک رقعہ گرا۔ جس میں لکھا تھا کہ عزیز غفور کی طرف سے میرے سچے بندے کی طرف واپس چلے جاؤ۔ تمہارے سب اگلے اور پچھلے گناہ معاف۔

۳۴۔ ابراہیم خواص کی کرامت

ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہم لوگ آیات قرآنی میں ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے تھے اور ہمارے قریب ہی ایک نابینا سن رہا تھا۔ وہ ہماری طرف آیا اور کہنے لگا کہ تمہارا کلام سن کر بہت انس پیدا ہوا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میرے بچے اور بیوی تھی اور میں بقیع میں جا کر ایندھن اکٹھا کیا کرتا تھا۔ ایک دن جو وہاں گیا تو ایک نوجوان کو دیکھا کہ اس نے کتان کی قمیص پہن رکھی ہے اور جوتا انگلی میں ڈالے ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ یہ پاگل ہے۔ لہٰذا میں نے اس کے کپڑے چھیننے کا قصد کیا۔ اور کہا تمام کپڑے آتار دو۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں چلے جاؤ۔ میں نے دوبارہ اور سہ بارہ کہا تو اس نے کہا کیا اس کے بغیر چارہ نہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ اس پر اس نے اپنی دونوں انگلیوں سے میری دونوں آنکھوں کی طرف اشارہ کیا اور میری دونوں آنکھیں گر پڑیں۔ پھر میں نے اسے اللہ کی قسم دے کر پوچھا کہ تو کون ہے۔ کہا۔ ابراہیم خواص۔

۳۵۔ ایک نوجوان کی کرامت

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ ایک بار میں کشتی میں تھا تو کسی کا کمبل چرا لیا گیا۔ لوگوں نے ایک شخص پر چوری کا الزام لگایا۔ میں نے کہا مجھے اس سے نرمی سے بات کر لینے دو۔ وہ نوجوان چادر اوڑھے سویا ہوا تھا۔ اس نے اپنا سر چادر سے نکال لیا۔ ذوالنون نے اس سے چوری کے متعلق بات کی۔ اس نے مجھے کہا کیا تو یہ کہتا ہے کہ چوری میں نے کی ہے؟ یا الٰہی میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ جس قدر بھی مچھلیاں ہیں سب جواہرات لے کر آ جائیں ذوالنون کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا تو سمندر کی سطح پر سب مچھلیاں ہی مچھلیاں تھیں اور ان کے منہ میں جواہر تھے اس کے بعد اس شخص نے اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیا اور ساحل تک جا پہنچا۔

۳۶۔ ابراہیم خواص کی ایک اور کرامت

ابراہیم خواص بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں جنگل میں گیا تو میں نے ایک عیسائی کو دیکھا کہ اس کی کمر میں زنار ہے اس

نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے اپنے ساتھ رہنے دوں ۔ ہم سات دِن تک چلتے رہے اس کے بعد کہنے لگا اے راہب اسلام! ہمیں بھوک لگی ہے۔ اب اگر تمہارے پاس کوئی کرامت ہے تو پیش کرو میں نے کہا۔ خدایا! مجھے اس کافر کے سامنے رسوا نہ کرنا۔ اچانک ایک طبق جس پر روٹی، بھنا ہوا گوشت، تازہ کھجور اور پانی کا ایک کوزہ تھا، نظر آیا۔ ہم نے کھایا اور پیا اور پھر سات دِن تک چلتے رہے۔ اس کے بعد میں نے پہل کی اور کہا۔ اے عیسائیوں کے راہب! اب جو تمہارے پاس ہے تم پیش کرو۔ کیونکہ اب تمہاری باری ہے۔ اس نے اپنی لاٹھی پر سہارا کر کے دعا کی تو دو طبق آ گئے، جن پر میرے طبق کے مقابلہ میں دگنی چیزیں تھیں۔ خواص کہتے ہیں کہ مجھے حیرت ہوئی اور میرا رنگ بدل گیا اور میں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس نے اصرار کیا۔ میں پھر بھی نہ مانا۔ اس نے کہا کھاؤ میں تمہیں دو خوشخبریاں سناتا ہوں۔ پہلی یہ کہ میں مسلمان ہوں اور کلمہ شہادت پڑھ کر اس نے زنار کھول دیا۔ اور دوسری خوشخبری یہ ہے کہ میں نے جو دُعا مانگی تھی اس میں میں نے یہ کہا تھا کہ یا الٰہی! اگر تیرے ہاں اس شخص کی کوئی قدر و منزلت ہے تو میرے لئے غیب سے کچھ دے۔ لہٰذا یہ چیزیں دی گئیں۔ خواص کہتے ہیں کہ ہم کھا کر پھر چل پڑے۔ اس نے حج ادا کیا اور ہم ایک سال تک مکہ میں رہے اس کے بعد وہ مر گیا اور اسے بطحاء میں دفن کیا گیا۔

۴۔ ابراہیم بن ادہم کی کرامت

محمد بن مبارک صوری[۱۲۷۴] فرماتے ہیں کہ بیت المقدس جاتے ہوئے میں ابراہیم بن ادہم کے ساتھ تھا۔ ہم نے قیلولہ کے وقت انار کے درخت کے نیچے ڈیرہ ڈالا۔ اور چند رکعتیں ادا کیں۔ اس کے بعد انار کی جڑ سے مجھے ایک آواز سنائی دی کہ اے ابا اسحٰق مہربانی فرما کر میرا کچھ پھل کھا لو۔ یہ سن کر ابراہیم نے اپنا سر نیچے کر لیا۔ اس آواز نے یہی بات تین بار کی۔ پھر کہا اے محمدؐ! میری سفارش کرو تا کہ یہ میرا تھوڑا سا پھل کھالیں۔ اس پر میں نے کہا اے ابو اسحاق! آپ سن رہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اٹھ کر دو انار لئے۔ ایک خود کھایا اور ایک مجھے دیا۔ میں نے کھایا وہ انار کھٹا تھا۔ اور یہ چھوٹے قد کا درخت تھا۔ واپسی پر ہم وہاں سے گزرے، دیکھا تو وہ ایک بلند درخت تھا۔ اور اس کے انار میٹھے تھے۔ اور سال میں دو بار پھل آتا تھا۔ لوگ اسے رُمّان العابدین (دو عابدوں کا انار) کہتے اور عابد لوگ اس کے سایہ میں پناہ لیتے۔

۳۸۔ جابر رحبی کی کرامت

میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا انہوں نے محمد بن الفرخان سے سنا کہ جنید نے ان سے کہا کہ ابو جعفر الخصاف فرماتے تھے کہ جابر رحبی نے مجھ سے ذکر کیا کہ رحبہ کے رہنے والے نے میرے سامنے کرامتوں کا انکار کیا کرتے چنانچہ میں ایک دن شیر پر سوار ہو کر رحبہ میں پہنچ گیا اور کہا وہ لوگ کہاں ہیں۔ جو اولیاء اللہ کو جھٹلاتے ہیں۔ جابر کہتے ہیں کہ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے جھگڑا نہیں کیا۔

۳۹۔ ایک نوجوان کی کرامت

میں نے منصور مغربی کو فرماتے سنا کہ ایک شخص کی ملاقات خضر علیہ السلام سے ہوئی۔ اس نے ان سے پوچھا کیا آپ نے اپنے سے بڑھ کر کسی شخص کو پایا؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں، عبدالرزاق بن ہمام مدینہ میں حدیث کی روایت بیان کیا کرتے تھے اور لوگ ان کے گرد بیٹھ کر سنا کرتے ان سے کچھ فاصلہ پر میں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ اپنے گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھا ہے۔ میں نے اسے کہا عبدالرزاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روایت کر رہے ہیں۔ آپ کیوں نہیں سنتے؟ اس نوجوان نے کہا یہ تو میت سے روایت کر رہے ہیں اور میں اللہ عزوجل سے غائب نہیں ہوں۔ اس پر میں نے اسے کہا کہ اگر بات اسی طرح ہے تو بتاؤ میں کون ہوں؟ اس نے سر اٹھا کر کہا تو میرا بھائی ابوالعباس خضر ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ بعض اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں۔ جنہیں میں نہیں جانتا۔

۴۰۔ ابراہیم بن ادہم کے مرید یحییٰ کی کرامت

کہتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہم کا ایک مرید تھا۔ جس کا نام یحییٰ تھا۔ وہ ایک ایسے بالاخانہ میں عبادت کیا کرتا۔ جس کی کوئی سیڑھی نہ تھی جب یہ قضاء حاجت کرنا چاہتا تو اپنے بالاخانہ کے دروازہ پر آ کر کہتا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ اور ہوا میں سے اس طرح گزر جاتا جس طرح کہ ایک پرندہ گزر جاتا ہے۔ جب فارغ ہو جاتا تو پھر لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ پڑھتا اور بالاخانہ میں واپس چلا آتا۔

۴۱۔ ابو عمر اصطخری کی کرامت

ہم سے محمد بن عبداللہ الصوفی نے کہا کہ عمر بن احمد الشیرازی البصری نے کہا کہ ابو محمد، جعفر الحذاء شیرازی فرماتے تھے کہ میں ابو عمر اصطخری کی اقتداء کیا کرتا تھا۔ جب کبھی دل میں کوئی خیال آتا تو میں ان کے پاس اصطخر جاتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ پیشتر اس کے کہ میں سوال کرتا وہ پہلے ہی مجھے جواب دے دیتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ میں سوال کرتا اور

وہ جواب دیتے۔ اس کے بعد میں مشغولیت کی وجہ سے ان کے پاس نہ جا سکتا۔ پھر یوں ہوتا کہ جب کوئی میرے دل میں مسئلہ پیدا ہوتا۔ وہ اصطخر میں بیٹھے ہی مجھے جواب دے دیتے اور مجھ سے مخاطب ہو کر میری تمام واردات مجھ سے بیان کر دیتے۔

۴۲- ایک فقیر کی کرامت

ایک صوفی بیان کرتے ہیں کہ ایک تاریک گھر میں ایک فقیر مر گیا جب ہم نے اُسے غسل دینا چاہا۔ ہم نے چراغ ڈھونڈھنے میں بڑی کوشش کی تو ایک روشندان سے روشنی آئی جس نے گھر کو روشن کر دیا۔ اور ہم نے اسے غسل دیا۔ جب غسل دے چکے تو روشنی جاتی رہی گویا وہاں کبھی روشنی تھی ہی نہیں۔

۴۳- ایک اور نوجوان کی کرامت

آدم بن ابی ایاس[۱۰۴۹] حکایت کرتے ہیں کہ ہم عسقلان میں تھے تو ایک نوجوان ہمارے پاس آتا اور ہم سے باتیں کرتا۔ جب ہم فارغ ہوتے تو وہ اُٹھ کر نماز پڑھنے لگ جاتا۔ آدم کہتے ہیں کہ وہ ایک دن آیا اور کہا میں اسکندریہ جا رہا ہوں۔ میں اس کے ساتھ نکلا اور چند درہم اسے دیئے۔ مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے اصرار کیا تو اس نے اپنی چھاگل میں ریت کی ایک مٹھی ڈالی اور سمندر کا پانی لیا اور کہا کھاؤ میں نے جو دیکھا تو وہ ستو تھے جن میں خوب شکر ملی ہوئی تھی۔ پھر کہنے لگا جس شخص کا اللہ کے ساتھ یہ معاملہ ہو بھلا اسے تمہارے درہموں کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ اس کے بعد اس نے یہ اشعار پڑھے۔

بِحَقِّ الْهَوٰی يَا اَهْلَ وِدِّيْ تَفَهَّمُوْا ۔۔۔ لِسَانَ وُجُوْدٍ بِالْوُجُوْدِ غَرِيْبُ

حَرَامٌ عَلٰی قَلْبٍ تَعَرَّضَ لِلْهَوٰی ۔۔۔ يَكُوْنُ لِغَيْرِ الْحَقِّ فِيْهِ نَصِيْبُ

اے میرے دوستو! تمہیں عشق کی قسم تم اس وجود کی زبان سمجھو۔ جو اپنے وجود کے ساتھ اجنبی ہے۔ جو دل عشق کے پیچھے لگ جائے اس کے لئے حرام ہے کہ اس میں اللہ کے سوا کسی اور کا بھی حصّہ ہو۔ کسی اور کے یہ اشعار ہیں۔

لَيْسَ فِي الْقَلْبِ وَالْفُؤَادِ جَمِيْعًا ۔۔۔ مَوْضِعٌ فَارِغٌ يَرَاهُ الْحَبِيْبُ

هُوَ سُؤْلِيْ وَمُنْيَتِيْ وَحَبِيْبِيْ ۔۔۔ وَبِهٖ مَا حَيِيْتُ عَيْشِيْ يَطِيْبُ

وَاِذَا مَا السِّقَامُ حَلَّ بِقَلْبِيْ ۔۔۔ لَمْ اَجِدْ غَيْرَهٗ لِسُقْمِيْ طَبِيْبُ

دِل کے اندر کوئی ایسی جگہ نہیں جسے محبوب دل اپنے عشق سے خالی دیکھ سکے۔ وہی میری خواہش اور وہی آرزو

اور وہی میرا محبوب ہے اور اس کی بدولت جب تک میں زندہ ہوں مجھے زندگی بھلی لگتی ہے۔
اور جب میرا دل بیمار پڑ جائے تو اس کا معالج بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

۴۴۔ ابراہیم آجری کی کرامت ابراہیم آجری فرماتے ہیں کہ ایک یہودی کا میرے ذمہ قرض تھا اور وہ اپنے قرض کے مطالبہ کے لئے میرے پاس آیا۔ اس وقت میں اپنے بھٹے کے پاس بیٹھا اینٹوں کے نیچے آگ جلا رہا تھا۔ یہودی نے مجھے کہا۔ ابراہیم! کوئی کرامت دکھاؤ تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا۔ کیا واقعی تو مسلمان ہو جائے گا؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا اپنا کپڑا اتار دو۔ اس نے اتار دیا۔ میں نے اسے لپیٹا اور اس کے اوپر میں نے اپنا کپڑا لپیٹ دیا۔ اور اسے آگ میں پھینک دیا۔ اس کے بعد میں خود بھٹے میں گھس گیا اور آگ کے بیچ میں سے میں نے وہ کپڑا لیا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ دیکھا تو میرے کپڑے تو ویسے کے ویسے تھے انہیں آگ نے چھوا تک نہ تھا۔ اور اس کے کپڑے جو میرے کپڑوں کے اندر تھے۔ جل کر راکھ ہو گئے یہ دیکھ کر وہ یہودی اسلام لے آیا۔

۴۵۔ حبیب عجمی کی کرامت کہتے ہیں کہ حبیب عجمی ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو (یوم الترویہ) کو بصرہ میں دیکھے جاتے اور نویں (یوم عرفہ) تاریخ کو عرفات میں۔

۴۶۔ عباس بن مہتدی کی کرامت میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے کہا کہ احمد بن محمد بن عبداللہ الفرغانی فرماتے تھے کہ عباس بن مہتدی نے ایک عورت سے شادی کی۔ شبِ زفاف آئی تو ان کو ندامت ہوئی اور جب اس کے قریب جانے کا ارادہ کیا۔ تو کسی نے انہیں ڈانٹ کر ہٹا دیا۔ یہ اس سے ہم بستر نہ ہوئے اور نکل آئے تین دن کے بعد اس کا خاوند آ نکلا۔
استاد فرماتے ہیں۔ یہی در حقیقت کرامت ہے۔ کیونکہ ان کے علم نے انہیں محفوظ رکھا۔

۴۷۔ فضیل کی کرامت کہا جاتا ہے کہ فضیل منیٰ کے کسی پہاڑ پر تھے۔ انہوں نے فرمایا اگر کوئی اللہ تعالیٰ کا ولی پہاڑ کو کہے کہ حرکت میں آجا۔ تو یہ ضرور حرکت میں آجائے گا۔ بس یہ کہنا تھا کہ پہاڑ حرکت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ۔ میری یہ مراد نہ تھی۔ اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا۔

۴۸۔ ابو عاصم بصری کی کرامت عبدالواحد بن زید نے ابو عاصم[۱۴۸] بصری سے پوچھا کہ جب حجاج نے تجھے بلایا تو کیا کیا؟ فرمایا۔ اس وقت میں اپنے بالاخانے میں تھا۔ انہوں نے

دستک دی۔ اور اندر آ گئے۔ مجھے کسی نے دھکا دیا۔ تو میں مکہ میں ابوقبیس پہاڑ پر تھا۔ عبدالواحد نے پوچھا۔ تو کھانا کہاں سے کھاتا تھا؟ فرمایا: ایک بڑھیا وہی دو روٹیاں لے جن کو میں بصرہ میں کھایا کرتا تھا۔ ہر روز افطار کے وقت میری طرف چڑھ کر آجاتی۔

یہ سُن کر عبدالواحد نے کہا۔ یہ دنیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ابوعاصم کی خدمت کرے۔

۴۹۔ عامر بن عبد قیس کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ عامر بن عبد قیس اپنا وظیفہ لیتے۔ اور پھر جو شخص انہیں ملتا۔ اسے اس میں سے کچھ نہ کچھ دیتے اور جب وہ اپنے گھر واپس آتے تو ان کی طرف وہ دراہم پھینک دے جاتے اور یہ اتنے ہی ہوتے جتنے وہ اپنے وظیفہ میں) لیے ہوتے اس میں سے کچھ کم نہ ہوتا۔

۵۰۔ جنیدؒ کی کرامت

میں نے ابوعبداللہ الشیرازی سے سُنا کہ ابواحمد الکبیر نے اُن سے کہا کہ ابوعبداللہ بن خفیف نے ان سے کہا کہ ابوعمر الزجاجی فرماتے تھے کہ میں جنیدؒ کے پاس گیا اور میرا ارادہ حج کو جانے کا تھا۔ آپ نے مجھے ایک درہم دیا میں نے اُسے اپنے تہمد میں باندھ لیا۔ اس کے بعد میں جس منزل میں پہنچتا۔ وہاں مجھے رفیق مل جاتے اور مجھے ایک درہم کی بھی ضرورت نہ پڑتی۔ جب حج کرنے کے بعد بغداد واپس آیا تو جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔ لاؤ۔ اس پر میں نے آپ کو وہ درہم دے دیا۔ آپ نے پوچھا: کیسے گذری؟ (میں نے) عرض کیا اللہ کا حکم ہو کر رہا۔

۵۱۔ ذوالنون کی کرامت

ابوجعفر اعور حکایت کرتے ہیں کہ میں ذوالنون مصری کے پاس بیٹھا تھا کہ اولیاء اللہ کے لئے چیزوں کی اطاعت کا ذکر چھڑ گیا۔ ذوالنون نے کہا۔ یہ بھی اطاعت ہے کہ اگر میں اس چارپائی کو کہوں کہ اس کمرے کے چاروں کونوں میں گھومے اور پھر اپنی جگہ پر واپس چلی آئے۔ تو یہ کرے گی۔ ابوجعفر فرماتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا تھا کہ چارپائی نے چاروں کونوں میں گھومنا شروع کر دیا۔ اور پھر اپنی جگہ پر لوٹ آئی۔ وہاں ایک نوجوان تھا۔ اس نے رونا شروع کر دیا اور وہیں مر گیا

۵۲۔ واصل احدب کی کرامت

کہتے ہیں کہ واصل احدب[(۱۲۹۲)] نے یہ آیت پڑھی۔ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ:۔

(تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے)

تو کہنے لگے۔ میرا رزق آسمان میں ہو اور میں اُسے زمین پر ڈھونڈوں؟ چنانچہ ویرانے میں چلے گئے اور دو دن اسی طرح رہے اور کوئی چیز ظاہر نہ ہوئی۔ آپ پر یہ بات بہت سخت گذری۔ جب تیسرا دن ہوا۔ تو تازہ کھجوروں کا ایک ٹوکرا آگیا۔ ان کا ایک بھائی بھی تھا جو ان سے بھی بہتر نیت والا تھا۔ وہ بھی آپ کے ساتھ ہولیا اور ایک کی بجائے دو ٹوکرے ہوگئے۔ موت تک ان دونوں کا یہی حال رہا۔

۵۳۔ ابراہیم بن ادہم کی کرامت

ایک صوفی کہتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہم ایک باغ کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ ایک بار جو میں گیا۔ تو دیکھا کہ وہ سوئے پڑے ہیں۔ اور ایک سانپ اپنے منہ میں نرگس کا گلدستہ لئے انہیں پنکھا کر رہا ہے۔

ایوب سختیانی کی کرامت

کہتے ہیں کہ کچھ لوگ ایوب سختیانی کے ساتھ سفر میں تھے۔ تو انہیں کہیں پانی نہ ملا۔ ایوب نے کہا۔ کیا تم میری زندگی بھر پوشیدہ رکھو گے؟ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ اس کے بعد انہوں نے ایک دائرہ کھینچا تو پانی پھوٹ پڑا اور ہم نے پی لیا۔

راوی کہتا ہے۔ جب وہ بصرہ پہنچے۔ تو حماد بن زید نے اس کا ذکر کر دیا۔ تو عبدالواحد بن زید نے کہا۔ کہ میں بھی اس دن وہاں موجود تھا۔

۵۴۔ ذوالنون کی کرامت

بکر بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں۔ ہم جنگل میں ذوالنون کے ساتھ تھے۔ تو ہم ببول کے درخت کے نیچے اترے۔ ہم نے کہا۔ کیا اچھی جگہ ہے۔ اگر یہاں تازہ کھجوریں ہوتیں! یہ سُن کر ذوالنون مسکرائے اور فرمایا۔ کیا تازہ کھجوریں چاہتے ہو؟ آپ نے درخت کو ہلا کر کہا۔ تمہیں قسم ہے اس خدا کی، جس نے تمہیں درخت بنایا۔ کہ تو ہم پر کھجوریں بکھیر دے۔ اس کے بعد آپ نے اُسے ہلایا تو تازہ کھجوریں گریں۔ ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھائیں۔ پھر جب اُٹھے اور درخت کو ہلایا۔ تو کانٹے گرے۔

۵۵۔ ایک نوجوان کی کرامت

ابوالقاسم بن مروان نہاوندی بیان کرتے ہیں۔ کہ میں

اور ابوبکر وراق ابوسعید خزاز کے ساتھ ساحل سمندر پر صیدا کی طرف جا رہے تھے۔ ابوسعید نے دُور سے ایک شخص کو دیکھا اور فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ ہو نہ ہو، یہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک خوبصورت نوجوان آیا۔ جس کے ہاتھ میں چھاگل اور دوات تھی۔ اور گُدڑی پہن رکھی۔ ابوسعید نے استعجاب کے طور پر اس کی طرف دیکھا۔ کیونکہ اس نے چھاگل کے ساتھ ایک دوات اٹھا رکھی تھی۔ ابوسعید نے پوچھا: اے نوجوان: اللہ کی طرف جانے کا کیا طریقہ ہے؟ اس نے جواب دیا۔ اے ابوسعید! مجھے اللہ کی طرف جانے کے دو راستے معلوم ہیں۔ ایک خاص طریقہ اور دوسرا عام۔ عام طریقہ تو وہ ہے جس پر تم چل رہے ہو۔ اور اگر خاص طریقہ چاہتے ہو تو یہ لو۔ یہ کہہ کر وہ پانی پر چلنے لگ گیا۔ یہاں تک کہ ہماری آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ ابوسعید یہ واقعہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

۵۶۔ ایک فقیر کی کرامت

جنیدؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں شونیزیہ کی مسجد میں گیا۔ اور وہاں فقراء کی جماعت کو دیکھا جو کرامات پر بحث کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک فقیر نے کہا کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں۔ جو اگر اس ستون کو کہے کہ آدھا چاندی کا اور آدھا سونے کا ہو جائے۔ تو ہو جائے گا۔ جنیدؒ کہتے ہیں۔ میں نے جو دیکھا۔ تو آدھا ستون چاندی کا اور آدھا سونے کا چکا ہے۔

۵۷۔ شیبان راعی کی کرامت

کہتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ اور شیبان راعی[(۱۲۸۶)] دونوں حج کے لئے روانہ ہوئے۔ ایک شیر نے ان کا راستہ روک لیا۔ سفیان نے کہا۔ شیر کو دیکھ رہے ہو۔ شیبان نے کہا۔ ڈرو نہیں۔ شیبان نے شیر کا کان پکڑ کر مروڑا۔ تو شیر دم ہلانے لگ گیا۔ یہ دیکھ کر سفیان نے کہا۔ یہ کیا شہرت (طلبی) ہے۔ شیبان نے کہا۔ اگر شہرت کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس کی پیٹھ پر زاد راہ رکھ کر مکہ تک لے جاتا۔

۵۸۔ سریؒ کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ جب سریؒ نے تجارت چھوڑی۔ تو ان کی بہن اپنا سوت بیچ کر ان پر خرچ کیا کرتی۔ ایک دن اسے دیر ہو گئی۔ سری نے دیری کا سبب پوچھا۔ بہن نے جواب دیا کہ میرا سوت کسی نے نہیں خریدا۔ وہ کہتے تھے..... ..... کہ اس میں ملاوٹ ہے۔ اس دن سے سری نے اس کا کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ایک دن

ان کی بہن ان کے پاس آئی۔ تو ایک بڑھیا عورت کو گھر میں جھاڑو دیتے دیکھا۔ اور دیکھا کہ وہ ہر روز روٹیاں سریؒ کے لئے لے آتی ہے۔ یہ دیکھ کر ان کو بہت رنج ہوا۔ اور اس نے احمد بن حنبلؒ کے جاکر اس کی شکایت کی۔ احمد بن حنبلؒ نے اس کا ذکر سری سے کیا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ جب میں نے کھانا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے لئے مسخر کر دیا کہ مجھ پر خرچ کرے۔ اور میری خدمت کرے۔

۵۹۔ معروف کرخی کی کرامت

ہم سے محمد بن عبداللہ الصوفی نے کہا۔ علی بن ہارون(۱۲۸۶) نے ان سے کہا کہ علی بن احمد الیمتی نے ان سے بیان کیا جعفر بن القاسم الخواص نے کہا کہ محمد بن منصور(۱۲۸۸) الطوسی فرماتے تھے کہ میں ابو محفوظ معروف کرخی کے پاس تو انہوں نے میرے حق میں دعا کی۔ اور جب دوسرے دن پھر ان کے پاس آیا۔ تو ان کے چہرے پر نشان تھا۔ ایک شخص نے دریافت کیا۔ کہ اے ابو محفوظ، ہم کل آپ کے پاس تھے۔ اس وقت یہ نشان آپ کے چہرے پر نہ تھا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ اپنے مطلب کی بات کرو۔ (یعنی اس سوال کو جانے دو۔ تمہارا اس سے کوئی مطلب نہیں۔) اس شخص نے کہا۔ آپ کو آپ کے معبود کی قسم، ضرور تبلائیں۔ پر انہوں نے فرمایا۔

کل میں نے یہاں نماز پڑھی۔ اور مجھے خواہش ہوئی۔ کہ خانہ کعبہ کا طواف کروں۔ لہٰذا مکہ چلا گیا اور وہاں کعبہ کا طواف کیا۔ پھر میں زمزم کی طرف گیا کہ اس کا پانی پیوں۔ دروازہ پر پیر پھسل گیا اور چہرے پر زخم آگیا۔

۶۰۔ عتبۃ الغلام کی کرامت

کہا جاتا ہے کہ عتبۃ الغلام بیٹھتے تو فرماتے۔ اے فاختہ! اگر تو مجھ سے زیادہ اللہ کی اطاعت گذار ہے تو آکر میرے ہاتھ پر بیٹھ جا۔ چنانچہ فاختہ آکر ان کے ہاتھ پر بیٹھ جایا کرتی۔

۶۱۔ ابو علی رازی کی کرامت

ابو علی رازی(۱۲۹۰) سے حکایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں ایک دن میرا گذر فرات پر ہوا۔ اور میرے دل میں تازہ مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ فوراً پانی نے ایک مچھلی میری طرف پھینک دی۔ پھر ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ اور کہنے لگا کہ میں بھون دیتا ہوں۔ میں نے کہا۔ بہتر۔ اس نے بھونا۔

میں نے بیٹھ کر اسے کھایا۔

۶۲۔ ابراہیم بن ادہم کی کرامت

کہتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہمؒ اپنے رفیقوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ انہیں شیر ملا۔ ساتھیوں نے کہا۔ اے ابو اسحٰق، اس شیر نے ہمارا راستہ روک لیا ہے۔ ابراہیم نے آکر اسے کہا۔ اے شیر، اگر تجھے ہمارے متعلق کوئی حکم دیا گیا ہے تو کر گذر۔ ورنہ واپس چلے جاؤ۔ یہ سن کر شیر واپس چلا گیا اور وہ بھی چلے گئے۔

۶۳۔ ابراہیم خواص اور شیر

حامد اسود کہتے ہیں کہ جنگل میں ابراہیم خواص کے ساتھ تھا۔ ہم نے رات ایک دوست کے گھر گذاری۔ اچانک ایک شیر آگیا۔ اور میں درخت پر چڑھ گیا۔ اور صبح تک وہیں رہا۔ رات بھر مجھے نیند نہ آئی۔ مگر ابراہیم خواص سو گئے اور شیر سر سے لے کر پاؤں تک انہیں سونگھتا رہا اور پھر چلا گیا۔ دوسری رات ہم نے بستی میں جا کر ایک مسجد میں گذاری۔ وہاں ایک مچھر ان کے چہرہ پر بیٹھا اور اس نے کاٹا۔ آپ نے رونا شروع کر دیا۔ میں نے کہا، عجیب بات ہے۔ کل تو آپ شیر سے بھی نہیں گھبرائے اور آج آپ نے ایک مچھر سے رونا شروع کر دیا۔ فرمایا۔ کل ایسی حالت میں تھا۔ جس میں اللہ کے ساتھ ہوتا ہوں۔ مگر اب جو حالت تھی تو میں اپنے نفس کے ساتھ تھا۔

۶۴۔ عطاء ازرق کی کرامت

عطاء ازرق[(۱۱۹۱)] بیان کرتے ہیں کہ ان کی بیوی نے انہیں دو درہم دئے جو اس نے سوت بیچ کر حاصل کئے تھے۔ اور عطا کو کہا کہ ان سے آٹا خرید لائے۔ جب گھر سے نکلے۔ تو ایک لڑکی کو روتے دیکھا۔ اس نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتلایا کہ میرے آقا نے مجھے دو درہم کچھ خریدنے کو دئے تھے اور مجھ سے گر گئے ہیں۔ اب میں ڈرتی ہوں کہ مجھے مارے گا۔ عطاء نے دو درہم اسے دے دیئے اور چلے گئے۔ اور اپنے ایک دوست کی دکان پر بیٹھے رہے۔ جو ساگوان کی لکڑی چیر رہا تھا۔ انہوں نے اس سے تمام حال کہہ سنایا۔ اور یہ بھی بتایا کہ انہیں اپنی بیوی کی بد اخلاقی کا ڈر ہے۔ دوست نے کہا۔ اس تھیلے میں برادہ ڈال لو۔ شاید تمہیں تنور گرم کرنے میں اس سے فائدہ ہو۔ کیونکہ اس وقت میں کوئی اور مدد نہیں کر سکتا۔ یہ برادہ اٹھا لائے اور

گھر کا دروازہ کھول کر تھیلا وہاں پھینک دیا۔ اور پھر دروازہ بند کر دیا اور خود مسجد میں چلے گئے
اور وہاں عشاء کی نماز کے بعد تک ٹھہرے رہے۔ تاکہ سب گھر والے سو رہیں۔ اور ان کو
ان کے ساتھ زبان درازی نہ کرے۔ اس نے جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ روٹی پکا رہی
اس نے پوچھا کہ یہ روٹی کہاں سے آئی۔ انہوں نے جواب دیا۔ تھیلے والے آٹے سے۔ کوئی
آٹا نہ خریدا کرو۔ یعنی یہ آٹا بہت عمدہ ہے۔ اسی قسم کا آٹا لایا کرو) اس نے کہا۔ انشاء اللہ
ایسا ہی کروں گا۔

۶۵۔ فقیروں کی کرامت

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا۔ کہ منصور عبد اللہ نے کہا۔ ابوجعفر بن برکات فرماتے ہیں
میں فقراء کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا۔ مجھے ایک درہم ملا۔ اور چاہا کہ یہ درہم ان فقراء کو دے
دوں۔ پھر دل میں کہا شاید مجھے اس کی ضرورت پڑ جائے۔ اس لئے فقیروں کو نہ دیا۔ پھر میرے
ڈاڑھ میں درد شروع ہوا۔ تو میں نے دانت نکلوا دیا۔ دوسرے میں درد ہوا۔ اس کو بھی نکلوا
دیا۔ اس کے بعد غیب سے آواز آئی کہ اگر تو یہ دینار انہیں نہ دے گا۔ تو تمہارے منہ میں
دانت بھی باقی نہ رہے گا۔
استادؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک بڑی کرامت ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ اس کو اللہ تعالیٰ
خرقِ عادت کے طور پر بہت سے درہم دے دیتا۔

۶۶۔ عامر بن عبد قیس کی کرامت

ابوسلیمانؒ درانی فرماتے ہیں۔ کہ عامر بن عبد قیس شام کے سفر کو نکلے ان کے
ایک مشکیزہ تھا۔ جب چاہتے۔ اس میں سے وضو کے لئے پانی نکال لیتے۔

۶۷۔ ایک اور کرامت

عثمان بن ابی عاتکہ[1292] روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک جنگ میں رومیوں کے علاقہ میں تھے۔ تو والی نے ایک دستہ فوج
کسی علاقہ کی طرف روانہ کیا۔ اور ایک متعین دن تک ان کی میعاد مقرر کر دی۔ وہ کہتے ہیں
مقررہ دن آگیا۔ مگر فوجی دستہ نہ آیا۔ ناگاہ ایسے وقت میں جبکہ ابومسلم نیزہ اپنے آگے زمین
گاڑ کر نماز پڑھ رہا تھا۔ ایک پرندہ نیزے کے سر پہ آگیا اور کہا۔ دستۂ فوج صحیح سلامت ہے

مالِ غنیمت حاصل کرچکا ہے۔ اور فلاں دن فلاں وقت میں تمہارے پہنچ جائے گا۔ ابو مسلمؒ نے پرندے سے پوچھا۔ کہ کون ہے؟ خدا تجھ پر رحم کرے۔ اس نے جواب دیا کہ میں مومنین کے دلوں سے غم دُور کرنے والا ہوں۔ ابو مسلمؒ نے جا کر والی کو خبر کر دی۔ جب اس کا بتایا ہوا دن آگیا۔ تو فوج اسی طرح آپہنچی۔ جس طرح اس نے کہا تھا۔

۶۸۔ ایک آدمی کی کرامت

ایک صوفی سے روایت ہے کہ ہم کشتی میں تھے۔ ایک شخص جو ہمارے ساتھ تھا۔ اور بیمار تھا۔ مر گیا۔ ہم نے اس کی تجہیز تکفین کی، اور اسے سمندر میں ڈالنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ سمندر خشک ہو گیا۔ اور کشتی نیچے بیٹھ گئی۔ ہم نے کشتی سے نکل کر اس کے لئے قبر کھودی اور اُسے دفن کر دیا۔ جب دفن کرنے سے فارغ ہو گئے تو پانی برابر ہو گیا۔ اور کشتی اٹھی اور ہم روانہ ہو گئے۔

۶۹۔ حبیبؒ عجمی کی کرامت

کہا جاتا ہے کہ بصرہ میں لوگوں کو فاقہ کشی کی نوبت آئی تو حبیب عجمی نے کچھ کھانا اُدھار خریدا۔ اور مسکینوں پر تقسیم کر دیا۔ پھر اپنی تھیلی لے کر اپنے سر کے نیچے رکھ لی۔ جب لوگ تقاضا کے لئے آئے تو انہوں نے تھیلی کو کھولا۔ تو وہ درہموں سے بھری پڑی تھی۔ ان سے انہوں نے لوگوں کے قرض ادا کر دیئے۔

۷۰۔ ابراہیم بن ادہم کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ ابراہیم بن ادہم نے کشتی پر سوار ہونا چاہا۔ تو کشتی والوں نے کہا۔ کہ ہم ایک دینار لیئے بغیر تمہیں سوار نہ کریں گے۔ اس پر انہوں نے کنارے پر دو رکعت نماز ادا کی۔ اور کہا۔ خدایا! یہ لوگ مجھ سے ایک دینار مانگ رہے ہیں۔ اور وہ میرے پاس نہیں ہے۔ پھر دیکھا تو ریت دینار ہی دینار بن گئی۔

۷۱۔ ابو معاویہ اسود کی کرامت

ہم سے محمد بن عبداللہ الصوفی نے کہا کہ عبدالعزیز بن فضل نے ان سے کہا۔ کہ محمد[۲۹۶] بن[۲۱۱] احمد المروزی نے ان سے بیان کیا۔ کہ عبداللہ بن سلیمان فرماتے تھے کہ ابو معاویہ[۲۹۵] بن[۲۱۲] اسود کے خادم ابو حمزہ نصر بن الفرج بیان کرتے ہیں کہ ابو معاویہ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ مگر جب پڑھنا چاہتے اور

قرآن مجید کو کھولتے تو اللہ تعالیٰ انہیں بینائی دے دیتا تھا۔ اور جب قرآن مجید کو بند
تو بینائی جاتی رہتی۔

۷۲۔ بشر حافی کی کرامت

احمد بن ہیثم متطبب فرماتے تھے۔ کہ مجھے
نے کہا کہ معروف کرخی سے کہہ دینا کہ میں
پڑھنے کے بعد آؤں گا۔ احمد کہتے ہیں کہ میں نے پیغام پہنچا دیا۔ اور ان کا انتظار کرنے لگا۔
ظہر پڑھی۔ پھر مغرب، پھر عشاء، میں نے دل میں کہا۔ سبحان اللہ، بشر جیسا آدمی ایک با
اور پھر اسے پورا نہ کرے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے ان کا انتظار کیا۔ میں اس وقت مسجد کے
پر تھا۔ کچھ رات گذر جانے کے بعد بشر آئے۔ ان کے سر پر مصلّیٰ تھا اور دجلہ کی طرف
پانی پر چلنے لگے۔ میں نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگا دی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں چومنے
اور ان سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے میرے حق میں دعا کی اور فرمایا۔ جو کچھ تم نے
اسے چھپائے رکھنا۔ احمد کہتے ہیں کہ میں نے اس بات کا ذکر ان کے مرنے کے بعد ہی کیا۔

۷۳۔ ایک مجاھد کی کرامت

ہم سے ابو عبد اللہ الشیرازی نے کہا کہ ابوا
الورثانی نے ان سے کہا کہ علی بن یعقوب
دمشق میں کہا کہ میں نے ابوبکر محمد بن احمد سے سُنا۔ کہ قاسم الجرعیؒ (۱۲۹۷) فرماتے تھے کہ میں۔
ایک شخص کو طواف میں دیکھا اور وہ صرف یہ الفاظ کہہ رہا تھا۔

خدایا! تو نے سب کی حاجتیں پوری کر دیں۔ مگر میری حاجت پوری نہ کی۔ میں نے
کہا۔ کیا بات ہے کہ تو اس کے سوا کوئی دعا مانگتا ہی نہیں؟ اس نے کہا میں تجھے تبلاتا ہوں
ہم مختلف شہروں کے سات آدمی تھے۔ اور ہم جہاد کے لئے نکلے۔ رومیوں نے ہمیں
کر لیا۔ اور ہمیں قتل کرنے کے لئے لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ آسمان کے سات دروازے
گئے اور ہر دروازے پر ایک حُور کھڑی ہے۔ چنانچہ ہم میں سے ایک کو لے جا کر اس کی گر
اڑا دی گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک حُور اتری۔ اس کے ہاتھ میں رُومال تھا۔ اور اس نے اس
شخص کی رُوح کو لے لیا۔ چنانچہ ایک ایک کر کے چھ آدمیوں کی گردنیں اُڑا دی گئیں۔ رو
میں سے ایک شخص نے ان سے مجھے مانگ لیا۔ (اور قتل سے بچ گیا) اسی حور نے کہا۔ اے

کون سی چیز تجھ سے چھوٹ گئی ؟ اور آسمان کے دروازے بند ہو گئے ؟ بھائی جو رتبۂ شہادت مجھ سے جاتا رہا۔ اس پر افسوس کر رہا ہوں۔

قاسم جرعی فرماتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ شخص ان سب سے افضل تھا۔ کیونکہ اس نے وہ کچھ دیکھا۔ جو وہ نہیں دیکھ سکے۔ اور اس نے ان کے مرنے کے بعد اسی شوق میں عمل کیا۔

۷۴۔ ابوبکر کتانی کی کرامت

اور میں نے انہی سے سُنا۔ کہ ابوالنجم احمد بن الحسین نے ان سے خورستان میں کہا کہ میں نے ابوبکر کتانی کو فرماتے سنا۔ میں مکّہ کی طرف جا رہا تھا۔ اور قحط سالی کا زمانہ تھا۔ دیکھا کہ ایک بھری ہوئی تھیلی دیناروں سے چمک رہی ہے۔ میں نے چاہا کہ اسے اٹھالوں۔ تاکہ مکّہ جا کر فقراء پر تقسیم کر دوں۔ اس پر غیب سے آواز آئی۔ اگر تو نے اسے لیا تو تمہارا فقر چھین لیا جائے گا۔

۷۵۔ ابوتراب نخشبی کی کرامت

ہم سے محمد بن محمد بن عبداللہ صوفی نے کہا۔ کہ ان سے احمد بن یوسف الخیاط نے کہا۔ کہ ابوعلی رودباری نے ان سے بیان کیا کہ ابوالعباس فرماتے تھے کہ ہم ابوتراب نخشبی کے ساتھ جا رہے تھے کہ آپ راستہ سے ہٹ کر ایک طرف کو ہو لئے۔ ان کے ایک مرید نے کہا۔ کہ مجھے پیاس لگی ہے۔ آپ نے اپنا پاؤں زمین پر مارا۔ تو صاف پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا۔ اس شخص نے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ پیالہ میں ڈال کر پانی پیوں۔ پھر اپنا ہاتھ زمین پر مارا۔ اور اسے سفید کانچ کا ایک پیالہ پکڑا دیا۔ یہ پیالہ نہایت ہی خوبصورت تھا۔ اس نے پانی پیا، اور ہمیں بھی پلایا۔ اور وہ پیالہ مکّہ تک ہمارے ساتھ رہا۔ ایک دن ابوتراب نے ہم سے کہا۔ تمہارے ساتھی ان امور کے بارے میں جن سے اللہ تعالٰے اپنے بندوں پر کرم کرتا ہے۔ کیا کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں۔ جو ان پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ ابوتراب نے فرمایا۔ جو ان پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے میں نے تو تم سے یہ سوال کیا ہے کہ جہاں تک تمہیں ان کے حالات کا علم ہے ان کا کیا خیال ہے ؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ ابوتراب نے فرمایا۔ ہاں تمہارے ساتھی کہتے ہیں۔ کہ یہ اللہ کی طرف سے دھوکا یا مکر ہوتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں۔ دھوکا تو اس صورت میں ہو کہ انسان ان سے سکون محسوس کرے۔ مگر جو شخص نہ تو آرزو کرے اور نہ ان سے سکون محسوس

کرے۔ تو یہ ربانی لوگوں کا مرتبہ ہے۔

۷۶۔ فتح موصلی کی کرامت

ہم سے محمد بن عبلۃ صوفی نے کہا۔ کہ ابو الفرج ا نے ان سے کہا۔ کہ محمد بن الحسین خلدی طر نے کہا۔ کہ ابو عبد اللہ بن الجلاء فرماتے تھے کہ ہم بغداد میں سری سقطی کے بالا خانہ میں تھے جب کچھ رات گذر گئی۔ تو انہوں نے صاف ستھری قمیص۔ شلوار۔ چادر اور جوتا پہنا۔ او کر باہر جانے لگے۔ میں نے پوچھا۔ اس وقت آپ کہاں جا رہے ہیں؟ جواب دیا فتح موصلی عیادت کو جا رہا ہوں۔ جب بغداد کی سڑکوں پر چل رہے تھے۔ تو پہرہ داروں نے انہیں پکڑا اور قید کر دیا۔ جب صبح ہوئی۔ تو اور قیدیوں کے ساتھ انہیں بھی مارنے کا حکم دیا گیا۔ جب جلاد نے مارنے کو ہاتھ اٹھایا تو اس کا ہاتھ رک گیا۔ اور وہ ہاتھ کو نہ ہلا سکا۔ جلاد کو مارنے کو کہا گیا۔ تو کہنے لگا۔ میر سامنے ایک بوڑھا آدمی کھڑا مجھے کہہ رہا ہے کہ اسے نہیں مارنا۔ لہٰذا میرا رک جاتا ہے اور حرکت نہیں کر سکتا۔ لوگوں نے جب غور کیا کہ کون شخص ہے۔ تو دیکھا، فتح موصلی تھے۔ لہٰذا انہوں نے اسے نہ مارا۔

۷۷۔ عبد الواحد بن زید کی کرامت

ہم سے شیخ عبد الرحمٰن سلمی نے کہا۔ کہ حارث خطابی نے اُن سے کہا۔ کہ محمد بن الفضل نے ا سے بیان کیا۔ کہ علی بن مسلم نے ان سے کہا۔ کہ سعید بن یحییٰ بصری فرماتے تھے۔ کہ قبیلہ قریش میں سے کچھ لوگ عبد الواحد بن زید کے پاس جا کر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے آکر کہا۔ کہ ہمیں تنگی اور محتاجی سے ڈر لگتا ہے۔ انہوں نے آسمان کی طرف سر اٹھایا۔ اور یہ دعا پڑھی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاسْمِکَ الْمُرْتَفِعِ الَّذِیْ تُکْرِمُ بِہٖ مَنْ شِئْتَ مِنْ اَوْلِیَائِکَ وَتُلْھِمُہُ الصَّفِیَّ مِنْ اَحْبَابِکَ اَنْ تَاْتِیَنَا بِرِزْقٍ مِّنْ لَّدُنْکَ تَقْطَعُ بِہٖ عَلَائِقَ الشَّیْطَانِ مِنْ قُلُوْبِنَا وَقُلُوْبِ اَصْحَابِنَا ھٰؤُلَاءِ فَاَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ الْقَدِیْمُ الْاِحْسَانِ۔ اَللّٰھُمَّ السَّاعَۃَ السَّاعَۃَ۔

" یا اللہ! میں تم سے اس بلند نام کے وسیلہ سے درخواست کرتا ہوں۔ جس کے ساتھ تو اپنے جس ولی کو چاہتا ہے۔ عزت بخشتا ہے۔ اور جسے تو اپنے برگزیدہ دوستوں کے دلوں میں ڈال

دنیا ہے۔ کہ تو اپنی طرف سے ہمیں رزق بھیج جس کی وجہ سے ہمارے دلوں اور ہمارے ساتھیوں کے دلوں سے شیطانی تعلق منقطع ہو جائے۔ تو ہی رحم کھانے والا، احسان کرنے والا ہے۔ جس کا احسان قدیم سے چلا آرہا ہے۔ یا اللہ! اسی وقت ہوا ہی وقت ہو۔"

وہ کہتے ہیں کہ میں نے چھت کی کڑکڑاہٹ سُنی۔ اس کے بعد درہم و دنیار برسنے لگے۔ پھر عبدالواحد بن زید نے کہا۔ اوروں کو چھوڑ کر خدا سے مالداری چاہا کرو۔ چنانچہ انہوں نے وہ درہم و دنیار لئے اور عبدالواحد نے کچھ نہ لیا۔

۷۸۔ ایک صوفی کی کرامت

میں نے ابوعبداللہ شیرازی سے سُنا۔ کہ ابوعبداللہ محمد بن علی الجوزی نے جند لیسا پور میں فرمایا۔ کہ میں نے کتانی کو سُنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک صوفی کو دیکھا وہ ایک اجنبی شخص تھا اور میں اسے پہچانتا نہ تھا۔ وہ کعبہ کی طرف آیا۔ اور کہا۔ خدایا! مجھے معلوم ہے کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ ان کی مراد طواف کرنے والوں سے تھی۔ جواب آیا کہ اس رقعہ کی طرف دیکھو، کتانیؒ کہتے ہیں کہ ایک رقعہ ہوا میں اڑا، اور پھر غائب ہو گیا۔

۷۹۔ ایک بچے کی کرامت

اور میں نے انہی سے سُنا کہ عبدالواحد بن بکر الورثانی نے ان سے کہا۔ کہ محمد بن علی الحسین[(۲۹۸)] مقری طرسوسی نے ان سے کہا۔ کہ ابوعبداللہ بن الجلاء فرماتے تھے کہ ایک دن میری والدہ نے میرے والد سے مچھلی کی خواہش کی۔ میرے والد بازار گئے۔ میں ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے مچھلی خریدی۔ اور ٹھہر گئے کہ کوئی اٹھانے والا مل جائے۔ آپ نے اپنے سامنے ایک بچے کو، ایک اور بچے کے ساتھ کھڑا دیکھا۔ اس بچے نے کہا۔ چچا! آپ کسی اٹھانے والے کو دیکھ رہے ہیں۔ میرے والد نے فرمایا۔ ہاں! بچے نے مچھلی اٹھائی اور ہمارے ساتھ چل پڑا۔ (راستہ میں) ہم نے اذان کی آواز سُنی۔ بچے نے کہا۔ کہ مؤذن نے اذان دے دی ہے۔ میں وضو کر کے نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ راضی ہوں تو بہتر ہے ورنہ یہ مچھلی لے لیں۔ بچہ مچھلی رکھ کر چلا گیا۔ میرے والد نے کہا۔ ہم پر زیادہ حق ہے۔ کہ ہم مچھلی کے بارے میں اللہ پر بھروسہ کریں۔ ہم نے مسجد میں جا کر نماز پڑھی۔ اور اُس بچے نے بھی آکر نماز پڑھی۔ جب باہر آئے تو دیکھا کہ مچھلی وہیں کی وہیں پڑی ہے۔ بچے نے پھر اُسے اٹھا لیا اور ہمارے

گھر کی طرف چل پڑا۔ میرے والد نے اس کا ذکر میری والدہ سے کیا۔ والدہ نے کہا۔ اسے کہیں کہ یہیں ٹھہرے اور ہمارے ساتھ کھانا کھائے۔ جب ہم نے اس سے کہا۔ تو کہنے لگا۔ میرا تو روزہ ہے۔ ہم نے کہا۔ پھر شام کو آجانا۔ اس نے کہا۔ ایک بوجھ اٹھانے کے بعد دوبارہ بوجھ نہیں اٹھایا کرتا۔ لیکن میں مسجد میں جاؤں گا اور میں شام تک وہیں رہوں گا۔ اس کے بعد آپ کے پاس آؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ جب رات ہوئی۔ تو بچہ آگیا۔ اور ہم نے کھانا کھایا۔ جب فارغ ہوئے۔ تو ہم نے اسے قضاء کی حاجت کی جگہ بتادی۔ پھر ہم نے دیکھا۔ کہ وہ علیحدگی چاہتا ہے۔ لہٰذا ہم نے اُسے ایک کمرے میں رہنے دیا۔ جب کچھ رات گذر گئی۔ تو ہمارے ایک رشتہ دار کی لڑکی خود چل کر آئی۔ حالانکہ وہ چلنے پھرنے سے عاری تھی۔ ہم نے اس سے اس کے متعلق پوچھا۔ تو بولی۔ میں نے اللہ سے دعا کی تھی۔ کہ الہٰی! اس مہمان کے صدقے تو مجھے صحت دے۔ چنانچہ میں اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ میری والدہ کہتی ہیں۔ ہم بچے کو دیکھنے گئے۔ مگر وہ کہیں نہ تھا۔ اور دروازے اسی طرح بند تھے۔ یہ حال دیکھ کر میرے والد نے کہا:۔

بعض چھوٹے بچے ہوتے ہیں اور بعض بڑے۔

۸۰۔ عبد الواحد بن زید کی کرامت

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہ ابو حارث خطابی نے ان سے بیان کیا۔ کہ محمد بن الفضل نے ان سے کہا۔ علی[۱۲۹۹] بن مسلم نے کہا۔ کہ سعید بن یحییٰ بصری[۱۳۰۰] فرماتے تھے۔ کہ میں عبد الواحد بن زید کے پاس آیا۔ تو وہ سائے میں بیٹھے تھے۔ میں نے کہا۔ اگر آپ اللہ سے درخواست کریں۔ کہ وہ آپ کو رزق دے۔ تو مجھے امید ہے کہ وہ ضرور ایسا کرے گا۔ عبد الواحد نے کہا۔ میرا رب اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے زمین سے کنکریاں اٹھائیں۔ اور کہا خدایا! اگر تو انہیں سونا بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے۔ خدا کی قسم وہ کنکریاں ان کے ہاتھ میں سونا بن گئیں۔ انہوں نے انہیں میری طرف پھینک دیا۔ اور فرمایا۔ تو انہیں خرچ کر۔ دنیا میں کوئی بھلائی نہیں۔ سوائے ان نیکیوں کے، جو آخرت کے لئے کی جائیں۔

۸۰۔ ابو یعقوب سوسی کے ایک مرید کی کرامت

میں نے محمد بن عبد اللہ صوفی سے سنا۔ کہ حسین بن احمد فارسی نے ان

سے بیان کیا۔ کہ دُقی نے ان سے کہا۔ کہ احمد بن منصور فرماتے تھے۔ میرے استاد ابویعقوب سوسی نے مجھے بتلایا۔ کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا۔ تو اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا۔ حالانکہ وہ تختے پر پڑا تھا۔ میں نے کہا۔ بیٹا! میرا ہاتھ چھوڑ دے۔ میں جانتا ہوں کہ تو مُردہ نہیں ہے۔ یہ (موت) تو ایک گھر سے دوسرے گھر کو منتقل ہونے کا نام ہے۔ اس پر اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

۸۲۔ ابراہیم بن شیبان کے ایک مرید کی کرامت

اور میں نے انہی سے سنا۔ کہ ابوبکر احمد بن محمد الطرسوسی فرماتے تھے کہ میں نے ابراہیم بن شیبان کو فرماتے سنا[۱۲۰۱] کہ ایک ارادت مند مرید میری صحبت میں رہا۔ وہ مر گیا۔ مجھے اس کا بہت غم ہوا۔ میں خود اس کو غسل دینے لگا۔ مگر جب اس کے ہاتھ دھونے لگا۔ تو دہشت کے مارے بجائے اس کے کہ دائیں ہاتھ سے شروع کرتا۔ میں نے بائیں ہاتھ سے شروع کیا۔ مگر اس نے بایاں ہاتھ چھڑا کر دایاں ہاتھ پکڑا دیا۔ اس پر میں نے کہا۔ بیٹا! تو سچا ہے۔ مجھ ہی سے غلطی ہوئی ہے۔

۸۳۔ ابویعقوب سوسی کے ایک اور مرید کی کرامت

میں نے انہی سے سنا۔ کہ ابوالنجم المقری البردعی شیرازی نے کہا۔ کہ انہوں نے الدقی سے سنا۔ احمد بن منصور فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابویعقوب سوسی کو فرماتے سنا کہ میں ایک مرید میرے پاس آیا۔ اور کہا۔ اے استاد! میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا۔ یہ دینار ہے۔ آدھے سے قبر کھدوائیں اور آدھے سے کفن پہنائیں۔ چنانچہ جب دوسرا دن ہوا۔ اس نے آکر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اور پھر دور ہٹ کر مر گیا۔ میں نے اسے غسل دیا۔ اور کفن پہنایا اور لحد میں رکھ دیا۔ تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ میں نے کہا۔ کیا موت کے بعد زندگی؟ اس نے جواب دیا۔ میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر محب زندہ ہے۔

۸۴۔ سہل بن عبداللہ کی کرامت

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ کہ محمد بن الحسن بغدادی نے ان سے بیان کیا کہ ابوعلی بن وصیف مؤدب فرماتے تھے۔ ایک دن سہل بن عبداللہ نے ذکر الٰہی پر وعظ فرمایا۔ اور فرمایا کہ حقیقی ذاکر اگر مُردوں کو زندہ کرنا چاہے۔ تو زندہ کر سکتا ہے۔ اس وقت اس کے سامنے

ایک بیمار تھا۔ آپ نے اپنا ہاتھ پھیرا اور وہ تندرست ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

۸۵۔ عمرو بن عتبہ کی کرامت

میں نے ابوعبداللہ الشیرازی سے سُنا۔ کہ ا
علی بن ابراہیم[1304] بن احمد نے بیان کیا۔ کہ عثمان
نے اُن سے سُنا۔ کہا کہ حسین بن عمر[1305] فرماتے تھے کہ میں نے بشر بن حارث کو فرماتے سنا۔ کہ عمر
جب نماز پڑھا کرتے تو بادل ان کے سر پہ ہوتے اور شیر ان کے گرد اپنی دُم ہلاتے ہوتے

۸۶۔ سریؒ کی کرامت

میں نے انہی سے سُنا۔ کہ ابوعبداللہ بن مفلح نے اُن سے
المغازلی[1306] نے کہا کہ جنیدؒ فرماتے تھے کہ میرے پاس چار
تھے۔ جنہیں لے کر میں سری کے پاس گیا اور کہا میں یہ چار درہم آپ کے لئے لایا ہوں
نے فرمایا۔ بیچے! تمہیں خوشخبری ہو کہ تو نجات پائے گا۔ چار درہموں کی ضرورت تھی۔ یہ
کہا۔ الٰہی! اس شخص کے ہاتھوں یہ درہم بھیجو۔ جو تمہارے ہاں نجات پانے والا ہے۔

۸۷۔ ابراہیم بن ادہم کی کرامت

ہم سے ابراہیم[1307] بن احمد الطبری نے کہا۔ کہ
یوسف نے ان سے کہا۔ کہ احمد بن ابراہیم
نے ان سے بیان کیا کہ میرے والد نے مجھ سے کہا کہ ابراہیم الیمانی فرماتے تھے۔ ہم ابراہیم
کے ساتھ ساحل سمندر پر چلنے کے لئے نکلے اور ایک جنگل میں پہنچے۔ جہاں بہت سی سُوکھی
پڑی تھیں۔ اور ان کے قریب ایک قلعہ تھا۔ ہم نے ابراہیم بن ادہم سے کہا۔ اگر آج رات
ٹھہر جائیں۔ تو یہ لکڑیاں جلائیں۔ انہوں نے فرمایا۔ بہتر ایسا ہی کرو۔ ہم نے قلعہ سے آگ لے
لکڑیاں جلائیں۔ ہمارے ساتھ روٹیاں تھیں۔ ہم نے انہیں نکال کر کھانا شروع کر دیا۔ ہم
سے ایک نے کہا۔ کیسے اچھے انگارے ہیں۔ اگر اس وقت گوشت ہوتا تو ان پر بھونتے۔ ا
بن ادہمؒ نے کہا۔ اللہ تعالےٰ اس بات پر قادر ہے کہ تمہیں بھنا ہوا گوشت کھلاتے۔ ایک
باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایک شیر بارہ سنگھے کو بھگاتا ہوا آیا۔ جب ہمارے قریب پہنچ گیا۔
بارہ سنگھا گر پڑا۔ اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ ابراہیم بن ادہم اٹھے اور کہا اسے ذبح کر لو۔ ا
اس کا گوشت بھونا اور شیر کھڑا دیکھتا رہا۔

ابراہیم خواص کی کرامت

میں نے محمد بن الحسین سے سُنا۔ کہ ابوالقاسم عبداللہ

علی الشجری فرماتے ہیں۔کہ حامد اسود فرماتے تھے۔میں ابراہیم خواص کے ساتھ جنگل میں سات دن تک ایک ہی حالت میں رہا۔ساتویں دن میں کمزور ہو کر بیٹھ گیا۔ابراہیم نے میری طرف دیکھ کر کہا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی کہ کمزور ہو گیا ہوں فرمایا۔کس چیز کی زیادہ خواہش ہے؟ پانی کی یا کھانے کی؟ میں نے کہا پانی کی، فرمایا، پانی تو تمہارے پیچھے ہے۔میں نے جو مڑ کر دیکھا۔تو ایک پانی کا چشمہ تازہ دودھ کی طرح بہہ رہا ہے۔مَیں نے پانی پیا اور وضو کیا۔اور ابراہیم دیکھتے رہے۔اور اس کے قریب بھی نہ آئے۔جب میں اٹھنے لگا۔تو چاہا کہ کچھ پانی ساتھ لے لوں۔مگر انہوں نے مجھے روک دیا۔اور فرمایا۔یہ ایسا پانی نہیں ہے۔جسے ہم زادِ راہ بنا سکیں۔

۸۹-ابوالحسن نوری کی کرامت

میں نے ابوعبداللہ بن عبداللہ[۱۲۱۱] سے سنا۔کہ انہوں نے ابوعبداللہ[۱۲۱۲] الدباس البغدادی سے سے سُنا کہ فاطمہ اخت ابی علی رودباری فرماتی تھیں کہ میں نے ابوالحسن نوری کی خادمہ زیتونہ کو کہتے سنا۔زیتونہ نوری کی خدمت کیا کرتی تھی اور وہ ابوحمزہ اور جنیدؒ کی خدمت کر چکی تھی۔زیتونہ کہتی ہے۔کہ ایک دن بہت سردی تھی۔میں نے نوری سے کہا۔کیا کچھ لاؤں؟ آپ نے فرمایا۔لے آؤ۔میں نے عرض کی آپ کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا۔روٹی اور دودھ۔میں دودھ اور روٹی اُن کے پاس لے گئی۔ان کے سامنے کوئلے پڑے تھے۔جنہیں وہ ہاتھ سے الٹ پلٹ رہے تھے۔اور وہ شعلے مار رہے تھے۔آپ روٹی کھانے لگے اور دودھ آپ کے ہاتھوں میں بہہ رہا تھا اور ہاتھ کوئلوں سے سیاہ ہو چکے تھے۔مَیں نے اپنے دِل میں کہا۔خدایا! یہ تمہارے ولی کس قدر گندے ہیں۔کیا ان میں کوئی بھی صاف ستھرا نہیں۔

زیتونہ کہتی ہیں۔کہ مَیں آپ کے پاس سے نکل کر آئی۔تو ایک عورت مجھ سے چمٹ گئی۔اور کہنے لگی۔میرے کپڑوں کی ایک گٹھڑی چوری ہو گئی ہے۔مجھے گھسیٹ کر لوگ پولیس کے پاس لے گئے۔نوری کو جب خبر ہوئی تو نکل کر آئے اور سپاہی کو کہا۔اسے کچھ نہ کہو۔یہ تو ایک ولی کی عورت ہے۔سپاہی نے کہا۔میں کیا کروں۔وہ عورت مدعی ہے۔فرماتے ہیں کہ ایک لڑکی وہی گٹھڑی لئے آ پہنچی۔نوری زیتونہ کو واپس لے آئے اور فرمایا۔اب کبھی یہ نہ کہنا۔کہ تمہارے ولی کس قدر گندے ہیں۔زیتونہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا۔کہ میں توبہ کرتی ہوں۔

۹۰۔ خواص کی ایک کرامت

میں نے محمد بن عبد اللہ شیرازی سے سنا۔ کہ محمد بن[۱۲۴۳] الفارسی نے ان سے کہا۔ کہ ابوالحسن خیر النساج فرماتے ہیں کہ میں نے خواص رح کو سنا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ سفر میں مجھے اس قدر پیاس لگی۔ کہ میں پیاس کے مارے گر گیا۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ میرے چہرے پر پانی کے چھینٹے پڑ رہے ہیں۔ آنکھ کھولی تو دیکھا کہ خوبرو انسان سفید گھوڑے پر سوار ہے۔ اس نے مجھے پانی پلایا۔ اور مجھے اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کو کہا۔ اس وقت میں حجاز میں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا۔ کیا دکھائی دیتا ہے۔ میں نے کہا، مدینہ اس نے کہا، اب اتر جاؤ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا سلام کہنا۔ اور کہنا۔ آپ کا بھائی خضر[۱۲۴۴] سلام عرض کرتا ہے۔

۹۱۔ نصر خرّاط کی کرامت

میں نے شیخ ابوعبد الرحمٰن السلمی سے سنا۔ کہ محمد بن الحسن لبغدادی نے ان سے بیان کیا۔ کہ ابوالحدید سے میں نے سنا کہ المظفر الجصاص فرماتے تھے کہ میں اور نصر خرآط ایک رات ایک جگہ پر تھے۔ اور ہم نے آپس میں علمی مذاکرہ کیا۔ خرآط نے کہا۔ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ ابتداءِ ذکر میں یہ معلوم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے یاد کیا ہے جصاص کہتے ہیں کہ میں نے ان سے اختلاف کیا۔ تو کہنے لگے۔ اگر اس وقت یہاں خضر علیہ السلام ہوتے تو میری بات کے صحیح ہونے کی گواہی دیتے۔ یہ کہتا تھا کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بوڑھا آسمان اور زمین کے درمیان چلا آرہا ہے یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس پہنچ گیا۔ اور سلام کیا۔ اور کہا، یہ سچ کہتا ہے۔ اللہ کا ذکر کرنے والا اس لئے اللہ کا ذکر کرتا ہے کہ اللہ اس کا ذکر کرتا ہے۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ خضر علیہ السلام ہیں۔

۹۲۔ سہل بن اللہ کی کرامت

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ ایک شخص سہل بن عبد اللہ کے پاس آیا۔ اور کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ پانی پر چلتے ہیں۔ سہل نے کہا۔ محلہ کے موذن سے پوچھ لو۔ وہ نیک آدمی ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ وہ شخص بیان کرتا ہے کہ مُوذن سے دریافت کیا۔ تو اس نے کہا۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں۔ مگر چند ہی دن گذرے ہیں کہ حوض پر وضو کرنے آئے تھے اور پانی

میں گر پڑے تھے۔ اور اگر میں وہاں نہ ہوتا۔ تو پانی ہی میں رہتے

استاد ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں۔ سہل کی درحقیقت وہی حالت تھی جو لوگ بیان کیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ لہٰذا مؤذن اور حوض والا قصہ انہیں پیش آیا۔ تاکہ سہل کی حالت پر پردہ پڑا رہے۔ سہل صاحب کرامات تھے۔

۹۳۔ ابو الحسین جرجانی کی کرامت

اسی قسم کا وہ قصہ ہے۔ جس کی حکایت ابو عثمان مغربی کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو الحسین جرجانی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ واقعہ دیکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک بار میں نے مصر جانے کا ارادہ کیا۔ دل میں خیال آیا۔ کہ کشتی پر سوار ہو جاؤں۔ پھر خیال آیا کہ لوگ مجھے پہچان جائیں گے۔ لہٰذا شہرت کا ڈر ہوا۔ پھر ایک کشتی گذری اور مجھے دکھائی دی۔ میں پانی پر چل کر اس کشتی تک پہنچ گیا۔ اور اس کے اندر چلا گیا۔ لوگ دیکھ رہے تھے۔ مگر کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ خرق عادت ہے یا نہیں۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ ولی خواہ مشہور ہی کیوں نہ ہو مستور رہتا ہے۔

۹۴۔ ابو علی دقاق کی کرامت

ابو علی دقاق کے جو حالات ہم نے خود مشاہدہ کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہیں حرقۃ البول (پیشاب جلن کے ساتھ ہونا) کی بیماری تھی۔ ایک گھنٹے میں انہیں کئی بار اٹھنا پڑتا۔ یہاں تک کہ فرض نماز کی دو (۲) رکعتیں ادا کرنے کے لئے انہیں کئی بار تازہ وضو کرنا پڑتا اور مجلس کو جاتے ہوئے راستے میں بوتل ان کے پاس ہوتی۔ بارہا ایسا ہوتا کہ راستہ میں آتے جاتے کئی بار ضرورت پڑ جاتی۔ مگر جب وعظ کے لئے کرسی پر بیٹھتے تو ان کو طہارت کی ضرورت نہ پڑتی۔ خواہ مجلس میں کتنا ہی طول کیوں نہ ہو جائے ہم سالہا سال یہ بات دیکھتے رہے۔ مگر ان کی زندگی بھر کبھی خیال نہ آیا کہ یہ خرق عادت ہے۔ ان کی وفات کے بعد یہ بات مجھے محسوس ہوئی۔

۹۵۔ سہل بن عبد اللہ کی کرامت

اسی قسم کی وہ کرامت (۱۳۱۶) ہے جو سہل بن عبد اللہ کے متعلق بیان کی جاتی ہے کہ آخر عمر میں وہ اپاہج ہو گئے تھے۔ مگر فرض نماز کے وقت نہیں طاقت حاصل ہو جاتی اور کھڑے ہو کر نماز ادا کیا کرتے۔

۹۶۔ عبد اللہ وزان کی کرامت

یہ بھی مشہور ہے کہ عبد اللہ وزان اپاہج ہمیشہ بیٹھے

رہتے۔ مگر سماع کے وقت جب ان پر وجد طاری ہوتا۔ تو وہ کھڑے ہو کر سُنتے۔

۹۷۔ ایک انسان کی کرامت

میں نے محمد بن عبداللہ صوفی سے سُنا کہ ابراہیم بن محمد مالکی نے ان سے بیان کیا کہ یوسف بن احمد البغدادی (۱۳۱۸) نے ان سے کہا کہ احمد بن ابی الحواری فرماتے تھے کہ میں اور ابو سلیمان دارانی حج کے لیئے گئے۔ چلتے چلتے مجھ سے مشکیزہ گر گیا۔ میں نے ابو سلیمان سے کہا کہ مشکیزہ گم ہو گیا۔ اور پاس پانی نہیں ہے۔ یہ سخت سردی کا زمانہ نہ تھا۔ ابو سلیمان نے دعا کی۔ اور کہا۔

"اے خدا! جو گم شدہ چیزوں کو لوٹانے والا اور گمراہی سے ہدایت دینے والا ہے۔ ہماری مشکیزہ واپس دے دو۔"

دیکھتے ہیں کہ ایک شخص پکار رہا ہے کس کا مشکیزہ گم ہو گیا ہے؟ میں نے کہا۔ میرا۔ چنانچہ میں نے مشکیزہ لے لیا۔ ابھی ہم چل ہی رہے تھے۔ اور ہم نے شدت کی سردی کی وجہ سے پوستینیں پہن رکھی تھیں کہ ایک شخص دکھائی دیا۔ جس نے دو پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اور اس سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ ابو سلیمانؒ نے اس شخص سے کہا۔ آؤ، ہم اپنا کوئی کپڑا اتار کر تمہیں دیں۔ اس نے جواب دیا۔ اے ابو سلیمان! کیا تو مجھے زہد کا مشورہ دے رہا ہے اور خود سردی محسوس کر رہا ہے۔ میں اس جنگل میں تیس سال سے پھر رہا ہوں۔ مگر مجھے کبھی بھی لرزہ نہیں پیدا ہوا۔ اللہ تعالےٰ سردی کے موسم میں مجھے اپنی محبت کی گرمی، اور گرمی میں اپنی محبت کی ٹھنڈک عطا کرتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا۔

۹۸۔ خواص کی کرامت

میں نے انہی سے سُنا۔ کہ ابو بکر محمد بن علی مکریتی نے ان سے بیان کیا۔ کہ محمد بن علی الکتانی مکہ میں فرماتے تھے کہ میں نے خواص کو فرماتے سنا کہ ایک بار جنگل میں دوپہر کے وقت چل رہا تھا۔ ایک درخت کے پاس پہنچا۔ جس کے قریب پانی تھا۔ جب وہاں اُترا۔ تو ایک بہت بڑا شیر میری طرف آیا۔ (فاستسلمت) میں نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ جب شیر میرے قریب آیا۔ تو دیکھا کہ وہ لنگڑا رہا ہے وہ ہنہناتا ہوا میرے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ میری گود میں ڈال دیا۔ میں نے جو دیکھا تو اس ہاتھ میں ورم تھا۔ اور اس میں پیپ اور خون تھا۔ میں نے ایک لکڑی لے کر اس جگہ کو چیرا۔ جس میں پیپ تھی۔ اور پھر ہاتھ پر پٹی باندھ دی۔ اس کے بعد شیر چلا گیا۔ ایک گھنٹے کے بعد شیر آیا اور اس کے ساتھ دو بچے دُم ہلاتے ہوئے

آئے اور مجھے ایک روٹی لا کر دی۔

۹۹۔ محمد بن سماک کی کرامت

میں نے انہیں سے سُنا۔ کہ ان سے احمد بن علی السائح نے بیان کیا۔ کہ محمد بن عبداللہ بن مطرف نے کہا۔ کہ محمد بن الحسن العسقلانی نے ان سے بیان کیا۔ کہ احمد بن ابی الحواری فرماتے تھے کہ محمد بن سماک[۱۲۱۹] بیمار پڑ گئے اور ہم آپ کا قارورہ لے کر طبیب کے پاس گئے۔ طبیب عیسائی تھا۔ ابھی ہم حیرہ اور کوفہ کے درمیان تھے۔ کہ ہمیں ایک خوبرو آدمی خوشبو سے مہکتا ہوا اور صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے ملا۔ اس نے ہم سے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا۔ ہم فلاں طبیب کے پاس ابن سماک کا قارورہ دکھانے جا رہے ہیں۔ اس نے کہا، سبحان اللہ! تم لوگ ایک ولی اللہ کے لئے دشمن کی مدد چاہتے ہو۔ قارورہ کو زمین پر دے مارو۔ اور ابن سماک کے پاس واپس چلے جاؤ۔ اور ان سے کہو۔ کہ جہاں درد ہو رہا ہے۔ وہاں ہاتھ رکھ کر یہ آیت پڑھیں۔ " وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ "
(ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ اتارا ہے۔ اور حق کے ساتھ ہی یہ اترا ہے) اس کے بعد وہ شخص غائب ہو گیا۔ اور ہم نے اُسے نہیں دیکھا۔ ہم نے واپس آکر ابن سماک سے سارا واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے درد کے مقام پر ہاتھ رکھ کر وہی الفاظ پڑھے جو اس شخص نے بتلائے تھے۔ انہیں فوراً آرام آگیا۔ فرمایا۔ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

۱۰۰۔ بایزید بسطامی کی کرامت

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہ عبدالرحمٰن بن محمد فرماتے تھے کہ میں نے عُمّی البسطامی کو فرماتے سنا۔ کہ ہم ابویزید البسطامی کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ ہمارے ساتھ اٹھو۔ تاکہ ہم ایک اللہ کے ولی کا استقبال کریں۔ چنانچہ ہم آپ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، جب پھاٹک تک پہنچے۔ تو ابراہیم بن شیبہ[۱۲۲۰] ہروی آئے۔ ابویزیدؒ نے کہا۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ آپ کا استقبال کروں۔ ابراہیم بن شیبہ نے جواب میں کہا۔ اگر اللہ تعالےٰ تمام مخلوق کے بارے میں آپ کی سفارش قبول فرمالے۔ تب بھی یہ بڑی بات نہ ہوگی۔ یہ لوگ مٹی کے ٹکڑے ہیں۔ ابویزید ان کا جواب سن کر حیران رہ گئے۔

استاذؒ فرماتے ہیں۔ اس شفاعت کو معمولی سمجھنے میں ابراہیم کی کرامت ابویزید کی اس کرامت کے مقابلے

میں بڑی ہے۔ کیونکہ ان کو اس وقت فراست حاصل تھی۔ اور شفاعت کے لئے ایک بھی حالت پیدا ہو گئی تھی۔

۱۰۱۔ ذوالنون کی کرامت جوان کی توبہ کی وجہ بنی

میں نے شیخ ابو عبد الرحمن سلمی سے سنا۔ کہ ابو بکر الرازی فرماتے تھے کہ سالم مغربی نے ان سے پوچھا۔ کہ آپ کی توبہ کی کیا وجہ ہوئی۔ ذوالنون نے فرمایا۔ میں مصر سے نکل کر کسی بستی کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں سو گیا۔ پھر اٹھا اور آنکھیں کھولیں۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ اندھا چنڈول درخت پر سے گرا۔ اور زمین پھٹ گئی۔ اور اس میں سے دو آبخورے نکلے۔ ایک چاندی کا تھا۔ اور دوسرا سونے کا، ایک میں تل تھے اور دوسرے میں گلاب کا پانی، چنڈول نے ایک میں سے کچھ کھایا اور دوسرے میں سے پانی پیا۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا۔ میرے لئے اتنا کافی ہے اور میں اللہ کے دروازہ پر استقامت کے ساتھ بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ اس نے مجھے قبول کر لیا۔

۱۰۲۔ عبد الواحد بن زید کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ عبد الواحد بن زید کو فالج ہو گیا۔ نماز کا وقت آیا تو انہیں وضو کرنے کی ضرورت ہوئی۔ آپ نے آواز دی۔ "کوئی ہے" کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ کو وقت کے فوت ہو جانے کا ڈر ہوا۔ اور کہا۔ خدایا! میری مشکیں کھول دے۔ تاکہ میں وضو کر لوں۔ پھر جیسی تمہاری مرضی ہو کرنا۔ وہ فرماتے ہیں۔ وہ بالکل ٹھیک ہو گئے اور وضو کر کے اپنے بستر پہ چلے آئے۔ اور پھر اسی طرح ہو گئے۔

۱۰۳۔ ابو عبد اللہ دیلمی کی کرامت

ایوب[۱۲۲] جمال بیان کرتے ہیں کہ سفر میں عبد اللہ دیلمی جب کسی منزل پر اترتے تو گدھے کو پکڑ کر اس کے کان میں کہتے۔ میں تمہیں باندھنا چاہتا تھا۔ مگر اب نہیں باندھوں گا۔ اور تمہیں اس صحرا میں چھوڑتا ہوں کہ تو گھاس چرلے۔ جب ہم چلنے کا ارادہ کریں گے تو چلے آنا۔ چنانچہ جب کوچ کا وقت آتا تو گدھا بھی آ پہنچتا۔

۱۰۴۔ ابو عبد اللہ دیلمی کی ایک اور کرامت

کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ دیلمی نے اپنی بیٹی کی شادی کی انہیں جہیز کے لئے پیسوں کی ضرورت ہوئی۔ آپ کے پاس کپڑا تھا۔ جسے لے کر آپ نکلتے تو وہ ایک دینار کو بک جایا کرتا۔ چنانچہ اب بھی کپڑا لے کر نکلے تو دلال نے کہا کہ یہ تو ایک دینار سے زیادہ قیمت کا ہے۔ گاہک اس

کی قیمت بڑھاتے گئے۔ یہاں تک کہ اس کی قیمت ایک سو دینار تک پہنچ گئی۔ جسے بیچ کر آپ نے بیٹی کا جہیز تیار کیا۔

۱۰۵۔ نضر بن شمیل کی کرامت

نضر بن شمیل فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایک تہمد خریدا۔ مگر وہ چھوٹا نکلا۔ میں نے اللہ تعالےٰ سے درخواست کی کہ اسے ایک ہاتھ اور لمبا کر دے۔ وہ ہو گیا۔ نضر فرماتے ہیں کہ اگر میں کہتا تو اور لمبا ہو جاتا۔

۱۰۶۔ عامر بن عبد قیس کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ عامر بن عبد قیس نے اللہ سے درخواست کی۔ کہ ان کے دل سے عورت کی خواہش نکل جائے۔ تو ان کی یہ حالت ہو گئی کہ انہیں ان کی پرواہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ پھر درخواست کی کہ نماز میں شیطان کو اس کے دل سے روک دیا جائے۔ لیکن اللہ نے یہ بات نہیں مانی۔

۱۰۷۔ بشر کے گھر میں خضر

بشر بن حارث فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں داخل ہوا۔ تو وہاں ایک شخص کو پایا۔ میں نے کہا تو کون ہے کہ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں گھس آیا ہے۔؟ اس نے جواب دیا۔ میں تمہارا بھائی خضر ہوں۔ میں نے عرض کی۔ میرے حق میں دعا کریں۔ انہوں نے کہا۔ خدا اپنی اطاعت تمہارے لئے آسان کر دے۔ میں نے کہا اور دعا کریں۔ انہوں نے کہا۔ خدا اس اطاعت گذاری پر پردہ بھی ڈال دے۔

۱۰۸۔ ابراہیم خواص کی کرامت

ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ ایک بار میں مکہ جا رہا تھا کہ راستہ میں رات کے وقت ایک ویرانے میں چلا گیا۔ دیکھا تو وہاں ایک بڑا شیر تھا۔ میں ڈر گیا۔ تو غیب سے آواز آئی۔ ثابت قدم رہو تمہارے گرد ستر ہزار فرشتے تمہاری حفاظت کے لئے موجود ہیں۔

۱۰۹۔ نوری کی کرامت

ہم سے محمد بن الحسین کہا۔ کہ ابوالفرج الورثانی نے ان سے بیان کیا۔ کہ ابوالحسین[۲۲۳] علی بن محمد الصوفی نے کہا۔ کہ جعفر الدیلی فرماتے تھے کہ نوری پانی میں گھسے۔ تو ایک چور آ کر ان کے کپڑے لے گیا۔ اس کے بعد پھر آیا تو اس کے پاس وہ کپڑے تھے اور اس کا ہاتھ سوکھ گیا تھا۔ نوری نے کہا۔ خدایا! میرے کپڑے مجھے واپس مل گئے ہیں۔ لہذا اس کا ہاتھ بھی اسے واپس دے دے۔ چنانچہ وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔

۱۱۰۔ شبلی کی کرامت

شبلیؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے عہد کر لیا۔ کہ میں صرف حلال کی چیز کھاؤں گا۔ میں جنگلوں میں گھوما کرتا۔ وہاں میں نے ایک انجیر کا درخت دیکھا۔ اور کھانے کے لئے میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ درخت سے آواز آئی اپنے عہد پہ کاربند رہو۔ مجھے نہ کھاؤ۔ میں ایک یہودی کی ملکیت ہوں۔

۱۱۱۔ ابو عبد اللہ بن حنیف کی کرامت

عبداللہ بن خنیف فرماتے ہیں۔ کہ حج کو جاتے ہوئے میں بغداد پہنچا۔ میرے سر میں صوفیاء کی نخوت تھی۔ اور چالیس دن سے میں نے روٹی نہیں کھائی تھی۔ میں جنیدؒ کی زیارت کے لئے بھی نہ گیا۔ میں بغداد سے نکل آیا۔ اور زبالہ تک میں نے پانی نہ پیا۔ اور ابھی تک میرا وضو بھی قائم تھا۔ پھر میں نے ایک کنویں پر ایک ہرن کو پانی پیتے دیکھا۔ میں خود بھی پیاسا تھا۔ جب کنویں کے قریب پہنچا تو ہرن بھاگ گیا۔ دیکھا تو پانی کنویں کی تہ میں تھا۔ لہذا میں چل پڑا اور کہا۔

"اے مالک! اس ہرن جیسا بھی میرا مقام نہیں ہے۔" اس پر میری پشت پر سے آواز آئی۔ ہم نے تجھے آزمایا تھا۔ مگر تو نے صبر نہیں کیا۔ جا، جا کر پانی پی لے۔ واپس آیا تو دیکھا کہ کنواں پانی سے لبریز تھا۔ چنانچہ میں نے اپنا چھاگل بھر لیا۔ جس میں سے میں پیتا رہا۔ اور وضو بھی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گیا۔ اور پانی ختم نہ ہوا۔ جب میں نے کنویں میں سے پانی باہر نکالا تھا۔ تو میں نے ایک ہاتف کو کہتے سنا۔ کہ ہرن تو بغیر چھاگل کے اور بغیر رسی کے آیا تھا اور تو چھاگل اور رسی لے کر آیا ہے۔ پھر جب میں حج کر کے واپس آیا۔ تو جامع مسجد میں گیا۔ جب جنیدؒ کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ تو فرمایا۔

اگر ایک گھنٹہ اور صبر کر لیتا۔ تو تمہارے پاؤں کے نیچے سے پانی پھوٹ کر نکل آتا۔

۱۱۲۔ ایک بدوی کی کرامت

میں نے حمزۃ بن یوسف السہمی جرجانی سے سنا۔ کہ ابو احمد بن عدی[۱۳۲۴] الحافظ نے ان سے کہا۔ کہ احمد بن حمزۃ نے مصر میں مجھ سے کہا۔ کہ عبدالوہاب[۱۳۲۵] (جو صالحین میں سے تھے) فرماتے تھے۔ کہ محمد بن سعید[۱۳۲۶] بصری بیان کرتے ہیں۔ کہ جب بصرہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا۔ تو میں نے ایک بدوی کو ایک اونٹ

لے جاتے دیکھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا، تو اونٹ گر کر مر گیا۔ اور پالان اور پالان کی لکڑیاں بھی گر پڑیں۔ میں چل
کر وہاں پہنچا۔ تو بدوی یہ الفاظ کہہ رہا تھا۔

اے خدا! جو ہر قسم کا سبب پیدا کرنے والا ہے۔ اور ہر طالب کی آرزو برلانے والا ہے۔ میرا
اونٹ مجھے واپس دے دے۔ تاکہ وہ پالان کو اٹھائے۔

یکایک اونٹ اٹھ کر کھڑا ہوا اور پالان اس کے اوپر پڑا تھا۔

۱۱۱۳۔ شبل مروزی کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ شبل مروزی کو ایک روز گوشت کھانے کی خواہش ہوئی۔ آپ نے آدھے درہم کا گوشت
خریدا۔ راستہ میں ایک چیل آئی اور جھپٹ کر لے گئی۔ شبل نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں چلے گئے۔ جب
گھر واپس پہنچے۔ تو ان کی بیوی نے انہیں گوشت پیش کیا۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کہاں سے آیا؟ بیوی نے کہا۔
دو چیلیں آپس میں جھگڑ پڑیں تھیں۔ اور یہ گوشت ان سے گر پڑا تھا۔ یہ قصہ سن کر شبل نے کہا۔

سب تعریف اس خدا کی ہے۔ جو شبل کو نہیں بھولتا۔ اگرچہ شبل اسے اکثر بھول جاتا ہے۔

۱۱۱۴۔ ابو عبید بسری کی کرامت

ہم سے محمد بن عبد اللہ الصوفی نے بیان کیا۔ کہ ان سے عبد الواحد بن بکر الورثانی نے کہا۔ کہ محمد بن داؤد[۱۳۲۶]
نے ان سے بیان کیا۔ کہ ابوبکر بن معمر فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابن ابی عبید بسری کو اپنے باپ ابو عبید بسری
سے روایت کرتے ہوئے سنا۔ کہ ایک سال وہ جہاد کے لئے گئے تو راستہ میں گھوڑی جس پر وہ سوار
تھے۔ مر گئی۔ ابھی وہ فوج کے دستہ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا،

خدایا! یہ گھوڑی عاریتہً دے دے۔ یہاں تک کہ بسری واپس پہنچ جائیں۔ یکایک گھوڑی
اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب جنگ کر کے واپس بسری پہنچے۔ تو بیٹے کو کہا۔ کہ گھوڑی پر سے زین اتار
لو۔ میں نے عرض کیا۔ کہ اسے پسینہ آیا ہوا ہے اگر زین اتار دوں۔ تو اسے ہوا لگ جائے گی۔
ابو عبید نے کہا۔ کہ یہ تو عاریتہً لی ہوئی ہے۔ بیٹا کہتا ہے کہ میرا زین کا اتارنا تھا کہ گھوڑی گری اور
مر گئی۔

۱۱۱۵۔ ایک عورت کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ ایک کفن چور تھا کہ ایک عورت مر گئی۔ لوگوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور کفن چور نے

بھی اس کی نماز جنازہ اس خیال سے پڑھی کہ اس کی قبر معلوم ہو جائے۔ جب رات تاریک ہو گئی تو اس نے اس کی قبر کھود دی۔ تو عورت بولی۔

سبحان اللہ! ایک ایسا شخص جسے اللہ نے بخش دیا ہے ایک ایسی عورت کا کفن لے رہا ہے جسے اللہ نے بخش دیا ہے۔

کفن چور نے کہا۔ فرض کر لیا۔ کہ اللہ نے تجھے بخش دیا ہے لیکن میں کہاں کا بخشا ہوا ہوں۔

عورت نے جواب دیا۔ اللہ تعالٰی نے مجھے بھی اور ان تمام لوگوں کو جنہوں نے میری نمازِ جنازہ پڑھی ہے بخش دیا ہے اور میری نمازِ جنازہ پڑھنے والوں میں سے تو بھی ایک شخص ہے۔

چور کہتا ہے۔ کہ میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ اور دوبارہ اس پر مٹی ڈال دی۔ اس کے بعد اس نے توبہ کی۔ اور توبہ پر قائم رہا۔

۱۱۶۔ ذوالنون مصری کی کرامت

میں نے حمزہ بن یوسف سے کہا۔ کہ ابوالحسن اسمٰعیل بن عمرو بن کامل نے مصر میں ان سے کہا۔ کہ ابو محمد نعمان بن موسٰی حیری حیرہ میں فرماتے تھے کہ دو شخص لڑ پڑے۔ ایک سرکاری آدمی تھا۔ اور دوسرا عام رعایا میں سے، عامی نے حملہ کر کے سرکاری آدمی کا اگلا دانت توڑ دیا۔ سپاہی اس آدمی سے چمٹ گیا اور کہا کہ اب تو حاکم کے پاس ہی اس کا فیصلہ ہو گا۔ راستہ میں ذوالنونؒ کے پاس سے ان کا گذر ہوا۔ لوگوں نے کہا۔ شیخ کے پاس سے ہو لو۔ چنانچہ وہ ان کے پاس گئے اور قصہ سنایا۔ آپ نے وہ دانت لیا اور اپنا لب لگایا۔ اور منہ میں جس جگہ کا وہ دانت تھا وہاں رکھ دیا۔ اس نے اپنے ہونٹ ہلاتے تو دانت نے اپنی جگہ پکڑ لی۔ وہ آدمی اپنے دانتوں کو تلاش کرتا رہ گیا۔ مگر اسے سب کے سب یکساں دکھائی دئے۔

۱۱۷۔ ایک شخص کی کرامت

ہم سے ابو الحسین محمد بن قطان نے بغداد میں کہا۔ کہ ان سے ابو علی اسمٰعیل بن محمد بن اسمٰعیل صفار نے کہا۔ کہ حسن بن عرفہ[۱۲۲۸] بن یزید نے ان سے بیان کیا کہ عبداللہ بن ادریس[۱۲۲۹] الاودی نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے کہا۔ کہ ابو سبرۃ[۱۲۳۰] النخعی فرماتے تھے کہ ایک شخص یمن سے چلا۔ ابھی راستہ میں ہی تھا کہ اس کا گدھا مر گیا۔ پھر اس نے وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر کہا۔ الٰہی میں تیری

خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جہاد کرنے آیا تھا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو مردوں کو زندہ کرے گا اور مردوں کو قبروں سے اٹھائے گا۔ آج مجھ پر کسی کا احسان نہ سہنے دے۔ میں تجھ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ تو میرے گدھے کو زندہ کر دے۔ گدھا اسی وقت کان جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

۱۱۸۔ ابوبکر ہمدانی کرامت

میں نے حمزہ بن یوسف سے سنا کہ انہوں نے ابوبکر النابلسی سے سنا کہ ابوبکر الہمدانی فرماتے تھے کہ میں کئی دن تک حجاز کے جنگل میں رہا۔ ان دنوں میں نے کچھ نہ کھایا۔ پھر مجھے گرم پھلیوں اور باب طاق کی روٹی کی خواہش ہوئی۔ پھر میں نے کہا۔ کہ میں تو جنگل میں ہوں اور میرے اور عراق کے درمیان بڑی مسافت ہے۔

لہٰذا مجھے یہ چیزیں کیسے میسر آسکتی ہیں۔ ابھی میں خیال ہی کر رہا تھا کہ دور سے ایک بدوی پکار رہا تھا۔ گرم پھلیاں اور روٹی۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کہا۔ کیا تمہارے پاس گرم پھلیاں اور روٹی ہے ؟۔ اس نے جواب دیا۔ ہاں اور اس نے ایک چادر جو اس کے اوپر تھی۔ کھولی اور روٹی اور پھلیاں نکالیں اور کہا۔ کھاؤ۔ اور میں نے کھائیں۔ اس نے پھر کہا۔ کھاؤ۔ میں نے کھالیں۔ اس نے پھر کہا کھاؤ۔ اور میں نے کھالیں۔ جب اس نے چوتھی بار کہا۔ تو میں نے کہا تمہیں اس خدا کی قسم ہے۔ جس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔ یہ تو بتا دو۔ کہ تم کون ہو۔ اس نے کہا۔ خضر ہوں۔ اور وہ غائب ہو گئے اور میں نے پھر ان کو نہیں دیکھا۔

۱۱۹۔ ابوجعفر حداد کی کرامت

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ کہ ابوالعباس بن الخشاب بغدادی نے کہا کہ محمد بن عبداللہ فرغانی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ابوجعفر حداد کو فرماتے سنا۔ کہ میں ثعلبیہ آیا۔ جب یہ ویران ہو چکا تھا۔ اور سات دنوں سے میں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ پھر قبہ میں داخل ہوا۔ کچھ خراسانی لوگ آئے۔ اور چونکہ تھکے ہوئے تھے۔ اس لئے قبہ کے دروازہ پر ہی لیٹ گئے۔ ایک بدوی جانور پر سوار ہو کر آیا اور اس نے ان کے سامنے کھجوریں ڈال دیں۔ انہوں نے کھانا شروع کیا۔ انہوں نے نہ مجھے کچھ کہا۔ اور نہ ہی بدوی نے مجھے دیکھا۔ ایک گھنٹے کے بعد وہی بدوی پھر آیا اور کہا۔ کیا تمہارے ساتھ کوئی اور

بھی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ قبہ کے اندر ایک شخص ہے۔ چنانچہ بدوی اندر آیا اور کہا تو کیسا انسان ہے؟ تو بولا کیوں نہیں؟ میں جب یہاں سے چلا گیا۔ تو ایک شخص نے مجھے راستہ میں روکا۔ کہ تو ایک شخص کو چھوڑ آیا جسے تو نے کھانے کو کھجوریں نہیں دیں۔ اب میرے آگے جانا بھی ممکن نہ تھا۔ اور راستہ بھی لمبا تھا۔ کیونکہ میں کئی میلوں سے لوٹ کر آیا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے میرے سامنے بہت سی کھجوریں ڈال دیں اور چلا گیا۔ میں نے ان لوگوں کو بلایا اور ہم سب نے کھجوریں کھائیں۔

۱۲۰۔ احمد بن عطاء کی کرامت

میں نے حمزہ بن یوسف سے سنا۔ کہ ابو طاہر رقی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے احمد بن عطاء کو فرماتے سنا مکہ کے راستہ میں ایک اونٹ نے مجھ سے کلام کیا۔ میں نے کچھ اونٹ دیکھے۔ جن کے اوپر محمل پڑے تھے۔ اور انہوں نے اپنی گردنیں رات میں لمبی کر رکھی تھیں۔ اس پر میں نے کہا۔ پاک ہے وہ خدا، جو ان سے اس بوجھ کو اتارتا ہے۔ جو ان پر ہے۔ اس پر ایک اونٹ نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور کہا۔ کہو۔ جل اللہ (اللہ بہت بزرگ ہے) میں نے کہا۔ جل اللہ۔

۱۲۱۔ ابو زرعہ جلبی کی کرامت

میں نے محمد بن عبد اللہ صوفی سے سنا۔ کہ حسن بن[۱۳۳۵] احمد الفارسی نے ان سے کہا۔ رقی نے ان سے کہا کہ ابو بکر بن[۱۳۳۶] معمر فرماتے تھے کہ میں نے ابو زرعہ[۱۳۳۷] جلبی کو فرماتے سنا کہ ایک عورت نے مجھ سے فریب کیا اور کہا کہ گھر میں آ کر ذرا مریض کی خبر لے لیں۔ اندر آ کر اس نے دروازے بند کر دئے۔ مگر میں نے گھر میں کسی کو نہ دیکھا۔ میں بات کو بھانپ گیا اور کہا۔ خدایا! اس عورت کو کالا کر دو۔ وہ کالی ہو گئی۔ اور حیران رہ گئی۔ لہٰذا اس نے دروازہ کھول دیا اور میں نکل آیا۔ میں نے پھر کہا۔ خدایا۔ اس کی پہلی حالت کر دو۔ چنانچہ وہ ویسی ہو گئی۔

۱۲۱۔ معروف کرخی کی کرامت

میں نے حمزہ بن یوسف سے سنا۔ کہ ابو محمد[۱۳۳۸] العطریفی نے ان سے کہا کہ السراج نے کہا کہ ابو سلیمان رومی فرماتے تھے کہ میں نے خلیل صیاد کو فرماتے سنا کہ میرا بیٹا محمد گم ہو گیا۔ اور ہمیں اس کا بہت سخت غم ہوا۔ چنانچہ میں معروف کرخی کے پاس گیا اور عرض کیا۔ اے ابو محفوظ! میرا بیٹا گم ہو گیا ہے اور اس کی ماں کو اس کا بہت غم ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا چاہتے ہو۔ میں نے عرض

کی۔ دعا کیجئے۔ کہ اللہ تعالیٰ اسے واپس لے آئے۔ انہوں نے دعا کی اَللّٰھُمَّ اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَرْضُكَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَكَ اِيْتِ بِمُحَمَّدٍ۔ (خدایا! آسمان اور زمین دونوں تمہارے ہیں اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے وہ بھی تیرا ہے۔ محمدؐ کو لے آ)

خلیل کہتا ہے کہ میں باب الشام پہنچا۔ تو بیٹا وہاں کھڑا تھا۔ میں نے اس کا نام لے کر پکارا۔ تو اس نے کہا، ہاں ابا جی۔ میں ابھی انبار میں تھا۔

استاد فرماتے ہیں کہ کرامات کے متعلق حکایات بیشمار ہیں۔ اگر ہم اور حکایات بیان کریں۔ تو ہم اپنے مقصود سے باہر نکل جائیں گے۔ جتنی حکایات ذکر کر دیں کافی ہیں۔

باب (۶)

اولیاء اللہ کے خواب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔

(دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی ان لوگوں کے لئے بشارت ہے۔)

کہتے ہیں کہ اس آیت میں بشریٰ سے مراد اچھی خواب ہے جسے آدمی دیکھتا ہے۔ یا اسے دکھائی جاتی ہے۔

ہم سے ابوالحسن الاہوازی نے کہا کہ ان سے احمد بن عبید بصری نے کہا۔ کہ اسحٰق بن ابراہیم[۱۳۴۰] منقری نے کہا۔ کہ منصور بن ابی مزاحم[۱۳۴۱] نے ان سے کہا۔ کہ ابوبکر بن عیاش نے عاصم اور انہوں نے ابوصالح[۱۳۴۲] سے روایت کی۔ کہ ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تم سے پہلے کسی نے مجھ سے یہ سوال نہیں، اور پھر

فرمایا۔ کہ بشریٰ سے مراد نیک خواب ہے۔ جسے آدمی دیکھے۔ یا اسے دکھائی جائے۔

ہم سے سید ابوالحسن محمد بن الحسین علوی نے بتایا۔ کہ ابو علی الحسن بن محمد بن زید نے کہا۔ کہ علی بن الحسین[۱۳۴۳] نے ان سے کہا۔ کہ عبد اللہ[۱۳۴۴] بن ابو لید نے سفیان سے اور انہوں نے یحییٰ بن سعید سے اور انہوں نے ابو سلمہ سے روایت کی۔ کہ ابو قتادہ[۱۳۴۵] فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"نیک خواب اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور بری خواب شیطان کی طرف سے۔" جب تم میں سے کوئی شخص بُری خواب دیکھے۔ تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنی بائیں جانب تھتکارے اور اعوذ باللہ پڑھے۔ اس طرح یہ خواب اسے ضرر نہیں پہنچا سکے گی۔

ہم سے ابوبکر محمد بن احمد بن عبدوس مزکی نے کہا۔ کہ ابو احمد حمزہ[۱۳۴۶] بن العباس بزاز نے ان سے کہا۔ کہ عیاش بن محمد بن حاتم نے ان سے کہا۔ کہ عبید اللہ[۱۳۴۷] بن موسیٰ نے کہا کہ اسرائیل نے ابو اسحٰق[۱۳۴۹] سے روایت کی کہ ابو الاحوص[۱۳۵۰] اور ابو عبیدہ[۱۳۵۱] نے کہا۔ کہ ابو عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جس نے مجھے خواب میں دیکھا۔ اس نے مجھے ہی دیکھا ہے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

حدیث کے معنی یہ ہیں۔ کہ یہ ایک سچی خواب ہے۔ اور اس کی تاویل بھی سچ ہے۔ اور یہ کہ خواب بھی ایک قسم کی کرامت ہوتی ہے۔

خواب کی حقیقت

خواب کی حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ وہ خیالات ہوتے ہیں۔ جو دل پر وارد ہوتے ہیں اور حالات ہوتے ہیں۔ جن کا تصور وہم میں اس وقت آتا ہے۔ جب نیند تمام شعور پر غالب نہ آچکی ہو۔ چنانچہ بیدار ہونے پر انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یہ ایک حقیقی خواب تھا۔ حالانکہ یہ صرف تصور اور خیالات ہوتے ہیں۔ جو دلوں میں قرار پا جاتے ہیں اور جب ظاہری احساس زائل ہو جاتا ہے۔ تو یہ اوہام ان امور سے جو حواس خمسہ کے ذریعے سے یا بدیہی طور پر معلوم ہوتے ہیں۔ جدا ہو جاتے ہیں اور یہ حالت خواب دیکھنے والے کے لئے قوی ہو جاتی ہے اور بیدار ہونے پر یہ حالات جن کا تصور وہ ان حالات کے مقابلہ میں کرتا ہے۔ جن کا مشاہدہ کے ذریعے سے اسے احساس ہوتا ہے یا وہ امور جو اسے بدیہی طور پر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی سخت تاریکی کے وقت چراغ کی روشنی حاصل کر رہا ہو۔ مگر جب سورج نکل آئے۔

تو وہ چراغ کی روشنی پر غالب آجاتا ہے تو چراغ کی روشنی سورج کی روشنی کے مقابلہ میں مدھم پڑجاتی ہے۔ لہٰذا نیند کی حالت کی مثال اس شخص کی ہے۔ جس کے لیے دن کافی چڑھ چکا ہو۔ اس لئے کہ بیدار انسان امور کو یاد کرلیتا ہے جو اُسے نیند کی حالت میں دکھائی دیتے ہیں۔

خواب کی قسمیں

مزید برآں یہ باتیں اور یہ خیالات جو نیند کی حالت میں انسان کے دل پر وارد ہوتے ہیں۔ کبھی تو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور کبھی انسان کے اپنے ہی دل کی باتیں ہوتی ہیں۔ کبھی فرشتہ کی طرف سے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی اللہ تعالےٰ اپنی طرف سے ان حالات کو اس کے دل میں پیدا کرکے کچھ امور کی معرفت عطا کر دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

اَصْدَقُکُمْ رُؤْیَاکُمْ اَصْدَقُکُمْ حَدِیْثاً۔

تم میں سے سب سے سچی خواب اس شخص کی ہوگی، جو تم میں سے زیادہ سچ بولنے والا ہوگا۔

نیند کی قسمیں

یاد رکھیں کہ نیند کی کئی قسمیں ہیں (۱) غفلت کی نیند (۲) عادت کی نیند۔ اور یہ عادت کی نیند ناپسند کی جاتی ہے۔ بلکہ یہ مذموم سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ موت کی بہن ہے۔

ایک حدیث میں مروی ہے اَلنَّوْمُ اخ الموت۔ "نیند موت کی بہن ہے۔"

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِاللَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ (خدا وہ ہے جو رات کے وقت تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن کو کرتے ہو۔ اسے جانتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نیز فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا (اللہ نفسوں کو قبض کر لیتا ہے۔ موت کے وقت نیز ان نفسوں کو، جو مری نہیں ہوتیں۔ بلکہ نیند میں ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر نیند میں بھلائی ہوتی۔ تو یہ جنت میں بھی ہوتی۔

کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں حضرت آدم پر نیند ڈال دی تو ان میں سے حوّا کو نکالا۔ اور ہر قسم کی مصیبت جو ان پر آئی۔ حوّا کے آنے سے آئی۔

میں نے استاد ابو علی دقاق رحؒ کو فرماتے سنا۔ کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل سے

کہا۔ یَا بُنَیَّ اِنِّی اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ تو انہوں نے فرمایا، اَبّا جان! یہ اس شخص کی سزا ہے جو اپنے محبوب سے (غافل ہو کر) سو جاتے۔ اگر آپ نہ سوتے تو آپ کو ذبح کرنے کا حکم بھی نہ دیا جاتا۔

کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرے۔ جھوٹا ہے۔ کیونکہ جب رات آتی ہے تو وہ مجھ سے (غافل ہو کر) سو جاتا ہے۔

اور نیند علم کی ضد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شبلیؒ فرماتے ہیں۔

ایک ہزار سال کے اندر ایک بار بھی اونگھنا رسوائی کا سبب ہے۔ شبلیؒ نیز فرماتے ہیں اللہ تعالےٰ نے مخلوق کو جھانک کر دیکھا۔ تو فرمایا۔ جو سو گیا وہ غافل ہو گیا۔ اور جو غافل ہو گیا وہ پردے میں آ گیا۔

اس واقعہ کے بعد شبلیؒ آنکھوں میں نمک کا سرمہ لگاتے تھے تاکہ انہیں نیند نہ آئے۔ سلسلہ میں یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔

عَجَبٌ لِلْمُحِبِّ كَيْفَ يَنَامُ   كُلُّ نَوْمٍ عَلَى الْمُحِبِّ حَرَامُ

تعجب ہے کہ عاشق کیسے سو جاتا ہے، عاشق پر ہر قسم کی نیند حرام ہے۔

کہتے کہ مرید کا کھانا فاقہ کے وقت ہوتا ہے۔ نیند غلبہ کے وقت اور کلام ضرورت کے وقت۔

کہتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام بارگاہِ ربّ العزۃ میں سو گئے تو انہیں کہا گیا کہ یہ حوا ہیں۔ تم تمہیں اس کے پاس جا کر سکون حاصل ہو۔ یہ اس شخص کی سزا ہے۔ جو ہماری بارگاہ میں آکر سو جائے کہا جاتا ہے کہ اگر تو بارگاہ رب العزۃ میں حاضر ہے تو تُو سو نہیں۔ اس لئے کہ یہاں سونا بے ادبی ہے اور اگر تو (اس بارگاہ سے) غائب ہے تو تُو اہل حسرت سے ہے اور مصیبت والوں میں سے۔ اور جو شخص مصیبت میں مبتلا ہو اُسے نیند نہیں آتی۔

اہل مجاہدہ کی نیند

اب رہے اہل مجاہدہ تو ان کے لئے نیند اللہ کی طرف سے صدقہ کے طور پر ہوتی ہے۔ اور جب کوئی بندہ سو جائے تو اللہ تعالےٰ اس پر فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ میرے بندے کی طرف دیکھو۔ اس کی روح تو میرے پاس ہے اور اس کا جسم بھی میرے سامنے ہے۔

استاد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی روح مقامِ مناجات میں ہے۔ اور اس کا جسم عبادت کی بساط پر۔

کہتے ہیں کہ جو شخص باوضو ہوتا ہے۔ اس کی روح کو عرش کا طواف کرنے کی اجازت دی جاتی ہے نیز اس کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کو سجدہ کرے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا۔ ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے آرام کا سبب بنایا۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سُنا کہ ایک شخص نے ایک شیخ کے پاس آکر عرض کی کہ مجھے بہت نیند آتی ہے تو آپ نے فرمایا۔ جا، جاکر اللہ کا شکر ادا کر۔ کہ اس نے تمہیں صحت دی ہے کیونکہ کئی ایک مریض اس بات کی خواہش کرتے ہیں کہ ان کی ایک بار آنکھ لگ جائے۔

کہتے ہیں کہ ابلیس کو معصیت کار آدمی کی نیند سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ سخت نظر نہیں آتی۔ وہ یہی کہتا رہتا ہے کہ کب بیدار ہوگا اور اٹھ کر خدا کی کب نافرمانی کرے گا۔

کہتے ہیں۔ کہ معصیت کار کی بہترین حالت یہی ہوتی ہے کہ وہ سو جائے۔ کیونکہ اگر وہ وقت اس کے حق میں نہیں ہوگا تو اس کے خلاف بھی تو نہیں ہوگا۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ شاہ کرمانی نے بیداری کی عادت ڈالی۔ ایک بار ان پر نیند غالب آگئی تو خواب میں انہوں نے حق سُبحانہ کو دیکھا۔ اس کے بعد وہ سونے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ کسی نے ان سے اس کے متعلق کہا تو فرمایا۔

رَأَیْتُ سُرُوْرَ قَلْبِیْ فِیْ مَنَامِیْ فَاَحْبَبْتُ التَّنَعُّسَ وَالْمَنَامَا۔

(میں نے خواب میں اپنے دل کا سرور دیکھا تو مجھے نیند اور اُونگھ پسند آگئی۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص کے دو شاگرد تھے۔ ان دونوں کا آپس میں اختلاف ہوگیا۔ ایک نے کہا۔ نیند بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس حالت میں انسان اللہ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ اور دوسرے نے کہا۔ کہ بیداری بہتر ہے کیونکہ اس حالت میں وہ اللہ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ وہ دونوں فیصلہ کے لئے اس شیخ کے پاس آئے۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ جس نے نیند کو فضیلت دی ہے۔ اس کے لئے موت زندگی سے بہتر ہے اور جس نے بیداری کو نیند پر فضیلت دی ہے۔ اس کے لئے زندگی موت سے بہتر ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک لونڈی خریدی۔ جب رات ہوئی۔ تو اس نے اس سے کہا۔ کہ بستر

بچھادو۔ لونڈی نے کہا۔ آقا! کیا آپ کا کوئی آقا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ اس نے پھر کہا سوتا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ لونڈی نے کہا۔ کیا تجھے شرم نہیں آتی۔ کہ تو تو سوجا تمہارا آقا نہ سویا ہو۔

کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر کی ایک چھوٹی سی لڑکی تھی۔ اس نے باپ سے کہا۔ کہ آپ کیوں سوتے؟ تو انہوں نے فرمایا۔ جہنم مجھے سونے نہیں دیتا۔

کہتے ہیں کہ مالک بن دینار کی بیٹی نے ان سے کہا۔ آپ کیوں نہیں سوتے تو فرمایا مجھے کہ کہیں کوئی چھاپہ نہ مار دے۔

کہتے ہیں کہ جب ربیع بن خیثم فوت ہوئے۔ تو ان کے پڑوسی کی لڑکی نے اپنے باپ کہا۔ کہ ابا جان! جو ستون ہمارے پڑوسی کے گھر میں تھا وہ کہاں چلا گیا۔ تو اس نے کہا۔ وہ تو نیک ہمسایہ تھا۔ جو رات بھر عبادت میں کھڑا رہتا۔ بچی کو یہی خیال ہوا کہ وہ ستون ہے کیونکہ وہ کے وقت ہی چھت پر چڑھا کرتی تھی اور اُسے کھڑا دیکھتی تھی۔

نیند کے فضائل بعض لوگ کہتے ہیں کہ نیند میں چند خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ جو بیدا نہیں پائی جاتیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ نیند میں محمد صلی اللہ علیہ صحابہ اور سلف صالحین کا دیدار ہوتا ہے۔ اور بیداری میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح حق تعالٰے کا د خواب میں ہو سکتا ہے اور یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔

ابوبکر آجری کا خواب کہتے ہیں۔ کہ ابوبکر آجری نے حق سبحانہٗ کو خواب میں دیکھا حق سبحانہٗ نے فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو انہوں نے کی۔ کہ الٰہی! امت محمدیہ کے تمام عاصیوں کو معاف کر دے۔ اللہ تعالٰے نے جواب دیا۔ یہ تو درخواست کے بغیر میں کرنے والا ہوں۔ کوئی اپنی حاجت مانگ۔

کتانی کا خواب کتانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپؐ نے فرمایا۔ جو شخص لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو اندرونی حقیقی حالات کے خلاف ظاہر کرے۔ خدا اُسے رُسوا کر دیتا ہے۔

کتانی کا ایک اور خواب نیز کتانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو

میں دیکھا۔ تو میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرا دل مردہ نہ کرے۔ آپ نے فرمایا۔ ہر روز یہ دعا چالیس بار پڑھا کرو۔ (یاحیّ یا قیوم لا إلٰہ إلّا أنت) اللہ تعالیٰ تمہارا دل زندہ کردیں گے۔

امام حسنؓ بن علیؓ کا خواب

امام حسنؓ بن علیؓ نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو خواب میں دیکھا۔ اور عرض کی کہ میں انگوٹھی بنوانا چاہتا ہوں۔ لہٰذا میں اس پر کیا نقش کندہ کراؤں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا۔ انگوٹھی پر یہ حروف کندہ کرا (لا إلٰہ الا اللہ الملک الحق المبین)
اس لئے کہ انجیل کے خاتمہ کے یہی الفاظ ہیں۔

ابو یزید کا خواب

روایت ہے۔ کہ ابو یزیدؒ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ تو عرض کی۔ خدایا! تمہاری طرف آنے کا کون سا راستہ ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ نفس کو ترک کر دو۔ اور چلے آؤ۔

احمد بن خضرویہ کا خواب

کہتے ہیں۔ کہ احمد بن خضرویہ نے اپنے رب کا خواب میں دیکھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے احمد! ہر شخص مجھ سے (کوئی چیز) طلب کرتا ہے مگر ابو یزید مجھ سے مجھ ہی کو طلب کرتا ہے۔

یحییٰ بن سعید قطان کا خواب

یحییٰ بن سعید قطان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کی۔ الٰہی میں کب تک تمہیں پکارتا رہوں گا اور تو میری دعا قبول نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ میں تمہاری آواز سننا چاہتا ہوں۔

بشر بن حارث کا خواب

بشر بن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کی۔ یا امیر المومنین، مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا۔
مالداروں کا ثواب کی خاطر فقیروں کی طرف جھکنا کیا ہی عمدہ ہے۔ مگر اس سے اچھی بات یہ ہے کہ فقیر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے مالداروں پر اکڑے۔

میں نے عرض کی امیرالمومنین! اور فرمایئے۔ تو فرمایا۔ تو مردہ تھا۔ پھر زندہ ہوگیا اور تھوڑے عرصہ کے بعد مردہ ہو جائے گا۔ دنیائے فانی میں گھر کا قائم رہنا ناممکن ہے۔ لہٰذا دارالبقاء میں اپنا گھر بنا۔

سفیان ثوری کا خواب

کہتے ہیں کہ کسی نے سفیان ثوری کو خواب میں دیکھا۔ تو پوچھا اللہ تعالےٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے مجھ پر رحم کیا۔ پھر سوال کیا۔ کہ عبد اللہ بن مبارک کا کیا حال ہے؟ جواب دیا۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو بارگاہ رب العزۃ میں روزانہ دو بار جاتے ہیں۔

ابوسہل صعلوکی کی خواب

میں نے استاد ابوعلی وقاق کو فرماتے سنا۔ کہ استاد ابوسہل صعلوکی نے ابوسہل زجاجی کو خواب میں دیکھا۔ ابوسہل زجاجی وعید ابدی کے قائل تھے۔ صعلوکی نے زجاجی سے پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے تم سے کیا کیا۔ تو زجاجی نے کہا کہ یہاں تو معاملہ ہمارے گمان کے مقابلہ میں بہت آسان نکلا۔

حسن بن عاصم شیبانی کی خواب

کسی نے حسن بن عاصم شیبانی کو خواب میں دیکھا۔ تو پوچھا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے تم سے کیا کیا فرمایا۔ " از کریماں، ہیچ نا ید جز کرم "
کریم سے سوائے کرم کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

کسی صوفی کی خواب

کسی صوفی نے کسی صوفی کو خواب میں دیکھا۔ اور اس کا حال پوچھا۔ تو کہا۔ انہوں نے ہم سے محاسبہ کرنے میں خوب چھان بین کی۔ مگر پھر احسان کر کے آزاد کر دیا۔

حبیب عجمی خواب میں

کسی نے حبیب[۳۵۵] عجمی کو خواب میں دیکھا اور انہیں کہا۔ کیا تو حبیب عجمی ہے؟
حبیب نے جواب دیا۔ اب یہ بات نہیں رہی۔ میری عجمیت جاتی رہی۔ اور اللہ کی نعمت باقی رہ گئی۔

حسن بصری کا خواب

کہتے ہیں۔ کہ حسن بصری ایک مسجد میں مغرب کی نماز پڑھنے گئے۔ وہاں دیکھا۔ کہ حبیب عجمی امامت کر رہے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ان کے پیچھے اس لئے نماز ادا نہ کی۔ کہ وہ عجمی ہونے کی وجہ سے کہیں اعراب غلط نہ پڑھ دیں۔ اسی رات انہوں نے خواب میں کسی کو سُنا۔ کہ انہیں کہہ رہا ہے۔ تونے اس کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھی۔ اگر اس کے پیچھے نماز پڑھ لیتا تو اللہ تعالٰے تمہارے گذشتہ گناہ معاف کر دیتا۔

مالک بن انس خواب میں

کہتے ہیں۔ کہ کسی نے مالک بن انس کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالٰے نے آپ سے کیا برتاؤ کیا ؟ جواب دیا۔ اللہ تعالٰے نے مجھے اس ایک کلمہ کی بدولت بخش دیا۔ جو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہٗ جنازہ دیکھ کر پڑھا کرتے تھے۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ "سبحان الحی الذی لا یموت"

حسن بصری کے متعلق کسی کی خواب

جس رات حسن بصری کی وفات ہوئی تو کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ جیسے آسمان کے دروازے کھول دے گئے ہیں۔ اور کوئی شخص پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے کہ

حسن بصری بارگاہِ رب العزۃ میں پہنچا ہے۔ اور اللہ اس پر راضی ہے۔

ابوبکر بن اشکیب کی خواب

میں نے ابوبکر بن اشکیب کو فرماتے سنا۔ کہ میں نے استاد سہل صعلوکی کو خواب میں اچھی حالت میں دیکھا تو پوچھا۔ استاد! یہ حالت کیسے حاصل کی ؟

انہوں نے جواب دیا۔ اپنے رب پر حُسن ظن رکھنے کی وجہ سے۔

جاحظ خواب میں

کہتے ہیں کہ کسی نے جاحظ[(۱۲۶)] کو خواب میں دیکھا اور پوچھا۔ کہ اللہ نے تم سے کیا برتاؤ کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔

اپنے ہاتھ سے صرف وہی باتیں لکھو۔ جن کو لکھ کر قیامت کے دن تمہیں خوشی ہو۔

جنیدؒ کی خواب

کہتے ہیں۔ کہ جنیدؒ نے ابلیس کو خواب میں ننگا دیکھا۔ تو پوچھا۔ کیا تجھے لوگوں سے شرم نہیں آتی ؟

ابلیس نے جواب دیا یہ لوگ، لوگ نہیں ہیں۔ لوگ درحقیقت تو وہ ہیں جو مسجد شونیز
انہوں نے میرا جسم لاغر کر دیا ہے۔ اور جگر جلا دیا ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا تو مسجد شونیزیہ میں گیا اور وہاں کچھ لوگوں
کر فکر و غور میں اپنے سروں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے ہوئے ہیں انہوں نے مجھے دیکھ
شیطان خبیث کی باتوں سے دھوکہ نہ کھانا۔

نصر آبادیؒ خواب میں

نصر آبادی کی وفات کے بعد کسی نے انہیں مکہ میں خواب
دیکھا۔ اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا
شریفوں کی طرح عتاب کیا گیا۔ اس کے بعد مجھے پکار کر کہا گیا اے ابو القاسم، کیا
کے بعد جدائی چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا اے ذوالجلال! نہیں۔ چنانچہ ابھی مجھے
میں نہیں رکھا گیا تھا کہ میں خدائے واحد سے جا ملا۔

ذوالنون مصریؒ خواب میں

کسی نے ذوالنون مصریؒ کو خواب میں دیکھا اور پو
اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا کہ میں
سے دنیا میں تین حاجتیں مانگا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ تو مجھے عطا کر دیں اور مجھے امید
باقی عطا کر دے گا۔ میں اس سے درخواست کیا کرتا تھا مجھے ان دس اشیاء میں سے جو
کے ہاتھ میں ہیں ایک عطا کرے۔ نیز یہ کہ بذاتِ خود دے اور یہ کہ وہ مجھے اس عذ
کے مقابلہ میں جو مالک (داروغہ جہنم) کے ہاتھ میں ہے۔ دس گنا عذاب دے۔ نیز یہ کہ
بھی بذاتِ خود دے۔ تیسرے یہ کہ وہ مجھے یہ خصوصیت عطا کرے کہ میں اس کا ذکر ا
زبان سے کروں۔

شبلیؒ خواب میں

کہتے ہیں کہ شبلیؒ کے مرنے کے بعد کسی نے ان کو خواب میں
اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا
اللہ تعالیٰ نے مجھے میری دعا پر کسی دلیل کا مطالبہ نہیں کیا۔ ہاں البتہ ایک دن میں نے کہا تھا
جنت کے نقصان اور دوزخ میں داخل ہونے سے بڑھ کر کوئی اور خسارہ نہیں ہو سکتا
اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا:

میری ملاقات کے خسارے سے بڑھ کر کون سا خسارہ ہو سکتا ہے۔

جنیدؒ خواب میں

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ جریری نے جنیدؒ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا اے ابوالقاسم! کیا حال ہے؟ جواب دیا۔ وہ ہمارے اشارات اور عبادات سب ملیامیٹ ہو گئیں۔ ہمیں تو صرف تسبیحات نے فائدہ پہنچایا جو ہم صبح کے وقت کہا کرتے تھے۔

نباجی کی خواب

نباجی کہتے ہیں کہ ایک دن مجھے ایک چیز کی خواہش ہوئی۔ اس کے بعد رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے۔ کیا آزاد مرید کے لئے یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ غلاموں کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل کرے جبکہ اپنے مولا سے جو وہ چاہتا ہے لے لیتا ہے۔

ابنِ جلا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ضیافت

(١٣٥٧) ابن جلا کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ پہنچا۔ تو مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ چنانچہ میں قبر شریف کی طرف بڑھا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو آپؐ کا مہمان ہوں۔ یہ کہنے کے بعد مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایک روٹی عطا کر رہے ہیں۔ چنانچہ ابھی آدھی روٹی کھائی تھی کہ میں بیدار ہو گیا۔ اور آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ کہ آپؐ فرما رہے۔ ابن عون کی زیارت کیا کرو کیونکہ اسے اللہ اور اسکے رسول سے محبت ہے۔

عتبۃ الغلام کا خواب

کہتے ہیں کہ عتبۃ الغلام نے خواب میں ایک حور کو اچھی صورت میں دیکھا تو اس نے عتبہ سے کہا کہ میں تم پر عاشق ہوں دیکھنا کوئی ایسا عمل نہ کر بیٹھنا جو تمہارے اور میرے درمیان حائل ہو جائے۔ یہ سن کر عتبہ نے کہا کہ میں نے دنیا کو ایسی تین طلاقیں دے دیں جن میں رجوع نہ ہو سکے تا آنکہ میں تمہیں ملوں۔

ایک شیخ کا لطیفہ

میں نے منصور مغربی کو فرماتے سنا کہ انہوں نے شام کے علاقہ میں ایک بہت بڑے شیخ کو دیکھا۔ جن پر اکثر انقباض طاری

رہتا۔ سب مجھے لوگوں نے بتایا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ آپ سے کھل کر باتیں کریں۔ تو آپ پہلے سلام کریں۔ پھر کہیں کہ خدا آپ کو حورعین عطا کرے۔ وہ اس دعا سے آپ سے بہت خوش ہوں گے۔ میں نے جو اس کا سبب پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے خواب میں کسی حور کو دیکھا ہے۔ جس کا اثر ان کے دل پر باقی رہ گیا ہے۔ چنانچہ میں گیا اور حاضر ہو کر پہلے سلام کیا اور پھر کہا کہ خدا آپ کو حورعین عطا کرے۔ یہ سن کر شیخ مجھ سے کھل گئے۔

ایوب سختیانی اور ایک جنازہ

کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی نے ایک معصیت کار کا جنازہ جاتے دیکھا تو وہ ڈیوڑھی میں گھس گئے تاکہ انہیں اس شخص کا نمازِ جنازہ نہ پڑھنا پڑے۔ اس کے بعد کسی نے اس میت کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ میت نے جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے اور مجھے کہا کہ ایوب سختیانی سے کہنا:

قُلْ لَوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو انہیں اس ڈر سے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائیں اپنے پاس روک کے رکھتے۔

کسی شخص کا خواب

کہتے ہیں کہ جس رات مالک بن دینار فوت ہوئے اسی رات کسی نے خواب میں دیکھا کہ جیسے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ اور کوئی کہہ رہا ہے کہ مالک بن دینار نے جنت میں سکونت اختیار کر لی۔

داؤد طائی کی وفات پر کسی کا خواب

ایک صوفی کہتے ہیں کہ جس رات داؤد طائی کی وفات ہوئی ہے۔ اس رات میں نے نور دیکھا اور دیکھا کہ کچھ فرشتے اوپر کو جا رہے ہیں اور کچھ نیچے کو آ رہے ہیں۔ میں نے کہا یہ کونسی رات ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ وہ رات ہے جس میں داؤد طائی کی وفات ہوئی اور ان کی آمد پر جنت کو آراستہ کیا جا رہا ہے۔

استاد ابوالقاسم (قشیری) فرماتے ہیں۔ کہ میں نے استاد ابوعلی دقاق کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا۔ کہ یہاں مغفرت کوئی بڑی بات۔ جو لوگ یہاں

پر ہیں۔ ان میں سب سے کم مرتبہ کا فلاں شخص ہے۔ جسے ایسے ایسے انعامات دیئے گئے ہیں خواب میں ہی مجھے خیال آیا کہ جس شخص کا انہوں نے ذکر کیا ہے اُس نے تو ایک شخص کو ناحق قتل کیا تھا۔

کرز بن وبرہ کی وفات پر کسی کا خواب

کہتے ہیں کہ جب کرز بن وبرہ (١٣٥٩) کی وفات ہوئی تو کسی نے خواب میں دیکھا۔ جیسے کہ لوگ قبروں سے نکل آئے ہیں اور انہوں نے نئے اور سفید کپڑے پہن رکھے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ جواب ملا۔ کرز کی آمد کی وجہ سے اہلِ قبور کو نئے کپڑے پہنائے گئے ہیں۔

یوسف بن حسین خواب میں

کسی نے یوسف بن حسین کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا نے تم سے کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا مجھے معاف کر دیا۔ پھر پوچھا۔ کس وجہ سے معاف کر دیا؟ جواب دیا کہ اس لئے کہ میں نے کبھی جدو ہزل میں آمیزش نہیں کی۔

عبداللہ زراد کا خواب

عبداللہ زراد کو خواب میں دیکھا گیا۔ اور پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا۔ پہلے تو مجھے ٹھہرا لیا۔ پھر میرا ہر وہ گناہ بخش دیا۔ جس کا میں نے دنیا میں اقرار کر لیا تھا۔ سوائے ایک کے جس کے اقرار سے میں شرما گیا تھا۔ چنانچہ اللہ نے مجھے پسینے میں ٹھہرائے رکھا۔ یہاں تک کہ میرے چہرے کا گوشت گر گیا۔ کسی نے سوال کیا کہ یہ گناہ کونسا تھا؟ جواب دیا۔ ایک دن میں نے ایک خوبصورت انسان کی طرف نگاہ کی تھی۔ جس کے ذکر کرنے سے مجھے شرم آئی۔

ابوسعید شحام کا خواب

میں نے ابوسعید شحام (١٣٦٠) کو فرماتے سنا کہ انہوں نے شیخ امام ابوالطیب سہل صعلوکی کو خواب میں دیکھا اور کہا اے شیخ فرمایا شیخ کو چھوڑو۔ میں نے پھر کہا وہ احوال جن کا میں نے مشاہدہ کیا ہے ان کا کیا ہوا۔ جواب دیا انہوں نے کچھ فائدہ نہیں دیا۔ میں نے پھر پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان مسائل کی وجہ سے معاف کر دیا۔ جو بڑھیا عورتیں آ کر مجھ سے پوچھا کرتی تھیں۔

ابوبکر رشیدی کا خواب

میں نے ابوبکر رشیدی فقیہ کو فرماتے سنا کہ انہوں نے محمد طوسی معلم کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے مجھے فرمایا کہ ابو سعید صفار مؤدب سے کہہ دو۔ (شعر)

وَکُنَّا عَلٰی اَنْ لَا نَحُوْلَ عَنِ الْھَوٰی ۔۔۔ فَقَدْ وَحَیَاۃِ الْحُبِّ حُلْتُمْ وَمَا حُلْنَا

تَشَاغَلْتُمْ عَنَّا بِصُحْبَۃِ غَیْرِنَا ۔۔۔ وَاَظْھَرْتُمُ الْھِجْرَانَ مَا ھٰکَذَا کُنَّا

لَعَلَّ الَّذِیْ یَقْضِیْ الْاُمُوْرَ بِعِلْمِہٖ ۔۔۔ سَیَجْمَعُنَا بَعْدَ الْمَمَاتِ کَمَا کُنَّا

ہمارا معاہدہ تو یہ تھا کہ ہم عشق سے نہ پھر جائیں گے۔ محبت کی زندگی کی قسم آپ تو اس سے پھر گئے۔ مگر ہم نہیں پھرے۔

شاید کہ اللہ تعالیٰ جس کے علم سے تمام امور کا فیصلہ ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد ہمیں پہلے کی طرح پھر اکٹھا کر دے گا۔

رشیدی فرماتے ہیں کہ میں بیدار ہوا۔ اور ابو سعید صفار کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہر جمعہ کو ان کی قبر کی زیارت کے لئے جایا کرتا تھا مگر اس جمعہ کو نہیں گیا۔

کسی صوفی کا خواب

کسی صوفی سے حکایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ان کے گرد فقراء کی ایک جماعت ہے۔ وہ اسی طرح تھے کہ آسمان سے دو فرشتے اترے ایک کے ہاتھ میں طشت تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں لوٹا۔ اس نے طشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے ہاتھ دھوئے۔ پھر آپ نے حکم دیا تو فقراء نے بھی ہاتھ دھوئے اس کے بعد طشت میرے سامنے رکھی گئی۔ تو ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا کہ اس کے ہاتھوں پر پانی نہ ڈالو۔ کیونکہ یہ ان میں سے نہیں ہے۔ اس پر میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ کیا آپ سے مروی نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (انسان ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی) آپ نے فرمایا۔ کیوں نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ سے اور ان فقراء سے محبت رکھتا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ اس کے ہاتھ پر بھی پانی ڈالو۔ کیونکہ یہ انہی میں سے ہے۔

کسی ایک صوفی کے متعلق حکایت کی گئی ہے کہ وہ ہر وقت "عافیت"، "عافیت" کہا کرتا تھا۔ کسی نے اس سے پوچھا اس دعا کا کیا مطلب ہے؟ تو اس نے بتایا کہ میں ابتدار میں بوجھ اٹھانے (حمال) کا کام کیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے کچھ آٹا اٹھایا ہوا تھا میں نے اسے آرام لینے کی خاطر رکھ دیا۔ اور میں کہا کرتا تھا کہ اے خدا! اگر تو ہر روز بغیر تھکان کے دو روٹیاں دے دیا کرے تو میرے لئے کافی ہیں۔ اچانک دیکھا تو دو شخص آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں ان کے درمیان صلح کرانے کے لئے بڑھا کہ ان میں سے ایک نے میرے سر پر کوئی چیز ماری۔ جو وہ دوسرے کو مارنا چاہتا تھا۔ اس سے میرا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ علاقہ کے تھانیدار نے آکر دونوں کو گرفتار کر لیا۔ جب اس نے مجھے بھی خون میں لتھڑا ہوا دیکھا تو مجھے بھی اس خیال سے گرفتار کر لیا کہ لڑنے والوں میں شامل ہوں۔ اور مجھے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اور ایک مدت تک وہیں رہا۔ ہر روز مجھے دو روٹیاں مل جاتی تھیں۔ ایک رات میں نے خواب میں کسی کہنے والے کو سنا۔ تو نے بغیر تھکان کے ہر روز دو روٹیاں مانگی تھیں۔ اور تو نے عافیت نہیں مانگی تھی۔ میں نے بیدار ہونے کے بعد عافیت عافیت کہنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد کسی نے قید خانہ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا۔ عمر حمال کہاں ہے؟ اور انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔

کتانی حکایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک آدمی تھا جسے آنکھ میں سخت درد تھا ہم نے اسے کہا کہ تو اس کا علاج کیوں نہیں کرتا؟ اس نے جواب دیا کہ میں پختہ ارادہ کر چکا ہوں کہ اس کا علاج نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ یہ (خود بخود) ٹھیک ہو جائے۔ وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھے کہہ رہا ہے کہ اگر یہ عزم اہلِ دوزخ کے متعلق ہوتا تو ہم انہیں دوزخ سے نکال لیتے۔

جنیدؒ کا خواب

جنیدؒ حکایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ میں لوگوں کو وعظ کر رہا ہوں تو ایک فرشتہ آکر کھڑا ہوا اور پوچھا۔ وہ کونسا عمل ہے جو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے قریب ترین ہو؟ میں نے کہا۔ وہ عمل جو پوشیدہ طور پر کیا گیا ہو۔ مگر میزان میں پورا ہو۔ جنیدؒ کہتے ہیں کہ یہ سن کر فرشتہ یہ کہتا ہوا

واپس چلا گیا کہ اللہ کی قسم، کہ یہ کلام توفیق یافتہ کلام ہے۔

ایک آدمی نے علاء بن زیاد[۱۳۶۲] کو کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے تو اہلِ جنت میں سے ہے۔ اس نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ شیطان کوئی بات چاہتا ہو۔ اور میں اس سے بچ نکلا ہوں لہذا اس نے ایک آدمی کو بھیج دیا ہے کہ وہ اس کی (شیطان) کی مدد کرے۔

عطاء سلمی خواب میں

کہتے ہیں کہ کسی نے عطاء سلمی کو خواب میں دیکھا اور انہیں کہا کہ آپ طویل الحزن[۱۳۶۳] تھے۔ لہذا اللہ نے آپ کے ساتھ کیا کیا انہوں نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم، اس نے اس کے نتیجہ کے طور پر مجھے ایک لمبی راحت اور دائمی خوشی دے دی۔ پھر پوچھا کہ آپ کس درجہ میں ہیں۔ کہا

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ (الآیۃ)

اوزاعی خواب میں

کہتے ہیں کہ کسی نے اوزاعی[۱۳۶۴] کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے فرمایا میں نے یہاں علماء کے درجہ سے بلند تر کوئی درجہ نہیں دیکھا۔ اس کے بعد محزونین کا درجہ آتا ہے۔

نباجی کا خواب

نباجی کہتے ہیں کہ مجھے خواب میں کہا گیا کہ جو شخص اپنے رزق کے معاملہ میں اپنے اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اس کا خلق اور اچھا ہو جاتا ہے اور اس کا نفس رزق خرچ کرنے پر راضی ہوتا ہے اور نماز میں اس کے وساوس کم ہو جاتے ہیں۔

زبیدہ خواب میں

کہتے ہیں کہ کسی نے زبیدہ[۱۳۶۵] کو خواب میں دیکھا تو پوچھا۔ اللہ نے تم سے کیا معاملہ کیا؟ اس نے جواب دیا۔ مجھے بخش دیا۔ پھر پوچھا کیا اس لئے کہ تو نے مکہ کی طرف جانے والی سڑک پر بہت سا روپیہ خرچ کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں اس کا اجر تو کام کرنے والوں کو ملا۔ لیکن مجھے میری نیت کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔

سفیان ثوری خواب میں

کسی نے سفیان ثوری کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ نے تجھ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا۔ میں نے پہلا قدم صراط پر رکھا اور دوسرا جنت میں۔

احمد بن ابی الحواری کا خواب

احمد بن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک لڑکی دیکھی کہ اس جیسی خوبصورت لڑکی میں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کا چہرہ نور سے چمک رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہارا چہرہ کس قدر روشن ہے؟ اس نے کہا وہ رات تم کو یاد ہے جس رات تم روئے تھے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا کہ تمہارے آنسو مجھے لاکر دیئے گئے۔ تو میں نے انہیں اپنے چہرے پر لگایا۔ ان سے میرا چہرہ ایسا ہو گیا۔

یزید رقاشی کا خواب

کہتے ہیں کہ یزید رقاشیؒ نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور اس نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ تو قرأت ہوئی آنسو کہاں ہیں؟

جنیدؒ کا خواب

جنیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا دو فرشتے آسمان سے اترے ہیں تو ایک نے مجھ سے پوچھا۔ صدق کیا ہے؟ میں نے کہا عہد کو پورا کرنا دوسرے نے کہا یہ سچ کہتا ہے۔ پھر دونوں اوپر کو چڑھ گئے۔

بشر حافی خواب میں

کسی نے بشر حافی کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ نے تم سے کیا برتاؤ کیا۔ جواب دیا کہ مجھے بخش دیا اور فرمایا۔ اے بشر! کیا تمہیں مجھ سے شرم نہیں آتی کہ تو اس قدر مجھ سے ڈرتا تھا۔

ابو سلیمان دارانی خواب میں

کہتے ہیں کہ کسی نے ابو سلیمان دارانی کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا کہ بخش دیا۔ لیکن مجھے کوئی چیز صوفیاء کے اشارات سے بڑھ کر نقصان دہ ثابت نہیں ہوئی۔

علی بن موفق کا خواب

علی بن موفق فرماتے ہیں۔ ایک دن میں اپنے عیال اور اپنی محتاجی کے متعلق بہت فکرمند ہو رہا تھا۔ تو خواب میں ایک رقعہ دیکھا جس میں لکھا ہوا تھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اے ابن الموفق! کیا تجھے محتاجی کا خوف ہے۔ جبکہ میں تمہارا رب ہوں۔ پھر جب رات کے آخر میں تاریکی کا وقت تھا۔ اس وقت ایک آدمی ایک تھیلی لے کر میرے پاس آیا۔ جس میں پانچ ہزار دینار تھے۔ اور کہا لے کمزور ایمان

والے، یہ لے۔

جنیدؒ کا خواب

جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں۔ حق سبحانہ نے مجھ سے پوچھا۔

یہ گفتگو جو تم کرتے ہو کیسے حاصل کی؟ میں نے عرض کیا۔ یہ اس لئے ہے کہ میں حق بات کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تو سچ کہتا ہے۔

ابوبکر کتانیؒ کا خواب

ابوبکر کتانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان کو خواب میں دیکھا میں نے ایسا خوبصورت انسان کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں رہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہر غمناک کے دل میں، پھر میں نے جو مڑ کر دیکھا تو ایک سیاہ اور نہایت ہی وحشت ناک شکل کی عورت تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہنے لگی کہ میں ہنسی ہوں۔ میں نے پھر سوال کیا کہ تو کہاں رہتی ہے۔ بولی کہ ہر خوش رہنے والے اور اکڑنے والے کے دِل میں۔ کتانی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا اور عہد کر لیا کہ سوائے اس وقت کے جب کہ ہنسی غالب آجائے۔ کبھی نہ ہنسوں گا۔

ابوعبداللہ بن خفیف کا خواب

ابوعبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ فرما رہے تھے کہ جس نے اللہ کی طرف جانے والا راستہ معلوم کر لیا اور اس پر چلا اور پھر وہاں سے ہٹ گیا تو اسے اللہ تعالیٰ ایسا عذاب دیں گے کہ کبھی کسی کو نہ دیا ہو۔

شبلیؒ خواب میں

کسی نے شبلیؒ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا؟ فرمایا۔ حساب میں اس قدر سختی کی کہ میں مایوس ہو گیا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے میری مایوسی دیکھی۔ تو مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا۔

ابوعثمان مغربی کا خواب

ابوعثمان مغربی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے اے عثمان! فقر میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو خواہ یہ تل کے برابر کیوں نہ ہو۔

ابو سعید خراز اور بیٹے کی وفات

کہتے ہیں کہ ابو سعید خراز کا ایک بیٹا تھا جو ان سے پہلے فوت ہو گیا تھا۔ ابو سعید نے اُسے خواب میں دیکھا تو کہا۔ بیٹا! مجھے کوئی نصیحت کرو۔ اس نے کہا۔ ابا جان! بزدلی سے اللہ کے ساتھ معاملہ نہ کرو۔ پھر کہا۔ بیٹا کچھ اور کہو۔ وہ بولا۔ اللہ اور اپنے درمیان قمیص کو حائل نہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے تیس سال قمیص نہیں پہنی۔

کہتے ہیں کہ ایک صوفی اپنی دعا میں کہا کرتا تھا کہ الٰہی! جو چیز تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر ہمیں فائدہ پہنچاتی ہے تو اسے ہم سے نہ روکے رکھ۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے۔ اور تو بھی اس چیز کو چھوڑ دے جو تجھے نقصان پہنچاتی ہو اور نفع نہ پہنچاتی ہو۔

ابو الفضل اصفہانی کا خواب

ابو الفضل اصفہانی[۱۲۱۲] سے حکایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو درخواست کی کہ یا رسول اللہ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرا ایمان نہ سلب کرے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ تو پہلے سے لکھ چکا ہے۔

ابو سعید خراز اور ابلیس

حکایت ہے کہ ابو سعید خراز نے شیطان کو خواب میں دیکھا تو لاٹھی لے کر اسے مارنے لگے۔ تو کسی نے کہا کہ شیطان لاٹھی سے نہیں گھبراتا۔ یہ تو اس نور سے گھبراتا ہے جو دل میں ہوتا ہے۔

ایک صوفی اور رابعہ

ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں رابعہ عدویہ کے حق میں دعا کرتا تھا۔ پھر میں نے اُسے خواب میں دیکھا تو اس نے کہا تمہارے تحفے نور کے تھالوں اور نور کے رومالوں میں ڈھانپے ہوئے پہنچتے ہیں۔

سماک بن حرب کا خواب

سماک بن حرب[۱۲۱۳] سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میری بینائی جاتی رہی تو . . . . . . میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے کہہ رہا ہے کہ فرات پر جاؤ اور اس میں غوطہ مار کر آنکھیں کھولو وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اور بینائی درست ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ بشر حافیؒ کو کسی کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ

کیا؟ جواب دیا۔ جب میں نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے مجھے خوش آمدید کہا اور فرمایا بشرا جس دن میں نے تمہاری جان قبض کی تھی تو جان تو قبض کر لی۔ مگر مجھے تم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا۔

باب (۷)

مُریدوں کو وصیّت

استادؒ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے صوفیاء کے کچھ حالات بیان کر دیئے اور ان کے مقامات کی تشریح بھی کر دی تو چاہا کہ اس رسالہ کو مُریدوں کی وصیّت پر ختم کریں۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اچھی توفیق دے گا۔ تاکہ ان نصائح پر عمل پیرا ہو سکیں۔ اور ہمیں بھی اللہ تعالیٰ اس بات سے محروم نہیں کرے گا کہ ہم خود بھی ان پر عمل پیرا ہوں تاکہ کہیں یہ نصائح خود ہمارے خلاف دلیل نہ بن جائیں۔

مُرید کا پہلا قدم جو شخص اس طریقہ پر چلنے کا ارادہ کرے۔ اس کے لئے سب سے پہلا قدم صدق دلی ہے۔ تاکہ اس کے طریقہ کی بنیاد صحیح اصل پر ہو۔ کیونکہ شیوخ فرماتے ہیں کہ جو لوگ مقصود تک پہنچنے سے محروم رہے ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بنیادی چیزوں کا خیال نہیں رکھا تھا۔ میں نے استاد ابو علیؒ کو اسی طرح فرماتے سنا ہے۔ لہٰذا اپنے اور اللہؒ کے درمیان صحیح اعتقاد کے ساتھ ابتداء کرنی چاہیئے۔ جو ہر قسم کے ظن و شبہ سے پاک، گمراہی اور بدعنوانی سے خالی ہو۔ اور وہ اعتقاد دلائل سے پیدا ہوا ہو۔

صُوفی اور غیر صُوفی میں فرق مُرید کے لئے یہ امر قبیح ہے۔ کہ وہ صوفیاء کے مذہب کے سوا کسی اور مذہب کی طرف منسوب ہو اور اگر کوئی صوفی صوفیائے کے طریقہ کو چھوڑ کر مختلف مذاہب میں سے کسی اور مذہب کی طرف منسوب ہو تو اس کا سبب صوفیائے کے طریقہ سے جہالت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ صوفیائے کے مسائل کے دلائل دیگر مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ واضح ہیں اور انکے مذہب کے اصول دیگر مذاہب کے مقابلہ میں

وہ قوی ہیں۔ دیگر لوگ یا تو نقل روایت کے مالک ہیں یا عقل وفکر کے مالک۔ مگر اس گروہ کے
ورخ ان سب چیزوں سے بلند ہیں۔ کیونکہ جو چیز اوروں کے لئے غیب ہے وہ ان کے
ئے ظاہر چیز ہے اور جو معرفت کے امور لوگ حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ان کے لئے حق تعالےٰ
طرف سے موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ اہلِ وصال ٹھہرے اور لوگ اہلِ استدلال صوفیاء
مثال تو یہ ہے۔

لَیْلِیْ بِوَجْھِکَ مُشْرِقٌ   وَظَلَامُہٗ فِی النَّاسِ سَارِیْ
فَالنَّاسُ فِیْ سَدَفِ الظَّلَا   مِ وَنَحْنُ فِیْ ضَوْءِ النَّھَارِ

میری رات تمہارے چہرہ کی بدولت روشن ہے۔ حالانکہ اسکی ظلمت لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے
انچہ لوگ تو تاریکی میں ہیں اور ہم دن کی روشنی میں۔

ابتداء اسلام سے لیکر آج تک کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جس میں اس گروہ کا کوئی نہ کوئی ایسا شیخ نہ
رہا ہو۔ جسے علمِ توحید اور قوم کی امامت حاصل نہ ہوئی ہو۔ یہی نہیں بلکہ علماء میں سے آئمۂ وقت نے
ن کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا ہے اور انہیں باعثِ برکت سمجھا ہے اگر انہیں کسی قسم کی فضیلت اور
صوصیت حاصل نہ ہوتی تو معاملہ برعکس ہوتا۔

احمد بن حنبلؒ اور شیبان راعی

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ رحمہما اللہ تعالےٰ
کے پاس بیٹھے تھے کہ شیبان راعی ادھر کو آنکلے۔ احمدؒ نے امام
شافعیؒ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اسے اسکی جہالت سے آگاہ کروں تاکہ یہ کچھ علم حاصل کرنے کی طرف
توجہ دے۔ امام شافعیؒ نے انہیں اس سے منع کیا مگر یہ باز نہ آئے۔ چنانچہ انہوں نے شیبان سے کہا
آپ ایسے شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو کوئی نماز پڑھنی بھول گیا ہے اور اسے یہ بھی یاد نہ
ہو کہ اس نے کونسی نماز نہیں پڑھی۔ اب اُسے کیا کرنا چاہیئے؟

شیبان نے جواب دیا اے احمدؒ! اس شخص کا دِل اللہ تعالےٰ سے غافل ہوچکا ہے لہٰذا اب ضروری ہے
کہ اسے سزا دی جائے تاکہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے۔ یہ جواب سن کر احمدؒ بیہوش ہوگئے۔ جب
ہوش آیا تو امام شافعیؒ نے فرمایا۔ کیا میں نے تمہیں اس شخص کو چھیڑنے سے منع نہیں کیا تھا؟
یہ حالت، اس شیبان کی ہے جو ایک امی صوفی تھے۔ جب امی کی یہ حالت ہے

تو پھر آئمہ صوفیاء کی کیا کیفیت ہو گی۔

ابوعمران فقیہ اور شبلیؒ

حکایت ہے کہ جامع منصور میں اکابر فقہاء میں سے ایک فقیہ کا حلقہ اور شبلی کا حلقہ ساتھ ساتھ تھا۔ اس فقیہ کا نام ابوعمران تھا۔ جب شبلی گفتگو فرماتے تو اس فقیہ کا حلقہ منتشر ہو جاتا۔ ابوعمران کے شاگردوں نے شبلیؒ کو شرمندہ کرنے کی غرض سے ان سے حیض کے متعلق کوئی سوال کیا۔ شبلی نے اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال اور اختلافات کا ذکر کیا۔ ابوعمران نے (بیساختہ) اٹھ کر شبلی کے سر پر بوسہ دیا۔ اور کہا۔ اے ابوبکر! میں نے اس مسئلہ میں تم سے ایسے دس اقوال معلوم کئے ہیں جنہیں میں نے کبھی نہ سنا تھا۔ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اس میں سے مجھے صرف تین اقوال معلوم تھے۔

ابوالعباسؒ بن سریج اور جنیدؒ

کہتے ہیں کہ ابوالعباسؒ بن سریج کا گزر جنیدؒ کی مجلس کے پاس سے ہوا۔ اور انہوں نے جنیدؒ کی گفتگو بھی سنی۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کا اس کلام کے متعلق کیا خیال ہے؟ فرمایا: جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں میں اسے نہیں سمجھ سکا۔ مگر اس کلام میں اس قدر دبدبہ پایا جاتا ہے جو کسی باطل شخص کے کلام میں نہیں پایا جاتا۔

عبداللہؒ بن سعید اور جنیدؒ

کسی نے عبداللہ بن سعید بن کلاب سے کہا کہ آپ ہر شخص کے کلام پر جرح کیا کرتے ہیں اور یہاں جنیدؒ نامی ایک شخص ہے کیا تم اس پر بھی اعتراض کر سکتے ہو یا نہیں؟ چنانچہ عبداللہ جنیدؒ کے حلقہ میں گئے اور ان سے توحید کے متعلق سوال کیا۔ اور انہوں نے ایسا جواب دیا کہ عبداللہ . . . حیران رہ گئے۔ اور کلام دہرانے کی درخواست کی۔ جنیدؒ نے بات دہرائی مگر عبارت بدل کر۔ اس پر عبداللہ نے کہا۔ یہ تو کوئی اور ہی بات ہے۔ جو مجھے نہیں آتی۔ ذرا پھر دہرائیے۔ انہوں نے پھر عبارت بدل کر بات کو دہرایا۔ عبداللہ نے کہا۔ جو آپ فرما رہے مجھے یاد نہیں رہ سکتا۔ مجھے لکھ دیجئے۔ اس پر جنیدؒ نے فرمایا۔ اگر آپ سلوک کا راستہ طے کر چکے ہوں تو میں لکھ دیتا ہوں۔ اس پر عبداللہ نے کھڑے ہو کر ان کی فضیلت کا اعتراف کیا۔

لہذا جب اس گروہ کے اصول صحیح ترین اصول قرار پائے اور ان کے مشائخ اکبر الناس ٹھہرے۔ اور علماء اعلم الناس، تو جس مرید کا ان پر ایمان ہوگا۔ اگر وہ اہلِ سلوک میں سے ہو۔ اور صوفیاء کے مقاصد کی طرف بتدریج جانے کا خیال رکھتا ہو۔ وہ ان غیبی مکاشفات میں جو ان لوگوں کا مابہ الامتیاز ہے شریک ہوگا۔ اور اُسے ان لوگوں کا محتاج نہ ہونا پڑے گا جو اس گروہ سے خارج ہیں۔ اور اگر کوئی مرید اتباع کے طریقہ کا ارادہ رکھتا ہو اور مستقل حالت کا مالک نہ ہو اور وہ یہ چاہتا ہو کہ تقلید کے وطن میں اس وقت تک ٹھہرا رہے۔ جب تک وہ خود اہلِ تحقیق میں سے نہ ہو جائے تو اُسے اپنے اسلاف کی تقلید کرنی چاہیئے۔ اور اسے ان ہی لوگوں کے طریقہ پر چلتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ لوگ اوروں کے مقابلہ میں بہت بہتر ہوں گے۔ مَیں تحقیق سے کہتا ہوں کہ مَیں نے شیخ عبدالرحمٰن السلمی کو سنا۔ انہوں نے ابوبکر رازی اور انہوں نے شبلیؒ کو، وہ فرماتے تھے

مَاظَنُّكَ بِعِلْمٍ عِلْمُ العلماء فيه تهمة - ایسے علم کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جس کے مقابلہ میں علماء کا علم تہمت کے برابر ہو۔

مَیں نے انہی سے سنا کہ انہوں نے محمد بن ابو علی بن محمد حجری کو سنا اور انہوں نے محمد بن عبداللہ الفرغانی کو فرماتے سنا کہ مَیں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ اس علم کے مقابلہ میں جس میں ہم اپنے اصحاب اور بھائی بندوں سے گفتگو کرتے ہیں دنیا میں کوئی اور علم افضل و اشرف ہے۔ تو مَیں اس کے حاصل کرنے کی ضرور کوشش کرتا اور میں اسکا ضرور قصد کرتا۔

۱۔ مرید کے لئے علم شریعت کا جاننا ضروری ہے۔

جب کوئی مرید اپنے اور اللہ کے درمیان اپنا عہد مضبوط اور استوار کرلے تو اسے (پہلے) اس قدر علم شریعت جس سے وہ فرائض کی ادائیگی کر سکے۔ یا تو تحقیقی طور پر یا آئمہ سے پوچھ کر حاصل کرنا چاہیئے۔ اگر کہیں فقہا کے فتووں میں اختلاف پائے تو اسے ایسا طرز اختیار کرنا چاہیئے۔ جس میں احتیاط پائی جاتی ہو۔ اسے ہمیشہ ایسے امور سے جن میں اختلاف پایا جاتا ہو۔ باہر رہنا چاہیئے۔ کیونکہ شریعت کے اندر "رخصت"

صرف ان لوگوں کے لئے ہوتی ہے جو کمزور حاجت مند اور کام کاج کرنے والے لوگ ہوں۔ اور ان لوگوں کے لئے حق سبحانہ کے حقوق پر کاربند رہنے کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ (صوفیاء کے ہاں) کہا جاتا ہے کہ جب کوئی فقیر درجہ حقیقت سے اتر کر شریعت کی رخصتوں پہ آجائے تو سمجھ لو کہ اس نے اللہ کے ساتھ اپنا معاہدہ فسخ کر ڈالا۔ اور اپنا عہد و پیمان توڑ دیا۔

۲۔ مرید کیلئے شیخ کا پکڑنا لازمی امر ہے

چنانچہ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی استاد نہیں۔ اس کا امام شیطان ہوتا ہے۔

ابوعلی دقاق کا قول

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا کہ جب کوئی درخت بغیر اس کے کہ کسی نے اسے لگایا ہو۔ خود بخود اگ آیا ہو تو اس کے پتے تو نکل آئیں گے۔ مگر یہ درخت پھل نہ دے گا۔ یہی حال مرید کا ہے۔ کہ جب اس کا کوئی شیخ نہ ہو۔ جس سے ایک ایک سانس کر کے وہ اپنے راستہ کو اخذ کرے تو یہ مرید اپنی خواہشات کی عبادت کر رہا ہوگا۔ اور اسے کوئی راستہ نہ ملے گا۔

۳۔ مرید سلوک سے پہلے توبہ کرے

یہ چیزیں کر لینے کے بعد جب وہ سلوک کا ارادہ کرے تو اسے ہر قسم کی لغزش سے توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اسے تمام لغزشوں کو خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی، چھوٹی ہوں یا بڑی، چھوڑ دینا چاہیئے۔

۴۔ خصوم کو راضی کرنا

مرید کے لئے (چوتھی ضروری بات یہ ہے کہ وہ) ان لوگوں کو جن سے اس کا کسی قسم کا بھی جھگڑا ہو، راضی کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ جس سے اس کے خصم راضی نہ ہوں گے وہ راہِ طریقت میں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتا۔ صوفیاء کا یہی طریقہ رہا ہے۔

۵۔ دنیاوی تعلقات کو کم کئے جانا

اس کے بعد دنیاوی تعلقات اور مشاغل کو کم کرتے جانا چاہیئے۔ اس لئے کہ طریقت کی بنا ہی اس بات پر ہے کہ دِل دنیاوی مشاغل سے خالی ہو۔

ی کا حصری کو حکم

شبلی، حصری کو شروع میں فرمایا کرتے کہ ایک جمعہ کے بعد جب دوسرے جمعہ کو تم میرے پاس آنے لگو تو اگر اس عرصہ میں تمہارے دل میں اللہ کا خیال بھی آگیا ہو تو پھر میرے پاس آنا تمہارے لئے حرام ہے۔

ح علائق کس طرح ہو

جب مرید دنیاوی تعلقات سے علیحدگی اختیار کرنے لگے تو سب سے پہلے اپنے مال سے تعلق توڑ لے۔ کیونکہ یہی ایک ہے۔ جو اسے راہِ حق سے ہٹا کر ایک طرف لے جاتی ہے۔ ہم نے کوئی مرید ایسا نہیں دیکھا س نے راہ طریقت میں قدم رکھا ہو۔ اور پھر دنیا کے ساتھ بھی تعلق باقی رکھا ہو۔ اور پھر ڑے عرصہ کے بعد اس حالت میں نہ چلا گیا ہو، جس سے وہ نکلا تھا۔

۲۔ مال سے علیحدگی کے بعد دوسری ضروری بات اپنے جاہ و جلال کو خیر باد کہنا ہے۔ لہ اپنے جاہ و جلال پر نظر جمائے رکھنا اللہ سے قطع تعلق کر دینے کا بہت بڑا سبب ہے جس وقت تک مرید کے نزدیک مخلوق کا ہر دلعزیز ہونا یا ان کی طرف سے دھتکارا نا دونوں یکساں نہ ہوں۔ اس وقت تک وہ کسی مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ (درحقیقت) لوگوں ے بنظرِ استحسان دیکھنا اور اس سلسلہ سے اپنی بے مائیگی کی وجہ سے اسے باعثِ برکت ھنا مرید کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں امر ہے۔ جبکہ ابھی تک مرید کی ارادت ہی ست نہیں ہوئی۔ پھر اسے باعثِ برکت سمجھنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جاہ و جلال کو رباد کہنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ جاہ و جلال مرید کے لئے زہر قاتل کا کام کرتا ہے۔

۳۔ جب مرید اپنے مال اور جاہ کو خیر باد کہہ چکے تو پھر اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اللہ کے درمیان اپنے عقیدہ کو درست کرے۔

شیخ کی مخالفت نہ کرنا چاہیئے

ہر وہ بات جس کا حکم شیخ دے اسے اس کی ہرگز مخالفت نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ابتداء میں مرید کے ئے شیخ کی مخالفت انتہائی نقصان دہ ہے۔ اس لئے کہ اس کی ابتدائی حالت سے ہی اس ی تمام عمر کا پتہ چلتا ہے۔

۷- شیخ پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے۔ مرید ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ مرید کے دل میں شیخ کے متعلق کسی قسم کا شک یا اعتراض پیدا نہ ہونا چاہیئے اگر مرید کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ دنیا یا آخرت میں اس کی کوئی قدر و قیمت ہے یا یہ کہ شیخ کے علاوہ دنیا میں کوئی اور شخص بھی ہے۔ تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ارادت میں اس کا اقدام درست نہیں۔ کیونکہ اس کی کوشش تو یہ ہونی چاہیئے کہ اسے اللہ کی معرفت حاصل ہو، نہ کہ یہ کہ اُسے قدر و قیمت حاصل ہو۔ اور ان دونوں شخصوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ کو چاہ رہا ہو، اور دوسرا دنیا و آخرت میں جاہ و جلال کا خواہاں ہو۔

۸- اپنے اسرار کو محفوظ رکھنا چاہیئے پھر یہ کہ اسے اپنے اسرار کو محفوظ رکھنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ اپنے گھروں سے بھی۔ البتہ اسے اپنے شیخ سے اپنے اسرار کو چھپا کر نہیں رکھنا چاہیئے۔ اور اگر اس نے اپنے شیخ سے ایک سانس بھی چھپائے رکھا تو اس نے اس کے حق صحبت میں خیانت کی۔ اگر بالفرض اس سے شیخ کے حکم کے خلاف کوئی بات سرزد ہو گئی ہے تو اسے فوراً شیخ کے سامنے تسلیم کر لینا چاہیئے۔ اور پھر شیخ جس قسم کی سزا کا حکم دے۔ مثلاً سفر کرنے کا حکم، یا کوئی اور حکم، تو اسے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہیئے۔ شیخ کے لئے مناسب نہیں کہ وہ مرید کی لغزشوں کو در گزر کر دے۔ کیونکہ اس میں حقوق اللہ کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اور جب تک مرید ہر قسم کے تعلق سے علیحدگی اختیار نہ کرے اس وقت تک شیخ کو اسے کسی قسم کے ذکر کی تلقین نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ چاہیئے کہ پہلے مرید کو آزمالے۔ اور جب اس کا دل گواہی دے کہ مرید میں صحیح عزم پایا جاتا ہے۔ تب شیخ مرید پر یہ شرط لگا دے کہ اُسے

۹- راضی برضائے الٰہی رہنا اس طریقت میں جس قسم کے بھی تقدیر کے تصرفات پیش آئیں وہ ان پر راضی ہو۔ نیز یہ کہ شیخ مرید سے اس بات کا عہد لے کہ خواہ اُسے اس راہ میں کسی قسم کی تنگی، ذلت، فقر، بیماری یا دکھ لاحق ہو تب بھی وہ اس راہ سے نہیں ہٹے گا۔ اور اس کا دل تن آسانی کی طرف مائل نہ ہوگا۔ اور وہ مجبوری کے عالم یا فاقہ کے غلبہ کے وقت "رخصت" کو اختیار نہ کرے۔ بلکہ عزیمت کو اختیار کرے گا۔ نہ تن آسانی

کو پسند کرے گا۔ اور نہ سستی کو اپنا شعار بنائے گا۔ کیونکہ مرید کا وقفہ (تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جانا) فترت سے بھی بدتر ہے۔

وقفہ اور فترہ میں فرق فترہ اور وقفہ میں فرق یہ ہے کہ ارادت سے رجوع کرنا، اور اس کا ترک کر دینا فترہ کہلاتا ہے۔ اور سستی کے حالات کو لذیذ سمجھ کر راہِ طریقت کی رفتار میں وقفہ ڈالنا وقفہ کہلاتا ہے اور جو مرید ابتداء امر میں ٹھہر گیا وہ کوئی رتبہ نہ پا سکا۔

ذکر کی تلقین جب شیخ نے مرید کو آزما لیا تو پھر وہ آسے جیسا کہ اس کی رائے ہو۔ کوئی ذکر تلقین کرے۔ چنانچہ پہلے زبان سے ذکر کرنے کا حکم دے۔ پھر دل اور زبان سے اُسے ذکر ٹھیک طرح ادا کرنے کو کہے۔ پھر فرمائے کہ تم ذکر پر ہمیشہ اس طرح پابند رہو۔ گویا کہ تو ہمیشہ اپنے دل سے اپنے رب کے پاس ہے اور جہاں تک ممکن ہو سکے۔ تمہاری زبان پر اس اسم کے سوا کوئی اور اسم جاری نہ ہو۔

ہر وقت باوضو رہنا اس کے بعد شیخ مرید کو ہر وقت باوضو رہنے کا حکم دے۔ نیز یہ کہ وہ اس وقت سوئے۔ جب نیند کا غلبہ ہو۔ اور بتدریج اپنی غذا کو کم کرتا جائے۔ تا آنکہ اُسے غذا کم کھانے کی قوت حاصل ہو جائے۔ شیخ کے لئے مناسب نہیں کہ اُسے یک لخت اپنی عادت کے ترک کرنے کا حکم دے۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔

انّ المنبتّ لا ارضاً قطع ولا ظهراً ابقٰی

جو شخص اپنے جانور کو زبردستی چلاتا رہتا ہے تا آنکہ وہ چور ہو کر گر پڑتا ہے وہ شخص نہ تو مسافت طے کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی سواری بچ سکتی ہے۔

(نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم   نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے)

خلوت کی تلقین اس کے بعد شیخ مرید کو خلوت اور گوشہ نشینی کا حکم دے اور مرید کے لئے اس حالت میں ضروری ہے کہ وہ گھٹیا قسم کے خیالات اور ان خیالات کو جن سے دِل اللہ سے ہٹتا ہے، دُور کرنے کی کوشش کرے۔

یاد رکھیں کہ ابتدا ارادت میں اس حالت میں خلوت کے دوران میں بہت کم ایسا ہوتا ہے

کہ مرید کے اعتقاد میں وسوسے نہ آئیں۔ بالخصوص جب کہ مرید کا دل صاف ہو۔ لیکن ہر مرید کو ابتداء ارادت میں یہ کیفیت پیش نہیں آتی۔ اور یہ حالت ان آزمائشوں میں سے ہے جن میں مرید مبتلا ہوتے ہیں۔ لہٰذا شیخ کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ مرید میں سمجھ بوجھ پائے تو اُسے عقلی دلائل کی طرف رجوع کرنے کو کہے۔ کیونکہ معرفت کا طالب علم کے ذریعے سے ان وساوس سے جو اس پر طاری ہوتے ہیں، نجات پا جاتا ہے۔ اور اگر شیخ دیکھے کہ اس میں طریقت کے اندر قوت اور ثابت قدمی پائی جاتی ہے تو پھر اُسے صبر اور پیوستہ ذکر کرنے کا حکم دے تاآنکہ اس کے دل میں مقبولیت کا انوار چمک اُٹھے اور وصول (الی الحق) کے سورج اس کے باطن میں طلوع ہو جائیں۔ اور (انشاء اللہ) یہ بات عنقریب ہو کر رہے گی۔ مگر یہ بات سوائے خاص افراد کے اوروں میں نہیں پائی جاتی۔ بالعموم یہی ہوتا ہے کہ ان کا علاج اس طرح کیا جاتا ہے کہ انہیں آیات میں غور و خوض کرنے کی طرف لوٹایا جائے۔ بشرطیکہ انہیں اس قدر علم اصول حاصل ہو۔ جس قدر کہ مرید کو اس کی ضرورت پڑتی ہے۔

مرید کی مشکلات

یاد رکھیں کہ اس مقام میں مریدین کو خاص طور پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ اس طرح کہ جب وہ چلہ کشی میں [illegible]تے ہیں۔ یا جب وہ سماع کی مجلس میں ہوتے ہیں یا کسی اور مقام پر تو اس وقت ان کے دلوں میں بڑی بڑی اشیاء کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ انہیں یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ان امور سے منزہ و پاک ہے اور انہیں ان خیالات کے باطل ہونے میں شک و شبہ بھی نہیں ہوتا۔ مگر یہ وساوس دوام پکڑ کر ان کے لئے سخت اذیت کا باعث ہوتے ہیں۔ اور یہ اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ یہ سخت ترین دشنام بدترین قول، اور مکروہ ترین خیالات بن جاتے ہیں کہ مرید کو ان کا زبان پہ لانا بھی ممکن نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی سے اس کا اظہار کر سکتا ہے۔ یہ مشکل ترین چیز ہوتی ہے۔ جو ان پر واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے موقع پر ضروری ہے کہ ان وساوس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے ذکر کو بدستور جاری رکھا جائے اور اللہ سے عجز و نیاز سے درخواست کی جائے کہ وہ ان وساوس کو ان سے دور کرے۔ یہ وساوس شیطان کی طرف سے نہیں ہوتے یہ صرف ہواجسِ نفس ہوتے ہیں لیکن جب بندہ ان کا مقابلہ اسطرح کرے کہ انکی پرواہ ہی نہ کرے تو یہ ہواجسِ نفس منقطع ہو جاتے ہیں۔

آدابِ مرید

آداب مرید میں سے، بلکہ اس کی حالت کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اپنی خلوت کی جگہ سے نہ نکلے اور (۲) پیشتر اس کے کہ وہ اپنے دل کے ساتھ رب تک پہنچ جائے۔ اسے سفر نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ مرید کے لئے بے موقعہ سفر کرنا زہرِ قاتل ہے اور اگر کوئی بے موقعہ سفر کرے تو جن مراتب کی اس کے لئے امید کی جا سکتی تھی۔ وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی مرید سے بھلائی کرنا چاہتا ہے تو ابتداء ارادت میں اسے ثابت قدم بنا دیتے ہیں۔ اور جب کسی سے برائی چاہتے ہیں تو اسے اس کی پہلی حالت میں یا پہلے پیشہ میں لوٹا دیتے ہیں۔ اور جب کسی مرید کو آزمانا چاہتے ہیں تو اسے سفر میں دھکیل دیتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب مرید اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

لیکن اگر مرید نوجوان ہو تو اس کی طریقت یہی ہے کہ ظاہری طور پر بذاتِ خود فقراء کی خدمت کرے اور وہ طریقت میں ان فقراء میں سب سے کم مرتبہ والا ہوگا۔ اور اس قسم کے اور لوگ طریقت کے ظاہری رسوم پر اکتفا کریں گے اور سفر میں لگے رہیں گے اور زیادہ سے زیادہ جو چیز انہیں اس طریقہ پر حاصل ہوگی۔ وہ چند حج ہوں گے۔ یا چند ایک مقامات کی زیارت ہوگی۔ اور ظاہری سلام کے ساتھ چند شیوخ کی ملاقات ہوگی۔ چنانچہ یہ ظاہری امور کا مشاہدہ کریں گے اور اس طرح ظاہری سیر و سیاحت پر اکتفا کر بیٹھیں گے۔

ان لوگوں کے لئے ہمیشہ سفر میں رہنا ضروری ہے۔ تاکہ ان کی تن آسانی کسی ممنوع امر کے مرتکب ہونے کا باعث نہ بن جائے۔ اس لئے کہ جب نوجوان کو آرام اور تن آسانی میسر آجائے تو اس کا فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔

اور جب کوئی مرید ابتداء ارادت میں فقراء اور اصحاب کی جماعت میں گھس جائے تو یہ بات خود اس کے لئے سخت مضر ہے اور کوئی اس بات میں مبتلا ہو جائے تو اسے شیوخ کا احترام اور اصحاب کی خدمت کرنی چاہیئے اور کسی بات میں ان کی مخالفت نہ کرنی چاہیئے اور ایسے امور میں لگا رہنا چاہیئے جن سے فقیر کو آرام و راحت حاصل ہو اور کوشش کرنی چاہیئے کہ کہیں شیخ کا دل اس سے اچاٹ نہ ہو جائے۔

نیز یہ کہ جب یہ فقراء کی صحبت میں ہو تو یہ ہر وقت ان کی خاطر اپنے نفس کے ساتھ جھگڑے، یہ نہ ہو کہ وہ اپنے نفس کی خاطر ان سے جھگڑے۔ یوں سمجھے کہ ان میں سے ہر ایک کا اس پر ضرور حق ہے۔ اور اس کا ان پر کسی قسم کا حق نہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مرید کسی کی مخالفت نہ کرے اور اگر اُسے معلوم ہو کہ وہ حق پر ہے تو وہ خاموش رہے اور ہر ایک کے ساتھ موافقت کا اظہار کرے۔ جس کسی مرید میں ہنسی یا ضد یا جھگڑے کی عادت پائی جاتی ہو۔ اس سے کچھ بن نہ آئے گا۔

اور جب مرید فقراء کی جماعت میں ہو، خواہ سفر میں خواہ حضر میں، تو اسے ظاہر میں ان کی مخالفت نہیں کرنی چاہیئے، نہ کھانے میں، اور نہ روزہ رکھنے میں، اور نہ کسی سکون میں اور نہ حرکت میں، اگر کرے تو دِل میں اور باطن میں کرے۔ تاکہ اس کا دِل اللہ کے ساتھ محفوظ رہے اور جب وہ اُسے کسی بات کا حکم دیں۔ مثلاً کھانے کا تو وہ ایک یا دو لقمے کھالے۔ مگر خواہش کے مطابق نہ کھائے

ظاہری طور پر کثرت اوراد مرید کے آداب میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ تو اپنے وسوسوں کو نکالنے کی کوشش میں اور اپنے اخلاق کے علاج اور دل سے غفلت کو دُور کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اور نیک اعمال کی کثرت میں نہیں لگتے۔ مگر فرضوں اور سنن مؤکدہ سے کسی صورت میں بھی چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ اب رہا سوال کہ نفلی نمازوں کا اس میں اضافہ کیا جائے تو ان کے لئے دِل سے ہمیشہ ذکر جاری رکھنا اس سے بہتر ہے۔

مرید کو ہر کسی کی بات کو برداشت کرنا ہوگا

مرید کی ساری پونجی یہی ہے کہ وہ ہر کسی کی بات کو بطیبِ خاطر برداشت کرے اور جو کچھ اس سے پیش آئے اسے رضامندی کے ساتھ قبول کرے۔ دُکھ اور فاقہ پر صبر کرے۔ کسی سے سوال نہ کرے اور اپنی ذات کی خاطر کسی سے نہ جھگڑے۔ خواہ بات چھوٹی ہو یا بڑی جو مرید ان باتوں پر صبر نہ کر سکتا ہو۔ اسے طریقِ فقر چھوڑ کر بازار میں بیٹھنا چاہیئے۔ کیونکہ جو مرید اپنی باتوں کی خواہش رکھتا ہو۔ جن کی عالم لوگ خواہش رکھتے ہیں تو اسے اپنی خواہشات کو وہیں سے حاصل کرنا چاہیئے۔ جہاں سے وہ لوگ حاصل کرتے ہیں۔ یعنی ہاتھ کی محنت کی کمائی سے۔

مرید کو جو مشاہدات ابتداءِ ارادت میں حاصل ہوں انکی طرف دل نہ لگانا چاہیئے

جب مرید متواتر ذکر جاری رکھے۔ اور خلوت پذیر ہو تو اگر اسے اسی حالت میں ایسے امور حاصل ہوں۔ جو پہلے حاصل نہ تھے۔ خواہ خواب میں، خواہ بیداری میں، یا خواب اور بیداری کے بین بین مثلاً یہ کہ وہ یہ سُنے کہ کوئی شخص اُسے خطاب کر رہا ہے یا کوئی اور خارقِ عادت بات مشاہدہ کرے۔ تو اسے اس کے ساتھ قطعاً مشغول نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہی اس پر مطمئن ہو جانا چاہیئے اور نہ ہی اس قسم کے اور مشاہدات کا منتظر رہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ یہ تمام امور حق تعالےٰ سے ہٹا دینے والے ہیں۔ اس لئے یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ ان حالات کو اپنے شیخ کے سامنے بیان کرے تاکہ اس کا دل اس سے خالی ہو جائے۔ شیخ کو بھی چاہیئے کہ اس کے راز کو محفوظ رکھے اور دوسروں سے اسے چھپائے رکھے۔ مگر اس کی اپنی نگاہ میں ان باتوں کو اس کے سامنے حقیر اور معمولی بنائے۔ کیونکہ یہ امور تمام کے تمام آزمائش کے طور پر ہوتے ہیں۔ اور ان پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانا دھوکہ ہوتا ہے۔ مرید کو ان سے اور ان کی طرف نگاہ رکھنے سے بچنا چاہیئے اور اپنی ہمت ان امور کی طرف لگانی چاہیئے۔ جو اس سے بلند تر ہوں۔

مشاہدات سے انس محسوس کرنا مُرید کے لئے مضر ہے۔

یاد رکھیں کہ مرید کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں امر یہ ہے کہ وہ ان امور پر جو اس کے باطن میں حق تعالیٰ کی طرف سے ڈالے جاتے ہیں۔ انس محسوس کرے۔ مثلاً حق تعالےٰ کا اسے اپنا قُرب عطا کرنا اور اللہ تعالےٰ کا یہ احسان کہ میں نے تجھے اس بات کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ اور تمہارے ہم جنسوں سے تجھے ممتاز کر دیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ان امور کو ترک کر دینے کا عزم کرے گا۔ تو اسے ان سے ہٹا کر مکاشفاتِ حقیقت سے ہٹا دیا جائے گا۔ کتابوں میں ان امور کی تشریح نہیں کی جا سکتی۔

شیخ کی تلاش میں ہجرت کرنا

مُرید کے احکام میں سے ایک حکم یہ ہے۔ کہ اگر وہ اپنے شہر میں کسی ایسے شخص کو نہ پائے۔ جس سے وہ تربیت حاصل کر سکے۔ تو وہ ہجرت کر کے ایسے شخص کے پاس چلا جائے۔ جو مریدوں کی رہنمائی کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اور اس کے پاس رہے۔ اور اس کے در کو اس وقت تک نہ چھوڑے۔

جب تک کہ وہ خود اجازت نہ دے۔

مُرید کے لئے حج کرنے سے پہلے معرفتِ الٰہی کا حاصل کرنا ضروری ہے

یاد رکھیں کہ بیت اللہ کی زیارت سے پہلے کے مالک کا جاننا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر گھر کی معرفت نہ ہوتی۔ تو اس گھر کی زیارت کرنا نہ ہوتا۔

ان لوگوں میں سے وہ نوجوان جو شیخ کے حکم کے بغیر حج کے لئے نکل جاتے ہیں۔ وہ محض نفس کی وجہ سے ایسا کر بیٹھتے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ رسمی طریقت پر چلتے ہیں۔ اور ان کے اس سفر حقیقت نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس قدر ان کا سفر بڑھتا جائے گا۔ اسی قدر اس کے د پریشانی بڑھتی جائے گی۔ اگر یہ لوگ اپنے حظوظِ نفسانیہ کو ترک کر کے ایک قدم بھی آگے بڑ تو یہ ان کے لئے ایک ہزار سفر سے بھی زیادہ سُود مند ہوتا۔

مرید شیخ کی خدمت میں نہایت احترام سے جائے

مُرید کی ایک شرط یہ ہے کہ جب وہ شیخ کی زیـ جائے۔ تو نہایت احترام کے ساتھ اس کے پاس جائے۔ اور شرم و حیا سے اس کی طرف دیکھے اگر شیخ کسی قسم کی خدمت کا اسے اہل خیال کرے۔ تو اُسے اس کو بہت بڑی نعمت شـ چاہیئے۔

شیخ معصوم نہیں ہوتا

مُرید کے لئے مناسب نہیں۔ کہ وہ اپنے شیخ کے متـ یہ عقیدہ رکھے کہ وہ معصوم ہے۔ بلکہ اُسے ان کے و چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور ان کے متعلق حُسنِ ظن رکھنا چاہیئے اور جن امور کی طرف وہ توجہ دے میں سے اللہ کی مقرر کردہ حدود کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ محمود اور غیر محمود کے درمیان امتیاز کرنے کے اس کا علم اس کے لئے کافی ہوگا۔

مرید کے دل میں ساز و سامان کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہونی چاہیئے

جس مرید کے دل میں دنیا کے ساز و سامان تھوڑی سی بھی قدر و منزلت ہو۔ اور اس کے "ارادت" کا نام دنیا مجازی ہوگا۔ حقیقی نہ ہو

لہٰذا جب اس کے دل میں اس سرمایہ کے متعلق جس سے وہ علیحدگی اختیار کر رہا ہے۔ اختیار باقی ہوگا۔ چنانچہ وہ یہ چاہے کہ کسی خاص قسم کی نیکی پر لگائے۔ یا کسی مخصوص شخص کے ساتھ نیکی کرے۔ (دوسرے کے ساتھ نہ کرے) تو سمجھ لو کہ یہ شخص اپنی حالت میں تکلف سے کام لے رہا ہے۔ اور خطرہ ہے۔ کہ جلد ہی دنیا کی طرف رجوع کرنے لگ جائے گا۔ اس لئے کہ دنیادی علائق کو ترک کرنے میں مرید کا ارادہ ان چیزوں سے علیحدگی اختیار کرنا ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ وہ نیکی کے کاموں میں کوشش کرے۔ مرید کے لئے یہ بات زیب نہیں دیتی۔ کہ وہ اپنی تمام پونجی اور اندوختہ سے علیحدگی اختیار کرنے کے باوجود کسی خاص پیشہ کا مقید ہو رہے۔ اس کے نزدیک تو اس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہونے چاہئیں۔ تاکہ وہ مال کی وجہ سے نہ تو کسی فقیر سے فخر کرے اور نہ کسی کو تنگ کرے۔ خواہ وہ مجوسی ہی کیوں نہ ہو۔

فصل

اگر شیخ کا دل مرید کو قبول کرے تو یہ اس کے لئے سعادت کا باعث ہے

شیخ کے دل کا مرید کو قبول کر لینا مرید کی سعادت مندی کا بہترین ثبوت اور جسے کسی شیخ کے دل نے رد کر دیا۔ وہ یقیناً اس کا انجام دیکھ لے گا۔ خواہ کچھ مدت کے بعد ہی دیکھے۔ اور جو اپنے شیخ کا احترام نہ کرنے کی وجہ سے رسوا ہوا تو اس نے بدبختی کے علامات ظاہر کر دئے اور اس قسم کا شخص بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

فصل

مرید کو نوخیز بچوں کی صحبت سے بچنا چاہیئے

اس راہ میں سخت ترین آفت نوخیز بچوں کی صحبت ہے۔ جسے اللہ تعالےٰ نے ان کی صحبت میں مبتلا کر دیا۔ تو اس بات پر تمام شیوخ کا اتفاق ہے۔ کہ اس بندے کو اللہ تعالےٰ نے ذلیل و خوار کر دیا۔ بلکہ اسے اپنی ذات سے غافل کر دیا۔ خواہ اسے ہزار ہا کرامت کا اہل کیوں نہ بنا دیا ہو اور فرض کرو کہ وہ شخص شہداء[۱۳۶۹] کے مرتبہ کو پہنچ چکا ہے۔ (تب بھی کوئی

بات نہیں) کیونکہ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ کیا یہ دل (اللہ کو چھوڑ کر) مخلوق کی طرف مشغول نہیں ہوا۔ اس سے بھی سخت بات یہ ہے کہ مرید اُسے معولی بات سمجھنے لگ جائے۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ (وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ)

تم اسے معمولی بات سمجھتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک یہ ایک بڑی بات ہے

واسطی فرماتے ہیں۔ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کو ذلیل و خوار کرنا چاہتا ہے تو اسے ان بدبوؤں اور مرداروں کی طرف ڈال دیتا ہے۔

میں نے ابوعبداللہ الصوفی سے سُنا کہ محمد بن احمد النجار نے کہا۔ کہ ابو عبداللہ الحصری فرماتے ہیں کہ میں نے فتح موصلی کو فرماتے سنا کہ میں تیس ایسے شیوخ کی صحبت میں رہا ہوں۔ جو ابدال میں شمار ہوتے تھے اور جب میں اُن سے جُدا ہونے لگا تو ہر ایک نے یہی نصیحت کی۔ اور فرمایا۔ نوخیزوں کی صحبت اور اُن سے میل جول رکھنے سے بچتے رہنا۔ اور جو لوگ اس سلسلہ میں فسق کی حالت سے بلند ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو روُح کی آزمائش ہے اور یہ کہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اور جو کچھ لوگوں نے کہا ہے۔ یہ سب ان لوگوں کے وسوسے ہیں جو صنعتِ خداوندی کا مشاہدہ کرنے کے قائل ہیں اور وہ اس سلسلہ میں بعض شیوخ کی حکایات بھی بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ ان شیوخ کے عیوب پر پردہ ڈالتے۔ یہ تمام قسم کے خیالات شرک اور کُفر کے برابر ہیں۔ مرید کو نوخیزوں کی صحبت اور اُن سے میل جول رکھنے سے بچنا ہی چاہیئے۔ اس لئے کہ تھوڑی سی یہ صحبت رسوائی کے دروازے کھول دے گی۔ اور خُدا سے جُدا کر دے گی۔ ہم اللہ تعالےٰ کے پاس بُری قضا سے پناہ چاہتے ہیں۔

فصل

مرید کو حسد سے بچنا چاہیئے

مُرید کی آفات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کے اندر اپنے بھائیوں کے متعلق ایک مخفی حسد پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس بات سے اثر پذیر ہوتا ہے کہ اس کے برادرانِ طریقت میں سے کسی ایک پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے اور خود اس سے محروم ہے۔

یاد رکھو، تمام امور اللہ کی تقسیم ہیں۔ بندہ اس قسم کے حسد سے صرف اس وقت نجات پا سکتا ہے۔ جب وہ ذات حق پر اکتفا کرے اور اللہ نے اگر کسی کو مقدم کیا ہے تو یہ اس کی سخاوت اور انعام کا تقاضا ہے۔ لہٰذا اے مرید، جب تو دیکھے کہ اللہ تعالےٰ نے کسی کا مرتبہ بلند کر دیا ہے تو تجھے اس شخص کا حاشیہ بردار ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ کے ارادتمندوں میں ظریف الطبع لوگوں کا یہی دستور رہا ہے۔

فصل

مرید کا کام ایثار کرنا ہے

یاد رکھیں کہ جب ایسا اتفاق ہو کہ مرید کچھ لوگوں کے اندر ہے تو اُسے سب کچھ ایثار کر دینا چاہیئے۔ اوروں کو خواہ وہ بھوکے ہوں۔ خواہ سیر اپنے سے مقدم جاننا چاہیئے۔ اور جو شخص بھی اپنے آپ کو شیخ بنائے اسے اس کی شاگردی کرنی چاہیئے۔ خواہ وہ خود اس سے زیادہ علم کیوں نہ رکھتا ہو۔ یہ بات اسے اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے۔ جب وہ اپنی قوت اور چالاکی سے بیزار ہو۔ اور اس مرتبہ تک پہنچنا بھی اللہ تعالےٰ کی عنایت اور احسان سے ہی ہو سکتا ہے۔

فصل

سماع میں مُرید کے آداب

اب رہا یہ سوال، کہ سماع میں مُرید کے کیا آداب ہونے چاہئیں۔ سو معلوم ہونا چاہیئے کہ سماع میں مرید کی حرکات کا صحیح و سالم رہنا اپنے اختیار کی بات نہیں ہے۔ لہٰذا جب اس پر حرکت کرنے کی کیفیت طاری ہو۔ اور اس میں اپنی .... قوت باقی نہ رہی ہو۔ تو اس مرید کو حرکت کے غلبہ کی مقدار کے مطابق معذور سمجھا جائے گا۔ مگر جب یہ غلبہ زائل ہو جائے تو پھر مرید کو چاہیئے کہ بیٹھ جائے۔ اور ساکن ہو جائے۔ لیکن اگر وہ وجد کی لذت کی خاطر پھر بھی حرکت جاری رکھے۔ حالانکہ اس پر نہ حرکت کا غلبہ ہے اور نہ اس کی ضرورت، تو یہ بات اس کے لئے درست نہیں۔ اور اگر وہ اُسے اپنی عادت بنا لے گا۔ تو یہ اوروں کے پیچھے رہ جائے گا۔ اور کسی قسم کے حقائق کا اسے مکاشفہ نہ ہو

گا۔ اس وقت زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس کا دل خوش ہو جائے۔

مختصر بات یہ ہے کہ (سماع میں) خواہ مرید حرکت کرنے لگے خواہ شیخ اس سے ان کے رتبہ میں کمی اور ان کی حالت میں نقص پیدا ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اگر یہ حرکت وقت کے اشارہ یا ایسے غلبہ کی وجہ سے پیدا ہو۔ جس سے وہ عقل کھو بیٹھے تو پھر کوئی حرج کی بات نہیں۔ اسی طرح اگر مُرید کو شیخ نے حرکت کرنے کا حکم دیا ہو (اور حرکت کرے۔) تو کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ شیخ ایسا ہو جسے اس قسم کے مریدوں کو حکم کرنے کا حق حاصل ہے۔

لیکن جب فقراء اسے اس بات کا حکم دیں کہ وہ حرکت کرنے میں ان کی موافقت کرے۔ تو اسے کھڑے ہو جانے میں ان کا ساتھ دینا چاہیئے نیز ان چیزوں کے ادا کرنے میں جن سے کوئی چارہ کار نہیں ہو سکتا۔ ایسے امور جن میں اسے اس بات کا خیال ہو کہ کہیں ان کے دل اس سے متنفر نہ ہو جائیں۔ مزید براں اس کا صدق فقراء کو اس سے یہ درخواست کرنے سے باز رکھے گا۔ کہ وہ ان سے موافقت کرے (کیونکہ یہ تو خود بخود ان کی موافقت کرے گا۔

سماع میں خرقہ اتار پھینکنا

خرقہ اتار پھینکنے کے متعلق حکم یہ ہے کہ جب مرید کسی چیز سے نکل آئے۔ تو پھر اسے دوبارہ اس چیز کی طرف قطعاً نہیں لوٹنا چاہیئے۔ ہاں اگر شیخ اس چیز کی طرف لوٹنے کا اسے حکم دے۔ تو وہ دل میں یہ خیال کر کے۔ کہ میں اُسے عارتیاً لے رہا ہوں، لے سکتا ہے اور بعد میں شیخ کا دل برداشتہ کئے بغیر اسے پھر چھوڑ دے۔ جب ایسا اتفاق ہو جائے کہ وہ ان لوگوں میں ہے۔ جنہیں خرقہ اتار پھینکنے کی عادت ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ وہ پھر لے لیتے ہیں۔ اس صورت میں اسے خرقہ پھینکنے میں ان کی موافقت کرنی چاہیئے۔ اور پھر جب وہ دوبارہ اٹھائیں۔ تو یہ اپنا خرقہ قوال کو دے دے۔ اور اگر یہ پھینکے ہی نہیں۔ تو جائز ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ یہ لوگ پھینکنے کے بعد لوٹا لیتے ہیں۔ بُری بات تو درحقیقت ان کا خرقوں کا لوٹا لینا ہے۔ نہ کہ اس کا ان کی مخالفت کرنا بہرحال بہتر یہی ہے کہ یہ خرقہ پھینکنے میں ان کی موافقت کرے اور پھر لوٹائے نہیں۔

مرید کے لئے اس صورت میں بھی درست نہیں کہ قوال سے مکرر بول کو کہنے کا تقاضا کرے اس لئے کہ اسکے حال کا صدق قوال کو تکرار پر مجبور کرے گا۔ اور اوروں کو اور تقاضا کرنے پر مجبور کرے گا۔ جو

اس حالت میں مرید سے برکت حاصل کرنا چاہے۔ اس نے مرید پر ظلم کیا۔ اس لئے کہ مرید میں قوت نہیں ہوتی۔ کہ وہ ریا کو روک سکے۔ لہٰذا مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ جاہ پسندی کو ترک کرے۔

فصل

اگر کوئی مرید جاہ یا (معلوم) دنیاوی مال و دولت یا نوخیزوں کی صحبت یا عورت کی محبت یا معلوم کے ساتھ سکون و اطمینان محسوس کرنے میں مبتلا ہو جائے اور وہاں کوئی ایسا شیخ بھی نہ ہو۔ جو اسے اس کی حالت پر آگاہ کرے تاکہ وہ اس سے نجات پا سکے۔ اس وقت مرید کے لئے سفر کرنا اور اس جگہ سے ہٹ جانا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ اس کی حالت میں پریشانی پیدا ہو۔

مریدوں کے دلوں کے لئے ان کی بشریت کے محو ہو جانے سے پہلے جاہ کے حاصل ہونے سے بڑھ کر کوئی چیز نقصان دہ نہیں۔

مرید کا علم اس کے مرتبہ سے زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔

آداب مریدیں سے یہ بھی ہے کہ اس طریقہ میں اس کا علم اس کی منزل سے زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ جب وہ ان لوگوں کے حالات جان لے گا اور پیشتر اس کے کہ وہ صوفیاء کے مسائل اور احوال کے ساتھ پورے طور پر متصف ہو جائے۔ ان کے مسائل اور احوال کو جاننے کی کوشش کرے تو اس کا معانی تک پہنچنا ناممکن ہو جائے گا۔ اسی لئے تو مشائخ فرماتے ہیں۔ جب کوئی عارف معرفت کی باتیں کرے تو تم اُسے جاہل کہو۔ کیونکہ منزلوں کی خبریں بتانا معارف سے کم درجہ رکھتا ہے اور جس کا علم منزل پر آجائے وہ شخص صاحب علم کہلائے گا۔ صاحب سلوک نہیں کہلائے گا۔

فصل

آداب مُریدیں سے ایک امر یہ بھی ہے۔ کہ وہ صدر بننے (مسند نشینی) کی خواہش نہ کرے۔ اور نہ ہی اس بات کے درپے ہو کہ کوئی اس کا شاگرد یا مرید ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی مرید مراد بن گیا۔ حالانکہ ابھی تک اس کی بشریت فنا نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی اس کی آفتیں ساقط ہوئی ہیں۔ تو

وہ شخص حقیقت سے حجاب میں ہو جائے گا۔ اس کے اشارات اور تعلیم کسی کو فائدہ نہیں پہنچا

فصل

جب کوئی مرید فقراء کی خدمت کرے۔ تو فقراء کے خیالات اس کے پاس ان کے قاصد کر آئیں گے۔ لہٰذا جس بات کا حکم مرید کا باطن دے۔ یعنی یہ کہ وہ ان کی خدمت کرنے میں خلوص پیش آئے۔ اور اس میں اپنی تمام طاقت خرچ کر دے تو مرید کو اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے مرید کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب وہ فقراء کی خدمت کرنا اپنا طریقہ بنالے تو ہو کی سختی پر صبر کرے اور عہد کرے کہ وہ ان کی خدمت میں اپنی روح تک خرچ کر دے گا پھر بھی اگر وہ اس کی باتوں کو پسند نہ کریں تو وہ اپنی کوتاہی کا عذر پیش کرے گا۔ اور ان کے دلوں خوش کرنے کے لئے اپنی غلطی کا اعتراف کرے گا۔ خواہ اُسے اپنی بے گناہی کا علم ہی کیوں نہ ہو اور وہ اس سے اور بھی سختی سے پیش آئیں۔ یہ ان سے اور زیادہ نیکی سے پیش آئے۔ اور ان کی ا زیادہ خدمت کرے۔

میں نے امام ابوبکر بن فورک کو فرماتے سُنا۔ مثال ہے کہ جب تو ہتھوڑے کی چوٹوں پر نہیں کر سکتا۔ تو تو آہرن کیوں بنتا ہے۔

اسی سلسلہ میں یہ شعر بھی پیش کیا جاتا ہے۔

ربما جئته لا سلفه الحق　　　　وبعض الذنوب قبل التجنی

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گناہ کئے بغیر ہی میں اس کے پاس اپنے گناہوں کا عذر پیش کرنے کے لئے آجاتا ہوں۔

فصل

تصوف کی بناء آداب شریعت کی حفاظت اور حرام سے اجتناب پر ہے

طریقت کی بناء آداب شریعت کی حفاظت اور اور شُبہ کی طرف ہاتھ پھیلانے سے بچنے۔ کو ممنوع چیزوں سے بچانے، اور غفلت ترک

کے اپنے سانسوں کو اللہ کے ساتھ شمار کرنے پر ہے۔ نیز یہ کہ مُرید ضرورت کے وقت بھی ایک رائی بھر بھی ایسی چیز جس میں شبہ ہو۔ حلال نہ سمجھے۔ چہ جائیکہ اختیار اور راحت کے وقت۔ مُرید کا خاصہ یہ ہے کہ شہوات کے ترک کرنے میں ہر وقت مجاہدہ میں لگا رہے۔ اس لئے کہ جس نے اپنی خواہشات کا ساتھ دیا۔ اس کے باطن کی صفائی جاتی رہی۔ مرید کے لئے بدترین خصلت یہ ہے کہ وہ ایسی خواہش کی طرف رجوع کرے۔ جسے وہ اللہ کی خاطر ترک کر چکا۔

فصل

مرید ان عہدوں پر جو اس نے اللہ کے ساتھ کئے ہیں قائم رہے

مرید کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ جو عہد وہ اللہ سے کر چکا ہے۔ ان پر قائم رہے۔ کیونکہ طریقت میں عہد کا توڑنا ایسا ہی ہے۔ جیسا اہل ظاہر کے نزدیک دین سے پھر جانا۔ (یعنی مُرتد ہو جانا) مُرید کو جہاں تک ممکن ہو سکے۔ اپنے اختیار سے اللہ کے ساتھ کسی قسم کا عہد نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ امور جو شریعت نے لازم قرار دئے ہیں۔ مرید کی تمام قوت کو صرف کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کچھ لوگوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

" ابتدعوها ما کتبنا ها عَلَیْهِمْ الا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعایتها"

(رہبانیت کو) اُنہوں نے خود بخود گھڑ لیا تھا۔ حالانکہ ہم نے رہبانیت ان پر فرض قرار نہیں دی تھی ہاں البتہ اللہ تعالےٰ کی رضامندی طلب کرنا ان پر فرض کیا تھا۔ مگر انہوں نے (اس خود ساختہ رہبانیت) کا جیسا کہ حق تھا خیال نہ رکھا۔

فصل

مرید کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ امیدوں کو کم کرے کیونکہ وہ تو وقت کا بیٹا ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر مرید کسی آئندہ چیز کی تدبیر کرے۔ اور جس حالت میں وہ اس وقت ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کی طرف امید لگائے رکھے یا کسی نئی چیز کی اُمید ہو۔ تو اس مرید سے کچھ نہ بن آئے گا۔

فصل

مُرید کی شان یہ بھی ہے۔ کہ اس کے پاس دولت نہ ہو۔ خواہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ بالخصوص جب کہ وہ فقراء کے درمیان ہو۔ کیونکہ دولت کی تاریکی وقت کے نُور کو بُجھا دیتی ہے۔

فصل

مُرید کی شان یہ بھی ہونی چاہیئے۔ بلکہ اس مذہب کے تمام سالکین کی یہ شان ہونی چاہیئے۔ کہ وہ عورتوں کی نرم نرم باتوں کو قبول نہ کریں۔ چہ جائیکہ ان کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرے۔ ان کے شیوخ کا یہی طریقہ رہا ہے۔ اس کی انہوں نے وصیت کی ہے اور جس نے اس کو معمولی بات سمجھا۔ وہ عنقریب ایسے امور سے دوچار ہوگا۔ جو اُسے رُسوا کر دیں گے۔

فصل

مرید کو دنیا داروں سے دُور رہنا چاہیئے

مرید کی یہ بھی شان ہونی چاہیئے۔ کہ وہ دنیا داروں سے دُور رہے۔ کیونکہ ان کی صحبت تجربہ شدہ زہر قاتل ہے۔ اس لئے کہ دنیادار تو اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ اور اُسے ان سے نقصان ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا "

آپ ان لوگوں کے پیچھے نہ لگیں جن کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے۔ زاہد لوگ اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے مال اپنی ہتھیلیوں سے نکالتے ہیں۔ اور اہل صفاء اللہ کی مدد سے تحقیق کر کے اخلاق اور معارف کو دل سے نکالتے ہیں۔

استاد امام القاسم عبدالکریم بن ہوازی قشیری رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں۔ مریدوں کو میری یہ وصیت ہے۔ ہم اللہ تعالےٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ انہیں (ان پر عمل پیرا ہونے کی) توفیق دے اور یہ کہ اللہ ان وصیتوں کو ان کے لئے وبال نہ بنائے۔

ہم ۴۳۸ھ کے شروع میں اس رسالہ کے لکھانے سے فارغ ہو گئے تھے۔ ہم اللہ کریم سے

دعا کرتے ہیں۔ کہ وہ اس رسالہ کو ہمارے خلاف حجت اور وبال نہ بنائے۔ بلکہ یہ دعا کرتے ہیں۔ کہ یہ رسالہ ہمارے لئے وسیلہ اور عنایت کا سبب ہو۔ خدا کی طرف سے مہربانی ایک مالوف چیز ہے۔ اور وہ درگذر کرنے سے موصوف ہے

والحمد للہ حق حمدہٗ وصلوٰتہ وَبَرَکاتہٗ ورحمتہ علےٰ رسوٗلہ سیدنا محمد النبی الامیّ وآلہ الطاہرین وصحبہ الکرام المنتخبین وسلم تَسلیماً دائماً کثیراً

حواشی

(۱) یعنی گھر تو بظاہر دیکھنے میں ویسے ہی ہیں، مگر ان میں وہ حسن و خوبی جو میری محبوبہ کے قبیلہ کی عورتوں میں تھی نہیں پائی جاتی۔ مطلب یہ ہے کہ حقیقی صوفی اور اُن کے کمالات اب کہیں دکھائی نہیں دیتے (۲) مجسمہ: ایک فرقہ ہے جس کی دو شاخیں ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا جسم ہے مگر وہ دیگر اجسام کی طرح نہیں ہے۔ اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ دیگر اجسام کی طرح ایک جسم ہے مشبہ وہ فرقہ ہے جو اللہ کو حوادثات کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے۔ معطلہ وہ لوگ ہیں جو صفات باری تعالےٰ کی نفی کرتے ہیں۔ اُن کا مقصد یہ ہے کہ ان صفات کو مان لینے سے ہم تعدد قدماء کے قائل بن جائیں گے (۳) جنید۔ ملاحظہ ہو نمبر ۱۱۰ (۴) ابو محمد جریری ملاحظہ ہو نمبر ۲۴۳ (۵) ابو عبد الرحمٰن سلمی ملاحظہ ہو مقدمہ (۶) عبداللہ بن موسیٰ سلامی شاعر مشہور۔ انہوں نے حسین بن اسمٰعیل المحاملی اور ابو محمد بن صاعد وغیرہما سے روایت کی۔ حدیث کی تلاش میں بہت سفر کئے۔ ادیب اور شاعر تھے۔ ۳۷۴ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۱۰: ۱۴۸۔ ۱۴۹ اور ۱۰: ۱۴۸۔ طبقات صوفیہ: ۲۸) (۷) شبلی ملاحظہ ہو۔ حاشیہ نمبر ۲۶۷ (۸) ابو حاتم صوفی دیکھیں مقدمہ صفحہ ۸۹ (۹) ابو نصر طوسی۔ ابو نصر عبد اللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ طوسی السراج انھیں طاؤس الفقراء کہا جاتا ہے۔ کتاب اللمع فی التصوف انہی کی تصنیف ہے۔ جسے نکلسن نے ۱۹۱۴ء میں شائع کیا ہے اور اب قاہرہ سے مصری ایڈیشن عبد الباقی سرور نے شائع کیا ہے۔ ان کی وفات ۳۷۸ھ میں ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ: ۵۵۔ کشف المحجوب: ۴۱۷ نفحات الانس: ۲۶۲۔ ۲۶۳ (۱۰) رویم۔ رویم بن احمد البغدادی۔ ملاحظہ ہو ۲۱۲ (۱۱) ابن عباس عبد اللہ بن عباس۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ حضرت عباس کے یہ سب سے بڑے لڑکے ہیں اور خالد بن ولید کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ اُن کو ان کی وسعتِ علمی کی بنا پر "الحبر" کہا جاتا ہے اور ان کا لقب "حبر الامۃ" ہے

اُن کی پیدائش اس زمانہ میں ہوئی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں شعب ابی طالب میں تھے
اور یہ ہجرت سے تین سال پہلے کا واقعہ ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لعاب دہن
کی گھٹی دی ۔ انھوں نے ستر سال کی عمر میں ۶۸ھ میں طائف میں وفات پائی ۔ (اسد الغابہ ۳: ۲۹۱۔
۱۹۵) ابن اثیر نے انھیں حضرت عباس کا سب سے بڑا لڑکا بتایا ہے مگر ابن کثیر (البدایہ والنہایہ ۸:
۲۹۵) فرماتے ہیں کہ یہ آخری بچے تھے ۔ (۱۲) محمد بن الحسین سے مراد ابو عبدالرحمن سلمی ہیں ۔ جن کا ذکر
مقدمہ میں ہو چکا ہے ۔ (۱۳) محمد بن عبد اللہ الرازی ۔ ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن عبدالعزیز بن شاذان رازی ۔
انھیں رحّالہ" بہت سفر کرنے والا) کہا جاتا ہے سلمی نے اُن سے صوفیاء کی بہت سی روایات نقل
کی ہیں ۔ یہ ابن شاذان رازی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں ۔ ۳۴۰ھ میں نیشاپور آئے اور وہیں اتوار
کے دن ۲۳ رجادی الآخر ۳۷۶ھ میں وفات پائی ۔ (طبقات الصوفیہ: ۱۹ المنتظم: ۳۴۷: ۷ اور
نفحات الانس: ۲۱۹ و تاریخ بغداد: ۵: ۴۶۴) (۱۴) ابوالطیب المراغی ان کے حالات معلوم نہ
ہو سکے (۱۵) ابوالحسن علی بن احمد بوشنجی ملاحظہ ہو (طبقات الصوفیہ: ۴۵۸) (۱۶) محمد بن محمد بن غالب
ابوبکر محمد بن محمد بن غالب ۔ انھوں نے حسین بن منصور سے روایت کی ہے ۔ چوتھی صدی ہجری کے
اختتام پر ان کی وفات ہوئی (۱۷) ابونصر احمد بن سعید الاسفنجانی ۔ کتاب میں الاسفنجانی ہی دیا ہے ۔
مگر شہر کا صحیح نام اسفیجاب ہے ۔ لہٰذا الاسفیجانی ہونا چاہیئے ۔ (۱۸) حسین بن منصور جو حلاج کے
نام سے مشہور ہیں ۔ صوفیاء میں اُن کے بارے میں سخت اختلافات پائے جاتے ہیں ۔ چنانچہ بعض انھیں
عالی مرتبہ اور عالم ربانی قرار دیتے ہیں ۔ اور بعض اُن کو مردود سمجھتے ہیں ۔ یہ دراصل فارس کے علاقہ میں
بیضاء کے رہنے والے تھے ۔ اور واسط اور عراق میں نشوونما پایا ۔ یہ جنیدؒ اور ابوالحسین نوری وغیرہ کی
صحبت میں رہے ۔ اور ۲۴ ذوالقعدہ ۳۰۹ھ منگل کے دن بغداد میں باب الطاق پر انھیں سولی چڑھا
دیا گیا نور الدین شریبہ نے طبقات الصوفیہ کے حاشیہ پر اُن کے حالات کے ماخذ کی ایک طویل فہرست
دی ہے ۔ تاہم انھوں نے کسی ماخذ کا ذکر نہیں کیا ۔ ملاحظہ ہو الفہرست: ۲۷۱ کشف المحجوب: ۱۸۹
بعد ۔ ابوبکر بن ابی اسحٰق کلاباذی نے اپنی کتاب التعرف لمذہب التصوف میں ان کا ذکر قال کبراءہم
کے الفاظ سے کیا ہے (۱۹) یوسف بن الحسین ابویعقوب یوسف بن الحسین الرازی مراد ہیں ۔ ملاحظہ طبقات
الصوفیہ: ۱۸۵ (۲۰) ذوالنون مصری ۔ ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ ۱۵ (۲۱) ابوعبد اللہ بن خفیف ملاحظہ ہو

طبقات الصوفیہ: ۴۶۲ (۲۲) ابوالعباس سَیّاری ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۴۴۰ (۲۳) ابوعلی دقاق ملاحظہ ہو۔ مقدمہ صفحہ ۶۹ (۲۴) ابوبکر واسطی ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۳۰۲ اور حاشیہ نمبر ۲۸ (۲۵) منصور بن عبداللہ: منصور بن عبداللہ، نورالدین نے انھیں ابوعلی الخالدی سمجھ کر حاشیہ لکھا ہے۔ اور کذاب قرار دیا ہے۔ (صفحہ: ۳۷) حالانکہ خود سلمی انھیں ابوالحسن منصور بن عبداللہ الدیمرتی لکھتے ہیں (صفحہ ۶۸) (۲۶) ابوالحسن العبری ابوالحسن علی محمد بن عبداللہ العنبری الطوسی یہ بغداد آئے اور وہاں محمد بن زنجویہ القشیری نیشاپوری سے روایت کی اور اُن سے حسین بن احمد بن دینار المعدل نے روایت کی۔ تاریخ بغداد ۱۲: ۷۲) (۲۷) سہل بن عبداللہ تستری: ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ ۲۰۶ (۲۸) ابوالحسن نوری ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۱۶۴ اور ۱۶۵ (۲۹) ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک ملاحظہ ہو مقدمہ (۳۰) ابوعثمان مغربی ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۴۷۹ (۳۱) واسطی: ابوبکر واسطی ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۳۰۲ (۳۲) محمد بن عبداللہ: ابوبکر محمد بن عبداللہ الرازی؛ طبقات الصوفیہ: ۱۸-۱۹ (۳۳) ابوجعفر صیدلانی: ابوجعفر محمد بن المصباح الصیدلانی سید علی ہجویری (کشف المحجوب ص۲۱۴ میں فرماتے ہیں کہ یہ صوفیاء کے سرداروں میں سے تھے۔ اور ان کا میلان حسین بن منصور حلاج کی طرف بہت زیادہ تھا۔ جامی (نفحات الانس ص۱۶۳) فرماتے ہیں کہ یہ ابوالحسن صائغ متوفی ۳۳۰ھ کے استاد تھے۔ اس لحاظ سے ان کی وفات قیاساً ۳۳۰ھ سے پہلے واقع ہونی چاہیئے۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔ (۱۴: ۱۴) کہ یہ ابن عطاء متوفی ۳۰۹ھ کے ہمعصروں میں سے تھے۔ ابوسعید خراز متوفی ۲۷۷ھ کی صحبت میں رہے۔ لہٰذا ان کی وفات تخمیناً ۳۰۹ھ اور ۳۳۰ھ کے درمیان واقع ہونی چاہیئے۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ یہ کئی سال مکہ میں رہے اور حصن میں وفات پائی۔ (مکہ میں یزید بن منصور کے گھر کی پچھلی جانب معجز نامی مقام کے پاس ایک گھاٹی ہے جس کا نام حصن ہے) (معجم البلدان: ۷: ۲۶۴) خطیب کے بیان کے مطابق یہ ابن الاعرابی متوفی ۳۴۱ھ کے بھی استاد تھے۔ لیکن سید علی ہجویری کشف المحجوب (۳۴۴: فرماتے ہیں۔

" ومن ابوجعفر صیدلانی را" دیدم با چہار ہزار اندر عراق پراگندہ کہ از حلاجیان بودند جملہ بر فارس بدین مقالت لعنت می کردندی"۔ لہٰذا جس ابوجعفر صیدلانی کا ذکر سید علی ہجویری نے کیا ہے وہ کوئی ایسے جوان کا ہمعصر ہے۔ (۳۴) یہ قول رسالہ قشیریہ اور نفحات الانس میں ص۲۷ میں اسی طرح

دیا ہے۔ اور یہی درست ہے۔ لیکن صفۃ الصفوۃ (۲ : ۲۴۵ - ۲۴۶) میں یہ قول اس طرح دیا ہے۔)

من ظن انہ ببذل الجہد یصل فمتعن ومن ظن انہ بغیر بذل الجہد یصل فمتعن۔ مگر اس طرح معنی درست نہیں ہوتے۔

(۳۵) واسطی : ابوبکر محمد بن موسیٰ الواسطی ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ : ۳۰۲ - اور حاشیہ نمبر ۲۵۷

(۳۶) عبد الواحد بن علی السیاری نیشاپوری ابو العباس سیاری کے بھانجے ہیں ان کی وفات ۳۷۵ھ میں ہوئی۔ طبقات الصوفیہ : ۳۰۹ نفحات الانس (۳۷) القاسم بن القاسم : ابو العباس القاسم بن القاسم سیاری ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ : ۴۴۰ احمد بن سیار کے نواسے تھے (۳۸) محمد بن الحسین الجوہری : ابوبکر محمد بن الحسین الجوہری بغداد کے رہنے والے تھے اور ذوالنون مصری کے شاگرد تھے۔ ابوبکر واسطی باوجود جلالت قدر کے ان سے روایت کرتے ہیں۔ نفحات الانس : ۱۲۷۔ خطیب بغدادی نے ایک سند میں انہیں محمد بن الحسن الجوہری لکھا ہے۔ (تاریخ بغداد : ۹ : ۱۵۲) حمزہ اصفہانی فرماتے ہیں۔ کہ یہ ابوبکر محمد بن الحسن بن علی بن یزید جوہری اصفہانی ہیں۔ انہوں نے یونس بن حبیب اور محمد بن عامر (م ۲۶۷ھ) سے روایت کی۔ (اخبار اصفہان : ۲ : ۲۴۰)

(۳۹) یعنی خود خالق افعال بنتے ہیں۔ خدا کو خالق افعال نہیں مانتے۔ جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ لہٰذا جب وہ خود خالق ٹھہرے تو درپردہ ربوبیت کا دعویٰ ہو گیا۔ لہٰذا ان میں اور فرعون میں دعویٰ ربوبیت کرنے میں کوئی فرق نہ ہوا (۴۰) عبد الواحد بن بکر : ابو الفرج عبد الواحد بن بکر الورثانی الصوفی۔ انہوں نے بہت سی احادیث لکھیں۔ شام میں احمد بن منصور شیرازی کے رفیق رہے۔ شیخ ابوبکر اسماعیل کے زمانہ میں ۳۶۵ھ میں جرجان آئے اور وہیں اخبار و احادیث اور حکایات سنیں۔ اور ان کی روایت کی۔ ان کی وفات حجاز میں ۳۷۲ھ میں ہوئی۔ تاریخ جرجان : ۲۱۱ (طبقات الصوفیہ : ۲۰) (۴۱) ہلال بن احمد : ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے : (۴۲) ابو علی رودباری : ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ : صفحہ ۳۵۴ اور حاشیہ نمبر ۲۷۴ (۴۳) ابو القاسم نصر آبادی، ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ : ۴۸۴ (۴۴) محمد بن الحسین سے یہاں مراد ابو عبد الرحمٰن محمد بن الحسین السلمی ہیں۔

(۴۵) "تفرقہ" اور جمع کے لئے ملاحظہ ہو نمبر ۳۶۱۔ اور رسالہ ۳۸ (۴۶) ابو اسحٰق اسفرائنی ابو اسحٰق ابراہیم

بن محمد ابراہیم الاسفرائنی۔ ان کی وفات نیشاپور میں عاشورہ کے دن ۴۱۸ھ میں ہوئی۔ معجم البلدان: ۲: ۸۰ا۔ نیز ملاحظہ ہو مقدمہ (ابن خلکان: ۱: ۸) شذرات: ۳: ۲۱۰) البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۲۴)

(۴۷) محمد الفراء: ابوبکر محمد بن احمد بن حمدون الفراء نیشاپور کے کبار مشائخ میں سے تھے۔ ابوعلی ثقفی، عبداللہ بن منازل ابوبکر وغیرہم کی صحبت میں رہے۔ ۳۷۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ طبقات الصوفیہ: ۵۰۷ نفحات الانس: ۱۸۵) (۴۸) ابوحسین فارسی: محمد بن احمد بن ابراہیم ابو الحسین الفارسی۔ یہ ابوبکر محمد اسحٰق الکلاباذی مصنف کتاب التعرف کے استاد تھے۔ ان کی وفات ۳۷۰ھ میں ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ: ۳۷۹) (۴۹) ابراہیم بن فاتک: ابوالفاتک کنیت بعض ابوالقاسم بتلاتے ہیں۔ ابراہیم بن فاتک بن سعید بغدادی اور بعض احمد بن فاتک کہتے ہیں۔ حسین بن منصور حلاج کے شاگرد اور خادم تھے۔ اور جنید اور نوری کی صحبت میں رہے۔ جنیدؒ اُن کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ (طبقات الصوفیہ: ۱۹۸ اور ۳۰۹ نفحات الانس ۱۵۱) (۵۰) احمد بن محمد بن علی البرذعی: ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن ھارون البرذعی الحافظ۔ انہوں نے دمشق میں ابوالحسن علی بن مہرویہ قزوینی سے حدیث کی روایت کی۔ اور ان سے ابوالحسین المیدانی اور مکی بن محمد وغیرہ نے (طبقات الصوفیہ: ۱۱۲ نفحات الانس: ۱۴۵) (۵۱) یحییٰ بن معاذ ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ ۱۰۷ (۵۲) ابوبکر رازی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن عبدالعزیز بن شاذان۔ واعظ تھے اور اکثر سیاحت میں رہتے۔ اور صوفیاء کی حکایت کی روایت کرتے۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے ان سے کثرت سے روایت کی ہے۔ ۳۴۰ھ میں نیشاپور آئے اور وہیں اتوار کے روز ۲۳ جمادی الاخریٰ ۳۷۶ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۱۹ از تاریخ بغداد: ۵: ۴۶۴ اور میزان الاعتدال: ۳: ۸۵) (۵۳) ابوعلی رودباری ابوعلی احمد بن محمد القاسم الرودباری: ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۳۵۴ اور حاشیہ ۳۷۴ (۵۴) ابن شاہین۔ ابوجعفر احمد بن شاہین بن شُبعت انہوں نے کثرت سے حدیث کی روایت کی ہے۔ سلمہ لوین، ابومسعود اور ابان بن الخصیب سے روایت کرتے ہیں۔ ۲۸۶ھ میں وفات پائی۔ (اخبار اصفہانی: ۱: ۹۹) یہاں ابن شاہین سے ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان الواعظ مراد ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ ان کی ولادت ۲۹۷ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۳۸۵ھ میں تاریخ بغداد: ۲۶۵ (۵۵) جعفر بن نصیر: ابومحمد جعفر بن محمد بن نصیر الخلدی الخواص

ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۴۴۲ (۵۶) امام جعفر صادقؒ ابوعبداللہ جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب الصادق اپنے قول و فعل میں سچائی کی وجہ سے ان کا لقب الصادق پڑا۔ انہوں نے حدیث کی روایت اپنے باپ محمد۔ زہری، محمد بن المنکدر وغیرہم سے کی، اور ان سے ان کے بیٹے موسیٰ، یحییٰ بن سعید انصاری شعبہ، مالک، ثوری وغیرہم نے کی۔ ان کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ: ۴۹۸) (۵۷) استاد ابوعلی سے مراد ابوعلی دقاق ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ مقدمہ۔ (۵۸) ابوالعباس بن خشاب البغدادی: ابوالعباس محمد بن الحسن بن سعید الخشاب المخرمی الصوفی۔ رسالہ قشیریہ میں کئی ایک جگہ ان کو محمد بن الحسین لکھا ہے۔ مگر صحیح محمد بن الحسن ہے۔ ابوجعفر محمد بن عبداللہ فرغانی اور ابوبکر شبلی سے انہوں نے بہت سی حکایات کی ہیں۔ پہلے نیشاپور میں مقیم ہو گئے تھے۔ پھر مکہ چلے گئے اور وہیں ۳۶۱ھ میں وفات پائی۔ بعض نے ابوالعباس محمد بن الحسین بن محمد بن سعید الصوفی، البغدادی المعروف بابن خشاب لکھا ہے دراصل بغداد کے تھے۔ لیکن نیشاپور میں آکر مقیم ہو گئے تھے۔ نہایت ظریف اور کامل عقل و دین والے تھے۔ سنت کی نہایت تعظیم کرتے اور اس بارے میں بڑے متشدد تھے۔ ایک عرصہ تک خراسان کے علاقوں میں رہے۔ اور کثرت سے حدیث سنی (طبقات الصوفیہ: ۲۹ اور تاریخ بغداد: ۲: ۲۰۹) (۵۹) ابوالقاسم بن موسیٰ، محمد بن احمد اور انصاری کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ (۶۰) محمد بن علی الحافظ۔ ابوعلی محمد بن علی بن الحسین بن شاذان الحافظ الاسفرائنی۔ انہیں ابن السقاء کہا جاتا ہے۔ حافظ ابوعوانہ کے شاگرد تھے۔ شافعی فقہ کے عالم اور دیندار تھے۔ ان سے حاکم نے روایت کی ہے یہ بیہقی کے استاد علی بن محمد السقاء کے والد ہیں۔ انہوں نے کثرت سے حدیث کی روایت کی ہے اور صالحین کی صحبت میں رہتے تھے۔ ان کی وفات ۳۷۲ھ میں ہوئی۔ (تذکرۃ الحافظ: ۳: ۱۹۶-۱۹۷) (۶۱) ابومعاذ قزدینی۔ ابوعلی دلال اور ابوعبداللہ بن تہران ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ (۶۲) ابراہیم خواص ابواسحاق ابراہیم بن احمد الخواص (ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۲۸۴)

(۶۳) ابن عطاء ابوالعباس احمد بن محمد بن سہل بن عطاء الادمی ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۲۶۵) اور حاشیہ نمبر ۲۴۶ (۶۴) جعفر بن محمد۔ ابومحمد جعفر بن محمد بن نصیر الخلدی الخواص ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ ۴۳۴)

(۶۵) ابواسحٰق ابراہیم بن ادہم۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ ۲۷ اور وہ مصادر جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ نیز نفحات الانس: ۴۲ - ۴۴۔ اور کشف المحجوب ۱۲۸- ۱۳۰)۔

(۶۶) سفیان ثوری: سفیان بن سعید بن مسروق بن حبیب بن رافع الثوری۔ ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور کوفہ کے رہنے والے تھے اپنے زمانہ میں چوٹی کے عالم مانے جاتے تھے۔ ان کا حافظہ غضب کا تھا۔ جو کچھ سنتے یاد ہو جاتا۔ انہیں مسلمہ اماموں میں مانا جاتا ہے۔ ۹۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۲۷) (۶۷) فضیل بن عیاض ملاحظہ ہو۔ نمبر ۸۳ (۶۸) ابوالحسین علی بن محمد المصری اصل کتاب میں ابوالحسین ہی دیا ہے۔ مگر صحیح ابو الحسن ہے پورا نام ابوالحسن علی بن محمد بن الحسن الواعظ المصری۔ دراصل بغداد کے رہنے والے تھے۔ مگر چونکہ ایک مدت تک مصر میں مقیم رہے۔ لہٰذا جب بغداد واپس آئے تو مصری مشہور ہو گئے۔ یہ ثقہ اور امین تھے۔ انہوں نے زہد میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جب یہ وعظ فرماتے تو مرد اور عورت سب ہی سننے کے لئے آجاتے۔ مگر چونکہ یہ ایک خوبصورت شخص تھے۔ اور وعظ میں بہت کشش ہوتی۔ اس لئے اس خیال سے کہ کہیں عورتوں میں فتنہ بپا نہ ہو جائے۔ یہ اپنے چہرہ پر نقاب اوڑھ لیا کرتے۔ ان کی ولادت ۲۵۱ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۳۳۸ھ میں (البدایہ: ۱۱: ۲۲۲۔ طبقات الصوفیہ: ۲۹؛ شذرات الذہب: ۲: ۱۴۷) (۶۹) ابراہیم بن بشار۔ ابواسحٰق۔ ابراہیم بن بشار بن محمد الخراسانی الصوفی۔ الرمادی یہ ابراہیم بن ادہم کے خادم اور سفیان بن عیینہ کے شاگرد تھے اور کہا کرتے کہ ان کی ولاء معقل بن یسار کے ساتھ ہے (تاریخ بغداد: ۶: ۴۷) ان کی وفات ۲۲۷ھ میں ہوئی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۵۹) (۷۰) محمد بن حامد ابوبکر محمد بن حامد ترمذی مراد ہے۔ یہاں پر حامد نے احمد بن خضرویہ سے قول کی روایت کی ہے۔ لہٰذا یہ ابوبکر محمد بن حامد ترمذی ہی ہو سکتے ہیں۔ کوئی اور مراد نہیں ہو سکتا۔ مگر نورالدین شریبہ نے طبقات الصوفیہ (صفحہ: ۳۷) کے حاشیہ میں پہلی غلطی تو یہ کی کہ یہاں پر ابواحمد محمد بن حامد بن محمد بن ابراہیم ابواحمد السلمی الخراسانی مراد لیا اور کہہ دیا کہ یہ سن کر احادیث کی روایت کیا کرتے تھے۔ حالانکہ خود طبقات الصوفیہ میں اس قسم کی سند میں وضاحت کے ساتھ ترمذی کا لفظ

موجود ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ صتا جہاں یوں دیا ہے۔ سمعت منصور بن عبداللہ یقول سمعت محمد بن حامد الترمذی یقول قال احمد بن خضرویہ اور محمد بن حامد ترمذی پر طبقات الصوفیہ میں مستقل ترجمہ دیا ہے۔ (ص۲۸) نیز ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۱۵۵ (۱) ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۱۰۳ ابن کثیر نے ان کی وفات کا واقعہ اس طرح دیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۰: ۱۴۵) ان کی وفات بحر روم کے ایک جزیرہ میں کفار سے جنگ کرتے ہوئے ہوئی۔ وہاں انہیں اسہال کی شکایت ہوگئی۔ چنانچہ بیس بار اجابت کے لئے جانا پڑا۔ ہر بار جب اجابت سے فارغ ہوتے وضو کرتے۔ جب موت کی غشی کا وقت آیا۔ تو کہا مجھے میری کمان اور تیر دو کمان کو ہاتھ میں لے کر تیر چلانا چاہتے ہی تھے کہ روح پرواز کر گئی۔

(۲) نوجی سپاہی۔ رسالہ قشیریہ میں اس طرح دیا ہے۔ مگر حلیۃ الاولیاء (۷ : ۸ ۳۷) اور صفۃ الصفوۃ (۴ : ۱۲۹) دونوں میں یزید کا نام دیا ہے۔ مصنف شذرات الذہب (۱ : ۲۵۵) اور دیگر مصنفین نے ابن ادہم کی تاریخ وفات ۱۶۲ھ دی ہے۔ اس زمانہ میں کئی ایک کا نام یزید تھا۔ مثلاً یزید بن خالد القسری یزید بن عمر بن ھبیرہ بن یزید بن حاتم، یزید بن السید السلمی وغیرہ۔ مگر یہ کہ اس مقام پر کون سا یزید مراد ہے۔ میں اس کی تعیین نہیں کرسکا۔ (۳) المتوکل: اصل نام جعفر بن المعتصم بن الرشید بن محمد المہدی بن المنصور العباسی۔ المتوکل علی اللہ لقب۔ ۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے بھائی الواثق باللہ کی وفات پر ۲۳۲ھ میں خلیفہ بنے۔ اور ۲۴۷ھ میں انہیں قتل کر دیا گیا۔ ان کی مدت خلافت چودہ سال دس ماہ اور تین دن تھی۔ (۴) احمد بن محمد قشیری نے صرف اسی قدر دیا ہے۔ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۹ : ۳۳۱۔ بنغد) میں اسی سند میں احمد بن محمد بن مصقلہ دیا ہے۔ اس طرح نام کی تعیین بھی ہو گئی۔ پھر ابونعیم نے اخبار اصفہان (۱ : ۱۲۸) میں اس کا نام یوں دیا ہے۔ احمد بن محمد بن مصقلہ بن مسلم بن عبداللہ بن المستور التیمی۔ تیم الرباب میں سے تھے۔ ان کی کنیت ابوعلی اور نسبت الوازاری ہے۔ انہوں نے عراقیوں اور حجازیوں سے حدیث لکھی اور ۳۰۶ھ میں وفات پائی۔ (۵) سعید بن عثمان۔ ابوعثمان سعید بن عثمان بن عیاش الخیاط۔ انہوں نے ذوالنون مصری سے روایت کی ہے۔ اور ان سے احمد بن محمد مذکور نے ان کی وفات ۲۹۴ھ میں ہوئی۔ طبقات الصوفیہ: ۲۰) (تاریخ بغداد ۹ : ۹۹) (۶) ابوبکر خطیب بغدادی نے اس قول کو حسین بن منصور الحلاج کی طرف منسوب کیا ہے اور وہاں اس طرح دیا ہے۔ سمعت الحسین بن منصور الحلاج یقول: علم الاولین والاخرین مرجعہ الی

اربع کلمات : حب الجلیل وبغض القلیل واتباع التنزیل وخوف التحویل (تاریخ بغداد : ۸ : ۱۴۴- ۱۴۵) (۷۷)
سعید بن احمد جعفر۔ سعید بن احمد بن محمد بن جعفر ابو عثمان النیاوری۔ یہ بغداد آئے اور وہاں لوگوں کو حدیث
سنائی۔ حج سے واپسی پر جمادی الاولیٰ ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ : ۲۰ و تاریخ بغداد :
۹ : ۱۱۱) (۱۰۸) محمد بن احمد بن محمد سہل : ابوالفضل کنیت اور صیرفی نسبت۔ دراصل نیشاپور کے رہنے والے
تھے۔ انہوں نے ذوالنون مصری کے شاگرد سعید بن عثمان بن عیاش الخیاط سے روایت کی ثقہ راوی تھے
ان کی وفات محرم ۳۲۲ھ میں ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ : ۲۰ اور تاریخ بغداد : ۱ : ۳۴۰) المنتظم : ۶ :
۳۸۹، (۹۰) ابوبکر محمد بن عبداللہ بن شاذان یہ وہی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن عبدالعزیز بن شاذان رازی
ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو نمبر ۲۵

(۸۰) علی بن عمر الحافظ ابوالحسن علی بن عمر بن احمد مہدی الحافظ الدارقطنی یہ امام وقت اور یکتائے
روزگار تھے۔ علم حدیث اور علم جرح و تعدیل میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اسماء رجال اور راویوں
کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ صدق اور امانت عدالت اور فقہ میں مشہور تھے۔ ان کی ولادت
۳۰۶ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۳۸۵ھ میں (طبقات الصوفیہ : ۱۵ : اور تاریخ بغداد : ۱۲ : ۳۴۔
۴۰) تذکرۃ الحافظ : ۳ : ۱۸۶ (۸۲) ابن رشیق الحسین بن رشیق ابو محمد العسکری المصری۔ طبقات
الصوفیہ میں الحسن بن رشیق المصری دیا ہے۔ جن کے متعلق نورالدین شریبہ بحوالہ میزان الاعتدال
(۱ : ۲۲۸) لکھتے ہیں۔ کہ حافظ عبدالغنی بن سعید نے انہیں قدرے کمزور شمار کیا ہے مگر ایک جماعت
نے انہیں ثقہ بھی کہا ہے۔ دارقطنی نے ان کی اس بات کو اچھا نہیں سمجھا کہ یہ اپنی اصل میں تغیر و تبدل
کرتے رہتے تھے۔ مگر نورالدین شریبہ سے غلطی ہوئی ہے۔ تذکرۃ الحافظ (۳ : ۱۵۹- ۱۶۰) میں ان کا
ترجمہ دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ انہوں نے ابوعبدالرحمن نسائی و ابودجانۃ احمد بن ابراہیم المعافری اور
کثیر التعداد لوگوں سے روایت کی۔ اور ان سے دارقطنی اور عبدالغنی بن سعید وغیرہ نے۔ پھر لکھتے
ہیں۔ قال ابوالقاسم بن طحان فی تاریخہ : روی عن خلق لا استطیع ذکرہم فما رائیت عالما اکثر حدیثا منہ۔
انہوں نے اس قدر مخلوق سے روایت کی ہے کہ ان کا ذکر کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ میں نے کسی
عالم کو ان سے زیادہ حدیث والا نہیں دیکھا) ان کی ولادت صفر ۲۸۳ھ میں ہوئی اور وفات جمادی
الاخریٰ ۳۷۰ھ میں۔ شذرات : ۳ : ۷۱، (۹۲) ابودجانہ احمد بن ابراہیم المعافری مراد ہیں۔

جن سے ابن رشیق نے روایت کی ہے۔ (۸۲) فضیل بن عیاض: ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۱۰۰ نفحات الانس: ۳۸ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۷۴ شرح التعرف: ۱: ۹۲ اور طبقات الصوفیہ: ۶ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۸۴) ابوبکر محمد بن جعفر: ابوبکر محمد بن جعفر بن الحسین البغدادی الوراق انہوں نے ابوجعفر الطحاوی اور حسن بن علی المعمری سے حدیث سنی اور ان سے ابوعبدالرحمن السلمی وغیرہ نے۔ نور الدین شریبہ نے ان پر کوئی حاشیہ نہیں دیا۔ ان کی وفاتـ ۳۶۳ھ میں مرو سے بخارا کو جاتے ہوئے جنگل میں ہوئی۔ تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۶۰، شذرات: ۳: ۴۳ (۸۵) الحسن بن عبداللہ العسکری: ابواحمد الحسن بن عبداللہ بن سعید العسکری ان کی بہت سی تصنیف ہیں۔ انہوں نے عبدان اہوازی اور البغوی سے روایت کی ۳۸۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (شذرات الذہب: ۳: ۱۰۲) اخبار اصفہان میں ان کی تاریخ وفات ۳۱۰ھ دی ہے۔ جو غلط ہے۔ اخبار اصفہان: ۱: ۲۷۲ (۸۶) ابن اخی ابی زرعہ: ابوالقاسم بن محمد بن عبدالکریم یہ ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم المخزومی الرازی الحافظ کے بھائی اور محمد بن عبدالکریم کے بیٹے ہیں۔ ابوزرعہ سے انہوں نے روایت کی ہے۔ ابوزرعہ کی وفات ۲۶۴ھ میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب: ۷: ۳۰-۳۳) (۸۷) محمد بن اسحق بن راہویہ: ابوالحسن محمد بن اسحق بن ابراہیم المعروف بہ ابن راہویہ۔ مرو میں پیدا ہوئے۔ اور نیشاپور میں نشوونما پائی۔ اپنے باپ اسحق اور امام احمد بن حنبل وغیرہ سے حدیث سنی۔ قرامطہ نے انہیں ۲۹۴ھ میں حج سے واپس آتے ہوئے دیگر حاجیوں کے ساتھ قتل کیا۔ (تاریخ بغداد: ۱: ۲۴۴ - ۲۴۹ (شذرات: ۲: ۲۱۶ - البدایہ: ۱۱: ۱۰۲) (۸۸) ابوعمار: ابوعمار الحسین بن حریث بن الحسن یہ اصل میں مرو کے رہنے والے تھے۔ ان کی ولاء عمران بن حصین خزاعی سے ہے۔ یہ حج کو جاتے ہوئے بغداد آئے اور وہاں فضل بن موسیٰ السینائی۔ عبداللہ بن مبارک اور فضیل بن عیاض سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن اسمٰعیل بخاری اور مسلم بن حجاج نیشاپوری نے نسائی اور ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ ان کی وفات ۲۴۴ھ میں حج سے واپسی پر قصر اللصوص میں ہوئی (تاریخ بغداد ۸ - ۲۹ - ۳۷: تہذیب التہذیب: ۲: ۳۳۳-۳۳۴) (۸۹) الفضیل بن موسیٰ: اصل کتاب میں فضیل ہی دیا ہے۔ مگر صحیح الفضل بن موسیٰ ہے۔ پورا نام ابوعبداللہ الفضل

بن موسیٰ السینانی ہے۔ سینان مرو کی بستیوں میں سے ایک بستی کا نام ہے۔ انہوں نے اسمٰعیل بن ابی خالد وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابو عمار الحسین بن حریث وغیرہ نے۔ وکیع کہتے ہیں کہ یہ ثقہ اور صاحب سُنت تھے۔ اور ابونعیم کوفی انہیں ابن مبارک سے بھی زیادہ ثابت الحدیث خیال کرتے ہیں۔ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۲۷۳ ۔ تہذیب التہذیب: ۷: ۲۸۶-۲۸۷ اور شذرات: ۱: ۳۲۹) (۹۰) فضیل کی توبہ کا یہی واقعہ تہذیب التہذیب: ۸: ۲۹۴-۲۹۵ پر بھی دیا ہے (۹۱) ابیورد خراسان میں سرخس اور نسا کے درمیان ایک شہر کا نام ہے جسے کیکاؤس نے بنایا تھا۔ عبداللہ بن عامر بن کریز نے ۳۱ھ میں اُسے فتح کیا۔ (معجم البلدان: ۱: ۸۶-۸۷) (۹۲) سَرخَس یا سَرَخس خراستان میں ایک قدیم اور بہت بڑے شہر کا نام ہے۔ جو نیشاپور اور مرد کے عین درمیان میں واقعہ ہے اس کا نام اپنے بانی کے نام پر پڑا۔

(۹۳) علی: علی بن فضیل بن عیاض۔ یہ اپنے باپ کی زندگی ہی میں ان کی وفات سے بہت مدت پہلے فوت ہو گئے تھے۔ بعض نے انہیں ان کے باپ فضیل سے بھی افضل قرار دیا ہے انہوں نے عباد بن منصور، عبدالعزیز بن ابی رواد وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے باپ اور ابن عیینہ وغیرہ نے ان کی موت کا واقعہ یہ ہے۔ کسی نے قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھی۔ جس کے سننے سے انہیں غشی طاری ہو گئی اور اسی حالت میں ان کی وفات ہوئی (تہذیب التہذیب: ۷: ۳۷۳)، (۹۴) معروف کرخی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف: ۱: ۹۶ کتاب جامع کرامات الاولیا: ۲: ۲۶۶ کشف المحجوب: ۱۴۱ نفحات الانس: ۳۹ ترجمہ تذکرۃ الاولیا: ۲۲۹ طبقات الصوفیہ: ۸۳ اور وہ مقالات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۹۵) ابن الجوزی نے بھی صفۃ الصفوۃ میں یہی دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

فمن کانت لہ الی اللہ حاجۃ فلیأت قبرہ ولیدع فانہ یستجاب لہ انشاء اللہ تعالیٰ (جس کی کوئی حاجت ہو وہ ان کی قبر پر آکر دعا مانگے۔ انشاء اللہ اس کی دعا قبول ہو گی۔) پھر لکھتے ہیں۔ کان ابراھیم الحربی یقول قبر معروف التریاق المجرب۔ (معروف کی قبر تریاق مجرب ہے)

(صفۃ الصفوۃ ۲: ۱۸۳) (۹۶) علی بن موسیٰ الرضا : ابو الحسن علی بن موسیٰ الرضا شیعوں
کے آٹھویں امام۔ یہ مدینہ میں ۱۵۱ھ یا ۱۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۳ھ میں طوس میں
وفات پائی۔ مامون نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے باپ رشید کی قبر کے پاس انہیں دفن
کیا۔ ان کی وفات بخار سے ہوئی بعض زہر خورانی سے بتاتے ہیں۔ (شذرات الذہب ۲: ۶) (۹۷)
ابوبکر الحربی : ابوبکر محمد بن سعید الحربی الصوفی۔ یہ صوفیاء کے مشائخ میں سے تھے۔ انہوں نے سری سقطی
کے اقوال کی حکایت کی ہے اور ان سے ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن شاذان رازی نے (تاریخ بغداد ۵:
۳۱۰ (البدایہ والنہایہ ۱۱: ۲۴۳) (۹۸) علی بن محمد الدلال : ابو الحسن علی بن محمد بن علی الدلال۔
انہوں نے ربیع بن سلیمان مصری سے روایت کی۔ اور ان سے ابو العباس بن مکرم نے (تاریخ بغداد
۱۲: ۱۷) (۹۹) محمد بن الحسین۔ ابوجعفر محمد بن الحسین البرجلانی۔ یہ ابو شیخ کے نام سے مشہور
ہیں۔ اور کتاب الزہد والرقائق کے مصنف ہیں۔ ان کی وفات ۲۳۸ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد
۲: ۲۲۲) (۱۰۰) ابن سماک : ابو العباس محمد بن صبیح الکوفی الزاہد۔ انہوں نے اسماعیل بن ابی خالد اور
دیگر اشخاص سے روایت کی اور ان سے احمد بن حنبل، حسین بن جعفر وغیرہ نے ہارون الرشید کے پاس
گئے اور اسے وعظ کیا۔ انہوں نے ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔ شذرات الذہب ۱: ۳۰۳ صفۃ
الصفوۃ ۳: ۱۰۵ اور تاریخ بغداد ۵: ۳۶۸ - ۳۷۳) یاد رہے کہ ابن سماک کے نام سے
اور لوگ بھی مشہور ہیں۔ مثلاً محمد بن عثمان بن احمد ابو الحسن الدقاقی ۳۸۳ھ (تاریخ بغداد ۳: ۴۹)
یہ ابن ابی عمر السماک کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ان کے والد ابو عمرو عثمان بن احمد بن عبد اللہ بن یزید الدقاق
ان کی وفات ۳۴۴ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد ۱۱: ۳۰۲ البدایہ ۱۱: ۲۲۹) اور احمد بن الحسین بن
احمد بن الحسین الواعظ معروف بہ ابن السماک متوفی ۴۲۴ھ (تاریخ بغداد ۴: ۱۱۰ البدایہ ۱۲: ۳۵)
عجیب اتفاق یہ ہے۔ یہ سب کے سب واعظ اور صوفی ہوتے ہیں (۱۰۱) عبد الرحیم بن علی الحافظ طبقات
الصوفیہ (۱۶۵) میں سلمی نے ان کا نام یوں دیا ہے ابو القاسم عبد الرحیم بن علی البزاز الحافظ۔ مگر خطیب بغدادی
نے ان کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اور نہ ہی ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں۔ (۱۰۲) محمد بن عمر بن الفضل : محمد بن عمر
الفضل بن غالب بن سلمہ بن سام الجعفی ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ انہوں نے احمد بن موسیٰ بن سروق طوسی سے
روایت کی اور ان سے ابو نعیم اصفہانی وغیرہ نے ان کی وفات ۳۹۱ھ میں ہوئی۔ ان کے متعلق دارقطنی کی رائے اچھی نہ تھی بعض نے

انہیں کذاب کہا ہے۔ (تاریخ بغداد، ۳ : ۳۱)۔ (۱۰۳) علی بن عیسیٰ: ابوالحسن علی بن عیسیٰ بن فیروز الکلوذانی: انہوں نے بشر بن الحارث اور احمد بن ابی الحواری سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن عمر بن غالب الجعفی نے (تاریخ بغداد، ۱۲ : ۱۳)۔ (۱۰۴) معروف کی موت بھی امام علی بن موسیٰ الرضا کو بچاتے ہوئے واقع ہوئی۔ جبکہ عوام نے ان پر حملہ بول دیا تھا۔

(۱۰۵) احناف کے ہاں نفلی روزہ توڑ دینا جائز ہے۔ مگر اس کی قضا کرنی پڑے گی۔ لیکن شوافع کے ہاں اس کی کوئی قضا نہیں۔ (۱۰۶) ابوالحسن سری بن المغلس السقطی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب، ۱۲۷ : ۱۲۷ شرح تعرف، ۱ : ۹۶؛ کتاب جامع کرامات الاولیاء ۲۱ : ۱ - ۲۲۔ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء، ۲۳۲ نفحات الانس، ۵۵؛ طبقات الصوفیہ: ۴۸-۵۵ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے: (۱۰۷) ابوعمر بن علوان: ابوعمرو عبدالواحد بن علوان ان سے ابونصر عبداللہ بن علی طوسی السراج روایت کرتے ہیں۔ کتاب اللمع میں ابونصر نے ان سے بہت سی روایات کی ہیں۔ مگر نکلسن نے جس نے کتاب اللمع کو شائع کیا ہے۔ انکے متعلق کچھ نہیں لکھا یہ جنید کے مرید تھے۔ اور ایک رسالہ تصوف میں لکھا۔ (۱۰۸) علی بن محمد بن علی بن بشار بن سلمان ابوعمرو انماطی الصوفی یہ بغداد کے رہنے والے تھے اور نوری اور جنید کی صحبت میں رہے ہے۔ ابوالعباس بن عطا (م ۳۰۹ھ) نے اپنی وفات پر وصیت کی تھی کہ انکی کتابیں انہیں دے دی جائیں۔ چنانچہ ابن عطا کی کتاب جو انہوں نے فہم قرآنی کے متعلق لکھی تھی ان ہی کے ذریعہ لوگوں میں پھیلی (تاریخ بغداد: ۱۲ : ۷۲)۔ تقریباً اس زمانہ میں ایک اور ابوعمر انماطی بھی تھے جن کا نام محمد بن احمد بن محمد الانماطی المروزی ہے۔ ابن الجوزی اور اور خطیب لکھتے ہیں کہ یہ ۳۸۲ھ میں حج کو جاتے ہوئے بغداد آئے اور وہاں ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم النیشاپوری سے حدیث کی روایت کی۔ ان سے احمد بن محمد نے روایت کی۔ ان کی وفات ۳۸۶ھ میں ہوئی۔ (المنتظم: ۷ : ۲۰۰۔ اور تاریخ بغداد: ۱ : ۳۴۸)۔ (۱۰۹) عبداللہ بن یوسف: ملاحظہ ہو مقدمہ (۱۱۰) ابوالحسن: ابن الجوزی نے جنید سے روایت کرنے والوں میں ایک احمد بن عبداللہ کا ذکر کیا۔ جس کی کنیت ابوالحسن بتائی ہے اور وہ طرسوس کا واقعہ پیش کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ پتہ نہیں چلا۔ ملاحظہ ہو صفحۃ

الصفوۃ ۲: ۲۱۲-۲۱۳۔ (۱۱۱) الجریری: ابو محمد احمد بن محمد بن الحسین الجریری ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۲۵۹۔

(۱۱۲) ابو نصر بشر بن الحارث الحافی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب ۱۳۰، ۱۳۲۔ نفحات الانس: ۵۰ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیا: ۱۰۲-۱۰۸ ز شرح تعرف: ۱: ۱۹۶ اور طبقات الصوفیہ: ۳۹ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ الفہرست: ۲۶۱ یہاں پر ابن ندیم نے ان کی کتاب الزھد کا ذکر کیا ہے۔ اور تہذیب التہذیب: ۱: ۴۴۴-۴۴۵ (۱۱۳) علی بن خشرم ابو الحسن علی بن خشرم بن عبد الرحمٰن بن عطار بن حلال بن ماہان بن عبد اللہ المروزی انہوں نے حفص بن غیاث اور دیگر اشخاص سے روایت کی اور ان سے مسلم ترمذی نسائی وغیرہ نے۔ ثقہ تھے ۱۶۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۸ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۷: ۳۱۶-۳۱۷)۔ (۱۱۴) عبد الرحمٰن بن ابی حاتم، عبد الرحمٰن بن ابی حاتم۔ اور ابو حاتم کا نام محمد بن ادریس بن منذر ہے۔ یہ حافظ حدیث اور ثقہ تھے انہوں نے تقریباً نوے سال کی عمر پائی۔ اور ۳۲۷ھ میں وفات پائی۔ ان کا باپ ۲۵۵ھ میں انہیں لے کر نکلا اور انہوں نے ابو سعید الاشج اور دیگر اشخاص سے حدیث سنی۔ ابو احمد الحاکم وغیرہ نے ان سے حدیث کی روایت کی۔ علوم کا ایک مرجز ن سمندر تھے۔ زاہد تھے اور ان کا شمار ابدال میں ہوتا تھا۔ ان کا ایک عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ ایک بار طوس کی دیوار گر گئی اور کچھ عرصہ تک کسی نے اسے دوبارہ تعمیر نہ کیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا۔ جو شخص طوس کی دیوار تعمیر کرے گا اس کے لئے میں اللہ کی طرف سے جنت کا ضامن ہوں۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک ہزار دینار صرف کر کے دیوار تعمیر کرا دی اور انہوں نے اسے ضمانت نامہ لکھا دیا جب وہ شخص مر گیا تو وہ ضمانت نامہ اسکے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ مگر کسی طرح وہ رقعہ ابن ابی حاتم کے پاس واپس پہنچ گیا۔ اور اس رقعہ پر لکھا تھا۔ ہم نے تمہارا عہد پورا کر دیا۔ مگر دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ (شذرات الذھب: ۲: ۳۰۸-۳۰۹)۔ (۱۱۵) شافعی: ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی اہلسنت کے چار مقتدر اماموں میں سے ایک ہیں۔ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں مصر میں وفات انہوں نے سات برس کی عمر میں قرآنِ مجید حفظ کیا اور دس برس کی عمر میں موطا امام مالک رحمہ اللہ

اور پندرہ برس کی عمر میں فتویٰ دینے لگے۔ (شذرات الذھب: ۲: ۹)۔(۱۱۶) احمد بن حنبل
ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الذہلی الشیبانی المروزی ثم البغدادی ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے
اور ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ ان کے والد فوجی سپاہی تھے اور ابھی احمد نے طلب علم شروع
ہی کیا تھا کہ ان کے والد کا ۱۷۹ھ میں انتقال ہوگیا۔ انہوں نے سفیان عیینہ اور یحییٰ بن
سعید القطان سے حدیث سنی اور ان سے عبدالرزاق بن ہمام وغیرہ نے۔ جب ان کے والد
مرو سے نکل کر آئے تو اس وقت ان کی والدہ حاملہ تھیں پھر بغداد پہنچ کر آپ کی ولادت ہوئی
ان کے بے شمار فضائل ہیں۔ (۱۱۷) معافی بن عمران: ابومسعود المعافی بن عمران الازدی یہ موصل
کے علماء زہاد میں سے تھے۔ انہوں نے ابن جریج وغیرہ سے حدیث سنی۔ سفیان ثوری انہیں
یاقوتۃ العلماء کہا کرتے تھے اور عبداللہ بن مبارک انہیں رجل صالح کہہ کر پکارتے تے۔ ابن الجوزی نے
ان کا سال وفات ۱۸۴ھ دیا ہے۔ (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۱۵۳) مگر ابن العماد فرماتے ہیں کہ صحیح سال
وفات ۱۸۵ھ ہے۔ شذرات الذھب: ۱: ۳۰۸ اور تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۲۶۴)۔ (۱۱۸) المحاملی
قاضی ابوعبداللہ الحسین بن اسمٰعیل الضبی البغدادی۔ المحاملی ثقہ تھے۔ ابوبکر داؤدی فرماتے
ہیں کہ محاملی کی مجلس میں دس ہزار آدمی ہوا کرتے تھے۔ جو ان سے حدیث لکھتے تھے۔ انکی
وفات ۳۳۰ھ میں پچانوے برس کی عمر میں ہوئی۔ (شذرات: ۲: ۲۲۶؛ البدایہ والنہایہ: ۱۱:
۲۱۳؛ تاریخ بغداد: ۸: ۱۹)۔ (۱۱۹) الحسن المسوحی: ابوعلی الحسن بن علی المسوحی ان کا شمار
صوفیاء کے بڑے شیوخ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے بشر بن الحارث سے حکایت کی ہے اور
ان سے جنید بن محمد، ابوالعباس بن مسروق اور قاضی محاملی نے روایت کی ہے۔ یہ ابوحمزہ
ابومحمد حریری وغیرہ کے استاد تھے۔ اور سری سقطی کے کبار اصحاب میں سے تھے۔ بغداد
میں صوفیاء کے علوم پر گفتگو کرنے کے لئے انہوں نے ہی سب سے پہلے حلقہ قائم کیا۔ (صفۃ
الصفوۃ: ۲: ۲۴؛ تاریخ بغداد: ۷: ۳۶۶؛ حلیۃ الاولیاء: ۱۱: ۳۲۲)۔ (۱۲۰) خطیب بغدادی
نے اس روایت کو قشیری ہی کی سند سے نقل کیا ہے۔ تاریخ بغداد: ۷: ۳۷) اور آخر میں
لکھتے ہیں (۷: ۴۷) احمد بن یحییٰ الجلاء نے نہ بشر کو دیکھا اور نہ ہی ان کا زمانہ پایا۔ البتہ انکے
باپ یحییٰ نے بشر کا زمانہ بھی پایا ہے اور ان کی صحبت میں بھی رہے ہیں۔ (۱۲۱) ابوالفضل العطا

ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ (۱۲۲)
احمد بن علی دمشقی: ان کے حالات بھی نہ مل سکے۔ (۱۲۳) عبداللہ بن عثمان بن یحییٰ: اصل کتاب میں عبداللہ ہی دیا ہے۔ لیکن باقی تمام تذکرہ نگاروں نے انہیں عبیداللہ بن عثمان بن یحیی ابوالقاسم الدقاق المعروف بابن جنیقا لکھا ہے۔ یہ بغداد کے مشرقی حصہ میں رہتے تھے۔ بقول خطیب بغدادی ان کی ولادت ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ انہوں نے الحسین بن محمد بن سعید المطبقی و قاضی ابوعبداللہ المحاملی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے الازہری و تنوخی اور محمد بن علی العلاف نے یہ صحیح الکتاب اور کثیر السماع تھے اور ان کی روایت معتبر شمار کی جاتی تھی ان کا بیشتر سماع ابوالحسن بن الفرات سے ہے، اس لئے کہ ان دونوں میں بھائی چارہ قائم تھا۔ محمد بن ابوالفوارس کہتے ہیں کہ یہ ثقہ اور اچھے اخلاق والے تھے۔ ان کی وفات ۳۹۰ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۱۰: ۳۷۷، المنتظم: ۷: ۲۱۰۔ البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۳۲۶)۔ (۱۲۴) ابو عمرو بن السماک۔ ابوعمرو عثمان بن عبداللہ بن یزید الدقاق المعروف بابن السماک۔ یہ ثقہ صدوق اور صالح اللسان تھے۔ انہوں نے محمد بن عبیداللہ بن المنادی و حسن بن مکرم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے دارقطنی اور ابن شاہین وغیرہ نے۔ انہوں نے طویل کتابوں اور مصنفات کو خود لکھا۔ ان کی وفات ۳۴۴ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۱۱: ۳۰۲۔ البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۲۹۔ المنتظم: ۶: ۳۷۸)۔ (۱۲۵) محمد بن العباس: ابوعبداللہ محمد بن العباس بن الحسن بن ماہان المروزی جو الکابلی کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بغداد میں رہے اور وہاں عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی، عاصم بن علی اور ابراہیم بن موسیٰ الفراء سے روایت کی۔ اور ان سے ابوعمرو بن السماک اور محمد بن مخلد وغیرہ نے۔ ان کی وفات ۲۷۰ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۱۱۱) نورالدین شریبہ ص۴۵ نے ان پر کوئی نوٹ نہیں دیا۔ آگے چل کر ایک اور محمد بن العباس (طبقات الصوفیہ: ۱۳۰) العصمی پر نوٹ دیا ہے۔ اور فہرست میں دونوں کو ایک ہی شخص ظاہر کیا ہے۔ حالانکہ دونوں علیحدہ علیحدہ شخص ہیں۔ (۱۲۶)۔ ابوبکر بن بنت معاویہ: ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ (۱۲۷) ابوبکر بن عفان: خطیب بغدادی نے بشر سے یہی روایت کی ہے۔ جس کا راوی حسن بن عفان ہے۔ لہٰذا یہ شخص ابوبکر حسن بن عفان ہے۔ اس سے زیادہ ان کے متعلق پتہ نہ چل سکا۔ (نورالدین

نے (صفحہ ۵۴) میزان الاعتدال کے حوالے سے انہیں کذاب لکھا ہے۔ مگر وہاں صرف ابوبکر بن عفان دیا ہے۔

(۱۲۸) عمر بن سعید: طبقات الصوفیہ میں اس سند میں انہیں عمر بن سعید القراطیسی لکھا ہے۔ مگر تاریخ بغداد میں سعید کی بجائے سعد دیا ہے۔ انہوں نے ابوبکر بن ابی الدنیا سے روایت کی ہے۔ تاریخ بغداد: ۱۰: ۸۹) اور ان سے ابوبکر بن محمد بن الحسین آجری اور ابوالفتح محمد بن الحسین الازدی وغیرہ نے، ثقہ تھے۔ (تاریخ بغداد: ۱۱: ۲۲۳)۔ (۱۲۹) ابن ابی الدنیا۔ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف با بن ابی الدنیا ۲۰۸ھ میں پیدا ہوئے ابراہیم بن المنذر الحزامی وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور خلفاء کی اولاد کے موؤب رہے۔ ان کی تنخواہ پندرہ دینار ماہوار تھی۔ یہ زیادہ تر زہد کی احادیث بیان کیا کرتے۔ ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ انہوں نے غیر ثقہ لوگوں سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ان کی وفات ۲۸۱ھ میں ہوئی جبکہ ان کی عمر ستر سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ خطیب بغدادی اور ابن کثیر نے انہیں صدوق لکھا ہے (المنتظم: ۵: ۱۴۸؛ تاریخ بغداد: ۱۰: ۸۹؛ البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۷۱)۔ (۱۳۰) الحسین بن یحییٰ طبقات الصوفیہ میں (صفحہ ۱۸۳) انہیں الحسین بن یحییٰ الشافعی لکھا گیا ہے۔ مگر حلیۃ الاولیاء (۱۰: ۵۷) میں ان کا پورا نام ابوعلی الحسین بن یحییٰ بن زکریا الفقیہ دیا ہے۔

(۱۳۱) حلیۃ الاولیاء (۱۰: ۲۷۴-۲۷۵) میں ہے کہ جنید کہتے ہیں کہ میں اپنے پھوپھا کے گھر گیا۔ وہ مالدار تھے اور جو مختلف قسم کے کھانے ان کے ہاں مل سکتے تھے ہمارے ہاں نہ مل سکتے تھے لہذا میں کئی قسم کے کھانے کھا کے آیا۔ پھر یہی واقعہ بیان کیا ہے۔ (۱۳۲) ابوسلیمان داؤد بن نصیر الطائی ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ بغداد: ۸: ۳۴۷ تا ۳۵۵؛ حلیۃ الاولیاء: ۷: ۳۳۵ تا ۳۶۷، شذرات الذھب: ۱: ۲۵۶؛ صفۃ الصفوۃ: ۳: ۷۴ تا ۸۲؛ البدایہ والنہایہ: ۱۰: ۱۵۴؛ تہذیب التہذیب: ۳: ۲۰۳؛ ابن خلکان: ۲: ۲۹: ۳۱؛ کتاب جامع کرامات الاولیاء: ۲: ۶؛ نفحات الانس ۴۲؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۱۸۹-۱۹۴؛ شرح التعرف: ۱: ۹۲؛ تحفۃ الابرار جدول ثالث: ۱۱۳۱۲۔ ۱۱۳۳ ابوعمر بن مطر طبقات الصوفیہ میں ابوعمرو بن مطر دیا ہے۔ مگر نورالدین شریبہ نے ان پر کوئی نوٹ نہیں دیا۔ ابوعمرو محمد بن جعفر بن محمد بن مطر المعدل النیشاپوری انہوں نے ابوعمر احمد بن مبارک

المستملی وغیرہ سے روایت کی یہ بڑے پرہیزگار اور قانع شخص تھے۔ ۳۶۰ھ میں پچاسنے سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ (شذرات الذھب: ۳: ۲۱) ان سے عبدالملک بن ابی عثمان الواعظ نے حدیث کی روایت کی ہے۔ (المنتظم: ۷: ۷۹)۔ (۱۳۴) محمد بن المسیب محمد بن المسیب الارغیانی الحافظ۔ انہوں نے محمد بن رافع وغیرہ سے روایت کی ہے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ جہاں کہیں بھی روایت حدیث کا مرکز تھا یہ وہاں پہنچے ہیں۔ ابن ناصرالدین کہتے ہیں کہ عابد و زاھد تھے۔ یہ بہتر برس کی عمر میں ۳۱۵ھ میں مرے۔ شذرات الذھب: ۲: ۲۷۱)

(۱۳۵) ابوحنیفہ: نعمان بن ثابت کوفی تابعی ہیں اور اہل سنت کے ایک فقہی مسلک کے امام ہیں۔ ولادت ۸۰ھ اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی (شذرات الذھب: ۱: ۲۲۷)۔ (۱۳۶) محمد بن یوسف: ابوزرعۃ محمد بن یوسف الجنید الجنیدی الجرجانی الکشی۔ انہوں نے ابونعیم عبدالملک بن محمد بن عدی اور مکی بن عبدان وغیرہ سے روایت کی، انہوں نے ۳۹۰ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۴۰۸) (شذرات الذھب: ۳: ۱۳۴)۔ (۱۳۷) علی بن حرب الموصلی: ابوالحسن علی بن حرب الطائی الموصلی، انہوں نے احمد بن حنبل وغیرہ سے روایت کی ثقہ تھے۔ انکی وفات موصل میں ۲۶۵ھ میں بانوے برس کی عمر میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۱۱: ۴۱۸) (۱۳۸) اسمٰعیل بن زیاد الطائی۔ اصل کتاب میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر تاریخ بغداد (۸: ۲۵۲) میں یہی قصہ بیان ہوا ہے اور وہاں علی بن حرب موصلی اسمٰعیل بن زبان سے روایت کرتے ہیں مگر نہ تو اسمٰعیل بن زیاد کا کہیں پتہ چلا اور نہ اسمٰعیل بن زبان کا۔ (۱۳۹) ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن یحییٰ المزکی۔ انہوں نے محمد بن اسحٰق بن خزیمہ وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے محمد بن ابی الفوارس وغیرہ نے ابوالعباس الاصم وغیرہ محدثین اس کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ انکی وفات ۳۶۲ھ میں سترسٹھ کی عمر میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۶: ۱۶۸؛ المنتظم: ۷: ۶۱؛ شذرات الذھب ۳: ۴۰؛ البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۷۴)

(۱۴۰) القاسم بن احمد: ابومحمد القاسم بن احمد بن القاسم الکاتب المدینی۔ احمد کی کنیت ابو حامد ہے۔ اس لئے انہیں القاسم بن ابی حامد بھی کہا جاتا ہے۔ یہ محمد بن الطاہر کے نانا ہوتے

ہیں۔ انہوں نے احمد بن سلمان النجار سے روایات کی (اخبار اصفہان: ۲: ۱۶۴)۔ (۱۴۱) ابو علی شقیق بن ابراہیم البلخی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۱۳۸؛ نفحات الانس: ۵۱ از کتاب جامع کرامات الاولیاء: ۲: ۴۲؛ ترجمہ تذکرہ الاولیاء: ۱۶۹ از تحفۃ الابرار جدول ششم: ۵۲ اور طبقات الصوفیہ: ۶۰ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے ۱۹۴ھ میں وفات پائی اور مذھباً حنفی تھے۔ ترکوں کے خلاف جنگ میں شہید ہوئے۔

(۱۴۲) علی بن عیسیٰ بن ماہان: یہ خراسان کے حاکم تھے۔ ۱۸۹ھ میں الرشید کو شک گزرا کہ یہ بغاوت پر آمادہ ہے۔ الرشید اس کے خلاف خود چل کر آیا۔ مگر علی بہت سے تحائف لے کر پیش ہوا۔ تو الرشید کا شک جاتا رہا اور اسے اپنے عہدہ پر برقرار رکھا۔ پھر الرشید کی وفات پر امین کا طرفدار بن گیا۔ اور امین نے اسے بہت بڑا لشکر دے کر مامون کے خلاف جنگ کرنے کو بھیجا۔ علی مامون کو قید کرنے کے لئے چاندی کی بیڑیاں ساتھ لے گیا۔ مامون کی طرف سے طاہر بن الحسین الخزاعی مقابلہ کیلئے نکلے جس میں علی بن عیسیٰ بن ماہان مارا گیا یہ ۱۹۵ھ کا واقعہ ہے۔

(۱۴۳) ابو یزید طیفور بن عیسیٰ البسطامی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۱۳۲ از نفحات الانس: ۵۹ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۱۵۲ از کتاب جامع کرامات الاولیاء: ۲: ۹۴ از المنتظم: ۵: ۲۸ اور طبقات الصوفیہ: ۶۷ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ انکی وفات ۲۶۱ھ میں تہتر سال کی عمر میں ہوئی۔ (۱۴۴) ابو الحسن الفارسی: درست ابو الحسین الفارسی ہے۔ ابو الحسین محمد بن احمد بن احمد بن ابراہیم الفارسی۔ ابو بکر محمد بن اسحاق الکلاباذی مصنف کتاب التعرف کا استاد تھا ۳۷۵ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۳۷۹)۔ (۱۴۵) الحسن بن علی: طبقات الصوفیہ (۴۲۰) میں انہیں الحسن بن علی بن حَیُّوَیہ الدامغانی لکھا ہے انکے حالات نہ معلوم ہو سکے۔ نورالدین شریبہ نے بھی ان پر کوئی نوٹ نہیں دیا۔ (۱۴۶) عَمّی البسطامی: ابو عمران موسیٰ بن عیسیٰ المعروف بہ عَمّی البسطامی انہیں حلیۃ الاولیاء میں جا بجا عمر لکھا ہے۔ جو عَمّی کی تحریف ہے۔ (۱۴۷) طیفور البسطامی۔ طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن عیسیٰ بن علی ابو یزید جنہیں بسطامی اصغر کہا جاتا ہے۔ اور صاحب ترجمہ کو بسطامی اکبر یہ علی بن الحسن ترمذی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابو یعقوب یوسف بن محمد بن بندار الولائی (طبقات الصوفیہ: ۶۷)۔ (۱۴۸) عبداللہ بن علی ابو القاسم عبداللہ بن علی بن محمد بن عبداللہ البغدادی

الصوفی یہ الخشوعی کے نام سے مشہور ہیں۔ سمرقند میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور اصحاب جنید۔
یوسف بن الحسین رازی وغیرہ سے کثرت سے حکایت کیا کرتے تھے۔ انکی وفات ۳۸۳ھ میں
ہوئی۔ تاریخ بغداد: ۱۰: ۱۴۳) (۱۴۹) موسیٰ بن عیسیٰ: ابو عمران موسیٰ بن عیسیٰ المعروف عمّی البسطامی
(۱۵۰) ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری: انکے حالات کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف: ۱: ۹۸ ترجمہ
تذکرۃ الاولیاء: ۲۱۵؛ جامع کرامات الاولیاء ۲: ۳۵؛ نفحات الانس: ۶۹؛ کشف المحجوب: ۱۷۵
؛ الفہرست: ۲۱۲؛ طبقات الصوفیہ: ۲۰۶: اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۱۵۱)
محمد بن سوّار بصری، یہ سہل بن عبداللہ کے ماموں تھے۔ انہوں نے ابن عیینہ سے روایت کی اور
ان سے سہل نے (تہذیب التہذیب: ۹: ۲۰۹) (۱۵۲) ابو الفتح یوسف بن عمر الزاہد: ابو الفتح
یوسف بن عمر بن مسرور القواس ۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ مجاب الدعاء تھے۔ صالح اور ثقہ تھے
اپنے وقت میں نیکی کی وجہ سے مشہور تھے۔ انہوں نے ایک سالہ معاویہ بن ابی سفیان کے فضائل
میں لکھا ہے ان کی وفات ۳۸۵ھ میں پچاسی برس کی عمر میں ہوئی۔ ان کا شمار ابدال میں ہوتا ہے
تاریخ بغداد ۱۴: ۳۲۵؛ البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۳۱۔ المنتظم: ۷: ۱۸۷؛ شذرات الذہب: ۳: ۱۱۹)
(۱۵۳) عبداللہ بن لؤلؤ: حلیۃ الاولیاء (۱۰: ۲۱۱) میں انہیں عبیداللہ ابو القاسم الصنعانی لکھا ہے
پورا نام ابو القاسم عبیداللہ بن لؤلؤ بن جعفر السلمی ہے اور ساجی کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں
نے عمر بن واصل مرید سہل بن عبداللہ تستری سے روایت کی ہے۔ خطیب لکھتے ہیں کہ ابو
القاسم عبیداللہ نے ۳۰۰ھ میں بصرہ میں عمر بن واصل سے حدیث سنی۔ نورالدین شریبہ نے
ایک جگہ (ص۹۸) اسے عبیداللہ بن جعفر الصنعانی سمجھا ہے اور دوسری جگہ (ص۲۹ عبداللہ ابو القاسم
الصنعانی۔ (۱۵۴) عمر بن واصل بصری: یہ دراصل بصری تھے۔ مگر انہوں نے بغداد میں سکونت اختیار
کر لی تھی۔ انہوں نے سہل تستری سے روایت کی اور ان سے عبیداللہ بن لؤلؤ سلمی نے تاریخ بغداد: ۱۱: ۲۲۱:
(۱۵۵) خواجہ گیسو دراز اسکی یوں تشریح فرماتے ہیں۔ (۱۰۶-۱۰۷) ہر عملے کہ بندہ کند و بغیر اقتداء پیغمبر
علیہ السلام و سلف صالح بودہ باشد از فعل طاعت باشد یا معصیت نسبت حال او باشد و از لذت
نفس بودہ باشد و زندگی نفس بداں باشد مثلاً مردے صدقہ بدہد و آں بہوائے نفس بودہ باشد مطلوب
شاد بوش و نام و آوازہ میان خلق با۔ از دادن خود را بارہ دارد و آں سبب شئے کہ در جبلت نفس است

سبب آں بودہ باشد پس لذت الثانی باشد و زندگی ہم بداں بود۔ (۱۵۶) نصیر بن احمد: نصیر بن
ابو محمد الکندی الحافظ البغدادی جو نصرک کے نام سے مشہور ہیں۔ انکا شمار آئمہ حدیث میں ہوتا
۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۹۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۳: ۲۹۳ : اخبار اصفہان ۲:
(۱۵۷) عبداللہ بن محمد الداری متن میں اسی طرح داری دیا ہے۔ مگر طبقات الصوفیہ میں الرازی
اور وہی درست ہے ان کا پورا نام ابو عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن الرازی ہے۔
ہو طبقات الصوفیہ: ۲۸۸۔ (۵۸) اسحق بن ابراہیم بن ابی حسان ابو یعقوب اسحق بن ابراہیم بن ا
الانماطی بغدادی اور ثقہ ہیں۔ انہوں نے احمد بن ابی الحواری سے روایت کی۔ اور ان سے ابی عمرو بن

(۱۵۹) احمد بن ابی الحواری ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۹۸، ۱۶۰)۔ الحسین بن یحییٰ۔
الصوفیہ صفحہ ۱۸۳ پر انہیں الحسین بن یحییٰ الشافعی لکھا ہے۔ مگر نورالدین شریبہ نے ان پر کو
نہیں لکھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حسین بن یحییٰ بن عیاش۔ ابو عبداللہ الاعور القطان ہو جو التمار
سے بھی پکارے جاتے ہیں۔ ان کی پیدائش ۲۳۹ھ میں اور وفات ۳۳۴ میں پچانوے
کی عمر میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد ۸: ۱۴۸) اور سلمی کے والد نے ۳۴۰ھ کے قریب وفات
اس طرح سلمی کی ان سے ملاقات کا امکان ہو جاتا ہے (۱۶۱) ابو عمرو الحواسی کتاب میں اسی طرح دیا ہے شرح گید
میں حواستی دیا ہے اور دونوں غلط ہیں۔ صحیح ابو عمرو الحولتی ہے۔ حولہ شام میں دو جگہوں کا نام ہے ایک حمص کے پرگنہ میں
طرابلس کے درمیان اور دوسرا دمشق کے پرگنہ میں بانیاس اور صور کے میان حارث کذاب جس نے عبدا
بن مروان کے عہد میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ حولہ ہی کا رہنے والا تھا۔ غالباً یہاں ابو
الحولتی سے مراد ابو عمرو الدمشقی ہیں جن کی وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی۔ (طبقات الصوف
۲۷۷) (۱۶۲) محمد بن اسمٰعیل: ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل المغربی ابراہیم الخواص کے است
علی بن رزین (م ۲۲۵ھ) کے شاگرد تھے۔ استاد اور شاگرد دونوں نے ایک سو بیس
کی عمر پائی۔ محمد بن اسمٰعیل کی وفات ۲۹۹ھ میں ہوئی۔ جبل طور پر اپنے استاد علی بن رزین
پہلو میں دفن ہوئے۔ (المنتظم: ۶: ۱۱۳)۔

(۱۶۳) ابو عبدالرحمٰن حاتم بن علوان: اصل کتاب میں علوان ہی دیا ہے۔ مگر یہ غلط۔
صحیح عنوان ہے۔ ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۹۱ اور شرح گیسو دراز ۱۱۲۔ ان کے حا
کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۱۴۲؛ نفحات الانس: ۶۷؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۱۰

تحفۃ الابرار: جدول ششم: ۳۸ طبقات الصوفیہ: ۹۱ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے ۲۳۷ھ میں وفات پائی۔ (۱۶۴) محمد بن اللیث: محمد بن اللیث بن محمد بن یزید۔ ابوبکر الجوہری ثقہ تھے۔ ۲۹۷ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ بعض ۲۹۹ھ بتاتے ہیں۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۱۹۶)۔ (۱۶۵) حامد اللفاف: ابو علی حامد بن محمود بن حرب النیساپوری نیساپور کے قراء کے سردار تھے۔ ۲۶۶ھ میں وفات پائی (طبقات الصوفیہ: ۶۳)۔ (۱۶۶) خطیب بغدادی نے یہ واقعہ زیادہ تفصیل سے دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد: ۸: ۲۴۴ (۱۶۷) ابوزکریا یحییٰ بن معاذ رازی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۱۵۲ (ترجمہ) تذکرۃ الاولیاء: ۲۵۰ الفہرست: ۲۶۰ طبقات الصوفیہ: ۱۰۷، اور وہ مقامات جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ تمام مصادر میں ان کی تاریخ وفات ۲۵۸ھ دی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ابن ندیم نے (الفہرست: ۲۶۰) ان کی تاریخ وفات لفظوں میں یوں دی ہے۔ توفی سنۃ ست ومائتین (۲۰۶ھ) اس کے بعد ان کی ایک تصنیف کتاب المریدین کا ذکر کیا ہے۔ (۱۶۸) عبداللہ بن محمد بن احمد بن حمدان العکبری: اصل کتاب میں یہ نام اس طرح دیا ہے۔ مگر طبقات الصوفیہ ۱۱، اور تاریخ بغداد ۱۰: ۳۷۱ میں اس کا صحیح نام ابو عبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری دیا ہے۔ عکبرا بضم اولہ و سکون ثانیہ و فتح الباء الموحدۃ۔ وقد یمد و یقصر صریفین کے قریب دُجَیل کے نواح میں ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اس کے اور بغداد کے درمیان دس فرسخ کا فاصلہ ہے۔ (معجم البلدان: ۴: ۱۴۲) یہ ابن بطہ کے نام سے مشہور ہیں۔ حنبلی فقیہ تھے۔ امام فاضل اور عالم حدیث تھے انہوں نے عبداللہ بن محمد بغوی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ صالح شیخ اور مستجاب الدعوۃ تھے۔ مگر روایت حدیث میں انہیں معتبر نہیں سمجھا جاتا۔ خطیب بغداد نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔ ان کی وفات ۳۸۷ھ میں ہوئی۔ ابن الجوزی (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۱۵۱) نے انہیں شیخ صالح عالم عابد اور مستجاب الدعوۃ لکھا ہے (تاریخ بغداد: ۱۰: ۳۷۱-۳۷۵ ز اور طبقات الصوفیہ: ۱۱) (۱۶۹) احمد بن محمد بن السری: ابوبکر احمد بن محمد السری الکوفی۔ ابتداء میں ان کی حالت بالکل درست تھی۔ مگر زندگی کے آخری ایام میں رافضی ہو گئے۔ اور اکثر ان کے ہاں صحابہ کی برائی کی جاتی۔ ان

کی وفات ۳۵۲ھ کے شروع میں ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ: ۱۰۹)۔ (۱۷۰) احمد بن عیسیٰ: احمد بن عیسیٰ بن حسان ابوعبداللہ المصری المعروف بالتستری تجارت کے لئے تستر جایا کرتے تھے۔ اس لئے تستری مشہور ہو گئے۔ بغداد آئے اور وہاں مفضل بن فضالہ مصری سے حدیث کی روایت کی۔ ان کی وفات ۲۴۳ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۴: ۲۷۲-۲۷۵)۔ (۱۷۱) الحسین بن علویہ: اصل کتاب میں حسین ہی دیا ہے۔ خواجہ گیسو دراز کی شرح میں بھی حسین ہی دیا ہے مگر صحیح حسن بن علی بن محمد سلیمان القطان المعروف بابن علویہ ہے۔ انہوں نے عاصم بن علی اور دیگر لوگوں سے حدیث سنی اور ان سے ابوعمرو بن السماک وغیرہ نے۔ ۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۹۰ھ میں وفات پائی۔ ثقہ تھے (المنتظم: ۶: ۱۰۶؛ تاریخ بغداد: ۷: ۳۷۵)۔ یاد رہے کہ ایک اور ابن علویہ ہیں اور وہ حسین بن منصور بن ابراہیم ابوعلی صوفی المعروف بابن علویہ ہیں۔ (تاریخ بغداد: ۸: ۱۱۱) (۱۷۲) محمد بن محمد الجرجانی: ابوالحسین محمد بن محمد بن عبیداللہ بن عمرو بن زید الجرجانی۔ انہوں نے شام عراق اور خراسان میں حدیث لکھی۔ کئی بار اصفہان آئے۔ اور وہیں ۳۵۵ھ میں وفات پائی۔ قرآن، حدیث اور تاریخ میں ماہر تھے۔ ابومحمد بن جبان نے اپنی کتاب میں اس سے روایت کی ہے۔ (اخبار اصفہان: ۲: ۲۹۲) محمد بن محمد الجرجانی ایک اور صاحب بھی ہیں۔ جن کا پورا نام محمد بن مکی بن یوسف ابواحمد القاضی الجرجانی ہے۔ مگر لوگوں نے انہیں ضعیف شمار کیا ہے (تاریخ بغداد: ۳: ۲۶۲-۲۶۳۔ اخبار اصفہان: ۲: ۲۸۸) اور ایک تیسرے بھی ہیں۔ جن کا نام ابوعبیداللہ محمد بن محمد بن عبیداللہ بن عمرو بن زید الجرجانی الواعظ ہے انہوں نے حسن بن سفیان وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابونصر الاسماعیلی نے، انہوں نے ۳۳۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ جرجان: ۳۸۰)(۱۷۳) علی بن محمد۔ علی بن محمد جو علی بن متویہ العابد کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے ۲۸۳ھ میں وفات پائی (اخبار اصفہان: ۲: ۸-۹) (۱۷۴) ابواحمد الحافظ۔ پورا نام ابواحمد محمد بن اسحاق الحاکم النیساپوری الکرابیسی۔ صاحب تصانیف ہیں۔ کتاب الکنیٰ ان کی تالیف ہے۔ تقریباً بیس برس کی عمر میں حدیث کی تلاش میں نکلے۔ چنانچہ عراق۔ جزیرہ اور شام میں حدیث سنی۔ شام اور طرسوس میں قاضی بھی رہے۔ ۳۴۵ھ میں نیشاپور آئے اور ۳۷۸ھ میں ترانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ یاد رہے کہ یہ وہ حاکم نہیں ہیں۔ جو

مستدرک کے مولف ہیں۔ بلکہ یہ ان کے استاد ہیں۔ مستدرک کے مولف نے بعد میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۳: ۹۳؛ تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۴: ۱۷؛ البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۸۳) (۱۷۵) سعید بن عبد العزیز الحلبی: ابوسلیمان سعید بن عبد العزیز الحلبی الزاہد۔ انہوں نے دمشق میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ سری سقطی کی صحبت میں رہے۔ ابونعیم۔ عبید بن ہشام الحلبی اور احمد بن ابی الحواری وغیرہ سے روایت کی۔ ابواحمد حاکم کہتے ہیں کہ یہ صالحین میں سے تھے۔ ۳۱۹ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۲: ۲۷۹)۔ (۱۷۶) ابوحفص عمر بن مسلمۃ الحداد: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۱۵۴ نفحات الانس: ۹، کتاب جامع کرامات الاولیاء: ۲: ۲۱۸؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۶۸ اور طبقات الصوفیہ: ۱۱۵ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ طبقات الصوفیہ میں ان کا نام عمرو بن سلم اور عمرو بن سلمہ دیا ہے۔ اور موخر الذکر کو درست قرار دیا ہے۔ شرح گیسو دراز میں ابوحفص بن عمر سلام دیا ہے۔ اور ابن العماد نے عمر بن مسلم مگر درست وہی ہے جو طبقات الصوفیہ میں دیا ہے۔ جامی نے ان کی تاریخ وفات ۲۶۴ھ میں زابن العماد نے ۲۶۵ھ اور طبقات الصوفیہ میں ۲۷۰ھ دی ہے۔

(۱۷۷) ابوالحسن محمد بن موسیٰ: صحیح نام ابوالحسین محمد بن موسیٰ بن ہارون الصوفی ہے۔ انہوں نے ابراہیم بن عبد الصمد ہاشمی اور ابوذر احمد بن محمد بن محمد الباغندی سے روایت کی اور ان سے عبد العزیز بن علی الازجی نے، یہ شیخ فاضل دیندار اور ثقہ تھے۔ ابوزیاد کی سرائے میں اترا کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۲۴۶-۲۴۷)۔ (۱۷۸) ابوعلی الثقفی: ابوعلی محمد بن عبد الوہاب الثقفی النیشاپوری۔ فقیہ اور امام تھے۔ انہوں نے بڑھاپے میں موسیٰ بن نصر آبادی اور احمد بن ملاعب سے حدیث سنی۔ یہ حجاج بن یوسف ثقفی کی اولاد میں سے تھے۔ یہ تمام علوم کو چھوڑ کر علم صوفیاء کی طرف لگ گئے۔ ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۳۶۱ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔) (۱۷۹) ابوتراب عسکر بن حصین نخشبی ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۱۵۱ نفحات الانس: ۵۳ز اور طبقات الصوفیہ: ۱۴۶ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۱۸۰) ابوحاتم عطار مصری: انہوں نے ابن سیرین سے حدیث سنی اور ان سے

وکیع نے روایت کی (طبقات الصوفیہ: ۱۴۶)۔ (۱۸۱) ابوعبداللہ الفارسی: ابوعبداللہ محمد اسمٰعیل بن اسحٰق بن بحر الفارسی۔ یہ شافعی فقیہ تھے۔ انہوں نے ابوذرعہ دمشقی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی۔ اور ان سے ابوالحسن دارقطنی وغیرہ نے، ان کی ولادت ۲۴۸ھ میں اور وفات ۳۳۵ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۲: ۵۰) (۱۸۲) ابوالحسین الرازی: ابوالحسین محمد بن اسماعیل بن موسیٰ بن ہارون الرازی المکتب، یہ بغداد میں محلہ قصر عیسیٰ بن علی میں رہتے تھے۔ انہوں نے ابوحاتم رازی اور یحییٰ بن عبدک سے حدیث سنی۔ اور ان سے ابوعلی شاذان وغیرہ نے۔ یہ غیر ثقہ اور ضعیف راوی تھے۔ ۲۶۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۵۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۲: ۵۰۔۵۲ اور المنتظم ۷: ۲۲) (۱۸۳) یوسف بن الحسین: یوسف بن الحسین بن علی ابویعقوب الرازی۔ یہ مشائخ صوفیہ میں سے تھے۔ انہوں نے بہت سفر کیا۔ ذوالنون کی صحبت میں رہے۔ بغداد آئے اور احمد بن حنبل سے حدیث سنی ان کی وفات ۳۰۴ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۱۴: ۳۱۴۔۳۱۹۔ اور المنتظم ۶: ۱۴۱)۔ (۱۸۴) ابومحمد عبداللہ بن خبیق: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۶۸، کشف المحجوب ۱۶۰: ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۸۲۔ اور طبقات الصوفیہ: ۱۴۱، اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی تاریخ وفات کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ یہ یوسف بن اسباط کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات ۱۹۹ھ میں ہوئی اور فتح بن شخرف ان کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات ۲۷۳ھ میں ہوئی۔ لہٰذا ان کی وفات ان دونوں سالوں سے درمیان ہوئی۔ (۱۸۵) یوسف بن اسباط الشیبانی: یہ شیخ الحدید نامی بستی جو حلب اور انطاکیہ کے درمیان واقع ہے کے رہنے والے تھے۔ (معجم البلدان: ۳: ۳۷۹) حبیب بن سنان، محل بن خلیفہ، ثوری۔ عامر بن شریح اور سری بن اسمٰعیل کو پایا۔ سفیان ثوری وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے مسیب بن واضح اور عبداللہ بن خبیق الانطاکی نے۔ یحییٰ بن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کی وفات ۱۹۹ھ میں ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ: ۳۶ اور صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۳۵) ابن حجر نے ان کی وفات ۱۹۵ھ دی ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۴۰۸)۔ (۱۸۶) ابوالفرج الورثانی: ابوالفرج عبدالواحد بن بکر الورثانی الصوفی، انہوں نے بہت سی تصانیف کیں۔ ۳۶۵ھ میں جرجان

آئے اور وہاں حدیث سنی : اور حدیث کی روایت بھی کی۔ حجاز میں ۲۳۲ھ میں وفات پائی
(تاریخ جرجان : ۲۱۱)۔ (۱۸۷) فتح محمد شخرف : ابو نصر فتح بن شخرف المروزی الکشی۔ یہ سیاح
اور عابد تھے۔ بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اور وہیں رجاء بن مرجی المروزی وغیرہ سے
روایت کی۔ اور ان سے شعیب بن محمد بن الراجیان وغیرہ نے ان کا انتقال بغداد کی مغربی
جانب ۲۷۳ھ میں ہوا۔ (تاریخ بغداد ، ۱۲ : ۳۸۴ ؛ صفۃ الصفوۃ : ۲ : ۲۲۷)۔ (۱۸۸) احمد بن
عاصم الانطاکی : ابو عبداللہ احمد بن عاصم الانطاکی، ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات
الانس : ۶۵ ؛ کشف المحجوب : ۱۵۹۔ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء ، ۲۸۰۔ طبقات الصوفیہ : ۱۳۷ اور
وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ تبع تابعین میں سے تھے۔ اور لمبی عمر پائی۔ فضیل بن عیاض
کو دیکھا ہے۔ (۱۸۹) ابو السری منصور بن عمار : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس
۶۴ : کشف المحجوب ، ۱۵۰ : ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۲۷۷۔ اور طبقات الصوفیہ : ۱۳۰ اور وہ
مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ کسی نے ان کی تاریخ وفات نہیں دی۔ ان سے علی بن الموفق
نے روایت کی ہے اور ان کی وفات ۲۶۵ھ میں ہوئی۔ (المنتظم ، ۵ : ۵۳) لہذا ان کی وفات
اس سے پہلے ہوئی ہوگی اور منصور بن عمار نے المنکدر بن المنکدر سے روایت کی ہے المنکدر
کی وفات ۱۸۰ھ میں واقع ہوئی (طبقات الصوفیہ ، ۱۳۱) لہذا ان کی وفات ۱۸۰ھ اور
۲۶۵ھ کے درمیان ہوئی ہوگی۔ مزید براں ان کی بشر بن غیاث ابو عبدالرحمٰن المریسی
المعتزلی المتوفی ۲۱۸ھ سے خلق قرآن کے مسئلہ میں بحث ہوئی اور سفیان عینیہ م ۱۹۸ھ
نے انہیں حدیث سنائی اور انہوں نے وعظ کیا۔ لہٰذا ان کا زمانہ بھی قریب یہی زمانہ
ہوگا۔ (۱۹۰) سلمان باروسی : کتاب میں سلمان ہی دیا ہے مگر درست جیسا کہ طبقات
الصوفیہ میں دیا ہے۔ ابو الحسن مسلم بن الحسن الباروسی ہے۔ نیساپور کے قدماء مشائخ میں
سے تھے۔ حمدون قصار کے استاد اور مجاب الدعوۃ تھے۔ (طبقات الصوفیہ : ۱۲۳۔ اور
نفحات الانس : ۶۴)۔ (۱۹۱) عبداللہ بن منازل ابو محمود الزاھد النیساپوری یہ حمدون قصار
کی صحبت میں رہے۔ اور صحیح سند سے احمد بن مسلمہ نیساپوری سے حدیث کی روایت کی۔
نیساپور کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ ۳۳۱ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب : ۲ :

۲۳۰:) ۔ (۱۹۲) ابوالقاسم جنید بن محمد: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس
۸۱: کشف المحجوب: ۱۶۱؛ تذکرۃ الاولیار: ۲۸۴؛ شرح التعرف: ۱: ۱۰۱؛ تحفۃ الابرار
جدول ثالث: ۴ اور طبقات الصوفیہ: ۵۵ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ۔
ان کا داماد ابوبکر ہے جس کا ذکر خطیب بغدادی نے کیا ہے (تاریخ بغداد: ۱۴: ۳۸۸)
(۱۹۳) ابوثور: ابوثور ابراہیم بن خالد بن الیمان الکلبی الفقیہ، انہوں نے محمد بن ادریس الشافعی
سفیان بن عُیَیْنہ اور وکیع وغیرہ سے حدیث سنی ۔ اور ان سے ابوداؤد سجستانی اور مسلم بن
الحجاج نیساپوری وغیرہ نے ، یہ ثقہ اور دین کے اماموں میں سے تھے، انہوں نے اپنی
تصانیف میں حدیث اور فقہ کو اکٹھا کر دیا ہے ۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ پہلے یہ اہل عراق
کے قول کے مطابق چلا کرتے تھے ۔ مگر امام شافعی بغداد آئے اور یہ ان کے پاس آنے جانے
لگے تو اہل عراق کا قول ترک کر دیا ۔ ان کی وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی (تاریخ بغداد: ۶:
۶۵) ۔ (۱۹۴) محمد بن علی القصاب: ابوجعفر محمد بن علی القصاب الصوفی یہ بغداد کے رہنے والے
اور جنید کے استاد تھے ۔ جنید فرمایا کرتے کہ لوگ مجھے سری سقطی کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔
حالانکہ محمد قصاب میرا استاد ہے ۔ ۲۷۵ھ میں انہوں نے وفات پائی ۔ (تاریخ بغداد ۳: ۶۳)
(۱۹۵) الفرغانی: ابوجعفر محمد بن عبداللہ الفرغانی الصوفی ۔ دراصل فرغانہ کے رہنے والے تھے
مگر بغداد میں مقیم ہو گئے تھے ۔ جنید کی صحبت میں رہے اور ان کے کلام کی روایت کی ۔ ان سے
ابوالعباس محمد بن الحسین بن الخشاب البغدادی نے روایت کی ہے ۔ (طبقات الصوفیہ: ۱۶۰)
(۱۹۶) اصل کتاب میں اس قول کی سند اسی طرح دی ہے ۔ مگر شرح گیسو دراز اور حلیۃ الاولیار
۱۰: ۲۷۸) میں اس کی سند صرف اسی قدر دی ہے ۔ حدثنا محمد بن الحسین قال سمعت ابابکر الرازی
یقول سمعت ابا محمد الجریری یقول سمعت الجنید ۔ اور یہی درست بھی ہے ۔ یوں معلوم ہوتا ہے
پہلی سند تو ابومحمد الجریری پر مکمل ہو جاتی ہے اور پھر محمد بن الحسین سے ابوعلی رودباری تک ایک
اور سند اور قول ہے ۔ جو درمیان میں سے رہ گیا ہے ۔ اس لئے کہ ابومحمد جریری کی وفات ۳۱۱ھ
میں ہوئی ہے ۔ اور رودباری کی ۳۲۲ھ میں لہٰذا اس قدر درمیانی سلسلہ نہیں ہو سکتا ۔
(۱۹۷) ابونصر الاصبہانی: میں نے اخبار اصبہان کی دونوں جلدیں ایک ایک نام کر کے دیکھ ڈالیں

مگر وہاں اگرچہ ابونصر کنیت والے بہت سے لوگوں کا ذکر تھا مگر کسی ایک کے نام کے ساتھ بھی اصبہانی نہیں لکھا۔ چنانچہ ایک ابونصر ظفر بن احمد بن الحسن (ا : ۳۵۲) م ۳۸۲ھ ہیں۔ مگر انکے نام کے ساتھ النیساپوری کا لفظ واضح طور پر لکھا گیا۔ یہ اصبہان آئے۔ پھر لکھا ہے کہ من الصوفیہ الکبار۔ انہوں نے اصبہان میں ہی وفات پائی۔ اس کے برعکس جب کتاب الحلیۃ کی طرف نظر دوڑاتے ہیں۔ تو وہاں ابونعیم کو ابونصر محمد بن احمد بن ہارون سے روایت کرتے پاتے ہیں۔ (۱۰ : ۲۷۵) اور سلمی بھی انہی محمد بن احمد بن ہارون سے روایت کرتے ہیں۔ جہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر یہی مراد ہوں گے۔

(۱۹۸) ابوالعباس بن شریح۔ اصل کتاب میں اور شرح گیسو دراز میں اسی طرح شریح ہی دیا ہے۔ مگر درست سریج ہے۔ پورا نام ابوالعباس احمد بن عمر بن سریج البغدادی ہے۔ یہ شافعیہ کے استاد اور صاحبِ تصنیف ہیں۔ "باز اشہب" کے نام سے مشہور رہتے۔ ان کی چارسو کے قریب تصانیف ہیں۔ انہیں امام شافعی رحمہ اللہ کے تمام شاگردوں پر یہاں تک کہ مزنی پر بھی فضیلت دی جاتی تھی۔ انہوں نے امام شافعی کا مذہب پھیلایا۔ ان کی وفات ستاون سال کی عمر میں ۳۰۶ھ میں ہوئی۔ (شذرات الذھب : ۲ : ۲۴۷)۔ (۱۹۹) ابوبکر العطوی : ابوبکر محمد بن علی بن الحسن بن وھب العطوی۔ انہوں نے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ سے روایت کی۔ اور ان سے محمد اسحق بن مندہ اصفہانی وغیرہ نے۔ ابن النحاس نے ان سے ۳۴۳ھ میں حدیث سنی۔ یہ صدوق تھے (تاریخ بغداد ؛ ۳ : ۹۷) جامی نے ان کی تاریخ وفات ۳۴۵ھ دی ہے اور لکھا ہے کہ ان کی وفات رملہ میں واقع ہوئی۔ (نفحات الانس : ۱۸۱) مگر وہاں عطوی کی بجائے عطوفی چھپا ہے۔ جو غلط ہے۔ (۲۰۰) ابوعثمان سعید بن اسمٰعیل حیری ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس : ۸۰ ؛ کشف المحجوب : ۱۶۶ ؛ ترجمۂ تذکرۃ الاولیاء : ۳۱۵ ؛ جامع کرامات الاولیاء : ۲ : ۲۶ ؛ شذرات الذھب : ۲ : ۲۳ اور طبقات الصوفیہ : ۱۷۰۔ ان مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ حیرہ جس کی طرف یہ منسوب ہوتے ہیں وہ حیرہ نہیں ہے جو عراق میں کوفہ کے قریب تھا بلکہ یہ نیساپور کے ایک محلہ کا نام ہے۔ (معجم البلدان ۲ : ۳۳۱)۔ (۲۰۱) ابوعمرو بن حمدان : ابوعمرو محمد بن احمد بن حمدان ؛ یہ نیشاپور کے محدث ہیں

زاھد اور ثقہ تھے۔ ان کا میلان تشیع کی طرف تھا۔ مگر غالی نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگوں نے انکی تعریف کی ہے۔ طبقات الصوفیہ: ۱۷)۔ (۲۰۲) عبدالرحمٰن بن عبداللہ: اصل کتاب میں اور شرح گیسو دراز دونوں میں یہ نام اسی طرح دیا ہے۔ مگر میرے خیال میں یہ نام عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن الرازی الشعرانی ہونا چاہیئے۔ عبداللہ ابو عثمان کی صحبت میں رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۴۵۱ نیز ملاحظہ ہو سلمی کی اس کے بعد کی روایت کہ وہاں بھی یہی عبداللہ بن محمد شعرانی روایت کرتے ہیں۔ (۲۰۳) محمد بن احمد الملامتی: ابوبکر محمد بن احمد بن ابراہیم البلخی بغداد آئے۔ وہاں انہوں نے محمد بن عمر بن موسیٰ عقیلی سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن علی بن یعقوب نے (تاریخ بغداد: ۱۰: ۲۷۲)۔ (۲۰۴) ابو الحسین الورّاق ابو الحسین محمد بن سعد الورّاق یہ ابو عثمان نیساپوری کے شاگرد تھے۔ فقیہ تھے علم معاملات کے دقائق پر گفتگو کرتے تھے۔ انہوں نے ۳۱۹ھ میں وفات پائی۔ (المنتظم: ۶: ۲۴۴) ایک اور ابو الحسن الوراق بھی ہیں۔ ان کا پورا نام ابو الحسین محمد بن عبداللہ الوراق الزاہد ہے۔ یہ جرجان کے رہنے والے تھے۔ ان کی وفات ۳۶۶ھ میں ہوئی۔ (تاریخ جرجان: ۳۹۷)۔ (۲۰۵) احمد نوری: ابو الحسین احمد بن محمد النوری۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: نفحات الانس: ۸۰ ز کشف المحجوب: ۶۴: از ترجمہ تذکرہ الاولیاء: ۳۱۰ ز طبقات الصوفیہ: ۱۶۴ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۲۰۶) ابو عبداللہ الصوفی: ابوبکر خطیب نے کئی ایک لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ اور وہ صوفی بھی کہلاتے تھے مگر یہاں مراد الحسین بن شجاع بن الحسن بن موسیٰ ابو عبداللہ الصوفی سے ہے۔ یہ ابن الموصلی کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے ابوبکر الشافعی اور ابو علی بن الصواف وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابوبکر خطیب بغدادی نے۔ خطیب بغدادی انکے متعلق لکھتے ہیں کہ کتبنا عنہ وکان صدوقاً۔ ان کی وفات ۴۲۳ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۸: ۵۳)۔ (۲۰۷) ابو احمد مغازلی: ابو احمد المغازلی الصوفی۔ جلیل القدر صوفیاؑ میں سے تھے۔ ان سے جعفر الخلدی نے حکایت کی ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱۴: ۴۲۱)۔ (۲۰۸) ابو عبداللہ احمد بن یحییٰ الجلاء: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۱۱۲؛

وب: ۱۶۹ از ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۱۹ ز تحفۃ الابرار جدول ششم: ۷ مگر وہاں
بت الوالعباس دی ہے۔ جو غلط ہے اور طبقات الصوفیہ: ۱۷۶ اور وہ مقامات
ل ذکر کیا گیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے والد یحییٰ کو جلاء (صیقل گر) کیوں
ہے۔ تو فرمایا۔ صیقل گری کا ان کا پیشہ تو نہ تھا۔ مگر دلوں کو صیقل کیا کرتے تھے اس
کہلائے۔ ان کی وفات ۳۰۶ھ میں ہوئی۔ (۲۰۹) ابوعبید البُسری: ابوعبید محمد بن
سری۔ بُسر حوران کی ایک بستی کا نام ہے۔ جس کی طرف یہ منسوب ہیں۔ نورالدین
مغہ (۱۷۶) نے لُبسری دیا ہے۔ مگر وہ غلط ہے۔ ملاحظہ ہو معجم البلدان: (۱:
رت حموی (م ۶۲۶ھ) لکھتے ہیں۔ وینسب الیہا ابوعبید محمد بن حسان البُسری
زاہد۔ صاحبِ کرامات تھے۔ انہوں نے سعید بن منصور خراسانی وغیرہ نے
کی روایت کی اور ان سے ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن مروان دمشقی وغیرہ
کے بیٹے نجیب بن ابی عبید البُسری نے ان سے ان کے اقوال کی حکایت کی ہے۔
بی (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۱۶) لکھتے ہیں۔ و بُسرای قرق دمشق۔ مگر یاقوت کا قول
تر ہے۔ نیز ملاحظہ ہو۔ حاشیہ نمبر ۲۲۵ (۲۱۰) یحییٰ الجلاء۔ یحییٰ بن عبداللہ الجلاء اخیار
یں سے تھے۔ بشر بن الحارث کی صحبت میں رہے اور ان کی صحبت میں ذوالنون
۔ عبداللہ بن الجلاء کہتے ہیں کہ میں نے ذوالنون سے پوچھا کہ میرے باپ کا نام جلاء
۔ کیا وہ صیقل گر تھے۔ ذوالنون نے جواب دیا نہیں۔ ہم نے ان کا نام جلاء رکھا تھا
ب وہ کلام فرماتے تو ہمارے دلوں کو صیقل کر دیتے تھے (صفۃ الصفوۃ: ۲: ۲۳۲)
نے کے بعد انہیں تختہ پر لٹا کر غسل دینے لگے تو یہ ہنس رہے تھے۔ لوگوں کو شبہ
یں زندہ تو نہیں ہیں۔ طبیب بلایا گیا۔ اس نے آکر نبض دیکھی اور کہا کہ مردہ ہیں۔ مگر
رچہرہ کھولا گیا تو ہنس رہے تھے۔ طبیب شرمندہ ہو کر کہنے لگا مجھے بات سمجھ
آتی کہ مردہ ہیں یا زندہ۔ انہیں کوئی غسل دینے لگتا تو اس پر اس قدر ہیبت طاری
نسل دینا چھوڑ دیتا۔ آخر کار ان کی برادری کا ایک آدمی آیا اور اس نے غسل دیا۔ ان
ت ۳۰۵ھ میں ہوئی۔ (المنتظم: ۵: ۱۷۰)۔ (۲۱۱) ابوعمر والدمشقی ابوعبداللہ احمد بن

یحییٰ الجلاء اور ذوالنون کی صحبت میں رہے اور سنہ ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۲: ۲۸۷ اور نفحات الانس: ۱۵۴)

(۲۱۲) ابو محمد رویم بن احمد: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: نفحات الانس: ۹۶ ز کشف المحجوب: ترجمہ تذکرۃ الاولیاء۔ کتاب جامع کرامات الاولیاء: ۲: ۱۴۰ اور طبقات الصوفیہ: ۱۸۰ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۲) داؤد سے مراد ابو سلیمان داؤد بن علی اصبہانی ثم بغدادی ہے۔ انہیں داؤد ظاہری بھی کہا جاتا ہے۔ فقیہ اور صاحب تصانیف بھی ہیں۔ انہوں نے علم ابو ثور اور اسحٰق بن راہویہ سے حاصل کیا انہوں نے ستر سال کی عمر میں ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ آپ بہت عابد و زاہد تھے۔ (شذرات الذھب: ۲: ۱۵۸ اور المنتظم: ۵: ۷۵)۔ (۲۱۳) ابو عبداللہ محمد بن الفضل بلخی: ابو عبداللہ محمد بن الفضل بن العباس بن حفص البلخی۔ ان کے حالات ملاحظہ ہوں۔ نفحات الانس: ۱۱۸۔ کشف المحجوب: ۱۷۷ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۳۲ ز تحفۃ الابرار جدول ششم: ۸۱ ز البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۱۶۷ اور طبقات الصوفیہ: ۲۱۲ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے قتیبہ بن سعید اور دیگر رواۃ سے کثرت سے حدیث سنی (حلیۃ الاولیاء: ۲۳۲)۔

(۲۱۴) احمد بن محمد الفراء: اصل کتاب میں اس طرح دیا ہے۔ مگر درست محمد بن احمد الفراء ہے جیسا کہ شرح گیسو دراز صفحہ ۱۵۷ میں دیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو۔ نمبر ۷۴۔ (۲۱۵) ابوبکر بن عثمان شرح گیسو دراز میں ابوبکر عثمان دیا ہے مگر ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے میرے خیال میں درست ابوبکر بن عفان ہیں جو مہدی بن حفص کے داماد تھے۔ ملاحظہ ہو۔ میزان الاعتدال: ۳: ۲۴۹۔ (۲۱۶) عبداللہ الرازی: ابو محمد عبداللہ بن محمد الشعرانی الرازی۔ انہوں نے ۳۵۳ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۴۵۱)۔ (۲۱۷) ابوبکر احمد بن نصر الزقاق الکبیر۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۱۷۲۔ یاد رہے کہ زقاق لقب کے دو شخص ہیں۔ ایک زقاق کبیر اور دوسرا زقاق صغیر دونوں کی کنیت ابوبکر ہے۔ زقاق کبیر زقاق صغیر کے استاد ہیں۔ قشیری نے ابوبکر زقاق کبیر کا

نام احمد بن نصر دیا ہے اور جامی کے بیان سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ جامی نے زقاق صغیر کا
بھی حال دیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ) مگر ان کا اصلی نام نہیں دیا۔ طبقات الصوفیہ میں ان دونوں کا
کوئی ترجمہ نہیں دیا۔ البتہ ضمناً ان کا ذکر آیا ہے۔ اور وہاں صرف ابوبکر زقاق کبیر لکھا ہے (صفحہ
۴۴۸) شعرانی (الواقع الانوار: ۱: ۷۶) زقاق کبیر کا نام ابوبکر نصر بن احمد نصر الدقاق (بالدال)
الکبیر لکھ کر فرماتے ہیں کہ یہ جنید (م ۲۹۷ھ) کے معاصرین میں سے تھے اور مصر کے بڑے
مشائخ میں سے تھے۔ جامی نے انہیں ابوبکر زقاق صغیر اور ابوبکر دقی (م بغداد ۳۵۰ھ) کا
استاد لکھا ہے۔ سلمی نے بھی انہیں ابوبکر دقی کا استاد لکھا ہے (طبقات الصوفیہ: ۴۴۸) اسی طرح
ابوالحسن علی بن بندار الصیرفی (م ۳۵۹ھ) کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بھی زقاق کی صحبت میں رہے
(طبقات الصوفیہ: ۵۰۱) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ابوبکر زقاق جو جنید کے ہم عصر اور
دقی کے استاد تھے کون سے زقاق ہیں؟ صغیر یا کبیر۔ نورالدین شرنبہ زقاق کبیر کا نام محمد بن
عبداللہ بتلاتے ہیں۔ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۹۷) ابن الجوزی (المنتظم: ۶: ۴۲) اور
خطیب بغدادی (تاریخ بغداد: ۵: ۴۴۲) میں ان کی وفات ۲۹۰ھ دی ہے اور سب
کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ جنید (م ۲۹۷ھ) ابوالحسن نوری (م ۲۹۵ھ) اور ابوحمزہ کے ہمعصر
ہوئے ہیں۔ مصادر میں ان کے لقب میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، ابن کثیر (حوالہ مذکور)
انہیں محمد بن عبداللہ ابوبکر دقاق (بالدال) لکھتے ہیں۔ خطیب بغدادی نے انہیں محمد بن عبداللہ
ابوبکر زقاق لکھا ہے۔ صفۃ الصفوۃ: (۲: ۴۳۴) میں الرقاق (بالراء المہملہ) چھپا ہے معلوم
معلوم ہوتا ہے کہ طباعت میں زاء کا نقطہ رہ گیا ہے۔ ابن کثیر میں الدقاق (بالدال المہملہ)
جو دیا ہے غلط ہے۔ کیونکہ ابوبکر محمد بن عبداللہ الدقاق کی وفات ۳۸۲ھ میں ہوئی۔
(تاریخ بغداد: ۵: ۴۶۲) ابن الجوزی (المنتظم: ۷: ۱۷۳) نے ان کی تاریخ وفات ۳۸۳ھ
دی ہے۔ لہٰذا یہ جنید کے ہمعصر نہیں ہو سکتے۔ ابھی یہ سوال اسی طرح باقی ہے کہ احمد بن
نصر اور محمد بن عبداللہ دونوں میں سے کون زقاق کبیر ہے اور کون صغیر۔ قشیری اور جامی
دونوں نے احمد بن نصر کو زقاق کبیر کہا ہے مگر جو واقعات محمد بن عبداللہ کے متعلق بالاتفاق
بیان کیے گئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زمانہ جنید کا زمانہ ہے۔ لہٰذا وہی زقاق

کبیر ہونے چاہئیں۔ اس کا صرف ایک حل مجھے سوجھا اور وہ یہ ہے کہ دونوں تقریباً ہمعصر ہوں۔ اور ایک ہی زمانہ میں رہے ہوں۔ لہٰذا احمد بن نصر استاد ہونے کی وجہ سے ابوبکر زقاق کبیر کہلائے۔ اور محمد بن عبداللہ زقاق صغیر۔ اگر جامی زقاق صغیر کا نام بھی لکھ دیتے تو یہ عقدہ جلد حل ہو جاتا۔ (۲۱۸) محمد بن عبداللہ بن عبدالعزیز۔ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن عبدالعزیز بن شاذان الرازی المذکرؒ ملاحظہ ہو۔ نمبر ۵۲ (۲۱۹) ابوعبداللہ عمرو بن عثمان مکی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۸۵، ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۰۳، کشف المحجوب: ۱۴۷، تحفۃ الابرار جدول: ۱: ۶ اور طبقات الصوفیہ: ۲۰۰ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۲۲۰) ابوعبداللہ نباجی: (نباج بکسر النون) کئی ایک مقامات کا نام ہے۔ ایک بصرہ اور مکہ کے درمیان ہے۔ ایک نباج بصرہ کے بادیہ میں ہے۔ ان کا اصلی نام سعید بن یزید ہے۔ ذوالنون (م ۲۴۵ھ) کے ہمعصر اور احمد بن ابی الحواری (م ۲۳۰ھ) کے استاد تھے۔ نفحات الانس: ۹۲، صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۵۳)۔ (۲۲۱) ابوبکر محمد بن احمد۔ ابوبکر محمد بن احمد بن ابراہیم البلخی یہ بغداد آئے اور وہاں محمد بن عمرو بن موسیٰ العقیلی سے حدیث کی روایت کی۔ اور ان سے محمد بن علی واسطی نے (تاریخ بغداد: ۱: ۲۷۲) (۲۲۲) سمنون بن حمزہ ابوالحسن سمنون بن حمزہ الخواص المحب۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۱۰۲، کشف المحجوب: ۱۴۷، کتاب جامع کرامات الاولیاء: ۲: ۳۲، ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۲۹، تحفۃ الابرار جدول ششم: ۴۷ اور طبقات الصوفیہ: ۱۹۵ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔ (۲۲۳) ابواحمد قلانسی مصعب بن احمد بن مصعب القلانسی الصوفی۔ دراصل مرو کے تھے مگر بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پایا۔ چونکہ قلانس (ٹوپیاں) بنایا کرتے تھے۔ اس لئے قلانسی کہلائے جلید اور رویم کے ہمعصر تھے۔ منبہ مصری کے استاد۔ بہت زہد و تقویٰ والے تھے۔ ۲۷۰ھ میں حج کے لئے آئے اور وہیں حاجیوں کے چلے جانے سے تھوڑا عرصہ بعد انتقال ہوا۔ یعنی ۲۷۰ھ میں (تاریخ بغداد: ۱۳: ۱۱۴) نفحات الانس: ۱۱۰)۔

(۲۲۴) سلمی نے لکھا ہے کہ ان کی وفات جنیدؒ کے بعد ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ:

۱۹۵)۔(۲۲۵) ابوعبید لیسری ابوعبید محمد بن حسان البسری الحسانی الزاہد: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو معجم البلدان: ۱: ۲۰۰۴ نفحات الانس: ۱۱۴ صفتہ الصفوۃ: ۴: ۲۱۶ زلراقع الانوار: ۱: ۷۶ بسر (بالضم) دمشق کے علاقہ میں ایک بستی کا نام ہے۔ یہاں بڑے دشوار گذار راستے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہاں الیسع علیہ السلام کی قبر ہے۔ اس کی قبر ہے اس کی طرف ابوعبید محمد بن حسان البسری منسوب ہوتے ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۰۹ المنتظم (۶: ۱۱۱) میں ان کو ابوعبید اللہ البسری لکھا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے ۔ (۲۲۶) الدقی: الدقی سے مراد محمد بن داؤد الدقی المتوفی بعداز ۳۵۰ھ ہیں۔ شرح گیسو دراز میں الرقی (بالراء) دیا ہے اور الرقی ابواسحٰق ابراہیم بن مولد ہیں۔ یہ الدقی اور الرقی دونوں عبداللہ بن الجلاء کی صحبت میں رہے ہیں۔ (۲۲۷) احمد بن محمد البغوی: ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔ (۲۲۸) محمد بن معمر: محمد بن معمر بن ناصح ابومسلم الذہلی الادیب۔ ان کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی۔ انہوں نے موسیٰ بن ہارون اور یوسف القاضی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ۔ (اخبار اصبہان: ۲: ۲۸۴۔ ۲۸۵)۔ (۲۲۹) ابوزرعتہ الحسنی کتاب میں اس طرح دیا ہے۔ ابوزرعتہ چاہیئے۔ شرح گیسو دراز میں تین قرأتیں دی ہیں۔ الحسی الحسنی الجنبی۔ مگر معلوم نہ ہوسکا کہ یہ نسبت ہے ابوزرعہ بہت سے ہوئے ہیں۔ ابوزرعہ رازی، ابوزرعہ یمنی، ابوزرعہ کشی وغیرہ مگر یہاں ان میں سے کوئی بھی نام نہیں ہے یاقوت جبن میں ایک قلعہ کا نام بتایا ہے۔ (معجم البلدان: ۲: ۱۰۷)۔ (۲۳۰) (۷) شرح گیسو دراز میں اس عبارت کا ترجمہ اور شرح غلط دی ہے۔ محشی اور بھی غلط راہ پر چلا گیا ہے۔ (۲۳۱) ابوالفوارس شاہ شجاع کرمانی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۱۱۴ تذکرۃ الاولیاء: ۲۶۰ زکتاب جامع کرامات الاولیاء: ۲: ۳۷ ز اور طبقات الصوفیہ: ۱۹۲ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ شرح گیسو دراز میں ہے کہ قبرہ لبشیر کان ۔ (۲۳۲) ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۱۸۵ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲۳۳) محمد بن علی ترمذی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو، تذکرہ الحفاظ: ۲:

۱۹۷ نفحات الانس: ۱۱۹ ز کشف المحجوب: ۱۷۷ و ۲۶۵ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۴۵ ز تحفۃ الابرار جدول ششم: ۸۰ اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۴: ۸۷۴-۹ اور طبقات الصوفیہ: ۲۱۷ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ انہیں حکیم ترمذی کہا جاتا ہے۔ پورا نام ابو عبداللہ محمد بن علی بن الحسن بن بشیر الزاھد الحافظ۔ انہوں نے اپنے باپ اور قتیبہ بن سعید وغیرہ سے روایت کی اور ان سے یحییٰ بن منصور۔ حسن بن علی اور علماء نیساپور نے۔ یہ نیساپور میں ۲۸۵ھ (تذکرۃ الحافظ: ۲: ۱۹۷) میں آئے۔ کیونکہ جب انہوں نے ختم الاولیاء اور علل الشریعہ لکھی تو لوگوں نے انہیں ترمذ سے نکال دیا۔ یہ تقریباً اسی سال زندہ رہے۔ اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں اُن کی وفات کی تاریخ ۲۸۵ھ دی ہے۔ حالانکہ اس سال یہ ترمذ سے نکل کر نیشاپور آئے تھے۔ حاجی خلیفہ (کشف الظنون ۲: ۴۰۲) نے زیر نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول" لکھا ہے کہ الحکیم الترمذی المتوفی شہیداً ۲۵۵ھ خمس وخمسین ومائتین حالانکہ یہ تاریخ بھی غلط ہے اس لئے کہ ان سے ابومحمد یحییٰ بن منصور نے روایت کی ہے۔ اور یحییٰ بن منصور نے ۳۵۱ھ میں وفات پائی اور استاد اور شاگرد میں ایک سو سال کا فرق نہیں ہو سکتا۔ حاجی خلیفہ نے یہی تاریخ ختم الانبیاء (درست ختم الاولیاء) کے تحت دی ہے۔ (کشف الظنون: ۱: ۲۵۲) ان کے متعلق حمزہ اصفہانی حلیۃ الاولیاء: ۱۰: ۲۳۳) لکھتے ہیں صحب اباتراب النخشبی م ۲۴۵ ولقی یحییٰ بن الجلاء (م ۲۵۸ھ) مگر طبقات الصوفیہ میں اس کے برعکس دیا ہے۔ لقی اباتراب النخشبی وصحب یحییٰ بن الجلاء و احمد بن خضرویہ م ۲۴۰ھ۔ حکیم ترمذی کی وفات ۳۱۸ھ کے بعد ہوئی۔ کیونکہ ابن الانباری نے ان سے سال روایت کی۔ (۲۳۴) ابوبکر محمد بن عمر وراق ترمذی الحکیم: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۱۲۴ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۳۷ ز کشف المحجوب: ۱۷۹: طبقات الصوفیہ: ۲۲۱ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے یہ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی الضریر مؤلف صحیح ترمذی کے خالو ہیں۔ انہیں ترمذ کے لوگوں نے وہاں سے نکال دیا تھا۔ ابوبکر وراق۔ محمد بن علی ترمذی کے شاگرد تھے۔ نیز انہوں نے ابو عمران موسیٰ بن محمد البلخی سے اور انہوں

نے ابوبکر وراق سے روایت کی ہے اور ان کی وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی۔ (۲۲۵) احمد بن محمد البلخی: ابوبکر محمد بن محمد بن احمد بن مجاہد الفقیہ البلخی۔ بغداد آئے۔ ثقہ اور صالحین میں سے تھے۔ ۳۲۲ھ میں انہوں نے وفات پائی (تاریخ بغداد: ۲: ۲۱۸)۔ (۲۲۶) ابوسعید احمد بن عیسیٰ خراز: اُن کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۵، ز کشف المحجوب: ۸۰؛ ز تحفۃ الابرار جدول ششم؛ ، ز شرح تعرف :۱: ۱۰۲؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۰۶ ز اور طبقات الصوفیہ: ۲۲۸ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ رسالہ قشیریہ میں ان کی وفات ۲۷۷ھ دی ہے۔ طبقات الصوفیہ میں ۲۷۹ھ اور نفحات الانس میں ۲۸۶ھ۔ ابن العماد نے بھی ۲۸۶ھ دی ہے۔ مگر ابن الجوزی (المنتظم: ۵: ۱۰۵) نے ۲۷۷ھ لکھا ہے۔ وذیل فی سنۃ ست وثمانین ابن کثیر (البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۵۸) نے ۲۷۷ھ کو درست قرار دیا ہے۔ (۲۲۷) اصل کتاب میں "بشریٰ" ہی دیا ہے۔ اسے بشر بن الحارث پڑھیں۔

(۲۲۸) ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل مغربی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۹۱؛ ز کشف المحجوب: ۱۵۸؛ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۴۴ ز طبقات الصوفیہ: ۲۴۲ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ جامی لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک سو بائیس سال عمر پائی اور اُن کے استاد ابوالحسین علی بن رزین نے بھی ایک سو بیس سال عمر پائی۔ ابوالحسین عبدالواحد بن زید بصری کے شاگرد تھے۔ اور وہ حسن بصری (م ۱۱۰ھ) کے۔ (۲۲۹) ابراہیم بن شیبان: ابواسحاق ابراہیم بن شیبان القرمیسینی عراق میں ایک شہر کا نام ہے یہ ابراہیم خواص، (م ۲۹۱ھ) کی صحبت میں رہے اور الجبل کے علاقہ میں صوفیا کے شیخ تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں تیس سال ابو عبداللہ مغربی کی صحبت میں رہا۔ ایک دن جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے فرمایا کہ قریب آجاؤ۔ اور کھانا کھاؤ۔ میں نے عرض کی کہ تیس سال مجھے آپکی صحبت میں گزر گئے ہیں مگر آپ نے کبھی کھانا کھانے کی دعوت نہیں دی۔ آج کیا بات ہوئی کہ آپ نے مجھے کھانے کی دعوت دی؟ جواب دیا۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا ہے کہ تمہارا کھانا صرف متقی شخص ہی کھائے گا۔ اور مجھ پر یہ بات ظاہر ہوگئی ہے تو متقی ہے۔ ۳۳۷ھ وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۲: ۳۴۴)۔ (۲۴۰) علی بن

رزین۔ ابوالحسن علی بن رزین خراسانی۔ یہ دراصل ترمذ کے رہنے والے تھے۔ ۲۲۵ھ میں وفات
پائی اور کوہ طور پر دفن ہوئے۔ اور ان کے پہلو میں ان کا شاگرد ابوعبداللہ مغربی مدفون ہوا
(صفۃ الصفوۃ: ۴: ۱۴۰-۱۴۱)۔ (۲۴۰) ابوالعباس احمد بن محمد بن مسروق ان کے حالات
کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۹۰ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۴۳؛ طبقات الصوفیہ: ۲۳۷
اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ حارث محاسبی (م ۲۴۳ھ) سری سقطی (م ۲۵۱ھ)
محمد بن منصور الطوسی (م ۲۵۴ھ بعض کے نزدیک ۲۵۶ھ میں بعمر ۸۸ سال) اور محمد بن الحسین
البرجلانی (م ۲۳۸ھ) کی صحبت میں رہے۔ (۲۴۱) ابوالحسن علی بن سہل الاصبہانی۔ ابوالحسن علی
بن سہل بن الازہر الاصبہانی۔ اصفہان کے قدیم مشائخ میں سے ہیں۔ ان کے حالات کے لئے
ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۱۰۵ از ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۲۹ ز طبقات الصوفیہ: ۲۳۳ اور وہ
مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے ۳۰۷ھ میں وفات پائی۔ (اخبار اصفہان: ۲: ۱۴)
(۲۴۳) ابومحمد احمد بن حسین الجریری ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۲۵۹
اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۲۴۴) ابوعبداللہ شیرازی ابن باکویہ الامام ابو
عبداللہ محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ الشیرازی الصوفی آپ کبار شیوخ میں سے تھے۔ محمد بن
خفیف کے شاگرد۔ انہوں نے بہت سفر کیا۔ اور کئی ایک شہروں میں حدیث لکھی انہوں نے
احمد بن عدی اور قطیعی سے روایت کی۔ ۴۲۸ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب
۳: ۲۴۲) یاد رہے کہ ایک اور بھی ابوعبداللہ شیرازی صوفی ہیں۔ ان کا نام مطہر بن محمد
بن ابراہیم ہے۔ لحانی کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے ۴۴۵ھ میں وفات پائی (تاریخ
بغداد: ۱۳: ۲۰۱) (۲۴۵) سنہ الہبیر کہ کے راستہ میں ارود نامی ریت کو ہبیر کہتے ہیں۔
جہاں زمانہ جاہلیت میں جنگ ہوئی۔ اسی مقام پر ابن ابی سعید الجنابی القرمطی نے حاجیوں کا قتل
عام کیا۔ اور کچھ حاجیوں کو قید کیا۔ (معجم البلدان: ۵: ۳۹۲) یاقوت نے اس واقعہ کی تاریخ
اتوار ۱۸ محرم ۳۱۲ھ لکھی ہے۔ مگر دیگر مورخین ۳۱۱ بتاتے ہیں۔ یاقوت کا بیان قیاساً درست
معلوم ہوتا ہے کیونکہ حج کے بعد نیا سال شروع ہو جاتا ہے۔ ابن العماد لکھتے ہیں کہ ۳۱۱ھ میں
ابو طاہر سلیمان بن الحسن الجنابی القرمطی رات کے وقت سیڑھیوں کے ذریعے سترہ سو

سوار لے کر بصرہ میں داخل ہوا۔ اور قتلِ عام کیا (شذرات الذھب : ۲ : ۲۶۱) (۲۴۶) ابو العباس احمد بن محمد بن سہل بن عطاء الادمی۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو : شرح تعرف ۱ : ۱۰۳ ز نفحات الانس : ۱۴۱ ز کشف المحجوب : ۱۸۸ : ترجمۂ تذکرۃ الاولیاء ۲۴۲ تحفہ الابرار جدول ششم : ۸ اور طبقات الصوفیہ : ۲۶۵ اور وہ مقامات جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۲۴۷) ابراہیم مارستانی۔ ابراہیم بن احمد ابو اسحٰق المارستانی۔ بغداد کے رہنے والے تھے۔ ان سے ابو محمد جریری نے حکایت کی ہے۔ جنید کے دوست تھے۔ (تاریخ بغداد : ۶ : ۲) - (۲۴۸) ابو سعید القرشی۔ ابو سعید عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب بن نصیر القرشی الرازی الصوفی۔ آخری عمر میں بخارا چلے گئے اور وہیں چورانوے سال کی عمر میں ۳۸۹ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب ۳ : ۱۰۳)

(۲۴۹) عبد الرحمٰن بن احمد الصوفی : ابو القاسم عبد الرحمٰن بن احمد بن ابراہیم النجاز الصوفی یہ قزوین کے رہنے والے تھے۔ حج کو جاتے ہوئے بغداد آئے۔ پھر دوبارہ حج سے واپسی پر ۴۰۹ھ میں آئے ابو الحسن قطان سے جو روایات انہوں نے کی ہیں۔ انہیں اہل قزوین ضعیف سمجھتے ہیں۔ انہوں نے ۴۱۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۱۰ : ۳۰۳) (۲۵۰) ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد الخواص ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو : نفحات الانس : ۱۲۷ ز کشف المحجوب : ۱۹۳ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء ۲۸۰ ز شرح التعرف : ۱ : ۱۰۵ تحفۃ الابرار جدول ششم : ۳ ز المنتظم ۶ : ۴۵ اور طبقات الصوفیہ : ۲۸۴ اور وہ مقامات جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۲۵۱) احمد بن علی بن جعفر ابو القاسم احمد بن علی بن جعفر القزاز الجرجانی۔ انہوں نے جراح بن اسمٰعیل دہستانی سے روایت کی۔ اور جرجان میں سکۃ الفرس میں سکونت پذیر تھے (تاریخ جرجان : ۵۷) (۲۵۲) الازدی اصل رسالہ قشیریہ اور شرح گیسو دراز دونوں میں "الازدی" ہی دیا ہے۔ مگر درست الآدمی ہے۔ جیسا کہ طبقات الصوفیہ (صفحہ ۲۸۶) میں ہے۔ الآدمی سے مراد ابو العباس بن عطاء الآدمی ہیں۔ (۲۵۳) ابو محمد عبد اللہ بن محمد خراز : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس : ۱۵۵ ز کتاب جامع کرامات الاولیاء : ۲ : ۱۰۹ مگر وہاں خراز کی بجائے ان کا لقب حداد دیا ہے۔ اور وہ غلط ہے۔ طبقات الصوفیہ : ۲۸۸ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲۵۴) ابو الحسن بنان بن محمد بن سعید الحمال : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ

: ۲۹۱ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲۵۵) ابوحمزہ بغدادی البزاز : ان کا نام محمد بن ابراہیم ہے ۔ ان کے حالات کے لئے ملا
نفحات الانس ۳۰ ؛ تاریخ بغداد : ۱ : ۳۹۰ ؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۳۸۶ : طبقات الصوفی
وہ مقامات جن کا ذکر کیا گیا ہے ۔ جامی اور ۔ دونوں ان کی وفات ۲۸۹ھ بتاتے ہیں ۔ خط
ابوسعید زیادی کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے ان کی وفات ۲۶۹ھ میں بتاتے ہیں ۔ (تار
: ۳۹۳) (۲۵۶) ابوموسیٰ عیسیٰ بن ابان بن صدقۃ القاضی پہلے اصحاب حدیث میں سے تھے ۔
طرف مائل ہوئے ۔ اور محمد بن الحسن الشیبانی سے فقہ پڑھی ۔ انہوں نے بصرہ میں ۲۲۱ھ
پائی ۔ تاریخ بغداد : (۱۱ : ۱۵۷ ۔ ۱۶۰) خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ ان کی دِلاء عیسیٰ بر
تھی ۔ (۲۵۷) ابوبکر محمد بن موسیٰ الواسطی : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو ۔ نفحات الان
؛ کشف المحجوب : ۱۹۴ ؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء ۳۵۷ ؛ اور طبقات الصوفیہ : ۳۰۲ اور وہ مق
کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ۔ ابوالعباس القاسم السیاری متوفی ۳۴۲ھ ان کے شاگرد تھے ۔ رسا
کی وفات بعد از ۳۲۰ھ دی ہے ۔ مگر جامی قبل از ۳۲۰ھ بتاتے ہیں ۔

(۲۵۸) ابوالحسن بن الصائغ : ابوالحسن علی بن محمد بن الصائغ الدینوری : ان کے حالات کے
ملاحظہ ہو نفحات الانس : ۱۵۹ ؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۳۹۸ ؛ کتاب جامع کرامات الاولیاء : ۲ :
طبقات الصوفیہ ۳۱۲ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ۔ یاد رہے کہ اسی نام کے ایک ا
بھی گذرے ہیں ۔ ان کا نام بھی علی بن محمد بن سہل بن الصائغ الدینوری ہے ۔ مگر ان کی وفات ۹۷
ہوئی ۔ (جامع کرامات الاولیاء : ۲ : ۱۵۸) ۔ (۲۵۹) ابراہیم بن داؤد الرقی ۔ ابواسحٰق ابراہیم
الرقی المعروف بہ ابراہیم قصار ۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس : ۱۶۱ ؛ ترج
الاولیاء : ۳۲۴ اور طبقات الصوفیہ : ۳۱۹ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ۔ انہو
لمبی عمر پائی ہے ۔ جس وقت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالےٰ کو خلق قرآن کے مسئلہ میں ایذا
تھی ۔ اس وقت یہ چھوٹی عمر کے تھے اور انہوں نے ذوالنون مصری کو بھی دیکھا ہے (نفحات
: ۱۶۲) (۲۶۰) ممشاد دینوری : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو ۔ نفحات الانس : ۹۳ ؛ ترج
الاولیاء : ۳۸۳ ؛ کتاب جامع کرامات الاولیاء : ۲ : ۲۶۸ ؛ تحفۃ الابرار جدول چہارم : ۲ :

طبقات الصوفیہ: ۳۱۶ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲۶۱) خیر النساج: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس، ۱۳۵: کشف المحجوب: ۱۸۲: ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۴۴۰ تحفۃ الابرار جدول ثانی: ۸ اور طبقات الصوفیہ: ۳۲۲ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے (۲۶۲) ابوالحسن القزوینی۔ اصل کتاب میں اور شرح گیسو دراز دونوں میں ابوالحسن ہی دیا ہے۔ مگر درست ابوالحسین ہے۔ ان کا اصلی نام احمد بن عمر بن العباس ہے۔ ۳۲۵ھ میں بغداد آئے۔ اور وہاں محمد بن عبد بن عامر وغیرہ سے حدیث کی روایت کی۔ (تاریخ بغداد: ۴: ۲۹۱) (۲۶۳) ابوالحسین مالکی۔ اصل نام احمد بن سعید ہے۔ یہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ جنید (م ۲۹۶ھ) کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات طرسوس میں ہوئی۔ چونکہ خیر نساج کی وفات کا واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی وفات یقیناً ۳۲۲ھ کے بعد ہوئی ہوگی (تاریخ بغداد: ۴: ۱۷۲ اور نفحات الانس: ۱۷۰)۔

(۲۶۴) ابوحمزہ خراسانی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۷۲، ترجمہ تذکرۃ الاولیاء ۲۴۴، شعرانی (لواقح الانوار: ۱: ۸۸) نے ان کی تاریخ وفات ۳۰۹ھ دی ہے اور طبقات الصوفیہ: ۳۲۶ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲۶۵) ابوطیب العکی: ابوالطیب احمد بن مقاتل العکی البغدادی انہوں نے بندار دینوری سے حکایت کرتے ہوئے شبلی کی وفات کا واقعہ بیان کیا ہے۔ (۲۶۶) ابوالحسن مصری: ان کا اصلی نام علی بن محمد بن احمد المصری، الواعظ ہے۔ اصل میں بغداد کے رہنے والے تھے۔ مگر مدت تک مصر میں رہے اور جب بغداد واپس آئے۔ تو لوگوں نے انہیں مصری کہنا شروع کر دیا۔ ثقہ اور امین تھے۔ ۳۳۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۲: ۷۵)۔ (۲۶۷) ابوبکر دلف بن جحدر شبلی: بہت خوبصورت تھے اور کئی ایک کتابیں لکھیں۔ ۳۳۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۲: ۷۵) ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: نفحات الانس: ۱۷۴، ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۷۱، کشف المحجوب: ۱۹۵، کتاب جامع کرامات الاولیاء: ۲: ۸۔ شرح التعرف: ۱: ۱۰۸، تحفۃ الابرار: جدول ثالث: ۴ اور طبقات الصوفیہ: ۳۳۷ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے: (۲۶۸) اسروشنہ: (الف پر زبر اور پیش دونوں پڑھی جاتی ہیں)۔ سیحون اور سمرقند کے درمیان ایک شہر کا نام ہے۔ (معجم البلدان (۱۷): ۱: ۲۴۵، ۲۴۸) (۲۶۹) دماوند: یا دنباوند۔ ری کے قریب ایک بستی اور پہاڑ کا نام ہے۔ سعید بن العاص نے حضرت

عثمانؓ کے عہد میں ۲۹ھ یا ۳۰ھ میں اُسے فتح کیا۔ معجم البلدان ۲ : ۴۷۵ - ۴۷۷ (۲۷۰) شرح
گیسو دراز میں دیا ہے کہ اس کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جب اُن کی وفات کا وقت آپہنچا۔
اور غشی طاری ہوئی۔ تو حاضرین کو اشارہ کیا کہ انہیں وضو کرانے والے نے ڈاڑھی کا خلال نہ کیا۔ مگر
چونکہ یہ فعل ایک سنت فعل تھا۔ انہوں نے غشی کی حالت میں ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈاڑھی کا خلال کیا۔
لہٰذا جب ایسی حالت میں اتباعِ سنت کا یہ عالم تھا۔ تو صحت کی حالت میں کیا حال ہوگا۔ نیز ملاحظہ
ہو کتاب اللمع ص۱۰۴ (۲۷۱) ابو محمد، عبداللہ بن محمد مرتعش ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات
الانس : ۱۹۸ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۲۲۱ ز کتاب جامع کرامات الاولیاء : ۲ : ۱۰۴۔ تحفۃ الابرار
جدول ششم : ۱۰ ز اور طبقات الصوفیہ : ۳۴۹ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۲۷۲)
ملقاباد: میم پر پیش) نیشاپور کے ایک محلہ کا نام ہے (معجم البلدان : ۵ : ۱۹۳) (۲۷۳) شونیز (شین
پر پیش) بغداد کی غربی جانب ایک قبرستان ہے۔ جہاں صالحین کی ایک جماعت مدفون ہے۔
مثلاً جنید، جعفر خلدی اور رویم وغیرہ۔ اور وہاں صوفیاء کے لئے ایک خانقاہ بھی تھی۔ (معجم البلدان : ۳
: ۳۷۴) (۲۷۴) ابو علی احمد بن محمد رودباری: ان کے نام میں اختلاف کے متعلق ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ
: ۳۵۴ : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ نفحات الانس : ۱۹۳ ز کشف المحجوب : ۱۹۷ ز شرح التعرف ۱:
۱۰۷ ز تحفۃ الابرار: جدول چہارم : ۴ : اور طبقات الصوفیہ : ۳۵۴ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے
(۲۷۵) القاسم الدمشقی: طبقات) الصوفیہ میں ان کا نام عبداللہ بن محمد دیا ہے۔ اور ایک جگہ ص۳۶۳
انہیں ابو القاسم عبداللہ بن محمد الشامی لکھا ہے۔ نور الدین شریبہ نے بھی ان کا حال نہیں لکھا۔ اور مجھے
بھی نہیں ملا۔ (۲۷۶) جہنم میں۔ رسالہ اور طبقات الصوفیہ میں لفظ سقر (جہنم) ہی دیا ہے۔ مگر شرح
گیسو دراز میں (ص۲۰۴) لفظ شقوۃ (بدبختی) دیا ہے۔

(۲۷۷) ابو العباس بن سریج : ابو العباس احمد بن عمر بن سریج البغدادی المتوفی ۳۰۶ھ۔ یہ
شافعیہ کے شیخ تھے۔ ستاون سال چھ ماہ کی عمر میں وفات پائی۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ تذکرۃ الحافظ
: ۳ : ۳۰) (۲۷۸) ثعلب لقب نام احمد بن یحییٰ بن یزید الشیبانی یہ لغت اور عربی کے شیخ تھے۔
انہوں نے کئی ایک سے حدیث سنی۔ اور ان سے کئی ایک نے۔ انہوں نے قواریری سے ایک لاکھ
حدیث سنی۔ ان کا شمار مکثرین میں ہوتا ہے صالح اور متقی تھے۔ ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔

الذھب ۲: ۲۰۷ : البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۹۸) (۲۷۹) ابراہیم حربی : ابراہیم بن اسحق
ترِ بیہ کی طرف منسوب ہیں۔ حربیہ باب حرب میں بشر حافی اور احمد بن حنبل رحمہا اللہ تعالیٰ
ے قریب بغداد میں ایک بہت بڑا محلہ کا نام ہے۔ حرب بن عبداللہ البلخی (م ۱۳۰ھ)
بہ راوندی ابوجعفر المنصور کی طرف سے بغداد کے کوتوال تھے۔ ان کے نام سے یہ محلہ
:۔ (معجم البلدان ۲: ۲۳۷) یہ دراصل مرو کے رہنے والے تھے۔ ان کی والدہ بنی
ں سے تھیں اور ان کے بیشتر ماموں عیسائی تھے خود فرماتے ہیں کہ مجھے حربی اس لئے
حدیث سننے کی غرض سے کرخ (بغداد کا ایک محلہ) کے لوگوں کی صحبت میں رہا۔ اور
دیک تمام وہ علاقہ جو قنطرۃ العتیقہ (پرانے پل) کے پار ہے۔ حربیہ کہلاتا ہے۔ لہٰذا
ے مجھے بھی حربی کہنا شروع کردیا۔ یہ ۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۸۵ھ میں وفات پائی
داد : ۶ : ۲۷ - ۴۰ والمنتظم : ۶ : ۳ زمعجم البلدان : ۲ : ۲۳۷ زشذرات الذھب : ۲: ۱۹۰)
محمد عبداللہ بن منازل ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس : ۲۰۰ زتحفۃ الابرار
ششم : ۶۱ : ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۳۲۸ : زادر طبقات الصوفیہ : ۳۶۶ اور وہ مقامات جن
ر کیا گیا ہے۔
) ملامیتہ : صوفیاء کے ایک فرقہ کا نام ہے۔ سہروردی عوارف المعارف (۱ : ۲۵۹) میں
ں۔ کہ ملامتی وہ ہے جو نہ اپنی نیکیوں کو ظاہر کرے۔ اور نہ اپنی برائیوں کو چھپائے۔ اس کی
یہ ہے کہ ملامتی کی رگ و پے میں اخلاص ہوتا ہے اور وہ سچائی میں ثابت قدم ہوتا ہے
شخص اس کے حالات اور اعمال پر مطلع نہیں ہوسکتا۔ (۲۸۲) عبداللہ المعلم طبقات الصوفیہ
پورا نام عبداللہ بن محمد بن غفلویہ المعلم (صفحہ ۱۲۷) دیا ہے۔ نورالدین شربیہ نے انکے حالات
ئے۔ اور مجھے بھی نہیں ملے (۲۸۳) ابوعلی محمد بن عبدالوہاب ثقفی۔ ان کے حالات کے لئے
۔ نفحات الانس : ۱۹۵ زترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۳۹ ۔ مگر وہاں ان کی تاریخ وفات غلط چھپی
۳۲۸ھ کی بجائے ۳۲۶ھ پڑھیں۔ تحفۃ الابرار جدول ششم : ۱۰ : اورطبقات الصوفیہ :
ر وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔
(۲۸۴) ابوالخیر الاقطع : عباد بن عبداللہ ابوالخیر الاقطع التیناتی۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ

ہو البدایہ والنہایہ ۱۱ : ۲۲۸ ز المنتظم : ۳۷۶ ؛ معجم البلدان ۲ : ۶۸ ز نفحات الانس : ۲۰۰ تا ۲۰۵ ترجمہ تذکرہ الاولیاء ۳۶۲ ز اور طبقات الصوفیہ : ۲۷۰ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ابن الجوزی نے المنتظم میں ان کی تاریخ وفات ۳۲۳ھ دی ہے اور یاقوت نے ۳۴۹ھ۔ ابن کثیر نے بھی ۳۴۳ھ ہی دی ہے۔ (۲۸۵) تینات ، ساحل شام پر "مصیصہ" کے قریب ایک بندرگاہ کا نام ہے (معجم البلدان : ۲ : ۶۸) (۲۸۶) ابوبکر محمد بن علی الکتانی، ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس : ۱۷۲ شرح تعرف : ۱ : ۱۰۰ ز تحفۃ الابرار جدول ششم : ۱۰ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۴۴۶ ز اور طبقات الصوفیہ : ۳۷۳ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے : (۲۸۷) ابو یعقوب بن محمد نہر جوری : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۴۲۷ ز نفحات الانس : ۱۲۱ ز شرح تعرف : ۱ : ۱۵ از المنتظم : ۶ : ۳۲۶ ز البدایۃ والنہایۃ : ۱۱ : ۲۰۳ ز اور طبقات الصوفیہ : ۳۷۸ ۔ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے (۲۸۸) ابو عمرو مکی : رسالہ میں غلط چھپا ہے۔ عمرو مکی چاہیئے کیونکہ ان کا نام ابو عبد اللہ عمرو بن عثمان مکی ہے ملاحظہ ہو۔ حاشیہ نمبر ۲۱۹ (۲۸۹) ابو یعقوب سوسی : ابو یعقوب بن ہمدان السوسی۔ استاد ابو یعقوب نہر جوری قدماء مشائخ میں سے تھے اور صاحب تصانیف ہیں۔ آبلہ میں وفات پائی۔ (نفحات الانس : ۱۳۰) (۲۹۰) ابو الحسن احمد بن علی اصل کتاب میں اسی طرح دیا ہے۔ شرح گیسو دراز میں ابو الحسن احمد بن علی ہے۔ مگر طبقات الصوفیہ میں سند یوں آئی۔ سمعت اباالحسین یقول سمعت احمد بن علی اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اگلے قول کی سند ملاحظہ ہو۔ ابو الحسن سے مراد محمد بن احمد بن ابراہیم ابو الحسین الفاسی سے ہے۔ یہ ابوبکر محمد بن اسحٰق الکلاباذی مصنف کتاب التعرف کے استاد تھے۔ ان کی وفات ۳۷۰ھ میں ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ : ۳۷۹) اور احمد بن علی سے مراد ابو القاسم احمد بن علی بن جعفر القزاز الجرجانی سے ہے۔ انہوں نے الجراح بن اسماعیل سے روایت کی۔ یہ جرجان میں سکۃ الفرس میں قیام کرتے تھے۔

(۲۹۱) ابو الحسن علی بن محمد المزین ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس : ۱۵۸ ز المنتظم : ۶ : ۳۰۴) ز کتاب جامع کرامات الاولیاء : ۲ : ۱۵۸ ز تحفۃ الابرار جدول ششم : ۱۰ : اور طبقات الصوفیہ : ۳۸۲ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ مزین لقب سے دو

شخص مشہور ہیں۔ ایک مزین صغیر اور دوسرا کبیر۔ مزین صغیر کا ترجمہ کتاب میں آگیا ہے۔ اور مزین کبیر کی کنیت ابوجعفر ہے۔ ان کی وفات بھی اسی سال ہوئی۔ جس سال مزین صغیر کی ہوئی۔ یعنی ۳۲۸ھ میں انہوں نے بھی مکہ ہی میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اور وہیں انتقال ہوا۔ صفۃ الصفوۃ: ۲: ۱۵۰؛ المنتظم: ۶: ۳۰۵)

(۲۹۲) ابوعلی بن الکاتب۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۲۸؛ نفحات الانس: ۱۹۹؛ اور طبقات الصوفیہ ۳۸۶ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ابن الجوزی نے ان کا نام حسن بن علی دیا ہے۔ اور ۳۴۳ھ میں ان کی وفات بتائی ہے۔ (المنتظم: ۶: ۳۷۵) ابن کثیر نے بھی ۳۴۳ھ دیا ہے۔

(۲۹۳) ابوبکر مصری سے یہاں مراد محمد بن ابراہیم ابوبکر مصری سے ہے۔ یہ ابوبکر دقی کے استاد اور زقاق کبیر کے شاگرد تھے۔ جنید اور نوری کی صحبت میں رہے۔ انہوں نے ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔ (نفحات الانس: ۱۸۳) اور نورالدین شریبہ نے غلطی سے یہاں ابوبکر محمد بن احمد محمد الحداد المصری سے مراد لی ہے۔ اگرچہ وہ بھی بڑے عبادت گذار اور جلیل القدر امام تھے۔ مگر یہاں صوفیاء اور ان کی صحبت کا ذکر ہو رہا ہے۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ دونوں ایک ہی زمانہ میں ہوئے ہیں۔ ابوبکر حداد نے ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔ مگر نورالدین شریبہ نے سال وفات ۳۴۵ھ دیا ہے (طبقات الصوفیہ: ۳۸۶)

(۲۹۴) مظفر قرمیسینی۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۲۰۸ طبقات الصوفیہ ۳۹۶ اور وہ مقالات جو وہاں دیئے گئے ہیں۔

(۲۹۵) شرح گیسو دراز میں اخس کی بجائے احسن ہے اور شرح بھی اسی طرح کی گئی ہے۔ اور وہ سب غلط ہے۔

(۲۹۶) ابوبکر عبداللہ بن طاہر ابہری ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۱۷۹ شرح تعرف: ۱: ۹۹، طبقات الصوفیہ ۳۹۱۔ اور وہ مقالات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ابن الجوزی نے ان کی تاریخ وفات ۳۲۹ھ دی ہے۔

(۲۹۷) ابہری نسبت ہے ابہر کی طرف اور ابہر حجاز میں ایک پہاڑ کا نام ہے جس کی طرف ابوبکر

ابہری منسوب ہیں (معجم البلدان ۱ - ۸۲)

(۲۹۸) ابوالحسین بن بنان - ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس ۲۰۹ طبقات الصوفیہ ۳۸۹ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲۹۹) ابواسحٰق قرمیسینی - قرمیسین معرب ہے کرماں شاہ کا ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ ترجمۂ تذکرۃ الاولیاء - ۳۸۴ نفحات الانس ۲۰۴ تحفۃ الابرار جدول ششم - ۱۱۔ المنتظم ۶: ۲۹ البدایہ والنہایہ - ۱۱ - ۲۳۴ اور طبقات الصوفیہ - ۴۰۲ اور وہ مقامات جن کا ذکر وہاں کیا گیا ہے۔ ابن الجوزی اور ابن کثیر دونوں نے اس کی تاریخ وفات ۳۲۸ھ دی ہے - جامی نے ۳۳۷ھ دی ہے۔

(۳۰۰) اصل کتاب میں اسی طرح - ابویزید ہی دیا ہے اور شرح گیسو دراز میں بھی اسی طرح ہے مگر درست جیسا کہ طبقات الصوفیہ میں ہے ابو زید المروزی الفقیہ ہے ابوزید محمد بن عبداللہ المروزی الفقیہ۔ امام اور مذہب شافعی کے حافظ تھے اور اپنے زہد و ورع کی وجہ سے مشہور بغداد آئے اور وہاں حدیث کی روایت کی۔ پھر مکہ میں رہے ان کی وفات مرو میں ۳۷۱ھ میں ہوئی (تاریخ بغداد ۱: ۳۱۴۔ شذرات الذہب ۳ - ۷۶ - المنتظم: ۷ - ۱۱۲ از البدایہ والنہایہ ۱۱: ۲۲۹)

۳۰۱ (ابوبکر حسین بن علی بن یزدانیار - ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۱۸۰ اور طبقات الصوفیہ ۴۰۶ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

۳۰۲ - ارمینیہ - اصل کتاب اور شرح گیسو دراز دونوں میں ارمینیہ ہی دیا ہے - مگر درست جیسا کہ طبقات الصوفیہ (۴۰۶) میں ہے ارمیہ ہے جس سے اسم نسبت اُرموی بنتا ہے چنانچہ جامی نے ابوبکر یزدانیار اُرموی ہی لکھا ہے اور ارمینیہ کا اسم نسبت ارمنی خلاف قیاس آتا ہے معجم البلدان ۱ - ۱۵۹ - ۱۶۰)

(۳۰۳) - ابوسعید بن الاعرابی - ابوسعید احمد بن محمد بن زیاد ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو - نفحات الانس ۱۱۱ - تحفۃ الابرار جدول ششم: ۲۲ ز اور طبقات الصوفیہ ۴۲۷ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳۰۴) ابوعمر محمد بن ابراہیم الزجاجی نیشاپوری ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس ۲۱۱

یہ والنہایہ : ۱۱ : ۲۳۵ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء ۲۹۸ زتحفۃ الابرار جدول ششم : ۱۲ اور
الصوفیہ ۴۱۴ - اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ان کے والد ابو اسحق ابراہیم بن
بن محمد الزجاجی بھی صوفیا میں سے ہوئے ہیں اور ابو حفص کے کبار اصحاب میں سے تھے
یقہ طریقۂ ملامت تھا۔ جامی نے ان کا الگ ذکر کیا ہے (نفحات الانس - ۲۱۲)
۳۰۵) ابو عمرو بن نجید۔ ملاحظہ ہو صد ۳۱۱ - صد ۵۸
۳۰۶) یہ الفاظ (لا نی اخشی) شرح گیسو دراز اور طبقات الصوفیہ دونوں میں نہیں ہیں مگر معنی
یہ بغیر صحیح نہیں بنتے۔
۳۰۷) ابو محمد جعفر بن محمد بن نصیر: ابو محمد جعفر بن محمد بن نصیر الخلدی الخواص۔ ان کے حالات کے
حظ ہو۔ نفحات الانس : ۲۱۲ زکشف المحجوب ۱۸۷ از ترجمۂ تذکرۃ الاولیاء - ۳۶۱ زتحفۃ الابرار
ششم : ۲۷ زالبدایہ والنہایہ ۱۱ : ۲۲۴ اور طبقات الصوفیہ : ۴۳۴ اور وہ مقامات جن کا وہاں
کیا ہے۔
۳۰۸) ابو العباس سیاری - ابو العباس قاسم سیاری - ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس :
زکشف المحجوب : ۱۹۸ از ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۴۰۱ - اور طبقات الصوفیہ : ۴۴۰ اور وہ مقامات
وہاں ذکر کیا گیا ہے - یہ اپنے نانا سیار کی طرف منسوب ہیں اسی لئے سیاری کہلائے یہ احمد بن
کے بھانجے اور عبد الواحد بن علی السیاری (م ۳۷۵ھ) کے ماموں ہوتے ہیں۔
۳۰۹ - ابو بکر محمد بن داؤد الدینوری: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس : ۸۲
بدایہ النہایہ : ۱۱ : ۲۷۱ زالمنتظم : ۷ : ۵۶ زتحفۃ الابرار جدول ششم : ۱۲۰ اور طبقات الصوفیہ :
۴ اور وہ مقامات جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ جامی نے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک سو بیس سال عمر پائی
الجوزی اور ابن کثیر دونوں نے ان کی تاریخ وفات ۳۶۰ھ دی ہے اور جامی نے ۳۵۹ھ
انی اور ابن الجوزی دونوں نے انہیں الرقی (بالراء) لکھا ہے۔ نور الدین شریبہ اڈیٹر نے
میں الدقی (بضم الدال المہملہ) ضبط کیا ہے۔ میں معلوم نہیں کر سکا کہ یہ نسبت کیسی ہے۔
۳۱۰) ابو محمد عبد اللہ بن محمد رازی - ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحمن الرازی الشعرانی
کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس - ۲۱۶ زطبقات الصوفیہ : ۴۵۱ اور وہ مقامات جن کا

وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳۱۱) ابوعمرو اسمٰعیل بن نجید: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس : ۲۱۵ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۳۶۰ ز تحفۃ الابرار جدول ششم : ۲۴ ز مقدمہ "اللمع" : ۱۸ : البدایۃ والنہایۃ : ۱۱ : ۲۸۸ اور طبقات الصوفیہ ۴۵۴ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمی کے نانا ہوتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے جنید کو بھی دیکھا ہے لہٰذا کافی لمبی عمر پائی ہے۔

(۳۱۲) ابوعثمان سے مراد ابوعثمان حیری ہیں۔

(۳۱۳) اس قول میں لفظ "ولو لبعد حین" ہے مگر شرح گیسو دراز میں الابعدین چھپا۔ اور اسی طرح شرح بھی کی گئی ہے جس کا اصل معنی اور قائل کی مراد سے کوئی تعلق نہیں۔

(۳۱۴) ابوالحسن علی بن احمد بن سہل بوشنجی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس ۲۱۴ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء ۳۳۴ ز تحفۃ الابرار جدول ششم : ۱۲ ز اور طبقات الصوفیہ ۴۵۸ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ بوشنج جس کی طرف یہ منسوب ہوتے ہیں۔ پوشنگ کا معرب ہے۔ پوسنگ ہراۃ کے نواح میں دس فرسنگ کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا شہر تھا (معجم البلدان : ۱ : ۵۰۸)

(۳۱۵) یہ قول اصل کتاب اور طبقات الصوفیہ (صـ۴۶) میں اس طرح دیا ہے "ترک استعمال ما ہو محرم علیک مع الکرام الکاتبین" حلیۃ الاولیاء (۱۰ : ۳۷۹) میں یوں دیا ہے "ترک استعمال ما ہو محرم علیک مع اکرام الکاتبین" شرح گیسو دراز (صـ۲۲۱) میں یوں دیا ہے "ترک استعمال ما ہو محرم علیک و تعلم انک مع اکرام الکاتبین (کذا)" شرح گیسو دراز کی روایت کے مطابق معنی واضح ہو جاتے ہیں۔

(۳۱۶) ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس ۲۲۲ ز البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۲۹۹ ز کشف المحجوب : ۱۹۹ ز تحفۃ الابرار جدول چہارم : ۳ مگر وہاں ان کی تاریخ وفات غلط دی ہے اور طبقات الصوفیہ : ۴۶۳ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳۱۷) اصل کتاب میں اور شرح گیسو دراز میں اسی طرح "احدی وتسعین وثلاث مائۃ" دیا ہے۔ مگر درست ۳۷۱ھ "احدی وسبعین وثلا ثمائۃ" ہے جیسا کہ طبقات الصوفیہ میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے "سبعین" کی بجائے "تسعین" لکھ دیا ہے۔ جامی نے بھی ان کی تاریخ وفات غلط دی ہے

وہ ۳۳۱ھ بتاتے ہیں۔ طبقات الصوفیہ میں یہ بھی دیا ہے کہ ان کی ملاقات حسین بن منصور سے ہوئی۔ اور حسین بن منصور کو ۳۰۹ھ میں پھانسی دی گئی۔ لہٰذا ان کی تاریخ پیدائش ۳۰۹ھ سے کم از کم دس پندرہ سال پہلے ہونی چاہیئے۔

(۳۱۸) ابو عبداللہ بن باکویہ الشیرازی: ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ الشیرازی۔ یہ محمد بن خفیف کی صحبت میں رہے اور حدیث بھی حاصل کی۔ ان کی وفات ۴۱۸ھ میں ہوئی (شذرات الذہب ۳: ۲۴۲) ان کا بیٹا علی بھی ابن باکویہ کہلاتا ہے۔ انہوں نے جوانی میں محمد بن خفیف کو دیکھا اور قشیری سے ملاقات کی۔ ان کی وفات ۴۴۲ھ میں ہوئی (نفحات الانس: ۲۹۵)

(۳۱۹) ابو العباس کرخی (بالخاء المعجمہ) ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ میرے خیال میں یہ نام ابوالعباس کرجی (بالجیم) ہے۔ ان کا پورا نام احمد بن محمد بن احمد بن محمد یحییٰ ابو العباس القاضی الکرجی۔ انہوں نے احمد بن سلیمان عبادانی سے روایت کی۔ اور ۴۰۵ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۴: ۳۶۸)

(۳۲۰) ابو الحسین بندار بن حسین ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۲۱۵ از تحفۃ الابرار جدول ششم: ۳۰ از المنتظم: ۷: ۲۲ از طبقات الصوفیہ: ۴۶۷ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳۲۱) ابو بکر طمستانی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۴۸۱ از اور طبقات الصوفیہ: ۴۷۱ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳۲۲) ابو عبداللہ شیرازی: ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الشیرازی الصوفی المعروف بہ ابن باکویہ الامام۔ یہ محمد بن خفیف کی صحبت میں رہے اور مختلف مقامات پر حدیث لکھی۔ ۴۲۸ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۳: ۲۴۲) یاد رہے۔ کہ محمد بن خفیف م ۳۷۱ھ جن کا حال پہلے گذر چکا ہے وہ بھی ابو عبداللہ شیرازی کہلاتے ہیں۔ ایک تیسرے ابو عبداللہ شیرازی بھی ہیں ان کا نام المطہر بن محمد بن ابراہیم ابو عبداللہ الشیرازی الصوفی ہے۔ مگر یہ اللحافی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی وفات ۴۲۵ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۱۳: ۲۲۰) (۳۲۳) خواجہ گیسو دراز (ص ۲۳۶) نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"چو از دل اندوہگین شد بسبب من الاسباب کہ آں سبب نسبت بمقصود او ندارد و عقوبتے

درووقت اوست کہ صوفی را ہیچ عتابے بالاتر از پریشانی وتشتت دل نیست۔"

(۳۳۴) ابوالعباس احمد بن محمد دینوری: نفحات الانس: ۴۴ از اور طبقات الصوفیہ: ۴۷۵ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳۳۵) ابوعثمان سعید بن عثمان مغربی ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ ترجمہ تذکرہ الاولیاء: ۳۹۵ ز کشف المحجوب: ۱۹۹: البدایۃ والنہایۃ: ۱۱: ۳۰۲ ز المنتظم: ۷: ۱۲۲ اور طبقات الصوفیہ: ۴۷۹ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ قیروان میں پیدا ہوئے اور کئی سال مکہ میں رہے۔

(۳۳۶) ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصر آبادی۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۲۱۸ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۹۹ ز کشف المحجوب: ۲۰۰ ز تحفۃ الابرار جدول ششم: ۳۰ اور طبقات الصوفیہ ۴۸۴ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳۳۷) جامی نے ان کی تاریخ وفات ۳۶۷ھ دی ہے۔

(۳۳۸) ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصری البصری: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس ۲۱۹ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۴۹۳ ز کشف المحجوب: ۲۰۱ ز البدایۃ والنہایۃ: ۱۱: ۲۹۸ ز المنتظم: ۷: ۱۱: تحفۃ الابرار جدول ششم ۱۳ از طبقات الصوفیہ: ۴۸۹ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳۳۹) ابوعبداللہ احمد بن عطاء رودباری ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: نفحات الانس: ۲۴۸ ز المنتظم: ۷: ۱۰۱ اور طبقات الصوفیہ: ۴۹۷ اور وہ مقامات جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی ولادت ۳۰۳ھ میں ہوئی اور وفات ۳۶۹ھ میں۔

(۳۴۰) ان کی والدہ کا نام فاطمہ ہے۔ جو ابوعلی رودباری کی ہمشیرہ ہیں۔

(۳۴۱) ابوعلی حسن بن علی الدقاق متوفی ۴۰۶ھ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ صفحہ ۶۹

(۳۴۲) ابوعبدالرحمن سلمی۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ صفحہ ۸۴

(۳۴۳) ابوالحسن علی بن جہضم: ابوالحسن علی بن عبداللہ بن الحسن بن جہضم الہمذانی۔ یہ شیخ حرم کہلاتے ہیں۔ تصوف میں کتاب بہجۃ الاسرار ان ہی کی تصنیف ہے۔ انہوں نے ابوسلمہ القطان اور احمد بن عثمان الادمی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی۔ انہوں نے لمبی عمر پائی ہے۔ یہ

علدی (م ۳۴۸ھ) کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے ۴۱۴ھ میں وفات پائی۔ ان کے حالات
ہو، نفحات الانس : ۲۵۵ زالمنتظم ۷ : ۴ زشذرات الذھب : ۳ : ۲۰۰ زالبدایۃ و
۱۶ : زتحفۃ الابرار جدول : ششم : ۱۵۔

ابوالعباس قصار : ابوالعباس احمد بن محمد بن عبدالکریم القصار۔ آمل و طبرستان کے شیخ
بن عبداللہ ابومحمد جریری کے مرید تھے۔ صاحب کرامات اور قبلہ و غوث زمانہ تھے۔
ر : ۲۶۵ - ۲۶۸۔ کشف المحجوب : ۲۰۲)

ابوالقاسم الصیرفی : ابوالقاسم عبید اللہ بن ابی الفتح۔ و اسمہ احمد بن عثمان الصیرفی۔ انہوں
حدیث سُنی۔ یہ صاحب صدق و امانت تھے۔ ہمیشہ قرآن مجید کا درس دیتے۔ ان کی
۔ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۴۳۵ھ میں (تاریخ بغداد : ۱۰ : ۳۸۵)

ابوسعید مالینی اصل کتاب اور شرح گیسو دراز دونوں میں ابوسعید ہی دیا ہے۔ مگر درست
بن محمد بن احمد بن عبداللہ الانصاری المالینی الصوفی ہے مالین ہراۃ سے دو فرسنگ کے
بستی کا نام ہے۔ انہوں نے حدیث کی تلاش میں بہت سفر کئے۔ انہوں نے ابوعمرو
اور ابوبکر اسماعیلی سے حدیث کی روایت کی۔ اور ان سے ابوبکر خطیب اور ابوبکر احمد
بیہقی وغیرہ لاتعداد لوگوں نے کی۔ ان کی وفات مصر میں ۴۱۲ھ میں ہوئی۔ یہ طاؤس
نام سے مشہور تھے (شذرات الذھب : ۳ : ۱۹۵ زمعجم البلدان : ۵ : ۴۴ زتذکرۃ الحفاظ
المنتظم : ۸ : ۳ زالبدایۃ والنہایۃ : ۱۲ : ۱۱ زتاریخ جرجان : ۸۲)

۳) کتاب التعرف میں ہے کہ ایک متکلم نے ابوالعباس بن عطا سے سوال کیا کہ تم صوفی
ایسے الفاظ گھڑ رکھے ہیں۔ جن کے معانی لوگوں کو انوکھے معلوم ہوتے ہیں۔ اور تم نے مستعمل
زبان کو ترک کر دیا ہے۔ یا تو تم ملمع سازی کرتے ہو یا اپنے مذہب کے عیوب چھپاتے
ابوالعباس نے جواب دیا۔ کہ ہم نے ان معانی کو انوکھے الفاظ اس لئے پہنائے ہیں کہ
آتی ہے کہ کہیں نااہل لوگ انہیں نہ جان لیں اور یہ معانی نایاب چیز ہوتے ہیں۔
رف : ۳ : ۸۷)

۳۴) وقت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب : ۴۸۴ زعوارف المعارف : ۴ : ۲۸۱

(۳۴۹) مقام کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۴۸۴ عوارف المعارف ۴: ۲۸۱-۲۹۸

(۳۵۰) مجوسیت اس لئے فرمایا کہ جب صوفی کی نظر اپنے افعال پر پڑے تو گویا اس نے اپنے آپ کو خالق افعال سمجھا۔ حالانکہ خالق افعال اللہ تعالےٰ ہیں۔ نیز یہ کہ اس صورت میں بندہ اپنے آپ کو بھی دیکھ رہا ہوتا ہے اور خدا کو بھی، حالانکہ قائم بالذات صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ لہٰذا دو کو قائم بالذات جاننا۔ اور یہی ثنویت یا مجوسیت ہے۔

(۳۵۱) قشیری نے آگے چل کر اس کی ایک دو تشریح دی ہے۔ ملاحظہ ہو بحث "ستر و تجلی"

(۳۵۲) بحث قبض و بسط کے لئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب: ۴۸۸ زعوارف المعارف: ۴: ۴۳۲

(۳۵۳) ہیبت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو، کشف المحجوب: ۴۹۰۔

(۳۵۴) خلاصہ یہ کہ ہیبت قبض سے پیدا ہوتی ہے۔ اور قبض خوف سے، اسی طرح انس بسط سے پیدا ہوتا ہے اور بسط رجا سے، کیونکہ جو شخص اللہ سے ڈرے گا اور اسے اپنی کوتاہی کا علم ہو گا۔ اس کا دل منقبض ہوگا۔ اور وہ اللہ کے ساتھ مشغول ہوگا۔ جس سے اس پر ہیبت طاری ہو جائے گی اور جسے کسی نیکی کے حاصل کرنے کی اُمید ہو گی۔ اس کا دل منبسط ہوگا اور وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ مشغول رہے گا۔ جس سے اس کو انس حاصل ہوگا۔ (شرح زکریا الانصاری)

(۳۵۵) ابو مقاتل عکی۔ ابو الطیب احمد بن مقاتل العکی اللمع کے انگریزی مقدمہ میں انہیں ابو الطیب احمد بن مقاتل عکی البغدادی لکھا ہے۔ اس سے زیادہ ان کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ یہاں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ اس وقت کا ہے۔ جب شبلی رحمۃ اللہ علیہ زندہ تھے شبلی کی وفات ۳۳۴ھ میں ہوئی۔ کتاب اللمع صـ۲۰۴ پر بندار دینوری کی سند سے شبلی کی وفات کا ذکر ہے۔ یہ ۳۳۴ھ کے بعد تک زندہ تھے۔ مزید براں یہ ابو الحسن مصری متوفی ۳۳۸ھ سے روایت کرتے ہیں (رسالہ صـ۲۷) پھر عکی سے دو شخص روایت کرتے ہیں۔ ابو الفرج ورثانی متوفی ۳۷۲ھ۔ طبقات الصوفیہ صـ۹) اور ابو نصر سراج طوسی م ۳۷۸ھ (طبقات الصوفیہ: صـ۱۹۷ - ۲۶۰ - ۲۴۵) لہٰذا عکی کی وفات ۳۳۸ھ اور ۳۷۸ھ کے درمیان ہوئی۔

(۳۵۶) وجد و تواجد کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ عوارف المعارف: ۴: ۲۶۴

(۳۵۷) یہ شعر کتاب میں اسی طرح درج ہے۔ مگر درست اس طرح ہے۔

تَحَاذَرْتُ وَمَابِیْ مِنْ حَذَرٍ — ثُمَّ کَسَرْتُ الْعَیْنَ مِنْ غَیْرِ عَوَرٍ

(۳۵۸) ابوالعباس عبداللہ بن خلیفہ المعتز عربی زبان کے مشہور شاعر ہیں۔ اس نے ادب ابوالعباس المبرد (م ۲۸۵ھ) اور ابوالعباس ثعلب (م ۲۹۱ھ) سے حاصل کیا۔ ۲۹۶ھ میں انہیں صرف ایک شبانہ روز کے لئے مسند خلافت پر بٹھا دیا گیا۔ شذرات الذھب : ۲ : ۲۲۱ - ۲۲۴ اور لٹریری اسٹری آف دی عزیز : ۳۲۵)

(۳۵۹) جہم دقی۔ یہ متاخرین مشائخ میں سے ہیں۔ یہاں انہیں ابوبکر دقی (م بعد از ۳۵۰ھ) کا ہمعصر قرار دیا ہے۔ (نفحات الانس : ۲۲۲) ایک اور صوفی بھی گذرے ہیں۔ جن کا نام جہم بن النجتری ہے۔ وہ بشر بن الحارث م ۲۲۷ھ کے مرید تھے۔

(۳۶۰) ابوعبداللہ ترو غندی (نون کے ساتھ) دیا ہے۔ مگر درست تروغبدی طوس سے چار میل کے فاصلہ پر ایک بستی کا نام ہے۔ مکمل نام ابوعبداللہ محمد بن محمد بن الحسن تروغبدی ہے۔ طوس کے جلیل القدر مشائخ میں سے ہیں۔ ان کی وفات ۳۵۰ھ کے بعد ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ : ۴۹۲)

(۳۶۱) جمع و فرق کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب : ۴ ۳۲ - ۳۳۳ - اور شرح التعرف : ۴ : ۶۵ : عوارف المعارف : ۴ : ۵۴ ۴

(۳۶۲) ابوسہل محمد بن سلیمان العجلی الصعلوکی النیساپوری اپنے وقت کے امام تھے۔ ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔ ولادت ۲۹۶ھ میں ہوئی (شذرات الذھب : ۳ : ۶۹)

(۳۶۳) مختصر یہ کہ جو شخص کوئی فعل محض اللہ کی خاطر کرتا ہو۔ مگر ساتھ ہی وہ اس اطاعت کو اپنی طرف سے خیال کرتا ہو۔ تو یہ "تفرقہ" کہلائے گا اور جس نے یوں سمجھا کہ یہ افعال اس سے محض عنایت ربانی کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں۔ تو اس نے ان افعال میں اللہ کے ساتھ مشاہدہ کیا۔ یہ صورت "جمع" کہلائے گی۔ پھر جس نے عمل کرنے کے بعد نہ اپنی طرف دھیان کیا۔ اور نہ اپنے فعل کی طرف، بلکہ ان سب سے غافل ہو کر اللہ ہی کے دھیان میں لگا رہا۔ تو "یہ جمع الجمع" ہوگا۔ (شرح زکریا انصاری)

(۳۶۴) اصل کتاب میں یہ شعر یوں ہے۔

وتحققتك في سري — فناجاك لساني

(۲۶۵) فنا و بقاء کی بحث کے لیے ملاحظہ ہو شرح التعرف: ۴: ۸۲: عوارف المعارف: ۴: ۴۴۰-۴۴۹۔

(۲۶۶) غیبت اور حضور کی بحث کے لئے دیکھئے شرح التعرف: ۴: ۵۲ اور کشف المحجوب: ۳۱۹ زعوارف المعارف: ۴: ۴۶۹۔

(۲۶۷) ابو یزید ربیع بن خیثم الثوری الکوفی اجلّہ تابعین میں سے تھے۔ انہوں نے عبداللہ بن مسعود ابو ایوب انصاری اور عمرو بن میمون رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔ ان کی وفات یزید بن معاویہ کے عہدِ خلافت میں ۶۳ھ میں ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۵۴ زتاریخ الاسلام: ۳: ۱۵/ ۲۴۷/۲۶۵ - تہذیب التہذیب: ۳: ۲۴۲)

(۲۶۸) عبداللہ بن مسعود بن غافل۔ مشہور صحابی ہیں۔ اور سابقین اوّلین میں سے تھے۔ حضور کے خصوصی خادم رہے۔ انہوں نے مدینہ میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ: ۱: ۲۵۶-۲۶۰)

(۲۶۹) زین العابدین علی بن الحسین الہاشمی کوفہ میں پیدا ہوئے۔ انہیں زیادہ عبادت گذار ہونے کی وجہ سے زین العابدین کہا گیا۔ وفات تک یہ روزانہ ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے رہے۔ میدان کربلا میں یہ بیمار تھے ان کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی (شذرات الذھب: ۱: ۱۰۴)

(۲۷۰) ابو النصر الموذن: ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ خطیب نے ابو نصر احمد بن محمد بن ابراہیم الموذن کا ترجمہ دیا ہے مگر یہ مراد نہیں ہو سکتے اس لئے کہ ان کی وفات ۳۷۶ھ میں ستاسی (۸۷) برس کی عمر میں ہوئی یہی سنہ قشیری کا سال پیدائش ہے۔

(۲۷۱) صحو اور سکر کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح التعرف ۴: ۴۶-۵۲ اور کشف المحجوب: ۲۳۰ زعوارف المعارف: ۴: ۴۶۵

(۲۷۲) ذوق اور شرب کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۵۰۷-۵۰۸ زعوارف المعارف: ۴: ۴۶۵

(۲۷۳) تجلی کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۵۰۴ز اور تجلی اور استتار کی بحث کے لئے شرح تعرف: ۴: ۱۷ عوارف المعارف: ۴: ۴۵۹-۴۶۱

(۲۷۴) اس حدیث پر قشیری پہلے بھی بحث کر چکے ہیں۔ سلمی نے اس حدیث کی تشریح میں نہدارین

قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر جو بادل چھا جاتے تھے وہ اس لئے
مد تعالے نے آپ کو اطلاع دی تھی کہ آپ کے بعد اختلاف پیدا ہوگا۔ جس کی وجہ سے
نتیں آئیں گے لہذا جب بھی آپ کو یہ بات یاد آتی تو آپ کے دل پر بادل چھا جاتے اور
ت کے حق میں استغفار کرتے تھے (طبقات الصوفیہ: ۲۹۴
۳) محاضرہ اور مکاشفہ کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۴۸۷ عوارف المعارف
۴۔

۳) اصل کتاب میں: لواتبلی بہ اللفظی چھپا ہے وہ غلط ہے۔
۷۴) سید علی ہجویری نے ان کی یوں تعریف کی ہے۔ لوائح: اثبات مراد بازدوی نفی آن
اظہار نور بر دل بالقار فوائد آن۔ طوالع۔ انوار معارف بر دل (کشف المحجوب.. ۵) نیز ملاحظہ
رف المعارف ۴: ۴۷۱۔
۷۳) تلوین اور تمکین کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو عوارف المعارف ۴: ۴۷۲۔
۷۵) حنظلہ نام کے کئی ایک صحابی ہیں۔ مگر یہاں پر حنظلہ بن الربیع بن صیفی التیمی مراد ہیں انہیں
الاسیدی اور حنظلۃ الکاتب بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کاتب وحی تھے۔ حنظلہ کی اس
لی روایت ترمذی نے کی ہے۔ ان کی وفات قرقیسیا میں ہوئی (اسد الغابہ ۲: ۵۸ پوری حدیث
ہے۔ ابوعثمان حنظلہ اسیدی سے روایت کرتے ہیں کہ حنظلہ روتے ہوئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
سے گذرے تو انہوں نے حنظلہ سے رونے کا سبب دریافت کیا تو حنظلہ نے عرض کی کہ حنظلہ تو
ہوگیا۔ کیونکہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور وہ ہم سے
اور دوزخ کا ذکر فرما کر ہمیں وعظ فرماتے ہیں۔ اس وقت یوں معلوم ہو رہا ہوتا ہے کہ دوزخ اور
اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر جب وہاں سے لوٹ کر آتے ہیں تو اپنی بیویوں اور
اولاد میں یوں مشغول ہو جاتے ہیں کہ جنت اور دوزخ قطعاً یاد ہی نہیں آتے۔ ابوبکرؓ نے
۔ اللہ کی قسم میری بھی یہی حالت ہے۔ آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے حنظلہ سے پوچھا کیا بات ہے۔ عرض کی
ل اللہ! حنظلہ منافق ہوگیا۔ کیونکہ ہم جب آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت اور

دوزخ یاد دلاتے ہیں گویا کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں مگر جب واپس جاتے ہیں تو بیویوں اور جائیدادوں میں لگ جاتے ہیں اور سب کچھ بھول جاتے ہیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اگر تم اسی حالت میں جس میں تم میرے پاس سے اٹھ کر جاتے ہو ہمیشہ رہو تو فرشتے تم سے تمہاری مجلسوں میں تمہارے راستوں میں اور تمہارے بستروں میں تم سے مصافحہ کریں۔ مگر اے حنظلہ گھڑی گھڑی کی بات ہوتی ہے۔ (اسد الغابہ : ۲ : ۵۸)

(۳۸۰) قرب و بعد: قرب کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ شرح تعرف ۳ : ۱۶۵ – ۱۶۹

(۳۸۱) شریعت اور حقیقت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب : ۴۹۸

(۳۸۲) نفس کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ عوارف المعارف : ۴۷۴

(۳۸۳) خواطر کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب : ۵۰۲ و شرح تعرف : ۲ : ۱۸۰ نیز عوارف المعارف : ۴ : ۲۶۷ – ۲۸۱۔

(۳۸۴) علم الیقین۔ حق الیقین اور عین الیقین کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب : ۴۹۷ نیز اور عوارف المعارف ۴ : ۴۶۶۔

(۳۸۵) سید علی ہجویری فرماتے ہیں۔ الوارد حلول معانی بر دل (کشف المحجوب – ۵۰)

(۳۸۶) رسالہ میں یہاں الاخلاق المعلومۃ چھپا ہے۔ مگر درست الاخلاق المعلولۃ ہے۔ جیسا کہ شرح گیسو دراز میں ہے۔

(۳۸۷) توبہ کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف : ۳ : ۱۰۷ – ۱۱۰ از المحجوب : ۴۸۳ نیز اللمع فی التصوف : ۴۳ – ۴۴ نیز قوت القلوب : ۱ : ۱۸۷۔ ۱۹۳ نیز سراج القلوب : ۱ : ۸ – ۱۴ نیز احیاء العلوم : ۴ : ۲ – ۵۹

(۳۸۸) احمد بن محمد خزاز۔ رسالہ میں یہ آخری نام اس طرح خزاز ہی دیا ہے۔ شرح گیسو دراز میں بھی اسی طرح ہے۔ مگر حاشیہ پر نسخہ کے طور پر "خرزاد" دیا ہے۔ خرزاد ہی درست ہے۔ پورا نام ابوبکر احمد بن محمد بن زکریا بن خرزاد القاضی الاہوازی ہے۔ یہ "سینیزی" کے نام مشہور ہیں۔ ان کی وفات ۳۵۹ھ میں ہوئی (تاریخ بغداد : ۵ : ۱۵۷ – ۱۵۸)۔

(۳۸۹) ابوجعفر محمد بن فضل بن جابر بن شاذان السقطی۔ ثقہ تھے۔ ان کی وفات ۲۸۸ھ میں ہوئی۔
تاریخ بغداد : ۲ : ۱۵۴)

(۳۹۰) انس بن مالک بن النضر ابوحمزہ الانصاری الخزرجی خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ ایک سو سال سے زائد عمر پائی۔ ۹۱ھ میں وفات پائی۔ ان کے ایک سو چھ بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ اور ۶۹ھ کے طاعون میں بقول بعض ان کے اسی بیٹے فوت ہوئے۔ تاریخ اسلام ز ۳ : ۳۲۹ - ۳۴۳ ز اسد الغابہ : ۱ : ۱۲۶ - ۱۲۷)

(۳۹۱) علی بن احمد عبدان الاہوازی ملاحظہ ہو مقدمہ صفحہ ۷۷

(۳۹۲) ابوالحسین احمد بن عبید الصفار : شرح گیسو دراز میں ان کی کنیت ابوالحسن دی ہے۔ اور یہی درست ہے۔ پورا نام ابوالحسن احمد بن عبید بن اسمٰعیل البصری الصفار۔ حافظ حدیث اور ثقہ ہیں۔ ابن العماد نے ان کی تاریخ وفات ۳۴۱ھ دی ہے۔ ذہبی فرماتے ہیں کہ علی بن احمد بن عبدان نے ان سے ۳۴۱ھ میں حدیث سنی۔ (تذکرہ الحفاظ : ۳ : ۸۷ ز شذرات الذھب : ۲ : ۳۵۸ تاریخ بغداد : ۴ : ۲۶۱) یاد رہے کہ احمد الصفار ایک اور حافظ حدیث بھی ہیں۔ ان کا پورا نام ابوبکر احمد بن عبید بن احمد الصفار الزیلنی الحمصی ہے۔ ان کی وفات ۳۵۲ھ میں ہوئی۔ تذکرۃ الحفاظ ۳ : ۸۷) ابن العماد سے یہاں پر لغزش ہوئی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ابوالحسن الصفار کا پہلے ۳۴۱ھ کے تحت ذکر کیا ہے۔ پھر دوبارہ ۳۵۲ھ میں بھی ان کا ذکر کیا ہے (شذرات الذھب : ۳ : ۱۱ حالانکہ ۳۵۲ھ ابوبکر صفار الزیلنی کی وفات کا سال ہے۔

(۳۹۳) ابوصالح الحکم بن موسیٰ بن ابی زہیر القنطری۔ انہوں نے امام مالک بن انس کو دیکھا ہے ۲۳۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۸ : ۲۲۶) ابن العماد نے انہیں احد العباد لکھا ہے۔ (شذرات الذھب : ۲ : ۷۵)

(۳۹۴) غسان بن عبید الازدی موصل کے رہنے والے تھے۔ تاریخ بغداد ۱۲ : ۳۲۷)

(۳۹۵) ابی عاتکہ طریف بن سلیمان : رسالہ اور شرح گیسو دراز دونوں میں سلیمان لکھا ہے۔ مگر درست سلمان ہے۔ یہ ثقہ راوی نہیں ہیں۔ (تاریخ بغداد ۹ : ۳۶۳) امام بخاری نے انہیں منکر الحدیث لکھا ہے (تاریخ کبیر : قسم ۲ جلد ۲ : ۳۵۸ - ۳۵۹ ز) اور ابن ابی حاتم نے انہیں

" ذاهب الحدیث ضعیف الحدیث لکھا ہے۔ (الجرح والتعدیل، ج ۲ قسم ۱: ۴۹۹)

(۳۹۶) ان کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے کئی بار اپنا پیشہ اس لئے چھوڑا کہ عبادت کی طرف مشغول رہیں۔ مگر کام کرنے لگ جاتے۔ چونکہ ان کی رغبت نیکی کی طرف تھی اس لئے پیشہ کو ترک کرنے کا خیال غالب آگیا اور پیشہ چھوڑ دیا۔

(۳۹۷) محمد بن نصیر بن عبد اللہ بن ابان ابو عبد اللہ القرشی۔ ثقہ اور مامون ہیں۔ ان کی وفات ۳۰۵ھ میں ہوئی (اخبار اصفہان ۲: ۲۴۱)

(۳۹۸) ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن عبید اللہ الشیرازی الصوفی مشائخ کبار میں سے ہیں ۴۱۸ھ میں وفات پائی) (شذرات الذہب ۳: ۲۴۲)

(۳۹۹) ابو یعقوب بن زبیری۔ یہ ابراہیم خواص (م ۲۹۱ھ) کے ہمعصر تھے اور دونوں میں چشمک رہتی تھی۔ (نفحات الانس: ۱۴۳)

(۴۰۰) محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ سے ابو حاتم سجستانی مراد ہیں۔

(۴۰۱) رابعہ بنت اسمٰعیل عدویہ بصریہ۔ مشہور عابدہ ہیں۔ ان کی وفات القدس میں ہوئی۔ ان کی قبر طور کی مشرقی جانب تھی۔ ابن العماد (شذرات: ۱: ۱۹۳) نے ان کی تاریخ وفات ۱۳۵ھ دی ہے۔ مگر ابن کثیر (البدایہ ۱۰: ۱۸۶ - ۱۸۷) نے ۱۸۵ھ لکھا ہے

(۴۰۲) اس حدیث کی تشریح پہلے بھی گذر چکی ہے۔ اس کی ایک تشریح اس بندہ حقیر کے نزدیک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشاہدہ الٰہی میں محو ہوتے لیکن منصب نبوت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کے لئے تشریع احکام کرنا بھی ضروری تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کو مشاہدہ الٰہی سے ہٹ کر بشری کیفیت کی طرف آنا پڑتا۔ اور یہی وہ غین (پردہ) ہے (جس کی طرف آپ نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں آنے کے لئے آپ کو مشاہدہ حق سے نیچے اُتر نا پڑتا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ حالت پہلی حالت کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے۔ اس لئے آپ اس ادنیٰ سے پھر اعلیٰ کو جانے کے لئے استغفار کرتے۔

(۴۰۳) الحسین بن علی، ابو احمد الحسین بن علی بن محمد بن یحییٰ التمیمی النیساپوری ان کی وفات ۳۷۵ھ میں ہوئی۔ یہ حینک کے نام سے مشہور ہیں۔ البدایہ میں حسینک چھپا ہے (المنتظم ۷: ۱۲۷، شذرات الذہب

؛ ۳۰۴ ، ۸ ؛ البدایۃ والنہایۃ : ۱۱ : ۳۰۴)

(۴۰۴) محمد بن احمد ابوالحسن الواعظ البغدادی۔ یہ الجلاء کے شاگرد ہیں (تاریخ بغداد ۱ : ۲۸۳)

(۴۰۵) ابومحمد عبداللہ بن سہل الوراق الحربی (تاریخ بغداد ۹ : ۴۷۳)

(۴۰۶) ابوالحسن علی بن عیسیٰ بن داؤد بن الجراح البغدادی الکاتب کئی بار المقتدر (م ۳۲۰ھ) پھر القاہر (۳۲۱ھ تا ۳۲۲ھ) کا وزیر رہا۔ ان کی حیثیت وزراء میں وہی تھی جو خلفاء میں عمر بن عبدالعزیز کی تھی۔ نوے سال زندہ رہے اور ۳۳۴ھ میں وفات پائی (شذرات ۲ : ۳۳۶ ؛ المنتظم (۶ : ۳۵۱) نے ان کا سنہ وفات ۳۳۵ لکھا ہے۔ البدایۃ النہایۃ ۱۱ : ۲۱۷ ؛ تاریخ بغداد ۱۲ : ۱۴)

(۴۰۷) مجاہدہ کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ حیات القلوب برحاشیہ قوت القلوب ج ۲ : ۲۳۷-۲۳۹

(۴۰۸) العباس بن الفضل الاستقاطی، ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ انہوں نے ابن کاسب سے روایت کی ہے (تہذیب التہذیب ۱۱ : ۳۸۳)

(۴۰۹) یعقوب بن حمید بن کاسب المدنی۔ ان کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی (تہذیب التہذیب ۱۱ : ۳۸۳ - ۳۸۴ ؛ شذرات الذہب ۲ : ۹۹)

(۴۱۰) ابومحمد سفیان بن عیینہ اللالی الکوفی مکہ میں رہے۔ پیدائش ۱۰۷ھ اور وفات ۱۹۸ھ۔ بڑے پایہ کے محدث تھے (تہذیب التہذیب ۴ : ۱۱۷ - ۱۲۲ ؛ تاریخ بغداد ۹ : ۱۷۴-۱۸۴)

(۴۱۱) علی بن زید بن جدعان ابوالحسن القرشی التیمی البصری الضریر۔ نابینا تھے۔ ۱۳۱ھ کی طاعون میں وفات پائی۔ (تاریخ الاسلام ۵ : ۲۸۳ - ۲۸۴)

(۴۱۲) ابونضرۃ المنذر بن مالک بن قطعۃ العوقی العبدی عوق عبدقیس کا ایک بطن ہے ۱۰۸ھ میں وفات پائی (تاریخ الاسلام ۴ : ۲۲۵)

(۴۱۳) ابوسعید۔ سعد بن مالک بن ثعلبہ الانصاری الخدری۔ خدرۃ اور خدارہ انصار کے دو بطن ہیں۔ انہوں نے ۷۴ھ میں وفات پائی (اسدالغابہ ۵ : ۲۱۱ ؛ ۲ : ۲۸۹ - ۲۹۰)

(۴۱۴) حسین بن علویہ : رسالہ اور شرح گیسو دراز دونوں میں حسین بن علویہ ہی دیا ہے۔ مگر درست حسن بن علویہ ہے۔ پورا نام ابومحمد الحسن بن علی بن محمد القطان المعروف بابن علویہ ہے۔ یہ ۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۷ : ۳۷۵)

(۴۱۵) عبدالعزیز النجرانی رسالہ اور شرح گیسو دراز دونوں میں النجرانی لکھا ہے۔ مگر جیسا کہ نفحات الانس میں ہے درست بحرانی ہے نفحات الانس : ۲۳۸)

(۴۱۶) خلوت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حیات القلوب : ۹۳۰۲- ۱۰۰ از

(۴۱۷) عبدالعزیز بن معاویہ بن عبداللہ ابوخالد الاموی البصری۔ انہوں نے ۲۸۴ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۱۰ : ۴۵۲ از تہذیب التہذیب ۶ : ۳۵۸ - ۳۵۹ از المنتظم ۵ : ۱۷۴)

(۴۱۸) عبداللہ بن مسلمۃ القعنبی الحارثی ابوعبدالرحمن المدنی۔ امام مالک نے انہیں "خیر اہل الارض" کہا ہے۔ ان کی وفات ۲۲۰ھ یا ۲۲۱ھ میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب : ۶ : ۳۱- ۳۲ از کتاب الجرح التعدیل : ج ۲ قسم ۲ : ۱۸۱ از تاریخ کبیر : ق ۔ ج ۔ ۳ : ۲۱۲)

(۴۱۹) عبدالعزیز بن ابی حازم سلمہ بن الدینار المحاربی ابوتمام المدنی الفقیہ سال پیدائش ۱۰۷ھ اور سال وفات ۱۸۴ھ ہے۔ (التاریخ الکبیر : ق ۲ ج ۳ : ۲۵ تہذیب الہذیب : ۶ : ۳۳۳ - ۳۳۴ از کتاب الجرح التعدیل : ج ۲ قسم ۲ : ۳۸۲ - ۳۸۳ از)

(۴۲۰) بعجۃ ابن عبداللہ بن بدر الجہنی۔ اپنے باپ اور ابوہریرہ سے روایت کی۔ ان کی وفات ۱۰۰ھ میں ہوئی۔ امام بخاری نے ان کی وفات ۱۰۱ھ دی ہے۔ تہذیب التہذیب ۱ : ۴۷۳ از تاریخ الاسلام : ۴ : ۹۳ تاریخ کبیر قسم ۲ ج ۱ : ۱۴۹

(۴۲۱) ابوہریرہ الدوسی مشہور صحابی ہیں۔ ان کی وفات ۷۸ سال کی عمر میں ہوئی۔ (اسد الغابہ : ۵ : ۳۱۶ از تاریخ الاسلام : ۲ : ۳۳۳ - ۳۳۹)

(۴۲۲) ابوعبداللہ کحول الشامی جلیل القدر تابعی ہیں۔ ۱۱۲ھ میں وفات پائی۔ (التاریخ الکبیر قسم ۲ ج ۴ : ۲۱ از تہذیب التہذیب ۱۰ : ۲۸۹ - ۲۹۳ از کتاب الجروح و التعدیل : ج ۴ قسم ۱ : ۴۰۷)۔

(۴۲۳) ابونصر یحییٰ بن ابی کثیر الیمامی ان کے باپ ابوکثیر کا نام دینار ہے۔ اصل میں بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ان کی وفات ایک قول کے مطابق ۱۲۹ھ میں ہوئی۔ اور دوسرے قول کے مطابق ۱۳۲ھ میں (کتاب الجرح والتعدیل : ج ۴ قسم ۲ : ۱۴۱ - ۱۴۲ : تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۲۶۸ - ۲۷۰)۔

(۴۲۴) سعید بن حرب - درست شعیب بن حرب ہے -
(۴۲۵) مالک بن مسعود : رسالہ میں اسی طرح دیا ہے - مگر شرح گیسو دراز میں مالک بن مغول ہے جو درست ہے اس لئے کہ یہ واقعہ کوفے کا ہے اور مالک بن مغول کوفی ہیں - پورا نام ابو عبداللہ مالک بن مغول الکوفی البجلی ہے ثقہ تھے ۱۵۹ھ میں وفات پائی - (التاریخ الکبیر : ج ۴ قسم ۱ : ۳۱۴ ، کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۱ : ۲۱۵-۲۱۶) -
(۴۲۶) ابو عثمان سعید بن ابی سعید النیساپوری - ۲۶۹ھ میں حج سے واپس آکر وفات پائی - (تاریخ بغداد : ۹ : ۱۱۱) -
(۴۲۷) ابو صالح شعیب بن حرب المدائنی ۱۹۷ھ میں وفات پائی - (تاریخ بغداد : ۹ : ۲۳۹-۲۴۲) (۴۲۸) ابو عبدالرحمن عبداللہ بن المبارک المروزی ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ترسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی - (تاریخ بغداد : ۱۰ : ۱۵۲-۱۶۹ ، صفۃ الصفوۃ : ۴ : ۱۰۹)
(۴۲۹) تقویٰ کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو - حیاۃ القلوب ج ۲ : ۲۴۹ " شرح التعرف ۳ : ۱۳۱-۱۴۴ -
(۴۳۰) ابن عبدالاعلی القرشی شرح گیسو دراز میں عبدالاعلی القرشی بغیر "لفظ ابن" کے ہے - مگر درست عبدالاعلی بن حماد بن نصر ابو یحییٰ النرسی (نون را اور س کے ساتھ) ہے - ان کے دادا کا اصلی نام نصر تھا - مگر نبطیوں نے بگاڑ کر نرس کہنا شروع کر دیا - اور یہی لقب بن گیا - انہوں نے ۲۳۷ھ میں وفات پائی - (تاریخ الکبیر : ق ۲ ج ۳ : ۷۴ ، الجرح والتعدیل : ج ۳ ق ۱ : ۲۹ ، تہذیب التہذیب : ۶ : ۹۳-۹۴)
(۴۳۱) یعقوب العمی رسالہ میں اسی طرح ہے - مگر شرح گیسو دراز میں یعقوب القمی ہے جو درست ہے - پورا نام ابو الحسن یعقوب بن عبداللہ بن سعد القمی الاشعری ۱۷۴ھ میں وفات پائی) تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۳۹۰-۳۹۱ ، التاریخ الکبیر : ق ۲ ج ۴ : ۳۹۱ ، کتاب الجرح التعدیل : ج ۴ ق ۲ : ۲۰۹-۲۱۰
(۴۳۲) لیث سے یہاں مراد ابو بکر لیث بن ابی سلیم بن زنیم القرشی ہے ان کی وفات کی تاریخ میں اختلاف ہے - بعض ۱۴۸ھ بتاتے ہیں اور بعض ۱۴۳ھ) تہذیب التہذیب :

۸ : ۲۶۵-۲۶۸؛ کتاب الجرح والتعدیل، ق ۲ ج ۳ : ۱۷۷-۱۷۸)

(۴۳۳) مجاہد بن جبر ابوالحجاج ۱۰۳ھ میں تراسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۱ : ۳۱۹ اور شذرات الذہب : ۱ : ۱۲۵)

(۴۳۴) احمد بن یونس انہوں نے ابوہرمز نافع سے روایت کی ہے۔

(۴۳۵) ابوہرمز نافع بن ہرمز انہوں نے انس بن مالک سے روایت کی ہے۔ اور ان سے یحیٰی بن سعید العطار الحمصی نے۔ ابن ابی حاتم نے انہیں متروک الحدیث لکھا ہے (کتاب الجرح والتعدیل : ج قسم ۲ : ۴۵۵ - ۴۵۶)

(۴۳۶) طلق بن حبیب العنزی البصری انہوں نے عبداللہ بن عباس وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے طاؤس وغیرہ نے۔ حجاج بن یوسف نے انہیں سعید بن جبیر کے ساتھ قید میں ڈال دیا تھا۔ ۹۵ھ میں حجاج کی وفات کے بعد آزاد ہوئے اور واپسی پر واسط میں ان کا انتقال ہوا۔ (تہذیب التہذیب : ۵ : ۳۱ - ۳۲؛ کتاب الجرح والتعدیل : ج ۲ قسم ۱ : ۴۹۰)

(۴۳۷) ابوبکر محمد بن سیرین البصری اپنے وقت کے امام تھے۔ ۷۷ سال کی عمر میں ۱۱۰ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۹ : ۲۱۴ - ۲۱۶، شذرات الذہب : ۱ : ۱۳۸)

(۴۳۸) امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے چھ صحابیوں کو دیکھا۔ آپ اہل سنت کے چار اماموں میں سے سب سے پہلے امام ہیں۔ ۱۵۰ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب : ۱ : ۲۲۷ - ۲۲۹؛ تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۴۴۹ - ۴۵۲)

(۴۳۹) عتبۃ الغلام : عتبۃ بن ابان بن صمعہ انہیں ان کی کوشش اور چستی کی وجہ سے غلام کہا جاتا تھا۔ جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے (صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۲۸۱ - ۲۸۵)۔

(۴۴۰) ابوالحسین البصری، ابوالحسن بصری درست ہے (شرح گیسو دراز) ان کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔

(۴۴۱) بشر بن موسیٰ : ابوعلی بشر بن موسیٰ الاسدی البغدادی ۱۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۸۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۷ : ۸۶ - ۸۸؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ قسم ۱ : ۳۶۷

(۴۴۲) ابوجعفر محمد بن عبداللہ بن المبارک المخرمی انہوں نے ۲۵۴ھ میں وفات پائی۔

رشذرات الذھب : ۲ : ۱۲۹)۔

(۴۴۳) العباس یحییٰ بن ایوب الغافقی المصری (کتاب الجرح و التعدیل : ج ۴ قسم ۲ : ۱۲۷۔
۱۲۸)۔

(۴۴۴) عبید اللہ بن زحر الافریقی الکنانی الضمری (کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲ : ۳۱۵۔
۳۱۶)۔

(۴۴۵) ابو عبد الملک علی بن یزید الالہانی الدمشقی۔ (کتاب الجرح والتعدیل : ج ۳ ق ۱ ،
۲۰۸۔۲۰۹)۔

(۴۴۶) القاسم ابو عبد الرحمٰن القاسم بن عبد الرحمٰن الشامی (کتاب الجرح والتعدیل : ج ۳
ق ۲ : ۱۱۳)

(۴۴۷) ابو امامہ : صدی بن عجلان الباہلی السہمی صحابی ہیں۔ اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ یہ شام
میں حمص میں رہے۔ اور ۸۱ھ یا ۸۶ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ : ۳ : ۳۱۶ ز ۵ : ۱۳۸)

(۴۴۸) ابو جعفر محمد بن عبد اللہ الفرغانی الصوفی۔ انہوں نے جنید کے کلام کی روایت کی ہے۔
(تاریخ بغداد : ۵ : ۴۵۰۔۴۵۱)

(۴۴۹) ورع پر بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ حیاۃ القلوب : ۲ : ۱۱۳۔۱۱۸

(۴۵۰) ابو بکر محمد بن داؤد بن سلیمان بن جعفر الزاھد النیساپوری ۳۰۰ھ سے پہلے بغداد آئے۔
آخر عمر میں نیشاپور چلے گئے اور وہیں ۳۴۲ھ میں وفات ہوئی (تاریخ بغداد : ۵ : ۲۰۱۵ ز
شذرات الذھب : ۲ : ۳۶)۔

(۴۵۱) محمد بن الحسین بن قیبتہ رسالہ اور شرح گیسو دراز میں محمد بن الحسین لکھا ہے۔
مگر درست محمد بن الحسن ہے۔ پورا نام ابو العباس محمد بن الحسن بن قیبتہ العسقلانی ہے۔ ان کی
وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ (شذرات الذھب : ۲ : ۲۶)

(۴۵۲) محمد بن یوسف الفریابی سے روایت کرنے والوں میں سے ایک یحیٰی بن عثمان بن سعید
بن کثیر القرشی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں ناسخین کی غلطی سے یحیٰی بن عیزار لکھا گیا ہو۔ یحیٰی بن عثمان
کے لئے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۲۵۵۔

(۴۵۳) ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن واقد الضبی الفریابی ساحل شام پر قیساریہ میں مقیم ہو
گئے تھے۔ پھر حمص چلے گئے۔ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب
۹: ۵۳۵-۵۳۷ نیز کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۱: ۱۱۹ التاریخ الکبیر ق ا ج ۱: ۲۶۴)

(۴۵۴) سفیان سے مراد سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) ہیں۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے

(۴۵۵) اجلح بن عبداللہ بن حجیۃ۔ کہتے ہیں کہ ان کا اصلی نام یحییٰ ہے اور اجلح لقب ہے۔
۱۴۵ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۱: ۱۸۹-۱۹۰)

(۴۵۶) ابو سہل عبداللہ بن بریدۃ الاسلمی المروزی۔ مرو کے قاضی تھے۔ ۱۵ھ میں پیدا ہوئے
اور ایک سو سال کی عمر میں ۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب میں ان کی تاریخ پیدائش
۱۱۵ھ چھپی ہے۔ صرف ۱۵ھ چاہیئے۔ (تہذیب التہذیب ۵: ۱۵۷-۱۵۸)

(۴۵۷) ابو الاسود ظالم بن عمرو بن سفیان۔ بعض ان کا نام عمرو بن عثمان بتاتے ہیں۔ انہوں نے
سب سے پہلے علم نحو پر بحث کی ہے۔ ۶۹ھ کی طاعون جارف میں پچاسی برس کی عمر میں وفات
پائی۔ (تہذیب التہذیب ۱۲: ۱۰)

(۴۵۸) ابو ذر غفاری مشہور صحابی ہیں۔ اکثر کے نزدیک ان کا نام جندب بن جنادہ ہے۔ ان کی
والدہ کا نام رملہ ہے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں یہ پانچویں اسلام لانے والے تھے۔
۳۱ھ یا ۳۲ھ میں ربذہ کے مقام پر وفات پائی اور عبداللہ بن مسعود نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔
(اسد الغابہ ۵: ۱۸۶-۱۸۸)

(۴۵۹) حذیفہ بن قتادۃ المرعشی۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ ۲۰۰ھ میں ہوتا ہے۔ ۲۰۰ھ
میں وفات پائی۔ صفۃ الصفوۃ ۴: ۲۴۲-۲۴۴)

(۴۶۰) سلیمان الخواص (صفۃ الصفوۃ ۴: ۲۴۷-۲۴۸۔

(۴۶۱) ابو جعفر محمد بن احمد بن سعید الرازی ابن وارہ کی صحبت میں رہے۔ (طبقات الصوفیہ: ۸)

(۴۶۲) ابو شیخ عبداللہ بن مروان الحرانی ان سے ابو حاتم رازی نے ۲۱۳ھ میں حدیث لکھی۔
(تاریخ بغداد ۱۰: ۱۵۱ اور الجرح و التعدیل: ج ۲ ق ۲: ۱۶۶)

(۴۶۳) ابن غلوبۃ، درست ابن علّویہ ہے۔ یعنی حسین بن علّویۃ۔

(۴۶۴) یونس بن عبید: ابوعبداللہ یونس بن عبید البصری ۱۳۹ھ میں وفات پائی۔ بعض ان
کی تاریخ وفات ۱۴۲ھ بتاتے ہیں (صفۃ الصفوۃ: ۳: ۲۲۲-۲۲۸) اور کتاب الجرح والتعدیل:
ج ۴ ق ۲: ۲۴۲)

(۴۶۵) ابن الجوزی (صفۃ الصفوۃ: ۲: ۲۹۴) نے بشر حافی رحمۃ اللہ کی ہمشیرگان کے لئے ایک
الگ عنوان قائم کیا ہے اور بتلایا ہے کہ ان کی تین بہنیں تھیں۔ مُضغہ۔ مُخہ اور زبدۃ۔ سب سے
بڑی مضغہ تھیں۔ خطیب بغدادی (تاریخ بغداد ۱۴: ۴۳۶) مُضغہ بشر حافی (م ۲۲۷ھ) کی زندگی
ہی میں وفات پا گئی تھی۔ یہاں سوت کاتنے کا جو واقعہ ہے۔ وہ مُخہ کا واقعہ ہے۔ خطیب بغدادی
(تاریخ بغداد: ۱۴: ۴۳۷) اور ابن الجوزی (صفۃ الصفوۃ ۲: ۲۹۵) نے ان کا نام مُخہ صراحۃً دیا ہے
تاریخ بغداد: ۱۴: ۴۱۱) اور ان کی اولاد میں ابوحفص عمر بن اخت بشر ہیں۔

(۴۶۶) رسالہ اور شرح گیسو دراز دونوں میں "مشاعل الطاہریہ" ہے۔ البدایہ والنہایہ (۱۰: ۲۹۸)
میں مشاعل بنی طاہر ہے اور تاریخ بغداد (۱۴: ۴۳۷) اور صفۃ الصفوۃ (۲: ۲۹۵) میں فمرّ ابن طاہر
الطائف و معہ مشعلہ ہے۔ یہ ابن طاہر عبداللہ بن طاہر بن حسین ہیں۔ جو بعد میں خراسان اور اس سے
ملحقہ علاقوں کا گورنر بنا تھا۔ عبداللہ بن طاہر نے ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۴۶۷) علی بن میمون الرقی العطار ابوالحسن مراد ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۱: ۲۰۶)

(۴۶۸) ابویحیٰ مالک بن دینار البصری الزاہد المشہور ۲۲۷ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب
: ۱: ۱۷۳) صفۃ الصفوۃ ۳: ۱۹۷ تا ۲۰۹ اور کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ قسم ۱: ۲۰۸)

(۴۶۹) احمد بن محمد بن یحیٰی الصوفی رسالہ میں اسی طرح ہے مگر شرح گیسو دراز صفحہ (۴۶۴) میں
محمد بن احمد بن محمد بن یحیٰی الصوفی ہے جو درست ہے۔

(۴۷۰) ابوالحسن احمد بن محمد بن سالم الزاہد البصری۔ سالمیہ فرقہ انہی سے شروع ہوتا ہے۔ اور
بالعموم ابن سالم کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ ۳۶۰ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۳
: ۳۶ اور مقدمہ انگریزی کتاب اللمع: ۱۹)

(۴۷۱) حسن بصری: ابوسعید الحسن بن ابی حسن البصری۔ اہل بصرہ کے امام اور اپنے زمانہ کے
بہترین شخص تھے۔ ۱۱۰ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۱: ۱۳۶)

(۴۷۲) عمر بن عبد العزیز : امیر المومنین ابو حفص عمر بن عبد العزیز بن مروان ۔ چالیس سال
۱۰۱ھ میں دیر سمان کے مقام پر انتقال ہوا۔ ان کی مدت خلافت دو سال چھ مہینے اور
تھی ۔ (شذرات الذھب : ۱ : ۱۱۹ - ۱۲۱) ۔

(۴۷۳) کہمس بن الحسن القیسی - ابن الجوزی (صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۲۳۴) نے ان کی
ابو عبد اللہ بیان کی ہے ۔ مگر جامی (نفحات الانس : ۸۵) ابو محمد بتاتے ہیں اور نام کہمس بن ا
الھلالی مکہ میں ۱۴۹ھ میں وفات پائی ۔ (حلیۃ الاولیاء : ۶ : ۲۱۱ - ۲۱۵ نیز التاریخ الکبیر ج
۲۳۹ نیز تہذیب التہذیب ۸ : ۴۵۰ نیز کتاب الجرح والتعدیل : ج ۳ ق ۲ : ۱۷۰)

(۴۷۴) ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ : ۱۰ : ۳۲۸) میں یہی واقعہ دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ
پیش آیا تھا ۔

(۴۷۵) ابو عمران ابراہیم بن یزید النخعی جلیل القدر امام اور عراق کے فقیہ ہیں ۔ نخع قبیلہ
ایک شاخ ہے ۔ انہوں نے چھیالیس سال کی عمر میں ۹۵ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب
۱۱۱)

(۴۷۶) ابوبکر دقاق : اس کنیت اور لقب کے کئی شخص ہوئے ہیں ۔ دو کا نام محمد بن عبد
ایک ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن ہارون بن یحییٰ الدقاق جو ابن الصابونی کے نام سے مشہور ہیں ۔ ۳۱۳
میں وفات پائی ۔ غالباً یہاں یہی مراد ہیں ۔ (تاریخ بغداد : ۵ : ۴۶۵) دوسرے محمد بن عبد اللہ
خلف بن بخیت ابوبکر الدقاق العکبری ۔ انہوں نے ۳۲۲ھ میں وفات پائی ۔ (تاریخ بغداد
۴۶۱) تیسرے ابوبکر محمد بن طلحہ بن الحسن الدقاق ہیں ۔ جو غلام الاوانی کے نام سے مشہور ہیں ۔ ۳۲۰
وفات پائی ۔ تاریخ بغداد : ۵ : ۳۸۴) چوتھے ابوبکر محمد بن الحسن بن علی الدقاق ہیں ۔ جو ابن الکو
نام سے مشہور ہیں ۔ (تاریخ بغداد ۲ : ۲۰۸) اور پانچویں ابوبکر محمد بن احمد بن دتویہ الدقاق ۔

(۴۷۷) حسان بن ابی سنان البصری ۔ یہ بصرہ کے بہت بڑے تاجر تھے ملاحظہ ہو ۔ تہذیب
التہذیب : ۲ : ۲۴۹ نیز صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۲۵۴ - ۲۵۷ نیز التاریخ الکبیر ج ۲ ق ۱ : ۳۳ نیز کتاب
الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲ : ۲۳۶ نیز حلیۃ الاولیاء : ۳ : ۱۱۴ - ۱۲۰ ۔ (۲۷۷) اس کی وجہ یہ تھی کہ
سلوک کی ابتدائی منزل پر تھے ۔ اس لئے حسان نے انہیں اس سے بلند مرتبہ کی ترغیب دی ۔

(۴۷۹) کیونکہ اس میں اس بات کا احتمال تھا کہ نہر کے کھودنے میں ظلم روا رکھا گیا ہو۔ اس بات میں ان کا کمال زھد پایا جاتا ہے۔ اور جو زھد کا عادی ہو۔ اس کے لئے ورع آسان ہے۔

(۴۸۰) عبد الواحد بن زید البصری الزھد۔ ۱۷۷ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب : ۱ : ۲۸۷ ؛ حلیۃ الاولیاء : ۶ : ۱۵۵ - ۱۶۵ ؛ کتاب الجرح والتعدیل : ج ۳ : ق : ۱ : ۲۰ ؛ التاریخ الکبیر : ج ۳ - ق ۲ : ۶۲ ؛ صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۲۴۴ - ۲۴۴ ؛)

(۴۸۱) ابو الفضل عباس بن المھتدی الصوفی، اصل میں بغداد کے رہنے والے تھے اور جنید کے ہمعصر تھے۔ ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔ (صفۃ الصفوۃ : ۲ : ۲۶۳ ؛ التاریخ لبغداد : ۱۲ : ۱۵۲ ؛ المنتظم : ۶ : ۱۱۲)

(۴۸۲) زبیدہ کا حوض (برکۃ زبیدہ) اسے برکۃ ام جعفر بھی کہا جاتا ہے۔ اور ام جعفر سے مراد زبیدہ بنت جعفر بن المنصور والدہ محمد الامین ہے یہ حوض مکہ کے راستہ پر مغیثہ اور عذیب کے درمیان واقع ہے۔ (معجم البلدان : ۱ : ۴۰۱)

(۴۸۳) زھد کے لفظی معنی نفس کا دنیا میں کم رغبت کرنا ہیں۔ زھد کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ احیاء علوم الدین : ۴ : ۲۱۱ - ۲۲۷ ؛ کتاب اللمع ۴۶ - ۴۷ ؛ قوت القلوب : ۲ : ۲۷۲ - ۲۷۱ ؛ حیاۃ القلوب : ۲ : ۱۱۸ - ۱۳۶ ؛ شرح التعرف : ۳ : ۱۱۰ - ۱۱۳)

(۴۸۴) حمزہ بن یوسف السھمی الجرجانی : ملاحظہ ہو مقدمہ صفحہ ۱۷

(۴۸۵) ابو الحسین عبید اللہ بن احمد بن یعقوب بن احمد المقری ابن البواب کے نام سے مشہور ہیں۔ ۳۷۶ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ لبغداد : ۱۰ : ۳۶۲)

(۴۸۶) ابو الحسن زید بن اسماعیل الصائغ البغدادی ملاحظہ ہو کتاب الجرح والتعدیل : ج : ۲ : ق ۲ : ۵۵۷ ؛ تاریخ لبغداد : ۸ : ۴۴۷ - ۴۴۸۔

(۴۸۷) ابو سہل کثیر بن ھشام الکلابی ۲۰۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ لبغداد : ۱۲ : ۴۸۲ - ۴۸۴ ؛ شذرات الذھب : ۲ : ۷، اگرچہ وہاں ان کی وفات ۲۰۷ھ میں بتائی ہے۔ تہذیب التھذیب : ۸ : ۴۲۹ - ۴۳۰ ؛ کتاب الجرح والتعدیل : ج ۳ ق ۲ : ۱۵۵)

(۴۸۷) الحکم بن ھشام : الحکم بن ھشام بن عبد الرحمن ان کی کنیت ابو محمد ہے (کتاب الجرح و

والتعدیل : ج ۱ ق ۲ : ۱۳۰ ؛ التاریخ الکبیر ج ۱ ق ۲ : ۲۳۸ ؛ تہذیب التہذیب ۲ : ۳۰۴)

(۴۸۹) ابوایوب یحییٰ بن سعید بن ابان القرشی الاموی ۱۹۴ھ میں ۴ ۸ سال اور بقول بعض اسی سال کی عمر میں وفات پائی ۔ تاریخ بغداد : ۱۴ : ۱۳۲ - ۱۳۴ ؛ تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۲۱۳ - ۲۱۴ ؛ شذرات الذھب : ۱ : ۳۴۱)

(۴۹۰) ابوفروۃ یزید بن سنان بن یزید التمیمی الجزری الرھاوی ۱۵۵ھ میں انہتر سال کی عمر میں وفات پائی ۔ (تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۳۳۵ - ۳۳۶ - اور ۱۲ : ۲۰۲ ۔

(۴۹۱) ابوخلاد یہ صحابی ہیں ۔ مگر ان کے نام اور نسب کا پتہ نہیں ۔ ابن اثیر نے اس حدیث کو یوں ضبط کیا ہے ۔ اذ رائیتم الرجل المومن قد اوتی زھداً فی الدنیا وقلۃ منطق فاقتربوا منہ فانہٗ یلقی الحکمۃ ۔ اور فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے ۔ (اسد الغابہ : ۵ : ۱۸۱ - ۱۸۲)

(۴۹۲) احمد بن اسماعیل الازوی ۔ غالباً احمد بن اسماعیل بن یوسف العابد مراد ہیں ۔ (اخبار اصبہان ۱ : ۸۷ ، ۱۲۹ ۔

(۴۹۳) الدورقی ۔ دورق خوزستان کے ایک شہر کا نام ہے ۔ یہاں کی لمبی ٹوپیاں دورقیہ کہلاتی ہیں ۔ اور پہننے والے دورقی کہلائے ۔ ان کا نام احمد بن ابراہیم بن کثیر ابوعبداللہ الدورقی ہے ۲۴۶ھ میں وفات پائی ۔ (معجم البلدان : ۲ : ۴۸۳ ۔ تذکرۃ الحفاظ : ۲ : ۸۰ ؛ شذرات الذھب : ۲ : ۱۱۰ ۔ تاریخ بغداد : ۴ : ۶ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱ : ۳۹ ؛ تہذیب التہذیب : ۱ : ۱۰)

(۴۹۴) وکیع بن الجراح ابوسفیان الرؤاسی ۱۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۶ھ میں چھیاسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی ۔ (صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۱۰۴ ؛ شذرات الذھب ۱ : ۳۴۹ مگر وہاں ان کی تاریخ وفات ۱۹۷ھ دی ہے ۔ تاریخ بغداد : ۱۳ : ۴۶۶ - ۴۸۱)

(۴۹۵) ابوعثمان سعید بن احمد بن محمد جعفر النیساپوری ۳۶۹ھ میں وفات پائی ۔ (تاریخ بغداد : ۹ : ۱۱۱)

(۴۹۶) عباس بن عبداللہ بن احمد بن عصام ابوالفضل المزنی البغدادی ۔ ہمدان میں ۳۲۵ھ میں روایت کی (تاریخ بغداد : ۱۲ : ۱۵۵ ۔

(۴۹۷) ابوعمرو عیسیٰ بن یونس بن ابی اسحٰق السبیعی ۱۸۸ھ میں وفات پائی ۔ (شذرات الذھب :

۲۲۲؍ صفۃ الصفوۃ : ۴ : ۲۳۴-۲۳۲)

(۴۹۸) ابوسعید احمد بن الحسین البرزعی بغداد میں حنفیہ کے استاد تھے۔ ۳۱۷ھ میں انتقال ہوا۔
رات الذھب : ۲ : ۲۷۵)

(۴۹۹) محمد بن الحسن : محمد بن الحسن بن الصباح ابوالحسن الداودی، البغدادی الکاتب۔
ت الصوفیہ : ۲۰۹)

(۵۰۰) صمت (خموشی) کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب : ۴۶۲ - ۴۷۰ ؍ از احیاء العلوم :
۵۰۱ از حیاۃ القلوب : ۲ : ۲۵۲ ز

(۵۰۱) ابوبکر محمد بن الحسین القطان۔ رسالہ اور شرح گیسو دراز دونوں میں بن الحسین لکھا ہے
رست محمد بن الحسن ہے۔ ۳۳۲ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب : ۲ : ۳۲۲ ز) ایک دوسرے
قطان کا نام محمد بن الحسین بن شہریار ہے۔ ان کی وفات ۳۰۶ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد : ۲ :
۲)

(۵۰۲) احمد بن یوسف السلمی النیساپوری الحافظ ۲۶۴ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب : ۲ :
۱۴۸-۱)

(۵۰۳) عبدالرزاق بن ہمام ابوبکر الصنعانی۔ ۸۰ سال سے اوپر عمر پاکر ۲۱۱ھ میں وفات پائی۔
(شذرات الذھب : ۲ : ۲۷)

(۵۰۴) غالباً معمر بن راشد ابوعروۃ المہلبی مراد ہیں۔ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے ۱۵۴ھ
ں وفات پائی۔ (کتاب الجرح والتعدیل : ج ۴ ق ۱ : ۲۵۵ - ۲۵۷)

(۵۰۵) زہری : ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب القرشی، الزہری، المدنی
۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحافظ : ۱ : ۱۰۲ - ۱۰۶۔

(۵۰۶) ابوسلمہ۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف الزہری المدنی ۹۴ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں
ات پائی (تہذیب التہذیب : ۱۲ : ۱۱۵ - ۱۱۸)

(۵۰۷) ابوعلی بشر بن موسیٰ الاسدی ۱۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۸ سال کی عمر میں ۲۸۸ھ میں وفات
ئی (تاریخ بغداد : ۷ : ۸۶ - ۸۸ : شذرات الذھب ۲ : ۱۹۶)

(۵۰۸) ابوجعفر محمد بن سعید بن سلیمان الاصبہانی ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ الکبیر: ج ا ق ا: ۹۵ اور اخبار اصبہان: ۲: ۷۵، تہذیب التہذیب: ۹: ۱۸۸، زکتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق: ۲۶۵)

(۵۰۹) علی بن زید رسالہ میں علی بن زید ہی دیا ہے، شرح گیسو دراز صفحہ ۴۸۶ میں علی بن ابی یزید ہے۔ مگر درست علی بن یزید ہے۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے

(۵۱۰) غالباً مراد ابوعبدالرحمن القاسم بن عبدالرحمن الشامی ہیں ۱۱۲ھ میں وفات پائی۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

(۵۱۱) عقبہ بن عامر بن عبس الجہنی ان کی کنیت میں اختلاف ہے۔ بعض ابوحماد بتلاتے ہیں۔ صحابی ہیں۔ مصر کے حاکم بنے ۵۸ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ: ۳: ۴۱۷، زکتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ا: ۳۱۳)

(۵۱۲) ابومحمد عبدالرحمن بن محمد بن یوسف الرازی المعروف بہ الطرائفی ۲۹۱ھ میں حدیث کی روایت کی۔ تاریخ بغداد: ۱۰: ۳۰۱)

(۵۱۳) ابوالعباس محمد بن اسحٰق بن ابراہیم بن مہران السراج نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ ابراہیم اور اسمٰعیل کے بھائی ہیں۔ صاحب تصانیف ہیں۔ انہوں ۹۹ سال عمر پاکر ۳۱۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱: ۲۴۸-۲۵۲ زشذرات الذھب: ۲: ۲۶۸ زالبدایہ والنہایہ: ۱۱: ۱۵۳)

(۵۱۴) ابوبکر احمد بن الفتح بن موسیٰ الازرقی الوراق۔ تاریخ بغداد: ۴: ۳۴۴)

(۵۱۵) ابوبکر طمستانی فارسی۔ نیساپور میں ۳۴۰ھ کے بعد وفات پائی (طبقات الصوفیہ: ۴۷۱-۴۷۴

(۵۱۶) ابوعبدالرحمن معاذ بن جبل الانصاری الخزرجی، ۳۸ سال کی عمر میں ۱۸ھ میں طاعون عمواس میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ: ۴: ۳۷۶-۳۷۸)

(۵۱۷) ابوالحسن علی بن بکار البصری الزاہد ۲۰۷ھ میں وفات پائی۔ ابن الجوزی (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴۲) نے ان کی تاریخ وفات ۱۹۹ھ دی ہے (تہذیب التہذیب ۷: ۲۸۶-۲۸۷ زکتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ا: ۱۷۶ زالتاریخ الکبیر: ج ۳ ق ۲: ۲۶۲۔ نفحات الانس: ۱۲۰-۱۲۱۔ صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴۰-۲۴۳)۔

(۵۱۸) چار شخص ابن سماک کے نام سے مشہور ہیں (۱) ابو العباس محمد بن صبیح الکوفی متوفی ۱۸۳ھ۔ (۲) ابو عمر بن احمد بن عبید اللہ متوفی ۳۴۴ھ (۳) ابو جعفر بن السماک بغدادی۔ یہ سری سقطی کے استاد تھے (صفة الصفوة: ۲: ۲۲۱-۲۲۲) اور ابو الحسین احمد بن الحسین بن احمد الواعظ المعروف بابن السماک ۳۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۴۲۴ھ میں وفات پائی۔ المنتظم: ۸: ۷۶۔ البدایة والنہایة: ۱۲: ۳۵) یہاں غالباً یہی مراد ہیں۔

(۵۱۹) ابو جعفر محمد بن نصر بن منصور الصائغ ۲۹۶ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۳۱۸-۳۱۹)

(۵۲۰) ابو عبد اللہ عبد الصمد بن یزید الصائغ۔ مَرْدَوَیْہ ان کا لقب ہے۔ ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: ۶: ۳۲۸-۳۲۹)

(۵۲۱) خوف کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ شرح التعرف: ۳: ۱۲۸-۱۳۱ ز کتاب اللمع: ۶۰-۶۱ ز احیاء علوم الدین: ۴: ۱۵۲-۱۸۵ ز حیات القلوب: ۲: ۱۸۳-۱۹۹۔

(۵۲۲) تذکروں میں محمد بن یزید نام کے کئی اشخاص کا ذکر موجود ہے۔ پتہ نہیں، یہاں کون مراد ہیں۔

(۵۲۳) عبد الرحمٰن بن عتبہ بن عبد اللہ بن مسعود الکوفی المسعودی۔ ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: ۶: ۲۱۰-۲۱۲ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲: ۲۵۰-۲۵۲ (تذکرة الحافظ: ۱: ۱۸۵)

(۵۲۴) محمد بن عبد الرحمٰن بن عبید القرشی التیمی الکوفی مولی آل طلحہ (تہذیب التہذیب: ۹: ۲۹۹-۳۰۰ ز کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۲: ۳۱۸)

(۵۲۵) ابو محمد عیسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ التیمی المدنی ۱۰۰ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۸: ۲۱۵ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱: ۲۷۹۔)

(۵۲۶) ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن الحسن بن الشرقی حافظ ابو حامد کے بھائی ہیں۔ ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۳۱۱)۔

(۵۲۷) عبد اللہ بن ہاشم بن حیان العبدی ابو عبد الرحمٰن۔ طوس میں پیدا ہوئے۔ ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: (۶: ۶۰) میں ان کی تاریخ وفات خمس وخمسین ومائۃ (۱۵۵ھ) دی ہے جو غلط ہے (تاریخ بغداد: ۱۰: ۱۹۳-۱۹۴)

(۵۲۸) ابو سعید یحییٰ بن سعید بن فروخ القطان البصری الاحول الحافظ۔ حافظ اور حجت تھے۔ ۱۹۸ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۲۱۶-۲۲۰ تاریخ بغداد: ۱۴: ۱۳۵)

(۵۲۹) شعبہ بن الحجاج العتکی الازدی یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رجال حدیث پر بحث کی القطان نے اور ان کے بعد احمد اور یحییٰ بن معین نے ۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: ۴: ۳۳۸-۳۴۶ ز تاریخ بغداد، ۹: ۲۵۵-)

(۵۳۰) ابو الخطاب قتادہ بن دعامۃ السدوسی البصری الاعمی الحافظ ائمہ حدیث میں سے۔ ۵۹ سال کی عمر میں ۱۱۷ھ میں وفات پائی (تاریخ الاسلام: ۴: ۲۹۵-۲۹۷ ز تہذیب التہذیب ۳۵۱-۳۵۶)

(۵۳۱) ابو محمد عبداللہ بن محمد الرازی الشعرانی ثقہ تھے۔ وفات پائی۔ طبقات الصوفیہ: ۱۵۴ زنفحا،

(۵۳۲) اشکال کی صورت یوں ہے کہ صوفیاء کا قول ہے کہ صوفی اپنے وقت کا بیٹا ہوتا ہے (الصّ وہ نہ ماضی کی طرف نگاہ کرتا ہے۔ نہ مستقبل کی طرف اور خائف کی توجہ آنے والے وقت کی ہے۔ کیونکہ خوف کے معنی یہ ہیں کہ کسی آنے والی ناپسندیدہ بات سے دل میں انقباض ہو۔ صوفی کے لئے حجاب قرار پائی۔

(۵۳۳) ابو جعفر محمد بن علی بن یزداذ النہاوندی (تاریخ جرجان: ۴۰۳-۴۰۴)

(۵۳۴) یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف آتا ہے۔

(۵۳۵) ابو عبداللہ الحسین بن احمد بن محمد الصفار الہروی جو الشماخی کے نام سے مشہور ہیں۔ میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد: ۸: ۸-۹-)

(۵۳۶) ابو عبداللہ محمد بن المسیب بن اسحٰق النیساپوری الارغیانی ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۹: ۴۵۵-۴۵۸ ز شذرات الذھب: ۲: ۲۷۱)

(۵۳۷) ہاشم بن خالد بن ابی جمیل الدمشقی (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۲: ۱۰۶)

(۵۳۸) ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن الاصبہانی جو ابن اللبان کے نام سے مشہور ہیں۔ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۰: ۱۴۴-۱۴۵)

(۵۳۹) ابو عثمان سے مراد ابو عثمان سعید بن سلام المغربی (المتوفی ۳۷۳ھ) ہیں۔

(۵۴۰) ابو جعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبہ الحافظ تقریباً ۹۰ سال کی عمر پا کر ۲۹۷ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۲: ۲۲۶)

(۵۴۱) قاسم بن محمد بن قاسم الاموی القرطبی دوبار مصر کا سفر کیا۔ ۲۷۶ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۲: ۱۷۰)

(۵۴۲) ابوزکریا یحییٰ بن یمان العجلی حفاظ حدیث میں سے تھے ۱۸۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۴: ۱۲۰-۱۲۴ تہذیب التہذیب: ۱۱: ۳۰۶-۳۰۷ کتاب الجرح التعدیل: ج ۴ ق ۲: ۱۹۹)۔

(۵۴۳) ابوعبداللہ مالک بن مغول البجلی الکوفی ۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۱۰: ۲۲-۲۳ کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۱: ۲۱۵-۲۱۶ شذرات: ۱: ۲۴۷)

(۵۴۴) عبدالرحمٰن بن سعید بن موھب۔ رسالہ اور شرح گیسو دراز دونوں میں موحب لکھا ہے۔ مگر درست وھب ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۱: ۱۸۶-۱۸۷ کتاب الجرح والتعدیل: ج ۲ ق ۲: ۲۳۹

(۵۴۵) اُم المؤمنین عائشہ الصدیقہ بنت الصدیق، آپ دینی مسائل کے علاوہ شعر اخبار جاہلیت اور طب میں ماہر تھیں ۵۸ھ میں وفات پائی۔ (شذرات: ۱: ۶۱-۶۳ تاریخ الاسلام: ۲: ۲۹۴-۲۹۸ اسد الغابہ: ۵: ۵۰۱-۵۰۴)۔

(۵۴۶) علی الرازی الزاھد۔ کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۱: ۲۱۰)

(۵۴۷) بلعام بن باعورا ایک یہودی عالم تھا۔ اس نے اسم اعظم کے وسیلہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف دعا کی اور گمراہ ہوا۔

(۵۴۸) علیم یا غلیم جیسا کہ شرح گیسو دراز میں ہے۔ خواجہ گیسو دراز نے علیم کی بڑی مضحکہ انگیز تشریح دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں: "علیم گویند شخص را کہ او بکسے مبتلا شدہ باشد بجسب شہوتے درد ست"

(۵۴۹) رجاء کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اللمع: ۶۱-۶۲ قوت القلوب: ۱: ۳۲۱-۳۲۵ حیات: ۲: ۲۰۱-۲۰۵۔

(۵۵۰) الحسن بن خالد بن باب القرشی۔ (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۱ ق ۲: ۱۰)

(۵۵۱) ابومحمد العلاء بن زید الثقفی یہ متروک الحدیث ہیں (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۱: ۳۵۵ تہذیب التہذیب: ۸: ۱۸۲-۱۸۳)

(۵۵۲) ابوسعید شہر بن حوشب الاشعری انہوں نے ۸۰ سال کی عمر میں ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: ۴: ۳۶۹-۳۷۲ شذرات الذھب: ۱: ۱۱۹)

(۵۵۳) ام الدرداء دو تھیں ہیں ایک صغریٰ دوسری کبریٰ، کبریٰ کا نام خیرہ بنت ابی حدرد زوجہ ابی الدرداء یہ

صحابیہ ہیں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ انہوں نے ابوالدرداء کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ صغرا کا نام ہجیمہ بنت یحیی الوصابیہ ہے (وصاب حمیر کا ایک قبیلہ ہے۔) یہ بھی ابوالدرداء کی بیوی ہیں۔ بعض ان کا نام جہیمہ بتاتے ہیں "صغریٰ صحابیہ نہیں ہیں۔ یہاں یہی مراد ہیں۔ کیونکہ شہر بن حوشب نے ان ہی سے روایت کی ہے۔ ابوالدرداء کی وفات کے بعد حضرت معاویہ نے ان سے شادی کرنی چاہی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ (صفۃ الصفوۃ ۴: ۲۶۶-۲۶۸ ز اسد الغابہ: ۵: ۴۴۸-۴۴۹، ۵۸۰-۵۸۱۔

(۵۵۴) ابوالدرداء ان کا نام عویمر بن عامر ہے۔ صحابی ہیں۔ ۳۲ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ: ۳: ۳۷۸ ز ۴: ۱۵۹-۱۶۰ ز ۵: ۱۸۵-۱۸۶)

(۵۵۵) ابوالولید یا ابوجعفر خلف بن الولید الجوہری مکہ کو منتقل ہو گئے اور وہیں ۲۱۲ھ میں انتقال ہوا۔ (تاریخ بغداد: ۸: ۳۲۰-۳۲۱ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲: ۳۷۱ ز-)

(۵۵۶) ابوعبداللہ مروان بن معاویہ الفزازی ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۳: ۱۴۹-۱۵۲ ز تہذیب التہذیب: ۱۰: ۹۶-۹۸ ز کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۱: ۲۷۲-۲۷۳)

(۵۵۷) ابوسفیان طریف رسالہ میں اسطرح دیا ہے۔ اور یہی درست ہے۔ شرح گیسو دراز میں ابوسفیان بن طریف لکھا ہے (کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱: ۴۹۲-۴۹۳-)

(۵۵۸) عبداللہ بن الحارث۔ اصل کتاب میں ابوسفیان طریف بن عبداللہ بن الحارث چھپا ہے۔ ابوسفیان طریف عن عبداللہ بن الحارث چاہیئے ابوالولید عبداللہ بن الحارث الانصاری۔ محمد بن سیرین کے بہنوئی تھے (کتاب الجرح والتعدیل: ج: ق ۲: ۳۱ ز تہذیب التہذیب: ۵: ۱۸۱-۱۸۲)۔ (۵۵۹) الحسن بن صفوان رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر شرح گیسو دراز میں الحسین بن صفوان ہے اور یہی درست ہے۔ مکمل نام ابوعلی حسین بن صفوان بن اسحٰق البرذعی ہے ۳۴۰ھ میں وفات پائی تاریخ بغداد: ۸: ۵۴ شذرات الذہب: ۲: ۲۵۶ (۵۵۹) ابن ابی الدنیا: ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا البغدادی الحافظ۔ صاحب تصانیف مشہورہ ۲۸۱ھ میں وفات پائی۔ (۵۶۱) ابوسلیم بکر بن سلیم الصواب المدنی۔ ابوحازم مدنی اور دیگر رواۃ سے روایت کی اور ان سے ابراہیم المقدور وغیرہ نے (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۱ ق ۱: ۳۸۶-۳۸۷ ز تہذیب التہذیب: ۱: ۴۸۳) (۵۶۵) مالک بن انس بن مالک امام دار الہجرت یہ ثقہ امین اور حجت تھے۔ پچاسی سال کی عمر میں ۱۷۹ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۵ تا ۹) (۵۶۲) یحیی بن ایوب: ابو زکریا یحیی بن ایوب المقابری البغدادی۔ انہوں نے عبداللہ بن مبارک وغیرہ سے روایت کی اور ان سے عبداللہ بن احمد بن حنبل

وغیرہ نے زاہد و عابد تھے۔ صدوق تھے۔ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۲ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب ۱۱: ۱۸۸ از کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲: ۱۲۸) (۵۶۳) مسلم بن سالم: ابوفروۃ مسلم بن سالم النہدی الکوفی۔ انہوں نے کچھ عرصہ جہینہ میں قیام کیا تھا جس کی وجہ سے انہیں جہنی بھی کہا جاتا ہے۔ ثقہ اور صالح الحدیث ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۱۸۵ ز تہذیب التہذیب ۱۰: ۱۳۰-۱۳۱)۔ (۵۶۴) خارجہ بن مصعب: ابوالحجاج خارجۃ بن مصعب الخراسانی السرخسی الضبعی۔ انہوں نے زید بن اسلم سے روایت کی اور ان سے ابوداؤد طیالسی وغیرہ نے ۲۶۸ھ میں وفات پائی۔ (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۱ ق ۲: ۳۷۵ شذرات الذھب ۱: ۲۷۵ ز تہذیب التہذیب ۳: ۷۶-۸۰)۔

(۵۶۵) زید بن اسلم: ابواسامۃ زید بن اسلم العدوی الفقیہ مولی عمر انہوں نے ابن عمر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کی اولاد اور دیگر رواۃ نے۔ ثقہ اور عالم تفسیر قرآن تھے۔ ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۳: ۳۹۵، ۳۹۷ ز شذرات الذھب ۱: ۱۹۴ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۱۔ ق ۲: ۵۵۵ ز التاریخ الکبیر ج ۲ ق ۱: ۳۸۷)۔

(۵۶۶) عطاء بن یسار: عطاء بن یسار المدنی الفقیہ ام المؤمنین میمونہ کے آزاد کردہ غلام تھے امام اور مدینہ کے قاضی تھے۔ انہوں نے کبار صحابہ سے روایت کی ہے۔ چوراسی سال کی عمر میں ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب ۱: ۱۲۵ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱: ۳۳۸ تہذیب التہذیب ۷: ۲۱۷، ۲۱۸)۔ (۵۶۷) ابوسہل صعلوکی: امام ابوسہل محمد بن سلیمان العجلی الصعلوکی نسباً حنفی اور مذہباً شافعی تھے۔ خراسان میں شافعیہ کے شیخ تھے۔ لغت۔ نحو۔ تفسیر اور علم کلام وغیرہ علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے ۲۹۰ھ میں پیدا ہوئے ان کے بیٹے ابوالطیب صعلوکی نے ان ہی سے علوم حاصل کئے ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب ۳: ۶۹)۔

(۵۶۸) بالفاظ دیگر اس بات کے قائل نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ گناہ معاف بھی کر دیتے ہیں۔ (۵۶۹) ابوبکر بن الشکیب۔ رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ شرح گیسو دراز میں ابوبکر بن اسکاف دیا ہے اور اس کا ترجمہ "ابوبکر پسر کفش گر" کیا ہے۔ اور یہی درست ہے ان کا

نام احمد بن عمر بن احمد ابو بکر دلال ہے۔ اور ابن اسکاف کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے ابو عمرو بن السماک سے حدیث سنی۔ ثقہ تھے۔ اور شارع غنا مین میں رہتے تھے۔ انہوں نے ۴۱۷ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد ۴: ۲۹۴)۔ (۵۷۰) یہ حدیث ابو ہریرہ سے مروی ہے اور متفق علیہ ہے (المغنی ۱: ۶۶۵)۔ (۵۷۱) یعقوب بن اسحٰق: ابو عوانہ یعقوب بن ابراہیم بن یزید الاسفرائینی مشہور حافظ حدیث اور مؤلف مسند ہیں۔ انہوں نے علم کی تلاش میں طویل سفر کئے اور علی بن حرب وغیرہ سے روایت کی، ثقہ ہیں۔ شافعیہ کے فقیہ ہیں۔ ۳۱۶ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب ۲: ۲۷۴ ز البدایہ والنہایہ ۱۱: ۱۵۹ ز تذکرۃ الحفاظ ۳: ۲ ز وفیات الاعیان ۵: ۲۳۶۔ ۲۳۴ ز معجم البلدان ۲: ۱۷۸)۔ (۵۷۲) علی بن حرب: ابو الحسن علی بن حرب الطائی الموصلی۔ مشہور محدث ہیں۔ اور مسند کے مؤلف ہیں انہوں نے ابن عیینہ سے حدیث سنی۔ نوّے سال کی عمر میں ۲۶۵ھ میں وفات پائی۔ ان کا ایک بھائی احمد بن حرب ہے۔ اس نے ان سے دو سال پہلے ۲۶۳ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب ۲: ۱۵ ز تاریخ بغداد ۱۱: ۴۱۸)۔ (۵۷۳) ابو معاویہ: ابو معاویہ سے مراد محمد بن خازم الضریر ہے۔ چار سال کی عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ بیس سال تک اعمش کے ساتھ رہے۔ اور ۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۵: ۲۴۲۔ ۲۴۹ ز شذرات الذہب ۱: ۳۴۴)۔ (۵۷۴) محمد بن عبید ابو عبد اللہ محمد بن ابی امیۃ الطنافسی یہ یعلیٰ بن عبید کے چھوٹے بھائی ہیں۔ یعلیٰ ان سے سات سال بڑے ہیں۔ انہوں نے اعمش وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابن نمیر وغیرہ نے ثقہ تھے ۱۲۴ھ پیدا ہوئے اور ۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ (التاریخ الکبیر: ج ۱: ق ۱: ۱۷۳ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۱۰۔ ۱۱ ز تہذیب التہذیب ۹: ۳۲۷۔ ۳۲۹۔ شذرات الذہب ۲: ۱۴۔ (۵۷۵) الاعمش: ابو محمد سلیمان بن مہران الاسدی الکاہلی الکوفی الاعمش۔ کوفہ میں ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث اور قرآن کے ماہر تھے۔ ثقہ اور صاحب سنت ہیں۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۴: ۲۲۲۔ ۲۲۶ ز شذرات الذہب ۱: ۲۲۰۔ ۲۲۳ ز کتاب الجرح والتعدیل: ج ۲: ق ۱: ۱۴۶)۔

(۵۷۶) ابو صالح: ابو صالح ذکوان السمان جویریہ غطفانیہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ چونکہ یہ

گھی کا کاروبار کرتے تھے اس لئے سمان کہلائے۔ ان کا شمار مدینہ کے کبار علماء میں ہوتا ہے انہوں نے ابوہریرہ سے روایت کی۔ اور ان سے اعمش وغیرہ نے۔ ثقہ اور صالح الحدیث ہیں (تاریخ الاسلام: ۴: ۲۱۹)

(۵۷۷) اس سند سے حدیث کی روایت مسلم نے کی ہے۔ (شرح زکریا الانصاری) (۵۷۸) رباح قیسی: ابوالمہاجر رباح بن عمرو القیسی الزاہد الکوفی۔ انہوں نے واصل بن سائب اور مالک بن دینار سے روایت کی۔ اور ان سے یزید ہارون وغیرہ نے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ا ق ۲: ۵۱۱-۵۱۲ ز صفۃ الصفوۃ: ۳: ۲۰۸) (۵۷۹) عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی: ابومحمد عبدالوہاب بن عبدالمجید الثقفی البصری۔ انہوں نے ایوب سختیانی وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور ان سے محمد بن ادریس الشافعی وغیرہ نے۔ تقریباً ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۱: ۱۸-۲۱ ز شذرات الذھب: ۱: ۳۴۰-۳۴۱) (۵۸۰) ابراہیم الاطروش: ان کا حال کہیں معلوم نہیں ہو سکا۔ نفحات الانس میں جامی نے ابراہیم الاطروش کا ذکر کیا ہے۔ (صفحہ ۷۴) مگر ساتھ ہی بحوالہ شیخ الاسلام لکھا ہے کہ یہ متاخرین میں سے ہیں اور آگے چل کر ابراہیم الخواص کہا ہے۔ اور انہی کے اشعار بھی پیش کئے ہیں۔ حالانکہ کہ ابراہیم خواص کی وفات ۲۹۱ھ میں ہوئی۔ یہاں ان کو معروف کرخی کا شاگرد بنایا گیا ہے۔ لہذا یہ متاخرین میں سے نہیں ہو سکتے۔

(۵۸۱) ابوزکریا یحییٰ بن محمد الادیب: ابوزکریا یحییٰ بن محمد العنبری النیسابوری۔ حافظ ادیب اور مفسر تھے۔ انہوں نے محمد بن ابراہیم بوشنجی وغیرہ سے روایت کی۔ چہتر سال کی عمر میں ۳۴۴ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۲: ۳۶۹ ز) (۵۸۲) یحییٰ بن اکثم: ابومحمد یحییٰ بن اکثم القاضی۔ جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ فقیہ مجتہد اور منصف تھے۔ انہوں نے جریر بن عبدالحمید وغیرہ سے روایت کی ستر سال سے اوپر عمر پاکر ۲۴۲ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۲: ۱۰۱ ز تاریخ بغداد: ۱۴: ۱۹۱ -

(۵۸۳) حزن کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ حیاۃ القلوب: ۲: ۱۹۷، ۱۹۹ (۵۸۴) احمد بن عیسیٰ: ابوعبداللہ احمد بن عیسیٰ المصری المعروف بابن التستری۔ انہوں نے ابن وھب سے حدیث

سنی . . . . اور ان سے شیخین نے، ثقہ تھے ۲۴۳ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب ۲: ۱۰۲ ازکتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۶۴)

(۵۸۵) ابن وھب: ابو محمد عبداللہ بن وھب الفہری المقری۔ یہ اپنے زمانہ کے علامہ تھے۔ ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے ۱۴۱ھ میں علم کی تلاش میں نکلے۔ امام مالک سے فقہ پڑھی۔ عبادت اور علم دونوں کے حامل تھے۔ ان کی بہت تصانیف ہیں۔ ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب ۱: ۳۴۷-۳۴۸۔ زکتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲: ۱۸۹)۔

(۵۸۶) اسامۃ بن زید اللیثی: ابو زید اسامہ بن زید اللیثی انہوں نے سعید بن المسیب وغیرہ سے روایت کی صدوق تھے ۱۵۳ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب ۱: ۲۳۴ زکتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۲۸۴-۲۸۵)

(۵۸۷) محمد بن عمرو بن عطاء: ابو عبداللہ محمد بن عمرو بن عطاء بن عباس القرشی العامری انہوں نے ابن عباس وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے زہری وغیرہ نے ۱۲۰ھ میں وفات پائی شذرات الذھب ۱: ۲۴ ازکتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۲۹) (۵۸۸) ابو سعید القرشی: ابو سعید عبداللہ بن محمد عبدالوہاب القرشی الرازی، الصوفی۔ انہوں نے محمد بن ایوب بن الفریس سے روایت کی۔ آخر عمر میں بخارا چلے گئے تھے۔ اور وہیں ۹۴ سال کی عمر میں ۳۸۲ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب ۳: ۱۰۲ (۵۸۹) سفیان بن عیینہ: ابو محمد سفیان بن عیینہ الھلالی حافظ حدیث تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ اگر مالک اور عیینہ نہ ہوتے تو حجاز میں علم نہ ہوتا۔ تفسیر قرآن کے بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے ۹۱ سال کی عمر میں ۱۹۸ھ میں وفات پائی (شذرات ۱: ۳۵۴-۳۵۵ تاریخ بغداد: ۹: ۱۷۴)۔ (۵۹۰) محمد بن علی المروزی: ابو علی محمد بن علی بن عمرو الحافظ، انہوں نے علی بن الحسین بن واقد وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے نسائی وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۹: ۳۵۲)۔ (۵۹۱) احمد بن ابی روح۔ احمد بن ابی روح القرشی البغدادی۔ جرجان میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے یزید بن ہارون وغیرہ سے روایت کی اور ان سے احمد بن حفص السعیدی نے یہ قوی نہیں ہیں (تاریخ بغداد ۴: ۱۵۸۔ تاریخ جرجان: ۴۲)۔

(۵۹۲) ہبوک (جوع) کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اللمع: ۲۰۲۔ اور شرح گیسو دراز: ۵۵۸۔۔ ۵۶۰۔ (۵۹۳) عبداللہ بن ایوب: ابو محمد عبداللہ بن ایوب بن زاذان الضریر المعروف بالقربی البصری۔ بغداد آئے اور وہاں ابو الولید طیالسی سے روایت کی۔ اور ان سے ابو سہل بن زیاد وغیرہ نے۔ ان سے روایت حدیث ترک کردی گئی تھی۔ ۲۹۲ھ میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد: ۹: ۴۱۳)

(۵۹۴) ابو الولید الطیالسی: ابو الولید ہشام بن عبد الملک الباہلی الطیالسی البصری۔ حافظ حدیث تھے ان کا شمار حدیث کے ارکان میں ہوتا ہے ۲۲۷ھ میں ۹۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ رشذرات الذھب: ۲: ۶۲-۶۳؛ کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۲: ۶۵-۶۶)

(۵۹۵) ابو ہاشم عمار بن عمارۃ الزعفرانی البصری۔ صاحب الزعفرانی۔ انہوں نے حسن بصری وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے روح بن عبادہ وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ تہذیب التہذیب: ۷: ۴۰۴-۴۰۵؛ کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۱: ۳۹۰-۳۹۱) (۵۹۶) زعفرانی: ابو ہاشم عمار بن عمارہ کے استاد ہیں۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں دو شخصوں کا ذکر کیا ہے جو زعفرانی ہیں۔ ابو علی الحسن بن محمد الصباح البغدادی الزعفرانی۔ درب زعفران کے رہنے والے متوفی ۲۶۰ھ (۲: ۹۷) اور ابو سعید الحسین بن محمد بن علی الاصبہانی المعروف بالزعفرانی متوفی ۳۶۹ھ (۳: ۱۵۷) مگر ان دونوں کا زمانہ ابو ہاشم عمار بن عمارہ سے بعد کا زمانہ ہے۔ لہذا یہ دونوں یہاں مراد نہیں ہو سکتے۔ یاقوت حموی لکھتے ہیں۔ (معجم البلدان: ۳: ۱۴۱) زعفرانیہ کلواذی سے نیچے بغداد کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔ الحسن بن محمد بن الصباح الزعفرانی یہیں کے رہنے والے تھے۔ یہ بغداد میں مقیم ہوئے۔ چنانچہ درب الزعفرانی انہیں کی طرف منسوب ہے۔ اور بغداد کے بیشتر محدثین اسی درب کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ (۵۹۷) محمد بن عبداللہ ان کا شمار اہل بصرہ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے حضرت انس سے روایت کی (التاریخ الکبیر ج ۱ ق ۱: ۱۲۸) (۵۹۸) امام بخاری نے التاریخ الکبیر (ج ۱ ق ۱: ۱۲۸) میں اس حدیث کی روایت اسی طرح کی ہے۔ (۵۹۹) فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ بتول اور جگر گوشۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد وفات پائی (تاریخ

الاسلام ۱: ۱۰۰-۳۶۰-۳۶۲) (۶۰۰) ابن سالم: ابوالحسن احمد بن محمد البصری (یہ ابوعبداللہ محمد بن سالم کے بیٹے ہیں) جنہوں نے ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔ یہ سہل بن عبداللہ تستری کے مرید ہیں۔ اور سالمیہ فرقہ کے بانی ہیں۔ انہوں نے ۳۶۰ھ میں وفات پائی۔ (مقدمہ انگریزی کتاب اللمع: ۹ از شذرات الذھب ۳: ۳۶)۔

(۶۰۱) محمد بن بشر: ابوبکر محمد بن بشر الزبیری العکبری۔ انہوں نے بحر بن نصر خولانی وغیرہ سے روایت کی۔ ۸۴ سال زندہ رہے۔ اور ۳۲۳ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب ۲: ۲۳۲) (۶۰۲) الحسین بن منصور: الحسین بن منصور الحلاج جنہیں ۳۰۹ھ میں قتل کر دیا گیا تھا۔

(۶۰۳) داؤد بن معاذ: ابوسلیمان داؤد بن معاذ العتکی البصری۔ مخلد بن الحسین کے نواسے تھے بعض کہتے ہیں کہ بھانجے تھے۔ ثقہ تھے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ ایک سو سال سے زائد عمر پائی۔ تہذیب التہذیب ۳: ۲۰۱-۲۰۲) (۶۰۴) مخلد بن الحسین: ابومحمد مخلد بن الحسین الازدی البصری صالح اور عقلمندوں میں سے تھے۔ ثقہ تھے۔ ابوداؤد انہیں اپنے زمانہ کا عقلمند ترین انسان قرار دیتے ہیں۔ ۱۹۶ھ میں وفات پائی۔ (التاریخ الکبیر: ج ۴: ق ۱: ۳۷۴ ز تہذیب التہذیب ۱۰: ۷۳) ابن الجوزی (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴) نے ان کی تاریخ وفات ۱۹۱ھ دی ہے۔ (۶۰۵) حجاج بن فرافصۃ: حجاج بن فرافصۃ الباھلی البصری العابد۔ انہوں محمد بن سیرین وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔ ابوحاتم نے انہیں "شیخ صالح" کہا ہے (تہذیب التہذیب ۲: ۲۰۴) (۶۰۶) ابوبکر الغزالی یہ ابوعبداللہ المطبقی کے پڑوس میں رہتے تھے۔ ابراہیم بن عبدالرحیم بن دنوقا سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن احمد بن جمیع الصیداوی نے (تاریخ بغداد ۱۴: ۳۸۸)۔

(۶۰۷) نباج مکہ اور بصرہ کے درمیان حاجیوں کی ایک منزل کا نام ہے (معجم البلدان ۵: ۲۵۵) (۶۰۸) ذات عرق۔ نجد اور تہامہ کی حد ہے اور اہل عراق کے لئے احرام باندھنے کی جگہ ہے۔ (معجم البلدان ۴: ۱۰۷)۔

(۶۰۹) عبدالعزیز بن عمیر: یہ دراصل خراسان کے رہنے والے تھے۔ مگر دمشق میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ احمد بن ابی الحواری ان سے حکایت کرتے ہیں۔ (صفۃ الصفوۃ ۴: ۲۸۱) (۶۱۰)

(۶۱۰) محمد بن علی العلوی۔ ہمدان میں پیدا ہوئے اور بغداد میں نشو و نما پایا۔ جعفر الخلدی وغیرہ سے حدیث لکھی اور فقہ شافعی علی بن ابی ہریرہ سے پڑھی۔ پھر شام چلے گئے اور صوفیاء کی صحبت میں رہے۔ یہاں تک کہ ان کا شمار کبار صوفیہ میں ہونے لگا۔ کئی بار حج کیا ۳۹۵ھ میں وفات پائی۔ البدایہ والنہایہ: ۱۱، ۳۳۵) (۴) (۶۱۱) علی بن ابراہیم القاضی بدمشق الوالحسن علی بن ابراہیم بن یوسف الآبندونی۔ انہوں نے عمران بن موسیٰ سختیانی سے روایت کی اور ان سے الوبکر آبندونی۔ وغیرہ نے (تاریخ جرجان ۲۶۴) (۶۱۲) محمد بن علی بن خلف: ابوعبداللہ محمد بن علی بن خلف العطار الکوفی۔ انہوں نے بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ محمد بن کثیر کوفی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے محمد بن مخلد دوری وغیرہ نے۔ ثقہ مامون اور عقلمند تھے۔ تاریخ بغداد: ۳، ۵۷)

(۶۱۳) محمد بن احمد بن سعید الرازی الوجعفر محمد بن احمد بن سعید الرازی۔ یہ ابن وارہ کے شاگرد ہیں اور سلمی کے استاد (طبقات الصوفیہ ۸)

(۶۱۴) العباس بن حمزہ: الوالفضل العباس بن حمزہ النیساپوری الواعظ۔ صاحب بیان و برہان ہیں۔ ذوالنون کی صحبت میں رہے اور احمد بن ابی الحواری سے حدیث سنی۔ ۲۸۸ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۲۵) (۶۱۵) الوالقاسم جعفر بن احمد الرازی۔ نورالدین شریبہ نے ان کے متعلق صرف اتنا دیا ہے کہ یہ سلمی کے استاد تھے۔ (۶۱۶) الوالخیر عسقلانی یہ بغداد آئے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔ مشائخ کی صحبت میں رہے۔ وہاں کسی گاؤں میں چلے گئے۔ وہیں شادی کی اور وہیں وفات پائی۔ (نفحات الانس: ۲۰۶)

(۶۱۷) الومحمد عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بہ ابن حبان الوالشیخ کی کنیت سے مشہور ہیں صاحب تصانیف اور ثقہ تھے۔ پچانوے سال کی عمر پا کر ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے سب سے پہلے ۲۸۴ھ میں حدیث سنی۔ (اخبار اصفہان: ۲، ۹۰؛ شذرات الذہب: ۳: ۶۹)

(۶۱۸) ابراہیم بن محمد بن محمد بن الحارث۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں الواسحاق ابراہیم بن محمد بن الحارث الفزاری الکوفی کا حال دیا ہے۔ تہذیب التہذیب: ۱، ۱۵۱) ابن الجوزی

نے بھی انہی کا حال دیا ہے (صفۃ الصفوۃ ۴: ۲۳۴) مگر ان کی وفات ۱۸۶ھ یا ۱۸۸ھ بتائی جاتی ہے اور ابن حبان کی پیدائش ہی ۲۷۴ھ میں ہوئی۔ لہٰذا ان سے روایت کرنا ناممکن
اخبار اصفہان (۱: ۱۸۸-۱۸۹) میں لکھا ہے کہ یہ ابراہیم بن محمد بن الحارث بن میمون ابو اسحٰق المعروف بابن نائلہ ہیں۔ نائلہ ان کی والدہ کا نام ہے۔ انہوں نے سلیمان بن داؤد سے روایت کی اور ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔

(۶۱۹) سلیمان بن داؤد۔ ابن ابی حاتم نے سترہ اشخاص کا ذکر کیا ہے جس کا نام سلیمان بن داؤد ہے۔ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں صرف آٹھ کا ذکر کیا ہے۔ مگر ان میں سے ایک بھی یہاں مراد نہیں ہے۔ یہاں مراد سلیمان بن داؤد الشاذکونی المنقری ہیں جنہوں نے جعفر بن سلیمان سے روایت کی ہے۔ یہ کذاب اور متروک الحدیث تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱: ۱۱۴-۱۱۵) (۶۲۰) جعفر بن سلیمان ابو سلیمان جعفر بن سلیمان الضبعی البصری انہوں نے مالک بن دینار وغیرہ سے روایت کی۔ ابن معین نے انہیں ثقہ کہا ہے مگر ادریس نے ان کی احادیث لکھنے سے منع کیا ہے۔ مائل بہ تشیع تھے۔ ۱۷۸ھ میں وفات پائی۔
(تہذیب التہذیب ۲: ۹۵-۹۸ و کتاب الجرح والتعدیل: ج ۱ ق ۱: ۴۸۱)۔

(۶۲۱) احمد بن منصور: ابوبکر احمد بن منصور بن محمد الوراق المعروف بالنوشری۔ محمد بن مخلد الدوری وغیرہ سے حدیث سنی۔ پیدائش ۳۰۸ھ اور وفات ۳۸۶ھ (تاریخ بغداد، ۵: ۱۵۵) (۶۲۲) مخلد: محمد بن المخلد ابو عبداللہ الدوری العطار صاحب فہم و علم تھے۔ وسیع روایت والے دین دار امانت دار اور عبادت گذار تھے۔ پیدائش ۲۳۳ھ اور وفات ۳۳۱ھ عمر ننانوے سال آٹھ ماہ گیارہ دن۔ دُور بغداد کی مشرقی جانب آخر شہر میں ایک محلہ کا نام ہے۔ جہاں یہ قیام کرتے تھے۔ تاریخ بغداد ۳: ۳۱۰-۳۱۱)۔

(۶۲۳) ابوالحسین الحسن بن عمرو بن الجہم: ابوالحسین الحسن بن عمرو بن الجہم السبیعی بعض الشیعی کہتے ہیں۔ انہوں نے بشر حافی سے حکایات نقل کی ہیں اور ان سے ابو عمرو بن السماک نے۔ ابن السماک کہا کرتے۔ یہ سبیعی نہیں۔ بلکہ شیعی ہیں۔ اور شیعی سے مراد منصور کی پارٹی (شیعہ) ہے۔ ثقہ تھے ۲۸۸ھ میں وفات پائی۔

(۶۲۴) ابونصر التمار: ابونصر عبدالملک بن عبدالعزیز التمار۔ عابد و زاہد تھے۔ اور ان کا شمار ابدال میں ہوتا تھا۔ مالک بن انس وغیرہ سے حدیث کی روایت کی اور ان سے احمد بن منیع وغیرہ نے۔ اصل میں نسا کے رہنے والے تھے۔ مگر ساری عمر بغداد میں گذاری۔ مسئلہ خلق قرآن میں امام احمد بن حنبل کے ساتھ ان کو سزا دی گئی تو انہوں نے حکومت کی بات مان لی۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل ان سے روایت نہیں کیا کرتے تھے۔ ابوداؤد انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ۹۱ سال کی عمر میں ۲۲۸ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۲: ۶۴؛ تاریخ بغداد: ۱۰: ۴۲۰۔ ۴۲۳۔ تہذیب التہذیب: ۶: ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ کتاب الجرح والتعدیل ج ۲: ق ۲: ۳۵۸) (۶۲۵) خشوع اور تواضع کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو: شرح التعرف: ۳: ۱۲۵۔ ۱۲۸، حیاۃ القلوب: ۲: ۱۹۹۔ ۲۰۰، ۲۲۷۔ ۲۲۹۔

(۶۲۶) علی بن الحسن رسالہ، شرح زکریا انصاری اور شرح گیسو دراز سب میں علی بن حسن ہی دیا ہے۔ مگر ابن ابی حاتم نے یحییٰ بن حماد کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ان سے حسن بن علی الحلوانی نے روایت کی ہے۔ ابو محمد الحسن بن علی الخلال المعروف بالحلوانی۔ حافظ اور ثقہ تھے (تاریخ بغداد: ۷: ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ شذرات الذھب: ۲: ۱۰۰)۔ (۶۲۷) یحییٰ بن حماد: ابوبکر یحییٰ بن حماد بن ابی زیاد الشیبانی۔ ابوعوانہ کے داماد تھے۔ انہوں نے ابوعوانہ اور شعبہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ۲۱۵ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: ۱۱: ۱۹۹۔ ۲۰۰، شذرات الذھب ۲: ۳۵، کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲: ۱۳۷۔ ۱۳۸۔

(۶۲۸) شعبہ بن الحجاج العتکی الازدی۔ امیر المؤمنین فی الحدیث المتوفی ۱۶۰ھ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے (۶۲۹) ابان بن تغلب: رسالہ، شرح زکریا انصاری اور شرح گیسو دراز تینوں میں ابان بن ثعلب بالثاء المثلثہ والعین المھملہ دیا ہے۔ درست ابان بن تغلب ہے (بالتاء المثناۃ الغین المعجمہ) ہے۔ ابوسعد ابان بن تغلب الربعی الکوفی۔ انہوں نے فضیل بن عمرو الفقیمی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے شعبہ وغیرہ نے۔ یہ ان معدودے چند شخصوں میں سے ہیں جنہیں باوجود شیعہ ہونے کے ثقہ کہا گیا ہے۔ انہیں روایات میں اہل الصدق میں سے شمار

کیا گیا ہے۔ ۱۴۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱: ۹۳-۹۴۔ شذرات
۱: ۲۰۱۔ کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۲۹۶-۲۹۷)

(۷۳۰) فضیل الفقیمی: ابو النصر فضیل بن عمرو الفقیمی التیمی الکوفی الحسن بن عمرو
بڑے بھائی ہیں۔ انہوں نے ابراہیم النخعی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان
الحسن وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۸: ۲۹۳؛
الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۲: ۷۳)

(۷۳۱) ابراہیم النخعی: ابو عمران ابراہیم بن یزید النخعی۔ جلیل القدر امام اور فقیہ عراق
نے بچپن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہے۔ نخع قبیلہ مذحج کی ایک شا
انہوں نے چھیالیس سال کی عمر میں ۹۵ھ میں وفات پائی۔ شذرات الذھب

(۷۳۲) علقمہ بن قیس: ابو شبل علقمہ بن قیس النخعی الکوفی یہ اسود بن زید اور عبدالر
کے چچا اور ابراہیم التیمی کے ماموں ہوتے ہیں۔ انہوں نے کبار صحابہ مثلاً عمر بن الخ
عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالبؓ اور عبدالرحمٰن بن مسعودؓ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روا
اور ان سے ابراہیم بن یزید النخعی وغیرہ نے۔ انہیں فقہ اور حدیث میں مقدم سمجھا جا
علی رضی اللہ عنہ کی صحبت میں مدائن آئے اور ان کے ساتھ خارجیوں کے خلاف
جنگ میں شریک تھے۔ جنگِ صفین میں بھی شرکت کی۔ ان کے طور اطوار عبد
مسعودؓ سے مشابہت رکھتے تھے۔ ان کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی۔ اور ۹۰ سال
پائی۔ شذرات الذھب ۱: ۷۰) میں ان کی تاریخ ۶۲ھ دی ہے۔ تاریخ بغدا
۲۹۹-۳۰۰؛ التاریخ الکبیر ج ۴ ق ۱: ۴۱۔ یہاں ان کی تاریخ وفات ۶۱ھ
تذکرۃ الحفاظ ۱: ۴۵-۴۶؛ تاریخ الاسلام ۲: ۵۰۱؛ ۵۲ ذہبی نے بھی ان کا
وفات ۶۲ھ بتایا ہے۔ اور ۷۳ھ کو غلط قرار دیا ہے۔ تہذیب التہذیب ۷: ۲
یہاں ان کی کنیت ابو شبیل دی ہے۔ اور کتاب الجرح والتعدیل ۳ ق ۱: ۴۰
حلیۃ الاولیاء ۲: ۹۸-۱۰۲)

(۷۳۳) علی بن مسہر: ابو الحسن علی بن مسہر الکوفی الحافظ۔ موصل کے قاضی تھے

نے یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ سے روایت کی۔ صالح الحدیث ہیں ثقہ ہیں۔ آخر عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ پھر بھی حافظہ سے حدیث بیان کرتے تھے۔ ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۱: ۳۲۵ ؛ تہذیب التہذیب: ۷: ۳۸۳۔۳۸۴ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۳: ق ۱: ۲۰۴)۔

(۶۳۴) مسلم الاعور: ابو عبداللہ مسلم بن کیسان الضبی الملائی، البراد، الکوفی الاعور انہوں نے انس بن مالک سے روایت کی ہے۔ اور ان سے علی بن مسہر وغیرہ نے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ آخر عمر میں ان کی عقل میں فتور آ گیا تھا۔ انہیں متروک الحدیث اور ضعیف خیال کیا جاتا ہے۔ ۱۴۱ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ الاسلام: ۵: ۲۰۱ ؛ تہذیب التہذیب ۱۰: ۱۳۵۔۱۳۶ ؛ التاریخ الکبیر ج ۴ ق: ۱: ۲۷۱ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۱۹۲۔ ۱۹۳)۔

(۶۳۵) بنی قریظہ اور بنی نضیر کی جنگ ۵ھ میں غزوہ خندق سے واپسی پر ہوئی۔ شذرات الذھب: ۱: ۱۱) (۶۳۶) حذیفہ سے یہاں مراد حذیفہ بن الیمان صحابی ہیں۔ ابو عبداللہ حذیفہ بن الیمان اور یمان لقب ہے۔ حسیل بن جابر بن ربیعہ بن عمرو بن جروہ کا بعض کہتے ہیں کہ جروہ ہی کا نام یمان ہے۔ ابن العماد کہتے ہیں کہ انہیں ابن الیمان اس لئے کہا گیا کہ ان کے دادا قتل کر کے مدینہ بھاگ گئے تھے اور وہاں بنی عبدالاشہل کے حلیف بن گئے تھے اور بنی عبدالاشہل یمن کے رہنے والے ہیں۔ ان کا خاص وصف یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تمام منافقین کے نام بتائے ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر اس وقت تک کسی میت کی نماز جنازہ نہ پڑھاتے تھے۔ جب تک حذیفہ اس میں شامل نہ ہوں۔ اس خوف سے کہ کہیں میت منافقین میں سے نہ ہو۔ ۳۶ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۱: ۴۴ ؛ صفۃ الصفوۃ: ۱: ۲۴۹۔۲۵۲ ؛ اسد الغابہ: ۱: ۳۹۰۔۳۹۲ ؛ تاریخ الاسلام: ۲: ۱۵۲۔۱۵۳)۔

(۶۳۷) ابراہیم بن عبداللہ: ابو اسحاق ابراہیم بن عبداللہ بن اسحاق الاصبہانی المعروف بالقصار۔ چونکہ یہ زاہد و پرہیزگار تھے۔ اس لئے لوگ ان سے مردوں کو نہلوایا کرتے تھے۔ جس وجہ

سے ان کا نام نصار پڑ گیا۔ عبادت گذار اور متبع سنت تھے۔ انکا ایک بیٹا ابو سعید تھا جو انکی زندگی ہی میں مر گیا تھا۔ انہوں نے ایک سو تین سال کی عمر میں ۲۷۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۶: ۱۲۷، شذرات الذھب: ۲: ۱۸۰، اخبار اصبہان: ۱: ۲۰۱) (۶۳۸) ابو یوسف محمد بن کثیر المصیصی الصنعانی ابن عماد انہیں حسن الحدیث لکھتے ہیں مگر ابن ابی حاتم اور ابن حجر دونوں اسے غیر ثقہ اور ضعیف قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے ۲۱۶ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۲: ۳۸، تہذیب التہذیب: ۹: ۴۱۵-۴۱۷) ابن حجر نے انکی کنیت ابو الربیع دی ہے۔ اور کتاب الجرح والتعدیل ج ۴، ق ۱: ۶۹-۷۰) (۶۳۹) ہارون بن حیان: ہارون بن حیان الرقی۔ انہوں نے خصیف وغیرہ سے روایت کی۔ اور اسے محمد بن کثیر الصنعانی وغیرہ نے۔ کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴: ق ۲: ۸۸) (۶۴۰) خصیف: رسالہ شرح زکریا انصاری اور شرح گیسو دراز میں حصیف دیا ہے مگر میں نے درست متن میں لکھا ہے۔ ابو عون خصیف بن عبدالرحمٰن الجزری الحرانی۔ انہوں نے حضرت انس کو دیکھا ہے۔ انہوں نے سعید بن جبیر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ہارون بن حیان نے۔ ابن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ انصاف کی بات یہ ہے کہ انکی جو روایت ثقہ لوگوں کی روایت سے موافقت کرے اسے قبول کر لیا جائے اور جو نہ کرے اسے ترک کر دیا جائے۔ انہوں نے ۱۳۷ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۱: ۲۰۶، تہذیب: ۳: ۱۴۲-۱۴۴، تاریخ الکبیر ج ۲ ق ۱: ۲۰۸) (۶۴۱) سعید بن جبیر: ابو عبداللہ سعید بن جبیر الکوفی الاسدی الوالبی۔ ائمہ اعلام میں سے تھے۔ انہوں نے ابن عباس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے خصیف وغیرہ نے۔ جب کوفہ کے لوگ ابن عباس سے مسائل پوچھنے کو آتے تو آپ فرماتے۔ تمہارے ہاں سعید بن جبیر ہے اس سے پوچھ لیا کرو۔ یہ سیاہ رنگ کے تھے۔ حجاج کے خلاف بغاوت میں ابن الاشعث کا ساتھ دیا۔ مگر ابن الاشعث کو شکست ہوئی تو یہ چھپ گئے اور بارہ سال ادھر ادھر گھومتے پھرے۔ بالآخر حجاج کے قابو میں آ گئے اور اس نے انہیں ۹۵ھ میں قتل کرا دیا۔ انکی عمر ۴۹ سال تھی۔ یہ آخری شخص تھے جنہیں حجاج نے قتل کیا۔ تاریخ الاسلام ۴، ۲-۴، شذرات الذھب: ۱: ۱۰۸-۱۱۰، حلیۃ الاولیاء ۴: ۲۷۲-۳۰۹، تہذیب التہذیب: ۴: ۱۱-۱۴، کتاب الجرح والتعدیل، ج ۲: ق ۱: ۹-۱۰، البدایہ والنہایہ: ۹: ۹۶-۹۹، التاریخ الکبیر: ج ۲: ق ۱: ۴۶۲، صفۃ الصفوۃ: ۳: ۴۲-۴۴، تذکرۃ الحافظ: ۱: ۷۱تا

۳۷ ۲۴۲) وھب: وھب سے یہاں مراد ابوعبداللہ وھب بن منبہ الصنعانی سے ہے۔ کسریٰ نے کچھ لوگ یمن کو بھیجے تھے یہ انہی کی اولاد میں سے تھے۔ ان لوگوں کو جو ان ایرانیوں کی نسل میں سے ہوئے "ابناء" کہا جاتا ہے۔ یہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ وھب فرماتے ہیں کہ میں نے بہتر آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ انکی ایک چھوٹی سی تصنیف بھی ہے جس میں انہوں نے حمیری خاندان کی تاریخ بیان کی ہے۔ انہیں گزشتہ امتوں اور انکے احوال معلوم کرنے سے بہت شغف تھا۔ انہوں نے ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۱: ۱۵۰ زصفۃ الصفوۃ: ۲: ۱۲۴-۱۲۷ زالبدایۃ والنہایۃ ۹: ۲۷۶-۲۰۲-۳۰۲) (۶۴۳) زید بن ثابت: ابوخارجہ زید بن ثابت بن الضحاک الانصاری کاتب وحی تھے یہ ابھی چھ سال کے تھے کہ انکے والد بعاث کے جنگل میں مارے گئے۔ ہجرت کے وقت انکی عمر گیارہ سال تھی۔ حضرت ابنِ عباس ان کے گھر علم حاصل کرنے کیلئے آیا کرتے تھے۔ یہ بھی انکی بہت تعظیم کرتے۔ چھپن سال کی عمر میں ۴۵ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہودیوں سے لکھنا سیکھا تھا۔ عمدہ کتابت کیا کرتے۔ اسی لئے کاتب وحی مقرر ہوئے۔ شذرات الذھب: ۱: ۵۴ زتذکرۃ الحفاظ: ۱: ۲۹-۳۰ زاسد الغابہ: ۲: ۲۲۱: ۲۲۳) (۶۴۴) عروۃ بن زبیر ابوعبداللہ عروۃ بن الزبیر بن العوام۔ تابعی ہیں اور عبداللہ بن زبیر کے بھائی ہیں۔ عبداللہ ان سے بیس سال بڑے تھے۔ ان کا شمار مدینہ کے سات فقہا میں ہوتا ہے۔ ۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۴ھ میں وفات پائی۔ شذرات الذھب: ۱: ۱۰۳-۱۰۴ زتہذیب التہذیب: ۷: ۱۸۰-۱۸۵ زتاریخ الاسلام ۴: ۳۱-۳۴ زتذکرۃ الحفاظ: ۱: ۵۸-۵۹)

(۶۴۵) (۱) اس واقعہ کیلئے ملاحظہ ہو کتاب اللمع: ۱۳۷- (۶۴۶) عبداللہ الرازی سے مراد ابومحمد عبداللہ بن محمد رازی سے ہے۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ (۶۴۷) محمد بن احمد بن ہارون: ابو احمد محمد احمد بن ہارون بن بندار الاسترآبادی۔ یہ ہارون استرآبادی کے بڑے بھائی ہیں۔ انہوں نے ابوشعیب حرانی سے روایت کی ۳۴۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ جرجان: ۲۹۵-۲۹۶) (۶۴۸) محمد بن العباس الدمشقی الخیاط، یہ جرجان آئے انہوں نے ہشام بن عمار سے روایت کی اور ان سے ابوبکر اسماعیلی وغیرہ نے ۲۹۰ھ کے بعد وفات پائی۔ (تاریخ جرجان: ۳۷۱) (۶۴۹) رجاء بن حیوۃ ابوالمقدم رجاء بن حیوۃ الکندی الشامی الفقیہ یہ شریف اور کامل السیادت تھے۔ معاویہ وغیرہ سے روایت کی۔

مکحول انہیں سید اہل شام کہا کرتے تھے ۱۱۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ الاسلام: ۴: ۲۴۹-۲۵۰ز شذرات الذھب ۱: ۱۴۶ز صفۃ الصفوۃ: ۴: ۱۸۶-۱۸۷ز تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۱۱۱) (۶۵۰) عبداللہ بن محمد واسع یہ محمد بن واسع بن جابر الازدی کے بیٹے ہیں۔ محمد بن واسع نے حضرت انس رضی اللہ سے حدیث سنی۔ مگر ان کی روایت کی ہوئی احادیث صرف پندرہ ہیں۔ بڑے پرہیز گار تھے۔ ثقہ اور عابد و صالح ہیں لوگ ان کی زیارت سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے ان کے پاس آتے تھے۔ ان کے بیٹے عبداللہ کا واقعہ یہاں بیان کیا گیا ہے۔ اس کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام: ۵: ۱۵۹-۱۶۲ از صفۃ الصفوۃ: ۳: ۱۹۰-۱۹۵) بلال: بلال بن رباح الحبشیؓ۔ ابوبکر صدیقؓ کے آزاد کردہ غلام۔ ان کی والدہ کا نام حمامہ ہے۔ سابقین اولین میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں انہوں نے سخت تکالیف جھیلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر شام چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا: بلال! یہ جفا کیسی؟ میری زیارت کو کیوں نہیں آتا؟ بیدار ہوتے ہی سواری لی۔ اور مدینہ آئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب انہوں نے مدینہ میں اذان دی۔ تو تمام شہر میں زلزلہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ تمام صحابہ زار و قطار رونے لگے۔ انہوں نے دمشق میں ۱۸ھ یا ۲۰ھ میں وفات پائی۔ ان کی عمر ساٹھ سال سے اوپر ہوئی۔ (شذرات الذھب: ۱: ۳۱ز صفۃ الصفوۃ ۱: ۱۷۱؛ تاریخ الاسلام: ۲: ۳۱-۳۳ز اسد الغابہ ۱: ۲۰۶-۲۰۹) (۶۵۲) ابوذرؓ: جندب بن جنادہ الغفاری المتوفی ۳۲ھ ان کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔ (۶۵۳) حسن بن علی؛ سبط رسول اللہ وریحانتہ ابو محمد الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما۔ انہوں نے پچیس ۲۵ حج پیدل کئے ہیں۔ حالانکہ سواری ساتھ ہوتی تھی۔ نہایت سخی تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وفات کے بعد حضرت معاویہ کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے۔ سینتالیس سال کی عمر میں ۵۰ھ میں یا ۴۹ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۱: ۵۵-۵۶ز تاریخ الاسلام: ۲: ۲۱۶-۲۲۰) جو واقعہ یہاں بیان کیا گیا ہے اس کے لئے ملاحظہ ہو شذرات الذھب: ۱: ۵۶۔

(۶۵۴) معاذ؛ معاذ بن جبلؓ مشہور صحابی ہیں۔ علماء صحابہ میں سے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ایمان لائے اور ۲۸ سال عمر پائی۔

لتہ میں انتقال ہوا۔ ان سے ۷ ۱۵ احادیث مروی ہیں۔ (تاریخ الاسلام: ۲: ۲۴-۲۵ ز
ات الذھب ۱: ۲۹-۳۰ ز تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۱۸-۲۱ ز اسد الغابہ ۴: ۲۷۶-۸ ۲۷۳ ز صفۃ
صفوۃ ۱: ۱۹۵-۲۰۱)۔ (۶۵۵) مخالفت نفس اور اسکے عیوب کی بحث کیلئے ملاحظہ ہو۔ نتائج الافکار القدسیۃ
: ۲-۲۲ ز احیاء العلوم ۳: ۷۴-۷۷، حیاۃ القلوب ۲: ۲۴-۳۲۔ (۶۵۶) تمتام: ابوجعفر محمد بن غالب بن حرب
ی البصری الحافظ المعروف بہ تمتام۔ ۱۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں سکونت اختیار کی عفان
لم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے موسیٰ بن ہارون نے۔ کثیر الحدیث اور صدوق تھے۔ ۲۸۳ھ
فات پائی۔ (تاریخ بغداد ۳: ۱۴۳-۱۴۶۔ ز شذرات الذھب ۲: ۱۸۵ از المنتظم ۵: ۱۶۹ از تذکرۃ
ظ ۲: ۱۷۲)۔ (۶۵۷) محمد بن معاویہ النیساپوری: ابوعلی محمد بن معاویہ النیساپوری، پہلے بغداد میں رہے
ہ چلے گئے۔ انہوں نے سلیمان بن بلال وغیرہ سے روایت کی اور ان سے یحییٰ الحمانی وغیرہ نے۔ یہ
ت خود ثقہ اور نیک آدمی تھے۔ مگر ان کو جیسا کہہ دیا جاتا اسی طرح کہہ دیتے۔ لہٰذا اگر کوئی انہیں یہ کہہ
کہ یہ تو آپکی حدیث ہے یہ قبول کر لیتے۔ اور اس کی روایت کرنے لگ جاتے پھر ایک اور آتا اور کہتا
یعلی رازی کی حدیث ہے اور آپ بھی تو اسکے ساتھ تھے۔ لہٰذا اسی خیال پر یہ بھی اس حدیث کی
یت کرنے لگ جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر علمأ حدیث نے انکی احادیث کو قابلِ قبول نہیں سمجھا انکی
ت ۲۲۹ھ میں مکہ میں ہوئی (تہذیب التہذیب ۹: ۴۶۴-۴۶۵ ز التاریخ الکبیر ج ۱ ق ۱: ۲۴۵-
۲ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۱۰۳-۱۰۴ از تاریخ بغداد ۳: ۲۷۰-۲۷۴)

(۶۵۸) علی بن ابی علی بن عتبہ بن ابی لہب، انہوں نے محمد المنکدر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے
ابی فدیک وغیرہ نے۔ ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۳:
۱: ۱۹۷)

(۶۵۹) محمد بن المنکدر: ابوعبداللہ محمد بن المنکدر بن عبداللہ ہدیر التیمی۔ ائمہ اعلام میں سے ہیں۔ انہوں
نے اپنے باپ منکدر سے روایت کی ہے اور منکدر صحابی ہیں۔ ان سے انکے دونوں بیٹوں یوسف
منکدر اور انکے بھتیجے ابراہیم اور عبدالرحمٰن وغیرہ نے کی۔ معدن صدق اور ثقہ تھے۔ صالحین کا
کے ہاں اجتماع ہوتا۔ چہتر سال کی عمر میں ۱۳۰ھ یا ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب
: ۳۷۴-۴۷۵ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۹۷-۹۸ ز التاریخ الکبیر ج ۱ ق ۱: ۲۱۹-

۲۲۰۔ (۶۶۰) جابر بن عبداللہ: تین صحابیوں کا نام جابر بن عبداللہ ہے مگر یہاں پر جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام سلمی انصاری سے مراد ہے ان کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی صحابی ہیں۔ وہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ یہ عقبہ ثانیہ کے موقعہ پر اپنے والد کے ساتھ موجود تھے۔ اس وقت یہ بچے تھے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سترہ جنگوں میں شرکت کی۔ بڑے عالم اور کثیر الروایات ہیں۔ مسجد نبوی میں ان کا حلقہ درس ہوتا تھا۔ ۹۴ سال کی عمر میں [illegible]ھ میں وفات پائی۔ شذرات الذھب: ۱: ۸۴؛ اسد الغابہ: ۱: ۲۵۶-۲۵۸؛ تاریخ الاسلام: ۳: ۱۴۳-۱۴۵)۔ (۶۶۱) اس واقعہ کیلئے ملاحظہ ہو صفۃ الصفوۃ: ۲: ۲۸۴۔ (۶۶۲) الحسین بن یحییٰ بن زکریا الفقیہ الشافعی (۶۶۳) اللکام: بالضم وتشدید الکاف۔ کاف کو مخفف بھی پڑھا جاتا ہے۔ انطاکیہ مصیصہ اور طرسوس کے پہاڑ کا نام ہے۔ (معجم البلدان: ۵: ۲۲۔)

(۶۶۴) ابن طولون: امیر ابوالعباس احمد بن طولون حاکم مصر و شام۔ یہ عادل شجاع اور اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ مگر اس میں ایک کمزوری یہ تھی کہ طبیعت میں طیش پایا جاتا تھا۔ چنانچہ کثیر التعداد لوگ اس کی تلوار سے اور اس کے قید خانے میں مرے۔ حافظ قرآن تھا۔ اور نہایت عمدہ آواز سے قرآن پڑھتا تھا۔ ابن طولون نے ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ (ابن خلکان: ۱: ۱۵۵-۱۵۷)۔

(۶۶۵) ابو عبداللہ المغربی: ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل المغربی۔ ابراہیم خواص کے استاد تھے اور جبل طور پر رہا کرتے تھے ان کے استاد علی بن رزین ہیں۔ اور استاد اور شاگرد دونوں نے ایک سو بیس سال عمر پائی۔ ان کی وفات ۲۹۹ھ میں ہوئی۔ ابراہیم بن شیبان فرماتے ہیں کہ میں تیس سال ان کی صحبت میں رہا۔ ایک دن گیا تو آپ کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے مجھے بھی کھانے کو فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ کی صحبت میں تیس سال ہو گئے ہیں آپ نے مجھے آج تک کھانے کی دعوت نہیں دی۔ آج کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ میرا کھانا صرف متقی شخص ہی کھائے گا۔ چنانچہ آج مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تو متقی ہے۔ (شذرات الذھب: ۲: ۲۳۴-۲۳۵؛ صفۃ الصفوۃ: ۴: ۳۰۵-۳۰۶)۔

(۶۶۶) الحسین بن علی القرمیسینی۔ ان کے حالات نہ مل سکے۔

(۶۶۷) عصام بن یوسف البلخی عصام بن یوسف الزاھد البلخی انہوں نے عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی رواد سے روایت کی اور ان سے عاصم بن زمزم بلخی نے (کتاب الجرح و

التعدیل۔ ج ۳ ق ۲ : ۲۶)۔

(۶۶۸) حسد کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو سراج القلوب : ۱ : ۱۶۴-۱۶۸ ؛ زحیاۃ القلوب : ۲ : ۴۲-۲۷ ؛ زاحیاء العلوم : ۳ : ۱۸۳-۱۹۷ ؛ ز نتائج الافکار القدسیہ : ۳ : ۳۱-۳۳ (۶۶۹) اسمٰعیل بن الفضل : ابوبکر اسمٰعیل بن الفضل البلخی۔ یہ عبدالصمد بن الفضل کے بھائی ہیں۔ انہوں نے بغداد میں سکونت اختیار محمد بن الحسن وغیرہ سے روایت کی۔ ثقہ تھے ۲۸۶ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۶ : ۲۹۰ ؛ ۲۹۱) (۶۷۰) یحیٰی بن مخلد : ابوزکریا یحیٰی بن مخلد البغدادی یہ بغداد میں محلہ دارالقطن کے قریب رہتے تھے ان سے ابوعبدالرحمٰن النسائی وغیرہ نے روایت کی۔ ثقہ تھے۔ (تاریخ بغداد : ۱۴ : ۲۰۷-۲۰۸ ؛ زتہذیب التہذیب ۱۱ : ۲۸۷) (۶۷۱) معبد الجہنی البصری۔ یہ بصرہ کے تابعین میں سے تھے، ثقہ تھے اور سچے تھے مگر اسلام میں یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے تقدیر پر اعتراض کئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو تمام صفات سے معرا سمجھتے تھے۔ اور خلقِ قرآن کے قائل تھے۔ (تہذیب التہذیب : ۱ : ۲۲۵-۲۲۶ زکتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱ : ۲۸۰)۔ (۶۷۲) ابی قلابہ : ابوقلابہ عبداللہ بن زید الجرمی البصری۔ جلیل القدر تابعین میں سے تھے انہوں نے جلیل القدر صحابہ سے روایت کی۔ اور ان سے قتادہ وغیرہ نے۔ ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں ۱۰۴ھ میں وفات پائی (تاریخ الاسلام : ۴ : ۲۲۱-۲۲۳ زصفتہ الصفوۃ : ۳ : ۱۶۰-۱۶۱)۔

(۶۷۳) اصمعی : ابوسعید عبدالملک بن قریب الباہلی البصری الاصمعی۔ انہوں نے ابن عون وغیرہ سے روایت کی۔ خلفاء ان کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔ ان کی تیس سے زائد تصانیف ہیں۔ عربی زبان کے مشہور لغت داں ہیں۔ انہوں نے ۸۸ کی عمر میں ۲۱۶ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب : ۲ : ۳۶-۳۸ زتاریخ بغداد : ۱۰ : ۴۱۰ (۶۷۴) رسالہ کے الفاظ یہ ہیں۔ ترکت الحسد فبقیت مگر شذرات میں یوں دیا ہے ترکت الحسد فبقی الجسد۔ (۶۷۵) معاویہ : معاویہ بن ابی سفیان۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہوئے تو یہ خلیفہ بنے۔ خلافت بنوامیہ کے یہ بانی ہیں۔ حضرت عمر اور عثمان کی طرف سے بیس سال شام کے حاکم رہے اور حضرت علی کی شہادت کے بعد بھی بیس سال خلافت کی۔ ۶۰ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب : ۱ : ۶۵)۔ (۶۷۶) یہاں پر شرح گیسو دراز میں غلط عبارت چھپی ہے۔ اور خواجہ صاحب نے ترجمہ بھی اسی طرح غلط کیا ہے۔

(۶۷۷) المعتز: عبداللہ بن المعتز عربی زبان کے مشہور شاعر اور خلیفہ المعتز کا بیٹا ۲۹۶ھ میں قتل ہوا۔ (لٹریری ہسٹری آف دی عربز: ۲۲۵ اور شذرات الذھب: ۲: ۲۲۱-۲۲۴)

(۶۷۸) غیبت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۴۲۶ز احیاء العلوم: ۳: ۱۳۸ - ۱۵۱-)

(۶۷۹) علی بن الحسن: علی بن الحسن البسنجانی۔ عبداللہ بن حسن کے بھائی۔ انہوں نے یحیٰی عبداللہ بن بکر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابن ابی حاتم وغیرہ نے ثقہ اور صدوق تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل: ج ق: ۱: ۱۸۱)۔

(۶۸۰) اسحٰق بن عیسٰی..... ابن بنت داؤد بن ابی ھند ابو ہاشم اسحٰق بن عیسٰی القشیری ابن بنت داؤد ابی ہند انہوں نے سفیان ثوری وغیرہ سے حدیث سُنی اور ان سے اسحٰق بن بہلول التنوخی وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ انہوں نے مکہ میں رہائش اختیار کر لی تھی اور مکہ کے خازن بھی رہے۔ (تاریخ بغداد: ۶: ۳۱۸ ز تہذیب التہذیب: ۱: ۲۴۵ ز کتاب الجرح والتعدیل: ج اق ۱: ۲۳۰)

(۶۸۱) محمد بن ابی حمید: ابو ابراہیم محمد بن ابی حمید الانصاری المدنی الملقب بہ حماد انہوں نے موسیٰ بن وردان وغیرہ سے روایت کی اور ان سے سعید بن ابی ہلال وغیرہ نے یہ ثقہ نہیں ہیں۔
تہذیب التہذیب: ۹: ۱۳۲-۱۳۴ از کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۲: ۲۳-۲۳)

(۶۸۲) موسیٰ بن وردان: ابو عمر موسیٰ بن وردان القرشی العامری البصری۔ انہوں نے ابوہریرہ وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ان کے بیٹے سعید وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۳۷۶-۳۷۷) کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۱۶۴)

(۶۸۳) عوف: عوف بن ابی جمیلۃ العبدی الہجری المعروف بالاعرابی۔ انہوں نے ابن سیرین، حسن بصری وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے شعبہ وغیرہ نے ثقہ۔ امین۔ صدوق اور کثیر الحدیث ہیں۔ ان کے امین اور سچا ہونے میں کسی کو شک نہیں۔ مگر شیعی اور قدری تھے۔ ۸۱ سال کی عمر میں ۱۴۶ھ میں وفات پائی (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۲: ۱۵ از تہذیب: ۸: ۱۶۶-۱۶۷ از شذرات الذھب: ۱: ۲۱۷ ز التاریخ الکبیر ۴ ق ۱: ۵۸) امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ قتادہ سے دو سال بڑے تھے۔ قتادہ کی ولادت ۶۱ھ میں ہوئی۔ لہٰذا ان کی ولادت ۵۹ھ میں ہونی چاہیئے۔ اور اکاسی

سال کی عمر پائی۔ اس طرح ان کا سال وفات ۱۲۰ھ ہوتا ہے۔ مگر ۱۲۶ھ پر سب کا اتفاق ہے۔ لہٰذا ان کی عمر چھیاسی سال کی ہونی چاہیئے۔ تہذیب التہذیب میں ستۃ وثمانون سنۃ چھپا ہے۔ غلط ہے۔ ست وثمانون سنۃ چاہیئے جیسا کہ تقریب میں ہے۔

(۶۸۴) ابن سیرین: محمد بن سیرین ابوبکر۔ انہیں امام المعبرین کہا جاتا ہے۔ ان کی والدہ صفیہ ابوبکر صدیق کی آزاد کردہ لونڈی تھیں اور یہ خود انس بن مالک کے غلام تھے۔ انہوں نے بیس ہزار درہم ادا کر کے اپنے کو آزاد کرایا۔ بزاز تھے۔ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں۔ ستر سال کی عمر میں ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۱: ۱۳۸-۱۳۹)

(۶۸۵) حجاج: حجاج بن یوسف الثقفی۔ شجاع مہیب اور نصیح اللسان تھے۔ قتل کرنے میں قطعاً پس وپیش نہ کرتے تھے۔ چنانچہ کافی لوگ ان کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ پہلے حجاز کے گورنر ہوئے پھر عراق وخراستان کے بیس سال گورنر رہے۔ جب عراق کے گورنر رہے تو ان کی عمر اس وقت ۳۳ سال تھی۔ بچپن سال کی عمر میں ۹۵ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۱: ۱۰۶)

(۶۸۶) سفیان بن حسین: ابومحمد سفیان بن حسین بن الحسن الواسطی السلمی المعلم انہوں نے ایاس بن معاویہ سے روایت کی ہے اور ان سے شعبہ وغیرہ نے۔ صدوق اور ثقہ ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان کی احادیث کو بطور دلیل پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ہارون کے عہد میں مہدی کے ساتھ ری میں وفات وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: ۴: ۱۰۷-۱۰۸ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱: ۲۲۷-۲۲۸)

(۶۸۷) ایاس بن معاویہ: ابو واثلہ ایاس بن معاویہ المزنی اللیثی۔ ان کی ذکاء عربوں میں ضرب المثل تھی۔ انہوں نے انس بن مالک وغیرہ سے روایت کی۔ ابن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے مگر صحاح ستہ میں ان کی کوئی روایت نہیں۔ انہوں نے اور ان کے باپ دونوں نے چھیانوے سال عمر پائی۔ اور انہوں نے ۱۲۲ھ میں رحلت فرمائی۔ (شذرات الذھب: ۱: ۱۶۰)

(۶۸۸) سہل بن عثمان العسکری: ابومسعود سہل بن عثمان العسکری الحافظ انہوں نے حماد بن زید وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے مسلم وغیرہ نے۔ صدوق اور ثقہ ہیں۔ ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۲: ۲۶؛ تہذیب التہذیب: ۴: ۲۵۵-۲۵۶؛ شذرات الذھب: ۲: ۷۸؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۲، ق ۱: ۲۰۳)۔

(۶۸۹) ربیع بن بدر: ابوالعلاء الربیع بن بدر التیمی السعدی الملقب بہ عُلَیلَہ۔ انہوں نے ابوالز
وغیرہ سے روایت کی اور ان سے عبداللہ بن عوف بن ارطبان وغیرہ نے۔ اصل میں بصرہ کے رہنے وا
تھے۔ بغداد آئے تو لوگوں نے ان سے حدیث لکھی۔ یہ ضعیف اور متروک الحدیث ہیں۔ ۱۷۸ھ
وفات پائی۔ تاریخ بغداد: ۸: ۴۱۵-۴۱۷۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ا ق ا: ۴۵۵)

(۶۹۰) ابان: یہاں ابان سے مراد ابو اسمٰعیل ابان بن ابی عیاش فیروز البصری سے ہے۔ انہوں نے
انس سے کثرت سے روایت کی ہے اور ان سے ابو اسحٰق الفزاری وغیرہ نے۔ بذاتِ خود صالح آد
تھے۔ مگر ان میں حافظہ کی خرابی پائی جاتی تھی۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ابو زرعہ سے جب ان کے متعلق پو
گیا۔ تو فرمایا۔ ان کی حدیث متروک ہے۔ پھر سوال کیا کہ کیا یہ جھوٹ بولتے ہیں؟ فرمایا۔ نہیں۔ مگر یہ ایک
حدیث انسؓ سے سنتے اور ایک حسن سے پھر اس کے بعد ان میں تمیز نہ کر سکتے تھے کہ کون سی حدیث
کس سے سُنی ہے۔ مالک بن دینار اُنہیں طاؤس القراء کہتے ہیں۔ انہوں نے ۱۳۸ھ میں وفات
پائی۔ تہذیب التہذیب ۱: ۹۷-۱۰۱ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۱: ق ۱: ۲۹۵-۲۹۶)

(۶۹۱) ابن عدی اور ابو الشیخ کتاب ثواب الاعمال میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت انس
سے ضعیف سند سے روایت کی گئی ہے۔ (المغنی عن حمل الاسفار: ۳: ۱۲۹)

(۶۹۲) ابو طاہر محمد بن اُسید الرقی: ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

(۶۹۳) ملاحظہ ہو۔ صفۃ الصفوۃ: ۲: ۲۸۳-۲۸۴ جہاں اسی قسم کا واقعہ دیا ہے۔ جو ابراہیم
الاجری سے پیش آیا۔

(۶۹۴) ابو جعفر البلخی فقہ میں مہارت کی وجہ سے انہیں ابو حنیفہ الصغیر کہا جاتا تھا۔ محمد بن عقیل بلخی
سے روایت کی۔ بخارا میں ۳۶۲ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۳: ۴۱)

(۶۹۵) قناعت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ احیاء علوم الدین: ۳: ۲۳۲-۲۳۷ (حیاۃ القلوب
: ۱۶۳-۶۵)

(۶۹۶) ابو عمرو محمد بن جعفر بن مطر: ابو عمرو محمد بن جعفر بن محمد بن مطر المعدل النیساپوری الزاھد۔
انہوں نے ابو عمر احمد بن المبارک المستملی وغیرہ سے روایت کی۔ بہت پارسا اور قانع شخص تھے۔
سنت کی متابعت میں سخت کوشاں تھے۔ پچانوے سال کی عمر پاکر ۳۶۰ھ میں وفات پائی۔

(شذرات الذهب : ۲ : ۲۱؛ البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۲۷)

(۶۹۷) محمد بن موسیٰ الحلوانی : ابوجعفر محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ الحلوانی۔ انہوں نے نصر بن علی وغیرہ سے روایت کی ۔صدوق اور ثقہ ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱ : ۸۵) مگر ابن حجر نے تہذیب التہذیب (۵ : ۱۳۸) عبداللہ بن ابراہیم سے روایت کرنے والوں کے جو نام دیئے ہیں۔ ان میں محمد بن موسیٰ حلوانی کی بجائے ۔محمد بن موسیٰ حرشی دیا ہے۔ ابوجعفر محمد بن موسیٰ بن نفیع الحرشی الملقب بہ شاباص حافظ حدیث ہیں۔ انہوں نے خلیفہ بن خیاط وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے محاملی اور صفار وغیرہ نے۔ ثقہ اور حافظ ہیں۔ (تہذیب التہذیب : ۹ : ۴۸۲؛ تاریخ بغداد : ۳ : ۲۴۰؛ کتاب الجرح و التعدیل ج ۴ ق ۱ : ۸۴)

(۶۹۸) عبداللہ بن ابراہیم الغفاری ابومحمد عبداللہ بن ابراہیم الغفاری المدنی۔ یہ ابوذر غفاری کی اولاد میں سے تھے۔ انہوں نے منکدر بن محمد بن منکدر سے روایت کی۔ اور ان سے سلمہ بن شبیب وغیرہ نے۔ منکر الحدیث ہیں۔ ثقات سے احادیث کی اُلٹ پلٹ کر کے روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب : ۵ : ۱۳۷ - ۱۳۸)

(۶۹۹) المنکدر بن محمد المنکدر المنکدر بن محمد بن المنکدر القرشی التیمی المدنی۔ اُنہوں نے اپنے باپ محمد بن المنکدر اور دیگر رواۃ سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ وغیرہ نے ۔حافظ نہ تھے۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ یہ صالح اللسان تھے ۔مگر حدیث کو سمجھنے میں اکثر غلطی کر جاتے تھے ۔سنہ ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۳۱۷ - ۳۱۸؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱ : ۴۰۶)

(۷۰۰) باپ ۔یعنی محمد بن المنکدر۔ ابوعبداللہ محمد بن المنکدر بن عبداللہ مشہور علماء میں سے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے باپ المنکدر اور ابوہریرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے دونوں بیٹوں یوسف اور منکدر نے۔ ان کے پاس صالحین کا اجتماع ہوتا تھا۔ خود معدنِ صدق تھے سنہ ۱۳۱ھ میں چھہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۹ : ۴۷۳ - ۴۷۵؛ کتاب الجرح والتعدیل ج - ق ۱ : ۹۷)

(۷۰۱) عبداللہ بن ایوب القرنی : رسالہ اور شرح گیسو دراز میں القرنی (نون کے ساتھ) دیا ہے۔ شرح زکریا انصاری میں المقرئ دیا ہے۔ مگر درست القربی ہے۔ جیسا کہ تاریخ بغداد میں ہے۔ ابومحمد

عبداللہ بن ایوب بن زاذان الضریر المعروف بالقربی البصری۔ یہ بغداد آئے۔ اور وہاں ابوالولید الطیالسی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابوسہل بن زیاد وغیرہ نے دارقطنی کہتے ہیں کہ یہ متروک ہیں۔ ۲۹۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۹: ۴۱۲)

(۷۰۲) ابوالربیع الزہرانی: ابوالربیع سلیمان داؤد الزہرانی العتکی البصری: انہوں نے مالک بن انس وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور ان سے احمد بن حنبل نے۔ انہوں نے بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ثقہ تھے۔ ۲۳۴ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۶: ۳۸-۴۰

(۷۰۳) اسمٰعیل بن زکریا: ابوزیاد اسمٰعیل بن زکریا الخلقانی الملقب بہ شقوصا۔ یہ دراصل کوفہ کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے اسمٰعیل بن ابی خالد وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور ان سے ابوالربیع زہرانی وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ ۱۷۳ھ پینسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۶: ۲۱۵-۲۱۸) تہذیب التہذیب: ۱: ۲۹۷-۲۹۸) کتاب الجرح والتعدیل ج اق ۱: ۱۷۰)

(۷۰۴) ابورجاء محرز بن عبداللہ الجزری۔ ھشام بن عبدالملک کے آزاد کردہ غلام۔ انہوں نے برد بن سنان وغیرہ روایت کی۔ اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔ ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۵۶-۵۷ زکتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۳۴۵)

(۷۰۵) برد بن سنان: ابوالعلاء برد بن سنان الدمشقی۔ انہوں نے بصرہ میں رہائش اختیار کر لی تھی ان کا شمار جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے واثلہ بن الاسقع سے روایت کی ہے۔ اور ان سے سفیان ثوری وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ ۱۳۵ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱: ۴۲۸-۴۲۹ زکتاب الجرح والتعدیل ج اق ۱: ۴۲۳ تاریخ الاسلام: ۵: ۲۳۱)

(۷۰۶) مکحول: ابوعبداللہ مکحول: ابوعبداللہ مکحول بن ابی مسلم۔ یہ فقیہ شام اور اہل دمشق کے شیخ ہیں۔ انہوں نے واثلہ بن اسقع وغیرہ سے روایت کی۔ ۱۱۳ھ وفات پائی۔ (تاریخ الاسلام: ۵: ۲-۶)

(۷۰۷) واثلہ بن الاسقع: واثلہ بن الاسقع اللیثی، یہ اصحاب صفہ میں سے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کی تیاری کر رہے تھے کہ یہ ایمان لائے اور پھر اس جنگ میں شریک ہوئے۔ ھشام بن عمار معروف بہ خیاط سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے واثلہ کو دیکھا وہ لوگوں کو احادیث لکھا رہے

تھے اور لوگ ان کے سامنے لکھ رہے تھے ۔ ۹۸ سال کی عمر میں ۸۵ھ میں وفات پائی ۔
ریخ الاسلام : ۳ : ۲۱۰ - ۲۱۱ ؛ شذرات الذہب : ۱ : ۹۵ ؛ اسد الغابہ : ۵ : ۷۷)

(۷۰۸) عبداللہ بن محمد الشعرانی الرازی اصل میں رے کے رہنے والے تھے ۔ مگر نیشاپور میں
نشوونما پایا ۔ جنید بن محمد کی صحبت میں رہے ۔ ۳۵۳ھ میں وفات پائی ۔ (طبقات الصوفیہ
۴۵۳ - ۴۵)

(۷۰۹) اسحٰق بن ابراہیم بن حسان الانماطی درست ابراہیم بن ابی حسان ہے ۔ ابو یعقوب اسحٰق
ن ابراہیم بن ابی حسان الانماطی ۔ بغدادی اور ثقہ ہیں ۔ انہوں نے احمد بن ابی الحواری سے روایت
ں ۔ اور ان سے ابو عمرو بن السماک وغیرہ نے ۔ ۳۰۲ھ میں وفات پائی ۔ (تاریخ بغداد : ۶ :
۳۸۴ - ۳۸۵)

(۷۱۰) ابو حازم سلمۃ بن دینار الاعرج ، التمار المدنی القاص ، اپنے زمانہ میں مدینہ کے عابدوں
ور زاہدوں میں سے تھے ۔ ثقہ ہیں ۔ ۱۳۵ھ یا ۱۴۰ھ میں وفات پائی ۔ (تہذیب التہذیب
: ۴ : ۱۴۳ - ۱۴۴)

(۷۱۱) نصر بن محمد : ابو الفضل نصر بن ابی نصر محمد بن احمد بن یعقوب العطار الطوسی ۔ انہیں
بن ابی طوسی بھی کہا جاتا ہے ۔ حافظ اور ثقہ مشہور ہیں ۔ تقریباً ۳۱۰ھ میں پیدا ہوئے ۔ انہوں نے
مد بن الحسین القطان وغیرہ سے روایت کی اور ان سے حاکم اور ابو عبدالرحمٰن سلمی نے ۔ شبلی کی صحبت
یں رہے ۔ ۳۸۳ھ میں وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ : ۳ : ۲۰۷ - ۲۰۸ ؛ شذرات الذہب
۳ : ۱۰۶)

(۷۱۲) ابراہیم المارستانی ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد المارستانی اصل میں بغداد کے تھے ۔ اور صوفیاء
کے شیوخ میں سے تھے ۔ اور جنید کے ساتھ گہرا دوستانہ تھا ۔ ان سے ابو محمد الجریری نے حکایت کی
ہے (تاریخ بغداد : ۶ : ۶ ؛ حلیۃ الاولیاء : ۱۰ : ۳۲۱)

(۷۱۳) محمد بن فرخان : ابو الطیب محمد بن فرخان الدوری ۔ بغداد کے نواح میں کئی ایک جگہوں کا
نام دور ہے ۔ یہاں مراد دور سامرا سے ہے ۔ انہوں نے ابو خلیفہ وغیرہ سے منکر احادیث کی روایت
کی اور تصوف میں جنید کے اقوال کی حکایت کی ہے ۔ انہوں نے جنید ۔ ابن عطا اور جریری سے

ملاقات کی۔ ۲۵۹ھ سے تھوڑا عرصہ بعد وفات پائی۔ معجم البلدان : ۲ : ۸۱۴ ز تاریخ بغداد : ۳ : ۱۶۷ - ۱۶۹)

(۱۴) سامرہ یا سامراء۔ دریائے دجلہ پر بغداد سے تیس فرسنگ اوپر ایک شہر کا نام ہے۔

(۱۵) عبدالوہاب، عبدالوہاب بن المندلث النفبی الفقیہ۔ یہ عبادت گذاروں میں سے تھے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ وفات تک ساری عمر قرآن پڑھتے رہے ان کی وفات عام الشونیزی کی مسجد میں ہوئی۔ (اخبار اصفہان : ۲ : ۳۱۳)

(۱۶) توکل کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ : ۳ : ۶۴ ز بشرح التعرف : ۳ : ۱۴۰ - ۱۴۴ از قوت القلوب : ۲ : ۲ - ۲۷ ز حیات القلوب : ۲ : ۱۳۶ - ۱۶۰ ز احیاء علوم الدین : ۴ : ۲۳۸ - ۲۸۶ -

(۱۷) عبداللہ بن جعفر بن احمد الاصبہانی۔ ابومحمد عبداللہ بن جعفر بن فارس۔ محدث اصفہان۔ یہ رجل صالح" مانے جاتے تھے۔ انہوں نے محمد بن عاصم ثقفی وغیرہ سے روایت کی۔ ۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور بقول حمزہ اصفہانی ۳۲۵ھ میں وفات پائی۔ ابن العماد نے ان کی وفات ۳۴۶ھ دی ہے۔ (اخبار اصفہان ۲ : ۸۰ : شذرات الذھب : ۲ : ۳۷۲)

(۱۸) یونس بن حبیب بن عبدالقاہر : ابوبشر، یونس بن حبیب بن عبدالقاہر العجلی الاصبہانی یہ مسند طیالسی کے راوی ہیں۔ ثقہ صالح اور صاحب جلالت تھے ۲۶۷ھ میں وفات پائی۔ (اخبار اصفہان ۲ : ۳۴۵ - ۳۴۶ ز شذرات الذھب : ۲ : ۱۵۳)

(۱۹) ابوداؤد الطیالسی : امام ابوداؤد سلیمان بن داؤد البصری الحافظ۔ مسند کے مصنف ہیں۔ اپنے حافظہ کی وجہ سے مشہور تھے۔ انہوں نے ایمن بن نابل وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے امام احمد بن حنبل وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق تھے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ انہوں نے بہتر سال کی عمر میں ۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ ابن العماد نے ۲۰۴ھ تاریخ وفات دی ہے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے حافظہ کے لئے حب بلاذر (بھلانواں) کھالیا تھا جس سے انہیں جذام ہوگیا تھا۔ (شذرات الذھب : ۲ : ۱۲ ز تہذیب التہذیب : ۴ : ۱۸۲ - ۱۸۶ ز تاریخ بغداد : ۹ : ۲۴ - ۲۹ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱ : ۱۱۱ - ۱۱۳ از اخبار اصفہان : ۱ : ۳۳۲ - ۳۳۳)

(۲۰) حماد بن سلمہ: ابو سلمہ حماد بن سلمہ بن دینار۔ انہوں نے ثابت بنانی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔ ان کا شمار ابدال میں ہوتا ہے۔ ابدال کی نشانی یہ ہے کہ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ چنانچہ انہوں نے ستر عورتوں سے شادی کی پھر بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ۱۶۷ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: ۳: ۱۱-۱۶ ز شذرات الذھب: ۱: ۲۶۲ ز کتاب الجرح والتعدیل ج اق ۲: ۱۴۰-۱۴۲ ز صفۃ الصفوۃ: ۳: ۳۷۳-۲۷۵)

(۲۱) عاصم بن بہدلہ: ابوبکر عاصم بن بہدلۃ الاسدی القاری جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی اور زر بن حبیش سے قرآن پڑھا۔ اور ان سے روایت بھی کی۔ ان سے شعبہ وغیرہ نے روایت کی۔ ۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔ تاریخ الاسلام: ۵: ۸۸-۹۰ ز شذرات الذھب: ۱: ۱۷۵)

(۲۲) زر بن حبیش: ابو مریم زر بن حبیش الاسدی الکوفی۔ انہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے۔ اور بڑی لمبی عمر پائی ہے۔ انہوں نے ابن مسعود وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے عاصم وغیرہ نے۔ عربی زبان کے ماہر تھے چنانچہ ابن مسعود ان سے عربی پوچھا کرتے تھے۔ ایک سو بیس سال کی عمر پا کر ۸۱ھ میں وفات پائی (تاریخ الاسلام: ۳: ۲۴۹-۲۵۰ ز شذرات: ۱: ۹۱ ز تہذیب التہذیب ۳: ۳۲۱-۳۲۲)

(۲۳) اس حدیث کی روایت ابن منیع نے اسناد حسن سے کی ہے اور ابن عباس کی روایت سے شیخین کا اس پر اتفاق ہے (المغنی عن الاسفار: ۴: ۲۳۹)

(۲۴) عکاشہ بن محصن: ابو محصن عکاشہ بن محصن الاسدی۔ فضلاء صحابہ میں سے تھے۔ ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ جنگ بدر میں شریک ہوئے۔ اور داد مردانگی دی۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی بشارت دی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر چوالیس سال تھی۔ حضرت ابوبکر کی خلافت میں مرتدین کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ (اسد الغابہ: ۳: ۲-۳)

(۲۵) ابوبکر محمد بن احمد البلخی: خطیب نے اس نام اور کنیت سے دو شخصوں کا ذکر کیا ہے، ایک ابوبکر محمد بن احمد بن ابراہیم بن عبد اللہ بلخی ہیں۔ انہوں نے محمد بن عمر و موسیٰ عقیلی سے حدیث کی روایت کی اور ان سے قاضی ابو العلا محمد بن علی واسطی نے۔ (تاریخ بغداد: ۱: ۲۷۲) اور دوسرے ابوبکر محمد بن احمد بن احمد بن محمد بن نجتویہ بلخی ہیں انہوں نے بغداد آکر احمد بن محمد بن سہل البلخی القاضی سے روایت کی۔

اوران سے محمد بن المظفر نے (تاریخ بغداد : ۱: ۲۳۸)

(۲۶) اسمٰعیل بن مسعود الجحدری: ابومسعود اسمٰعیل بن مسعود الجحدری یہ صلت بن مسعود کے بھائی ہوئے ہیں۔ انہوں نے معتمر سے روایت کی۔ اور ان سے ابوحاتم رازی نے صدوق ہیں ۲۴۸ھ میں وفات پائی۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ا ق ا : ۲۰۰ زتہذیب التہذیب : ۱: ۳۳۰)

(۲۷) خالد بن یحییٰ: خالد بن یحییٰ الکندی۔ انہوں نے حماد بن ابی سفیان سے روایت کی۔ اور ان سے معن نے۔ صدوق ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ا ق ۲: ۲۶۲)

(۲۸) مغیرہ بن ابی قرۃ سدوسی البصری انہوں نے انس بن مالک سے روایت کی۔ اور ان سے یحییٰ بن سعید قطان نے۔ ثقہ ہیں۔ یہ یزید بن مہلب کے سیکرٹری تھے۔ اور سلیمان نے عبدالملک کے عہد میں جرجان کی فتح میں ان کے ساتھ تھے۔ تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۲۶۸ زکتاب الجرح والتعدیل : ج ۴ ق ا : ۲۲۸)

(۲۹) (۱) محمد بن علی بن الحسین۔ محمد بن علی بن الحسین البلخی ان سے سلمی روایت کرتے ہیں۔ (طبقات الصوفیہ: ۱۰۸) جرجانی نے دو آدمیوں کا ذکر کیا ہے دونوں کا نام محمد بن علی بن الحسین ہے اور دونوں کی کنیت ابو عبداللہ (ص ۳۶۲ و ۴۰۶)

(۳۰) محمد بن احمد الفارسی: ابوالحسین محمد بن احمد بن ابراہیم الفارسی۔ ابوبکر محمد بن اسحٰق الکلاباذی مصنف کتاب التعرف کے استاد ہیں۔ ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ : ۳۷۹)

(۳۱) عبداللہ بن محمد۔ عبداللہ بن محمد سے مراد ابومحمد عبداللہ بن محمد الرازی الصوفی الشعرانی سے ہے ۳۵۳ھ میں وفات پائی۔

(۳۲) ابوبکر البردعی: مکی بن احمد بن سعدویہ ابوبکر البردعی۔ انھوں نے حدیث کی تلاش میں بہت سفر کئے۔ ابن منیع سے حدیث سنی۔ ۳۵۴ھ میں وفات پائی۔ (المنتظم : ۷ : ۳۲)

(۳۳) واقعہ یوں ہے کہ جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بہت بڑی آگ جلائی۔ جس کی حرارت کا اثر دُور دُور تک پہنچ رہا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کیلئے رسیوں سے جکڑ کر منجنیق میں ڈالا گیا تاکہ انھیں منجنیق کے ذریعہ سے آگ میں ڈالا جائے۔ اس وقت جبرئیل نے آکر عرض کی کہ اگر کوئی حاجت ہو تو فرمایئے۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

م سے کوئی حاجت نہیں ۔

(۳۴) سعید ابن احمد بن محمد: ابوعلی سعید بن احمد بن محمد البلخی ۔ ان کا ذکر آچکا ہے ۔

(۳۵) محمد بن احمد بن سہل: ابوالفضل محمد بن احمد بن سہل النیشاپوری الصیرفی ۔ انھوں نے سعید بن عثمان بن عیاش الخیاط سے جو ذوالنون مصری کے مرید تھے ۔ روایت کی ۳۶۹ھ میں وفات پائی ۔ تاریخ بغداد : ۹ : ۱۱۱)

(۳۶) سعید بن عثمان الخیاط : ابوعثمان سعید بن عثمان بن عیاش الخیاط ۔ انھوں نے ذوالنون مصری سے روایت کی ۲۹۲ھ میں وفات پائی ۔ (تاریخ بغداد : ۹: ۹۹)

(۳۷) ابوعبداللہ القرشی ۔ ایک ابوعبداللہ محمد بن الولید بن عبدالحمید القرشی ہیں ۔ بصری اور ثقہ ہیں ۔ (تاریخ بغداد : ۳ : ۳۲۹ - ۳۳۰) دوسرے ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن القرشی الدمشقی ہیں ۔ ثقہ مأمون اور سخی تھے ۔ ۲۵۸ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب : ۲ : ۲۷) غالباً یہاں یہی مراد ہیں ۔ تیسرے ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ القرشی ۳۰۵ھ میں وفات پائی ۔ (اخبار اصفہان : ۲ : ۲۴۱) اور چوتھے ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بن سالم القرشی المعروف بہ ابن شاذال (اخبار اصفہان: ۲: ۲۶۲)

(۳۸) محمد بن محمد بن غالب : ابوبکر محمد بن محمد بن غالب ۔ انھوں نے منصور حلاج سے حکایت کی ہے ۔ چوتھی صدی ہجری کے اختتام پر وفات پائی (طبقات الصوفیہ : ۳۱۰)

(۳۹) ابن ابی شیخ : ابوالعباس احمد بن محمد بن احمد بن زکریا التغلبی المعروف بہ ابن ابی شیخ الخلیلی ۔ انھوں نے ابوالقاسم بغوی سے روایت کی ہے اور ان سے ابراہیم بن عمر کی نے (تاریخ بغداد : ۴: ۴۶۷)

(۴۰) ابوجعفر حداد : جامی فرماتے ہیں کہ ابوجعفر حداد دو ہیں ۔ ایک کبیر اور دوسرا صغیر ۔ کبیر بغدادی ہے اور جنید اور رُدیم کا ہمعصر اور صغیر ابوجعفر بن بکیر مصری ہیں اور وہ ابوجعفر کبیر کے شاگرد ہیں ۔ یہ ابن عطا کی صحبت میں بھی رہے اور ابوتراب نخشی کی زیارت کی ۔ (نفحات الانس : ۱۶۵ - ۱۶۶ ز تاریخ بغداد ۱۴: ۴۱۲ - ۴۱۳)

(۴۱) ابویعقوب اقطع بصری : جامی فرماتے ہیں کہ ابویعقوب اقطع بصرہ کے مشائخ میں سے تھے ۔ اور جنید کے ساتھ ان کی خط کتابت تھی ۔ مکہ میں اقامت اختیار کر لی تھی ۔ ابوالحسن مزین ابھی چھوٹے تھے کہ مکہ میں اقطع کی وفات کے وقت حاضر تھے ۔ (نفحات الانس : ۱۳۲)

(۴۲) محمد بن الحسین المخزومی ۔ رسالہ۔ شرح زکریا انصاری اور شرح گیسو دراز سب میں محمد بن الحسین المخزومی ہی دیا ہے۔ مگر صحیح محمد بن الحسن المخرمی ہے۔ پورا نام ابو العباس محمد بن الحسن بن سعید بن الخشاب المخرمی الصوفی ہے۔ ۳۹۱ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۲ : ۲۰۹)

(۴۳) احمد بن محمد بن صالح : ابو یحیٰی احمد بن محمد بن صالح بن عبد اللہ السمرقندی۔ انھوں نے یحیٰی بن معاذ رازی کے شاگرد محمد بن محمود وغیرہ سے روایت کی۔ ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۵ : ۳۸)

(۴۴) محمد بن عبدون : ابوبکر محمد بن عبدون بن عیسٰی القطان، ابو الحسن دارقطنی نے ان سے روایت کی ہے (تاریخ بغداد : ۲ : ۳۹۴)

(۴۵) حسن خیاط : رسالہ۔ شرح زکریا انصاری اور گیسو دراز تینوں میں حسن خیاط دیا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ درست حسین الخیاط ہے۔ مکمل نام ابو علی الحسین بن محمد بن عبد الرحمٰن الخیاط ہے۔ یہ بشر حافی کے اقوال کی حکایت کرتے ہیں۔ ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۸ : ۹۲)

(۴۶) حبیب عجمی : ابو محمد حبیب الفارسی۔ مجاب الدعوہ اور صاحب کرامات تھے۔ ابو سلیمان دارانی ان سے حکایت کرتے ہیں (صفۃ الصلوٰۃ : ۳ : ۲۲۶ - ۲۴۰)

(۴۷) نصر بن ابی نصر العطار : ابو الفضل نصر بن ابی نصر محمد بن احمد بن یعقوب الطوسی العطار۔

(۴۸) محمد بن الحسین المخزومی : محمد بن الحسن المخرمی پڑھیں جیسا کہ پہلے گذر چکا۔

(۴۹) خطیب بغدادی نے اس واقعہ کو ابو حمزہ بغدادی کی طرف منسوب کیا۔ (تاریخ بغداد : ۱ : ۹۱) مگر قلابازی نے قشیری کی طرح اس واقعہ کو ابو حمزہ خراسانی کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔ (شرح التعرف : ۴ : ۱۷۷)

(۵۰) شکر : شکر کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ : ۳ : ۶۳ - ۶۴ شرح التعرف : ۳ : ۱۴۷ تا ۱۴۰ از حیات القلوب : ۲ : ۲۲۴ تا ۲۲۷ از احیاء العلوم : ۴ : ۸۷ تا ۹۶

(۵۱) منجاب ابو محمد۔ منجاب بن الحارث الکوفی۔ شریک وغیرہ سے روایت کی۔ ابن حبان نے انھیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ ۲۳۱ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب : ۲ : ۱، تہذیب المہذب : ۱۰ : ۲۹۷ - ۲۹۸)

(۵۲) یحییٰ بن یعلی : ابو زکریا یحییٰ بن یعلی الاسلمی الکوفی القطوانی انھوں نے یونس بن جناب وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ نے ۔ضعیف اور مضطرب الحدیث ہیں ۔ (تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۳۰۴ زکتاب الجرح و التعدیل ج ۴ ق ۲ : ۱۹۶)

(۵۳) ابو جناب : رسالہ اور شرح زکریا الانصاری میں اسی طرح دیا ہے : مگر درست ابن جناب ہے ۔ یعنی یونس بن جناب جن سے یحییٰ بن یعلی نے روایت کی ہے ۔ ابن معین اور ابن شاہین نے انھیں ثقات میں شمار کیا ہے ۔عثمان بن ابی شیبہ انھیں ثقہ اور صدوق قرار دیتے ہیں۔ مگر چونکہ غالی شیعہ اور حضرت عثمان کو برا بھلا کہا کرتے تھے ۔ اس لئے ان سے روایت نہیں کرنی چاہیئے (تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۴۳۷ ۔ ۴۳۹ زکتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲ : ۲۳۸)

(۵۴) عطاء دو عطاء ہیں ۔ دونوں تابعی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں ایک عطاء بن یسار متوفی ۱۰۳ھ اور دوسرا عطاء بن رباح (م ۱۱۴ھ) یہاں غالباً مراد انہی سے ہے ۔ ابو محمد عطاء بن ابی رباح بن اسلم ۔مکہ میں پرورش پائی ۔ اور وہیں قرآن پڑھا ۔ یہ سیاہ رنگ چپٹی ناک ۔شل اور لنگڑے تھے ۔ پھر بعد میں اندھے ہو گئے ۔ اٹھاسی سال عمر پائی ۔ اپنے زمانہ میں افضل ترین انسان سمجھے جاتے تھے ۔ اکثر خاموش رہتے ۔ مگر جب کلام کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ انھیں تائید ایزدی ہو رہی ہے ۔ (شذرات الذہب : ۱ : ۱۴۷ ۔ ۱۴۸ تاریخ الاسلام : ۴ : ۲۲۸ ز ۲۷۸ تا ۲۸۰)

(۵۵) عبید بن عمیر : ابو عاصم بن عمیر بن قتادۃ اللیثی المکی ۔ واعظ اور مفسر تھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے ۔ امام بخاری انھیں صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے ۔مسلم انھیں کبار تابعین میں شمار کرتے ہیں ۔ انھوں نے حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ سے روایت کی ۔ اور ان سے عطاء بن ابی رباح وغیرہ نے حضرت ابن عمر ان کی مجلس میں آیا کرتے تھے ۔ عطاء اور یہ دونوں حضرت عائشہ کی خدمت میں آیا کرتے تھے ۔ بعض ان کی وفات ۶۴ھ میں بتاتے ہیں (تاریخ الاسلام : ۳ : ۹۰ ۔ ۱۹۱ زاسد الغابہ : ۳ : ۳۵۴)

(۵۶) یقین کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیۃ : ۳ : ۳ ۔ ۷ ، ۴ ، شرح التعرف : ۳ : ۱۴۸ تا ۱۵۱ زقوت القلوب : ۱ : ۳ ، ۷ تا ۱۸ زحیاۃ القلوب : ۲ : ۲۵۱ ۔ ۲۵۳ ز

(۵۷) ابوبکر احمد بن محمود بن خرزاد الاہوازی: یہ اہواز کے قاضی تھے اور سینیزی کے نام سے مشہور تھے۔ سینیز ساحل بحر فارس پر سیراف سے آتے ہوئے بصرہ کے قریب ایک شہر کا نام تھا۔ انہوں نے ابومسلم الکجی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابوالحسن دارقطنی وغیرہ نے اہواز میں ۳۵۶ھ میں وفات پائی۔
(تاریخ بغداد: ۵: ۱۵۷-۱۵۸؛ معجم البلدان: ۳: ۳۰۰-۳۰۱ ز)

(۵۸) احمد بن سہل بن ایوب: ابوحامد احمد بن سہل الاسفرائنی۔ انھوں نے خلف بن عبدالعزیز سے روایت کی اور اُن سے ابوحاتم الرازی نے صدوق ہیں (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۱: ۵۴)

(۵۹) خالد بن یزید: ابوالولید خالد بن یزید العمری المکی، انھوں نے سفیان ثوری سے روایت کی ہے اور ان سے علی بن حرب موصلی نے ابوزرعہ نے ان سے روایت کرنے کے بعد ان سے روایت کرنا ترک کر دیا تھا۔ ذاہب الحدیث ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲: ۳۶۰)

(۶۰) شریک بن عبداللہ: ابوعبداللہ شریک بن عبداللہ النخعی الکوفی۔ انھوں نے زیاد بن علاقہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے وکیع وغیرہ نے ۱۵۵ھ میں واسط کے قاضی بنے۔ پھر کوفہ کے اور ۱۸۷ھ یا ۱۸۸ھ میں وفات پائی۔ آخر عمر میں اُن کے حافظہ میں خلل پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے اُن کی آخری عمر کی روایت قابلِ اعتماد نہیں (تہذیب التہذیب: ۴: ۳۳۳ تا ۳۳۷)

(۶۱) سلیمان التیمی ابوالمعتمر سلیمان بن طرخان التیمی البصری۔ انھوں نے انس بن مالک وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے شعبہ وغیرہ نے۔ تابعی اور ثقہ تھے۔ ستانوے سال کی عمر میں ۱۴۳ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۴: ۲۰۱-۲۰۲)

(۶۲) خیثمہ: خیثمہ بن عبدالرحمن بن ابی سبرۃ۔ ان کے والد اور دادا دونوں صحابی ہیں۔ ان کے دادا ابوسبرۃ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ان کے ساتھ ان کے دونوں بیٹے سبرۃ اور عزیز ساتھ تھے۔ یہ ایک صالح کبیر القدر، سخی اور کریم تھے۔ ۱۳۷ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: ۳: ۱۷۸-۹ از تاریخ الاسلام: ۳: ۲۴۷)

(۶۳) عامر بن عبد قیس: ابوعمرو یا۔ ابوعبداللہ عامر بن عبداللہ جنہیں بالعموم عامر بن عبد قیس کہا جاتا ہے۔ تابعی اور زاہد تھے۔ یہ صدر اوّل کے لوگوں میں سے ہیں۔ مگر روایت حدیث کو چھوڑ کر عبادت میں مشغول ہو گئے تھے۔ حضرت معاویہ کے عہد میں وفات پائی۔ (صفۃ الصفوۃ: ۳: ۱۲۶-۱۳۵)

تاریخ الاسلام: ۳: ۲۵-۲۸۔

(۷۶۴) ابوجعفر الاصفہانی: ابوجعفر احمد بن جعفر احمد الاصبہانی السمسار۔ یہ ابونعیم کے شیخ ہیں۔ یہ ثقہ نہیں ہیں۔ ۳۶۶ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب ۲: ۳۷۲)

(۷۶۵) علی بن سہل: ابوالحسن علی بن سہل بن محمد بن الازہر الصوفی۔ اصفہان کے چوٹی کے صوفیاء میں سے تھے۔ اور ابونعیم اصفہانی کے دادا احمد بن یوسف البناء کے اصحاب میں سے تھے۔ پھر یہاں تک ترقی کی کہ ان کی خط وکتابت جنید بن محمد اور ان کے معاصرین سے ہونے لگی ۳۰۷ھ میں وفات پائی (اخبار اصفہان: ۲: ۱۴؛ الاولیاء: ۱۰: ۴۰۴-۴۰۵؛ صفۃ الصفوۃ: ۴: ۶۶-۶۷)۔

(۷۶۶) ابونصر الاصبہانی: ابونصر محمد بن الحسن بن محمد بن سلیمان۔ شافعی فقیہ تھے۔ اور ثقہ تھے۔ (اخبار اصفہان ۲: ۳۰۱)

(۷۶۷) محمد بن عیسیٰ: محمد بن عیسیٰ بن موسیٰ الاصفہانی انہوں نے بغداد میں محمد بن معاویہ نیشاپوری سے روایت کی۔ اور ان سے اسحٰق بن محمد کیسانی نے۔ (تاریخ بغداد: ۲: ۳۹۹)

(۷۶۸) صبر: صبر کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح التعرف: ۳: ۱۱۳-۱۱۸؛ احیاء علوم الدین: ۴: ۵۹-۸۷؛ قوت القلوب: ۱: ۱۹۳-۲۱۲؛ حیاۃ القلوب: ۲: ۲۱۶-۲۲۴؛ نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۸۳

(۷۶۹) احمد بن علی الخزاز: ابوجعفر احمد بن علی بن الفضیل الخزاز المقریٔ۔ انھوں نے اُسید بن زید وغیرہ سے روایت کی اور ان سے یحییٰ بن صاعد وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۲۸۶ھ میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد: ۴: ۳۰۳)

(۷۷۰) اُسید بن زید: ابومحمد اُسید بن زید بن نجیح الجمال الکوفی۔ انھوں نے حسن بن صالح وغیرہ سے اور ان سے احمد بن علی خزاز وغیرہ نے ضعیف الحدیث ہیں ۲۲۰ھ سے پہلے وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱: ۳۴۴-۳۴۵؛ تاریخ بغداد: ۷: ۴۷-۴۸؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۳۱۸)

(۷۷۱) مسعود بن سعد: ابوسعد بعض ابوسعید کہتے ہیں۔ مسعود بن سعد الجعفی الکوفی۔ یہ ربیع بن سعد کے بھائی ہیں۔ انھوں نے یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابوخالد الاحمر وغیرہ

نے - ابن معین "افضل من خیار عباد اللہ" کہتے ہیں - ثقہ ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل : ج ۴ ق ۱:
۲۸۳ ؛ تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۱۱۷)

(۷۷۲) الزیات : حمزہ بن حبیب بن عمارۃ الزیات القارئ ابو عمارۃ الکوفی التیمی - انھوں نے ابو اسحٰق سبیعی وغیرہ سے روایت کی - اور ان سے ابن المبارک وغیرہ نے - ثقہ تھے - بڑے عبادت گذار اور پرہیزگار تھے - ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۸ھ میں وفات پائی - (تہذیب التہذیب : ۳ : ۲۷ - ۲۸ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲ : ۲۰۹ - ۲۱۰)

(۷۷۳) احمد بن عمر : ابو الحسن احمد بن عمر بن یوسف بن موسیٰ بن جوصا - انھوں نے کثیر بن عبید وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے طبرانی وغیرہ نے ارکانِ حدیث کے ایک رکن تھے - ۳۲۰ھ میں وفات پائی - (شذرات الذہب : ۲ : ۲۸۵)

(۷۷۴) محمد بن مرداس : ابو عبد اللہ محمد بن مرداس الانصاری البصری - انھوں نے غندر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے عبدان اہوازی وغیرہ نے - ابن حبان نے انھیں ثقہ شمار کیا ہے - ۲۴۹ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۹ : ۴۳۴ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱ : ۹۷)

(۷۷۵) یوسف بن عطیہ بن ثابت الصفار الانصاری - انھوں نے ثابت بنانی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے اسحٰق بن راہویہ وغیرہ نے - روایت میں اکثر غلطی کھاجاتے تھے - ۱۸۷ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۴۱۸ - ۴۱۹ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲ : ۲۲۷)

(۷۷۶) عطاء بن ابی میمونہ : ابو معاذ عطاء بن ابی میمونہ - ابو میمونہ کا نام منیع ہے یہ بصری ہیں - انھوں نے حضرت انس بن مالک وغیرہ سے روایت کی اور ان سے حماد بن سلمہ وغیرہ نے ۱۳۱ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۷ : ۲۱۵ - ۲۱۶ کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱ : ۳۳۷)

(۷۷۷) ابن شبرمہ : ابو شبرمہ عبد اللہ بن شبرمہ الضبی الکوفی - یہ قاضی اور فقیہ تھے - شاعر ناسک اچھے خلق والے تھے - انھیں ثقہ مانا جاتا ہے - ۷۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۴ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۵ : ۲۵۰ - ۲۵۱ ؛ شذرات الذہب : ۱ : ۲۱۵ - ۲۱۶)

(۷۷۸) محمد بن اسمٰعیل البخاری : ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری - صحیح بخاری کے مؤلف ہیں - ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے احمد بن حنبل وغیرہ سے روایت کی اور حدیث کے علم میں شہرت

پائی۔ جلیل القدر ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ ۲۵۲ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۱۲۴۔ ۱۲۶۔ تاریخ بغداد: ۲: ۴)

(۷۹) موسیٰ بن اسمٰعیل: ابوسلمۃ موسیٰ بن اسمٰعیل المنقری التبوذکی البصری۔ انھوں نے جریر بن حازم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے امام بخاری وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق تھے۔ ۲۲۳ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب ۱۰: ۳۳۳ شذرات الذہب ۲: ۵۲)

(۸۰) سوید بن حاتم: رسالہ اور شرح زکریا انصاری میں اسی طرح دیا ہے مگر صحیح سوید بن ابراہیم الجحدری ابوحاتم الحناط البصری ہے۔ انھوں نے حسن بصری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے موسیٰ بن اسمٰعیل وغیرہ نے۔ یہ قوی نہیں ہیں ۱۶۷ھ میں وفات پائی (کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱: ۲۳۶، تہذیب التہذیب: ۴: ۲۷۰)

(۸۱) عبداللہ بن عبید عن عمیر: رسالہ میں اسی طرح عن عمیر دیا ہے۔ مگر درست عبداللہ بن عبید بن عمیر ہے۔ جیساکہ شرح زکریا انصاری میں ہے مکمل نام ابوہاشم عبداللہ بن عبید بن عمیر بن قتادہ اللیثی المکی انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ اور ان سے جریر بن حازم وغیرہ نے۔ ثقہ اور صالح تھے ۱۱۳ھ میں وفات پائی (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۲ ق ۲: ۱۰۱ تہذیب التہذیب ۵: ۳۰۸)

(۸۲) اپنے باپ سے یعنی عبید بن عمیر: ابوعاصم عبید بن عمیر بن قتادہ اللیثی المکی انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی اور وہ صحابی تھے اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۶۸ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۷: ۷۱)

(۸۳) اپنے دادا سے یعنی عمیر بن قتادہ سے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے صرف اُن کے بیٹے عبید نے۔ یہ صحابی ہیں فتح مکہ اور حجۃ الوداع میں شریک تھے۔ (تہذیب التہذیب: ۸: ۱۴۸۔ ۱۴۹: اسدالغابہ: ۴: ۱۴۶)

(۸۴) مراقبہ کے اصلی معنی اپنے مقصود کو نگاہ میں رکھنے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں دل کی نگاہوں کو ہمیشہ اللہ کی طرف لگائے رکھنے اور اللہ تعالیٰ کے افعال و احکام کو نگاہ میں رکھنے کے۔ مراقبہ کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ الافکار القدسیہ: ۲: ۹۲ و احیاء علوم الدین: ۴: ۳۲۸۔ ۳۹۱

زحیاۃ القلوب : ۲ : ۲۰۵ - ۲۰۷ ز

(۷۸۵) ابوعوانۃ یعقوب بن اسحٰق : ابوعوانہ یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم الاسفرائنی الحافظ صیحح مسند کے مؤلف ہیں۔ انھوں نے یونس بن عبدالاعلی سے روایت کی اور ان سے ابوعلی نیشاپوری وغیرہ نے۔ ثقہ اور جلیل القدر تھے۔ حافظ حدیث ہونے کے علاوہ شافعی فقیہ اور امام تھے۔ ۳۱۶ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب : ۲ : ۲۷۴)

(۷۸۶) یوسف بن سعید بن مسلم : ابویعقوب یوسف بن سعید بن مسلم الحافظ۔ یہ مصیصہ کے محدث تھے۔ انھوں نے حجاج اعور وغیرہ سے روایت کی۔ ثقہ۔ صدوق اور حافظ تھے۔ ۲۷۱ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب : ۲ : ۱۶۲ از کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲ : ۲۲۴)

(۷۸۷) خالد بن یزید : یہاں مراد خالد بن عبداللہ بن یزید القسری سے ہے۔ انہوں نے اسمٰعیل بن ابی خالد وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ہشام بن خالد نے۔ ابوحاتم انھیں قوی شمار نہیں کرتے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ یہ ۱۰۶ھ میں عراق کے گورنر بنے۔ ہشام بن عبدالملک نے ۱۲۵ھ میں معزول کر دیا اور ۱۲۶ھ میں قتل کر دیا گیا۔ تہذیب التہذیب : ۳ : ۱۰۱ - ۱۰۲)

(۷۸۸) اسمٰعیل بن ابی خالد: اسمٰعیل بن ابی خالد الاحمسی انھوں نے اپنے والد اور دیگر صحابہ و تابعین سے روایت کی۔ اور ان سے شعبہ وغیرہ نے۔ حفاظ حدیث میں سے تھے۔ کوفی تابعی اور ثقہ ہیں۔ ۱۴۶ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۱ : ۲۹۱ - ۲۹۲ : شذرات الذہب ۱ : ۲۱۶)

(۷۸۹) قیس بن ابی حازم : ابوعبداللہ قیس بن ابی حازم۔ ان کے والد ابوحازم صحابی ہیں۔ انھوں نے اپنے باپ اور دیگر صحابہ و تابعین سے روایت کی اور ان سے اسمٰعیل بن ابی خالد وغیرہ نے۔ انھوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لئے آئے۔ مگر ابھی راستہ میں ہی تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ اُن کا شمار قدماء تابعین میں ہوتا ہے۔ انھوں نے ایک سو سال سے زائد عمر پائی۔ اُن کے سال وفات میں بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض ۸۴ھ بعض ۸۷ھ اور بعض ۹۷ھ بتاتے ہیں۔

تہذیب التہذیب : ۸ : ۳۸۶ - ۳۸۹ شذرات الذہب : ۱ : ۱۱۲)

(۹۰) جریر بن عبداللہ البجلی : ابو عمرو جریر بن عبداللہ البجلی - یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف ۴۰ دن پہلے ایمان لائے - یہ بہت خوبصورت تھے - اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں "اُمتِ محمدیہ کا یوسف" کہا ہے - جنگ قادسیہ میں انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ۵۱ھ اور ایک قول کے مطابق ۵۴ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ : ۱ : ۲۷۹ - ۲۸۰)

(۹۱) ابوالحسین بن ہند : ابوالحسین علی بن ہند الفارسی القرشی - ایران کے کبار مشائخ میں سے ہوئے ہیں - جعفر حذاء اور جنید کی صحبت میں رہے (طبقات الصوفیہ - ۳۹۹ - ۴۰۱)

(۹۲) ابوالقاسم البغدادی : ابوالقاسم بکر بن شاذان البغدادی الواعظ الزاہد - یہ نیک و صالح تھے - ۴۰۵ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب : ۳ : ۱۷۷) کچھ اور لوگ بھی ہیں جو ابوالقاسم بغدادی کہلاتے ہیں - عبداللہ بن احمد بن علی ابوالقاسم البغدادی متوفی ۳۹۰ھ (تاریخ بغداد : ۹ : ۳۹۵) زیوسف بن محمد بن احمد (تاریخ بغداد : ۱۴ : ۳۲۷) اور یوسف بن احمد بن محمد متوفی ۳۸۶ھ (تاریخ بغداد : ۱۴ : ۳۲۷)

(۹۳) رضا کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیۃ : ۲ : ۹۸ ، احیاء علوم الدین : ۴ : ۳۴۳ - ۳۴۵ زحیاۃ القلوب : ۲ : ۲۳۱ - ۲۳۶ : شرح تعرف : ۳ : ۱۴۴ - ۱۴۸)

(۹۴) الکریمی : رسالہ اور شرح زکریا انصاری دونوں میں کریمی (راء کے ساتھ) دیا ہے بگر درست گدیمی مدال کے ساتھ) ہے - ابوالعباس محمد بن یونس البصری القرشی ، یہ گدیمی کے نام سے مشہور ہیں - ۱۸۳ھ میں پیدا ہوئے - یہ روح بن عبادہ کی بیوی کے پہلے خاوند سے بیٹے ہیں - انھوں نے ابوداؤد طیالسی وغیرہ سے روایت کی - علم کی تلاش میں بہت سفر کئے - اور چالیس حج کئے - حافظ حدیث اور کثیر الحدیث ہیں - بعضوں نے انھیں کذاب اور واضع الحدیث کہا ہے - مگر ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ کذاب نہیں ہیں - اسی طرح خطیب بغدادی نے ان پر مفصل بحث کی اور انھیں قابل اعتماد قرار دیا ہے - ۲۸۶ھ میں وفات پائی - (تاریخ بغداد : ۳ : ۴۳۵ - ۴۴۵ زالبدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۸۲ زتہذیب التہذیب : ۹ : ۵۳۹ - ۵۴۴ زالمنتظم : ۶ : ۲۲ - ۳ زتذکرۃ

الحفاظ: ۲: ۱۷۵ از شذرات الذہب: ۲: ۱۹۴ - کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۱: ۱۲۲)

(۷۹۵) ابوعاصم العبادانی: ابوعاصم عبداللہ بن عبیداللہ العبادانی البصری۔ انہوں نے فضل بن عیسٰی الرقاشی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے علی بن المدینی وغیرہ نے۔ صدوق ثقہ اور صالح الحدیث ہیں (تہذیب التہذیب: ۱۲: ۱۴۲-۱۴۳ از کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲: ۱۰۰-۱۰۱)

(۷۹۶) الفضل بن عیسٰی الرقاشی: ابوعیسٰی الفضل بن عیسٰی بن ابان الرقاشی البصری الواعظ انہوں نے محمد بن المنکدر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابوعاصم العبادانی وغیرہ نے۔ ثقہ نہیں ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ۸: ۲۸۳-۲۸۴ و کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۲: ۶۴-۶۵)

(۷۹۷) اسمٰعیل بن محمد الصفار: ابوعلی اسمٰعیل بن محمد الصفار النحوی۔ مبرد کے شاگرد ہیں ۲۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ حسن بن عرفۃ العبدی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے دارقطنی وغیرہ نے ۳۴۱ھ میں وفات پائی۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ انھوں نے چوراسی سال رمضان کے روزے رکھے۔ یعنی دس سال کی عمر میں روزے رکھنے شروع کر دیئے تھے (تاریخ البغداد: ۶: ۳۰۲-۳۰۴ از البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۲۶)

(۷۹۸) محمد بن یزید المبرد: ابوالعباس محمد بن یزید المبرد بصری۔ اپنے زمانہ میں اہل نحو کے امام تھے انہوں نے بہت سی تصانیف کی ہیں۔ ابوعثمان مازنی اور ابوحاتم سجستانی کے شاگرد ہیں۔ فصیح اور ثقہ تھے۔ ۲۸۵ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲: ۱۹۰-۱۹۱)

(۷۹۹) احمد بن علی: احمد بن علی سے مراد احمد بن علی بن جعفر ہیں۔ جن کا پہلے ذکر ہو چکا۔

(۸۰۰) الحسن بن علویہ: ابومحمد الحسن بن علی القطان المعروف بہ ابن علویہ انھوں نے عاصم بن وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابوعمرو بن السماک وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ پیدائش ۲۰۵ھ اور وفات ۲۹۸ھ (تاریخ بغداد: ۷: ۳۷۵) حمزہ بن یوسف جرجانی نے ایک اور ابن علویہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کا نام حسن بن علویہ دامغانی ہے ۳۳۱ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ جرجان: ۱۴۸)

(۸۰۱) عبداللہ بن شترویہ: رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں شترویہ دیا ہے۔ درست "شیرویہ" ہے۔ مکمل نام ابومحمد عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن شیرویہ القرشی المطلبی ہے۔ یہ حافظ حدیث تھے۔ اسحٰق بن راہویہ وغیرہ سے حدیث سنی۔ صاحب تصانیف اور ثقہ ہیں۔ ۳۰۵ھ میں وفات پائی۔

(شذرات الذہب: ۲: ۲۶ ؛ ۴ ؛ تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۴ ؛ ۲ ۴۸ - ۲ ۴۸)

(۸۰۲) بشر بن الحکم: بشر الحکم النیشاپوری الفقیہ عبدالرحمٰن کے والد ہیں۔ اسحٰق بن راہویہ سے ایک ماہ پہلے وفات پائی۔ ثقہ ہیں۔ ان کا حافظہ بہت تیز تھا۔ ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۸۹؛ کتاب الجرح والتعدیل: ج اق ا: ۳۵۵؛ تہذیب التہذیب: ا: ۴۴۷ - ۴۴۸)

(۸۰۳) عبدالعزیز بن محمد ابو محمد عبدالعزیز بن محمد الدراردی المدنی۔ انھوں نے یزید بن الہاد وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے شعبہ وغیرہ نے ثقہ اور حجت تھے۔ ۱۸۷ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۶: ۳۵۳ - ۳۵۵؛ شذرات الذہب: ا: ۳۱۶ و کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲: ۳۹۵ - ۳۹۶)

(۸۰۴) یزید بن الہادی: ابوعبداللہ یزید بن عبداللہ اسامۃ بن الہاد اللیثی المدنی۔ انھوں نے محمد بن ابراہیم تیمی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے عبدالعزیز دراوردی وغیرہ نے۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ مدینہ میں ۱۳۹ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۳۳۹ - ۳۴۰؛ کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۲: ۲۷۵؛ تاریخ الاسلام: ۵: ۳۱۴ - ۳۱۵)

(۸۰۵) محمد بن ابراہیم: ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی۔ ان کے دادا حارث مہاجرین اولین میں سے تھے۔ انھوں نے ابوسعید خدری وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے یزید بن الہادی وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ ۱۲۰ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۹: ۵ - ۷؛ کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۲: ۱۸۴؛ تاریخ الاسلام: ۴: ۲۹۸ - ۲۹۹؛ شذرات الذہب: ا: ۱۵۷)

(۸۰۶) عامر بن سعد: عامر بن سعد بن ابی وقاص الزہری المدنی۔ انھوں نے اپنے باپ سعد اور عباس بن عبدالمطلب اور دیگر صحابہ سے روایت کی اور ان سے محمد بن ابراہیم التیمی وغیرہ نے۔ ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں۔ ۱۰۴ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۵: ۶۳ - ۶۴؛ تاریخ الاسلام: ۴: ۱۳۰؛ کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ا: ۳۲۱؛ شذرات الذہب: ا: ۱۲۶)

(۸۰۷) العباس بن عبدالمطلب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔ جنگ حُنین میں شرکت کی۔ بہت بلند آواز تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سلع سے بچوں کو آواز دیا کرتے جب کہ بچے غابہ میں ہوتے اور ان دونوں مقاموں کا درمیانی فاصلہ آٹھ میل کا ہے اور بچے آواز سن لیا کرتے تھے چھیاسی سال کی عمر میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف دو سال

بڑے تھے اور یہی عبد المطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ لوگوں میں یہ غلط مشہور ہے کہ حضرت عبد اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد سب سے چھوٹے تھے (شذرات الذہب: ۱: ۲۸ تاریخ الاسلام: ۲: ۹۸ - ۱۰۰ از اسد الغابہ: ۲: ۱۰۹-۱۱۲)

(۸۰۸) ابو موسیٰ الاشعری: ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس الاشعری۔ صحابی ہیں۔ یہ پہلے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔ پھر فتح خیبر کے وقت مدینہ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں زبید کا حاکم مقرر کیا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی حاکم رہے۔ ۴۹ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ: ۳: ۲۴۵ - ۲۴۶ ز ۵: ۳۰۸-۳۰۹)

(۸۰۹) عتبۃ الغلام: عتبہ بن ابان بن صمعہ انھیں عتبۃ الغلام اُن کی چستی اور کوشش کی وجہ سے کہا جاتا ہے نہ کہ کم عمری کی وجہ سے۔ یہ فیتے تیار کیا کرتے تھے۔ عبد الواحد بن زید کی مجلس میں رہتے تھے۔ کسی جنگ میں شہید ہوئے (صفۃ الصفوۃ: ۳: ۲۸۱ - ۲۸۵)

(۸۱۰) عبودیت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو: نتائج الافکار القدسیۃ: ۳: ۱۰۷ از

(۸۱۱) عبید بن شریک: عبید بن عبد الواحد بن شریک ابو محمد البزار۔ انھوں نے آدم بن ابی ایاس العسقلانی سے روایت کی۔ اور ان سے قاضی المحاملی وغیرہ نے۔ صدوق ہیں ۲۸۵ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۱: ۹۹-۱۰۰

(۸۱۲) یحییٰ: مراد یحییٰ بن معین سے ہے۔ جرح وتعدیل کے امام ہیں ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۳۳ھ میں وفات پائی یہ امام ربانی عالم حافظ اور مثبت تھے (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۲۸۰-۲۸۸)

(۸۱۳) مالک سے مراد مالک بن انس ہیں۔ ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا (شذرات الذہب: ۱: ۲۸۹-۲۹۲)

(۸۱۴) حبیب بن عبد الرحمن۔ رسالہ قشیریہ اور شرح زکریا انصاری دونوں میں حبیب (بالحاء المہملۃ) دیا ہے حالانکہ درست خُبیب (بالخاء المعجمۃ) ہے ابو حارث خُبیب بن عبد الرحمن الانصاری الخزرجی۔ انھوں نے حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب سے روایت کی اور ان سے امام مالک وغیرہ نے ثقہ اور صالح الحدیث ہیں ۱۳۲ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۳: ۱۳۶: تاریخ اسلام: ۵: ۶۶)

(۸۱۵) حفص بن عاصم: حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب۔ انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی اور ان سے عمرو وغیرہ نے۔ بنی عدی کے سرداروں میں سے تھے۔ ان کے ثقہ ہونے پر سب کا

اتفاق ہے (تہذیب التہذیب : ۲ : ۴۰۲ : تاریخ الاسلام : ۳ : ۲۵۹ - ۲۶۰)

(۸۱۶) ابوزید : ابوزید محمد بن احمد بن عبداللہ بن محمد الفقیہ المروزی۔ یہ ائمہ میں سے تھے۔ مذہب شافعی کے حافظ تھے اور زہد و ورع میں مشہور تھے۔ ۳۷۱ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد ۱ : ۳۱۴ : شذرات الذہب : ۳ : ۷۶)

(۸۱۷) محمد بن الحسین۔ رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی طرح دیا ہے۔ محمد بن الحسن پڑھیں جیسا کہ پہلے گذر چکا۔

(۸۱۸) مزنی : مزنی سے یہاں مراد ابوعبداللہ بکر بن عبداللہ المزنی سے ہے یہ بصرہ کے رہنے والے اور فقیہ تھے۔ زاہد و عابد تھے ۱۰۸ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب ۱ : ۱۳۵ : صفتہ الصفوۃ : ۳ : ۱۷۱-۱۷۲) یاد رہے کہ ایک مزنی اور ہیں اور وہ ان سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان کا نام ابوابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ مصری ہے۔ یہ امام شافعی کے شاگرد تھے اور زاہد و عابد تھے۔ یہ نوے سال کی عمر میں ۲۶۴ھ میں انتقال کر گئے (شذرات الذہب : ۲ : ۱۴۸)

(۸۱۹) ابوعلی جوزجانی : ابوعلی الحسن بن علی جوزجانی۔ خراسان کے کبار مشائخ میں سے تھے اور صاحب تصانیف ہیں۔ علوم ریاضت و مجاہدہ میں ان کا کلام مشہور ہے۔ محمد بن علی ترمذی اور محمد بن الفضل کی صحبت میں رہے۔ ان کے ہمعصر تھے (طبقات الصوفیہ : ۲۴۶ - ۲۴۸)

(۸۲۰) ارادت کی بحث کے لئے ملاحظ ہو۔ قوت القلوب : ۱ : ۹۴ - ۱۰۰

(۸۲۱) الحکم بن اسلم : ابومعاذ الحکم بن اسلم الجبی القرشی۔ انھوں نے شعبہ اور عبدالعزیز بن مسلم سے روایت کی اور اُن سے ابوحاتم رازی نے۔ بصری قدری اور صدوق تھے۔ کتاب الجرح و التعدیل ج ا ق ۲ : ۱۱۴)

(۸۲۲) اسمٰعیل بن جعفر : ابوابراہیم اسمٰعیل بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری۔ یہ اہل مدینہ کے قاری تھے۔ انھوں نے حمید الطویل وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابوعمر الدوری وغیرہ نے۔ ثقہ صدوق اور قلیل الخطأ تھے۔ ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ا ق ۱ : ۱۶۲-۱۶۳ : تاریخ بغداد ۶ : ۲۱۸ - ۲۲۱)

(۸۲۳) حمید سے مراد حمید الطویل ہیں۔ ابوعبیدہ حمید الطویل۔ بصری ہیں۔ ثقہ تابعین میں

شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے حضرت انس بن مالک سے حدیث سنی۔ حماد بن سلمہ کے ماموں ہوتے ہیں۔ امام حافظ متقن اور عمدہ تھے۔ ستانوے سال عمر پائی اور ۱۴۳ھ میں دنیا سے کوچ کیا۔ (شذرات الذہب ۱: ۲۱۱-۲۱۲)

(۸۲۴) ابوبکر السباک: رسالہ اور شرح انصاری میں اسی طرح دیا ہے مگر صحیح ابوبکر بن السباک ہے۔ پورا نام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن احمد المعروف بہ ابن السباک المستملی الجرجانی۔ انھوں نے ابویعقوب بحری وغیرہ سے روایت کی۔ ابونعیم محمد بن الحسن بن اسد القاضی م ۳۸۴ھ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ انھوں نے ۲۹۹ھ میں وفات پائی (تاریخ جرجان: ۴۰۹)

(۸۲۵) یہاں ذوالنون کی حالت "مرید کی حالت" ہے اور بایزید کی "مراد" کی۔

(۸۲۶) استقامت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ: ۲: ۱۲۳-۲۵ تر حیات القلوب: ۲: ۲۱۶)

(۸۲۷) ابوبشر یونس بن حبیب: ابوبشر یونس بن حبیب العجلی الاصبہانی۔ مسند طیاسی کے راوی ہیں۔ ثقہ صالح اور جلیل القدر محدث ہیں۔ ۲۶۷ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب ۲: ۱۵۴ از اخبار اصفہان: ۲: ۳۴۵-۳۴۶)

(۸۲۸) ابوداؤد طیالسی: ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی۔ چوٹی کے حفاظ حدیث میں سے تھے۔ انھوں نے شعبہ وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے عباس دوری وغیرہ نے۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ اپنے حافظہ پر اعتماد کر کے حدیث کی روایت کرتے تھے۔ اسی لئے کئی ایک احادیث کی روایت میں غلطی کھائی ہے۔ تقریباً اسی سال عمر پاکر ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۳۲۰-۳۲۱ ز شذرات الذہب: ۲: ۱۲)

(۸۲۹) سالم بن ابی جعد۔ سالم بن ابی الجعد الاشجعی الکوفی الفقیہ۔ ان کے دوسرے بھائیوں کے نام یہ ہیں: عبیداللہ۔ عبیدؓ۔ زیادؓ۔ عمرانؓ۔ مسلمؓ۔ مگر سالم سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ انھوں نے ابن عباس اور ثوبان وغیرہ سے روایت کی۔ ان کے والد ابوالجعد کا نام رافع ہے۔ ان سے قتادہ اور اعمش وغیرہ نے روایت کی۔ ثقہ تھے۔ ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔ تاریخ الاسلام: ۳: ۳۶۹)

(۸۳۰) ثوبان بن ابوعبداللہ ثوبان بن بجدد۔ نواحی حجاز میں یہ قید کر کے لائے گئے۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خرید لیا۔ چنانچہ سفر و حضر میں یہ آپ کی خدمت کیا کرتے۔ آنحضرتؐ نے انھیں آزاد کر دیا تھا۔ اور فرمایا تھا۔ چاہو تو اپنے گھر چلے جاؤ اور چاہو تو میرے پاس رہو۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے پاس رہنا پسند کیا۔ حمص میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ: ۱: ۲۴۹-۲۵۰؛ تاریخ الاسلام: ۲: ۲۷۳)

(۸۳۱) اس عورت کا نام ریطہ بنت سعد بن تیم ہے۔ یہ بہت بے وقوف عورت تھی۔ اس نے ایک ہاتھ بھر چرخہ بنایا۔ اس کا تکلا ایک انگشت کے برابر تھا اور اتنا ہی بڑا اس کا حلقہ تھا۔ یہ اپنی لونڈیوں کو سوت کاتنے کا حکم دیتی جب شام ہوتی تو تمام سوت توڑ ڈالتی (نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۱۲۷)

(۸۳۲) ابو علی شبوتی: ابو علی محمد بن محمد بن عمر بن شبویہ المروزی۔ انھیں اپنے علاقہ کا لسان الوقت خیال کیا جاتا تھا۔ ابو العباس سیاری کے مرید تھے۔ ابو علی دقاق اور ابو سعید ابو الخیزان کی صحبت میں رہا کرتے تھے (نفحات الانس: ۲۷۲-۲۷۳)

(۸۳۳) ابو بکر محمد بن حسین بن فورک: ابو بکر محمد بن الحسن بن فورک پڑھیں۔

(۸۳۴) مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ باب استفعال میں سے ہے اور باب استفعال میں طلب کے معنی پائے جاتے ہیں۔

(۸۳۵) ابو العباس الفرغانی: ابو العباس حاجب بن مالک بن اَرکیں الفرغیر۔ بغداد آئے۔ اور وہاں ابو عمر حفص بن عمر الدوری وغیرہ سے حدیث کی اور ان سے القاسم بن علی بن جعفر الدوری وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۳۰۶ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۸: ۲۷۱-۲۷۲؛ اخبار اصفہان: ۱: ۳۰۲-۳۰۳)

(۸۳۶) اخلاص کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۱۳۱؛ شرح تعرف: ۳: ۱۳۴-۱۳۶؛ حیاۃ القلوب: ۲: ۲۱۲-۲۱۵؛ احیاء علوم الدین: ۴: ۳۶۴-۳۷۴۔

(۸۳۷) جعفر بن محمد الفریابی: ابو بکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الترکی الفریابی۔ یہ دینور کے قاضی تھے۔ امام حافظ اور نقاد تھے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے ۲۱۴ھ میں حدیث سنی۔ پچانوے سال عمر پاکر ۳۰۱ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۲۳۵۔

تذکرۃ الحفاظ : ۲: ۲۳۶-۲۳۷ تاریخ بغداد : ۷: ۱۹۹-۲۰۲)

(۸۳۸) ہانی بن عبدالرحمٰن بن ابی عبلہ۔ یہ ابراہیم بن ابی عبلہ کے بھتیجے ہیں۔

(۸۳۹) ابراہیم بن ابی عبلہ۔ ابو اسمٰعیل ابراہیم بن ابی عبلہ انھوں نے انس بن مالک اور عقبہ بن وسلج سے روایت کی اور ان سے مالک اور ان کے بھتیجے ہانی بن عبدالرحمٰن بن ابی عبلہ نے۔ ثقہ اور صدوق ہیں۔ خطیب کہتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں اور اہل شام کے تابعین میں سے ہیں۔ فاضل ادیب اور شاعر تھے۔ ۱۵۲ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۱: ۱۴۲-۱۴۳: کتاب الجرح والتعدیل ج اق ۱: ۱۰۵)

(۸۴۰) عطیہ بن وشاح : صحیح نام عقبہ بن وسّاج ہے۔ عقبہ بن وسّاج بن حصن الازدی البرسانی البصری نے شام میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے حضرت انس سے روایت کی اور ان سے ابراہیم بن ابی عمیہ وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں ۸۲ھ میں زاویہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔ (تہذیب التہذیب : ۷: ۲۵۱-۲۵۲ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ق : ۳۱۸۔ تاریخ الاسلام : ۴: ۴۴)

(۸۴۱) علی بن سعید : علی بن سعید الثغری سلمی کے استاد ہیں۔

(۸۴۲) احمد بن محمد ذکریا : ابوالعباس احمد بن محمد بن زکریا النسوی۔ بغداد آئے اور وہاں حدیث کی روایت کی۔ ثقہ ہیں۔ ۳۹۶ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۹۱۵)

(۸۴۳) علی بن ابراہیم الشقیقی صحیح علی بن ابراہیم الثقفی ہے (طبقات الصوفیہ - ۱۹۶)

(۸۴۴) ابویعقوب شریطی صوفی بصری ہیں۔ انھیں بہت سے علوم میں مہارت حاصل تھی۔ حدیث میں بصیرت حاصل تھی۔ داؤد بن علی الاصبہانی کے عہد میں بغداد آئے۔ ابوتراب بخشی کی صحبت میں رہے اور لوگوں میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ (تاریخ بغداد : ۴: ۴۰۸-۴۰۹)

(۸۴۵) علی بن عبدالحمید ابوالحسن علی بن عبدالحمید الغضائری انھوں نے حلب سے چالیس پیدل حج کیے۔ یہ سری سقطی کی اقوال کی حکایت کرتے ہیں۔ ۳۱۳ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد ۱۲: ۲۹ ز شذرات الذہب : ۲: ۲۶۶۔ صفۃ الصفوۃ : ۴: ۲۱۵: البدایہ والنہایہ : ۱۱: ۱۵۳)

(۸۴۶) علی بن بندار الصوفی الصیرفی۔ ابوالحسن۔ یہ کثیر التعداد صوفیاء کی صحبت میں رہے۔ اور کئی ایک کی زیارت کی۔ مثلاً ابوعثمان، محفوظ وغیرہ۔ انھوں نے بہت سی احادیث لکھیں۔ اور ان

کی روایت بھی کی۔ ثقہ تھے۔ ۲۵۹ھ میں وفات پائی (طبقات الصوفیہ: ۵۰۱-۵۰۴ ز لواقح الانوار شعرانی: ۲: ۱۳۶۱۔ البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۹۸ ز المنتظم: ۷: ۵۲)

(۸۴۷) صدق کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۱۲۷ ز حیات القلوب: ۲: ۲۰۷-۲۱۲۔ احیاء العلوم الدین: ۴: ۳۷۴-۳۸۰)

(۸۴۸) منصور سے مراد ابو عتاب منصور بن المعتمر السلمی ہیں۔ انھوں نے ابو وائل سے روایت کی اور ان سے شعبہ وغیرہ نے ۱۳۲ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۳۱۳-۳۱۵ ز تاریخ الاسلام: ۵: ۳۰۵-۳۰۴)

(۸۴۹) ابو وائل شقیق بن سلمہ الاسدی الکوفی۔ انھوں نے آنحضرتؐ کا زمانہ پایا ہے۔ مگر دیدار سے محروم رہے انھوں نے ابن مسعود اور دیگر صحابہ سے روایت ہے اور ان سے منصور وغیرہ نے۔ انھوں نے الحجاج کے واقعہ کے بعد ۸۲ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۴: ۳۶۱-۳۶۳)

(۸۵۰) قناد: اس لقب کے تین آدمی ہیں۔ ابو اسمٰعیل ابراہیم بن عبداللہ القناد۔ عمرو بن حماد القناد المتوفی ۲۲۲ھ (تہذیب التہذیب: ۸: ۲۲-۲۳) اور ابو یحییٰ محمد بن عبدالوہاب القناد السکری۔ یہاں یہی مراد ہیں۔ یہ دراصل اصفہان کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے امام ابو حنیفہ وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے احمد بن اسد البجلی وغیرہ نے۔ اہل کوفہ کے فاضلوں میں سے تھے۔ اور بڑے پرہیزگار تھے۔ ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۹: ۳۲۰-۳۲۱ ز اخبار اصفہان: ۲: ۲۰۳)

(۸۵۱) اس واقعہ کا صدق سے یہ تعلق ہے کہ اس بڑھیا کا چینخنا صدق دل سے تھا۔ جو اس نے پورا کر دکھایا۔

(۸۵۲) ابو عمرو الزجاجی: ابو عمرو محمد ابراہیم الزجاجی النیشاپوری متوفی ۳۴۸ھ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے (نفحات الانس: ۲۱۱-۲۱۲ ز حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۳۷۶)

(۸۵۳) ابوالحسین بن مقسم بن: درست ابوالحسن بن مقسم ہے مکمل نام ابوالحسن احمد بن محمد بن الحسین بن یعقوب بن مقسم المقری العطار یہ ثقہ نہیں ہیں۔ بعض نے کذاب تک کہا ہے۔ سال پیدائش ۲۹۶ھ اور سال وفات ۳۸۰ھ (تاریخ بغداد: ۴: ۴۲۹)

(۸۵۴) ابراہیم بن دوحہ۔ جامی نے انھیں ابراہیم رباطی لکھا ہے۔ یہ ابراہیم ستبنہ کے مرید تھے۔ انہی سے انھوں نے طریق توکل سیکھا (نفحات الانس: ۷۴)

(۸۵۵) ابراہیم بن ستبنہ ابو اسحٰق ابراہیم بن ستبنہ ہروی۔ یہ ابراہیم بن ادھم کی صحبت میں رہے۔

اور ابو یزید کے معاصرین میں سے تھے۔ دراصل کرمان کے رہنے والے تھے۔ مگر ہرات میں مقیم ہو گئے تھے اور اُن کی قبر قزدین میں ہے (نفحات الانس: ۴۵-۷۴ز حلیۃ الاولیاء: ۱۰: ۴۳-۴۴)

(۸۵۶) فتح موصلی: اس نام کے دو شخص ہیں ایک ابو محمد فتح بن محمد بن وشاح الازدی الموصلی متوفی ۱۷۰ھ (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۱۵۳-۱۵۵- تاریخ بغداد: ۱۲: ۳۸۳) اور دوسرا ابو نصر فتح بن سعید الموصلی یہ بشر حافی کے ہمعصر تھے ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ دونوں بڑے پایہ کے صوفی تھے۔ (صفۃ الصفوہ: ۴: ۱۵۵-۱۶۱ تاریخ بغداد: ۱۲: ۳۸۱-۳۸۲)

(۸۵۷) حیاء کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۴۴ از حیاۃ القلوب : ۲: ۲۰۶-۲۰۷)

(۸۵۸) ابراہیم بن محمد بن الہیثم: ابو القاسم ابراہیم بن محمد بن الہیثم القطیعی۔ یہ بغداد میں عبد العجلی کے پڑوس میں قطیعۂ عیسٰی بن علی میں رہا کرتے تھے۔ انھوں نے منصور بن ابی مزاحم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابو عبد اللہ المحاملی وغیرہ نے۔ ثقہ اور بیدار مغز تھے۔ ۳۰۱ھ میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد : ۶: ۱۵۴-۱۵۵ از معجم البلدان : ۴: ۳۷۷)

(۸۵۹) موسیٰ بن حیان: موسیٰ بن حیان البندار۔ انھوں نے ابو عمر حفص بن عمر الحوضی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے اسمٰعیل بن الفضل وغیرہ نے۔ ۲۷۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۳: ۴۶)

(۸۶۰) المقدسی: رسالہ میں اسی طرح سین کے ساتھ دیا ہے مگر صحیح المقدمی (میم کے ساتھ) ہے۔ ان کا نام ابو محمد القاسم بن یحییٰ بن عطار بن مقدم الہلالی المقدمی ہے۔ انھوں نے عبید اللہ بن عمر العمری وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے اُن کے بھتیجے مقدم بن محمد بن یحییٰ وغیرہ نے۔ ثقہ اور مستقیم الحدیث تھے۔ ۱۹۷ھ میں وفات پائی (التہذیب التہذیب ۸: ۳۴۰-۳۴۱)

(۸۶۱) عبید اللہ بن عمر: ابو عثمان عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب العدوی العمری۔ یہ سات قاریوں میں سے تھے۔ انھوں نے نافع وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے القاسم بن یحیی بن عطار بن مقدم وغیرہ نے۔ یہ ثبت حافظ اور کثیر الروایت ہیں۔ ثقہ تھے۔ علم۔ فضل۔ عبادت اور حافظہ کے اعتبار سے اشراف قریش میں شمار ہوتے۔ ۱۴۷ھ میں وفات پائی تہذیب التہذیب ۷: ۳۹-۴۰)

(۸۶۲) نافع: ابو عبد اللہ نافع العدوی ابن عمر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے اُن کی اولاد اور

عبداللہ بن دینار وغیرہ نے۔ امام اور مشہور فقیہ تھے۔ ۱۱۷ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۲۱۲-۲۱۴؛ تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۹۴؛ تاریخ الاسلام: ۵: ۱۰-۱۱)

(۸۶۳) ابو احمد محمد بن عبدالوہاب: ابو احمد محمد بن عبدالوہاب العبدی الفراء الحافظ النیساپوری انھوں نے یعلی بن عبید وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے ابوعثمان عمرو بن عبداللہ البصری وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ حاکم انھیں اعقل المشائخ کہتے ہیں۔ انھوں نے علم ادب اصمعی سے پڑھا۔ پچانوے (۹۵) سال کی عمر میں ۲۷۲ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۹: ۳۱۹-۳۲۰؛ تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۱۵۸-۱۵۹)

(۸۶۴) یعلی بن عبید: ابو یوسف یعلی بن عبید الطنافسی الکوفی۔ انھوں نے اسمٰعیل بن ابی خالد وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے اُن کے بھانجے علی بن محمد الطنافسی وغیرہ نے۔ صالح ثقہ اور صحیح الحدیث ہیں۔ سال پیدائش ۱۱۷ھ اور سالِ وفات ۲۰۹ھ ہے (شذرات الذہب: ۲: ۲۲؛ تہذیب التہذیب: ۱۱: ۴۰۲-۴۰۳؛ تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۳۰۵-۳۰۶)

(۸۶۵) ابان بن اسحٰق: ابان بن اسحٰق الاسدی الکوفی النحوی۔ انھوں نے محمد بن صباح بن محمد الاحمسی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن عبید الطنافسی وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں (تہذیب التہذیب: ۱: ۹۳؛ کتاب الجرح والتعدیل: ۱: ۲۹۹؛ التاریخ الکبیر، ج ۱ ق ۱: ۴۵۳)

(۸۶۶) الصباح بن محمد: صباح بن محمد بن ابی حازم البجلی الاحمسی الکوفی۔ انھوں نے مرۃ الہمدانی وغیرہ سے روایت کی۔ اور اُن سے ابان بن اسحٰق الاسدی الہمدانی وغیرہ نے۔ ان کی جو حدیث یہاں دی ہے اس کی روایت ترمذی نے کی ہے۔ مگر ساتھ ہی اُسے "غریب" قرار دیا ہے۔ عقیلی کہتے ہیں ان کی احادیث میں وہم پایا جاتا ہے (تہذیب التہذیب ۴: ۴۰۸-۴۰۹)

(۸۶۷) مرۃ الہمدانی: ابو اسمٰعیل مرۃ بن شراحیل الہمدانی السکسکی جو اپنی عبادت کی وجہ سے مرۃ الطیب اور مرۃ الخیر کے لقب سے مشہور ہیں۔ انھوں نے ابن مسعود وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے صباح بن محمد وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ تابعی ہیں۔ حجاج کے عہد میں الجماجم کے واقعہ کے بعد وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۸۸-۸۹؛ تاریخ الاسلام: ۳: ۳۰۳)

(۸۶۸) ابونصر الوزیری: رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں الوزیری ہی دیا ہے۔ سُلمی جس

ابونصر سے حکایت کرتے ہیں اس کا نام محمد بن احمد ہے ابونصر محمد بن احمد الوزیری کا کہیں پتہ نہ چلا۔ البتہ ابونصر محمد بن احمد المروزی اسی زمانہ میں ہوتے ہیں۔ یہ سنہ ۲۵۴ھ میں بغداد آئے تھے۔ (تاریخ بغداد: ۱: ۳۱۸)

(٨٦٩) محمد بن عبد اللہ بن محمد: ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن محمد القطان۔ انھوں نے محمد بن جریر الطبری وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابومحمد الخلال وغیرہ نے۔ باوجود رافضی ہونے کے ثقہ اور صحیح السماع ہیں۔ سنہ ۳۷۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۵: ۴۶۵) ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن محمد ایک اور صاحب بھی ہیں۔ یہ مالکی فقیہ تھے اور مالکی فقہ میں ان کی تصانیف بھی ہیں۔ چھیاسی سال کی عمر میں وفات پائی (البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۳۰۴)

(٨٧٠) الغلابی ابوامیہ الاحوص بن مفضل الغلابی۔ غلاب ایک عورت کا نام ہے اور وہ خالد بن الحارث بن اوس بن نابغہ کی والدہ ہے۔ انھوں نے محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب وغیرہ سے روایت کی۔ بصرہ۔ واسط اور اہواز کے قاضی رہے۔ باوجود کم علم ہونے کے ان کی نیکی کی وجہ سے لوگ ان کی عزت کرتے تھے اور اُن کی کم علمی پر پردہ پڑا رہا۔ ان کی وفات قیدخانہ میں ہوئی سنہ ٣[illegible]ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۵: ۵۰-۵۲)

(٨٧١) محمد بن مخلد: ابوعبد اللہ محمد بن مخلد بن حفص الدوری العطار۔ انھوں نے ابوالسائب سلم بن جنادہ وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابوالعباس بن عقدہ وغیرہ نے۔ یہ اہل فہم میں سے تھے۔ ان کے علم پر لوگوں کو اعتماد تھا۔ وسیع الروایت اور عبادت۔ دیانت اور امانت کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان کی پیدائش المحاملی کی پیدائش سے ایک سال پہلے ہوئی۔ المحاملی کی پیدائش سنہ ۲۳۵ھ میں ہوئی۔ خود اپنا سال پیدائش سنہ ۲۳۳ھ بتاتے ہیں۔ سنہ ۳۳۱ھ میں۔ ستانوے سال عمر پاکر وفات پائی (تاریخ بغداد: ۳: ۳۱۱ شذرات الذہب ۲: ۳۳۱۔

(٨٧٢) محمد بن احمد بن یعقوب: ابوبکر بن محمد احمد بن یعقوب بن شیبہ السدوسی۔ انھوں نے سات سال کی عمر میں سنہ ۲۹۱ھ میں اپنے دادا سے مسند العشر اور مسند العباس سنی۔ ثقہ تھے۔ سنہ ۳۳۱ھ میں وفات پائی۔ شذرات الذہب: ۲: ۳۲۹ (تاریخ بغداد: ۱: ۲۷۳-۲۷۵)

خطیب بغدادی (۱: ۲۷۵) نے ایک اور شخص محمد بن احمد بن یعقوب ابو عبد اللہ الوزیر کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے ۳۳۹ھ میں وفات پائی۔ مگر یہاں مراد ابونصر محمد بن احمد بن یعقوب طوسی سے ہے۔ جیسا کہ طبقات الصوفیہ صہ ۲۰۵ میں ہے)

(۸۷۳) محمد بن عبد الملک: محمد بن عبد الملک بن یزید الصوفی البغدادی۔ انھوں نے ظاہری علوم کی تحصیل کی۔ اور بکثرت حدیث لکھی۔ مگر ایک روز ابو حمزہ محمد بن ابراہیم الصوفی کے حلقہ میں آئے۔ جب کہ وہ علوم الحقائق بیان کر رہے تھے۔ لہٰذا انھوں نے مجالس حدیث کو چھوڑ کر انہی کی مجلس اختیار کر لی۔ اور مرتے دم تک ان کے ساتھ رہے (تاریخ بغداد: ۲: ۳۴۸)

(۸۷۴) حسن بن حداد حسن حداد پڑھیں۔ ابو علی الحسن بن یوسف بن یعقوب الحداد۔ انھوں نے یونس بن عبد الاعلیٰ وغیرہ سے روایت کی۔ مصر عتیق کی جامع مسجد کے امام تھے۔ ۳۳۲ھ میں وفات پائی۔ (المنتظم: ۶: ۳۳۷ - ۳۳۸)

(۸۷۵) احمد بن صالح: ابو یحییٰ احمد بن محمد بن صالح السمرقندی۔ انھوں نے یحییٰ بن معاذ رازی کے شاگرد محمد بن محمود وغیرہ سے روایت کی۔ ۳۰۲ھ میں بغداد آئے۔ تاریخ بغداد: ۵: ۳۸)

(۸۷۶) محمد بن عبد المدان: ابو بکر محمد بن عبدون بن علی القطان۔ انھوں نے ابوالحسن دارقطنی سے روایت کی۔ (تاریخ بغداد: ۲: ۳۹۴)

(۸۷۷) ابو العباس المؤدب: احمد ابو العباس المؤدب۔ مشائخ صوفیہ میں سے ہیں۔ انھوں نے سری سقطی کے اقوال کی حکایت کی ہے (تاریخ بغداد: ۵: ۲۲۹ - ۲۳۰)

(۸۷۸) عبد اللہ بن الحسین: عبد اللہ بن الحسین بن ابراہیم الصوفی۔ یہ سلمی کے استاد ہیں۔

(۸۷۹) مقدار: مقداد بن عمرو جو بالعموم مقداد بن الاسود کے نام سے مشہور ہیں۔

اسود بن عبد یغوث نے انہیں متبنیٰ بنا لیا تھا۔ اس لئے ان کی طرف منسوب ہو گئے۔ یہ صحابی ہیں۔ اور سابقین اولین میں سے ہیں۔ مکہ میں یہ ان سات مسلمانوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ انہوں نے ستر سال کی عمر میں حضرت عثمان کے عہد خلافت میں وفات پائی (اسد الغابہ ۴: ۴۰۹-۴۱۱) (۸۸۰) عبد اللہ بن احمد بن جعفر: ابو محمد عبد اللہ بن ابی حامد احمد بن جعفر الشیبانی النیشاپوری۔ یہ بہت بڑے مالدار تھے۔ انہوں نے اپنی دولت علم اور اہلِ علم پر خرچ کی۔ چونکہ اپنے بالوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے، اور منڈاتے نہ تھے اس لئے شعرانی کہلائے۔ پیدائش ۳۰۲ھ اور وفات ۳۷۲ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد ۹: ۳۹۱-۳۹۲)۔ (۸۸۱) زنجویہ اللباد: ابو محمد زنجویہ بن محمد الحسن بن عمر الزاہد اللباد۔ یہ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ اور بڑے عبادت گزار تھے۔ مشائخ ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ۳۱۸ھ میں وفات پائی۔ (۸۸۲) علی بن الحسین الہلالی: درست علی بن الحسن بن موسیٰ الہلالی ابو الحسن بن عیسیٰ الدار بجردی ہے۔ ثقہ اور مامون تھے۔ انہیں ارغیان کے ایک گاؤں میں ۲۹۹ھ میں بھیڑیا کھا گیا تھا (طبقات الصوفیہ ۱۲)۔ (۸۸۳) ابراہیم بن الاشعث: یہ فضیل بن عیاض کے خادم تھے۔ انھوں نے عیسیٰ بن غنجار سے روایت کی اور ان سے عبدہ بن عبد الرحیم المروزی نے (طبقات الصوفیہ ۶)۔ (۸۸۴) محمد بن صالح بن النطاح: ابو عبد اللہ یا ابو جعفر محمد بن صالح بن مہران جو ابن النطاح کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بصری ہیں۔ بغداد آئے اور یوسف بن عطیہ الصفار وغیرہ سے روایت کی۔ اور اُن سے احمد بن علی الخزاز وغیرہ نے۔ یہ تاریخ اور نسب دان تھے اور پہلے شخص ہیں جنہوں نے دولتِ عباسیہ کی تاریخ لکھی۔ ۲۵۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۵: ۲۵۷-۲۵۸ و تہذیب التہذیب ۹: ۲۲۷)۔ (۸۸۵) نعیم بن مورع بن توبہ: نعیم بن مورع بن توبہ العنبری۔ یہ العباس العنبری کے چچا زاد بھائی ہیں۔ انہوں نے ہشام بن حسان سے روایت کی اور ان سے محمد بن عمر بن علی المقدمی نے۔ یہ قوی نہیں ہیں (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۴۶۴)۔ (۸۸۶) اسماعیل المکی: ابو اسحاق اسمٰعیل بن مسلم المکی البصری۔ انہوں نے مکہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس لئے مکی کہلائے۔ فقیہ اور مفتی تھے انھوں

نے عمرو بن دینار وغیرہ سے روایت کی اور آن سے اعمش وغیرہ نے۔ صدوق تھے مگر غلطی کھا جاتے تھے۔ اسی لئے انہیں کمزور سمجھا گیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ۱: ۲۳۱ - ۲۳۲) (۸۸۷) عمرو بن دینار: ابو محمد عمرو بن دینار المکی الجمحی۔ علماء امت میں سے تھے۔ انہوں نے ابن عباس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے قتادہ وغیرہ نے۔ عالم۔ صدوق۔ ثبت اور کثیر الحدیث ہیں۔ اپنے زمانہ میں اہلِ مکہ کے مفتی تھے۔ ۱۲۵ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۸: ۲۸ - ۳۰ ؛ تذکرۃ الحفاظ ۱: ۱۰۶ - ۱۰۷) (۸۸۸) طاؤس: ابو عبد الرحمٰن طاؤس بن کیسان الیمانی الجندی۔ یہ ابناء میں سے تھے۔ انہوں نے ابن عباس وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے زہری وغیرہ نے۔ انہیں علم و عمل میں سردار سمجھا جاتا تھا۔ اہلِ یمن کے شیخ اور مفتی تھے۔ کئی ایک حج کئے۔ اور حج کے دوران میں ہی ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱: ۶۳ ؛ ۶۴ ؛ تاریخ الاسلام ۴: ۱۲۶ - ۱۲۹) (۸۸۹) حارثہ۔ حارثہ سے یہاں مراد حارثہ بن نعمان انصاری خزرجی ہیں۔ یہ فضلاء صحابہ میں سے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک ہوئے۔ غزوہ حنین میں ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے۔ اپنی والدہ کی بہت خدمت کیا کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے دیکھا تھا۔ (اسد الغابہ ۱: ۳۵۸ - ۳۵۹) (۸۹۰) ابو محمد المراغی: ابو محمد جعفر بن الحارث المراغی۔ یہ ابو عبد الرحمٰن سلمی کے استاد ہیں۔ انہوں نے حدیث کی تلاش اور جمع کرنے کی غرض سے بہت سفر کئے۔ نیشاپور میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اور دمشق اور دیگر مقامات میں کثیر التعداد لوگوں سے حدیث سنی ۳۵۶ھ میں وفات پائی۔ (معجم البلدان ۵: ۹۳) (۸۹۱) یہ قول حضرت جنید بغدادی کا ہے۔ آن سے کسی نے سوال کیا تھا کہ بعض اہلِ معرفت کہتے ہیں کہ ہم تو واصل ہو چکے لہذا اب ہمارا عمل ترک کر دینا بھی نیکی میں شمار ہوگا۔ اس پر انہوں نے فرمایا: یہ لوگ یقیناً واصل ہو گئے ہیں۔ مگر واصل باللہ نہیں واصلِ جہنم ہو گئے ہیں۔ (شرح زکریا انصاری ۲: ۱۵۲) (۸۹۲) منصور الفقیہ: ابو الحسن منصور بن اسمٰعیل بن عمر التمیمی الفقیہ الضریر: دراصل راس عین کے رہنے والے تھے۔ مذہب شافعی کے فقیہ تھے اور ان کی کئی ایک تصانیف ہیں۔ مثلاً ہدایۃ المسافر

الواجب۔ المستعمل عمدہ شعر کہا کرتے تھے مگر ہجو میں بہت فحش گوئی کرتے۔ ۲۴۶ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب ۲: ۲۴۹-۲۵۰)۔

(۸۹۳) یوسف بن موسیٰ۔ ابویعقوب یوسف بن موسیٰ القطان المروزی۔ یہ خراسان کے چوٹی کے محدثین میں سے تھے۔ انہوں نے حدیث کی تلاش میں دُور دور کا سفر اختیار کیا۔ اسحاق بن راہویہ وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے ابوبکر شافعی وغیرہ نے ثقہ تھے ۲۹۶ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۱۴: ۳۰۸-۳۰۹)۔ (۸۹۴) ذکر کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف ۳: ۱۵۱-۱۶۰؛ احیاء علوم الدین ۱: ۲۰۱-۳۰۴ز قوت القلوب ۱: ۴-۵ز حیاۃ القلوب ۲: ۱۰۶-۱۱۱؛ نتائج الاذکار القدسیہ ۳: ۱۵۴-۱۵۵)۔ (۸۹۵) ابوعلی الحسین بن صفوان البردعی، بردعہ آذربیجان میں ایک شہر ہے اسی کی طرف یہ منسوب ہوتے ہیں۔ ابوبکر بن ابی الدنیا کے شاگرد ہیں ۳۴۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ صدوق ہیں۔ (تاریخ بغداد ۸: ۵۴ز شذرات الذہب ۲: ۳۵۶)۔ (۸۹۶) ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا: ابوبکر عبداللہ بن محمد القرشی جو ابن ابی الدنیا کے نام سے مشہور ہیں۔ زہد اور دقائق میں انکی تصانیف ہیں۔ انہوں نے سعید بن سلیمان الواسطی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے حارث بن ابی اسامہ وغیرہ نے۔ صدوق ہیں۔ پیدائش ۲۰۸ھ میں اور وفات ۲۸۱ھ میں ہوئی تاریخ بغداد ۱۰: ۸۹-۹۱) (۸۹۷) ہارون بن معروف: ابوعلی ہارون معروف بہ الضریر المروزی۔ انہوں نے بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ ابن مبارک وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابن ابی الدنیا وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ ۲۳۱ھ میں وفات پائی۔ اور ستر سال کی عمر پائی۔ (تہذیب التہذیب ۱۱: ۱۱-۱۲ز شذرات الذہب ۲: ۷۱ز تاریخ بغداد ۱۴: ۱۴-۱۵) (۸۹۸) انس بن عیاض: ابوحمزہ انس بن عیاض اللیثی المدنی۔ انہوں نے شریک بن ابی نمر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابن وہب وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ مگر غلطی کھا جاتے تھے۔ ۱۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۱: ۳۷۵-۳۷۶) (۸۹۹) عبداللہ بن سعید بن

ابی ہند، ابوبکر عبداللہ بن ابی ہند الفزاری المدنی۔ انہوں نے زیاد بن ابی زیاد وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابوضمرہ وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں ۱۴۶ھ یا ۱۴۷ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۵: ۲۲۹) (۹۰۰) زیاد بن ابی زیاد: ابومحمد زیاد بن ابی زیاد، الجصاص الواسطی۔ دراصل بصرہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت انس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ہشیم وغیرہ نے۔ ابن حبان نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۳: ۳۶۸، تاریخ بغداد: ۸: ۴۷۴) (۹۰۱) ابوبحریہ: ابوبحریہ عبداللہ بن قیس الکندی التراغمی الحمصی۔ انہوں نے جابیہ کے مقام پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ سنا۔ انہوں نے ابوالدرداء وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے وغیرہ نے۔ یہ فاضل، ناسک اور مجاہد تھے۔ امیر معاویہ اور دیگر خلفاء بنی امیہ ان کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ ان کا ولید بن عبدالملک کے عہد میں انتقال ہوا۔ (تاریخ الاسلام ۴: ۲: ۷۲) (۹۰۲) ابوالدرداء: عویمر بن عامر الانصاری الخزرجی۔ یہ فاضل صحابہ اور فقہاء صحابہ میں سے تھے۔ انہوں نے احد اور دیگر جنگوں میں شرکت کی ۳۲ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ: ۴: ۱۵۹-۱۶۰ ز ۵: ۱۸۵-۱۸۶) (۹۰۳) یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم۔ ابویوسف یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم المروزی۔ انہوں نے داؤد بن رشید وغیرہ سے روایت کی اور ان سے المفضل بن سلمہ بن عاصم نے یہ "لابأس بہ" کے درجہ میں ہیں۔ (تاریخ بغداد: ۱۴: ۲۹۱) (۹۰۴) الدَبَری، دَبَر (بفتحتیں) صنعاء یمن کے اطراف میں ایک بستی کا نام ہے۔ ابویعقوب اسحٰق بن ابراہیم الدَبَری الصنعانی یہیں کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے عبدالرزاق بن ہمام سے روایت کی ہے ۲۸۵ھ میں وفات پائی۔ (معجم البلدان: ۲: ۴۳۷) (۹۰۵) عبدالرزاق سے مراد عبدالرزاق بن ہمام ہیں۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ (۹۰۶) ثابت سے مراد ثابت بن اسلم بنانی سے ہے۔ ائمہ تابعین میں سے ہیں۔ ان کی کنیت ابومحمد ہے اور بصری ہیں۔ صائم الدہر تھے اور رات دن میں ایک بار قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔ ثقہ اور مامون تھے۔ انہوں نے انس رضی اللہ سے روایت کی ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۲۔ ۴ ز

تاریخ الاسلام: ۵ : ۵۰-۵۲ ز صفتہ الصفوۃ: ۳ : ۱۸۴) (۹۰۷) معاذ: یہاں معاذ سے مراد ابو المثنیٰ معاذ بن معاذ التیمی الحافظ البصری ہیں۔ انہوں نے حمید الطویل وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے اُن کے دونوں بیٹوں عبداللہ اور مثنیٰ وغیرہ نے۔ ثقہ اور ثبت ہیں۔ ۱۱۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۹۶ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۱۹۴-۱۹۵) (۹۰۸) حمید سے مراد حمید الطویل سے ہے۔ ۱۴۳ھ میں پچھتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۳: ۳۸-۴۰) (۹۰۹) عبدالرحمٰن بن بکر: میں ان کا تعین نہیں کرسکا۔ ایک عبدالرحمٰن بن بکر بن مسلم ہیں۔ جنہوں نے اپنے دادا ربیع بن مسلم وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے ابو حاتم اور ابو زرعہ نے۔ صدوق تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۲: ق ۲: ۲۱۷) اور دوسرے عبدالرحمٰن بن بکر الطبری الآملی ہیں۔ انہوں نے شریک وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابو حاتم اور ابو زرعہ نے۔ صدوق ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۲: ق ۲: ۲۱۷)

(۹۱۰) ابو علی بن صفوان: ابو علی حسین بن صفوان البرذعی۔ ان کا انتقال ۳۴۰ھ میں ہوا۔ ان کا ذکر پہلے ہوچکا ہے (تاریخ بغداد: ۸: ۵۴) (۹۱۱) الحسین بن ابی الدنیا: رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر درست جیسا کہ شرح الفاری میں ہے۔ ابن ابی الدنیا ہے۔ (بغیر حسینؒ کے) ابن ابی الدنیا نے الہیثم بن خارجہ سے روایت کی ہے۔ ان کا اصلی نام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید القرشی المعروف بہ ابن ابی الدنیا م ۲۸۱ھ۔ ان کا پہلے ذکر ہوچکا ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱۰: ۸۹ تا ۹۱) (۹۱۲) الہیثم بن خارجہ: ابو احمد الہیثم بن خارجہ الخراسانی الحافظ انہوں نے مالک اور لیث وغیرہ سے روایت کی۔ اُن سے بخاری وغیرہ نے۔ امام احمد ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔ یہ زہد کی طرف مائل ہوتے مگر اصحاب الحدیث کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آتے۔ ثقہ تھے۔ ان کی وفات ۲۲۷ھ میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۹۳-۹۴ ز تاریخ بغداد: ۱۴-۵۸) (۹۱۳) اسماعیل بن عیاش: ابو عتبہ اسماعیل بن عیاش بن سلیم العنسی۔ انہوں نے محمد بن زیاد الالہانی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے حسن بن عرفہ وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ ۱۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد:

۶ : ۲۲۱ - ۲۲۸ (تہذیب التہذیب ؛ ۱۱ : ۲۱ ۳ - ۳۲۶) (۹۱۴) عمر بن عبداللہ؛ عمر بن عبداللہ بن عروۃ بن الزبیر بن العوام الاسدی المدنی۔ انہوں نے اپنے باپ اور دادا سے روایت کی اور ان سے ابن جریج وغیرہ نے۔ یہ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ بڑی شان والے تھے۔ قلیل الحدیث ہیں۔ (تہذیب التہذیب : ۷ ؛ ۴۶۹) (۹۱۵) خالد بن عبداللہ بن صفوان ۔ رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی طرح دیا ہے۔ صحیح خالد بن عبداللہ عن صفوان ہے یہ خالد بن عبداللہ بن محرز المازنی البصری ہیں انہوں نے اپنے چچا صفوان سے روایت کی ہے اور ان سے سلیمان التیمی وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ (تہذیب التہذیب ۳ : ۱۰۱؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲. ۳۳۹) اور صفوان؛ صفوان بن محرز بن زیاد المازنی ہیں انہوں نے ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابوصخرہ جامع بن شداد وغیرہ نے ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ جب تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ان کے گھر میں رہنے والے جن بھی اُن کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ بصری اور تابعی ہیں۔ ثقہ ہیں ۷۴ھ میں عبدالملک کے عہد میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ؛ ۴ : ۴۳۰ ؛ تاریخ الاسلام ؛ ۴ : ۱۴ - ۱۵) (۹۱۶) عبداللہ بن موسیٰ السلامی ؛ ابوالحسن عبداللہ بن موسیٰ بن الحسن السلامی۔ انہوں نے الحسین بن اسمٰعیل المحاملی وغیرہ سے روایت کی۔ انہوں نے حدیث کی تلاش میں بہت سفر کئے ادیب اور شاعر تھے۔ ۳۷۴ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد؛ ۱۰ : ۱۴۸ - ۱۴۹)۔

(۹۱۷) فارس۔ ابوالطیب فارس بن عیسیٰ الصوفی۔ یہ جنید اور ابن عطار کی صحبت میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان میں اثر رکھا تھا اور اہلِ حقائق کے محققین میں سے تھے۔ (۲) اس مقام کو صوامع الذکر کہتے ہیں۔ اور یہ وہ معنوی مواقع ہوتے ہیں جو ذاکر کو اپنے ذکر میں انتشار پیدا ہونے سے بچاتے ہیں۔ اور کلی طور پر اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ اسے صورۃ الارادہ بھی کہا جاتا ہے (نتائج الافکار القدسیۃ؛ ۳ : ۱۹۳)

(۹۱۸) حسن سے مراد حسن بصری سے ہے (شرح زکریا انصاری)، (۹۱۹) رسالہ اور شرح انصاری میں اسی طرح حامد الاسود ہی دیا ہے۔ ان کے حالات کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔

نفحات الانس میں جامی نے ابو حامد الاسود کا ذکر کیا ہے۔ جو زنجی کے نام سے مشہور تھے یہ ابو علی رود باری کے استادوں میں سے تھے۔ اور جب وجد کی حالت میں ہوتے تو ان کا چہرہ سفید ہو جاتا تھا۔ اور وجد کی حالت ختم ہونے پر پھر وہ سیاہ فام ہو جاتے، (نفحات الانس: ۱۶۱) قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حامد الاسود ہی ہیں۔ کیونکہ کتاب میں حامد اسود کو ابراہیم خواص متوفی ۲۹۱ھ کا مرید بنایا گیا ہے۔ اور نفحات الانس نے ابو حامد اسود کو ابو علی رود باری متوفی ۳۲۲ھ کا استاد کہا ہے۔ لہذا زمانہ تو ایک ہی ہوا مگر یہ بات حل نہیں ہوئی کہ درست حامد ہے یا ابو حامد۔

(۹۲۰) فتوت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ، ۳: ۱۶۷۔ (۹۲۱) یعقوب بن حمید بن کاسب: دراصل مدینہ کے تھے مگر مکہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے زکریا بن منصور وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بخاری وغیرہ نے اکثر محدثین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ اگرچہ بعض نے کمزور بھی کہا ہے ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۳۸۳-۳۸۵ زشذرات الذہب، ۲: ۹۹) (۹۲۲) ابن ابی حازم: عبدالعزیز بن ابی حازم سلمہ بن دینار المحاربی انکی کنیت ابوتمام ہے۔ مدنی اور فقیہ ہیں۔ انہوں نے سہیل بن ابی صالح وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابن مہدی وغیرہ نے۔ یہ حدیث کی تلاش میں نہیں رہے صرف اپنے باپ کی کتابوں سے مدد لیتے تھے۔ مگر امام مالک کے بعد مدینہ میں ان سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہ تھا۔ ثقہ اور صدوق ہیں ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۴ھ میں سجدے کی حالت میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۶: ۳۳۳-۳۳۴ زشذرات الذہب: ۱: ۳۰۶) (۹۲۳) عبداللہ بن عامر الاسلمی: ابو عامر عبداللہ بن عامر الاسلمی المدنی۔ انہوں نے ابو الزناد وغیرہ سے روایت کی اور ان سے عبدالعزیز بن ابی حازم وغیرہ نے۔ قاری تھے اور مدینہ میں رمضان میں تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ انہوں نے بہت سی احادیث کی روایت کی ہے۔ اکثر محدثین نے انہیں ضعیف شمار کیا ہے۔ ۱۵۰ھ یا ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۵: ۲۷۵-۲۷۶) (۹۲۴) عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج

ابو داؤد عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے۔
ان سے زہری وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ثقہ ہیں۔ زندگی کے آخر میں مصر چلے گئے
تھے۔ اور مسافرت کی حالت میں اسکندریہ میں ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ الاسلام ؛
۴ : ۵، ۲۷ ز کتاب الجرح و التعدیل ج ۲ ق ۲ : ۲۹۷ ز شذرات الذہب : ۱ : ۱۵۳)
(۹۲۵) زید بن ثابت : زید بن ثابت انصاری خزرجی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم مدینہ تشریف لائے اس وقت ان کی عمر گیارہ سال تھی۔ بعاث کی جنگ
کے وقت اُن کی عمر چھ سال تھی۔ اسی سال میں اُن کا باپ ثابت مارا گیا تھا۔ غزوہ
بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں چھوٹا سمجھا کر جنگ میں شریک ہونے
کی اجازت نہیں دی تھی۔ بعد کی جنگوں میں شریک ہوئے۔ کاتب وحی تھے۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر انہوں نے سریانی زبان سیکھ لی تھی۔ علم فرائض کے
سب سے زیادہ ماہر تھے ۴۵ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ : ۲ : ۲۲۱ - ۲۲۳ ز
شذرات الذہب : ۱ : ۵۴) (۹۲۶) محمد بن نصیر بن منصور الصائغ ؛ محمد بن نصر بن
منصور الصائغ . . . . . . پڑھیں۔ صدوق ہیں۔ ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔ ان کا
ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ (تاریخ بغداد ؛ ۳ : ۳۱۸ - ۳۱۹) (۹۲۷) ابن مردویہ الصائغ :
اصل رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ شرح انصاری میں محمد بن مردویہ الصائغ دیا ہے
اور یہ سب غلط ہے صحیح مردویہ الصائغ ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ان کا مکمل
نام ابو عبداللہ عبدالصمد بن یزید ہے اور مردویہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ فضیل کے مرید
خاص تھے۔ اور ان کے اقوال کی حکایت کرتے ہیں ثقہ اور اہل سنت واہل ورع میں
سے تھے۔ ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۱۱ : ۴۰ ز تہذیب التہذیب : ۶ :
۳۲۸ - ۳۲۹) (۹۲۸) فضل ؛ فضیل پڑھیں۔ جیسا کہ شرح انصاری میں ہے (۹۲۹)
علی بن عمر الحافظ : ابوالحسین علی بن احمد البغدادی الدارقطنی۔ دارقطن بغداد کے ایک محلہ
کا نام ہے۔ حافظ کبیر ہیں اور بالعموم دارقطنی کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ اپنے
وقت کے شیخ الاسلام اور امیر المومنین فی الحدیث مانے جاتے تھے۔ اپنے عہد میں

حافظہ فہم اور ورع کے اعتبار سے لاثانی تھے۔ قرأت اور نحو میں امام تھے۔ ان کی کئی ایک تصانیف ہیں ۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۸۵ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب ۲: ۱۱۶؛ ۱۱۷-۱۱۶؛ تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۱۸۶-۱۹۰؛ تاریخ بغداد ۱۲: ۴۴-۴۰؛ البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۷۱؛ ۳؛ المنتظم: ۷: ۱۸۳-۱۸۴) (۹۲۰) ابوسہل بن زیاد: ابوسہل احمد بن محمد بن عبداللہ القطان: ثقہ اور حافظ تھے۔ اکثر قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے۔ اور قرآنِ مجید سے نفیس نکات استنباط کرتے۔ چنانچہ انہوں نے معتزلہ کے کفر پر اس آیت سے استنباط کیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا۔

انہوں نے اکانوے سال کی عمر میں ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۳۸؛ المنتظم: ۷: ۳؛ تاریخ بغداد: ۵: ۴۵-۴۶) (۹۲۱) عبداللہ بن احمد بن حنبل: ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن الامام احمد بن حنبل الذہلی الشیبانی۔ علمِ حدیث میں امام تھے۔ انہوں نے اپنے باپ احمد بن حنبل سے روایت کی ہے۔ انہی نے اپنے والد کی مسند کو مرتب کیا تھا۔ ثقہ اور ثبت اور ذی فہم تھے۔ ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۹۰ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۲۰۳-۲۰۴؛ تاریخ بغداد: ۹: ۳۷۵-۳۷۶؛ تہذیب التہذیب: ۵: ۱۴۱-۱۴۳)۔ (۹۲۲) واقعہ اس طرح ہے کہ ایک صحابی نے کھانا تیار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں میں دعوت دینے کے لئے آیا۔ اس شخص نے اشاروں میں آپؐ کو دعوت دی آپؐ نے بھی اشارہ میں کہا کہ یہ بھی یعنی عائشہؓ بھی، مگر وہ شخص خاموش رہا۔ اس نے پھر آپؐ کو اشارہ سے کہا اور آپؐ نے پھر حضرت عائشہؓ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ بھی (شرح زکریا انصاری: ۳: ۱۷۳) (۹۲۳) علی القوال: علی القوال الصغیر یہ ابوعثمان مغربی اور نصر آبادی کا قول تھا۔

(۹۲۴) ابوعلی الفارسی: ابوعلی الحسن بن علی بن عبداللہ بن محمد بن سہل الفارسی

مرو کے رہنے والے تھے۔ حج کو جاتے ہوئے بغداد آئے اور وہاں ابوصخر محمد بن مالک اسعدی سے روایت کی اور ان سے محمد بن طلحہ النعالی نے۔ (تاریخ بغداد ۷: ۳۸۹ - ۳۹۰) (۹۳۵) فراست کی بحث کے لئے ملاحظ ہو شرح تعرف: ۴: ۱۴۰ - ۱۴۱ (نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۱۷۴) (۹۳۶) احمد بن علی بن الحسین: ابوبکر احمد بن علی الرازی الفقیہ الحنفی: اپنے وقت کے امام تھے۔ زہد و ورع میں مشہور تھے۔ جوانی میں بغداد آئے اور ابوالحسین کرخی الحنفی سے فقہ پڑھی۔ ہوتے ہوتے اس فن میں رئیس شمار ہونے لگے۔ انہیں قاضی القضاۃ کے عہدہ کی پیشکش کی گئی مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ صاحب تصانیف ہیں ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔ (المنتظم: ۷: ۱۰۵ - ۱۰۶ / البدایہ النہایہ: ۱۱: ۲۹۷) یاد رہے کہ ایک اور صاحب ابوبکر احمد بن علی رازی بھی ہیں۔ یہ حافظ حدیث تھے ثقہ تھے انہوں نے ۳۴۰ھ سے پہلے وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۱۲۷) مگر یہاں یہ مراد نہیں ہیں۔ (۹۳۷) محمد بن احمد بن السکن، ابوبکر محمد بن احمد بن السکن القطیعی المعروف بہ ابوخراسان۔ انہوں نے ابوعاصم الضحاک بن مخلد وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابوبکر بن ابی داؤد وغیرہ نے ثقہ تھے۔ ۲۶۸ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱: ۳۰۵) (۹۳۸) موسیٰ بن داؤد: ابوعبداللہ موسیٰ بن داؤد الضبی الکوفی الحافظ۔ انھوں نے بغداد میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ انھوں نے مالک بن انس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے احمد بن حنبل وغیرہ نے۔ طرسوس کے قاضی ہوگئے اور وہیں وفات پائی۔ ثقہ، امون اور صاحب تصانیف ہیں۔ ۲۱۷ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۳: ۳۳ - ۳۴ / شذرات الذہب: ۲: ۳۸) (۹۳۹) محمد بن کثیر الکوفی: ابواسحٰق محمد بن کثیر الکوفی۔ انہوں نے عمرو بن قیس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے علی بن المدینی وغیرہ نے دوری کہتے ہیں کہ یہ شیعی تھے مگر ان کی حدیث کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔ کچھ محدثین نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب: ۹: ۴۱۸ - ۴۱۹ / تاریخ بغداد: ۳: ۱۹۱ - ۱۹۳) (۹۴۰) عمرو بن قیس: ابوعبداللہ عمرو بن قیس الملائی الکوفی۔ انہوں نے عکرمہ مولی ابن عباس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے سفیان ثوری وغیرہ نے۔ بغداد آئے اور وہیں وفات پائی۔ کوفہ ہیں۔ ثقہ ہیں۔ عبادت گزار ہیں۔ سفیان ثوری ان کے پاس برکت حاصل کرنے

کی غرض سے آیا کرتے تھے۔ چادریں بیچا کرتے تھے۔ اس لئے ملائی کہلائے۔ سنہ ۲۴۶ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۸ : ۹۲ - ۹۳ و تاریخ بغداد : ۱۲ : ۱۶۳ - ۱۶۶)

(۹۴۱) عطیہ سے یہاں مراد عطیہ بن سعد بن جنادۃ العوفی ابو الحسن الکوفی ہیں انہوں نے ابوسعید خدری وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے اُن کے بیٹے حسن وغیرہ نے۔ ابو حاتم انہیں ثقہ قرار دے کر لکھتے ہیں کہ ان کی حدیث لکھی جا سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حجاج نے انہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لعنت کرنے کو کہا اور چار سو کوڑے بھی لگائے مگر یہ نہ مانے۔ شیعی تھے۔ ذہبی یہ واقعہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں "رحمہ اللہ ولا رَحِمَ الحجاج" ایک روایت کے مطابق سنہ ۱۱۱ھ میں وفات پائی اور دوسری روایت کے مطابق سنہ ۱۲۷ھ میں (تاریخ الاسلام : ۴ : ۲۸۰ و تہذیب التہذیب : ۷ : ۲۲۴ - ۲۲۶)

(۹۴۲) امام شافعی : محمد بن ادریس الشافعی سنہ ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ (شذرات الذہب : ۹۰۲) (۹۴۳) محمد بن الحسن الشیبانی۔ فصیح و بلیغ امام لغت اور فقہ تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ کہوں کہ قرآن امام محمد بن الحسن کی زبان میں اترا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ یہ پہلے امام ابو حنیفہ کے شاگرد رہے۔ پھر اُن کے بعد امام ابو یوسف کے۔ صاحبِ تصانیف ہیں۔ انہوں نے ستاون سال کی عمر میں سنہ ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب : ۱ : ۳۲۱۔ تاریخ بغداد : ۲ : ۱۷۲ - ۱۸۲) (۹۴۴) ابو القاسم المنادی : الفضل بن جعفر بن محمد ابو القاسم بن المنادی یہ ابو الحسین احمد کے بھائی ہیں۔ انہوں نے اپنے دادا ابو جعفر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی وغیرہ نے۔ انہوں نے سینتالیس سال کی عمر میں سنہ ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ : ۱۲ : ۳۴۲)

(۹۴۵) زکریا شخنتی رسالہ اور شرح انصاری میں اسی طرح دیا ہے۔ زکریا انصاری لکھتے ہیں کہ شخنت نیشاپور کے ایک گاؤں کا نام ہے (۳ : ۱۷۸) طبقات الصوفیہ (ص ۱۱۱) میں محمد بن بحر الشجینی برادر زکریا دیا ہے۔ مجھے معجم البلدان میں نہ شجین اور نہ ہی

شخص ملا۔ ان کے حالات نہ مل سکے۔

(۹۴۶) ابوالحسن نوری، ابوالحسین نوری پڑھیں۔ (۹۴۷) ابوعبداللہ تروغندی رسالہ اور شرح دونوں میں تروغندی۔ غین اور نون کے ساتھ دیا ہے۔ مگر صحیح تروغبذی ہے عین اور باؤ کے ساتھ۔ تروغبذی نسبت ہے۔ تروغبذ کی طرف جو طوس سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر ایک بستی کا نام ہے۔ (معجم البلدان ؛ ۲ : ۲۸) تروغبذی کا نام ابوعبداللہ محمد بن محمد بن الحسن ہے۔ یہ طوس کے جلیل القدر مشائخ میں سے تھے۔ ابوعثمان حیری کی صحبت میں رہے۔ صاحب کرامات تھے۔ سنہ ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ ؛ ۴۹۴-۴۹۶ زواقح الانوار ؛ ۱ : ۱۰۶) (۹۴۸) اس واقعہ کا ذکر خطیب بغدادی نے بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ بغداد ؛ ۲ : ۲۴۸-۲۴۹۔

(۹۴۹) کتاب الصیہور فی نقض الدہور۔ یہ ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمی کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے دہریہ کا رد کیا ہے جو دنیا کو قدیم مانتے ہیں۔ (شرح زکریا انصاری ؛ ۲ : ۱۸۱) نورالدین شریبہ نے سلمی کی تصانیف میں اس کتاب کا ذکر نہیں کیا (۹۵۰) ابوالحسین القرافی علی بن عثمان بن نصیر القرافی۔ قرافہ مصر میں ایک گاؤں ہے۔ دمیاط میں رہا کرتے تھے۔ ابوالخیر تیناتی اور ابوالحسن الصائغ الدینوری کے شاگرد تھے۔ ایک سو دس سال عمر پاکر ۳۸۰ھ میں وفات پائی (نفحات الانس ؛ ۱۷۰ زتحفۃ الابرار۔ جلد ۶ : ۱۲) (۹۵۱) ابوالخیر تیناتی ؛ تینات انطاکیہ کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ دراصل مغرب کے رہنے والے تھے۔ انہیں ابوالخیر الاقطع بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا اصلی نام عباد بن عبداللہ ہے۔ چونکہ ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا اس لئے الاقطع کہا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ انطاکیہ کے پہاڑوں میں رہا کرتے اور وہاں جو مباح چیزیں مل جاتیں کھا لیا کرتے۔ انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ پہاڑ کے پھلوں میں سے صرف وہی پھل کھائیں گے جو ہوا سے گر جائیں گے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ کئی دن تک کوئی پھل نہ گرا۔ ایک دن ناشپاتی کا درخت دیکھا۔ ناشپاتی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی مگر نہ توڑی، ہوا کے جھونکے سے ایک ناشپاتی انکی طرف جھک گئی تو انہوں نے ایک لے لی۔ اتفاقاً ڈاکوؤں نے کہیں ڈاکہ ڈالا تھا اور وہاں مال تقسیم کرنے کیلئے ٹھہر گئے تھے۔ حاکم کو اطلاع ملی تو ان سب کو گرفتار کر لیا اور انکے ساتھ یہ بھی گرفتار ہو گئے۔ ان سب کے ہاتھ اور پاؤں

کاٹ دیئے گئے۔ ان کا ایک ہاتھ ابھی کٹا تھا اور پاؤں کاٹنے لگے تھے کہ ایک شخص نے انھیں پہچان لیا۔ اور کہا یہ تو ابوالخیر ہیں۔ اس پر اُس نے ان سے معافی چاہی اور انھوں نے معاف کر دیا۔ اور فرمایا مجھے معلوم ہے کہ مَیں نے کیا گناہ کیا ہے۔ ۳۴۹ھ میں وفات پائی۔ (صفۃ الصفوۃ ۴ : ۲۵۶-۲۵۷ و معجم البلدان : ۲ : ۶۸)

(۹۵۲) قرامطہ کا یہ حملہ ۳۱۷ھ میں ابوطاہر سلیمان بن حسن بن بہرام الجنابی القرامطی کی قیادت میں ہوا۔ انھوں نے ایک ہفتہ تک مکہ میں قتل وغارت کا عالم برپا رکھا۔ اور ایک لاکھ اونٹوں پر لوٹ مار کا مال لاد کر روانہ ہو گئے۔ جاتے جاتے حجر اسود بھی ساتھ لے گئے۔ (شذرات الذہب : ۲ : ۲۷۴)

(۹۵۳) ابوعلی بن الکاتب : ابوعلی الحسن بن احمد المعروف بہ ابن الکاتب۔ مصر کے کبار صالحین اور مشائخ میں سے تھے۔ ابوعلی رودباری کی صحبت میں رہے۔ ۳۴۰ھ کے بعد وفات پائی۔ (صفۃ الصفوۃ : ۴ : ۲۹۴-۲۹۵)

(۹۵۴) ابن الجوزی نے اس واقعہ کو تھوڑے سے تغیر کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفۃ الصفوۃ : ۲ : ۲۸۳)

(۹۵۵) محمد بن داؤد : ابوبکر محمد بن داؤد بن سلیمان النیشاپوری شیخ الصوفیۃ حافظ اور ثقہ ہیں۔ انھوں نے کثرت سے حدیث کی روایت کی۔ ۳۴۲ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب : ۲ : ۳۶۵)

(۹۵۶) محمد بن حسین بسطامی : ابوعمر محمد بن الحسین بن محمد البسطامی الفقیہ الشافعی نیشاپور کے قاضی اور شافعیہ کے شیخ تھے۔ انھوں نے کثرت سے حدیث سنی۔ پہلے وعظ کی مجلس منعقد کرتے۔ پھر درس مناظرہ اور فتویٰ کی طرف لگ گئے۔ پھر ۳۸۸ھ میں نیشاپور کے قاضی بنے۔ انہیں علم و جاہ میں سہل صعلوکی کی طرح سمجھا جاتا۔ پھر باہمی رشتہ ہو گیا۔ ۴۰۸ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب : ۳ : ۱۸۷)

(۹۵۷) محمد بن الحسین البغدادی ، محمد بن الحسن البغدادی پڑھیں۔

(۹۵۸) خلق کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ : ۳ : ۱۸۵ و حیاۃ القلوب : ۲ : ۲۲۹-۲۳۱ و احیاء علوم الدین : ۳ : ۴۸-۶۱)

(۹۵۹) ہشام بن محمد بن غالب ۔ رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی طرح دیا ہے۔ شرح انصاری میں ہے کہ ایک نسخہ میں ہشام کی بجائے تمتام دیا ہے ۔ مگر پھر بھی تصحیح نہیں کر سکے ۔ صحیح تمتام محمد بن غالب (تمتام اور محمد کے درمیان ابن کا لفظ نہیں ہونا چاہیئے ۔ کیونکہ محمد بن غالب بن حرب کا لقب تمتام ہے) پورا نام ابوجعفر محمد بن غالب بن حرب الضبی التمار المعروف بہ تمتام ۔ پیدائش ۱۹۲ھ اور وفات ۲۸۳ھ میں ہوئی ۔ تاریخ بغداد ۳ : ۱۴۳ - ۱۴۶ و تذکرۃ الحفاظ ۲ : ۱۷۲)

(۹۶۰) معلی بن مہدی الموصلی دراصل بصرہ کے رہنے والے تھے ۔ مگر موصل میں رہائش اختیار کر لی تھی ۔ انھوں نے ابوعوانہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے علی بن الحسین بن الجنید وغیرہ نے ۔ ابوحاتم رازی نے ان کا زمانہ پایا ہے (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱ : ۳۳۵)

(۹۶۱) بشار بن ابراہیم النمیری ۔ رسالہ اور شرح انصاری میں نمیری ہی دیا ہے ۔ مگر درست ابوعون بشار بن ابراہیم النمری ہے ۔ انھوں نے غیلان بن جریر وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے معلی بن مہدی البصری وغیرہ نے (کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق : ۴۱۶)

(۹۶۲) غیلان بن جریر المعولی ۔ بصری ہیں ۔ انھوں نے حضرت انس وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے قتادہ وغیرہ نے ۔ ثقہ ہیں ۱۲۹ھ میں وفات پائی (کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۲ : ۵۲ - ۵۳ و تاریخ الاسلام ۵ : ۱۲۱)

(۹۶۳) واصفی : واسطی پڑھیں ۔ جیساکہ شرح انصاری میں ہے ۔

(۹۶۴) الحسین بن احمد بن جعفر ۔ الحسین بن احمد بن جعفر ابوعبداللہ الرازی متوفی ۳۱۷ھ (طبقات الصوفیہ ، ۳۱۹)

(۹۶۵) عبداللہ بن محمد رازی : ابومحمد عبداللہ بن محمد الرازی الشعرانی متوفی ۳۵۳ھ

(۹۶۶) احنف بن قیس بن معویہ ابوبحر التمیمی ۔ کبار تابعین اور اشراف تابعین میں سے ہیں ۔ ان کا اصل نام ضحاک یا صخر تھا ۔ مگر چونکہ پاؤں میں کجی تھی ۔ اس لئے احنف کہلائے ۔ اور یہی نام مشہور ہو گیا ۔ ان کے حلم کی مثال دی جاتی ہے ۔ یہ اپنی قوم کے سردار تھے ۔ یہ اور ان کی قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایمان لائی ۔ مگر آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے ۔

ثقہ، مامون اور قلیل الحدیث ہیں۔ بقول ذہبی ان کی وفات ۱۷۱ھ میں ہوئی۔ اور بقول ابن العماد ۱۷۲ھ میں (شذرات الذہب ۱: ۲۸۷، صفۃ الصفوۃ ۳: ۲۲۳؛ تاریخ الاسلام ۲: ۱۲۹ - ۱۳۳)

(۹۶۷) قیس بن عاصم: ابوعلی قیس بن عاصم المنقری ۹ھ میں بنی تمیم کے وفد کے ساتھ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اسلام لائے۔ آنحضرتؐ نے انھیں "سید اہل الوبر" کا خطاب دیا یہ بڑے عقلمند تھے اور اپنے حلم کی وجہ سے مشہور تھے۔ اسلام لانے سے پہلے ہی شراب نوشی ترک کر رکھی تھی (اسد الغابہ ۴: ۲۱۹ - ۲۲۱)

(۹۶۸) اویس قرنی: اویس بن عامر بن جزء المرادی القرنی الزاہد۔ یہ سید التابعین ہیں۔ ۳۷ھ میں صفین کی جنگ میں حضرت علی کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اپنی والدہ کے بہت خدمت گذار تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انھیں عشق تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا تھا کہ اویس سے درخواست کریں کہ وہ امت کے لئے دعا کریں۔ (تاریخ الاسلام ۲: ۱۷۳ - ۱۷۵؛ ۲۳۰۰۶ ذحلیۃ الاولیا ۲: ۷۹ - ۸۷ شذرات الذہب ۱: ۴۶)

(۹۶۹) یحییٰ بن زیاد الحارثی: یحییٰ بن زیاد بن عبید اللہ بن عبد اللہ الحارثی۔ یہ شاعر اور ادیب تھے ان کی پھوپھی ریطہ بنت عبید اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کی بیوی تھیں۔ انہی سے السفاح پیدا ہوئے۔ لہٰذا یحییٰ بن زیاد ابوالعباس سفاح کا پھوپھی زاد بھائی ہوا۔ ان کی ایاس بن مطیع۔ حماد عجرد اور والبۃ بن الحباب کے ساتھ دوستی تھی۔ سفاح اور مہدی کی تعریف میں ان کے مدحیہ قصائد ہیں (تاریخ بغداد ۱۴: ۱۰۶ - ۱۰۷)

(۹۷۰) عبد اللہ خیاط: ابومحمد عبد اللہ بن محمد بن حمید الخیاط المعروف بہ امام۔ انہوں نے عاصم بن علی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابوبکر اسماعیلی وغیرہ نے۔ ۲۹۹ھ تک زندہ تھے۔ (تاریخ بغداد ۱۰: ۱۰۲ - ۱۰۳)

(۹۷۱) معاذ بن المثنیٰ: ابوالمثنیٰ معاذ بن ابوالمثنیٰ العنبری بغداد میں رہے۔ محمد بن کثیر العبدی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے احمد بن علی ابار وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۲۰۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۸۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۱۳: ۱۳۶ - ۱۳۷)

(۹۷۲) یحییٰ بن معین: ابوزکریا یحییٰ بن معین المری انھوں نے عبد اللہ بن مبارک وغیرہ سے

حدیث سنی اور ان سے احمد بن حنبل وغیرہ نے ۔ امام حافظ عالم ربانی اور ثبت تھے ۔ امام احمد اُن کی بہت تعظیم کیا کرتے۔ کبھی ان کا نام نہ لیتے صرف کنیت سے پکارتے۔ ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۳۳ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۴: ۱۷۷-۱۸۷؛ شذرات الذہب: ۲: ۷۹)

(۹۷۳) مروان الفزاری: ابوعبداللہ مروان بن معاویہ الفزاری الکوفی الحافظ ابواسحٰق فزاری کے چچازاد بھائی ہیں۔ مکہ اور دمشق میں رہے ۔ انھوں نے یزید بن کیسان وغیرہ سے روایت کی اور ان سے احمد بن حنبل وغیرہ نے ۔ ثبت ۔ حافظ اور ثقہ تھے ۔ ان کی موت ۱۹۳ھ میں اچانک واقع ہوئی (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۹۶-۹۸)

(۹۷۴) یزید بن کیسان ابو اسمٰعیل یزید بن کیسان الیشکری الکوفی انھوں نے ابوحازم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے مروان وغیرہ نے ۔ صدوق اور ثقہ ہیں (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۳۵۶)

(۹۷۵) ابوحازم: ابوحازم سلیمان الاشجعی الکوفی ۔ یہ ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے یزید بن کیسان وغیرہ ۔ ثقہ تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پانچ سال ابوہریرہ کی صحبت میں رہے ہیں ۔ عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں فوت ہوئے (تاریخ الاسلام: ۴: ۳؛ تہذیب التہذیب: ۴: ۱۴۰)

(۹۷۶) جود و سخا کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ الافکار القدسیہ: ۳: ۹۵؛ احیاء علوم الدین: ۳: ۲۳۰ تا ۲۴۲؛ سراج القلوب: ۱: ۹۱-۹۲)

(۹۷۷) الحسن بن العباس ابوعلی الحسن بن العباس بن ابی مہران المقرئ الرازی المعروف بالجمال بغداد میں رہے ۔ اور وہاں سہل بن عثمان العسکری وغیرہ سے روایت کی ۔ اور اُن سے یحییٰ بن محمد بن صاعد وغیرہ نے ۔ ثقہ تھے ۔ دار القطن کی غربی جانب رہا کرتے تھے ۔ پھر کرخایا چلے گئے ۔ اور وہیں ۲۸۹ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۷: ۳۹۶)

(۹۷۸) سہل: ابومسعود سہل بن عثمان بن دارس الکندی العسکری الحافظ ۔ انھوں نے رے میں رہائش اختیار کر لی تھی ۔ یزید ذریع وغیرہ سے روایت کی اور ان سے مسلم وغیرہ نے صدوق اور ثقہ تھے ۔ ۲۳۵ھ میں وفات پائی ۔ تہذیب التہذیب: ۴: ۲۵۵-۲۵۶؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱: ۲۰۳

(۹۷۹) سعید بن مسلم بن بانک المدنی ۔ ابومصعب انھوں نے سالم بن عبداللہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے قعنبی وغیرہ نے ، صالح اور ثقہ تھے (کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱: ۶۴؛ تہذیب التہذیب

:۴ ۸۲-۸۴)

(۹۸۰) ابوسعید یحییٰ بن سعید الانصاری مراد ہیں۔ انھوں نے انس بن مالک وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے سفیان ثوری وغیرہ نے۔ قاضی اور مفتی تھے۔ ہاشمیہ میں ۱۴۳ھ میں وفات پائی۔ ثقہ۔ کثیر الحدیث اور ثبت تھے (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲: ۱۴۷-۱۴۹ و تہذیب التہذیب: ۱۱: ۲۲۱-۲۲۴)

(۹۸۱) محمد بن ابراہیم: ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی۔ انھوں نے علقمہ بن وقاص وغیرہ سے روایت کی اور ان سے یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ اور کثیر الحدیث تھے۔ ۱۲۰ھ میں وفات ہوئی (تہذیب التہذیب: ۹: ۵-۷ و کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۲: ۸۴)

(۹۸۲) علقمہ: علقمہ سے مراد علقمہ بن وقاص ہیں۔ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے حضرت عائشہ رض اور دیگر صحابہ سے روایت کی۔ ان سے محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی وغیرہ نے۔ تابعی اور ثقہ تھے۔ یہ قلیل الروایۃ ہیں (تاریخ الاسلام: ۳: ۱۹۳ و تہذیب التہذیب: ۷: ۲۸۰-۲۸۱ و کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱: ۴۰۴)

(۹۸۳) اسماء بن حارثۃ: اسماء بن حارثہ پڑھیں۔ یہ صحابی ہیں اور اصحاب صفہ میں سے تھے۔ اُن کی وفات بصرہ میں امیر معاویہ کے عہد میں زیاد کی گورنری کے زمانہ میں ہوئی۔ اور زیاد کی وفات ۵۳ھ میں ہوئی (اسد الغابہ: ۱: ۸۷-۹۰ و کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۳۲۵)

(۹۸۴) مورق العجلی: ابوالمعتمر مورق المشرج العجلی۔ انھوں نے حضرت عمر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے قتادہ وغیرہ نے۔ ثقہ اور عابد تھے۔ عراق میں عمر بن ہبیرہ کے عہد میں ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۳۳۱-۳۳۲ و صفۃ الصفوۃ: ۳: ۱۷۳-۱۷۵)

(۹۸۵) منبج: شام میں قدیم شہر ہے۔ اور یاقوت کے خیال میں یہ رومی لفظ ہے (معجم البلدان: ۵: ۲۰۵)

(۹۸۶) حکم بن مطلب الحکم بن المطلب بن عبداللہ بن المطلب بن حنطب المخزومی المدنی یہ اشراف میں سے تھے۔ اور منبج میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بھائی عبدالعزیز وغیرہ نے۔ دارقطنی انھیں معتبر قرار دیتے ہیں۔ بہت سخی تھے۔ شعراء نے اُن کی مدح میں قصائد کہے ہیں (تاریخ الاسلام: ۵: ۶۲)

(۹۸۷) غلام الخلیل: ابوعبداللہ احمد بن محمد بن غالب الباہلی البصری المعروف بہ غلام الخلیل۔ انھوں نے بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ قرۃ بن حبیب وغیرہ سے روایت کی اور ان سے

محمد بن مخلد وغیرہ نے۔ انھوں نے احادیث مناکیر کی روایت کی ہے۔ مگر من گھڑت باتیں کرنے والے نہ تھے۔ صالح تھے۔ فصیح و بلیغ تھے اور عالم تھے۔ ۲۷۵ھ میں وفات پائی۔ ان کی نماز جنازہ میں کثیر التعداد لوگوں نے شرکت کی (المنتظم: ۵: ۹۵-۹۶ و تاریخ بغداد: ۵: ۷۸-۸۰)

(۹۸۸) ابوثور: ابوثور ابراہیم بن خالد الکلبی الفقیہ۔ انھوں نے سفیان بن عُیَینہ وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے ابوداؤد سجستانی وغیرہ نے۔ ثقہ اور ائمہ دین میں سے تھے۔ کئی ایک کتابوں کے مصنف ہیں ۲۴۰ھ میں وفات پائی (بغداد: ۶: ۶۵-۶۹)

(۹۸۹) علی بن فضیل، علی بن فضیل بن عیاض التمیمی الیربوعی۔ انھوں نے عباد بن منصور وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے ان کے باپ نے اور دیگر اصحاب نے۔ ان پر خوف غالب تھا۔ نہایت پرہیزگار تھے۔ اپنے والد کی زندگی میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۷: ۳۷۳)

(۹۹۰) جبلہ بن سُحَیم: جبلہ بن سُحَیم التیمی۔ ابوسریرہ الکوفی۔ انھوں نے ابن عمر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابواسحٰق سبیعی وغیرہ نے۔ ثقہ اور صالح الحدیث ہیں۔ ۱۲۵ھ یا ۱۲۶ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۲: ۶۱-۶۲)

(۹۹۱) عبیداللہ بن ابی بکرۃ: عبیداللہ بن ابی بکرۃ۔ ابوبکرۃ کا نام نفیع بن الحارث ہے۔ یہ معاویہؓ کی طرف سے فساد کی آگ بجھانے کے لئے اصفہان آئے۔ اور وہاں سے سجستان گئے۔ اور چار کروڑ درہم حاصل کئے۔ ایک ماہ گذرنے پر سب کچھ خرچ بھی ہو گیا اور پھر قرض مزید لیا۔ یوسف بن عمر کے عہد میں ۱۲۰ھ میں اصبہان کے حاکم بنے (اخبار اصفہان: ۲: ۹۹-۱۰۰)

(۹۹۲) قیس بن سعد بن عبادۃ۔ ابوالفضل قیس بن سعد بن عبادۃ الانصاری الخزرجی۔ فضلاء صحابہ اور زیرک لوگوں میں سے تھے۔ سخی تھے اور جنگ کی چالوں سے خوب واقف تھے۔ ان کی سخاوت کے بہت سے قصے ہیں۔ حضرت علی کی طرف سے پہلے مصر کے حاکم مقرر ہوئے۔ پھر معزول کر دیئے گئے۔ ۵۹ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ: ۴: ۲۱۵)

(۹۹۳) عبداللہ بن جعفر: عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب الہاشمی۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے روایت کی ہے۔ اور ان سے ان کے بیٹوں معاویہ اسحٰق اور اسمٰعیل وغیرہ نے اپنی سخاوت کی وجہ سے مشہور تھے۔ نوے سال کی عمر میں ۸۰ھ میں وفات

پائی (تہذیب التہذیب: ۵: ۱۷۰-۱۷۱)

(۹۹۴) مطرف بن شخیر: ابوعبداللہ مطرف بن عبداللہ بن الشخیر۔ جب گھر میں داخل ہوتے تو ان کے گھر کے برتن ان کے ساتھ تسبیح بیان کرتے۔ حسن بصری سے عمر میں بیس سال بڑے تھے ان کا یہ قول صفۃ الصفوۃ ۳: ۴۸ پر دیا ہے۔ ۸۷ھ کے بعد وفات پائی۔ (صفۃ الصفوۃ ۳: ۱۴۴-۱۴۹)

(۹۹۵) ابوسہل صعلوکی: ابوسہل محمد بن سلیمان العجلی الصعلوکی۔ نسباً حنفی مگر مذہباً شافعی تھے۔ یکتائے روزگار تھے۔ ان کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔ نفحات الانس: ۲۸۷-۲۸۸ و شذرات الذہب: ۳: ۶۹-۷۰)

(۹۹۶) لیث بن سعد: ابوالحارث لیث بن سعد۔ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ بہت سخی تھے۔ ان کی سخاوت کے قصے مشہور ہیں۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ۱۷۵ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۱: ۲۸۵-۲۸۶ و صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۸۱-۲۸۵ و تاریخ بغداد: ۱۳: ۳-۱۴) یہاں جو قصہ بیان کیا گیا ہے خطیب نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ بغداد: ۱۳: ۸)

(۹۹۷) اشعث: شرح زکریا انصاری میں ہے کہ یہ اشعث بن قیس ہیں۔ اشعث بن قیس صحابی ہیں۔ ردہ میں مرتد ہوئے پھر توبہ کی۔ اور ابوبکر صدیقؓ کی ہمشیرہ سے شادی کی۔ بہت سخی تھے اور عمرو بن معدیکرب کے ساتھی تھے۔ ۴۰ھ میں کوفہ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۱: ۴۹ و انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۱: ۶۹۶-۶۹۷)

(۹۹۸) ابراہیم بن جنید: ابواسحٰق ابراہیم بن جنید الختلی۔ یہ یحیٰی بن معین کے شاگردوں میں سے تھے۔ سامرا میں رہائش کی اور زہد اور رقائق میں تصانیف کیں۔ ثقہ تھے ۲۶۰ھ کے قریب فوت ہوئے۔ (طبقات الصوفیہ: ۴۸

(۹۹۹) عبداللہ بن عامر بن کریز: عبداللہ بن عامر بن کریز القرشی۔ یہ حضرت عثمان کے ماموں زاد بھائی ہیں۔ حضرت عثمان کے عہد میں یہ بصرہ کے حاکم رہے۔ یہ ۲۹ھ کی بات ہے۔ اس وقت ان کی عمر چوبیس سال تھی۔ وہاں سے انھوں نے بہت سی فتوحات کیں۔ ان کا شمار عرب کے مشہور

سیحُوں میں ہوتا ہے۔ ۵۸ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ: ۳: ۱۹۱-۱۹۲)

(۱۰۰۰) ابو احمد حمزہ بن العباس البزاز: ابو احمد حمزہ بن محمد بن العباس الدہقان انھوں نے محمد بن غالب تمتام وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے دارقطنی وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۳۴۷ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۸: ۱۸۳-۱۸۴ و شذرات الذہب: ۲: ۳۷۵)

(۱۰۰۱) عبد اللہ بن مسلم: رسالہ اور شرح انصاری میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر عبد اللہ بن مسلم نامی کوئی شخص نہیں۔ جس سے محمد بن غالب بن حرب نے روایت کی ہو اسے عبد اللہ بن مسلمۃ القعنبی پڑھیں۔ ۲۲۱ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۶: ۳۱-۳۲)

(۱۰۰۲) محمد بن الفرات: اصل کتاب اور شرح انصاری میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر مجھے یہ نام غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ محمد بن الفرات نے ابراہیم الہجری سے روایت نہیں کی۔

(۱۰۰۳) ابراہیم ہجری: ابراہیم بن مسلم العبدی ابو اسحٰق الکوفی المعروف بہ الہجری۔ انھوں نے ابو الاحوص وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے شعبہ وغیرہ نے۔ اُن کو صرف اس لئے ضعیف کہا گیا ہے کہ یہ موقوف حدیثوں کو مرفوع کر دیتے تھے (تہذیب التہذیب: ۱: ۱۶۵-۱۶۶)

(۱۰۰۴) ابو الاحوص: ابو الاحوص عوف بن مالک بن نضلہ الجشمی الکوفی۔ انھوں نے عبد اللہ بن مسعود وغیرہ سے روایت کی اور ان سے مسروق وغیرہ نے ثقہ ہیں۔ خارجیوں نے انھیں قتل کر دیا تھا۔ (تاریخ الاسلام: ۳: ۲۱۳)

(۱۰۰۵) عبد اللہ سے مراد عبد اللہ بن مسعود ہیں۔

(۱۰۰۶) علی بن الحسن بن بنان: رسالہ اور شرح دونوں میں بنان، دونون کے ساتھ دیا ہے۔ درست "بیان" ہے۔ باء اور یاء کے ساتھ۔ ابو الحسن علی بن الحسن بن بیان المقرئ المعروف بالباقلانی۔ انھوں نے عبد اللہ بن رجاء وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور اُن سے ابو سہل بن زیادہ وغیرہ نے۔ یہ بغداد کے رہنے والے اور ثقہ تھے۔ تمتام کے ہمسایہ تھے۔ ۲۸۲ھ میں انتقال ہوا (تاریخ بغداد: ۱۱: ۳۷۵)

(۱۰۰۷) عبد اللہ بن رجاء: ابو عمرو عبد اللہ بن رجاء الغدانی، انھوں نے عکرمہ بن عمار وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔ صدوق اور ثقہ تھے۔ بخاری نے ان سے پندرہ حدیثیں روایت کی ہیں ۲۱۹ھ میں

وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۵: ۲۰۹۔۲۱۰ز شذرات الذہب ۲: ۴۷)(۱۰۰۸)حرب بن شداد: ابوالخطاب حرب بن شداد الیشکری البصری العطار۔ بعض القطان اور بعض القصاب کہتے ہیں۔ انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کی اور ان سے ابو داؤد طیالسی وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۲: ۲۲۴ز شذرات الذہب ۱: ۲۵۱)۔

(۱۰۰۹) یحییٰ بن ابی کثیر: ابونصر یحییٰ بن ابی کثیر الطائی الیمانی۔ انہوں نے ابوسلمہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے حرب بن شداد وغیرہ نے۔ ثقہ تھے اور اصحاب الحدیث میں شمار ہوتے تھے ۱۲۹ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۱۱: ۲۶۸۔۲۷۰)(۱۰۱۰) ابوسلمۃ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ان کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ بعض عبداللہ بتاتے اور بعض اسمٰعیل۔ انہوں نے ابوہریرہؓ اور دیگر صحابہ سے روایت کی اور ان سے یحییٰ بن ابی کثیر وغیرہ نے۔ ثقہ، فقیہ اور کثیر الحدیث تھے۔ بہتر سال کی عمر میں ۹۴ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۱۲: ۱۱۵۔۱۱۸)

(۱۰۱۱) عباس زوزنی: رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی طرح دیا ہے مگر درست ابوالعباس زوزنی ہے۔ مکمل نام ابوالعباس الولید بن احمد بن محمد الولید الزوزنی ہے۔ انہوں نے حدیث کی تلاش میں سفر کئے اور ابو محمد بن ابی حاتم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے حاکم اور ابو عبدالرحمٰن السلمی وغیرہ نے۔ ان کا شمار علماء صوفیہ اور عابدوں میں ہوتا ہے۔ ۳۷۶ھ میں وفات پائی۔ (معجم البلدان ۳: ۵۸ز تاریخ اصفہان ۲: ۳۳۵)(۱۰۱۲) ابوزید الفقیہ المروزی: ابوزید محمد بن احمد بن عبداللہ بن محمد الفقیہ المروزی۔ آئمہ مسلمین میں سے تھے۔ مذہب شافعیؒ کے حافظ تھے اور زہد و ورع کے اعتبار سے مشہور تھے۔ آخری عمر میں مکہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ ۳۷۱ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۱: ۳۱۴ز البدایہ والنہایہ ۱۱: ۲۹۹ز شذرات الذہب ۳: ۷۶ز المنتظم ۷: ۱۱۲)(۱۰۱۳) محمد بن حسان: ابوعبید محمد بن حسان البُسری بُسرِیّ نسبت ہے۔ بُسریٰ کی طرف جو کہ حوران کی ایک بستی ہے۔ ابوعبید بسری قدیم مشائخ شام میں سے ہیں۔ یہ ابوتراب نخشبی کی صحبت میں رہے ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ الافکار القدسیہ ۱: ۱۶۱)(۱۰۱۴) ابن الجوزی نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو صفۃ الصفوۃ ۴: ۳۱۴)

(۱۰۱۵) اس واقعہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ شرح تعرف ۴: ۱۸۸)(۱۰۱۶) قصہ یوں ہے کہ ایک

بدوی نے مسجد نبوی میں داخل ہو کر پیشاب کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے
بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد کے احترام سے ناواقف تھا۔ صحابہ کو یہ بات ناگوار
ہوئی۔ انہوں نے بدوی کو پیشاب کرنے سے روکنا چاہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ
کو منع فرمایا۔ اور حکم دیا کہ مسجد میں پانی بہادیا جائے۔

(۱۰۱۷) ابوالحسن خرقانی: ابوالحسن علی بن جعفر خرقانی۔ یگانۂ روزگار اور غوثِ وقت تھے۔
تصوف میں ان کی نسبت بایزید بسطامی سے ہے۔ حالانکہ بایزید بسطامی ان سے کافی مدت پہلے
وفات پاچکے تھے۔ انہیں ان سے روحانی فیض حاصل تھا۔ ۴۲۵ھ میں وفات پائی۔ (نفحات
الانس: ۵۷۵-۲۷۶) یاقوت حموی ے ہیں۔ خرقان بالتحریک استرآباد کے راستہ پر بسطام
کی بستیوں میں سے ایک بستی کا نام ہے۔ جہاں ابوالحسن علی بن احمد (جامی نے جعفر دیا ہے)
کی قبر ہے۔ یہ صاحب کرامات ہیں۔ انہوں نے تہتر سال کی عمر میں ۴۲۵ھ میں وفات پائی۔ (معجم
البلدان: ۳: ۳۶۰) (۱۰۱۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت باوجود عظیم ترین
ہونے کے اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت کے سامنے ہیچ ہے مگر پھر بھی ایک مسلمان کو اس قسم
کے الفاظ کہنے سے گریز کرنا چاہیئے۔ زکریا انصاری فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ چونکہ اچھے نہیں اس
لئے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے اس قسم کے الفاظ نہیں کہنے چاہیئں۔ (شرح انصاری: ۳:
۲۰۷) (۱۰۱۹) د ۔ کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۲۰۸-۲۰۹ نز شرح
تعرف: ۳: ۱۹-۲۳ ر ۔ تعلوب: ۲: ۲۸۶-۲۸۸ (۱۰۲۰) عبدالرحمٰن بن عدی الحافظ ابواحمد
عبداللہ بن عدی الجرجانی الحافظ الکبیر۔ یہ ابن القطان کے نام سے مشہور ہیں۔ (کتاب الکامل فی
جرح والتعدیل) کے مصنف ہیں۔ یہ اپنے زمانے کے چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ ۲۷۷ھ
میں پیدا ہوئے۔ ۲۹۰ھ میں حدیث سننا شروع کی۔ پہلا سفر ۲۹۷ھ میں اختیار کیا۔ بہلول بن
اسحاق الانباری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابوالعباس بن عقدہ وغیرہ نے۔ حافظ اور
ثقہ تھے۔ اور یکتائے روزگار تھے۔ ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۱۴۳-۱۴۵ نز
تاریخ جرجان: ۲۲۵-۲۲۷ نز شذرات الذہب: ۳: ۵۱ نز البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۸۲)۔

(۱۰۲۱) ابوبکر محمد بن ہارون بن حمید: ابوبکر محمد بن ہارون بن حمید البیع المعروف بہ ابن المجدر

انہوں نے بشر بن الولید الکندی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے محمد بن خلف بن حیان وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ان میں امیر المومنین علی ابن ابی طالب سے انحراف پایا جاتا تھا۔ یعنی خارجی میلانات پائے جاتے تھے۔ ۳۱۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۲: ۳۵۷) (۱۰۲۲) محمد بن ہارون المقریٔ: محمد بن ہارون المقریٔ جو السواق کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے یحیٰی بن ایوب وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابو القاسم النحاس المقریٔ نے (تاریخ بغداد ۲: ۳۵۵-۳۵۶) (۱۰۲۳) حماد الخیاط: ابو عبداللہ حماد بن خالد الخیاط القرشی۔ دراصل مدینہ کے تھے مگر بغداد میں رہائش اختیار کر رکھی تھی۔ اور وہاں مالک بن انس وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے احمد بن حنبل وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ امی تھے۔ لکھنا نہیں جانتے تھے مگر پڑھ لیتے تھے (تاریخ بغداد ۸: ۱۴۹-۱۵۱ از تہذیب التہذیب ۳: ۷-۸) (۱۰۲۴) عبدالواحد بن میمون۔ ابو حمزہ عبدالاحد بن میمون المدینی۔ انہوں نے عروۃ بن الزبیر سے روایت کی ہے۔ ان سے حماد بن خالد خیاط وغیرہ نے روایت کی۔ معروف الحدیث بھی ہیں۔ اور منکر الحدیث بھی (کتاب الجرح والتعدیل ج ۳: ق ۱: ۲۴ از التاریخ الکبیر ج ۳ ق ۲: ۵۸) (۱۰۲۵) عروۃ: عروہ سے مراد ابو عبداللہ عروۃ بن زبیر بن العوام القرشی المدنی ہیں۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ سے روایت کی اور ان سے اُن سے ان کے بیٹوں اور پوتوں اور دیگر اشخاص نے۔ اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے فقہ دین حاصل کی۔ حافظِ حدیث تھے۔ ثبت تھے۔ ۹۴ھ میں وفا[illegible]۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے (تذکرۃ الحفاظ ۱: ۵۸-۵۹ تاریخ الاسلام ۴: ۳۱-۳۴ از تہذیب التہذیب ۷: ۱۸۰-۱۸۵) (۱۰۲۶) ابو بکر صیدلانی: جامی فرماتے ہیں کہ یہ جلیل القدر مشائخ میں سے تھے۔ شبلیؒ ان کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ پھر وہی واقعہ دیا ہے جو یہاں ابو بکر طمستانی کے متعلق دیا ہے۔ (نفحات الانس ۱۷۹)۔ جامی نے ابو بکر طمستانی کا الگ حال دیا ہے (صفحہ ۸۴) مگر وہاں یہ واقعہ نہیں لکھا۔ (۱۰۲۷) بالفاظ دیگر ولی کس قدر بھی بلند ہو جائے، درجہ نبوت تک نہیں پہنچ سکتا۔

(۱۰۲۸) دعا کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ نتائج الافکار القدسیہ ۳: ۲۱۸-۲۱۹؛ احیاء العلوم الدین ۱: ۳۱۱-۳۱۷) (۱۰۲۹) محمد بن احمد العودی: رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں العودی ہی دیا

گیا ہے۔ مگر میرے خیال میں یہ ابوالحسن محمد بن احمد العبدی القاضی ہیں۔ انہوں نے المعافی بن سلیمان سے حدیث سنی اور ان سے الحسین بن اسماعیل المحاملی نے۔ ثقہ تھے۔ ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۱: ۲۸۱-۲۸۲) (۱۰۳۰) کامل: کامل سے مراد ابویحیی کامل بن طلحہ الجحدری البصری ہیں۔ انہوں نے بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ عبداللہ بن لہیعہ وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے حنبل بن اسحاق وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ ۱۴۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۳۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۱۲: ۴۸۵-۴۸۷، تہذیب التہذیب ۸: ۴۰۸-۴۰۹) (۱۰۳۱) ابن لہیعہ یا لہیعہ: عبداللہ بن لہیعہ بن عقبہ الحضرمی المصری الفقیہ۔ ان کی کنیت ابو عبدالرحمن ہے۔ انہوں نے اعرج وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔ آخر عمر میں ان کی عقل میں فتور آگیا تھا اس لئے ان کی روایت میں بھی خلل پیدا ہوگیا اس وجہ سے بعض نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ مزید براں ۱۷۰ھ میں ان کی کتابیں جل گئی تھیں۔ انکی ان کی ولادت ۹۶ھ میں ہوئی اور وفات ۱۷۴ھ میں (تہذیب التہذیب ۵: ۳۷۳-۳۷۹، شذرات الذہب ۱: ۲۸۳-۲۸۴) (۱۰۳۲) خالد بن یزید: خالد بن یزید مولی ابن ابی الصبیغ الاسکندرانی المصری۔ انہوں نے سعید بن ابی ہلال وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابن لہیعہ وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں (کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲: ۳۵۸) (۱۰۳۳) سعید بن ابی ہلال: ابوالعلاء سعید بن ابی ہلال اللیثی المصری۔ دراصل مدینہ کے بتائے جاتے ہیں۔ انہوں نے مرسل طور پر حضرت انس سے روایت کی اور ان سے خالد بن یزید مصری وغیرہ نے ۷۰ھ میں مصر میں پیدا ہوئے اور ۱۳۳ھ یا ۱۴۹ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۴: ۹۴، ۹۵) (۱۰۳۴) ابوعمرو عثمان بن احمد البغدادی الدقاق المعروف بہ ابن السماک۔ مسند بغداد ہیں اصحاب الحدیث میں سے تھے۔ ان کی تصانیف ہیں ۳۴۴ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب ۲: ۳۶۶، تاریخ بغداد ۱۱: ۳۰۲-۳۰۳) (۱۰۳۵) بشر بن عبدالملک: ابویزید بشر بن عبدالملک الکوفی۔ ساکن بصرہ۔ انہوں نے عون بن موسی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابوحاتم اور ابوزرعہ نے شیخ ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۳۶۲)

(۱۰۳۶) سعد: کئی ایک صحابہ رضوان اللہ علیہم کا نام سعد ہے۔ شاید یہاں مراد سعد بن عبادہ

یا سعد بن معاذ سے ہے۔ سعد بن عبادہ نے ۱۱ھ میں وفات پائی۔ اور سعد بن معاذ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ ان کی موت پر عرش ہل گیا تھا (اسدالغابہ: ۲: ۲۹۶-۲۹۹ نز ۳: ۲۸۳ - ۲۸۵) (۱۰۳۷) یعقوب بن اللیث: یعقوب بن اللیث الصفار۔ خاندان صفاریہ کا بانی۔ اس کے بعد اس کا بھائی عمرو بن اللیث بادشاہ بنا۔ یہ ٹھٹھیار تھے۔ بڑے بہادر تھے۔ سجستان میں صالح بن النظر خارجیوں کے خلاف جنگ کرنے پر مقرر ہوئے تھے یہ بھی اس کے ساتھ ہو لئے۔ رفتہ رفتہ یہ بادشاہ ہو گئے۔ یعقوب کی موت قولنج سے ہوئی۔ طبیب نے حقنہ کرانے کو کہا مگر یہ راضی نہ ہوئے ۲۶۵ھ میں جندیسا پور میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۱۵۰-۱۵۱ از ابن خلکان: ۵: ۴۴۴-۴۶۷) (۱۰۳۸) صالح مری: ابو بشر صالح بن بشیر القاری المعروف بہ المُرّی۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ حسن بصری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے شجاع بن ابی نصر البلخی وغیرہ نے۔ صالحین میں سے تھے۔ ۱۷۲ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۹: ۳۰۵-۳۱۰ نز صفتہ الصفوۃ: ۳: ۲۶۵: ۲۶۶) (۱۰۳۹) ابی نافع: رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر شرح الفضاری میں عقبہ بن نافع ہے۔ عقبہ بن نافع بن عبد قیس القرشی الفہری الامیر جب مصر فتح ہوا تو عمرو بن العاص نے ایک فوج ارگرد کے علاقوں کو فتح کرنے کے لئے روانہ کی اور عقبہ کو بھی ان میں بھیجا۔ مسلمان نوبہ کے علاقہ میں گئے اور سخت جنگ ہوئی۔ نوبیوں نے خوب تیر اندازی کی جس کی وجہ سے اکثر لوگوں کی آنکھیں پھوٹ گئیں۔ یہ مستجاب الدعاء تھے۔ یزید نے انہیں ۶۲ھ میں افریقہ کا حاکم مقرر کیا تھا (تاریخ الاسلام: ۳: ۴۹-۵۰) (۱۰۴۰) محمد بن خزیمہ: ابو بکر محمد اسحاق بن خزیمہ السلمی النیسا پوری الحافظ شیخ الاسلام تھے اور صاحب تصانیف ہیں۔ ۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ علی بن حجر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔ حافظ حدیث اور ثبت ہیں۔ مزنی سے فقہ پڑھی۔ اپنے زمانہ میں معدوم النظیر تھے۔ ۳۱۱ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۲۶۲-۲۶۳) (۱۰۴۱) عبدالرحمٰن بن احمد: ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن احمد المعروف بہ ابن الختلی۔ انہوں نے اپنے باپ سے حدیث سنی اور ان سے ابوالحسن دارقطنی وغیرہ نے۔ یہ صاحب حدیث تھے۔ اور اپنے حافظے کے لحاظ سے مشہور تھے۔ کئی ماہ تک بغیر کتابوں کے حدیث کی روایت کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی کتابیں آگئیں۔ (تاریخ

بغداد: ۱۰: ۲۹۰) اسی زمانہ کے ایک شخص بھی ہیں۔ جن کا نام ابوبکر عبدالرحمٰن بن احمد بن سعید الاملی المروزی ہے۔ یہ حج کرنے کی نیت سے ۳۵۰ھ میں بغداد آئے اور یحییٰ بن احمد بن ماسویہ وغیرہ سے روایت کی۔ ثقہ اور حافظ تھے۔ ۳۵۹ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۰: ۲۹۶-۲۹۷)

(۱۰۴۲) نقی بن مخلد: رسالہ اور شرح میں اسی طرح تار کے ساتھ دیا ہے۔ مگر درست بقی بن مخلد ہے۔ پورا نام ابوعبدالرحمٰن بقی بن مخلد الاندلسی الحافظ الکبیر۔ انہوں نے مسند تالیف کی ہے جو فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہے۔ اس میں انہوں نے ایک ہزار چھ سو صحابیوں سے روایت کی ہے ابن حزم نے اس مسند کو مسند امام احمد بن حنبل پر ترجیح دی ہے۔ مگر ابن کثیر نے ان سے اتفاق نہیں کیا۔ انہوں نے حدیث کی تلاش میں بہت سفر کئے۔ امام احمد بن حنبل سے بھی حدیث سنی۔ عابد صالح زاہد اور مجاب الدعوۃ تھے۔ یہاں جو واقعہ دیا ہے اس کا ذکر ابن کثیر اور ابن الجوزی دونوں نے کیا ہے۔ (المنتظم: ۵: ۱۰۰-۱۰۱ از البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۵۶-۵۷ ز شذرات الذہب ۲: ۱۶۹ ز تذکرۃ الحفاظ ۲: ۱۸۴-۱۸۵) تذکرۃ الحفاظ میں ان کی تاریخ وفات غلط دی ہے۔ وہاں ۲۰۶ھ دیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے ان کی تاریخ ولادت ۲۰۱ھ دی گئی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱: ۹۵۶-۹۵۷۔ انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ انکی تفسیر کو ابن جریر کی تفسیر پر ترجیح دی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ صرف مسند کے متعلق ذکر آیا ہے کہ اسے مسند احمد پر ترجیح دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ (حوالہ مذکور)

(۱۰۴۳) فقر کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو قوت القلوب: ۲: ۱۹۲-۲۰۱ ز احیاء علوم الدین: ۴: ۲۵۸ ز شرح تعرف: ۳: ۱۱۸-۱۲۵ از نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۲۲۹-۲۳۰) (۱۰۴۴) ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن الہیثم الانباری: ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن الہیثم بن عمران البندار۔ دراصل انبار کے رہنے والے تھے۔ ۲۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔ جعفر بن محمد الصائغ وغیرہ سے حدیث سنی۔ صحیح السماع ہیں ۳۲۰ھ میں اچانک وفات ہوئی۔ (المنتظم: ۷: ۵ ز البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۷۰) (۱۰۴۵) جعفر بن محمد الصائغ: جعفر بن محمد بن شاکر الصائغ۔ انہوں نے ابونعیم سے روایت کی۔ ثقہ اور مامون ہیں۔ ۲۷۹ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۱۷۴ از المنتظم: ۵: ۱۴۰) (۱۰۴۶) قبیصہ ابو عامر قبیصۃ بن عقبۃ السوائی الکوفی۔ یہ سفیان بن عقبہ کے بھائی

ہیں۔ سفیان ثوری وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے احمد بن حنبل وغیرہ نے۔ صالح اور ثقہ تھے۔ ۲۱۵ھ یا ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۲ ؛ ۷۳-۷۶ ؛ شذرات الذہب: ۲ ؛ ۳۵ ؛ تہذیب التہذیب ۸ ؛ ۴۴-۴۹ ؛ ۳۴۹) (۱۰۴۷) سفیان سے مراد سفیان ثوری ہیں۔ (۱۰۴۸) محمد بن عمرو بن علقمہ: ابو عبداللہ محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص اللیثی۔ انہوں نے ابوسلمہ سے روایت روایت کی ہے اور ان سے موسیٰ بن عقبہ وغیرہ نے۔ صالح الحدیث ہیں۔ ۱۴۴ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۹ ؛ ۳۷۵-۳۷۷) (۱۰۴۹) ابراہیم بن احمد بن محمد رجاء الفزاری: رسالہ اور شرح دونوں میں "الفزاری" دیا ہے۔ مگر درست الابزاری ہے۔ ابزار نیشاپور سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ایک بستی کا نام ہے۔ ابراہیم بن احمد بن محمد رجاء الابزاری الوراق یہیں کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے طلب حدیث میں بہت سفر کئے۔ چنانچہ ابوالقاسم بغوی اور محمد بن محمد الباغندی سے روایت کی۔ اور ان سے ابو عبداللہ الحاکم اور ابو عبدالرحمٰن سلمی وغیرہ نے۔ انہوں نے بہت احادیث جمع کیں۔ اور لمبی عمر پائی۔ (معجم البلدان: ۱ ؛ ۷۲) (۱۰۵۰) عبداللہ بن جعفر بن احمد بن خشیش البغدادی: ابو العباس عبداللہ بن جعفر بن احمد بن خشیش الصیرفی۔ انہوں نے یوسف بن موسیٰ القطان وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے محمد بن عبیداللہ بن الشخیر وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۳۱۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۹ ؛ ۴۲۸) (۱۰۵۱) عثمان بن معبد: عثمان بن معبد بن نوح۔ انہوں نے عمر بن ابی سلمہ التیسی وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور ان سے ابوبکر بن ابی الدنیا وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ آخر عمر میں بہرے ہو گئے تھے۔ ۲۶۱ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد ۱۱ ؛ ۲۹۰) (۱۰۵۲) عمر بن راشد: ابو حفص عمر بن راشد المدینی۔ انہیں الجاری بھی کہا جاتا ہے۔ جار ساحل مدینہ کا نام ہے۔ یہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہ کذاب مشہور تھے۔ موضوع احادیث کی روایت کرتے۔ (تہذیب التہذیب: ۷ ؛ ۴۴۶ ؛ کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۱ ؛ ۱۰۸)۔

(۱۰۵۳) ابوبکر بن سمعان: ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ میرے خیال میں یہاں ابوبکر بن ابی سعدان ہونا چاہیے۔ ابوبکر احمد بن محمد بن محمد بن ابی سعدان بغدادی ہیں۔ جنیدؒ اور نوریؒ کی صحبت میں رہے۔ علم و فضل اور فصاحت و بیان میں لاثانی تھے۔ (طبقات الصوفیہ: ۴۲۰ ؛ تاریخ بغداد: ۴ ؛ ۴۶۱) (۱۰۵۴) ابراہیم القصار: ابو اسحٰق ابراہیم بن داؤد الرقی القصار۔

شام کے جلیل القدر مشائخ میں سے تھے۔ جنید اور ابن الجلاء کے معاصر تھے۔ ان کی عمر بہت لمبی ہوئی۔ ۳۲۶ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۳۱۹۔ نفحات الانس: ۱۶۱ از صفۃ الصفوۃ: ۴: ۱۶۹) اور وہ مواضع جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں یہی مراد ہیں۔ مگر یاد رہے کہ اور شخص بھی ہیں جن کا نام ابراہیم بن حکیم القصار ہے۔ انہوں نے عبید اللہ بن عمر القواریری وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن مخلد نے (تاریخ بغداد: ۶: ۵۶-۵۷) تیسرے ایک اور ہیں۔ ابو اسحاق ابراہیم بن عبد اللہ بن اسحاق الاصبہانی المعروف بہ القصار۔ بڑے عبادت گزار، زاہد اور پرہیزگار تھے۔ انہیں قصار اس لئے کہا گیا کہ یہ مُردوں کو غسل دیا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک سو تین برس کی عمر پا کر ۳۷۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۶: ۱۲۷ از اخبار اصفہان: ۱: ۲۰۱) (۱۰۵۵) ربیع بن خثیم۔ اس نام کو دو طرح پڑھا گیا ہے۔ خُثَیم (خائے مضمومہ پھر ثائے مثلثہ مفتوحہ) بروزن فُعَیل مصغراً اور دوسرا خَیثم (خاء مفتوحہ پھر یا پھر ثاء مثلثہ مفتوحہ) بروزن فَعیل۔

ربیع بن خیثم۔ جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کی کنیت ابو یزید ہے۔ زاہد اور اپنے زمانہ کے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ عبد اللہ بن مسعود کے خاص شاگرد تھے۔ اُن کے پاس اس وقت بھی چلے جاتے جب کہ کسی اور کو جانے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک بار حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے دیکھ لیتے تو ضرور تجھ سے محبت کرتے۔ ۶۱ھ یا ۶۳ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۳: ۲۴۲ از تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۵۴-۵۵ از تاریخ الاسلام: ۳: ۱۵-۱۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۶۵-۲۶۸ از کتاب الجرح والتعدیل ج ا ق ۲: (۱۱۵۶) احمد بن علی: احمد بن علی بن الحسن بن شاذان المقری النیشاپوری المعروف بہ ابن حسنویہ۔ یہ ابو عبد اللہ الحاکم اور ابو عبد الرحمٰن السلمی دونوں کے استاد تھے۔ (مقدمہ طبقات الصوفیہ: ۲۰) (۱۰۵۷) الحسن بن علویہ: ابو محمد الحسن بن علی بن محمد القطان المعروف بہ ابن علویہ انہوں نے عاصم بن علی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابو عمرو بن السماک وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۷: ۳۷۵) ایک اور صاحب ہیں۔ جن کا نام حسن بن علویہ الدامغانی ہے اور جنہوں نے ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔ تاریخ جرجان: ۱۸۴) (۱۰۵۸) ابن الکرنبی: ابو جعفر بن الکرنبی الصوفی۔ جنید کے معاصر اور

بغداد کے صوفیاء میں سے تھے۔ مخلوق سے بھاگتے تھے۔ انہوں نے جنیدؒ سے پہلے وفات پائی۔ جنیدؒ ان کی وفات کے وقت موجود تھے۔

(تاریخ بغداد: ۱۴: ۴۱۳-۴۱۵) (۱۰۵۹) عبداللہ بن محمد الدمشقی: ابو القاسم عبداللہ بن محمد الدمشقی۔ یہ ابو عبد الرحمن السلمی کے استاد ہیں۔ نورالدین شریبہ نے ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ (۱۰۶۰) ابراہیم بن المولد: ابو الحسن ابراہیم بن احمد بن محمد المولد الرقی۔ زاہد صوفی اور واعظ تھے۔ انہیں شیخ الصوفیہ سمجھا جاتا تھا۔ جنید کے شاگرد تھے۔ سلمی نے ان کی کنیت ابو اسحاق لکھی ہے۔ ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۱۰۱ ۴ اور وہ مواضع جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔) (۱۰۶۱) ہلال بن محمد: ابو الفتح ہلال بن محمد الحفار انہوں نے اسماعیل بن محمد الصفار وغیرہ سے حدیث سنی۔ صدوق تھے۔ بغداد کی مشرقی جانب رہا کرتے تھے۔ اُن کی پیدائش ۳۲۲ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۴۱۴ھ میں۔ (تاریخ بغداد ۱۴: ۷۵؛ ز المنتظم: ۸: ۱۵؛ از البدایۃ النہایہ: ۱۲: ۱۷) (۱۰۶۲) النقاش: ابوبکر محمد بن الحسن بن محمد الموصلی البغدادی النقاش۔ یہ قاری، مفسر اور اپنے زمانہ کے چوٹی کے علماء میں سے تھے ۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اسحٰق الختلی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے عبدالعزیز فارسی وغیرہ نے کثیر الحدیث اور صاحبِ تصانیف ہیں۔ ۳۵۱ھ میں وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ: ۵: ۱۱۵-۱۱۶) (۱۰۶۳) علی بن بندار الصیرفی: ابو الحسن علی بن بندار الصیرفی ۳۵۹ھ میں وفات پائی۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ (طبقات الصوفیہ: ۵۰۱-۵۰۴) (۱۰۶۴) محفوظ: محفوظ بن محمود النیسا النیشاپوری۔ یہ ابو حفص نیشاپوری کی صحبت میں رہے۔ ابو حفص کی وفات کے بعد ابو عثمان کی صحبت میں رہے۔ یہ نیشاپور کے جلیل القدر مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ ۳۰۳ھ یا ۳۰۴ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۲۷۳-۲۷۴) (۱۰۶۵) ابو اسحاق الفزاری: ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن الحارث الفزاری الکوفی۔ انہوں نے مصیصہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ حمید الطویل وغیرہ سے روایت کی اور ان سے معاویہ بن عمرو الازدی وغیرہ نے۔ یہ ائمہ حدیث میں سے تھے۔ اور ثقہ اور مامون تھے یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں اصطرلاب بنائی۔ ۱۸۵ھ یا ۱۸۶ھ میں وفات پائی (تہذیب تہذیب ۱: ۱۵۱-۱۵۳) (۱۰۶۶) مخلد بن حسین: ابو محمد مخلد بن الحسین۔ دراصل بصرہ کے تھے مگر مصیصہ

میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ انہوں اوزاعی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ان کے نواسے داؤد بن معاذ العتکی اور ابو اسحاق الفزاری وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۱۹۱ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۲۷۔ ۴۷، ابن حجر نے اُنکی تاریخ وفات ۱۹۰ھ دی ہے اور یہ غلط ہے۔ صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴۰، شذرات الذہب: ۱: ۳۲۹۔ مگر ابن العماد نے ان کا نام مجالد بن الحسین دیا ہے۔)

(۱۰۶۷) مزین: ابو الحسن علی بن محمد المزین مراد ہیں۔ ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔ (۱۰۶۸) الحسین بن یوسف القزوینی۔ ابو علی الحسین بن یوسف القزوینی۔ یہ سلمی کے استاد ہیں مگر لوز الدین نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ (۱۰۶۸) محمد بن واسع: ابو عبد اللہ محمد بن واسع بن جابر البصری۔ انہوں نے انس بن مالک وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ہشام بن حسان وغیرہ نے۔ عابد اور ثقہ ہیں۔ ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۹: ۴۹۹۔ ۵۰۰، صفۃ الصفوۃ: ۳: ۱۹۰۔ ۱۹۵) (۱۰۶۹) ابو بکر مصری ابو بکر محمد بن احمد بن محمد المعروف بہ ابو بکر بن الحداد المصری جلیل القدر امام ہیں۔ بہت عبادت کیا کرتے تھے۔ حدیث، نحو، لغۃ اور تاریخ کے عالم تھے۔ محمد بن طغج الاخشید کے عہد میں ۳۲۴ھ میں مصر کے قاضی ہوئے۔ انکی بہت سی تصانیف ہیں۔ ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۳۸۶) (۱۰۷۰) عبد الواحد بن احمد: ابو الفتح عبد الواحد بن احمد بن مسرور البلخی الحافظ۔ انہوں نے مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ حسین بن محمد المطبقی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے حافظ عبد الغنی الازدی وغیرہ نے ۳۳۷ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۳: ۹۲) (۱۰۷۱) ابو عبد اللہ الحصری رسالہ اور شرح میں "الحُصری" ہی دیا ہے۔ مگر نفحات الانس (ص ۱۲۲) میں ابو عبد اللہ الحضرمی دیا ہے۔ یہ محمد المرتعش کے استاد تھے اور مسائل تصوف کا استنباط قرآن مجید سے کرتے تھے (۱۰۷۲) ابو جعفر حداد دو ہیں۔ ایک کبیر اور دوسرا صغیر۔ کبیر استاد اور صغیر شاگرد تھا۔ ابو جعفر صغیر کا نام ابو جعفر بن بکیر الحداد الصغیر المصری ہے۔ ابو جعفر کبیر بغداد کے رہنے والے تھے۔ اور جنید اور رویم کے ہمسر تھے۔ (نفحات الانس: ۱۶۵، تاریخ بغداد: ۱۴: ۴۱۲) (۱۰۷۳) محمد بن محمد احمد: ابو احمد الحاکم محمد بن محمد احمد بن اسحٰق النیشاپوری الکرابیسی الحافظ۔ ثقہ اور مامون تھے۔ صاحب تصانیف ہیں اور اُن کا شمار آئمۂ حدیث میں ہوتا ہے۔ ابن خزیمہ وغیرہ سے روایت کی۔ شاش اور طوس کے قاضی رہے۔ پھر نیشاپور واپس آ گئے اور مسجد میں رہے اور عبادت اور

تصنیف میں لگے رہتے۔ ترانوے سال عمر پاکر ۳۷۸ھ میں وفات پائی۔ (شذرات التہذیب: ۳: ۹۳)۔
(۱۰۷۴) تصوف کی بحث کیلئے ملاحظہ ہو: شرح تعرف: ۱: ۴۹-۸۲؛ کتاب اللمع: ۱: ۲۰-۲۲-۲۴-۲۵-
کشف المحجوب: ۴۳-۴۷؛ حیاۃ القلوب: ۱: ۲۶۰-۲۷۱؛ احیاء علوم الدین: ۳: ۲۲-۲۵؛ عوارف المعارف
۱: ۲۶۳-۳۴۵ (۱۰۷۵) الحسین بن جعفر: ابو عبداللہ الحسین بن جعفر التنوخی القاری۔ انہوں نے اپنے دادا احمد
بن احمد بن اسحٰق سے روایت کی اور ان سے علی بن المحسن التنوخی نے۔ اس نے ان سے ۴۲۷ھ میں حدیث
سنی۔ انکی پیدائش ۳۳۰ھ کی ہے یہ اپنی خوش الحانی اور عمدہ قرأت کی وجہ سے مشہور تھے۔ (تاریخ بغداد:
۸: ۲۷) (۱۰۷۶) ابوبکر بن عیاش بن سالم الاسدی الکوفی۔ انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی اور ان سے
ثوری وغیرہ نے۔ صدوق۔ صالح اور صاحبِ قرأت تھے۔ بڑے عبادت گزار تھے۔ ۹۵ھ میں پیدا ہوئے
اور ۱۹۳ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۲: ۳۴-۳۷؛ تاریخ بغداد: ۱۴: ۳۷۱-۳۸۵؛ صفۃ الصفوۃ
۳: ۹۷) (۱۰۷۷) یزید بن ابی زیاد: ابو عبداللہ یزید بن ابی زیادہ القرشی الہاشمی انہوں نے ابراہیم نخعی وغیرہ سے
روایت کی اور ان سے اسمٰعیل بن ابی خالد اور ابوبکر بن عیاش وغیرہ نے انہیں قوی شمار نہیں کیا جاتا مگر
باوجود ضعف کے انکی حدیث لکھی جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ کوفہ کے شیعہ میں سے تھے امام حسینؓ کی شہادت کے
وقت انکی عمر ۱۴ یا ۱۵ سال تھی ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ صدوق تھے مگر بڑھاپے میں ان کا
حافظہ کمزور ہوگیا تھا۔ چنانچہ جو کچھ کوئی انکے ذہن میں ڈال دیتا وہی بیان کر دیتے تھے۔ یہی وجہ انکے ضعف کی
ہوئی۔ لہٰذا ضعف حافظہ سے پہلے جن لوگوں نے ان سے حدیث سنی وہ صحیح ہے۔ ولادت ۴۷ھ میں ہوئی۔
(تہذیب التہذیب: ۱۱: ۳۲۹-۳۳۱) (۱۰۷۸) ابو جحیفہ: ابو جحیفہ وہب بن عبداللہ بن مسلم العامری السوائی۔
کوفہ کے رہنے والے تھے۔ انہیں صغار صحابہ میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت
یہ ابھی نابالغ تھے۔ حضرت علیؓ نے انہیں بیت المال پر مقرر کر رکھا تھا اور یہ حضرت علیؓ کے ممبر کے پاس کھڑے
رہتے تھے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے اور انکی روایت بھی کی ہے ۷۲ھ میں وفات
پائی۔ (اسد الغابہ: ۵: ۹۵-۹۶؛ ۱۵۷)

(۱۰۷۹) عبدالواحد بن محمد الفارسی: ابو عبداللہ الواحد بن محمد البزاز الفارسی دراصل رومی تھے۔ انہوں نے
القاضی المحاملی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابوبکر خطیب وغیرہ نے ثقہ اور امین تھے اور درب الزعفرانی
میں رہا کرتے تھے ۳۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۱۰ھ میں اچانک وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۱: ۱۲-۱۴) (۱۰۸۰)

ابو علی الوراق: ابو علی اسمٰعیل بن العباس بن عمر الوراق ۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ زبیر بن بکار وغیرہ سے حدیث سنی اور اُن سے دارقطنی نے۔ ثقہ تھے۔ ۳۲۳ھ میں حج سے واپسی پر راستہ میں ہی وفات ہوئی اور انہیں بغداد لایا گیا۔ (المنتظم: ۶: ۲۷۸، تاریخ بغداد ۶: ۳۰۰) ایک اور صوفی کی بھی یہی کنیت ہے۔ اور شاید یہی یہاں مراد ہوں۔ ان کا نام محمد بن الخضر ابو علی الوراق ہے انہوں نے عبداللہ بن خیاط سے جو بشر بن الحارث کے شاگرد تھے۔ روایت کی ہے (تاریخ بغداد: ۵: ۲۴۱) (۱۰۸۱) محمد بن علی القصاب ابو جعفر محمد بن علی القصاب الصوفی۔ یہ جنید کے استاد تھے۔ انکی وفات ۲۷۵ھ میں ہوئی۔ جنید خود فرمایا کرتے تھے کہ لوگ مجھے سری کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ میرا استاد محمد بن علی قصاب ہے (تاریخ بغداد: ۳: ۶۲) (۱۰۸۲) علی بن عبدالرحیم الواسطی: ابوالحسن علی بن عبدالرحیم الواسطی القناد الصوفی۔ ائمہ صوفیہ میں سے تھے۔ انھوں نے کئی ایک مشائخ کی ملاقات کی اور تجرید کے طور پر سفر کئے۔ انھوں نے حسین بن منصور الحلاج کے اقوال کی حکایت کی ہے (طبقات الصوفیہ: ۱۶۵) (۱۰۸۳) چنانچہ اگر تم سے لغزش ہو جائے تو وہ اس کا عذر ڈھونڈ نکالیں گے۔ اور تجھے برا کہیں گے۔ اور اگر تم سے نیکی سرزد ہو تو اس خیال سے کہ تم غرور میں مبتلا نہ ہو جاؤ وہ تمہاری تعریف نہ کریں گے۔ مزید برآں اُن کے ہاں نیکی کے اعلیٰ ترین مدارج ہونے کی وجہ سے کم درجہ کی نیکی شمار میں نہیں ہوتی (شرح زکریا الانصاری: ۴: ۶) (۱۰۸۴) ادب کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ: ۴: ۱۲ (کشف المحجوب: ۴۴۳-۴۴۵ و کتاب اللمع: ۱۴۱-۱۴۴ و عوارف المعارف: ۲: ۱۱۰-۱۲۳) (۱۰۸۵) غنام: رسالہ اور شرح دونوں میں "غنام" لکھا ہے مگر یہ "تمام" کی تحریف ہے الحسن الصفار تمام سے روایت کرتے ہیں اور تمام عبدالصمد بن النعمان سے (تاریخ بغداد: ۲: ۱۴۳-۱۴۴) ان کا اصل نام ابو جعفر محمد بن غالب بن حرب ہے (۱۰۸۶) عبدالصمد بن النعمان ابو محمد عبدالصمد بن النعمان البزار النسائی۔ دراصل کوفہ کے تھے۔ مگر بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ عیسیٰ بن طہمان وغیرہ سے حدیث کی روایت کی۔ اور ان سے محمد بن غالب تمام وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۲۱۶ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۱: ۴۲۹-۴۳۰ و شذرات الذہب: ۲: ۳۶) (۱۰۸۷) عبدالملک بن الحسین: ابو مالک عبدالملک بن الحسین النخعی الواسطی۔ یہ ابو ذر کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے عبدالملک بن عمیر اور دیگر رواۃ سے روایت کی اور اُن سے وکیع وغیرہ نے۔ یہ ضعیف ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ۱۲: ۲۱۹) (۱۰۸۸) عبدالملک بن عمیر: ابو عمرو عبدالملک بن عمیر بن سُوید القرشی المعروف بہ القبطی۔ انھوں نے حضرت علی اور ابو موسیٰ کو دیکھا۔ اشعث بن قیس وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے ان کے بیٹے موسیٰ وغیرہ ثقہ اور صالح الحدیث ہیں۔ موت سے پہلے اُن کے حافظہ میں تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ ایک تین سال کی عمر پا کر ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔

(تہذیب التہذیب ۶: ۱۱۴-۱۱۳ ؛ تاریخ الاسلام ۵: ۲۷۱-۲۷۲) (۱۰۸۹) مصعب بن شیبہ الحجبی ۔ انھوں نے اپنے باپ اور اپنی پھوپھی صفیہ بنت شیبہ سے روایت کی اور اُن سے ان کے بیٹے زرارہ وغیرہ نے ۔ ان کو بعض نے ضعیف اور بعض نے ثقہ قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب : ۱۰: ۱۶۲ ؛ تاریخ الاسلام ۴: ۳۰۳) (۱۰۹۰) سعید بن المسیب : ابو محمد سعید بن المسیب القرشی المخزومی المدنی ۔ بالاتفاق عالم اہل مدینہ مانے گئے ہیں ۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کے دو یا چار سال گذرنے پر انکی ولادت ہوئی ۔ کئی ایک صحابہ کی زیارت کی اور ان سے حدیث کی روایت کی اور ان سے زہری وغیرہ نے ۔ تیل کی تجارت کیا کرتے تھے اور عطیہ قبول نہ کرتے ۔ خوابوں کی تعبیر کرنے میں انھیں خاص ملکہ حاصل تھا ۔ اُنکے سال وفات میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے اکثر ائمہ حدیث ۹۴ھ بتاتے ہیں ؛ تاریخ الاسلام ۴: ۴ ؛ تہذیب التہذیب ۴: ۸۴-۸۸) (۱۰۹۱) احمد بن محمد البصری : احمد بن محمد زیاد البصری المعروف بہ ابو سعید ابن الاعرابی مکہ میں رہے اور شیخ حرم ہوئے ۔ جنیدؒ اور نوری کی صحبت میں رہے ۔ تصوف میں کتابیں لکھیں ۳۴۱ھ میں وفات پائی ۔ (البدایہ والنہایہ ۱۱: ۲۲۶ ؛ شذرات التہذیب ۲: ۳۵۴-۳۵۵ ؛ تذکرۃ الحفاظ ۳: ۶۶-۶۷) (۱۰۹۲) الجلاجلی البصری ؛ ابو السری موسیٰ بن الحسن الانصاری ۔ دراصل نسا کے رہنے والے تھے ۔ عبداللہ بن بکر السہمی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے محمد بن مخلد الدوری وغیرہ نے ۔ یہ قعنبی کے راوی خاص ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ قعنبی نے انہیں نمازِ تراویح پڑھانے کو کہا ۔ انہیں ان کی آواز پسند آئی تو فرمایا ۔ تمہاری آواز تو ایسی ہے جیسے گھنٹیاں (جلاجل) بج رہی ہوں ۔ اسی وجہ سے "جلاجلی" لقب پڑ گیا ۔ ۲۸۶ھ میں وفات پائی ۔ (تاریخ بغداد ۱۳: ۴۹-۵۰) (۱۰۹۳) ولید بن عتبہ : ابو العباس الولید بن عتبہ الاشجعی الدمشقی ۔ انہوں نے ولید بن مسلم وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے احمد بن ابی الحواری وغیرہ نے ۔ ثقہ تھے ۔ چونسٹھ سال کی عمر میں ۲۴۰ھ میں وفات پائی ۔ (تہذیب التہذیب ۱۱: ۱۴۱-۱۴۲) (۱۰۹۴) اس قول کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اللمع ؛ ۱۴۲-۱۴۳ ؛ کشف المحجوب ؛ ۴۴۴) (۱۰۹۵) اس وقت آپؐ ایک باغ میں کنوئیں پر تشریف فرما تھے ۔ آپؐ نے پاؤں کنوئیں میں لٹکائے ہوئے تھے ۔ اور اپنی ران سے تھوڑا سا کپڑا کھول رکھا تھا ۔ (شرح زکریا انصاری ۴: ۲۰) (۱۰۹۶) ابو الطیب بن فرحان ؛ رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں فرحان (حاء مہملہ کے ساتھ) دیا ہے ۔ مگر طبقات الصوفیہ ۲۳۱ ؛ فرخان (خاء معجمہ کے ساتھ) دیا ہے ۔ (۱۰۹۷) صوفیاء کے احکام سفر کے لئے ملاحظہ ہو کتاب

اللمع ۱۸۹-۱۹۰؛ کشف المحجوب: ۴۴۹-۴۵۲؛ قوت القلوب: ۲: ۲۰۴-۲۰۸؛ احیاء علوم الدین: ۲: ۲۴۳-۲۶۶؛ عوارف المعارف: ۲: ۹۵-۱۵۸) (۱۰۹۸) محمد بن الفرج الازرق: ابوبکر محمد بن الفرج الازرق۔ انہوں نے حجاج بن الاعور وغیرہ سے روایت کی۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ ان کی احادیث صحیح اور مستقیم ہیں۔ ۲۸۲ھ میں وفات پائی۔ صدوق ہیں۔ شذرات الذہب: ۲: ۱۸۰؛ تاریخ بغداد: ۳: ۱۵۹-۱۶۰) (۱۰۹۹) حجاج: ابومحمد حجاج بن محمد الاعور المصیصی۔ پہلے بغداد رہے پھر مصیصہ چلے گئے۔ انہوں نے ابن جریج وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابو خالد الاحمر وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق ہیں۔ آخر عمر میں جب بغداد لوٹ آئے تھے تو ان میں تغیر واقع ہو چکا تھا۔ چنانچہ جب یحییٰ بن معین ان کے پاس آئے اور انہیں دیکھا کہ عقل میں فتور آچکا تھا۔ تو انہوں نے ان سے روایت حدیث سے لوگوں کو روکا۔ ۲۰۶ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۲: ۲۰۵-۲۰۶؛ تاریخ بغداد: ۸: ۲۳۶-۲۳۸) (۱۱۰۰) ابن جریج عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج المکی۔ عطاء بن ابی رباح اور ابوالزبیر وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے حجاج بن الاعور وغیرہ نے۔ کہتے ہیں کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں کتاب تصنیف کی۔ ثقہ تھے۔ ستر سال کی عمر میں ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۰: ۴۰۰-۴۰۷؛ تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۱۶۰؛ تہذیب التہذیب: ۶: ۴۰۲-۴۰۶) (۱۱۰۱) ابوالزبیر: ابوالزبیر بن محمد مسلم الاسدی المکی۔ انہوں نے سعید بن جبیر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے عطاء وغیرہ نے۔ یہ کامل عقل والے اور حافظہ والے تھے۔ صالح اور ثقہ تھے۔ ۱۲۶ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۹: ۴۴۰-۴۴۳) (۱۱۰۲) علی الازدی: ابوعبداللہ علی بن عبداللہ الازدی الکوفی البارقی۔ انہوں نے ابوہریرہؓ اور ابن عمرؓ سے حدیث سنی۔ اور ان سے ابوالزبیر وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ رمضان میں ہر رات قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب: ۷: ۳۵۸-۳۵۹؛ تاریخ الاسلام: ۴: ۳۹؛ التاریخ الکبیر: ج ۳ ق ۲: ۲۸۳) (۱۱۰۳) محمد بن اسماعیل الفرغانی: ابوبکر محمد بن اسماعیل الفرغانی الصوفی۔ یہ ابوبکر الرقی کے استاد تھے۔ عابدین میں سے تھے۔ ان کا کوئی گھر نہ تھا۔ مسجد میں پڑے رہتے تھے۔ ۳۳۱ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲: ۳۲۹؛ نکلسن نے کتاب اللمع کے دیباچہ میں صرف محمد بن اسمٰعیل دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ابوبکر کتانی

کے معاصر تھے۔ اور وفات تقریباً ۳۲۲ھ بتائی ہے۔ حالانکہ درست ابن عماد کا قول ہے۔ نکلسن کو غلطی اس وجہ سے لگی ہے کہ محمد بن اسماعیل خیر نساج کا بھی نام ہے اور خیر نساج کی وفات ۳۲۲ھ میں ہوئی ہے۔ مگر یہاں تو محمد بن اسماعیل فرغانی مراد ہیں جن سے ابونصر سراج حکایت کرتے ہیں۔ چنانچہ کتاب اللمع میں یہی واقعہ نقل کیا ہے۔ (کتاب اللمع، ۱۸۹) (۱۱۰۴) عیسیٰ القصار ابونصر سراج ان سے حکایت کرتے ہیں مگر نکلسن نے ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ یہاں تک کہ اسناد کی فہرست میں بھی ان کا ذکر نہیں کیا۔ کتاب اللمع میں انہیں عیسیٰ القصار الدینوری لکھا ہے خطیب بغدادی نے اسی زمانہ کے ایک ابوالقاسم عیسیٰ بن عبدالرحیم الدینوری القطان کا ذکر کیا ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱۱: ۱۷۶) تاریخ جرجان (ص ۴۸۹) میں ابوموسیٰ عیسیٰ بن احمد الاسترابازی الملقب بعیسیٰ القصار (بغیر راء) دیا۔ عیسیٰ القصار کا پتہ نہ چل سکا۔

(۱۱۰۵) عبداللہ مروزی، ابومحمد عبداللہ بن احمد بن شبویہ الرباطی المروزی۔ صوفیہ کے اکابر شیوخ میں سے ہیں۔ ابوتراب نخشبی کے ساتھ انہوں نے سفر کیا۔ اور جنید ان کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ علوم ظاہریہ اور علوم حقائق سے باخبر تھے۔ خطیب بغدادی نے عبداللہ مروزی کا یہ واقعہ ابواحمد مصعب بن احمد بن مصعب (القلانسی) کے متعلق بیان کیا ہے (تاریخ بغداد: ۹: ۴۴۷)

(۱۱۰۶) مزین کبیر، ابوالحسن مزین دو ہیں۔ ایک صغیر اور دوسرا کبیر۔ کبیر استاد اور صغیر شاگرد ہے۔ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ اور دونوں بغداد کے رہنے والے تھے۔ علی بن محمد نام تھا کبیر بغداد میں ۳۲۷ھ میں مرے اور وہیں دفن ہوئے اور صغیر مکہ میں مرے اور وہیں دفن ہوئے نکلسن کہتے ہیں کہ سمعانی کے قول کے مطابق مزین کبیر مکہ میں دفن ہوئے۔ (مقدمہ انگریزی کتاب اللمع، ۲۹ و نفحات الانس: ۱۵۸-۱۵۹) (۱۱۰۷) ابوعبداللہ نصیبی: کتاب اللمع (ص ۱۹۰) میں یہی قول نقل کیا ہے۔ مگر نکلسن نے بھی ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ (۱۱۰۸) رسالہ میں یہاں قرعاً مطبوخاً پکا ہوا کدو دیا ہے۔ مگر شرح انصاری میں مطروحاً دیا ہے۔ میں نے اسی کا ترجمہ دیا ہے۔

(۱۱۰۹) صحبت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو: نتائج الافکار القدسیہ: ۴: ۱۳۱ از کشف المحجوب: ۴۳۲-۴۴۹ از کتاب اللمع: ۱۶۷-۱۷۹ از عوارف المعارف: ۴: ۱۶۵-۱۹۷ (۱۱۱۰) یحییٰ بن

محمد الجیانی: ابو محمد یحییٰ بن محمد بن صاعد۔ یہ حفاظ حدیث میں سے تھے۔ حدیث کی تلاش میں بہت سے سفر کئے ۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ گیارہ سال کی عمر میں ۲۳۹ھ میں حدیث لکھنی شروع کی اور نوے سال کی عمر میں ۳۱۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۴: ۲۳۱-۲۳۴) (۱۱۱۱) عثمان بن عبداللہ القرشی: ابو عمرو عثمان بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان القرشی الاموی۔ یہ اکثر سیاحت میں رہتے۔ انہوں نے مالک بن انس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے احمد بن حاتم فامی وغیرہ نے یہ ضعیف ہیں۔ نیشاپور میں رہے اور وہیں وفات ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۱۱: ۲۸۲-۲۸۳) (۱۱۱۲) عبدالرحمٰن بن حمدان: ابو محمد عبدالرحمٰن بن حمدان الہمدانی الجلاب ہمدانی آئمہ سنت میں سے تھے۔ حدیث کی تلاش میں بہت سفر اختیار کئے۔ ابو حاتم رازی وغیرہ سے روایت کی ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۳۶۲)

(۱۱۱۳) محمد بن احمد العبدی: ابو احمد محمد بن احمد بن الحسین الرباطی الجرجانی العبدی۔ یاد رہے کہ ایک شخص محمد بن احمد العبدی کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ان کی کنیت ابو الحسن ہے۔ اور انکی وفات ۲۹۰ھ میں ہوئی۔ اور جن محمد بن احمد العبدی کا یہاں ذکر ہو رہا ہے یہ اور ہیں۔ یہ حمزہ بن یوسف سہمی جرجانی کے استاد ہیں۔ ان کا قیام شیخ ابوبکر اسمٰعیلی کے گھر میں تھا۔ انہوں نے ابو حنیفہ وغیرہ سے روایت کی۔ بخاری کی صحیح کی طرز پر انہوں نے بھی "صحیح" تصنیف کی۔ یہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ ۳۰۰ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ جرجان: ۳۸۷-۳۸۹) (۱۱۱۴) ابو عوانہ: یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم الاسفرائنی النیشاپوری۔ مسلم کی صحیح کی طرز پر انہوں نے ایک صحیح تالیف کی ہے ثقہ اور حافظ ہیں۔ انہوں نے یونس بن عبدالاعلیٰ وغیرہ سے حدیث سنی ۳۱۶ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۴۴۰-۴۴۱) (۱۱۱۶) خلف بن تمیم ابو الاحوص ہے۔ شرح اور رسالہ دونوں میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ درست خلف بن تمیم عن ابی الاحوص ہے۔ ابو عبدالرحمٰن خلف بن تمیم التمیمی الکوفی۔ یہ مصیصہ میں آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے ابو الاحوص وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے الحسین بن ابی السری العسقلانی وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق ہیں۔ عبادت گزار تھے۔ ابراہیم بن ادہم کی صحبت میں رہے۔ ۲۰۶ھ یا ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۳: ۱۴۸-۱۴۹) (۱۱۱۷) محمد بن النضر الحارثی: ابو عبدالرحمٰن محمد بن النضر الحارثی۔ کوفہ کے عبادت گذار

ترین شخص تھے۔ یہ عبادت میں زیادہ مشغول رہنے کی وجہ سے روایت حدیث کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ انہوں نے چند ایک احادیث مرسل طور پر روایت کی ہیں۔ (صفة الصفوة: ۳: ۹۳-۹۴)

(۱۱۱۸) توحید کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو: نتائج الافکار القدسیہ ۴: ۲۷-۲۸؛ شرح تعرف ۴: ۳۰-۳۵؛ کشف المحجوب: ۳۵۶-۳۶۷؛ کتاب اللمع: ۲۸-۳۵۔) (۱۱۱۹) الحجبی عبداللہ بن عبدالوہاب ابو محمد عبداللہ بن عبدالوہاب الحجبی البصری انہوں نے مالک اور حماد بن زید وغیرہ سے روایت کی اوران سے بخاری وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق تھے۔ ۲۲۸ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۸: ۳۰۴-۳۰۵) (۱۱۲۰) حماد بن یزید: حماد بن زید پڑھیں۔ ابو اسمٰعیل حماد بن زید الازدی الجہضمی البصری یہ نابینا تھے۔ انہوں نے ثابت بنانی وغیرہ سے روایت کی۔ اور اُن سے ابن المبارک وغیرہ نے ثبت، ثقہ، حجت اور کثیر الحدیث ہیں۔ ۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۳: ۹-۱۱) (۱۱۲۱) محمد بن سیرین: ابوبکر محمد بن سیرین الانصاری البصری اپنے وقت کے امام تھے۔ انہوں نے انس بن مالک وغیرہ سے روایت کی اور ان سے شعبی وغیرہ نے ۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ تابعی اور ثقہ ہیں۔ ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۹: ۲۱۵-۲۱۶)

(۱۱۲۲) آسان عبارت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ ہر لحاظ سے ولمد ہے۔ اس ذات میں کسی قسم کی کمی یا بیشی کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اگر کمی یا بیشی ہو تو پھر وہ چیز اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی اور شئ ہے۔

(۱۱۲۳) احمد بن محمد بن زکریا ابو العباس النسوی ۳۹۶ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۵: ۹) (۱۱۲۴) عبداللہ بن صالح: ابو محمد عبداللہ بن صالح البخاری۔ حسن بن علی الحلوانی وغیرہ سے حدیث سنی اور اُن سے محمد بن حبیش الناقد نے ۳۰۵ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۴۸۰-۴۸۲) (۱۱۲۵) یعنی شخص جس کی کیفیت اور حالت توحید کی ہو اور دل سے اس کیفیت کو حاصل کر کے بیان کرے۔

(۱۱۲۶) فارس: ابو الطیب فارس بن عیسیٰ۔ جنید اور ابو العباس بن عطاء کی صحبت میں رہے علوم حقائق کے متحققین میں سے تھے۔ ۳۴۰ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۱۲: ۳۹) (۱۱۲۷) بن سعید البصری ابو العباس احمد بن سعید الفقیہ المعدانی۔ حافظ حدیث، فقیہ اور فاضل تھے صاحب تصانیف ہیں۔ پیدائش ۲۹۱ھ اور وفات ۳۶۰ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۱: ۲۷۰-۲۷۱)

(المنتظم: ۷: ۵۴)

(۱۱۲۹) علی بن محمد القزوینی: ابوالحسن علی بن محمد بن مہرویہ القزوینی بغداد آئے۔ وہاں یحییٰ بن عبدک القزوینی وغیرہ سے حدیث بیان کی اور ان سے عمر بن محمد بن سنبک نے۔ معمر تھے اور صدوق تھے۔ ۳۲۳ھ میں بغداد میں حدیث کی روایت کی (تاریخ بغداد: ۱۲: ۶۹-۷۰) (۱۱۳۰) دنیا سے جانے وقت صوفیاء کی حالت کے بیان کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اللمع: ۲۰۹-۲۱۱)۔

(۱۱۳۱) ابوالحسن علی بن محمد بن عقبہ الشیبانی: ابوالحسن علی بن محمد عقبۃ الشیبانی الکوفی۔ بغداد آئے اور وہاں النضر بن ابان ہاشمی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابوالحسن بن ازقویہ نے۔ ثقہ اور امین تھے۔ عدالت میں گواہی دیا کرتے تھے۔ تہتر سال گواہی دی۔ ۳۴۴ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۲: ۷۹-۸۱ ز شذرات الذہب: ۲: ۳۶۵-۳۶۶) (۱۱۳۲) ابوالعباس الاصم: ابو العباس محمد بن یعقوب بن یوسف الاصم الاموی النیشاپوری المؤذن الوراق۔ یہ اچھے اخلاق والے تھے۔ اُجرت پر کتابت کرتے تھے۔ انہیں مسند خراسان اور مسند العصر کہا جاتا ہے۔ آخر عمر میں بہرے ہو گئے تھے۔ ننانوے سال عمر پائی۔ اُن کی صداقت اور صحت سماع پر کسی کو اختلاف نہیں۔ ۳۴۶ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲: ۳۷۳-۳۷۴ ز البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۳۲)۔

(۱۱۳۳) سوار: ابوعبداللہ سوار بن عبداللہ بن سوار العنبری البصری۔ رصافہ کے قاضی تھے اور عمدہ شعر کہتے تھے۔ ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۱۰۸ ز تہذیب التہذیب: ۴: ۲۶۸) (۱۱۳۴) جعفر سے مراد ابوسلیمان جعفر بن سلیمان الضبعی البصری سے ہے۔ انہوں نے ثابت البنانی وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے ثوری وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ امی اور مائل بتشیع تھے ان کی احادیث میں کسی قسم کا طعن نہیں۔ محض مذہب کی وجہ سے مطعون ہوئے۔ ۱۷۸ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۹۵-۹۸) (۱۱۳۵) ثابت سے مراد ثابت بن اسلم البنانی البصری سے ہے ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے (تہذیب التہذیب: ۲: ۲-۴) (۱۱۳۶) ابوالعباس دینوری: ابوالعباس احمد بن محمد الدینوری مراد ہیں۔ (۱۱۳۷) احمد بن نصر: ابوعمر احمد بن نصر الخفاف الزاہد الحافظ۔ یہ نیشاپور کے شیخ تھے۔ انہوں نے اسحاق بن راہویہ سے حدیث سنی۔ ان کے زمانہ میں خراسان میں اُن سے بڑھ کر کوئی حافظِ حدیث نہ تھا انہیں

زین الاشراف کہا جاتا تھا۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ جب عمر بڑی ہو گئی اور اولاد تو تھی نہیں اپنی تمام جائیداد خیرات کردی۔ ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۲۳۱-۲۳۲) ذہبی نے ایک احمد بن نصر کا ذکر کیا ہے۔ احمد بن ابی اللیث نصر بن محمد الحافظ ابوالعباس النصیبی المصری یہ تقشف کی زندگی گزارتے اور صالحین کی صحبت میں رہتے تھے۔ حافظ کے اعتبار سے نادرۂ روزگار تھے۔ انہوں نے محمد بن یعقوب الاصم وغیرہ سے حدیث سنی ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲۰۶-۲۰۷) نیز ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۲۶۸) (۱۱۳۸) بئر میمونہ: رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں بئر میمونہ ہی دیا ہے ایسا کوئی نام نہیں ہے۔ بئر میمون ہے جو میمون بن خالد الحضرمی کی طرف منسوب ہے۔ میمون الحضرمی العلاء الحضری کے بھائی تھے۔ انہوں نے جاہلیت میں مکّہ سے اوپر کی طرف یہ کنواں کھودا تھا (معجم البلدان: ۱: ۳۰۲) مگر یہاں یہ کنواں مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہاں مزین کبیر مکّہ سے مدینہ روانہ ہو چکے ہیں اور راستہ میں وہ اس مقام پر پہنچے ہیں۔ لہذا یہ بئر معونہ ہونا چاہیئے۔ یہ کنواں بنی سلیم کا تھا اور مدینہ سے مکّہ کے راستہ میں تھا یہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں واقعہ پیش آیا جو رجیع کے نام سے مشہور ہوا۔ (معجم البلدان: ۱: ۳۰۲) (۱۱۳۹) تہامی نے اپنے بیٹے کا مرثیہ کہا ہے۔ جس کا ایک شعر یہ ہے:

جَاوَرْتُ اَعْدَائِی وَجَاوَرَ رَبَّہٗ　　شَتَّانَ بَیْنَ جِوَارِہٖ وَجِوَارِیْ

(۱۱۴۰) ابن سہل، ابوالحسن علی بن سہل الاصبہانی م ۳۰۷ھ (تاریخ اصبہان: ۲: ۱۴ صفۃ الصفوۃ ۴: حلیۃ الاولیاء: ۱۰: ۴۰۴) (۱۱۴۱) ابوالحسین حمصی: رسالہ اور شرح زکریا دونوں میں ابوالحسین حمصی دیا ہے اور یہ غلط ہے۔ درست ابوالحسن علی بن عبداللہ بن الحسن بن جہضم الہمذانی ہے۔ یہ حرم مکّہ میں شیخ صوفیہ تھے۔ "بہجۃ الاسرار فی التصوف" انہی کی تصنیف ہے۔ انہوں نے ابوسلمۃ القطان وغیرہ سے روایت کی۔ اور لوگوں نے اُن سے کثرت سے روایت کی۔ انہوں نے لمبی عمر پائی۔ ان پر وضع حدیث کا الزام دیا جاتا ہے۔ ۴۱۴ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۳: ۲۰۰-۲۰۱ و تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲۴۴ و البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۶ و المنتظم ۸: ۱۴ و نفحات الانس: ۲۵۵) (۱۱۴۲) معرفت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو: شرح تعرف: ۴: ۱۲۱-۱۳۰ و کشف المحجوب:

۹۸۴: حیات القلوب، ۲: ۲۵۴-۲۵۶ اور نتائج الافکار القدسیہ: ۴: ۶۰-۶۱) (۱۱۴۳) عباد بن کثیر عباد بن کثیر الثقفی البصری انہوں نے ایوب السختیانی وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے ابراہیم بن طہمان وغیرہ نے۔ مکہ میں رہتے تھے اور نیک آدمی تھے۔ مگر ضعیف الحدیث ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حدیث کو محفوظ نہ کر سکتے تھے۔ اپنے زہد اور تقشف کی وجہ سے مشہور تھے۔ (تہذیب التہذیب: ۵: ۱۰۰-۱۰۱) (۱۱۴۴) حنظلۃ بن ابی سفیان: حنظلہ بن ابی سفیان الجمحی المکی۔ انہوں نے قاسم بن محمد وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے ثوری وغیرہ نے۔ بہت ہی ثقہ تھے۔ حجت تھے۔ ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۳: ۶۰-۶۱) (۱۱۴۵) القاسم بن محمد: ابو محمد القاسم بن محمد بن ابو بکر الصدیقؓ۔ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی اور ان سے حنظلہ بن ابی سفیان وغیرہ نے۔ یہ ثقہ رفیع عالم فقیہ امام پرہیزگار اور کثیر الحدیث تھے۔ اپنے باپ محمد کے قتل کے بعد یہ یتیم رہ گئے تھے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُن کی پرورش کی تھی۔ ستر سال کی عمر میں ۱۰۸ھ میں یا ۱۱۲ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۸: ۳۳۳-۳۳۵) (۱۱۴۶) احمد بن محمد بن زید۔ احمد بن محمد بن زیاد پڑھیں۔ (۱۱۴۷) محمد بن محمد عبدالوہاب ابو زرعۃ محمد بن محمد بن عبدالوہاب القاضی المعروف بہ ابن ابی عصمہ۔ عکبرا کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے ابو القاسم بغوی سے روایت کی اور ان سے عبدالعزیز بن علی الازجی نے (تاریخ بغداد: ۳: ۲۲۷) (۱۱۴۸) یعنی حق سبحانہ جب کسی کے دل کی بستی میں داخل ہو گئے تو وہاں کے عزیز باشندے یعنی خواہشات دنیاوی ذلیل و خوار ہو کر بھاگ جاتے ہیں۔

(۱۱۴۹) ابو عمر الانطاکی: ابو عمرو عثمان بن عبداللہ بن خرزاد الانطاکی الحافظ ارکان حدیث میں سے تھے۔ ثقہ اور ثبت تھے۔ ۲۸۱ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۱۷۷) مگر میرے خیال میں یہاں ابو عمرو الانطاکی ناسخین کی غلطی سے لکھا گیا۔ درست ابو عمرو الانماطی ہے۔ کیونکہ اس سند سے جنید کے اقوال نقل کرنے والا ابو عمرو الانماطی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۱۵۰: ۱۵۸-۱۶۱) (۱۱۵۰) محبت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف: ۴: ۲-۷، کشف المحجوب: ۴۰۰-۴۰۴، نتائج الافکار القدسیہ: ۴: ۸۰، قوت القلوب: ۲: ۱۶۵-۱۷۷، قوت القلوب ۲: ۲۱۳-۲۲۷، احیاء علوم الدین: ۴: ۲۸۶-۳۲۰، کتاب اللمع: ۵۷-۵۹) (۱۱۵۱) ہمام بن منبہ: ابو عقبہ ہمام بن منبہ

بن کامل الیمانی الصنعانی الابناوی۔ انہوں نے ابوہریرہؓ اور دیگر صحابہ سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بھائی وہب بن منبہ وغیرہ نے۔ یہ جہاد میں جاتے اور اپنے بھائی وہب بن منبہ کے لئے کتابیں خریدا کرتے تھے۔ انہوں نے ابوہریرہ کی خدمت میں بیٹھ کر ایک ہی سند سے ۱۴۰ حدیثیں سنیں۔ معمر سے ان کی ملاقات اس وقت ہوئی جب یہ بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی آنکھوں کے پپوٹے لٹک گئے تھے۔ ۱۳۱ھ یا ۱۳۲ھ میں وفات پائی۔ تابعی ہیں (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۶۷) (۱۱۵۲) عبداللہ بن ایوب: عبداللہ بن ایوب المخزمی انہوں نے حکم بن مروان وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابن ابی حاتم نے۔ صدوق ہیں (کتاب الجرح والتعدیل؛ ج ۲؛ ق: ۱۱) (۱۱۵۳) الحسن بن یحییٰ؛ ابو عبدالملک الحسن بن یحییٰ الخشنی۔ انہوں نے زید بن واقد وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے الہیثم بن خارجہ وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ نیک آدمی تھے۔ مگر حافظہ سے حدیث بیان کرتے تھے۔ اس لئے اکثر غلطی کھا جاتے۔ لہٰذا ان کا ترک کر دینا ضروری قرار دیا گیا۔ (تہذیب التہذیب: ۲: ۳۲۶-۳۲۷) (۱۱۵۴) صدقتہ الدمشقی؛ ابوالعباس صدقتہ بن خالد الاموی مولیٰ ام البنین جو معاویہ یہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی بہن تھیں۔ انہوں نے زید بن واقد وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے الہیثم بن خارجہ وغیرہ نے۔ ثقہ اور صالح الحدیث ہیں۔ ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب؛ ۴: ۴۱۴-۴۱۵) (۱۱۵۵) بخاری نے باب التواضع جزء ۷ میں اس حدیث کی روایت ابوہریرہؓ سے کی ہے۔ (نتائج الافکار القدسیہ: ۴: ۷۹)

(۱۱۵۶) یحییٰ سے مراد یحییٰ بن سعید القطان سے ہے۔ (۱۱۵۷) مالک سے مراد مالک بن انس سے ہے۔ (۱۱۵۸) سہل بن ابی صالح؛ صحیح سہیل بن ابی صالح ہے۔ ابو یزید سہیل بن ابی صالح۔ انہوں نے اپنے باپ ابوصالح السمان اور عبداللہ بن دینار وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے مالک وغیرہ نے۔ صدوق ہیں۔ مسلم نے انہیں قابلِ احتجاج سمجھا ہے۔ ۱۴۰ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ الاسلام: ۵: ۲۶۱؛ تہذیب التہذیب: ۴: ۲۶۳-۲۶۴) (۱۱۵۹) ان کے والد یعنی ابو صالح؛ ابوصالح ذکوان السمان الزیات المدنی۔ حضرت عثمان کے عہد میں ان کے محاصرہ کے وقت وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ابوہریرہؓ وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ان کی اولاد نے۔ ثقہ ہیں۔ یہ موذن تھے۔ ایک دن امام نے دیر کر دی۔ تو انہیں امام بنا دیا گیا۔ انہوں نے رقت

اور بکاء کی وجہ سے بمشکل نماز پوری کی۔ ۳۱۸ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۳: ۲۱۹-۲۲۰ نہ تاریخ الاسلام، ۴: ۲۱۹-۲۲۰) (۱۱۶۰) ابوسعید الاتجانی: اترجان شیراز اور اہواز دونوں سے ساٹھ فرسنگ کے فاصلہ پر ایک زرخیز شہر ہے۔ (معجم البلدان: ۱: ۹۴) یہ سلمی کے استاد ہیں۔ نورالدین نے ایک ابوسعید مخمی کا سلمی کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے۔ (مقدمہ طبقات الصوفیہ: ص ۶۱) شاید وہی مراد ہیں۔ ان کا نام احمد بن محمد بن رُمیح ہے۔

(۱۱۶۱) محمد بن احمد بن القاسم۔ خطیب بغدادی نے چار شخصوں کا یہی نام بتایا ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱: ۲۹۳-۳۳۳) جن میں ایک ابوعلی رودباری، دوسرے کُریمی تیسرے نیشاپوری اور چوتھے المحاملی ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی یہاں مراد نہیں یہاں مراد ابواحمد محمد بن احمد بن الحسین القاسم بن الغطریف بن الجہم الرباطی الجرجانی سے ہے۔ یہ شیخ ابوبکر اسماعیلی کے گھر میں مقیم تھے۔ انہوں نے ابوخلیفہ اور دیگر رُواۃ سے روایت کی ہے۔ نیز صوفیار سے بھی روایت کی ہے۔ انہوں نے بخاری کے تتبع میں صحیح تصنیف کی۔ یہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ مگر ان کی بعض احادیث پر گرفت کی گئی ہے۔ ۳۷۷ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ جرجان: ۳۸۷-۳۸۹) (۱۱۶۲) ہیم بن ہمام: ابوالعباس ہیم بن ہمام بن یوسف الخثعمی الآملی۔ انہوں نے جرجان اور رباط دہستان میں روایت کی اور ان سے ابواحمد الغطریفی وغیرہ نے ۲۹۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ جرجان: ۲۴۱) (۱۱۶۳) ابراہیم بن الحارث: ابواسحاق ابراہیم بن الحارث العِبادی۔ یہ شام کی سرحد پر آباد ہوگئے تھے۔ انہوں نے عبدالرحمٰن بن عفان صوفی سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن ابی موسیٰ الانطاکی وغیرہ نے۔ یہ امام احمد بن حنبل کے کبار اصحاب میں سے تھے۔ امام احمد ان کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد: ۶: ۵۵-۵۶) (۱۱۶۴) عبدالرحمٰن بن عفان: ابوبکر عبدالرحمٰن بن عفان الصوفی۔ انہوں نے فضیل بن عیاض وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابراہیم بن الحارث العبادی وغیرہ نے۔ انہیں کذاب کہا جاتا ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱۰: ۲۶۴-۲۶۵) (۱۱۶۵) محمد بن ایوب: محمد بن ایوب بن عمران جرجانی مسجد عبدالقیس کے موذن اور امام تھے۔ انہوں نے ابوالقاسم البغوی وغیرہ

سے روایت کی اور ان سے قاضی ابو نعیم النعیمی وغیرہ نے (تاریخ جرجان: ۵۰۰)۔

(۱۱۶۶) یحییٰ بن حبیب: ابو عقیل یحییٰ بن حبیب الاسدی الجمال الکوفی۔ سامرا میں رہتے تھے۔ صدوق ہیں۔ (تاریخ بغداد: ۱۴: ۲۱۳-۲۱۴؛ تہذیب التہذیب: ۱۱: ۱۹۵؛ کتاب الجرح و التعدیل ج ۴ ق ۲: ۱۳۷) (۱۱۶۷) مرحوم بن عبد العزیز: ابو محمد مرحوم بن عبد العزیز العطار الاموی۔ انہوں نے اپنے باپ اور چچا عبد المجید سے روایت کی۔ اور ان سے ان کے بیٹے عنبس وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۱۸۷ھ میں وفات پائی۔ جو راسی سال کی عمر پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۸۵) (۱۱۶۸) شوق کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ تاریخ الافکار القدسیہ: ۴: ۱۰۵-۱۰۶؛ کتاب اللمع: ۶۳-۶۴؛ حیاۃ القلوب: ۲: ۱۷۷-۱۷۸؛ احیاء علوم الدین: ۴: ۳۱۴-۳۱۸ (۱۱۶۹) حماد بن یزید: حماد بن زید پڑھیں۔

(۱۱۷۰) عطاء بن السائب: ابو السائب عطاء بن السائب الثقفی،

انہوں نے اپنے باپ السائب اور انس وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے حماد وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ آخر عمر میں ان کی روایات میں اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ حماد بن زید نے ان سے روایت اضطراب و تغیر سے پہلے کی ہے۔ ۱۳۷ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۷: ۲۰۳-۲۰۷؛ تاریخ الاسلام ۵: ۲۷۷-۲۷۸) (۱۱۷۱) باپ: السائب بن مالک الثقفی۔ تابعی اور ثقہ ہیں۔ انہوں نے سعد وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ان کے بیٹے عطاء وغیرہ نے (تہذیب التہذیب: ۳: ۴۵۰؛ تاریخ الاسلام: ۳: ۳۶۹) (۱۱۷۲) عمار بن یاسر: ابو الیقظان عمار بن یاسر العنسی۔ یہ اور ان کے والد قدیم اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ ان کی والدہ سمیّہ بھی مسلمان تھیں۔ ابو جہل نے انہیں قتل کیا تھا۔ اور یہ اسلام میں پہلی شہید تھیں۔ مہاجرین میں سے صرف یہی شخص تھے جن کے والدین مسلمان تھے۔ ان سے پہلے تیس سے کچھ اوپر لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ انہیں اور ان کے والدین کو سخت ایذائیں دی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے تو صبر کی تلقین فرماتے۔ ان کے مناقب بہت ہیں۔ ۳۷ھ میں جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس وقت ان

کی عمر چھیانوے سال تھی۔ (اسد الغابہ ۴: ۳۴۴ - ۳۴۷ ; تہذیب ۷ : ۴۰۸ - ۴۱۰)۔
(۱۱۷۳) عبداللہ بن مبارک : عبداللہ بن منازل پڑھیں۔ جیسا کہ شرح میں ہے (۱۱۷۴)
محمد بن عبداللہ الخزاعی : ابوالعباس محمد بن عبداللہ بن طاہر الخزاعی خاندانی حاکم اور المتوکل کے عہد میں بغداد کے حاکم تھے۔ ادیب اور شاعر تھے۔ ۲۵۳ھ میں وفات پائی۔ اسی رات چاند گرہن ہوا۔ (تاریخ بغداد ۵ : ۴۱۸ - ۴۲۲) (۱۱۷۵) عبداللہ الانصاری : ابومحمد عبداللہ بن محمد عمارۃ الانصاری المعروف بہ ابن القداح۔ دراصل مدینہ کے رہنے والے تھے۔ مگر بغداد میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ علم الانساب کے ماہر تھے۔ اور نسب انصار میں ان کی ایک کتاب ہے (تاریخ بغداد ۱۰ : ۶۲) (۱۱۷۶) سلمان : سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔ انہیں سلمان الخیر اور ابوعبداللہ ابن الاسلام کہا جاتا ہے۔ دراصل اصفہان کے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری پر ایمان لائے۔ انہوں نے خود اپنی کہانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی۔ اور ان کے سلام لانے کی روایت کئی طریقہ سے ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اڑھائی سو سال زندہ رہے۔ مگر ابن حجر کہتے ہیں کہ ذہبی نے اپنے اس قول سے رجوع کیا ہے کہ یہ تین سو سال زندہ رہے۔ ان کی عمر اسّی سال سے متجاوز نہیں ہوئی۔ اس حدیث کا ذکر ابن الاثیر (اسد الغابہ ۲ : ۳۳۱) نے بھی کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ۴ : ۱۳۷ - ۱۳۹ ; اسد الغابہ ۲ : ۳۲۸ - ۳۳۲) (۱۱۷۷)
عبداللہ بن جعفر : ابومحمد عبداللہ بن جعفر بن احمد بن فارس ۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۴۶ھ میں وفات پائی۔ نیک اور پارسا تھے۔ انہوں نے ابومسعود احمد بن الفرات وغیرہ سے روایت کی۔ (اخبار اصفہان ۲ : ۸۰) (۱۱۷۸) محمد بن جعفر الامام : رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ شرح زکریا انصاری میں صرف محمد بن جعفر ہے۔ مگر درست ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن حفص الربعی الحنفی ہے جو ابن الامام کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے دمیاط میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ ثقہ تھے۔ ۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۰۰ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۲ : ۱۳۰ - ۱۳۱) (۱۱۷۹) اسحاق بن ابراہیم : ابویعقوب اسحٰق بن ابراہیم بن مخلد الحنظلی المعروف بہ ابن راہویہ المروزی۔ انہوں نے نیشاپور میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ ان کا شمار ائمہ میں ہوتا

ہے۔ ۱۶۱ھ یا ۱۶۶ھ میں ہوئے۔ ثقہ اور مامون تھے۔ ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ تابعین میں ہوتے تو وہ بھی ان کے علم فقہ اور حافظہ کو تسلیم کرتے۔ ستر سال کی عمر ۲۳۷ھ یا ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۲۱۶ - ۲۱۸ ز شذرات الذہب: ۲: ۸۹ ز تاریخ بغداد: ۶: ۳۴۵ - ۳۵۵ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۲۰۹ - ۲۱۰ ز تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۱۹ - ۲۱ ز التاریخ الکبیر ج ۱ ق ۱: ۳۷۹ - ۳۸۰ ز ابن خلکان: ۱: ۱۷۹ - ۱۸۰ از البدایہ والنہایہ: ۱۰: ۳۱۷)۔

(۱۱۸۰) اس باب کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اللمع: ۲۰۴ - ۲۰۵ ز نتائج الافکار القدسیہ: ۴: ۱۱۴ - ۱۱۶) (۱۱۸۱) ابو سالم القزاز: رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ شرح انصاری میں دیا ہے۔ کہ ایک نسخہ میں ابو سلیم ہے اور ایک اور نسخہ میں ابو سلمۃ القزاز۔ مگر درست جیسا کہ شذرات الذہب میں ہے۔ ابو سلیمان محمد بن یحیٰی بن المنذر القزاز البصری ہے۔ انہوں نے ایک سو سال کے قریب عمر پائی۔ یزید بن بیان وغیرہ سے روایت کی۔ اور ۲۹۰ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۲۰۶) (۱۱۸۲) یزید بن بیان ابو خالد یزید بن بیان العقیلی البصری المعلم۔ نابینا اور مسجد مطرف بن عبداللہ بن الشخیر میں موذن تھے انہوں نے ابوالرجال سے روایت کی ہے اور ان سے محمد بن یحیٰی بن المنذر القزاز نے بعض نے ان کی تعریف کی ہے۔ اور بعض نے ناپسند کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۳۱۶ - ۳۱۷ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲: ۲۵۴)۔ (۱۱۸۳) ابوالرجاء: رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ شرح میں ابوالرجال دیا ہے۔ (جیم معجمہ کے ساتھ) مگر درست ابوالرحال (حاء مہملہ کے ساتھ) ہے ان کا اصلی نام محمد بن خالد ہے۔ انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کی اور ان سے یزید بن بیان العقیلی وغیرہ نے۔ قوی نہیں ہیں۔ ان سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۱۲: ۱۹۵) (۱۱۸۴) ابو عبداللہ الدینوری: ابو عبداللہ محمد بن عبدالخالق الدینوری۔ جلیل القدر مشائخ میں سے تھے۔ وادی القریٰ میں قیام کیا۔ پھر واپس دینور گئے۔ اور وہیں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۵۱۵ - ۵۱۷ ز نفحات الانس: ۲۵۲ - ۲۵۳)۔ (۱۱۸۵) الحسین الدامغانی، الحسن بن علویہ الدامغانی ۳۳۱ھ میں

وفات پائی۔ (تاریخ جرجان: ۱۴۸)۔

(۱۱۸۶) عمی البسطامی ابو موسیٰ بن عیسیٰ المعروف بہ عمی البسطامی۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

(۱۱۸۷) عبداللہ رازی سے مراد ابو محمد عبداللہ بن الشعرانی الرازی ہیں۔ ۳۵۳ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۴۵۱)۔ (۱۱۸۸) سماع پر بیشتر صوفیاء نے بحث کی ہے۔ چنانچہ چنانچہ ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ: ۴: ۱۲۲-۱۲۳؛ از کتاب اللمع: ۲۶۷-۳۰۰؛ زعوارف المعارف: ۲: ۲۲۰-۲۹۵؛ زاحیاء علوم الدین: ۲: ۲۶۶-۳۰۲؛ زکشف المحجوب: ۵۰۸-۵۲۵؛ زشرح تعرف: ۴: ۱۹۵-۲۰۲؛ زان کے علاوہ قشیری نے سماع پر ایک الگ رسالہ لکھا ہے۔ نورالدین شریبہ نے سلمی کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے۔ جو سماع پر لکھی گئی (مقدمہ)

(۱۱۸۹)۔ (مثلاً غزوہ حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا:

أَنَا النَّبِي لَا كَذِب ــــ أَنَا ابن عبد المطلب

نیز فرمایا: هَلْ أَنْتِ إِلَّا اصبع دَمِيتِ ــــ وَفِي سبيل اللهِ مَا لَقِيتِ

(۱۱۹۰) الحارث بن ابی اسامۃ: ابو محمد الحارث بن محمد بن ابی اسامۃ التمیمی ۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابوالنضر ہاشم بن القاسم وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابو عمرو بن السماک وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ چھیانوے سال عمر پاکر ۲۸۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۸: ۲۱۸-۲۱۹)

(۱۱۹۱) ابوالنضر: ابوالنضر ہاشم بن القاسم الکنانی: انہوں نے شعبہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے حارث بن ابی اسامہ وغیرہ نے۔ قیصر ان کا لقب تھا۔ یہ ابناء میں سے تھے۔ اور بغداد میں رہتے تھے۔ ثقہ اور صاحب سنت تھے۔ ۲۰۷ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۴: ۶۳-۶۶؛ زتہذیب التہذیب: ۱۱: ۱۸-۱۹؛ زتذکرۃ الحفاظ: ۱: ۳۲۷؛ کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق: ۱۰۵) (عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ اسماء بنت عمیس اور دیگر صحابہ سے روایت کی۔ اور ان سے ان کے بیٹوں نے۔ یہ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ یہ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ جب میرے والد شہید ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ یہ بڑے سخی تھے۔ شعرائے ان کی مدح کہی ہے۔ چنانچہ انہیں قطب السخاء کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

وفات کے وقت ان کی عمر دس سال تھی۔ سنہ [illegible]ھ میں اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۵: ۱۷۰-۱۷۱) (۱۱۹۳) محمد بن بکر البرسانی: ابو عثمان محمد بن بکر البرسانی البصری۔ برسان قبیلۂ ازد کی ایک شاخ ہے۔ انہوں نے شعبہ وغیرہ سے حدیث سنی اور اُن سے احمد بن حنبل وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ سنہ ۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۲: ۹۲-۹۴ و تہذیب التہذیب: ۹: ۷۷-۷۸، و کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۲: ۲۱۲ و شذرات الذہب: ۲: ۷)۔ (۱۱۹۴) ہشام بن عروۃ: ہشام بن عروۃ بن زبیر الاسدی ابو المنذر۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا۔ اور انہوں نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ اور دُعا بھی کی تھی۔ انہوں نے اپنے باپ عروہ اور دیگر صحابہ سے روایت کی ہے اور اُن سے ایوب سختیانی وغیرہ نے۔ یہ ثقہ۔ ثبت۔ کثیر الحدیث اور امام تھے۔ سنہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۴۶ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۴۸-۵۱ و تاریخ بغداد: ۱۴: ۳۷)۔ (۱۱۹۵) اپنے باپ سے مراد عروہ بن زبیرؓ ہیں۔ انہوں نے اپنے باپ زبیر بن العوام اور اپنی خالہ حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ سے روایت کی۔ اور ان سے ان کی اولاد نے اور دیگر رواۃ نے۔ یہ ثقہ۔ ثبت۔ فقیہ عالم۔ مامون اور کثیر الحدیث تھے۔ انہوں نے علمِ حدیث حضرت عائشہؓ سے حاصل کیا۔ سنہ ۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۹۴ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۷: ۱۸۰-۱۸۵) (۱۱۹۶) بعاث کی جنگ تقریباً سنہ ۶۱۵ء میں اوس اور خزرج کے درمیان ہوئی۔ اس دن اوس نے اپنے حلفاء بنو نضیر اور بنو قریظہ سے مل کر خزرج کو شکستِ فاش دی تھی۔ (لٹریری ہسٹری آف دی عربز: ۱۷۰) (۱۱۹۷) الاجلح: الاجلح سے مراد ابو حجیۃ یحییٰ بن عبداللہ الکندی سے ہے۔ انہوں نے ابو الزبیر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔ صالح الحدیث ہیں۔ مگر اکثر غلطی کھا جاتے تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴: ق ۲: ۱۶۳-۱۶۴) (۱۱۹۸) ابو الزبیر محمد بن مسلم الاسدی۔ انہوں نے جابرؓ وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے عطاءؒ وغیرہ نے ثقہ اور صالح الحدیث ہیں سنہ ۱۲۶ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۹: ۴۴۰-۴۴۳ و تاریخ الاسلام: ۵: ۱۵۲-۱۵۴۔ ذہبی نے ان کی تاریخ وفات سنہ ۱۲۸ھ دی ہے اور لکھا ہے کہ یہ نوّے سال زندہ رہے)۔ (۱۱۹۹) سلمۃ بن سعید بن عطیۃ البصری انہوں نے

معمر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے حباب بن محمد الجمی وغیرہ نے اپنے زمانہ کے بہترین شخص اور ثقہ تھے (تہذیب التہذیب ۴: ۱۴۵) (۱۲۰۰) علقمہ بن مرثد: علقمہ بن مرثد الحضرمی ابوالحارث الکوفی۔ انہوں نے سعید بن عبیدہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے شعبہ وغیرہ نے۔ ثقہ ثبت اور صالح الحدیث ہیں۔ خالد قسری کے عہد کے آخری ایام میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۷: ۲۷۸ از کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱: ۴۰۶) رسالہ میں علقمہ بن مرثد بن زاذان دیا ہے۔ اسے عن زاذان پڑھیں۔ (۱۲۰۱) زاذان: ابوعبداللہ زاذان الضریر البزار کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ دیا تو یہ اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے عمرؓ اور دیگر صحابہ سے روایت کی اور ان سے ابوصالح سمان وغیرہ نے۔ یہ بہت باتیں کیا کرتے تھے۔ ثقہ ہیں۔ کوفی اور تابعی ہیں (تہذیب التہذیب ۳: ۳۰۲-۳۰۳) (۱۲۰۲) البراء بن عازب: البراء بن عازب ابوعمارۃ الاوسی المدنی صحابی ابن الصحابی ہیں۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے روایت کی ہے اور ان سے عبداللہ بن زید خطمی وغیرہ نے۔ بدر کی جنگ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس لئے کہ یہ چھوٹے تھے۔ ۷۲ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۱: ۴۲۵-۴۲۶ ز اسد الغابہ ۱: ۱۷۱-۱۷۲)

(۱۲۰۳) ابوالربیع: ابوالربیع سلیمان داؤد العتکی الزہرانی البصری الحافظ۔ انہوں نے مالک وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے بخاری وغیرہ۔ صدوق اور ثقہ ہیں۔ ۲۳۴ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب ۴: ۱۹۰-۱۹۱) (۱۲۰۴) عبدالسلام بن ہاشم: ابوعثمان عبدالسلام بن ہاشم البزار الاعور۔ انہوں نے حنبل بن عبداللہ سے روایت کی۔ اور ان سے عثمان بن طالوت نے یہ قوی نہیں ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱: ۴۷) (۱۲۰۵) عبداللہ بن محرر (آخر میں دو راء مہملہ ہیں) عبداللہ بن محرر العامری الجزری الحرانی قاضی الجزیرۃ انہوں نے قتادہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔ ضعیف اور متروک الحدیث ہیں۔ نیک اور عبادت گزار تھے مگر نادانستہ جھوٹ کہہ جاتے تھے۔ ابوجعفر کے عہد میں ۱۵۰ھ اور ۱۶۰ھ کے درمیان فوت ہوئے (تہذیب التہذیب ۵: ۳۹۰-۳۹۱ ز صفۃ الصفوۃ ۴: ۱۷۸) (۱۲۰۶) محمد بن یونس الکریمی: محمد بن یونس الکدیمی پڑھیں ۲۸۶ھ میں فوت ہوئے۔ ابوالعباس محمد بن یونس القرشی الحافظ سو سال سے اوپر عمر پائی۔ ان

کا پہلے ذکر آ چکا ہے (شذرات الذھب ،۲، ۱۹۴) (۱۲۰۷) ضحاک بن مخلد ابو عاصم : ابو عاصم النبیل الضحاک بن مخلد الشیبانی۔ بصرہ کے محدث تھے۔ انہوں نے یزید بن ابی عبیدہ وغیرہ سے روایت کی۔ بڑے وسیع علم اور حافظ والے تھے۔ ان سے بخاری وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ثقہ ہیں ۲۱۲ھ میں نوے سال کی عمر پاکر وفات پائی۔ (شذرات الذہب : ۲ : ۲۸ ز تہذیب التہذیب ۴ : ۴۵۰-۴۵۳) (۱۲۰۸) شبیب بن بشر البجلی : ابو بشر شبیب بن بشر البجلی۔ بصری ہیں۔ انہوں نے حضرت انس سے روایت کی ہے۔ اور ان سے اسرائیل وغیرہ نے۔ ابن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حجر نے ان کو الحلبی الکوفی لکھا ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل : ج ۲ ق ۱ : ۳۵۷-۳۵۸ ز تہذیب التہذیب ، ۴ : ۳۰۶) (۱۲۰۹) زکریا انصاری نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے (شرح زکریا انصاری : ۴ : ۱۲۷)

(۱۲۱۰) اسمٰعیل بن علیّہ : اسمٰعیل بن ابراہیم ابو البشر الاسدی جو ابن علیّہ کے نام سے مشہور ہیں دراصل کوفہ کے تھے مگر بصرہ میں آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے عبدالعزیز بن صہیب وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابن جریج وغیرہ نے ہارون رشید کے عہد میں فوجداری مقدمات کی سماعت کیا کرتے تھے۔ علیّہ ان کی والدہ تھیں۔ جن کا مذاکرہ فقہاء و علماء سے رہتا تھا۔ اسمٰعیل ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثقہ۔ ثبت اور حجت تھے۔ ابھی جوان ہی تھے کہ ان کا شمار بصرہ کے عبّاد میں شمار ہونے لگ گیا تھا۔ ۱۹۳ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ، ۶ : ۲۲۹-۲۴۰ ز شذرات الذہب ، ۱ : ۳۳۳) (۱۲۱۱) شعبہ فرماتے ہیں کہ اس ڈر سے کہ کہیں لوگ اس کی غلط تاویل نہ کرلیں ایوب نے مجھے اس حدیث کی روایت سے منع کر دیا تھا۔ (نتائج الافکار القدسیۃ ، ۴ ، ۱۲۹) (۱۲۱۲) ابن ملحان : ابن حجر نے ان کا نام عبداللہ بن قتادہ القیسی دیا ہے مگر عبداللہ بن قتادہ کا حال نہیں دیا۔ (تہذیب التہذیب : ۱۲ : ۱۱۳) (۱۲۱۳) یحییٰ بن بکیر : یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر القرشی ابو زکریا الحافظ انہیں اپنے دادا بکیر کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ انہوں نے لیث وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے بخاری وغیرہ نے ۱۵۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۳۱ھ میں وفات پائی۔ بعض نے انہیں ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۲۳۷-۲۳۸ ز شذرات الذہب : ۲ : ۷۱ ز تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۸ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲ : ۱۶۵) (۱۲۱۴) لیث سے

مراد لیث بن سعد ہے۔ ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ (اخبار اصفہان، ۲: ۹۸)
(۱۲۱۵) عُقیل: عقیل بن خالد بن عقیل ابو خالد الاموی۔ انہوں نے اپنے باپ اور دیگر رواۃ سے روایت کی۔ اور ان سے لیث بن سعد وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق ہیں ۱۴۱ھ یا ۱۴۲ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب، ۷: ۲۵۵-۲۵۶ ز شذرات الذہب، ۱: ۲۱۶؛ ابن العماد نے ان کا نام عقیل بن خلد الایلی دیا ہے اور ۱۴۴ھ میں وفات دی ہے۔ (۱۲۱۶) ابنِ شہاب: ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب القرشی الزہری الحافظ۔ یہ مدینہ کے رہنے والے اور چوٹی کے عالم تھے۔ عبداللہ بن عمر اور دیگر لوگوں سے روایت کی اور ان سے عقیل وغیرہ نے۔ ثقہ۔ فقیہ۔ کثیر الحدیث اور عالم ہیں۔ ۱۲۳ھ میں بہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب، ۹: ۴۴۵-۴۵۱ ز شذرات الذہب، ۱: ۱۶۲ ز تاریخ الاسلام، ۵: ۱۳۶-۱۵۲ ز تذکرۃ الحفاظ، ۱: ۱۰۲-۱۰۶ ز البدایہ والنہایہ، ۹: ۳۴۰-۳۴۸ ز التاریخ الکبیر، ج ۱ ق ۱: ۲۲۰-۲۲۱ ز کتاب الجرح التعدیل ج ۴ ق ۱: ۷۱-۷۴) (۱۲۱۷) ابو سلمۃ: ابو سلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف المدنی۔ بہتر سال کی عمر میں ۹۴ھ یا ۱۰۴ھ میں وفات ہوئی۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ (تہذیب التہذیب، ۱۲: ۱۱۵-۱۱۸)۔

(۱۲۱۸) ابو الفرج الشیرازی: طبقات ص ۳۵۲ میں ابو الفرج بن الصائغ دیا اور سُلمیٰ ان سے حکایت کرتے ہیں مگر نورالدین نے ان کا حال نہیں دیا۔ (۱۲۱۹) عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن الرازی الصوفی متوفی ۳۵۳ھ ان کا حال پہلے گزر چکا ہے۔ (۱۲۲۰) اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ مرید ابھی ابتدائی مراحل میں ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے سماع میں حظوظ نفسانی کا دخل باقی رہتا ہے۔ برخلاف کامل (مُراد) کے کہ اس میں یہ بات نہیں ہوتی۔
(۱۲۲۱) علی بن عبداللہ البغدادی: نورالدین شرمیہ لکھتے ہیں کہ یہ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن محمد البغدادی ہیں۔ قاری تھے ان سے ابوالحسن عبدالباقی بن الحسن بن احمد بن محمد بن عبدالعزیز جو اصل خراسان کے رہنے والے اور دمشق میں پیدا ہوئے نے قرأت کی روایت کی ہے اور ابوالحسن خراسانی کی وفات بعد از ۳۸۰ھ ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ، ۱۶۷) مگر میرے خیال میں ابوالحسن علی بن عبداللہ بن ابراہیم الہاشمی العباسی البغدادی العیسوی مراد ہیں۔ یہ مدینۃ المنورۃ کے

قاضی تھے۔ انہوں نے ابوجعفر بن البختری وغیرہ سے روایت کی۔ اور ۳۱۵ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۳: ۲۰۲) (۱۲۲۲) ذوالنون اور ان کے ایک مرید کا اسی قسم کا ایک واقعہ ہے۔ ملاحظہ ہو ابن خلکان: ۱: ۲۸۱ اور تاریخ بغداد: ۸: ۳۹۷۔ (۱۲۲۳) عبدالواحد بن علوان: ابوعمرو عبدالواحد بن علوان۔ یہ ابونصر طوسی کے استاد ہیں۔ (۱۲۲۴) ابوالحسین درّاج: ابوالحسین سعید بن الحسین الدّرّاج الصوفی۔ صوفیاء کے ہاں ان کا بہت مرتبہ ہے۔ ابراہیم خواص کی صحبت میں رہے۔ ان کے دو اور بھائی تھے۔ اور وہ بھی مشائخ صوفیہ میں سے ہوئے ہیں۔ بکیر الدّراج اور ابوالحسین الدراج فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ مجھ میں عیب نکالنا اور میں تجھ میں عیب نکالوں گا مگر کئی سال گزر گئے۔ ہم میں سے کوئی بھی دوسرے کا عیب نہ پکڑ سکا۔ ابوالحسین درّاج کی وفات ۳۲۰ھ یا اس سے کچھ سال بعد ہوئی (تاریخ بغداد: ۹: ۱۰۵-۱۰۶ اور تاریخ بغداد ۷: ۱۱۲) (۱۲۲۵) اس حکایت کو امام غزالی نے بھی دیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو احیاء علوم الدین: ۲: ۲۹۷-۸ (۱۲۲۶) اس حکایت کا ذکر سید علی ہجویری اور ابونصر سراج دونوں نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کشف المحجوب ۵۲۲ اور کتاب اللمع: ۸۶)

(۱۲۲۷) رسالہ اور شرح دونوں میں ابوسلمان دیا ہے۔ مگر کتاب اللمع میں اسی حکایت میں (ص ۲۸۹) ابوحلمان الصوفی دیا ہے۔ ان ہی کی طرف فرقۂ حلمانیہ منسوب ہوتا ہے جو حلولیہ کی ایک شاخ ہے۔ (کتاب اللمع مقدمہ انگریزی: ۲۶)

(۱۲۲۸) ابوالحسن علی بن محمد الصوفی: رسالہ میں اور شرح میں اس طرح دیا ہے۔ کتاب اللمع میں ابوالحسن علی بن محمد الصیرفی دیا ہے۔ پھر نکلسن نے (مقدمہ انگریزی: ۲۰) لکھا ہے کہ یہ ابوالحسن علی بن بندار بن الحسین الصیرفی ہیں۔ جو رُویم کی صحبت میں رہے اور جن کی وفات ۳۵۹ھ میں ہوئی راقم الحروف کہتا ہے کہ یہاں مراد ابوالحسن علی بن محمد بن بشار الزاہد البغدادی سے ہے یہ حنابلہ کے شیخ تھے۔ انہوں نے حدیث صالح بن احمد بن حنبل سے حاصل کی۔ یہ صاحب کرامات تھے ۳۱۳ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۲۶۷ و تاریخ بغداد ۱۲: ۶۶-۶۷ و المنتظم ۶: ۱۹۸) (۱۲۲۹) علی بن موفق: علی بن موفق العابد۔ انہوں نے منصور بن عمار وغیرہ سے حدیث کی روایت کی اور ان سے احمد بن مسروق طوسی وغیرہ نے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ساٹھ حج کئے۔ جن میں سے

قیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھے۔ ۲۶۵ھ میں وفات پائی۔ نکلسن نے انکی تاریخ وفات ۲۴۵ھ دی ہے جو غلط ہے اور مزید ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ (صفۃ الصفوۃ: ۲: ۲۱۸ - نفحات الانس: ۱۱۰ از تاریخ بغداد: ۱۲: ۱۱۰-۱۱۲: مقدمہ انگریزی کتاب اللمع: ۲۹) (۱۲۳۰) علی بن طاہر: ابوالحسن علی بن طاہر الواہبی انہوں نے نعیم وغیرہ سے روایت کی۔ ۳۴۰ھ میں وفات پائی (تاریخ جرجان: ۲۷۹) (۱۲۳۱) عبداللہ بن سہل: ابو محمد عبداللہ بن الوراق الحربی۔ انہوں نے ابراہیم الترجمانی سے روایت کی اور ان سے ابوالحسین بن المنادی نے (تاریخ بغداد: ۹: ۳۴۰) (۱۲۳۲) عون بن عبداللہ: ابو عبداللہ عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود الہذلی الکوفی الزاہد انہوں نے اپنے باپ اور چچا سے روایت کی ہے۔ صحابہ سے ان کی روایت مرسل ہوتی ہے اور ان سے ان کے بھائی حمزہ وغیرہ نے۔ یہ کوفہ کے عابدوں میں سے تھے۔ پہلے "ارجاء" کے قائل تھے۔ بعد میں توبہ کرلی۔ جب حدیث بیان کرتے تو زار وقطار رویا کرتے تھے۔ بخاری نے ان کی تاریخ وفات ۱۱۰ھ اور ۱۲۰ھ کے درمیان دی ہے۔ ثقہ اور تابعی تھے۔ (تہذیب التہذیب: ۸: ۱۷۱-۱۷۳ از تاریخ الاسلام: ۴: ۲۸۷-۲۸۸) خطیب بغدادی (تاریخ بغداد: ۱۲: ۲۹۲) نے عون بن عبداللہ بن عون بن عتبہ بن مسعود الکوفی کا ذکر کیا ہے۔ یہ مہدی کے زمانہ میں بغداد کے قاضی بنے اور ۱۹۳ھ میں وفات پائی۔ مگر یہ مراد نہیں ہیں۔ (۱۲۳۳) حفص بن عمر: ابو عمر بن حفص بن عمر الضریر البصری۔ صدوق ہیں۔ (شذرات الذہب: ۲: ۴۸) (۱۲۳۴) ہارون ابو حمزہ رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ شرح انصاری میں ہارون بن حمزہ دیا ہے۔ ان کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔ ابو حمزہ ہارون بن المغیرہ الرازی البجلی۔ انہوں نے عنبسہ بن سعید وغیرہ سے روایت کی اور ان سے محمد بن حمید وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۱۲-۱۳ از کتاب الجرح و التعدیل ج ۴ ق ۲: ۹۵-۹۶) (۱۲۳۵) العذافر: رسالہ میں اسی طرح دیا ہے مگر شرح میں العذافری دیا ہے۔ (۱۲۳۶) ابو الحارث الاولاسی: اولاس طرسوس سے بحر شام کو جاتے ہوئے ساحل بحر پر ایک قلعہ ہے جس کے اندر ایک اور قلعہ ہے جسے حصن الزہاد کہتے ہیں (معجم البلدان ۱: ۲۸۲) اولاسی کا نام فیض بن خضر ہے۔ یہ بچپن میں گویے تھے۔ ایک بار ان کا گزر ایک مریض پر ہوا۔ جو راستہ پر پڑا تھا۔ اس نے پوچھا کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا انار۔ یہ انار لے آیا مریض نے

کہا خدا تمہیں نور یہ نصیب کرے۔ رات ہونے سے پہلے ہی ان کی حالت بدل چکی تھی۔ ابراہیم بن علوی کی صحبت میں رہے اور طرسوس میں ۲۹۷ھ میں وفات پائی (المنتظم: ۶: ۹۲ ز صفۃ الصفوۃ ۴: ۲۵۵-۲۵۶ ز نفحات الانس: ۴۴) (۱۲۳۷) کرامات الاولیاء پر بحث کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اللمع: ۳۱۵؛ ۳۳۰ ز شرح تعرف: ۲: ۲-۱۹ ز نتائج الافکار القدسیہ: ۴: ۱۴۶-۱۴۷ ز حیات القلوب: ۲: ۲۸۷-۲۸۹) (۱۲۳۸) ابو اسحٰق اسفرائنی: ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد ابراہیم الاسفرائنی ۴۱۸ھ میں نیشاپور میں وفات پائی اور ان کا حال پہلے گزر چکا ہے۔ (معجم البلدان: ۱: ۱۷۸ ز شذرات الذہب ۳: ۲۰۹)۔

(۱۲۳۹) ابوبکر اشعری: ابوبکر محمد بن الطیب بن محمد القاضی المعروف با بن الباقلانی یہ اشعری مذہب کے عالم تھے۔ دراصل بصرہ کے رہنے والے تھے۔ مگر بغداد میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ ابوبکر بن مالک القطیعی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابو جعفر محمد بن احمد السمنانی نے۔ ثقہ تھے۔ علم کلام کے بڑے ماہر تھے اور انہوں نے معتزلہ جہمیہ وغیرہ فرقوں کے رد میں تصانیف کی ہیں۔ روز عشاء کے بعد پینتیس ورقے تصانیف کے لکھا کرتے تھے۔ ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۵: ۳۷۹-۳۸۳ ز شذرات الذہب: ۳: ۱۶۸-۱۷۰ ز المنتظم: ۷: ۲۶۵ ز البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۳۵۰-۳۵۱) (۱۲۴۰) یعنی جب ان صحابیوں کو اپنے جنتی ہونے کا یقینی طور پر علم ہو گیا مگر پھر بھی وہ بے خوف نہیں ہوئے۔ اسی طرح اگر ولی کو اپنی ولایت کا علم ہو جائے تو کوئی حرج لازم نہیں آتا۔ (۱۲۴۱) ابوالحسن اشعری: ابوالحسن علی بن اسماعیل بن ابی بشر البصری۔ صاحب تصانیف ہیں۔ انہوں نے علم حدیث زکریا ساجی سے حاصل کی۔ اور ابو علی جبائی سے علم جدل و نظر انہوں نے معتزلہ کے رد میں تصانیف کی ہیں۔ بڑے قانع اور پرہیزگار تھے۔ ۳۲۴ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۳۰۳-۳۰۵ ز البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۱۸۷، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱: ۶۹۴-۶۹۵ ز تاریخ بغداد: ۱۱: ۳۴۶-۳۴۷) (۱۲۴۲) عمار بن رجاء: عمار بن رجاء الاستار آبادی۔ انہوں نے احمد بن ابی ظبیہ اور وہب بن جریر وغیرہ سے روایت کی۔ صدوق تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱: ۳۹۵) (۱۲۴۳) وہب بن جریر بن حازم۔ ابو العباس وہب بن جریر بن حازم الازدی البصری الحافظ۔ انہوں نے اپنے باپ جریر بن حازم سے کثرت سے روایت کی ہے ۲۰۶ھ میں وفات

پائی۔ (شذرات الذہب، ۲: ۱۶؛ تہذیب التہذیب، ۱۱: ۱۶۱-۱۶۲) (۱۲۴۴) باپ یعنی جریر بن حازم الازدی ابو النضر انہوں نے ابن سیرین وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے وہب اور حسین بن محمد المروزی نے جب آخر عمر میں ان کی عقل میں فتور آگیا تو ان کے بیٹوں نے انہیں لوگوں سے ملنے سے منع کر دیا تھا۔ تاکہ کوئی ان سے حدیث نہ سن سکے۔ لہٰذا ان کی ساری روایت اچھی حالت کے زمانہ کی ہے۔ ثقہ تھے۔ ۱۷۵ھ میں پچاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب، ۲: ۶۹-۷۲) (۱۲۴۵) البوامیہ: محمد بن ابراہیم بن مسلم البوامیۃ الثغری الطرسوسی انہوں نے احمد بن اسحٰق الحضرمی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابو عوانہ وغیرہ نے یہ ثقہ اور امام تھے۔ طرسوس میں ۲۷۳ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب، ۹: ۱۵-۱۶؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲: ۱۴۴) (۱۲۴۶) الحسین بن محمد المروزی ابو احمد الحسین بن محمد بن بہرام التمیمی المروزی۔ بغداد میں آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے جریر بن حازم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے احمد بن حنبل وغیرہ نے ثقہ اور صدوق ہیں۔ ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب، ۲: ۳۶۶-۳۶۷؛ شذرات الذہب، ۲: ۳۰) (۱۲۴۷) محمد بن عوف: ابو جعفر بن عوف بن سفیان الطائی الحافظ۔ ائمہ حدیث میں سے تھے۔ انہوں نے محمد بن یوسف الفریابی وغیرہ سے حدیث سنی۔ ۲۷۲ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب، ۲: ۱۶۳؛ تہذیب التہذیب، ۹: ۳۸۲-۳۸۴؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲: ۱۴۴-۱۴۵) (۱۲۴۸) یزید بن عبد الصمد الدمشقی: ابو القاسم یزید بن عبد الصمد الدمشقی انہیں محدثِ دمشق کہا جاتا تھا۔ ابو مسہر وغیرہ سے حدیث سنی۔ ثقہ اور حدیث میں صاحبِ بصیرت تھے۔ ۲۶۰ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب، ۲: ۱۷۰) (۱۲۴۹) عبد الکریم بن القاسم الدیرعاقولی رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر شرح میں عبد الکریم بن الہیثم الدیرعاقولی دیا ہے۔ اور یہی درست ہے۔ انہوں نے ابو نعیم اور ابو الیمان وغیرہ سے روایت کی۔ حدیث کی تلاش میں سفر کئے اور حدیث جمع کی۔ ثقہ اور مامون تھے۔ ۲۷۸ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب، ۲: ۱۷۲؛ اللباب، ۱: ۴۳۲) (۱۲۵۰) ابو الیمان: ابو الیمان الحکم بن نافع الحمصی: انہوں نے شعیب بن ابی حمزہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے محمد بن عوف طائی وغیرہ نے۔ ثقہ، صدوق اور نبیل تھے۔ تراسی سال کی عمر میں ۲۲۱ھ یا ۲۲۲ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب، ۲: ۴۴۱-۴۴۳) (۱۲۵۱) شعیب: ابو بشر شعیب بن

ابی حمزہ الحمصی۔ انہوں نے زہری وغیرہ سے روایت کی۔ اوران سے ابوالیمان وغیرہ نے۔ ثقہ ثبت اور صالح الحدیث ہیں۔ ۱۶۲ھ یا ۱۶۳ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۴: ۳۵۱-۳۵۲)۔

(۱۲۵۲) سالم: سالم سے یہاں مراد ابوعمر سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب ہیں۔ انہوں نے عبداللہ بن عمرو وغیرہ سے روایت کی۔ اوران سے زہری وغیرہ نے۔ زہد میں سلف صالحین کا نمونہ تھے علم تقویٰ عبادت اور ورع میں اپنے زمانہ میں ممتاز تھے۔ جب فارس سے لونڈیاں آئیں تو ان میں یزدجرد کی بیٹیاں بھی تھیں۔ حضرت عمر نے ان میں ایک اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو دی۔ اس میں سے سالم پیدا ہوئے۔ ان کی وفات ۱۰۶ھ یا ۱۰۷ھ میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب ۳: ۴۳۶-۴۳۸؛ تاریخ الاسلام ۴: ۱۱۵-۱۱۸)

(۱۲۵۳) یونس بن عبدالعلی: ابوموسیٰ یونس بن عبدالعلی المصری۔ انہوں نے ابن وہب وغیرہ سے روایت کی۔ اوران سے ابوعوانہ اسفرائنی وغیرہ نے۔ ثقہ اور حافظ حدیث اور رکن اسلام تھے۔ ۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۱۱: ۴۴۰-۴۴۱؛ شذرات الذہب ۲: ۱۴۹؛ تذکرۃ الحفاظ ۲: ۹۸-۹۹) (۱۲۵۴) ابن وہب: ابومحمد عبداللہ بن وہب بن مسلم القرشی المصری الفقیہ۔ انہوں نے مالک وغیرہ سے روایت کی۔ اوران سے یونس بن عبدالعلی وغیرہ نے۔ نہایت عابد اور زاہد تھے اور امام مالک کے خاص شاگرد تھے۔ ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب ۱: ۳۴۷-۳۴۸؛ تہذیب التہذیب ۶: ۷۱-۷۴) (۱۲۵۵) یونس بن یزید: ابویزید یونس بن یزید الایلی۔ انہوں نے زہری وغیرہ سے روایت کی۔ اوران سے ابن وہب وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق تھے۔ صعید مصر میں ۱۵۹ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۱۱: ۴۵۰-۴۵۲) (۱۲۵۶) ابن شہاب: محمد بن مسلم بن شہاب الزہری م ۱۲۴ھ ان کا حال پہلے گزر چکا ہے۔ (۱۲۵۷) ہرم بن حیان: ہرم بن حیان العبدی الربعی البصری انہوں نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے۔ اور ان سے حسن بصری وغیرہ نے۔ یہ عبادت گزاروں کے سرداروں میں سے تھے۔ جس روز انکی وفات ہوئی اس دن سخت گرمی تھی جب دفن کرنے لگے تو بادل چھا گئے۔ اور بارش ہوئی۔ اور اسی روز گھاس بھی اگ آئی۔ (تاریخ الاسلام ۳: ۲۱۱-۲۱۲؛ صفۃ الصفوۃ ۳: ۱۳۷-۱۳۹)۔

(۱۲۵۸) علاء بن الحضرمی: حضرمی کا اصلی نام عبداللہ بن عباد ہے۔ مکہ کی بالائی جانب جو بئر میمون نامی کنواں ہے وہ ان کے بھائی میمون بن حضرمی کی طرف منسوب ہے۔ یہ کنواں انہوں نے جاہلیت میں کھدوایا تھا۔ علاء فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ابوبکرؓ اور پھر عمرؓ کے عہد میں بحرین کے گورنر رہے۔ ذہبی نے ان کی اس کرامت کا ذکر مع دیگر کرامات کے کیا ہے۔ ۲۱ھ میں وفات پائی (تاریخ اسلام ۲: ۳۴۳-۳۴۴، شذرات الذہب ۱: ۳۲) (۱۲۵۹) عتاب بن بشیر: ابن الاثیر نے اس نام کے کسی صحابی کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ عتاب بن شمیر کا ذکر کیا ہے۔ (۱۲۶۰) اُسید بن حُضیر: اُسید بن حضیر الانصاری الاوسی۔ بُعاث کی جنگ میں قبیلہ اوس کے رئیس تھے۔ عقبہ اُولیٰ کے بعد مُصعب بن عمیر کے ہاتھوں اسلام لائے۔ حضرت ابوبکرؓ ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ یہ نہایت عمدہ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ ۲۰ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ ۱: ۹۲-۹۳) (۱۲۶۱) ابومسلم: اُنکے حالات نہ مل سکے۔ (۱۲۶۲) عمرو بن مرزوق: ابوعثمان عمرو بن مرزوق الباہلی۔ انہوں نے شعبہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔ ان کے حلقہ درس میں دس ہزار آدمی ہوتے تھے۔ ثقہ اور عابد تھے۔ ۲۲۴ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب ۸: ۹۹-۱۰۱) (۱۲۶۳) عبدالعزیز بن ابی سلمۃ الماجشون: عبدالعزیز بن یعقوب بن ابی سلمۃ الماجشون۔ انہوں نے ابن المنکدر سے روایت کی اور ان سے یحییٰ بن معین وغیرہ نے (اللباب ۳: ۷۷) (۱۲۶۴) وہب بن کیسان: ابونعیم وہب بن کیسان القرشی۔ انہوں نے ابن عمر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے عبدالعزیز بن الماجشون وغیرہ نے۔ مدنی اور ثقہ تابعی ہیں۔ ۱۲۷ھ میں وفات ہوئی۔ (تہذیب التہذیب ۱۱: ۱۶۶) (۱۲۶۵) ابوسلیمان خواص: یہ مغرب کے رہنے والے تھے۔ اور ابوالخیر تیناتی کے معاصر تھے۔ دمشق میں وفات ہوئی۔ (نفحات الانس: ۲۱۸) (۱۲۶۶) ابوالفتح یوسف بن عمر الزاہد القواس، یہ زاہد اور مجاب الدعوۃ تھے۔ اور ابدال میں سے تھے۔ ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب ۳: ۱۱۹، تاریخ بغداد ۱۴: ۳۲۵، المنتظم ۷: ۱۸۷) (۱۲۶۷) محمد بن عطیہ: ابوطالب محمد بن عطیہ العجمی ثم المکی مصنف قوت القلوب زاہد و عابد تھے۔ سالہا سال انہوں نے کھانا نہیں کھایا۔ گھاس کھایا کرتے اور ابوالحسن بن سالم البصری شیخ السالمیہ کے طریقہ پر چلے۔ ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب ۳: ۱۲۰)۔

(١٢٦٨) اسحاق بن احمد: یہ بصرہ کے رہنے والے بڑے دنیادار اور مالدار شخص تھے۔ انہوں نے سہل کے ہاتھوں توبہ کی۔ اور تمام مال و دولت اللہ کی راہ میں لٹا دیا تھا۔ (کتاب اللمع: ٢١٩) (١٢٦٩) محمد بن یوسف البناء: تصوف پر کئی عمدہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ مکمل نام ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن معدان البناء ہے۔ تین سو اساتذہ سے حدیث لکھی۔ مگر بعد میں ارادت و خلوت غالب آگئی۔ معمار کا کام کرتے تھے۔ اور عبادت گذاری میں مشغول رہتے۔ انہیں عروس الزہاد کہا جاتا ہے ۲۸۶ھ میں وفات ہوئی۔ (اخبار اصبہان: ۲: ۱۷۱-۱۷۳، از نفحات الانس: ۱۰۷-۱۰۸، از صفۃ الصفوۃ ۴: ۶۵) (١٢٧٠) الرقی: الدقی پڑھیں۔ (۱۷، ۱۲) رسالہ اور شرح میں اسی طرح دیا ہے۔ کتاب اللمع: (ص ۳۳) میں الصایدی دیا ہے۔ (عصیدہ بنانے والا) (۲، ۱۲) رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ شرح میں المنبجی دیا ہے۔ اور کتاب اللمع میں التبنجی دیا ہے۔ نکلسن اسے قلمی نسخہ سے صحیح طور پر پڑھ نہیں سکا۔ (١٢٧٣) ابوالحسن غلام شعوانہ آبلہ کی بہت عبادت گذار اور زاہد عورت تھیں۔ ہر وقت روتی رہتیں۔ اُن کا خاوند بھی ان کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتا۔ (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۶-۲۹) (١٢٧٤) محمد بن مبارک الصوری: ابو عبداللہ محمد بن مبارک الصوری، یہ شام کے عابدوں اور زاہدوں میں سے تھے۔ انہوں نے عبداللہ بن مبارک سے روایت کی اور ان سے محمد بن عوف حمصی نے ۱۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۵ھ میں وفات پائی۔ (اللباب: ۲: ۶۳، از شذرات الذہب: ۲: ۳۵) (١٢٧٥) ابوجعفر الخصاف: رسالہ اور شرح نیز صفۃ الصفوۃ میں ابوجعفر خصاف ہی دیا ہے۔ مگر خطیب بغدادی نے ان کا نام جعفر الخفاف دیا ہے۔ یہ جلیل القدر مشائخ صوفیہ میں سے ہیں۔ سری سقطی کے ہمعصر تھے۔ بڑے سخی اور بلند حالت والے تھے (تاریخ بغداد: ۷: ۱۷۶) (١٢٧٦) جابر رحبی: یہ بھی صوفیاء کبار میں سے تھے۔ ابن الجوزی نے ان کی دو کرامات نقل کی ہیں۔ (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۱۵-۲۱۶)۔

(١٢٧٧) ابو محمد جعفر الحذاء: جنیدؒ اور ان کے طبقہ کے دیگر صوفیاء کی صحبت میں رہے۔ شبلیؒ اُن کے مناقب بیان کیا کرتے۔ اور ان کی فضیلت کا اعتراف کیا کرتے تھے۔ بندار بن الحسین فرماتے ہیں کہ میں نے اُن سے بڑھ کر بہتر حالت کا صوفی نہیں دیکھا۔ ابتداء میں بڑی شان و شوکت سے رہا کرتے تھے۔ مگر بعد میں سب کچھ ترک کر دیا۔ ۳۴۱ھ میں وفات پائی۔

نفحات الانس: ۲۲۵، ۲۲۶) (۱۲۷۸) ابو عمر الاصطخری: ابو عمر عبدالرحیم الاصطخری۔ انہوں نے سہل بن عبداللہ تستری کی ملاقات کی تھی۔ اور رویم کی صحبت میں رہے تھے۔ شکاری کتے اور کبوتر بھی رکھا کرتے۔ اپنے والد سے بہت سی جائداد اور روپیہ ورثہ میں ملا تھا۔ مگر تمام لوگوں میں بکھیر دیا۔ (نفحات الانس: ۲۲۵-۲۲۶) (۱۲۷۸) آدم بن ابی ایاس: آدم بن ابی ایاس الخراسانی ثم البغدادی۔ انہوں نے ابن ابی ذئب اور شعبہ سے روایت کی۔ صالح، عبادت گذار، ثقہ اور مامون تھے۔ جب وفات کا وقت آیا تو سارا قرآن مجید ختم کر کے لا الٰہ الّا اللہ کہا اور جان دے دی۔ ۲۲۰ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲: ۴۷ ز تاریخ بغداد: ۷: ۲۷ تا ۳۰ ز صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۸۰) (۱۲۸۰) ابراہیم آجری: ابراہیم آجری دو ہوئے ہیں۔ ایک آجری صغیر اور دوسرا کبیر۔ کبیر صغیر کا استاد تھا۔ یہاں جو واقعہ دیا ہے۔ وہ آجری صغیر کا واقعہ ہے۔ دونوں فاضل تھے۔ (تاریخ بغداد: ۶: ۲۱۱-۲۱۲ ز نفحات الانس: ۴۰)

(۱۲۸۱) ابو عاصم بصری: ابو عاصم العبادانی المرائی البصری۔ ان کا نام عبداللہ بن عبیداللہ ہے۔ بعض ابن عبد اور بعض عبیداللہ بن عبداللہ بتاتے ہیں۔ انہوں نے علی بن زید بن جدعان وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے علی بن المدینی وغیرہ نے۔ ثقہ صدوق اور صالح الحدیث تھے (تہذیب التہذیب: ۱۲: ۱۴۲-۱۴۳)

(۱۲۸۲) واصل احدب: واصل بن حیان الاحدب الاسدی الکوفی۔ بیاع السابری، انہوں نے شریح القاضی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابو اسحاق شیبانی وغیرہ نے صدوق، ثقہ اور ثبت تھے۔ ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۱۰۲ ز شذرات الذہب: ۱: ۱۵۷ ز تاریخ الاسلام: ۵: ۱۳) (۱۲۸۳) ایوب السختیانی: ابوبکر ایوب بن ابی تمیمہ کیسان البصری۔ صغار تابعین میں سے تھے۔ چوٹی کے عالموں میں سے تھے۔ سختیان ایک قسم کی کھال کو کہتے ہیں۔ یہ کھال بیچا اور بنایا کرتے تھے۔ اس لئے سختیانی کہلائے۔ انہوں نے سعید بن جبیر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے شعبہ وغیرہ نے۔ یہ اپنے زہد کو چھپا کر رکھا کرتے تھے۔ ثقہ تھے۔ ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ یہاں جو کرامت دی گئی ہے۔ اس کا ذکر ذہبی نے بھی کیا ہے۔ (تاریخ الاسلام: ۵: ۲۲۸-۲۳۰ ز اللباب: ۱: ۵۲۶ ز شذرات الذہب: ۱:

۱۸۱؛ از صفۃ الصفوۃ: ۳: ۲۱۲؛ از تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۱۲۲-۱۲۴؛ از تہذیب التہذیب: ۱: ۳۹۷-۳۹۹) (۱۲۸۴) حماد بن زید: ابو اسماعیل حماد بن زید البصری الضریر، دیندار اور پرہیزگار اور ائمہ حدیث میں سے تھے۔ انہوں نے ثابت بنانی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابن المبارک وغیرہ نے۔ بعض لوگ انہیں حماد بن سلمہ سے بھی افضل شمار کرتے ہیں ۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۳: ۹-۱۱؛ از شذرات الذہب: ۱: ۲۹۲؛ از صفۃ الصفوۃ: ۳: ۲۷۶) (۱۲۸۵) ابو القاسم بن مروان نہاوندی: ابو القاسم بن مروان النہاوندی الصوفی۔ ابو سعید خراز کی صحبت میں رہے اور مدت تک بغداد میں قیام کیا۔ (تاریخ بغداد: ۱۴: ۴۰۰) (۱۲۸۶) شیبان الراعی: یہ صاحب کرامات اور امی تھے۔ حج کے موقع پر انکی ملاقات ہارون الرشید سے ہوئی تو انہوں نے اسے نصیحت کی جسے سن کر ہارون رونے لگ گیا۔ ہارون نے ۱۷۰ھ میں پہلا حج کیا اور پھر ۱۸۶ھ میں اس وقت اس کے دونوں بیٹے اس کے ساتھ تھے۔ سفیان ثوری کے ساتھ جو حج شیبان راعی نے کیا وہ یقیناً ۱۶۱ھ سے پہلے کیا ہوگا۔ کیونکہ سفیان ثوری کی وفات ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ لہٰذا شیبان راعی کی وفات ۱۸۶ھ کے بعد ہوئی ہوگی۔ (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۳۳۹) (۱۲۸۷) علی بن ہارون: علی بن ہارون بن علی المنجم۔ یہ مورخ، ادیب، شاعر اور متکلم تھے۔ ان سے حسن بن حسین نوبختی وغیرہ نے روایت کی۔ ۲۷۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۵۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۲: ۱۱۹-۱۲۰) خطیب نے اس زمانے کے ایک اور آدمی کا ذکر کیا ہے۔ جس کا نام علی بن ہارون ابو الحسن الحربی السمسار ہے۔ انہوں نے ۳۲۵ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۲: ۱۲۰) (۱۲۸۸) محمد بن منصور الطوسی: ابو جعفر محمد بن منصور العابد المعروف بالطوسی۔ انہوں نے اسمٰعیل بن علیہ وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے احمد بن علی الابار وغیرہ نے۔ اٹھاسی سال کی عمر میں ۲۵۴ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۳: ۲۴۷-۲۵۰؛ از نفحات الانس: ۶۵)۔

(۱۲۸۹) عتبۃ الغلام: زاہد مشہور ہیں۔ کتاب رسالہ فی الزہد ان کی تصنیف ہے۔ (الفہرست ۲۶۲) ان کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ (۱۲۹۰) ابو علی رازی: جامی نے ان کا صرف ایک قول نقل کیا ہے۔ (نفحات الانس: ۱۹۷-۱۹۸) (۱۲۹۱) عطاء الازرق: عطاء الازرق النساج العابد۔ ان سے

جعفر بن سلیمان اور مخلد بن الحسین نے روایت کی ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۲ : ق ۱: ۳۴۰) (۱۲۹۲) عثمان بن ابی العاتکہ: ابو حفص سلیمان بن ابی العاتکۃ الازدی۔ انہوں نے خالد بن اللجلاج وغیرہ سے روایت کی اور ان سے الولید بن مسلم وغیرہ نے۔ یہ قصہ خواں تھے اور صدوق تھے۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے ۱۵۲ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۷: ۱۲۴-۱۲۶) (۱۲۹۳) ابو مسلم عبداللہ بن ثوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ایمان لے آئے تھے۔ جب اسود عنسی مدعی کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو انہیں بھی بلا بھیجا۔ انہوں نے اس کی جھوٹی نبوت کا انکار کیا تو اس نے بہت بڑی آگ جلا کر اس میں انہیں پھینکا۔ مگر آگ انہیں ضرر نہ پہنچا سکی۔ اس پر اسود عنسی نے اس خوف سے کہ کہیں اور لوگ بھی اس سے منحرف نہ ہو جائیں انہیں اس علاقہ سے نکال دیا۔ یہ مدینہ آئے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا۔ انہوں نے سواری کو بٹھا دیا اور عود مسجد میں چلے گئے۔ حضرت عمر نے انہیں دیکھا تو پوچھا کن لوگوں میں سے ہو؟ جواب دیا یمن سے پھر سوال کیا کہ جس شخص کو کذاب نے آگ سے جلانا چاہا تھا۔ اس کا کیا حال ہے؟ جواب دیا وہ شخص عبداللہ بن ثوب ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اللہ کی قسم دیکر پوچھا کیا تو وہی شخص نہیں ہے؟ تو انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں میں وہی شخص ہوں۔ حضرت عمرؓ اس پر ان سے بغل گیر ہوئے اور روئے پھر اس کو لے جا کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بٹھا دیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے مرنے سے پہلے امت محمدیہ میں سے اس شخص کی زیارت کرادی جس کے ساتھ وہی برتاؤ کیا گیا جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔ یہ صاحب کرامات تھے۔ انہوں نے ۶۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ الاسلام: ۳: ۱۰۲-۱۰۶؛ اللباب: ۱: ۵۹۳؛ شذرات الذہب: ۱: ۷۰؛ صفۃ الصفوۃ: ۴: ۱۸۰؛ تہذیب التہذیب: ۱۲: ۲۳۵-۲۳۶)۔

(۱۲۹۴) محمد بن احمد المروزی کئی ایک لوگوں کا نام ہے خطیب بغدادی نے تین ایسے اشخاص کا ذکر کیا ہے جن کا نام محمد بن احمد المروزی ہے (تاریخ بغداد: ۱: ۲۹۳؛ ۲۱۴-۳۱۸) ابن الجوزی (المنتظم: ۷: ۵۵) نے بھی اسی نام کے ایک شخص کا ذکر کیا ہے جن کی وفات ۳۶۰ھ میں ہوئی مگر ان میں سے کوئی بھی یہاں مراد معلوم نہیں ہوتا۔ ابن العماد (شذرات الذہب: ۲: ۳۷۳) نے

ابوالعباس محمد بن احمد بن محبوب المروزی کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے ستانوے سال کی عمر
میں ۲۴۶ھ میں وفات پائی۔ غالباً یہاں مراد ابوبکر محمد بن احمد المروزی سے ہے جنہوں نے جرجان
میں روایت کی۔ یہ احمد بن سیار سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابواحمد عبداللہ بن عدی
الحافظ (تاریخ جرجان: ۳۶۸) (۱۲۹۵) ابومعاویہ الاسود: ابومعاویہ الیمان الاسود جہاد میں
اکثر شامل ہوا کرتے تھے اور صاحبِ کرامات تھے۔ ابن الجوزی (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴۶)
نے بھی اس کرامت کا ذکر کیا ہے۔ (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴۵-۲۴۶) (۱۲۹۶) ابوحمزہ نصر بن
الفرج: رسالہ اور شرح دونوں میں اسی طرح دیا ہے مگر درست جیسا کہ صفۃ الصفوۃ: ۴:
۲۴۶ میں ہے ابوحمزہ نصیر بن الفرج الاسلمی ہے انہوں نے شعیب بن حرب الجعفی۔ ولید بن
عتبہ الطحان اور محمد بن القاسم الازدی سے روایت کی ہے اور ان سے ابوحاتم رازی نے ثقہ
تھے (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۴۹۳) (۱۲۹۷) قاسم الجرعی: درست قاسم الجوعی ہے
یہ جوع (بھوک) کی طرف نسبت ہے۔ اس نسبت سے مشہور ابوعبدالملک القاسم بن عثمان الجوعی
الدمشقی ہیں۔ اس نسبت کی وجہ یہ ہے کہ اکثر بھوکے رہا کرتے تھے۔ یہ صاحبِ کرامات ہوئے
ہیں۔ انہوں نے ابی الیمان الحکم بن نافع سے روایت کی اور ان سے محمد بن المعافی العابد نے ابو
سلیمان دارانی کی صحبت میں رہے۔ صدوق ہیں (شذرات الذہب: ۲: ۱۸۱، اللباب ۱: ۲۵۳،
کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۲: ۱۱۴)

(۱۲۹۸) محمد بن علی بن الحسین المقری: محمد بن علی بن الحسن المقرئ ابوحرب: الحسین کی جگہ الحسن
پڑھیں۔ ابوبکر خطیب نے پہلے ان کی کنیت ابوبکر بیان کی ہے۔ مگر بعد کی سطور میں انہیں ابوحرب
لکھا ہے۔ انہوں نے محمود بن خداش سے روایت کی اور ان سے احمد بن کامل قاضی نے ۳۰۰ھ میں
وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۶۸-۶۹) (۱۲۹۹) علی بن مسلم: ابوالحسن علی بن مسلم بن سعید الطوسی
انہوں نے بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے روایت کی۔ اور ان
سے محمد بن اسحاق الصاغانی نے ۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۳ھ میں ترانوے سال کی عمر میں
وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۲: ۱۰۸-۱۰۹) (۱۳۰۰) سعید بن یحییٰ: ابوسفیان سعید بن یحییٰ الحمیری
الحیلانی۔ یہ واسط کے رہنے والے تھے۔ حصین بن عبدالرحمٰن سے حدیث سنی اور ان سے ابوبکر

بن ابی شیبہ وغیرہ نے متوسط ہیں۔ قوی نہیں ہیں ۱۱۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۹: ۷۵-۷۶) (۱۳۰۱) اس واقعہ کو غلابازی نے بھی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو شرح تعرف: ۴: ۱۹۲) (۱۳۰۲) احمد بن منصور: احمد بن منصور ابوبکر الرمادی۔ عبدالرزاق بن ہمام سے حدیث سنی اور ان سے اسمٰعیل بن اسحاق القاضی وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۶۵ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۵: ۱۵۱-۱۵۲) (۱۳۰۳) علی بن ابراہیم بن احمد: ابوالحسن علی بن ابراہیم بن احمد العطار المعروف بہ المزکیان۔ انہوں نے محمد بن محمد الباغندی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے محمد بن عبدالعزیز البرذعی وغیرہ نے ثقہ تھے ۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۷۹ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۱: ۳۴۱)۔

(۱۳۰۴) عثمان بن احمد: ابوعمرو عثمان بن احمد المعروف بہ ابن الخشیب البزاز۔ یہ بغداد کی مشرقی جانب رہتے تھے۔ ہیثم بن سہل التستری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابوالفتح محمد بن الحسین الازدی وغیرہ نے ۳۲۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۱: ۲۹۵-۲۹۶) (۱۳۰۵) الحسین بن عمر: رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر درست الحسین بن عمرو بن محمد ہے۔ انہوں نے اپنے باپ عمرو بن محمد سے روایت کی۔ اور ان سے ابوحاتم رازی نے کوفہ میں ان کی روایت نرم ہوتی تھی۔ (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۱ ق ۲: ۶۱-۶۲) (۱۳۰۶) عمرو بن عتبہ: عمرو بن عتبہ بن فرقد السلمی الکوفی الزاہد۔ انہوں نے عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ سے روایت کی۔ مالکوں کی سواریاں چراتے تو بادل انہیں سایہ کیا کرتے تھے۔ ایک بار نماز پڑھ رہے تھے تو ایک سانپ ان کی ٹانگ کو لپٹ گیا مگر انہوں نے نماز نہیں توڑی۔ اسی طرح پڑھتے رہے۔ انہیں ان کے باپ نے بہت سارو پیہ دیا جسے انہوں نے بانٹ دیا۔ یہ حضرت عثمان کے عہد میں اپنے باپ کی زندگی ہی میں ایک جنگ میں شہید ہوئے۔ (تاریخ اسلام ۲: ۱۹۶ - ۱۹۷ از تہذیب التہذیب ۸: ۷۵-۷۶) (۱۳۰۷) المغازلی: مغازل جمع ہے مغزل کی۔ مغازلی تکلے بنانے والا یا بیچنے والا ابوجعفر محمد بن منصور الفروی المغازلی البغدادی۔ یہ ایک صالح انسان تھے۔ اور تکلے بیچا کرتے تھے۔ انہوں نے بشر بن الحارث سے روایت کی ہے۔ اور ان سے محمد بن مخلد عطار نے (تاریخ بغداد ۳: ۲۵۰-۲۵۱ از اللباب ۳: ۱۶۳) (۱۳۰۸) ابراہیم بن احمد

الطبری: ابو اسحاق ابراہیم بن احمد الطبری امام مالک کے مذہب کے فقیہ تھے۔ معدل اور شیخ الشہود تھے۔ بڑے سخی تھے الشریف الرضی نے ان ہی سے قرآن پاک حفظ کیا تھا۔ ۳۹۳ھ میں نواسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ (المنتظم: ۷: ۲۲۳، تاریخ بغداد: ۶: ۱۹-۲۰، شذرات الذہب: ۳: ۱۴۲) (۱۳۰۹) احمد بن یوسف: ابوبکر احمد بن یوسف العطار۔ دراصل نصیبین کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے محمد بن غالب التمام وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابوالحسن دارقطنی وغیرہ نے یہ معدلین میں سے تھے، اور ثقہ تھے اگرچہ علم سے بے بہرہ تھے لیکن ان کی سماع صحیح تھی۔ ۳۵۵ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۵: ۲۲۰-۲۲۱) (۱۳۱۰) احمد بن ابراہیم بن یحییٰ: رسالہ میں یحییٰ ہی دیا ہے۔ مگر درست ابی یحییٰ ہے۔ ابوالعباس احمد بن ابی یحییٰ المکتب۔ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ نصر بن علی اور دیگر لوگوں سے روایت کی۔ کثیر الحدیث ہیں۔ ۳۰۴ھ میں وفات پائی۔ (اخبار اصفہان: ۱: ۱۱۴) (۱۳۱۱) اس کرامت کا ذکر خطیب بغدادی نے بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ بغداد: ۵: ۱۲۴-۱۲۵) (۱۳۱۲) ابو عبداللہ الدباس: احمد بن عبیداللہ بن محمد ابو عبداللہ الدباس ۳۱۰ھ تک زندہ تھے۔ (تاریخ بغداد: ۴: ۲۵۲) (۱۳۱۳) محمد بن فارس الفارسی: ابوالفرج محمد بن فارس بن محمد المعروف بہ ابن الغوری۔ انہوں نے ابوالحسین احمد بن جعفر بن محمد المنادی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے خطیب بغدادی وغیرہ نے۔ بغداد کی مشرقی جانب رہا کرتے تھے۔ صدوق، صالح اور دیندار تھے۔ ۳۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۹ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۱۶۲-۱۶۳) (۱۳۱۴) بھائی خضر: یہاں سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ خضر نبی ہیں۔ ابن صلاح نے اسی بات پر زور دیا ہے۔ اور نووی نے ان کی تائید کی ہے۔ جمہور نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ مگر بعض نے خضر کو ولی قرار دیا ہے۔ (شرح زکریا الانصاری: ۴: ۱۸) قشیری نے بھی خضر کو ولی کہا ہے۔ علامہ حجر قسطلانی (فتح الباری: ۶: ۲۲۵-۲۳۸) نے ان کے نام اور زمانہ کے متعلق اقوال نقل کئے ہیں پھر ان کے نبی یا ولی ہونے کے متعلق علماء کا اختلاف نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اکثر اہلِ علم کا یہی خیال ہے کہ وہ نبی تھے۔ اور ایک ضعیف حدیث میں خضر کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا بھی ذکر کیا ہے۔ صوفیاء کے ہاں اولیاء اللہ کی خضر سے ملاقات کے بے شمار واقعات

پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی کتاب میں کئی ایک مقامات پر ان کی ملاقات کا ذکر آیا ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مجھے خضر کے زندہ ہونے کے متعلق صرف ایک اثر ملی ہے جو سند حسن سے مروی ہے اور جس کی روایت یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں کی ہے۔ کہ ریاح بن عبیدہ الباہلی نے ایک شخص کو عمرؓ بن عبدالعزیز کے ساتھ جاتے دیکھا۔ جب عمر واپس آئے تو پوچھا یہ کون شخص تھا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا تو نے اُسے دیکھ لیا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا۔ تو مجھے نیک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے تمہیں بتا دیتا ہوں کہ یہ شخص خضر تھا۔ اس نے مجھے اس بات کی خوشخبری دی ہے کہ میں عنقریب خلیفہ بنوں گا۔ اس واقعہ کا ذکر دیگر محدثین نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام ۴: ۲۶۶ از البدایہ والنہایہ ۹: ۱۹۶-۱۹۷ از حلیۃ الاولیاء ۵: ۲۵۴ و تہذیب التہذیب ۷: ۴۷۷ خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی نے خضر کے نبی ہونے کے متعلق ایک رسالہ لکھا جس کا نام "وجہ النظر فی ترجیح نبوۃ الخضر" رکھا ہے۔ (کشف الظنون ۲: ۴۱۲) کمال الدین محمد بن محمد المعروف بہ امام الکاملیۃ متوفی ۸۷۴ھ نے خضر اور اُن کے زندہ ہونے کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے۔ (کشف الظنون ۱: ۴۲۰) محمد بن محمد بن الخیضری متوفی ۸۹۴ھ نے الروض النضر فی احوال الخضر لکھی۔ (خفاجی ۴: ۶۸ اور کشف الظنون ۴: ۴۴۴) اس پر کسی یمنی کو غصہ آیا تو اس نے اس کے رد میں "الاعتراض فی دفع اعتراض (کشف الظنون ۱: ۴۴۰) لکھی۔ یہاں ابراہیم خواص اور خضر کی ملاقات کا جو واقعہ دیا ہے۔ اس کا ذکر امام شعرانی نے بھی کیا ہے۔ (لواقع الانوار ۱: ۸۴) قشیری نے نے خضر کو ولی کہا ہے۔ حضرت عبدالعزیز دباغ المغربیؒ نے بھی خضر کو ولی ہی ہے اخزینہ معارف: ۵۶۷)

(۱۳۱۵) ابوالحسین جرجانی: ابوالحسین محمد بن محمد بن عبداللہ الجرجانی الصوفی الاشقر، انہوں نے جعفر بن محمد الخواص سے روایت کی ہے (تاریخ جرجان: ۴۱۱) لیکن حمزہ اصفہانی نے ان کا نام محمد بن محمد عبیداللہ بن عمرو بن زید ابوالحسین الجرجانی دیا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے شام، عراق اور خراسان میں حدیث لکھی۔ کئی بار اصفہان آئے۔ حافظ قرآن و حدیث تھے اور جامع مسجد میں حدیث لکھایا کرتے تھے۔ ۳۵۵ھ میں وفات پائی (اخبار اصفہان ۲: ۲۹۲)

ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ باب القضاۃ پر وکیل مقرر تھے اور انہوں نے ابو سعید نقاش سے نقل کیا ہے کہ اس نے قسم کھا کر کہا کہ ابو الحسین جرجانی احادیث وضع کیا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۱۸۱) (۱۳۱۶) اس کرامت کا پہلا ذکر آ چکا ہے۔ ملاحظہ ہو کرامت نمبر ۱۳۱ (۱۳۱۷) عبداللہ الوزان: ابو القاسم عبداللہ بن احمد بن محمد بن عبدالکریم الوزان۔ انہوں نے اپنے باپ احمد بن عبدالکریم سے روایت کی۔ وزان خاندان دراصل سادہ کار بننے والا تھا۔ ان کا کوئی دادا وزن کیا کرتا تھا۔ اس لئے یہ خاندان وزان کہلایا (تاریخ جرجان: ۲۲۴ ز اللباب: ۳: ۲۷۱) (۱۳۱۸) یوسف بن احمد بن عبداللہ الصوفی البغدادی۔ خطیب فرماتے ہیں کہ ان کا خیال ہے کہ انہوں نے بلاد خراسان میں رہائش اختیار کر لی تھی اور ذو النون مصری کی صحبت میں رہے تھے۔ انہوں نے احمد بن ابی الحواری سے روایت کی ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱۴: ۳۰۹۔۳۱۰) (۱۳۱۹) محمد بن السماک المذکر: یہ ابن السماک کے نام سے مشہور ہیں ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔ ان کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ تاریخ بغداد: ۵: ۳۶۸-۳۷۳ ز اللباب: ۱: ۵۵۹) (۱۳۲۰) ابراہیم بن شیبہ الہروی: رسالہ اور شرح القشاری میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر نفحات الانس میں ابراہیم ستنبہ ہروی دیا ہے۔ انکی کنیت ابو اسحاق ہے۔ ابو یزید کے ہمعصر تھے اور ابراہیم ادھم کی صحبت میں رہے۔ دراصل کرمان کے رہنے والے تھے اور ہرات میں مقیم ہو گئے تھے۔ اسی لئے ہروی کہلائے۔ ان کی قبر قزوین میں ہے۔ (نفحات الانس: ۴۵۔۴۶ ز لواقح الانوار: ۱: ۵۵۔ ۵۶) (۱۳۲۱) ایوب حمال: ابو سلیمان الحمال۔ بڑے زاہدوں میں سے تھے اور صاحب کرامات تھے۔ ان سے احمد بن محمد بن مسروق طوسی نے حکایت کی ہے۔ یہ بغداد کے قدماء مشائخ میں سے تھے۔ بشر اور سری سقطی کے ہمعصر تھے۔ سہل بن عبداللہ ان کی صحبت میں رہے۔ (تاریخ بغداد: ۷: ۸۔۹ ز حلیۃ الاولیاء: ۱۰: ۳۱۲ مگر وہاں عنوان ابو ایوب الحمال کا قائم کیا ہے۔ درست ایوب الحمال ہے: صفۃ الصفوۃ: ۲: ۱۲۲) (۱۳۲۲) نضر بن شمیل: ابو الحسن النضر بن شمیل بن خرشہ المازنی۔ مرو میں پیدا ہوئے۔ بصرہ میں نشوونما پایا اور عربی ونحو میں ماہر ہو گئے۔ انہوں نے ابن عون وغیرہ سے روایت کی اور ان سے اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے۔ ثقہ اور پرہیزگار تھے ۲۰۳ھ میں مرو میں وفات پائی۔ (اللباب: ۳: ۸ ز شذرات الذہب: ۲: ۷۔۸) (۱۳۲۳) ابو الحسن علی بن محمد الصوفی: ابو الحسن علی بن محمد بن بشار الزاہد متوفی ۳۱۲ھ

ان کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱۲: ۶۶۔۶۷) (۱۳۲۴) ابو احمد بن عدی الحافظ: ابو عبداللہ بن عدی بن عبداللہ بن محمد الحافظ ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ (تاریخ جرجان: ۲۲۵۔۲۲۷؛ شذرات الذہب: ۳: ۵۱؛ تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۱۴۴۔۱۴۵) (۱۳۲۵) عبدالوہاب: عبدالوہاب بن المندلث الضبی الفقیہ۔ یہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے عمر بھر قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے۔ عامر شونیزی کی مسجد میں وفات پائی۔ (اخبار اصبہان: ۲: ۱۲۳۔۱۲۴) (۱۳۲۶) محمد بن سعید البصری: ابو سعید محمد بن سعید البصری القرشی الاشرم المعروف بالکریزی۔ یہ بغداد میں رہے اور وہاں حماد بن سلمہ وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے عبدالرحمن بن ازہر وغیرہ ۲۲۱ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۵: ۳۰۵۔۳۰۶) (۱۳۲۷) محمد بن داود: محمد بن داود سے مراد محمد بن داود الدقی الدینوری سے ہے۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے (۱۳۲۸) الحسین بن عرفۃ بن یزید: الحسین کی بجائے الحسن پڑھیں۔ ابو علی الحسن بن یزید العبدی البغدادی المودب۔ انہوں نے عمار بن محمد وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ترمذی وغیرہ نے ثقہ اور صدوق تھے۔ ایک سو دس سال کی عمر پاکر ۲۵۷ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۲: ۲۹۳۔۲۹۴) (۱۳۲۹) عبداللہ بن ادریس الاودی: ابو محمد عبداللہ بن ادریس بن یزید الاَوْدِی الکوفی انہوں نے اپنے باپ اور سلیمان الاعمش وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور ان سے مالک بن انس وغیرہ نے۔ ہارون رشید نے انہیں کوفہ کا قاضی بنانا چاہا تھا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ ۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ زہاد اور عباد اللہ الصالحین میں سے تھے۔ ان کا بیٹا ان سے بھی زیادہ عبادت گزار تھا۔ ۱۹۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۹: ۴۱۵۔۴۲۱؛ تہذیب التہذیب: ۵: ۱۴۴۔۱۴۶؛ شذرات الذہب: ۱: ۳۳۰) (۱۳۳۰) ابی سبرۃ النخعی: ابو سبرۃ النخعی الکوفی کہتے ہیں کہ ان کا نام عبداللہ بن عابس ہے۔ انہوں نے فروۃ بن مسیک وغیرہ سے روایت کی ہے۔ اور ان سے الحسن بن الحکم النخعی وغیرہ نے (تاریخ الاسلام: ۴: ۲۲۰؛ تہذیب التہذیب: ۱۲: ۱۰۵) (۱۳۳۱) ابو بکر النابلسی: ابو بکر محمد بن احمد بن سہل النابلسی۔ یہ نابلس کے خطیب تھے انہوں نے ابو جعفر محمد بن احمد الرملی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ہشام بن محمد الرازی وغیرہ نے بنو عبید نے انہیں قید کر کے سولی پر چڑھا دیا تھا۔ یہ ۳۶۳ھ کا واقعہ ہے۔ (معجم البلدان: ۵: ۲۴۸۔۲۴۹؛ اللباب: ۳: ۲۰۴) (۱۳۳۲) ابو بکر الہمذانی: ابو بکر محمد بن الحسین بن احمد الہمذانی

العدل. ثقہ تھے ۳۱۶ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے احمد بن عصام وغیرہ سے روایت کی اوران سے سلیمان بن احمد وغیرہ نے (اخبار اصفہان: ۲: ۲۶۴) (۱۳۲۳) باب الطاق اسے طاق اسما بھی کہا جاتا تھا۔ یہ بغداد کی مشرقی جانب ایک محلہ کا نام ہے۔ رشید کے عہد میں یہاں شعراء کی مجلس منعقد ہوا کرتی تھی۔ (معجم البلدان ۴: ۵) (۱۳۲۴) ثعلبیہ: کوفہ سے مکہ کو جاتے ہوئے ایک منزل کا نام ہے۔ (معجم البلدان: ۲: ۸۷)

(۱۳۲۵) الحسن بن احمد الفارسی: ابو علی الحسن بن احمد بن اللیث الکشی الشیرازی۔ انہوں نے اسماعیل صفار وغیرہ سے حدیث سنی۔ انہوں نے طلب الحدیث میں بہت سے سفر اختیار کئے۔ حافظ حدیث اور قرات کے عالم تھے۔ ۴۰۵ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲۲۶-۲۲۷) (۱۳۲۶) ابوبکر بن معمر: رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی طرح دیا ہے۔ ان کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔ غالباً یہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعمری المتوفی بعداز ۳۳۰ھ ہیں۔ (۵: ۴۵۱) (۱۳۲۷) ابوذرعۃ الجنبی: رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی طرح دیا ہے میں اس نسبت کو نہیں سمجھ سکا۔ یہ جنبی ہے یا خشنی اور پھر یہ کون شخص ہیں۔ اس زمانہ میں تین ابوذرعۃ ہوئے ہیں۔ ابوزرعہ جرجانی۔ ابوزرعہ رازی (م ۲۶۴ھ) اور ابوذرعۃ دمشقی۔ (م ۲۸۱ھ۔ ابوزرعۃ جرجانی (تاریخ جرجان: ۲۰۰ز تذکرۃ الحفا: ۲: ۱۲۴) ابوزرعہ رازی م ۲۶۴ھ (تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۱۲۴ از تاریخ بغداد: ۱۰: ۳۲۶) اور ابوزرعہ دمشقی م ۲۸۱ھ (تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۱۸۰) (۱۳۲۸) ابو محمد الغطریفی: رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی طرح دیا ہے مگر درست ابواحمد محمد احمد بن الحسین بن القاسم بن الغطریف الرباطی الجرجانی ہے انہوں نے بخاری کی طرز پر ایک مسند لکھی۔ ابوخلیفہ وغیرہ سے روایت کی۔ ۳۷۷ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ جرجان: ۳۸۷-۳۹۰ ز اللباب: ۲: ۱۷۵) (۱۳۲۹) خواب کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف، ۴: ۱۴۵-۱۸۷ از احیاء علوم الدین: ۴: ۹۱-۴۹۴ ز حضرت ابوعزیز باغ نے خواب عمدہ بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو خزینہ معارف: ۹۰ تا ۲۰۵) (۱۳۴۰) اسحق بن ابراہیم المقری: ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔ غالباً یہ اسحق بن ابراہیم المقریٔ ہیں۔ اب اس نام کے دو شخص ہیں۔ ابویعقوب اسحق بن ابراہیم بن زیاد المقریٔ المنادی المتوفی ۲۷۳ھ (تاریخ بغداد: ۶: ۳۷۶) اور ابویعقوب اسحق بن

ابراہیم التری جو ابو العباس احمد بن ابراہیم ورلتی بن خلف کے بھائی ہیں۔ (تاریخ بغداد ۶: ۲۸۴) (۱۳۴۱)
ابو نصر منصور بن ابی مزاحم بشیر الترکی البغدادی الکاتب؛ انہوں نے شعبہ کو دیکھا ہے۔ اور
مالک وغیرہ سے روایت کی ہے۔ اور ان سے البذرمہ وغیرہ نے ثقہ اور صاحبِ سنت تھے ۸۰
سال کی عمر میں ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۱۳: ۸۰-۸۲ ز تہذیب التہذیب ۱۰: ۱۱۱-
۱۱۲) (۱۳۴۲) ابی صالح؛ ابو صالح ذکوان السمان، اہلِ مدینہ کے کبار علماء میں سے تھے۔ ۱۰۱ھ میں
وفات پائی۔ ان کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔ (تاریخ الاسلام ۴: ۲۱۹-۲۲۰ ز اللباب ۱: ۶۰)
(۱۳۴۳) علی بن الحسین؛ ابو عبید علی بن الحسین بن حرب القاضی بن حربویہ الفقیہ الشافعی۔ انہوں
نے سری سقطی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے نسائی اور طحاوی وغیرہ نے۔ ثقہ اور امین تھے
۲۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۱۹ھ یا ۳۲۱ھ یا ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۷: ۳۰۳-
۳۰۴) (۱۳۴۴) عبد اللہ بن الولید؛ ابو محمد عبد اللہ بن الولید المکی۔ انہوں نے ثوری وغیرہ سے
روایت کی اور ان سے احمد بن حنبل وغیرہ نے۔ یہ اگرچہ صاحب حدیث نہ تھے مگر ان کی حدیث
صحیح ہے۔ بعض اوقات ناموں میں غلطی کھا جاتے تھے۔ صدوق، ثقہ اور مامون تھے۔ (تہذیب
التہذیب ۶: ۷۰) (۱۳۴۵) ابو قتادہ؛ ابو قتادہ الانصاری الحارث بن ربعی صحابی ہیں۔ بدر کی
جنگ میں ان کی شرکت کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ البتہ اُحد اور بعد کی جنگوں میں شریک
ہوئے۔ اُن کی تاریخ وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض ۵۴ھ اور بعض ۴۰ھ بتاتے
ہیں۔ (اسد الغابہ ۵: ۲۷۴-۲۷۵ ز ۱: ۳۲۷ ز ۵: ۲۵) ابو احمد حمزہ بن العباس البزاز؛ ابو احمد
حمزہ محمد بن العباس الدہقان العقبی انہوں نے العطاردی وغیرہ سے روایت کی ہے۔ اور
اُن سے عبد الملک بن بشران نے۔ ثقہ تھے۔ ۳۴۷ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب
۲: ۳۷۵ ز اللباب ۲: ۱۴۳) (۱۳۴۷) عبد اللہ بن موسیٰ؛ ابو محمد عبد اللہ بن موسیٰ بن شیبہ۔ انہوں
نے ابراہیم بن حمزہ وغیرہ سے روایت کی۔ اور اُن سے سعید بن ایوب بخاری وغیرہ نے۔ صدوق
تھے۔ (تہذیب التہذیب ۶: ۴۵) (۱۳۴۸) اسرائیل؛ ابو یوسف اسرائیل بن یونس بن ابی اسحٰق
السبیعی الہمدانی الکوفی۔ انہوں نے اپنے دادا ابو اسحٰق وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے اُن کے بیٹے
مہدی وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق تھے ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ میں وفات پائی

(تہذیب التہذیب ۱۱: ۲۴۱-۲۴۳؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۲۳۰-۲۳۱) (۱۳۴۹) ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ بن علی السبیعی ۲۹ھ میں عثمان غنی کے عہدِ خلافت میں پیدا ہوئے علی اور ابن عباس وغیرہ کی زیارت کی۔ ان سے اعمش وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔ (اللباب ۱: ۵۳۱؛ تہذیب التہذیب ۸: ۶۳-۶۷) (۱۳۵۰) ابو الاحوص: عوف بن مالک بن نضلہ الجشمی الکوفی۔ انہوں نے ابن مسعود وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابو اسحاق سبیعی وغیرہ نے ثقہ ہیں۔ ان کو خارجیوں نے قتل کر دیا تھا۔ (تاریخ الاسلام ۳: ۲۱۳؛ اللباب ۱: ۲۲۷) (۱۳۵۱) ابو عبید: ابو عبیدہ پڑھیں۔ ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود الہذلی۔ عبدالرحمٰن کے بھائی تھے۔ ان کا شمار علماء کوفہ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے باپ سے مرسل طور پر روایت کی اور ان سے ابراہیم نخعی اور ابو اسحٰق السبیعی وغیرہ نے ۸۱ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ الاسلام ۳: ۲۳۰) (۱۳۵۲) ابی عبداللہ: عبداللہ البغیرابی کے) پڑھیں۔ (۱۳۵۳) بیداری میں نہیں بلکہ بیداری کی حالت میں بھی خواص اولیاء کو دیدارِ مصطفویؐ ہو سکتا ہے۔ دیکھیں حیاتِ جاوداں ۱۹۳-۱۹۷) (۱۳۵۴) حسن بن عاصم الشیباتی: الحسن بن عاصم المقری الرازی۔ انہوں نے یزید بن ہارون سے روایت کی۔ اور ان سے عمرو بن سہل بن صرخاب الرازی نے۔ شیخ تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۱ ق ۲: ۳۲) (۱۳۵۵) حبیب عجمی: ابو محمد حبیب بن عیسیٰ العجمی۔ دراصل فارس کے رہنے والے تھے۔ مگر بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے حسن بصری سے روایت کی اور ان سے حماد بن سلمہ وغیرہ نے۔ یہ عابد۔ زاہد اور مجاب الدعوۃ تھے۔ (اللباب ۲: ۱۲۴) (۱۳۵۶) جاحظ: ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ۔ کیوں کہ اس کی آنکھیں ابھری ہوئی تھیں اس لیے جاحظ نام پڑا۔ یہ معتزلہ تھا۔ جاحظیہ فرقہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ اس نے کئی ایک کتابیں تصانیف کیں۔ مثلاً کتاب الحیوان اور کتاب البیان والتبیین وغیرہ ۲۵۵ھ میں وفات پائی (لٹریری ہسٹری آف دی عربز ۳۴۶-۳۴۷؛ اللباب ۱: ۲۰۲؛ تاریخ بغداد ۱۲: ۲۱۲-۲۲۰) (۱۳۵۷) اس خواب کا ذکر کلاباذی نے بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو شرح تعرف ۴: ۱۸۶) (۱۳۵۸) ابن عون سے مراد ابو محمد عبداللہ بن عون الہلالی البغدادی ہیں۔ انہوں نے ابو اسحاق الفزاری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے مسلم وغیرہ نے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ابدال میں سے تھے۔ ۱۳۲ھ میں

وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب؛ ۵: ۳۴۹-۳۵۰ ز شذرات الذہب؛ ۲: ۵، ز تاریخ بغداد: ۱۰: ۳۴-۳۶ ز لواقح الانوار: ۱: ۵۵۔ شعرانی کو غلطی لگی ہے۔ انہوں نے انہیں ابوعون عبداللہ بن عون بن ارطبان سمجھ کر ان کی تاریخ وفات ۱۵۱ھ لکھی ہے۔ حالانکہ وہ اور ہیں۔ یہاں جن کا ذکر ہے وہ بغدادی ہیں۔ اور جن کی تاریخ وفات شعرانی نے دی ہے۔ وہ بصری ہیں ابوعون کے لئے ملاحظہ ہو التاریخ الکبیر؛ ج ۳ ق ۱: ۱۶۳) (۱۳۵۹) کرز بن وبرۃ؛ کرز بن وبرۃ الحارثی۔ یہ اولیاء اللہ میں سے تھے۔ انہوں نے انس بن مالک وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابوطیبہ عیسیٰ بن سلیمان الدارمی وغیرہ نے۔ یہ دن اور رات میں تین بار قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔ اپنی عبادت اور زہد کی وجہ سے مشہور تھے۔ یزید بن مہلب کے ساتھ جہاد کے لئے گئے۔ ۹۸ھ میں جہاد کرتے ہوئے جرجان آئے تھے۔ (تاریخ جرجان؛ ۲۹۵-۳۱۶ ز تاریخ الاسلام؛ ۵: ۲۹۲-۲۹۳) (۱۳۶۰) ابوسعید صفار مؤدب؛ ابوسعید احمد بن سعید بن عروہ الصفار ۳۹۵ھ میں وفات پائی (اخبار اصفہان: ۱: ۱۱۲) (۱۳۶۱) محمد طوسی؛ قدماء میں محمد بن منصور طوسی مشہور صوفی گذرے ہیں۔ جن کی وفات اٹھاسی سال کی عمر میں ۲۵۴ھ میں ہوئی (تاریخ بغداد؛ ۳: ۲۴۷-۲۵۰) مگر وہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے۔ یہاں مراد اس محمد سے ہے جو معشوق طوسی کے نام سے مشہور تھے۔ یہ عقلاء مجانین میں سے تھے۔ اور شیخ ابوسعید الخیر کے معاصر تھے۔ بزرگ اور صاحب حال تھے۔ (نفحات الانس؛ ۲۸۳-۲۸۴)

(۱۳۶۲) علاء بن زیاد؛ ابونصر العلاء بن زیادۃ بن مطر العدوی البصری۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل طور پر روایت کی ہے۔ اور ان سے قتادہ وغیرہ نے۔ تابعی ہیں۔ روتے روتے ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ جب بھی پڑھنا چاہتے رونے کی وجہ سے ہچکی بندھ جاتی۔ ثقہ تھے حجاج کے عہد میں ۹۴ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۸: ۱۸۱-۱۸۲ از صفۃ الصفوۃ؛ ۲: ۱۷۶-۱۷۹) (۱۳۶۳) ان کا مقصد یہ تھا کہ تو شیطان کا بھیجا ہوا ہے۔ اور تو مجھے بہکانے کی غرض سے آیا ہے۔ اس واقعہ کا ذکر ابن الجوزی نے زیادہ تفصیل سے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حوالہ مذکور۔ (۱۳۶۴) عطاء سلمی۔ ابن الجوزی نے ان کا نام عطاء السلمی دیا ہے۔ یہ دوزخ کے خوف سے اکثر روتے رہتے۔ حماد بن زید کے ہمعصر تھے۔ ابن الجوزی (صفۃ الصفوۃ؛ ۳: ۲۴۴-۲۴۹) نے

ذکر کیا ہے کہ یہ خواب صالح بن بشر مری (متوفی ۱۷۲ھ) نے دیکھا تھا۔ صالح مری خود بڑے عبادت گزار تھے۔ اور اکثر روتے رہتے تھے۔ (تہذیب التہذیب: ۴؛ ۳۸۲-۳۸۳)۔

(۱۳۶۵) آپ کو ہمیشہ اس بات کی فکر رہتی کہ ان سے عبادت میں کوتاہی ہوئی ہے۔

(۱۳۶۶) اوزاعی: ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمر الاوزاعی۔ آخر عمر میں جہاد کی غرض سے بیروت چلے گئے اور اسی حالت میں وفات پائی۔ انہوں نے اسحاق بن عبداللہ وغیرہ سے روایت کی۔ اور اُن سے مالک وغیرہ نے۔ ثقہ اور امام، صدوق اور مامون تھے۔ ۸۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۶؛ ۲۳۸-۴۲ ؛ اللباب: ۱؛ ۴۷، شذرات الذہب: ۱؛ ۱۴۱-۱۴۲)۔ (۱۳۶۷) زبیدہ: ہارون رشید کی بیوی اور اس کے چچا جعفر بن منصور کی بیٹی تھی۔ ہارون کے ساتھ اس کی شادی ۱۶۵ھ میں ہوئی۔ اسی کے بطن سے الامین پیدا ہوا۔ یہ نہایت خوبصورت عورت تھی اور بہت سخی تھی۔ ۲۱۶ھ میں وفات پائی۔ اس کی ایک سو لونڈیاں تھیں۔ اور سب کی سب حافظ قرآن تھیں۔ ان کی تلاوت سے روزانہ محل میں بھنبھناہٹ کی آواز آتی رہتی تھی۔ یہاں جو خواب بیان کیا گیا ہے اس کا ذکر ابن کثیر نے بھی کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۰؛ ۲۷۱-۲۷۲)۔ (۱۳۶۸) یزید رقاشی: یزید بن ابان الرقاشی ابوعمرو البصری القاص الزاہد۔ انہوں نے اپنے باپ اور انس بن مالک سے روایت کی ہے۔ اُن سے ان کے بیٹے عبدالنور وغیرہ نے۔ صدوق اور صالح وزاہد تھے۔ مگر حدیث کی روایت کی توجہ نہیں دی۔ اس لئے حدیث کی صحیح روایت نہ کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو ضعیف شمار کیا گیا ہے۔ اور ان سے روایت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیوں کہ لوگ ان کے زہد و عبادت کی وجہ سے حدیث کو صحیح مان لیتے تھے۔ ۱۱۰ھ اور ۱۲۰ھ کے درمیان وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱؛ ۳۰۹-۳۱۱؛ صفۃ الصفوۃ: ۳؛ ۲۱۰)۔

(۱۳۶۹) علی بن موفق العابد: انہوں نے منصور بن عمار وغیرہ سے روایت کی۔ ثقہ تھے۔ انہوں نے ساٹھ حج پاپیادہ کئے۔ جن میں سے تیس ۳۰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے تھے۔ اور آنحضرت کی طرف سے بارہ ہزار قرآنِ مجید ختم کئے۔ ۲۶۵ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۲؛ ۱۱۰-۱۱۲)۔ (۱۳۷۰) ابوالفضل اصبہانی: ابوالفضل العباس بن ابراہیم بن العباس

تصوفی۔ انہوں نے ۳۰۷ھ میں وفات پائی۔ ان سے ابونعیم اصبہانی نے روایت کی (اخبار اصبہان ۲: ۱۴۳) (۱۲،۱) سماک بن حرب: ابوالمغیرہ سماک بن حرب بن اوس الذہلی البکری۔ انہوں نے شعبہ کو دیکھا ہے۔ اور نعمان بن بشیر سے روایت کی ہے اور ان سے داؤد بن ابی ہند وغیرہ نے۔ یہ بہت فصیح و بلیغ، عالم بالشعر اور ایام تھے۔ صدوق اور ثقہ تھے۔ ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۴: ۲۲۲-۲۲۴ز تاریخ بغداد ۹: ۲۱۴-۲۱۶ز شذرات الذہب ۱: ۱۶۱) (۲،۱۳) مریدوں کو وصیت یا آداب مرید کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف ۴: ۲۵-۲۹ زحیات القلوب ۲: ۲۸۸-۲۹۷ زعوارف المعارف ۴: ۸۰-۱۱۶ز کتاب اللمع ۲۰۵-۲۰۷ اور امام ابوالعباس احمد بن محمد بن احمد القرشی البکری الصدیق المتوفی ۶۴۱ھ کا رائیہ قصیدہ جو معہ ترجمہ کے خزینہ معارف (صفحہ ۴۰۴-۴۹۶) میں دیا ہے۔

(۱۳،۳) یہاں پر امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا ایک واقعہ پیش کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ربیع (متوفی ۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ مجھے امام شافعی رحمہ اللہ نے مصر سے ایک رقعہ دے کر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس بھیجا۔ جب میں آپؒ کے پاس پہنچا تو آپ صبح کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ میں نے وہ رقعہ ان کو دے دیا۔ انہوں نے فرمایا۔ کیا تو نے اسے پڑھا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ نے اس رقعہ کو لے کر پڑھا۔ پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس رقعہ میں کیا لکھا ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ اس رقعہ میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو حکم دیا کہ احمد بن حنبل کی طرف چٹھی لکھیں اور میرا سلام دیں اور کہہ دیں کہ آپ کی خلق قرآن کے بارے میں آزمائش ہو گی۔ لہٰذا ان لوگوں کی بات نہ ماننا اور ڈٹے رہنا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ آپ کا جھنڈا بلند کرے گا۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں نے کہا پھر تو مجھے اس بشارت کی شیرینی ملنی چاہیئے اس پر امام احمد نے اپنے بدن کی قمیص اتار کر مجھے دی۔ جب میں امام شافعی کے پاس واپس پہنچا تو میں نے سارا قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس قمیص سے تجھے محروم نہیں کرنا چاہتا۔ مگر تم اس قمیص کو پانی میں بھگو کر وہ پانی مجھے دو تاکہ میں اس پانی کو پی کر برکت حاصل کر سکوں (البدایہ والنہایہ ۱۰: ۳۳۱ز تاریخ الافکار المقدسہ ۱: ۹۲ز فیض الباری ۴: ۱۲۷) (۱۳،۴) ابوعمران الفقیہ ز

ابو عمران موسیٰ بن حزام الفقیہ: انہوں نے بلخ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے حسین بن علی الجعفی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں ان کا شمار ابدال میں ہوتا ہے کہتے ہیں کہ شروع میں یہ مرجئہ میں سے تھے۔ امام احمد بن حنبل کی صحبت سے سنت کی طرف آئے اور اسی پر ۲۵۱ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۲۴۰-۲۴۱) (۵، ۱۳) ابو العباس بن سریج: یہ شافعی تھے اور صاحب تصانیف ہیں۔ انہوں نے ۳۰۶ھ میں وفات پائی۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ (شذرات الذہب: ۲: ۲۴۷-۲۴۸)

(۶، ۱۳) یہاں شہداء سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہر چیز میں مشاہدۂ حق کرتے ہیں چنانچہ یہاں وہ کسی بچے کی خوبصورتی کو دیکھ کر حق کا مشاہدہ کرنے کا دعویٰ کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست اعلام

ح

خ

ز

ش

غ

ن

ھ

و

ی

اغلاط نامہ

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۵	۳	منظو	منظور
۵	۸	گذرا ہوا	گذر ہوا
۵	۱۸	تلامذہ شمار	تلامذہ میں شمار
۶	۳	دھرایا	دھرا دیا
۶	۵	سُنتے	سُننے
۶	۱۵	نصرآباد	نصرآبادی
۸	۱۸	معتزل	معتزلہ
۸	۱۹	طغربیگ	طغربیک
۱۱	۱۴	چڑھتے	چڑھے
۱۱	۱۶	چڑھتے	چڑھے
۱۱	۱۷	والوں	والو
۱۲	۱۸	سنہ ۲۳۰	سنہ ۲۵۰

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۱۳	۱۷	انام	امام
۱۶	۱۵	خشري	قشیری
۱۸	۷	ارتوامابلکاس	ارتو والبکاس
۲۰	۱۴	درمیان	دربان
۲۰	آخری ۲ سطریں	زائد ہیں	×
۲۱	۱۲	ہوں (۲)	ہوں
۲۱	۲۰	فضاختم	فصاحتم
۲۲	۳	نہ نہ ہی	نہ رہی
۲۳	۱۰	لکھتے	لکھتے ہیں
۲۵	۶	پابندی گئی ہے	پابندی کی گئی ہے
۲۷	۸ اور ۹	میرے	زائد ہے
۲۹	۴	الہثیم	التصیمم
۳۰	۶	مقصو	مقصود
۳۳	۱۵	لکھی	لکھیں
۴۴	۱۵	شاگر	شاگرد
۴۵	۵	فتنہ بپا ہوجاتا ہے	فتنہ بپا ہوجاتا ہے
۴۵	۱۶	ابن جزیر	ابن جریر
۵۲	۱۵	یا فلاح	یا فلان

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
٥٤	٦	سمجھا	سمجھنا
٦١	١٦	دوران ان نعرے	دوران نعرے
٦١	١٨	برداشت کے کرکے	برداشت کرکے
٦١	٢٠	جونہی کہ روپیہ آتا	جونہی روپیہ آتا
٦٢	١٥	جانسین بنا	جانشین بنا
٦٣	٤	شہر سے چلاتا	شہر سے چلا جاتا
٦٤	٩	حافظ	حافظہ
٦٥	١٤	اسانذہ	اساتذہ
٦٦	٩	حدیث	(یہ لفظ زائد ہے)
٦٨	٥	سے کی تعظیم	سے اس کی تعظیم
٦٩	٢٢	شافقیہ	شافعیہ
٧٥	٢٠	قبعت	قسمعت
٨٤	٥	قمیض	قمیص
٩٠	١٨	خواری	خوا کری
٩٢	١٢	کی یوتوجیہ بیاں کی ہے	کی یوں توجیہ بیاں کی ہے
٩٥	٤	خوشی بختی	خوش بختی
١٠٤	٨	لاپاہی	لاپرواہی
١٠٤	١٢	لگے ہوئے میں	لگے ہوئے ہیں۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۱۰۲	۱۲	ان لوگوں کی	ان لوگوں کو
۱۰۷	۳	لائن زائد ہے	×
۱۰۸	۱۹	حاتم	ابو حاتم
۱۰۸	۲۲	صرف عبادت	صرف اپنی عبادت
۱۱۴	۱۸	علال بن احمد	ہلال بن احمد
۱۲۰	۹	نہ کو	نہ کوئی
۱۲۱	۶	عذر باقی رہا	عذر باقی نہیں رہا
۱۲۳	۱۷	شخص نے کہا	شخص کو کہا
۱۲۳	۱۹	نار	ناز
۱۲۴	۱۳	انہوں [illegible]ھ میں وفات پائی	انہوں نے [illegible]ھ میں وفات پائی
۱۲۷	۳	ہو جاتا ہے	ہو جاتی ہے
۱۲۷	۱۰	کوئی جاحت مطلوب ہو	کوئی حاجت مطلوب ہو
۱۳۲	۳	کھ	کچھ
۱۳۲	۷	کبھی دن روزہ	کبھی دن کو روزہ
۱۳۶	۱۴	محمد بن المسیب (۱۳۴)	محمد بن المسیب (۱۳۲)
۱۳۶	۱۴	داؤد طائی کی وراثت	داؤد طائی کو وراثت
۱۳۷	۲۲	جواب	حواب

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۱۳۸	۲۳	شفیق	خفیق
۱۴۷	۱۴	ابن ہی میں	ان ہی میں
۱۵۱	۱۰	دادا	نانا
۱۵۲	۱۳	بن	زائد ہے
۱۵۴	۳	لکھا ہوتا	لکھا ہوا تھا
۱۵۹	۴	قمیض	قمیص
۱۶۰	۱۴	گندکی	گندگی
۱۶۳	۹	الرازی سے وہ	الرازی سے سنا وہ
۱۶۵	۲۱	انہوں نے اپنا شاگردوں	انہوں نے اپنے شاگردوں
۱۶۷	۳	بسری اور اور اسی طبقہ	بسری اور اسی طبقہ
۱۶۷	۹	دادا	نانا
۱۶۹	۸	کون سے چیز ہے	کون سی چیز ہے
۱۶۹	۲۱	فقر	فقیر
۱۷۱	۸	ستہ سنتہ البیر	سنتہ البیر
۱۷۲	۱۰	احمد الصوفی سے وہ	احمد الصوفی سے سنا وہ
۱۷۲	۱۲	توحید	تو توحید

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۱۸۰	۶	السلمی رحمہ اللہ سنا	السلمی رحمہ اللہ سے سنا
۱۸۳	۲۰	مستغفی	مستغنی
۱۸۵	۱۸	ابراہیم بن شیبان سے فرماتے	ابراہیم بن شیبان سے سنا فرماتے
۱۸۶	۴	کالانچ	کا لالچ
۱۸۶	۸	ابن ہی میں	ان ہی میں
۱۸۷	۵	طہاوت	طہارت
۱۸۸	۱۰	ایک سوسے	ایک سو سال سے
۱۸۹	۱۶	نیز فرمایایا	نیز فرمایا
۱۹۷	۱۱	اللہ تعلی	اللہ تعالیٰ
۱۹۷	۱۱	القار کردیئے ہے	القار کردیئے ہیں
۱۹۸	۱	دی تمہارا وقت ہے	وہی تمہارا وقت ہے
۱۹۹	۱۱	یتسر	یَتَیَسَّرُ
۲۰۳	۹	اللہ تعالیٰ فرمایا ہے	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
۲۰۸	۲	لیتا ہوں	سوک لیتا ہوں
۲۰۸	۴	اس کارد نہیں کیا	اس کو رد نہیں کیا
۲۰۸	۷	اور بنائی وجہ	اور بناوٹی وجہ

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۲۰۸	۱۶	ظاہر میں کو	ظاہر میں کوئی
۲۲۲	۱۳	رب کو یا کیا	رب کو یاد کیا
۲۲۳	۳	قائم کرنے کام	قائم کرنے کا نام
۲۲۳	۱۵	قد سفت	قد سَمِعتُ
۲۲۴	۹	مومیت	فوقیت
۲۳۶	۱۳	خاطر اِس	خواطر اِس
۲۳۸	۲۲	خاطر	حاضر
۲۴۴	۱۴	لوئی	کوئی
۲۴۵	۱۰	ادا کا	ادا کیا
۲۴۵	۲۳	مظلوموں	مظلوموں
۲۴۷	۴	حفا	جفا
۲۵۰	۱۱	انا	اِن
۲۵۲	۹	کوتاہی کرنے لگ جاؤ	کوتاہی کرنے لگ جاؤ گے
۲۵۳	۱۲	حسن اخلاق	حسن خلق
۲۵۴	۱۰	اس سے میں کیا	اس سے میں سمجھ گیا
۲۵۸	۶	وطن	باطن
۲۶۱	۲۲	مایوس	مانوس

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۲۷۳	۸	منیس سکتا	نہیں سکا
۲۷۳	۱۱	کرچکے گئے	کرچلے گئے
۲۷۴	۱۵	شروع	شرع
۲۷۵	۱۶ اور ۱۷	اغراض	اغراض
۲۷۶	۱۷	چھوڑے	چھوڑنے
۲۸۰	۲	خواہس	خواہش
۲۸۲	۷	زاہد بننے والا	تکلف سے زاہد بننے والا
۲۸۳	۱۰	کاقی ہوئی چاہیئے	کافی ہونی چاہیے
۲۸۷	۴	لائن دوبارہ لکھی گئی ہے	x
۲۸۸	۱۰	اشحاص	اشخاص
۲۸۸	۲۳	اس کے لئے	اس لئے
۲۹۲	۱۲	وخافون کنتم	وَخَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ
۲۹۴	۸	بشرؒ حانی	بشرؒ حافی
۲۹۵	۱۲	بشرؒ حانی	بشرؒ حافی
۲۹۶	۴	میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہا	دو دفعہ لکھا ہے ۔
۲۹۶	۷	میں ابراہیم بن	میں نے ابراہیم بن
۲۹۶	۱۵	د اپنے کسی ایک شاگرد احمد	اپنے ایک شاگرد احمد

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۲۹۷	۱۰	هل بکر	هل أُنبئکُم
۳۰۱	۲	آئندہ	آئیندہ
۳۰۲	۱۲	کہا میں نے	کہ میں نے
۳۰۳	۴	کثیر التعداد مہربانیوں	کثیر التعداد مہربانیوں
۳۰۳	۲۰	فرما	فرمایا
۳۰۴	۹	پیچھے ہوئے	پیچھے ہولے
۳۰۵	۲	إن اِقتربت	اِقتربت
۳۰۶	۱۰	شحص	شخص
۳۱۱	۸	خوش کرنے پر	خوش ہونے پر
۳۱۲	۱۵	سورج سے غروب	سورج غروب
۳۱۳	۳	کہ محمد بن احمد الفرار	کہ محمد بن احمد الفرار
۳۱۳	۱۵	ان عبداللہ بن ایوب	ان سے عبداللہ بن ایوب
۳۱۴	۱	انحضرت	آنحضرت
۳۱۴	۵	تین دنوں پر	تین دنوں میں
۳۱۷	۱	مچھلی کی مڈیوں پہ	مچھلی کی ہڈیوں کا
۳۲۰	۲	بنی قریظہ	بنی قریظہ
۳۲۰	۱۴	یا اس کا رد	یا اس کو رد

صحیح	غلط	سطر نمبر	صفحہ نمبر
ہو	ہو چکا ہو	۲۱	۳۲۰
حسن بصری فرماتے ہیں	حسن بصری فرمانے ہیں	۲۱	۳۲۰
هُونًا	هَوتًا	۲	۳۲۱
کندھوں کی طرف اشارہ	کندھوں کی اشارہ	۱۰	۳۲۱
یہ نہ سمجھے کہ	یہ نہ سمجھتے کہ	۱۴	۳۲۴
شیبان	سیان	۲۰	۳۲۴
ساوی	ساری	۲۱	۳۲۴
اے نبیؐ	اسے نبی	۹	۳۲۵
لئے کوئی مقام نہ مقرر کرے	لئے کو مقام نہ مقرر کرے	۹	۳۲۶
اور بڑا انسان آیا ہوگا	اور برا انسان آیا ہوگا	۱۵	۳۲۶
قمیص	قمیص	۱۷	۳۲۷
میں نے	مَں نے	۶	۳۳۲
معاویہ	معویہ	۳	۳۳۷
اور اس شخص سے	اور اشخص سے	۲۳	۳۳۷
ان غیبتوں کے عوض	ان عیبتوں کے عوض	۱۱	۳۴۰
کچھ کہنا غیبت نہیں ہے۔	کچھ کہنا غیب نہیں ہے	۵	۳۴۱
بشر حافی	بشر حاقی	۷	۳۴۹

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۳۵۰	۳۲	ابوبکر برعما فرماتے تھے	ابوبکر بروعی فرماتے تھے
۳۵۲	۲۰	لوٹا اور قینجی	لوٹا اور قینچی
۳۵۴	۱۰	ابوجعفر الحلاد	ابوجعفر الحداد
۳۵۸	۱۳	تبان خمال	بنان حمال
۳۵۹	۲۲	جب اسے سخت بھول لگی	جب اسے سخت بھوک لگی
۳۶۲	۱	سمجھا سکتا ہے	سمجھا جا سکتا ہے
۳۶۴	۲۳	مریدراں	مزید براں
۳۷۰	۱۱	ہوں یا نہ ہو	ہوں یا نہ ہوں
۳۷۰	۲۱/۲۲	چچا زاد بہن عاشق تھا	چچا زاد بہن پہ عاشق تھا
۳۷۹	۵	بیھا	بیٹھا تھا
۳۸۰	۵	سحت کڑوا	سخت کڑوا
۳۸۱	۷	پاس کودے	پاس کردے
۳۸۲	۱۸	حفاطت گاہ	حفاظت گاہ
۳۸۳	۱۷	بِأَعْيُنَا	بِأَعْيُنِنَا
۳۸۴	۱۴	جائس گے	جائیں گے
۳۸۵	۲	میں توضبر کے	میں توصبر کے
۳۸۵	۲۰	میں نے فرمانے سنا	میں نے فرماتے سنا

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۳۸۶	۷	آپ نے کفتگو کے آداب	آپ نے گفتگو کے آداب
۳۸۷	۹	آنحضرت صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
۳۸۷	۱۳	احسان ہے	احسان یہ ہے
۳۸۷	۱۶	اسے دکمہ رہا ہے	اسے دیکھ رہا ہے
۳۹۰	۱۸	نیز انہیں کو	نیز ان ہی کو
۳۹۰	۲۱	انہیں کو فرماتے	ان ہی کو فرماتے
۳۹۱	۱	نگاہ میں رکھتا	نگاہ میں رکھنا
۳۹۱	۷	میں نے انہیں سے سنا	میں نے ان ہی سے سنا
۳۹۱	۱۱	میں نے انہیں سے سنا	میں نے ان ہی سے سنا
۳۹۱	۱۳	سرسراہت سی آوازہ سنائی دی	سرسراہٹ سی سنائی دی
۳۹۱	۱۵/۱۶	لفظ ایک زیادہ لکھا گیا ہے	×
۳۹۱	۱۹	اپنے وقت کے سود	اپنے وقت کے سوا
۳۹۴	۵	مں نے	میں نے
۳۹۴	۸، ۹	جب تک کہ وہ حق سبحانہ	جب تک حق سبحانہٗ
۳۹۵	۵	ریامت	ریاضت
۳۹۸	۱۰	تو تو	تو
۳۹۸	۲۰	(۳) اس شخص کو	(۳) اس شخص کو

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۴۰۰	۶	اور ذلت سے	اور ذلت (۴) سے
۴۰۰	۱۷	اشخص نے	اس شخص نے
۴۰۱	۳	اورمں نے	اور میں نے
۴۰۴	۱۹	ارادت کی حققت	ارادت کی حقیقت
۴۰۵	۲۲	ابوعلی وقاق کو فرماتے کہ	ابوعلی وقاق کو فرماتے سنا کہ
۴۰۶	۶	بار کہتے سے	بار کہنے سے
۴۰۸	۱۲	میں کیا جاتا	میں فرق کیا جاتا
۴۰۹	۱۰	خدایا مجھے اپنے اپنی ذات	خدایا مجھے اپنی ذات
۴۱۲	۱۲	جج	حج
۴۱۳	۹	پاک رکھتے کا نام	پاک رکھنے کا نام
۴۱۸	۱۳	اسے ابوعلی	اسے ابوعلی
۴۲۴	۲۰	معلق دریافت کریں	متعلق دریافت کریں
۴۲۸	۸	جس کا ...... سے	جس کا دینا سے
۴۳۶	۱۲	یہ پوری سطر حذف کی جائے کیونکہ سطر نمبر ۱ مطلب پورا کر دیتی ہے	
۴۴۰	۲۰	خیانت	لفظ (زائد ہے)
۴۴۲	۹	یہ سن کر شفیق نے کہا	یہ سن کر شقیق نے کہا
۴۴۴	۴	لائن کے شروع میں لفظ "ہے"	فالتو ہے حذف کیا جائے۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۴۴۷	۲	میں تہاری	میں تمہاری
۴۴۹	۱۲	کچھ مانگے کے لئے آیا	کچھ مانگنے کے لئے آیا
۴۴۹	۱۲/۱۳	مجھ پڑی تو فرمایا	مجھ پر پڑی تو فرمایا
۴۵۴	۱	محمد بن داود سے فرماتے تھے	محمد بن داؤد فرماتے تھے
۴۵۵	۶	ان پر مقر کر دیا	ان پر مقرر کر دیا
۴۵۵	۱۹	کسی صوفی کے	کسی صوفی نے
۴۵۶	۱۱	مذاہب کا تجریہ کیا	مذاہب کا تجربہ کیا
۴۵۹	۱۲	جواب دیا ہاں	جواب دیا ہاں
۴۶۲	۱۸	تو اس شخص کہا	تو اس شخص نے کہا
۴۶۴	۲	اپنی حاجت کیوں نہ ہو	اپنی حاجت کیوں نہ ہو
۴۶۴	۷	دوزح	دوزخ
۴۶۵	۶	ہمیں حادی بنایا	ہمیں عادی بنایا
۴۶۵	۱۲	جلاد نے پھر پوچھا	جلاد نے پھر پوچھا
۴۶۸	۱۲	دود مسافت	دور سے مسافت
۴۶۹	۱	اسے تحریہ آپیش	اسے تحریراً پیش
۴۷۲	۶	سمجھا کت تھے	سمجھا کرتے تھے
۴۸۶	۱	نیز کہا جایا ہے	نیز کہا جاتا ہے

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۴۸۶	۱۸	ممخ	مُخّ
۴۹۰	۱۱	سوار	سوداگر
۴۹۲	۱	قبول دعا فرمائے	دعا قبول فرمائے
۴۹۳	۵	میں دور نہیں ہوا	میں درد نہیں ہوا
۴۹۵	۱۵	کہ مرے بیٹے	کہ میرے بیٹے
۴۹۶	۵	میں تو نہیں توڑی	میں نے تو نہیں توڑی
۴۹۹	۲۰	طیب نہیں ہونا	طیب نہیں ہوتا
۵۰۰	۱۱	حسن بن علویہ فرمانے تھے	حسن بن علویہ فرماتے تھے
۵۰۴	۱۵	اسے سوالات ترک	اس سے سوالات نہ کر
۵۰۵	۱۶	دو قمیض	دو قمیضیں
۵۰۸	۱۳	میں انہی سے سنا	میں نے انہی سے سُنا
۵۰۹	۱۱	قمیض	قمیص
۵۱۰	۱۱	یو فرماتے	یوں فرماتے
۵۱۲	۴	صلح نہیں ہوئی	صلح نہیں ہوتی
۵۱۲	۱۱	سیراب کرتی ہے	سیراب کرتا ہے
۵۱۵	۱۴	معلوم نہیں	معدوم نہیں
۵۱۶	۳	حالت پے	حالت پر

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
٥٢٠	٧	اللہ کا عبادب گذار	اللہ کا عبادت گذار
٥٢٣	٢	سکھایا	بتایا
٥٢٦	١٩	تھیلا مجھ دیجئے	تھیلا مجھے دیجئے
٥٢٨	٦	سفرکر	سفرکو
٥٢٨	٢١	دروازنہ تھا	دروازہ نہ تھا
٥٣٠	١١	چلنے لگتے تو فرمایا	چلنے لگے تو فرمایا
٥٣٠	١١	اے ابوالحسین	اے ابوالحسن
٥٣٢	١٥	اگرتم اس کی حالت میں کس حالت میں	اگر تم اس کی حالت میں کسی قسم کی
٥٣٩	٢٣	نہ اس کی کو ضد ہے	نہ اس کی کوئی ضد ہے
٥٤١	٢٠	ظرف	صرف
٥٥٠	١٠	وفات کا قریب آیا	وفات کا وقت قریب آیا
٥٥١	١٣	سورح	سُورج
٥٥٢	١٢	لفظ "اس نے" دو دفعہ لکھا گیا ہے	حذف کیا جائے
٥٥٦	٥	محمد بن عبداللہ العوفی	محمد بن عبداللہ الصوفی
٥٥٧	٢	خلاص	خلاصی
٥٥٩	١٨	اِس	"زائد ہے"
٥٦٢	-	لفظ محبت (١٥٠) سے پہلے	"٤٦" کا ہندسہ لکھا جائے

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
٥٦٨	١٢	مراد کیا جائے	مراد لیا جائے
٥٦٩	١١	مگر اس سے کی	مگر اس کی
-	-	٥٨١ کو	٥٨٢ پڑھیں
-	-	٥٨٢ کو	٥٨١ پڑھیں
٥٨٤	١	وَقَدْ رَبِكَ	وقُدُ نَبتِكَ
٥٨٥	٦	مبارک	منازل
٥٨٥	٨	ومبارک	ومنازل
٥٨٥	١٠	رتجبُ	تحجبُ
٥٨٧	٧	موجود ہوتے ہیں	موجود ہوتے
٥٨٩	١٣	نتعب	شعیب
٥٩٠	٢١	شات	شَابَ
٥٩٣	لفظ	ہم سماغ دو دفعہ لکھا گیا ہے	ایک کو حذف کیا جائے
٥٩٤	١١	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اشعار سنتے تھے	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اشعار سنتے تھے
٥٩٤	١٦	ہم نے	ہم سے
٥٩٦	١٩	لڑکی شادی	لڑکی کی شادی
٦٠٢	١	کہا کیا ہے	کہا گیا ہے
٦٠٣	٢٢	استشار	استتار

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۶۰۴	۷	دوسرے قسم	دوسری قسم
۶۰۵	۱۸	نہیں پایا ؟	نہیں پاتا ؟
۶۱۱	۲۳	کانوں میں	میرے کانوں میں
۶۱۲	۲	وجہی	وجیہی
۶۱۴	۱۶	گانا گا	گانا گاؤ
۶۱۵	۱۶	امر ہے کہ جس	امر ہے جس
۶۱۸	۱۹	وہ یہی عقیدہ	یہی عقیدہ
۶۲۴	آخری	اس عورت کے کہا	اس عورت نے کہا
۶۲۹	۱۵	ابوخاتم	ابوحاتم
۶۳۸	۷	بابینا	نابینا
۶۴۰	۱۱	روایت سے کر رہے ہیں	روایت کر رہے ہیں
۶۴۱	۱۳	معاملہ ہو جھلا اُسے	معاملہ ہو اُسے
۶۴۲	۷	دبے جاتے	دیئے جاتے
۶۴۶	۳ - ۴	جب میں نے کا کھانا	جب میں نے کھانا
۶۴۹	۱	تمہارے پہنچ	تمہارے پاس پہنچ
۶۴۹	۲	کہ کون ہے	کہ تو کون ہے
۶۵۴	۶	قضاءکی حاجت	قضاءِ حاجت

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۶۵۴	۱۸	سونا بنایا چاہیے	سونا بنانا چاہیئے
۶۵۵	۱۵	کہ میں ایک	کہ ایک
۶۵۷	۱۶-۱۷	کس قدرے گندے	کس قدر گندے
۶۵۹	۲۲	فرض نماز کے وقت نہیں	فرض نماز کے وقت انہیں
۶۶۰	۱۶	ابوبکر محمد بن علی مکرینی	ابوبکر محمد بن علی نکرینی
۶۶۲	۱۵	ایوب جمال	ایوب حمال
۶۷۲	۱۴	کہتے کہ	کہتے ہیں کہ
۶۷۴	۳	تمہارا آ نہ سویا ہو	تمہارا آقا نہ سویا ہو
۶۷۴	۴	سعید بن جبیر	سعید بن جبیر
۶۸۱	۵	جیسے کہ لوگ	جیسے لوگ
۶۸۴	۶	کیا گیا	کیا کیا
۶۸۷	۲۳	کسی کو خواب	کسی نے خواب
۶۸۹	۱۴	احمد بن حنبل	احمد بن حنبل (۱۳۴۳)
۷۰۲	۵	بدلوؤں	بدبوؤں
۷۰۷	۱۰	ومن	ویح
۷۰۸	۱۵	رسبانیت	رحبانیت
۷۱۷	۱۲	تعیین میں نہیں	تعیین نہیں

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۷۱۴	۱۰	مہارت نامہ	مہارت نامہ
۷۱۶	۱	ابن رشق	ابن رشیق
۷۱۹	۲۰	ہر عملے کے	ہر عملے کو
۷۳۴	۱۶	سالوں سے	سالوں کے
۷۴۰	۲۲	زفاق	زقاق
۷۴۳	۱	ابوعبید لیری	ابوعبید لبسری
۷۴۳	۱۵	کوئی بھی نام نہیں ہے یاقوت جبین	کوئی بھی نام مراد نہیں ہے یاقوت نے جبین
۷۴۴	۸	زندہ رہنے	زندہ رہے
۷۴۴	۱۸	اُن سے سال	ان سے اسی سال
۷۴۵	۹	التدیہ	البدایہ
۷۴۶	۱۸	سنتہ الہیر کہ	سنتہ الہیر مکہ
۷۴۹	۲۱	اسروشتہ	اسروشنہ
۷۵۶	۱۶	چھپا	چھپا ہے
۷۵۸	۱۹	الوعلی	ابوعلی
۷۵۸	۲۳	ہے	"زائد ہے"
۷۶۱	۹	تروغبدی طوس	تروغبدی ہے تروغبو طوس
۷۶۴	۲۲	سینیزی	سینیزی
۷۶۶	۱۳	قبر لودلی	قبر طودکی

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۷۸۵	۱۳	حالانکہ کے	حالانکہ
۸۴۶	۱۴	مورق المشمرج	مورق بن المشمرج
۸۵۱	۸	یاقوت حموی فر ہیں	یاقوت حموی فرماتے ہیں
۸۵۱	۱۵	(۱۰۱۹) کی بحث	ولایت (۱۰۱۹) کی بحث
۸۵۱	۱۶	لقلوب	حیات القلوب
۸۹۶	۱۴	تذکرۃ الحفا	تذکرۃ الحفاظ

صحیح	غلط	کالم	صفحہ نمبر
ابراہیم نخعی	ابراہیم سخفی	۲	۹۰۳
ابراہیم الہجری	ابراہیم الجبری	۲	۹۰۳
القرمینی	القمر سینی	۱	۹۰۴
القلانسی	الغلالسی	۲	۹۰۴
ابونصر	ابوتصر	۱	۹۰۵
بقی	لقی	۲	۹۰۵
ابوبکر الحربی	ابوبکر الخزلی	۲	۹۰۵
ابوبکر دقاق	ابودقاق	۲	۹۰۵
احمد بن دلویہ	احمد بن داویہ	۲	۹۰۵
ابوبکر طاہر الابہری	ابوبکر طاہر الابری	۱	۹۰۶
ابوبکر ہمدانی	ابوہمدانی	۲	۹۰۶
ابوعمرو البیکندی	ابوعمرو البینکندی	۱	۹۰۷
محمد بن محمد الاشعث البیکندی	محمد بن محمد الاشعث النبکندی	۱	۹۰۷
جریر بن عبداللہ	جریدبن عبداللہ	۱	۹۰۸
جریری	جریدی	۱	۹۰۸
ابوجعفر حداد	ابوجعفر خداد	۲	۹۰۸
الجلاجلی	الجلاء جلی	۱	۹۰۹

صفحہ نمبر	کالم	غلط	صحیح
۹۱۰	۱	ابوحاتم سحستانی	ابوحاتم سجستانی
۹۱۰	۱	ابوعبداللہ الحراث	ابوعبداللہ الحارث
۹۱۰	۲	ابوالحارث الاہلاسی	ابوالحارث الاولاسی
۹۱۰	۲	حارثہ	حارثہ
۹۱۱	۱	حسن خداد	حسن حداد
۹۱۳	۱	ابوبکر الحسین بن علی بن یزداسنیار	ابوبکر الحسین بن علی بن یزدانیار
۹۱۴	۱	عنزۃ یوسف السہمی الجرجانی	حمزۃ بن یوسف السہمی الجرجانی
۹۱۴	۲	ابوجناب	ابوحباب
۹۱۴	۲	ابوالخفیف بن المتہرا	ابوالخفیف بن المتیز
۹۱۵	۲	الدراخ	الدراج
۹۱۶	۱	ابوالدوافیق	ابوالدوانیق
۹۱۶	۲	ابوزبیح الزہرانی	ابوربیح الزہرانی
۹۱۶	۲	ابوزبیح الواسطی	ابوربیح الواسطی
۹۱۷	۲	زنجویہ البلاد	زنجویہ اللباد
۹۱۸	۱	ابوسبزہ المتعی	ابوسبرہ النخعی
۹۱۸	۱	ابوالسراج	ابونصر السراج

صفحہ نمبر	کالم	غلط	صحیح
۹۲۱	۱	شنام	شمام
۹۲۱	۱	شیبان راہی	شیبان راعی
۹۲۱	۲	ابو ماتکہ طریف بن سلیمان	ابو تمالکہ طریف بن سلیمان
۹۲۲	۱	ابوالعباس بن عطاد	ابوالعباس بن عطا
۹۲۳	۱	ابوالعباس بن الولید الزورنی	ابوالعباس بن الولید الزوزنی
۹۲۴	۱	عبدالرزاق ہمام	عبدالرزاق بن ہمام
۹۲۴	۲	عبداللہ بن ادریس الاودی	عبداللہ بن ادریس الاودی
۹۲۵	۱	عبدالرازی	عبداللہ الرازی
۹۲۵	۱	ابوبکر عبداللہ بن طاہر الابہی	ابوبکر عبداللہ بن طاہر الابہری
۹۲۵	۱	عبداللہ بن عامر کریز	عبداللہ بن عامر بن کریز
۹۲۵	۲	عبداللہ بن عبدالوہاب الجمی	عبداللہ بن عبدالوہاب الحجبی
۹۲۶	۱	ابو عبداللہ الاباس البغدادی	ابو عبداللہ الدباس البغدادی
۹۲۶	۱	ابو عبداللہ للایلمی	ابو عبداللہ الدیلمی
۹۲۶	۲	ابو عبداللہ القرشی	ابو عبداللہ القرخی
۹۲۶	۲	ابو عبداللہ بن قرمان	ابو عبداللہ بن قہرمان
۹۲۸	۱	عبدالواحد بن میمون مولاعروۃ	عبدالواحد بن میمون مولی عروۃ
۹۲۸	۱	ابوالحسین عبداللہ بن احمد بن المقرب التری	ابوالحسین عبداللہ بن احمد بن المقرب المقری

صفحہ نمبر	کالم نمبر	غلط	صحیح
۹۲۸	۱	عتیبہ الغلام	عتبۃ الغلام
۹۲۸	۲	عثمان بن عمر العبی	عثمان بن عمر الضبی
۹۲۸	۲	عروہ (شیام کا باپ	عروہ (ہشام کا باپ)
۹۲۹	۱	ابو تراب عسکر بن حسین النخیشی	ابو تراب عسکر بن حسین النخشبی
۹۲۹	۱	ابن عطا السرودرباری	ابن عطا الرودباری
۹۲۹	۱	عطا بن بیار	عطا بن یسار
۹۲۹	۲	علی (ابو یزید بطامی کا بھائی	علی (ابو یزید بسطامی کا بھائی
۹۲۹	۱	العلا الخرمی	العلا الحضرمی
۹۳۰	۱	علی ابن جیس	علی بن جبیش
۹۳۰	۱	علی بن الحسین الحلالی	علی بن الحسین الہلالی
۹۳۰	۲	علی بن سر الحانظ	علی بن عمر الحافظ
۹۳۲	۱	ابو علی خیوی	ابو علی شبوی
۹۳۲	۲	عیاش بن ماتم	عیاش بن محمد بن حاتم
۹۳۳	۲	ابن علینہ	ابن عیینہ
۹۳۳	۲	عنان بن عبید	غسان بن عبید
۹۳۴	۱	عُنام	غنام
۹۳۴	۱	فضیل بن عیاص	فضیل بن عیاض

صفحہ نمبر	کالم نمبر	غلط	صحیح
۹۳۴	۲	فیرورد ابوعلی دقاق کی لونڈی	فیروز (ابوعلی دقاق کی لونڈی)
۹۳۵	۱	قرحطی	قرمطی
۹۳۵	۲	ابوقلدیہ	ابوقلابہ
۹۳۵	۲	کرزبن ولیسرہ	کرزین وبیرہ
۹۳۶	۱	ابن لہیعہ	ابن لہیعہ
۹۳۶	۱	مالک بن مقول	مالک بن مغول
۹۳۶	۱	مجاسی	محاسبی
۹۳۶	۲	ابومحمد الفطریفی	ابومحمد الغطریفی
۹۳۷	۲	ابوحاتم البتانی	ابوحاتم السجستانی
۹۳۷	۲	محمد بن اسمعیل الفرمانی	محمد بن اسمعیل الفرغانی
۹۳۷	۲	ابوطاہر محمد بن السید الدقی	ابو طاہر محمد بن اسید الدقی
۹۳۸	۱	محمد بن الاشعث ابیکنڈی	محمد بن الاشعث البیکندی
۹۳۹	۱	محمد بن الحسین الخزومی	محمد بن الحسین المخزومی
۹۳۹	۱	محمد بن الحسین ایطامی	محمد بن الحسین البسطامی
۹۴۰	۲	محمود بن عبد صبوقی	محمد بن عبد صوفی
۹۴۱	۱	محمد بن علی التجالی	محمد بن علی الیتحانی
۹۴۱	۲	محمد بن عمرو بن علقہ	محمد بن عمرو بن علقمہ

صفحہ نمبر	کالم نمبر	غلط	صحیح
۹۴۲	۱	محمد بن مروق	محمد بن مسروق
۹۴۲	۱	محمد بن المسومی	محمد بن المسوحی
۹۴۲	۱	محمد بن معتور الطوسی	محمد بن منصور الطوسی
۹۴۲	۱	محمد بن نصیر بن مصور الصائغ	محمد بن نصیر بن منصور الصائغ
۹۴۲	۲	محمد یزید القراطبی	محمد یزید القراطیسی
۹۴۳	۱	ابن مروق	ابن مسروق
۹۴۳	۱	ابوالعباس احمد بن محمد بن مروق	ابوالعباس احمد بن محمد بن مسروق
۹۴۳	۱	المظفر الجصیاص	المظفر الجصاص
۹۴۲	۱	معاذ بن مثنی	معاذ بن مثنی
۹۴۳	۱	معاذ النفی	معاذ الثقفی
۹۴۳	۲	ابومعاویہ الغریز	ابومعاویہ الضریر
۹۴۲	۲	ابومعادیہ الاموود	ابومعاویہ الاسود
۹۴۳	۲	المتاحی	المفتاحی
۹۴۳	۲	شاد الدینوری	ممشاد الدینوری
۹۴۳	۲	ابوعلی شاد بن سعید العکبری	ابوعلی ممشاد بن سعید العبکری
۹۴۴	۲	موسلی بن الجاج	موسیٰ بن الحجاج
۹۴۴	۲	ابوالبخم القری البروعی	ابوالنجم المقری البروعی
۹۴۵	۲	ابوالنضر بن غیل	ابو نضر بن شمیل

صفحہ نمبر	کالم نمبر	غلط	صحیح
۹۲۵	۲	نعم بن مورع بن قوبہ	نعیم بن مورع
۹۲۵	۲	انہر جودی	النہر جوری
۹۲۶	۱	ہارون بن محمد الدقاق	ہارون بن محمد الدقاق
۹۲۶	۱	ہانی عبدالرحمن بن ابی عبد العقیل	ہانی بن عبدالرحمن بن ابی جبلہ العقیلی
۹۲۶	۱	حرم بن حیان	ھرم بن حیان
۹۲۶	۱	ہلال بن مینہ	ہمام بن منبہ